علوم الحدیث

فنی، فکری اور تاریخی مطالعہ

ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر

نشریات

E - Books Releaser

The Real Muslims Portal

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علوم الحدیث

فنی، فکری اور تاریخی مطالعہ

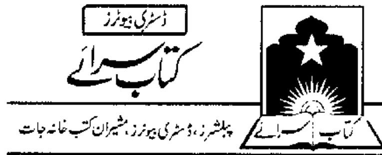
تالیف

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر
ڈائریکٹر سیرت چیئر
اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور

نشریات
۴۰ اُردو بازار، لاہور۔ فون: ۰۳۲۱۔۴۵۸۹۴۱۹

۲۹۷۔۱۲۴۰۹ عبدالرؤف ظفر، ڈاکٹر، پروفیسر
ع ب د۔ع علوم الحدیث، فنی، فکری اور تاریخی مطالعہ
لاہور۔نشریات
۲۰۰۶ء ص:۹۸۹
ا۔حدیث، تاریخ، تدوین، نقد
ISBN 969-8983-00-7

کتاب: علوم الحدیث۔فنی، فکری اور تاریخی مطالعہ
مؤلف: پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر
اہتمام: نشریات، لاہور
مطبع: قدوسیہ اسلامک پریس، لاہور
قیمت: ۵۰۰ روپے



فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اردو بازار، لاہور فون: 7320318
ای میل: hikmat100@hotmail.com

کراچی میں ملنے کا پتہ
فضلی بک سپر مارکیٹ، اردو بازار، کراچی ۲۲۱۲۹۹۱:۰۲۱

ترتیب

حرف اوّل پروفیسر عبدالجبار شاکر ۱۲

عرض مصنف ۱۸

باب اوّل تعارف حدیث

چند بنیادی اصطلاحات ۲۱

- سند ۲۱
- متن ۲۳
- حدیث ۲۴
- خبر ۲۷
- اثر ۲۹
- سنت ۳۱
- المسنِد (نون پر زیر سے) ۳۶
- المسنَد (نون پر زبر) ۳۶
- المحدّث ۳۶
- الحافظ ۳۷
- الحجہ ۳۷

حدیث نبوی کی اہمیت، ضرورت و حجیت ۳۸

- حدیث وحی الٰہی ہے ۳۹

- حدیث کی تشریعی حیثیت ۴۲
- ہدایت اطاعتِ رسول سے مستلزم ہے ۴۸

کتابت حدیث (ارشاداتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں حکم کتابت ۵۶

- اور منع کتابتِ حدیث میں تطبیق)

حوالہ جات ۸۱

باب دوم سند حدیث

سند حدیث کی اہمیت ۹۱

- السند ۹۲
- المتن ۹۳
- محدثین کا اسناد کی طرف رجحان ۹۴

سند حدیث کا آغاز وارتقاء ۱۰۶

مستشرقین اور سندِ حدیث ۱۱۸

- سند حدیث کا آغاز وارتقاء ۱۱۹
- تحریک استشراق کا آغاز وارتقاء ۱۲۳
- سندِ حدیث پر مستشرقین کے اعتراضات اور ان کے جوابات ۱۲۴

حوالہ جات ۱۳۲

باب سوم علوم الحدیث

محدث وطالب حدیث کے آداب ۱۴۱

- آداب ۱۴۲

◆ محدث اساتذہ کے ہاں جانے کے آداب ۱۵۰
◆ محدث کے آداب وفرائض ۱۶۱
◆ آداب روایت ۱۶۶
مقام صحابہؓ اور کتب معرفۃ الصحابۃ ۱۶۸
◆ عدالت صحابہ ۱۶۹
◆ کتب معرفۃ الصحابہ ۱۶۸
فن اسماء الرجال ۱۸۸
◆ فنِ اسماء الرجال ۱۸۸
◆ فن اسماء الرجال کا ارتقاء ۱۹۶
◆ کتب معرفۃ الصحابہ ۱۹۹
◆ کتب طبقات ۲۰۳
◆ کتب التاریخ ۲۰۸
◆ رجال کتب الصحاح الستہ ۲۱۲
◆ کتب الجرح والتعدیل ۲۱۸
علم جرح وتعدیل کا تحقیقی جائزہ ۲۲۶
◆ علم جرح وتعدیل کی اہمیت ۲۲۸
◆ علمِ جرح وتعدیل کا ارتقاء ۲۳۲
◆ وجوہ طعن فی الراوی ۲۳۸
◆ مراتب جرح وتعدیل ۲۳۹
◆ کتب جرح وتعدیل ۲۴۱

فنِ تخریج حدیث ۲۴۴

- تخریج حدیث کی اہمیت ۲۴۷
- تخریج حدیث کے فوائد ۲۴۷
- فن تخریج حدیث کا ارتقائی جائزہ ۲۵۱
- تخریج حدیث کے طریقے ۲۵۴

علم الانساب ۲۷۶

- تعریف ۲۷۶
- علم الانساب پر اہم تصنیفات ۲۸۶

علم معرفۃ الاسماء والکنٰی ۲۹۰

- نام اور کنیت کی معرفت ۲۹۰
- الاسماء والکنٰی پر اہم تصنیفات ۲۹۱

معرفۃ الالقاب ۳۰۱

- القاب پر مشتمل کتب ۳۰۲

علم الطبقات ۳۰۳

- کتب طبقات ۳۰۷

نقد حدیث ۳۱۲

- نقد حدیث کی ضرورت و تاریخی پس منظر ۳۱۲
- نقد حدیث کی ماہیت ۳۱۴
- خارجی نقد حدیث ۳۱۴

◆ داخلی نقد حدیث ۳۱۶

◆ محدثین کا نقد حدیث کا اہتمام ۳۲۶

◆ منکرین حدیث کا نقد حدیث کے بارے میں رویہ ۳۲۸

◆ مستشرقین کا نقد حدیث کے بارے رویہ ۳۲۹

حوالہ جات ۳۳۲

باب چہارم کتب حدیث

انواع کتب حدیث ۳۶۱

المسانید ۳۸۰

◆ کتب مسانید ۳۸۱

المستدرک ۴۱۲

◆ کتب مستدرکات ۴۱۲

المستخرج ۴۲۷

◆ کتب مستخرجات ۴۳۰

غریب الحدیث ۴۴۷

◆ غریب الحدیث کے کام کا آغاز وارتقاء ۴۴۸

المسلسلات ۴۸۰

کتب الاطراف ۴۸۵

امام مالکؒ اور ان کی مؤطا ۵۰۵

◆ تدریس حدیث ۵۲۵

◆ مؤطاامام مالک ۵۲۳

صحیحین اوران کی شرائط ۵۲۵

◆ صحیحین کے بارے میں علماء ومحدثین کی رائے ۵۲۸

◆ شرائط صحیحین برائے اخذ احادیث ۵۳۴

الأمالی ۵۳۸

◆ کتب الأمالی کے فوائد ۵۳۹

حدیث قدسی ۵۵۰

◆ اہم مصنفات فن ۵۵۲

الاجزاء ۵۵۵

المصنف ۵۶۴

المختصرات ۵۶۹

المنتخبات ۵۷۵

حوالہ جات ۵۸۰

باب پنجم تاریخ حدیث

مراکز حدیث ۶۱۵

◆ مکہ مکرمہ کے مراکز حدیث ۶۱۶

◆ مدینہ منورہ کے مراکز حدیث ۶۲۰

◆ مدینہ کے محدثین ۶۲۶

◆ الریاض ۶۲۸

- کوفہ کے مراکز حدیث ۶۲۹
- بصرہ کے مراکز حدیث ۶۳۳
- شام کے مراکز حدیث ۶۳۸
- مصر کے مراکز حدیث ۶۴۱
- یمن کے مراکز حدیث ۶۴۴

اندلس میں علم حدیث کا ارتقاء ۶۴۶

برصغیر میں علم حدیث ۶۶۹

- مدارس علوم الحدیث ۷۲۳

برصغیر میں اسالیب تدریس حدیث ۷۳۶

- درس و تدریس حدیث کا ارتقائی جائزہ ۷۳۶
- برصغیر میں رائج نصاب تعلیم ۷۳۸
- تدریسی اسالیب ۷۴۳
- برصغیر کی نامور شخصیات کی تدریس حدیث (تاریخی جائزہ) ۷۴۷
- تدریس حدیث میں جدید سہولتوں کے استعمال کا رویہ ۷۵۵
- برصغیر میں تدریس حدیث کے اثرات ۷۵۶

حوالہ جات ۷۶۰

باب ششم مکاتب فکر اور ان کا نظریہ حدیث

فتنہ انکار حدیث (تاریخی و تحقیقی جائزہ خصوصاً برصغیر کے تناظر میں) ۷۸۵

- تاریخی پس منظر ۷۸۵

- منکرین حدیث کے مختلف گروہ ۷۸۶
- فتنہ انکار حدیث کے اسباب ۷۸۶
- برصغیر کے منکرین حدیث ۸۱۲
- منکرین حدیث کے مراکز ۸۳۰
- فتنہ انکار کے رد میں لکھی جانے والی کتب ۸۳۳
- موجودہ صورت حال ۸۳۵

خوارج (تاریخی پس منظر، عقائد اور روایت حدیث) ۸۳۷

- ابتدائی تاریخ ۸۳۹
- خوارج کے مشہور فرقے ۸۴۲
- روایت حدیث اور خوارج ۸۴۷

اہل تشیع اور ان کا نظریہ حدیث ۸۶۱

- شیعہ کی تعریف ۸۶۱
- اہل تشیع کی کتب صحاح اربعہ اور ان کی شروح ۸۶۸
- اہل تشیع کی کتب رجال ۸۷۴

معتزلہ ۸۷۷

- معتزلہ کے اصول خمسہ ۸۸۶
- معتزلہ کے فرقے ۸۸۹
- معتزلہ کی کتب ۹۰۴
- معتزلہ اور حدیث نبوی ۹۰۵
- حدیث نبوی اور صحابہ کرام کے متعلق بعض اکابرین معتزلہ کی رائے ۹۰۶

حدیث نبوی ﷺ اور مستشرقین ۹۱۳

- تحریک استشراق کا آغاز وارتقاء ۹۱۳
- مستشرقین کے مقاصد ۹۱۵
- مستشرقین کی تحقیق کے اہم نکات ۹۱۷
- مستشرقین کا طریقہ کار ۹۱۸
- مستشرقین کے حدیث نبوی ﷺ پر اعتراضات اور ان کے جوابات ۹۱۸
- استشراقی فکر پر گولڈزیہر کے اثرات ۹۲۶

مولانا امین احسن اصلاحی کا نظریہ حدیث ۹۳۳

- حدیث سے متعلق مولانا کا عام رویہ ۹۳۴
- مولانا اصلاحی صاحب کا سنت کا نیا مفہوم متعین کرنا اور اس کی
- مناسبت سے احادیث سے بُعد کی راہ دکھلانا ۹۳۵
- مولانا کے ہاں اصول تفسیر میں سنت متواترہ اور احادیث کا مقام ۹۳۷
- نسخ قرآن بذریعہ احادیث میں مولانا اصلاحی کا نقطہ نظر ۹۳۸
- تفسیر قرآن میں مولانا اصلاحی کی حدیث سے بے اعتنائی ۹۴۰

حوالہ جات ۹۴۶

منتخب مصادر ومراجع ۹۷۳

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

حرفِ اوّل

اسلام دین فطرت ہے جس کی جملہ تفصیلات اور جزئیات کا علم قرآن مجید اور احادیث نبویہ کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کے ان دونوں سرچشموں کی نوعیت لازم وملزوم کی سی ہے۔ انہیں اگر کم فہمی اور کج بحثی سے ایک دوسرے سے جدا کرنے کی مذموم کوشش کی جائے تو اسلامی تہذیب وتمدن کے ایوان کی بنیاد ختم ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید اگر وحی متلو ہے تو حدیث وحی غیر متلو ہے۔ جس محفوظ طریق پر قرآن مجید نازل ہوا' بعینہٖ اس کے اصولوں اور احکامات کی تشریح وتوضیح بھی پوری حفاظت اور ذمہ داری کے ساتھ انہی ہاتھوں سے محفوظ ہوئی' جنہیں قرآن مجید کی آیات بینات کو قید کتابت میں لانے کی سعادت اور توفیق مرحمت ہوئی۔ یہ کیسی عجیب بات ہوگی کہ جس زبان اور جن ہاتھوں سے آیات قرآنیہ نصیب ہوئیں بالکل اسی زبان اور انہیں ہاتھوں سے ملنے والی احادیث کو نظر انداز کر دیا جائے۔ یوں حدیث اور حفاظت حدیث کے اہتمام سے انکار خود قرآن مجید کی حجیت اور قطعیت سے بالفعل اور بالعمل انکار پر مستلزم ہے۔ ارباب علم ودین سے بڑھ کر اس حقیقت سے کون باخبر ہو سکتا ہے کہ وحی کی تنزیل سے قبل خود رویائے صادقہ کا ایک طویل دورانیہ ملتا ہے جس کے اظہار وآثار کو وحی کے علاوہ کوئی اور نام نہیں دیا جا سکتا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر باقاعدہ وحی نازل ہونے سے قبل کے تمام مکالمات کو جو جبریل علیہ السلام کے ساتھ ادا ہوئے' کیا نام اور مقام دیا جائے گا۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم ۵۳:۳-۴)

''آپؐ اپنی خواہش سے بات نہیں فرماتے بلکہ وہ تو وحی ہے جو آپؐ پر نازل کی جاتی ہے''۔

ہماری دینی اور اسلامی روایت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ورسل علیہم السلام کا تذکرہ ملتا ہے۔ ان میں سے صرف ۳۱۵ کو کتب وصحائف سے نوازا گیا' بھلا سوچیے تو سہی باقی انبیاء کے ساتھ کلام الٰہی کی نوعیت کو حدیث کے علاوہ آپ کیا نام دے سکتے ہیں۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء حدیث کی تنزیل سے ہوئی اور آپؐ کی حیات مبارکہ میں جبریل علیہ السلام

سے آخری مکالمہ بھی حدیث کی صورت میں وقوع پذیر ہوا۔اس ضمن میں قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ پر توجہ کیجیے:

اِنَّآ اَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡکَ کَمَآ اَوۡحَیۡنَآ اِلٰی نُوۡحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ وَاَوۡحَیۡنَآ اِلٰۤی اِبۡرٰہِیۡمَ وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَعِیۡسٰی وَاَیُّوۡبَ وَیُوۡنُسَ وَہٰرُوۡنَ وَسُلَیۡمٰنَ. وَاٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا (النساء۴:۱۶۳)

''اے نبیؐ ہم نے تمہاری جانب اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح کہ نوحؑ اور اس کے بعد کے انبیاء کی طرف بھیجی تھی۔ہم نے ابراہیمؑ،اسمٰعیلؑ،اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ ،عیسیٰؑ ،ایوبؑ ، یونسؑ،ہارون اور سلیمانؑ کی طرف وحی بھیجی ،ہم نے داؤدؑ کو زبور دی''۔

انبیاء علیہم السلام کو جس ذریعے سے ہدایت کا پیغام اور احکامات دیے گئے' وہ سب وحی کے علاوہ کچھ اور نہ تھے' اگر یہ وحی متعین الفاظ میں تھی تو متلو اور اگر تشریحی اور توضیحی نوعیت کی تھی تو غیر متلو کہلائے گی مگر اس کی ہر صورت وحی کے قالب میں ڈھلی ہوئی ہے۔قرآن مجید کی مثل مصحف سماوی کا ثبوت تو تاریخ ادیان کے آثار میں ملتا ہے مگر امت مسلمہ کا یہ منفرد افتخار ہے کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمانی اور تشریعی تعلق کے باعث آپؐ کے اقوال' افعال' احوال' اعمال اور آثار حتیٰ کہ آپ کے شمائل و عادات کو بھی کمال عقیدت اور حزم واحتیاط کے ساتھ محفوظ کیا ہے۔یہی باعث ہے کہ علوم الحدیث پوری انسانی تاریخ کا سب سے ممتاز اور اعلیٰ علم وفن ہے' جس کے حفظ و انصرام میں انہوں نے اپنے دل و دماغ کی اعلیٰ ترین صلاحیتیں صرف کی ہیں کہ جس کی وجہ سے یہ علم مسلمانوں کے تخلیقی شعور کے اظہار کا سب سے مؤثر وسیلہ بن گیا ہے۔علم الحدیث کی حفاظت مطالبہ ربانی بھی ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس اسوۂ حسنہ کو محفوظ رکھنے کا شدت سے احساس تھا۔وہ استثنائی روایت کہ جس میں ایک خاص موقع پر ایک مخصوص مصلحت کے تحت آپؐ نے قرآن کے علاوہ کچھ اور نہ لکھنے کی تاکید فرمائی' ان بیسیوں روایات کی نقیض نہیں ہوسکتی جس میں ان روایات کو لکھنے' سیکھنے' سکھانے اور دوسروں تک پہنچانے کی تلقین موجود ہے۔

تَسۡمَعُوۡنَ وَ یُسۡمَعُ مِنۡکُمۡ وَ یُسۡمَعُ مِمَّنۡ یَسۡمَعُ مِنۡکُمۡ

''تم لوگ مجھ سے سنتے ہو' دوسرے لوگ تم سے سنا کریں گے اور پھر ان

سے اور لوگ سنیں گے اور پھر ان سے اور لوگ سنیں گے''۔

نَضَّرَ اللّٰہُ امْرًا سَمِعَ مَقَالَتِی فَوَعَاھَا حَتّٰی یُؤَدِّیَھَا اِلٰی مَنْ لَمْ یَسْمَعُھَا

''اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو رونق اور روشنی عطا کرے، جس نے میری بات سنی اور پھر یاد رکھی، یہاں تک کہ وہ بات، اس شخص تک پہنچا دی، جس نے اسے نہیں سنا''۔

مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّداً فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ

''جو شخص جانتے بوجھتے میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے گا تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے''۔

خطبۃ حجۃ الوداع جو انسانی تاریخ میں بنیادی حقوق کی سب سے اولین اور اہم ترین آئینی اور دستوری دستاویز ہے، اسے بیان کرنے کے بعد آپؐ نے فرمایا:

فیبلغ الشاھد الغائب.

''جو موجود ہیں، وہ غیر موجود تک اسے پہنچا دیں''۔

اس نوعیت کے کلمات اور ارشادات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپؐ کو اپنی احادیث دوسروں تک پہنچانے کی کس قدر فکر تھی کہ اس ذمہ داری کے لیے کئی نوعیت کے انتظامات کیے۔ ہمیں یہ علم ہونا چاہیے کہ یہ ذخیرۂ حدیث جو آج تک امت کی ہدایت کے لیے موجود ہے، یہ تین مستقل ذرائع سے منتقل ہوا ہے۔ عربوں کے حافظے کی خوبی سے کون واقف نہیں ہے۔ ہزاروں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے انہیں کمال عقیدت و احترام سے اپنے حافظے میں محفوظ کیا۔ اگر چودہ سو سال گزرنے کے بعد آج بھی ان احادیث کے سیکڑوں حفاظ امت میں موجود ہیں تو اس ہادی کامل صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حفظ و حفاظت کا کیا عالم ہوگا۔ بہت سے صحابہؓ آپؐ کے ارشادات کو باقاعدہ لکھتے تھے اور اس سلسلے میں آپ کی اجازت کی بیسیوں روایات تاریخ الحدیث اور تدوین حدیث کی کتب میں موجود ہیں۔ خود تعامل امت ایک مستند ذریعہ ہے کہ جس کے باعث آپؐ کی مسنون زندگی کی ہر ادا اور ہر حکم کاملاً محفوظ ہو گیا ہے۔ یہ بات ہمارے ایمان کا حصہ ہے کہ آپؐ کی شخصیت واجب الاتباع اور واجب التقلید ہے۔ آپؐ کے طرز عمل کو اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا ہے۔ آپؐ کے ارشادات اور اعمال کو امت کے تنازعات کے رفع کرنے کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ وَمَآ اٰتٰکُمُ

الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر ۵۹:۷) (جو کچھ رسول تمہیں دے دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رک جاؤ)۔ یوں ایک رسول اور شارع کی حیثیت سے قرآنی احکامات کی تشریح و توضیح کی ذمہ داری آپ کے منصب نبوت کا ناگزیر تقاضا ہے جس کی تمام تر تفصیلات ذخیرۂ حدیث کے علاوہ کہیں اور دکھائی نہیں دیتیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ان تمام وثائق کی تفصیل بڑی تحقیق اور جان فشانی کے ساتھ فراہم کر دی ہے جو عہد رسالتمآب میں لکھے گئے۔ قرآن مجید کے متن کے علاوہ یہ متنوع تحریریں کس فنی نوعیت کی ہیں' ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ احادیث کے کن کن پہلوؤں کو خود آپ کے زمانہ خاص میں ہی قلم بند کر لیا گیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں تو آپ کی شخصیت سراپا دعوت تھی اور صحابہ کی جملہ مشکلات اور مسائل کا حل براہ راست ان کو میسر تھا۔ آپ کی حیات طیبہ میں جب قرآن مجید نے تکمیل دین کا اعلان کیا تو پھر آپ کی وفات کے بعد صحابہ نے اپنے تعامل کے علاوہ ان تمام روایات کو باہمی مذاکروں اور ضرورتوں کے مواقع پر دہرایا۔ ان روایات کی جمع و ترتیب کے ساتھ ساتھ متن اور سند کے حوالے سے وہ علوم و فنون منصۂ شہود پر آئے کہ ابن الصلاحؒ کے بقول ان کی تعداد ۶۵ ہے اور ابن حجر عسقلانی" اس سے بھی زیادہ علوم الحدیث اور فنون حدیث کا تذکرہ کرتے ہیں۔ غیر جانبدارانہ نگاہ سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ تاریخ نویسی میں کسی احتیاط کی فنی لحاظ سے جو انتہا اور کمال ہو سکتی ہے' علم حدیث میں اس سے بڑھ کر حزم و احتیاط کو اختیار کیا گیا' بلکہ سچ بات تو یہ ہے کہ مسلمانوں نے تدوین حدیث کے عمل کو وہ سائنٹیفک اسلوب اور منہج عطا کیا کہ جس کے باعث یہ ذخیرۂ حدیث علوم انسانی کا سب سے بڑا اعزاز اور افتخار بن گیا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام جیسے مقدس پیغمبر کی ۳۳ سالہ دنیوی حیات کے صرف تین برس کا تذکرہ ملتا ہے۔ بلکہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار کے بقول تو صحیح معنوں میں ان کی حیات کے صرف آخری پچاس دنوں کی ہی مستند تفصیلات ہمارے سامنے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک سو تیس سالہ زندگی کی تفصیلات کا انحصار صرف تورات پر ہے مگر اس کا متن بھی تین سو سال کے بعد کہیں جا کر مرتب ہوا' جس کی روایات کی ثقاہت پر خود یہود کے محققین کو بھی اعتراض ہے۔ ایران کے باطنی مذاہب کے پیش واؤں کی حیات کا ماخذ ژند اور پاژند کی بجائے صرف فردوسی کے شاہنامے کے ذریعے سے میسر ہے۔ مگر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کی کامل تفصیلات کو ہزاروں صحابہؓ نے کمال حزم و احتیاط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مغازی نگاروں اور سیرت نگاروں کے علاوہ محدثین نے

روایات کے جمع کرنے میں اپنی عمریں کھپا دیں اور پھر اسماء الرجال اور جرح و تعدیل کے ذریعے سے ان روایات پر نقد کا ایسا سائنٹفک اسلوب وضع کیا کہ جس کے باعث ہر ایک روایت کی توثیق و تردید ہوتی گئی۔ ایک طرف راویوں کے سوانحی کوائف اور ان کے فضائل پر اسماء الرجال کے عنوان سے بیسیوں عظیم کتابیں مرتب ہوئیں تو دوسری طرف جرح و تعدیل کے وہ پیمانے وضع کیے گئے کہ جن کی روشنی میں کسی غلط اور موضوع روایت کا برقرار رہنا مشکل نہیں ناممکن بنا دیا گیا۔

پانچویں صدی ہجری تک علوم الحدیث کے فنی کمالات اپنے نقطۂ عروج تک پہنچ گئے۔ ابن حجر عسقلانیؒ اور ابن الصلاحؒ نے اس متن شریف کو وہ بنیادیں عطا کردیں کہ جن پر زمانہ اور زمین دونوں ناز کر سکتے ہیں۔ آج حدیث کے ہر علم و فن پر عربی زبان میں ہزاروں کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور اس سے زائد ابھی مخطوطات کی صورت میں دیارِ مغرب اور دولِ اسلامیہ کے مراکز علمی میں موجود ہیں۔ اردو زبان میں بھی علوم الحدیث کی بہت سی عربی کتب کے تراجم کیے گئے تو کچھ طبع زاد تالیفات بھی سامنے آئیں۔ پیشِ نظر کتاب ''علوم الحدیث' فنی و فکری اور تاریخی مطالعہ'' اسی سلسلۃ الذہب کی ایک ممتاز علمی اور تحقیقی کاوش ہے۔ اردو زبان میں اگر علوم الحدیث کی پانچ بہترین کتب کا انتخاب مقصود ہو تو پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر حفظہ اللہ تعالیٰ کی یہ تالیف ان میں بآسانی شمار کی جاسکتی ہے۔ ایک بات تو اعتماد سے کہی جاسکتی ہے کہ اردو ادبیات میں علوم الحدیث پر یہ ایک ایسی تالیف ہے اور اس میں اتنے متعدد اور متنوع موضوعات پر قلم اٹھایا گیا ہے کہ جس کے باعث یہ ایک قاموسی نوعیت کا تجربہ دکھائی دیتا ہے۔ ایک ہزار صفحات کے قریب ضخامت کی اس تحقیقی کتاب میں چار سو کتابوں' مخطوطات اور علمی جرائد سے ۳۰۷۰ مقامات پر استفادہ کیا گیا ہے۔ حدیث کی اصطلاحات' مقام حدیث' ضرورت و حجیت' روایت و درایت' مستشرقین اور حدیث' اسماء الرجال' جرح و تعدیل' فن تخریج' اقسام حدیث' تاریخ حدیث' تدوین حدیث' تذکار محدثین' انتقاد حدیث' مدارس حدیث' مراکز حدیث' نصاب حدیث' فتنہ انکار حدیث' اسالیب تدریس حدیث' غریب الحدیث' آداب الحدیث' تراجم حدیث' فقہ الحدیث' شروح الحدیث' لغات الحدیث' علم الانساب' علم معرفۃ الاسماء والکنٰی والالقاب' علم الطبقات الغرض حدیث کے بیسیوں موضوعات کو سیکڑوں عنوانات کے تحت تقسیم کر کے ہر بات مستند حوالے سے درج کی گئی ہے جس کے باعث یہ تالیف لطیف علمائے عظام' شیوخ الحدیث' جامعات' مدارس اور تعلیمی اداروں کے اساتذۂ کرام' جج صاحبان' وکلا' طلبہ اور تمام علم دوست افراد کے لیے فیض رسانی کا منبع بن گئی ہے۔ اس ضخیم کتاب میں علوم الحدیث کے ہر موضوع

کو مستند حوالوں سے مزین کیا گیا ہے۔ آخر میں مراجع اور مصادر کی فہرست سے مؤلف کے ذوق و شوق اور رسوخ فی العلم کا اندازہ ہوتا ہے۔ حدیث کے موضوع پر معلومات کا ایک بحر ذخار ہے جس سے تشنہ کام اپنی عقیدت کی پیاس بجھا سکتے ہیں۔ اپنے لوازمے پیش کش، تحقیق، اسلوب، تکنیک اور تجزیے کے لحاظ سے یہ ایک کامیاب تصنیف ہے جو ان شاء اللہ قارئین کے لیے ایک علمی ارمغان اور مصنف کے لیے توشۂ آخرت ثابت ہوگی۔

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر نے قدیم و جدید دونوں درسگاہوں سے فیض حاصل کیا ہے، ان کے پاس اگر درس نظامی سے فراغت کی اسناد ہیں تو اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے عربی اور علوم اسلامیہ میں امتیازی سندات کے حامل ہیں۔ انہیں حکومتی وظیفے پر گلاسکو یونیورسٹی، انگلستان سے ۱۹۸۳ء میں پی ایچ ڈی کا اعزاز حاصل ہوا، جہاں انہوں نے امام بغویؒ کی مصابیح السنۃ کے رجال پر تحقیقی کام کیا۔ ۱۹۸۸ء سے اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں حدیث شریف کے استاد اور ۱۹۹۱ء سے مسند سیرت کے ڈائریکٹر ہیں۔ اپنی علمی مناسبت، قلبی لگاؤ، ذہنی استعداد، استحضار علوم اور اخذ و استفادہ کی صلاحیت کے باعث متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ عربی، انگریزی اور اردو زبان میں ان کے ۲۴ کے قریب مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ پیش نظر کتاب ان کی سولہ سالہ علمی ریاضت اور محنت شاقہ کا نتیجہ ہے۔ ان میں سے بہت سے مقالات علمی جرائد میں شائع ہوئے یا پھر علمی کانفرنسوں میں پڑھے گئے مگر اپنی موجودہ حالت میں یہ پہلی مرتبہ افادۂ عام کے لیے شائع ہو رہے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ اس میں ملت اسلامیہ کے تمام مسالک کی خدمات حدیث کا تذکرہ شامل ہے۔

اس کتاب کی اشاعت فاضل نوجوان محمد رفیع الدین حجازی کے اہتمام میں ان کے مکتبہ ''نشریات'' سے شائع ہو رہی ہے جو طباعت کی دنیا میں ایک روشن ستارے کے طلوع کی حیثیت رکھتا ہے۔ میں اس عظیم موضوع پر منفرد کتاب کے مؤلف اور ناشر دونوں کو ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں اور اس کی قبولیت کے لیے دعا گو ہوں۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر
ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل
دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔ اسلام آباد

۱۴ مارچ، ۲۰۰۶ء

عرضِ مصنف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ خاتم النبیین وعلی آلہ

واصحابہ اجمعین. اما بعد!

اسلام دین فطرت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعوت وتبلیغ اور تشریح وتوضیح کے لیے اشرف الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب فرمایا اور حفاظت کا ذمہ خود لیا۔ آپ کی دعوت پر اس دین فطرت کو قبول کرنے والے صحابہ کرامؓ بھی کائنات میں سے منتخب شدہ لوگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی محمدی تعبیر یعنی احادیث نبوی کی حفاظت اس مقدس گروہ کے ہاتھوں حفظ، تحریر، عمل اور تبلیغ کے ذریعے فرمائی۔ تقویٰ و پرہیز گاری سے لبریز ذہن وشعور کے حامل اصحاب رسولؐ نے احادیث مبارکہ کو بحفاظت اگلی نسل تک منتقل کیا۔ اسلام میں حدیث نبوی سے محبت جزو ایمان ہے اس محبت اور حدیث کی تشریعی حیثیت کی وجہ سے مسلمان نسل درنسل احادیث نبوی کی دل وجان سے حفاظت کرتے چلے آرہے ہیں۔ اہل علم میں سے ایک خاص گروہ یعنی محدثین کی جماعت یہ فریضہ اس قدر دیانت داری اور ذمہ داری سے ادا کرتی چلی آرہی ہے کہ دنیا کی کوئی قوم یا ارباب علم وفضل کا کوئی دوسرا گروہ ان کی ہمسری نہیں کرسکتا۔

محدثین کی زندگی حدیث نبوی کی تعلیم وتدریس کے ساتھ ساتھ عمل بالحدیث کا کامل نمونہ ہے۔ حدیث نبوی سے انتہائی شغف ان کی زندگی کا حاصل ٹھہرا اور خدمت حدیث میں اپنی زندگی صرف کرنا معراجِ حیات سمجھا گیا۔ انہوں نے علوم الحدیث کے نام پر ایک وسیع وعریض لیکن انتہائی منظم و مرتب فن تشکیل دیا اور خود ذاتی زندگی میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی ہر ادا کے اپنانے کو اپنی سعادت سمجھا۔ حقیقت میں مسلمان کے ایمان واسلام کی سلامتی اور دنیا وآخرت کی کامیابی اسی میں مضمر ہے۔ حدیث نبوی چونکہ دین کی اساس ہے اس لیے اس کی حفاظت وتدوین میں انتہائی حزم واحتیاط لازم ہے۔ اسلامی تعلیمات کے ادراک اور مسنون اعمال کی ادائیگی کے لیے صحیح احادیث مبارکہ کو قبول کرنا ضروری ہے تاکہ کوئی من گھڑت یا مصنوعی بات شریعت کا درجہ نہ پاجائے۔ اس خاطر ذخیرۂ احادیث کا فنی طور پر

جائزہ، دقت نظر سے مطالعہ اور باریک بینی سے جانچ پڑتال ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے۔اس فریضہ کی ادائیگی کی غرض سے زندگی بھر کا حاصل مطالعہ پیش خدمت ہے۔اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔آمین

راقم الحروف کو اللہ تعالیٰ نے شرف بخشا ہے کہ اپنی ناچیز زندگی کو سرور کائنات ﷺ کی سیرت اور آپ ﷺ کی احادیث مبارکہ کے لیے وقف کر رکھا ہے۔احقر کی زندگی کا ہر لمحہ نبی آخر الزمانؐ پر قربان اور فدا ہے۔بندہ 1988ء سے شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور، میں حدیث شریف پڑھا رہا ہے اور 1991ء سے مسند سیرت کی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔اس سلسلے میں دو عالمی سیرت کانفرنسیں اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور میں منعقد کرانے کا اعزاز بھی حاصل ہے جن میں کئی ممالک سے اہل علم نے شرکت کی۔پہلی بین الاقوامی سیرت کانفرنس میں پڑھے جانے والے مقالات کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔مختلف قومی اور بین الاقوامی مجلات میں راقم کے ۱۴ تحقیقی مقالات شائع ہو چکے ہیں۔اس کے علاوہ متعدد بین الاقوامی کانفرنسوں میں اسلامیہ یونیورسٹی کی نمائندگی کا اعزاز بھی حاصل ہوا ہے۔

ایک عرصے سے اہل علم، علوم حدیث پر تاریخی، فکری اور فنی انداز میں ایک جامع اور مبسوط کتاب کی ضرورت محسوس کر رہے تھے۔طلبہ اور اہل علم کی اس ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس تحقیقی اور علمی کام کے لیے کمر ہمت باندھ لی اور عرصہ تقریباً سولہ سال کی محنت شاقہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی سعادت بخشی۔مؤلف اس میں کس حد تک کامیاب ہوا اس کا فیصلہ اہل علم اور ارباب تحقیق کر سکتے ہیں۔ان شاء اللہ پڑھنے والوں کو اس کتاب پر کی جانے والی محنت کا اندازہ ہوگا۔اس میں شامل چند مقالات مختلف کانفرنسوں اور سیمی نارز میں پڑھے گئے ہیں اور بعض ملکی و غیر ملکی معروف علمی مجلات میں شائع بھی ہو چکے ہیں۔

احسان شناسی کا اعتراف انسانیت کا دستور اور شرافت کا تقاضا ہے۔میرے محسنین کی فہرست بہت طویل ہے اور بندہ ان سب کا ممنون و شکر گزار ہے۔

میں شعبہ علوم اسلامیہ کے تمام اساتذہ، ڈین فیکلٹی آف اسلامک لرننگ پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید رحمت، پروفیسر ڈاکٹر محمد گجر خان غزل کاشمیری، ڈاکٹر شمس البصر، منیر احمد، ابرار محی الدین،

سید اسرار حسین بخاری، حافظ شبیر احمد جامعی، ڈاکٹر حافظ افتخار احمد اور ابوالحسن شبیر احمد کے تعاون کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ احباب وقتاً فوقتاً اپنی قیمتی معلومات سے نوازتے رہے۔

میں اپنے حلقۂ علم کے احباب اور شاگردانِ عزیز کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے اس علمی اور تحقیقی کام میں میری معاونت کی۔ خصوصاً برادر محترم ڈاکٹر خالد ظفر اللہ، ایسوسی ایٹ پروفیسر، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج سمندری (فیصل آباد) اور اپنے شاگرد ڈاکٹر محمد جاوید اختر، اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ ایس ای کالج بہاول پور کا بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے اس کارِ علمی میں بھرپور معاونت کی۔ عزیز ساجد اسد اللہ، لیکچرر اسلامیات گورنمنٹ کالج سمندری اور محمد طیب لیکچرر اسلامیات، گورنمنٹ یونیورسٹی کالج فیصل آباد کا شکریہ بھی لازم ہے کہ انھوں نے اس کام میں میری نمایاں مدد کی۔ سیرت چیئر کے سٹینوگرافر فضل احمد بھی شکریے کے مستحق ہیں کہ موصوف نے اس کام کو سرانجام دینے میں دن رات محنت شاقہ کی بلکہ اپنی کئی ایک چھٹیاں بھی اس پر قربان کیں۔

محترم پروفیسر عبدالجبار شاکر کی سرپرستی قابل ستائش ہے کہ انہوں نے اس علمی اور تحقیقی کام میں نہایت کرم و عنایت کا ثبوت دیا۔ بالخصوص اس طویل اور ضخیم مسودے کو پڑھ کر اپنی قیمتی آرا اور مشورے سے نوازا اور اس کتاب پر اپنی جاندار اور پرمغز تعارفی تحریر بھی عنایت کی۔

انتہائے آخر میں پروفیسر ڈاکٹر بلال اے خان، وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کا شکر گزار ہوں کہ وہ یونیورسٹی کے تعلیمی ماحول کی بہتری میں بہت کوشاں ہیں جس کی خاطر انھوں نے کئی ایک ترقیاتی منصوبوں اور تزئین و آرائش کے پروگراموں کا آغاز کیا ہے اور بالخصوص علمی اور تحقیقی کاموں کی بھرپور حوصلہ افزائی فرماتے ہیں۔

اہل علم اور ارباب تحقیق سے ملتمس ہوں کہ وہ میری اس کوشش کا مطالعہ فرمائیں اور مجھے میرے تسامحات سے آگاہ کریں تا کہ نقش ثانی کو بہتر بنایا جا سکے۔

۱۵ ر فروری ۲۰۰۶ء

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر

ڈائریکٹر سیرت چیئر، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور

باب اوّل

تعارف حدیث

چند بنیادی اصطلاحات

ا۔ سند

لغوی معنی

السند: "ما ارتفع من الارض" (جو زمین سے بلند ہو) سند کے معنی اعتماد، سہارا اور تعاون کے بھی ہیں۔ تساندین کے معنی متعاونین کے ہیں، گویا سند کے سہارے سے حدیث روایت ہوتی ہے(۱)۔

اصطلاحی معنی

اصطلاح میں سند متن حدیث تک پہنچنے کا راستہ یا وہ سلسلہ رواۃ ہے جو متن حدیث تک پہنچاتا ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: "حکایة طریق المتن" (طریق متن کی حکایت ہے)۔ ایک تعریف یہ بھی ہے: "الطریق الموصلة الی المتن" (۲) (سند طریق متن تک پہنچنے کا لگاتار سلسلہ یعنی راویوں کا بالترتیب ہونا)۔ طریق کے متعلق کہا گیا ہے: "الطریق اسماء الرواۃ" (۳) (طریق راویوں کے نام ہیں)۔

عبدالرؤف المناوی، حافظ ابن جماعۃ اور شیخ طیبی کا قول نقل کرتے ہیں: "السند الاخبار عن طریق المتن، والاسناد رفع الحدیث إلی قائله، قال الطیبی: نعم هما متقاربان فی معنی اعتماد الحفاظ فی صحة الحدیث وضعفه علیهما وقال ابن جماعة: المحدثون یستعملون السند والاسناد لشیء واحد "(۴)(سند طریق متن کی خبر ہے۔ اسناد حدیث کو اس کے قائل کی طرف پہنچانا ہے۔ طیبی نے کہا: دونوں معنی میں اس لحاظ سے قریب ہیں۔ حفاظ صحت حدیث اور ضعف میں ان دونوں پر اعتماد کرتے ہیں۔ ابن جماعۃ کہتے ہیں، محدثین سند اور اسناد کو ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں)۔

امیر المومنین فی الحدیث امام بخاریؒ کی الجامع الصحیح کی یہ روایت مثال کے طور پر ملاحظہ ہو:

"حدثنا عبدالله بن یوسف قال اخبرنا مالك عن نافع وعبدالله بن دینار عن ابن عمر رضی الله عنهما ان رجلا سأل رسول اللهﷺ عن صلاة اللیل فقال: صلاة اللیل مثنی مثنی فإذا خشی أحدكم الصبح صلی ركعة واحدة توترله ما قد صلی "(۵)۔

اس روایت میں حدثنا عبدالله بن یوسف قال اخبرنا مالك عن نافع وعبدالله بن دینار عن ابن عمر رضی الله عنهما تک سند حدیث ہے۔ آگے ان رجلا سأل رسول اللهﷺ عن صلاة اللیل فقال: صلاة اللیل مثنی مثنی فاذا خشی احدكم الصبح صلّی ركعة واحدة توترله ما قد صلی متن حدیث ہے۔

اسناد حدیث کی حیثیت مسلم ہے۔ اس کے متعلق ابن الصلاح فرماتے ہیں: "اصل الاسناد أولًا خصیصة فاضلة من خصائص هذه الامة "(۶)(سند کی اصل سب سے پہلے اس امت کے خصائص میں سے فاضل خصلت ہے)۔ بعد ازاں ابن الصلاح نے عبداللہ بن مبارک کا یہ قول نقل کیا ہے: "الاسناد من الدین ولو الاسناد لقال من شاء ما شاء "(۷)(سند دین میں سے ہے اگر اسناد نہ ہوتیں تو ہر شخص جو چاہتا کہتا رہتا)۔

۲۔ متن

متن متانۃ سے ہے جس کے معنی سختی کے ہیں۔ ابن الاثیر کہتے ہیں متین: "فی اسماء اللہ تعالی "المتین، هو القوی الشدید "(۸)(متین اللہ کے ناموں میں سے ہے۔ وہ بہت قوی ہے)۔

لغت میں کسی چیز کے ابھرے ہوئے حصّہ کو متن کہا جاتا ہے۔ محمد جمال الدین قاسمی فرماتے ہیں: "وأخذه إما من المماتنة، وهی المباعدة فی الغاية، لانه غاية السند، أو من متنتُ الكبش إذا شققت جلد بيضته واستخرجتها فكأن المسند استخرج المتن بسنده، أو من المتن: وهو ما صُلب وارتفع من الأرض، لأن المسند يقويه بالسند ويرفعه إلى قائله، أو من تمتين القوس أی شدّها بالعصب، لأن المسند يقوی الحديث بسنده "(۹)(متن متانۃ سے لیا گیا ہے۔ وہ انتہائی دوری ہے کیونکہ وہ سند کے آخر میں ہوتا ہے یا وہ متنت الكبش (میں نے مینڈھے کے بیضہ (حصّہ) کے چھلکے کو پھاڑا۔ جب آپ نے اس کے بیضہ کی کھال کو پھاڑا اور اس نے بیضہ نکال لیا۔ گویا کہ مسند نے متن کو سند کے ساتھ نکال دیا۔ یا یہ لفظ متن سے ہے۔ وہ چیز جو سخت اور زمین سے بلند ہے کیونکہ مسند سند سے حدیث کو مضبوط کرتا ہے اور اس کے قائل کی طرف لے جاتا ہے یا یہ تمتین القوس سے ہے یعنی اس نے عصب (پٹھہ) سے کمان کو مضبوط کیا۔ کیونکہ مسند حدیث کو سند سے قوی کرتا ہے)۔

اصطلاح میں اس کلام کو متن کہا جاتا ہے جس تک سند کے ذریعے رسائی حاصل ہو۔ یا حدیث میں جس مقام پر سند کا اختتام ہو اس سے اگلے حصّے کو متن کہا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر نے متن کی تعریف یہ کی ہے: "هو غاية ما ينتهی إليه الاسناد من الكلام "(۱۰)(کلام میں جس مقام پر سند ختم ہوتی ہے گویا اس سے آگے کے حصّے کو متن کہتے ہیں)۔

ابن جماعۃ نے متن کی یہ تعریف کی ہے: "هو ما ينتهی اليه غاية السند من الكلام "(۱۱) (کلام میں جہاں سند ختم ہو جاتی ہے وہاں متن ہے)۔ طیبی کہتے ہیں: "اما المتن: فهو الفاظ الحديث التی تتقوم بها المعانی "(۱۲)(متن حدیث کے وہ الفاظ ہیں جن پر معانی کا قیام

ہوتا ہے)۔

سند کے ذیل میں بیان کردہ صحیح بخاری کی روایت میں" ان رجلا " سے"ما قد صلی" تک متن ہے۔

۳۔ حدیث

لغت میں حدیث کا لفظ حدث یحدث تحدیث سے ماخوذ ہے۔تحدیث کے معنی ہیں بات کرنا، کلام کرنا، خبر دینا۔اس لحاظ سے اس کے معنی کلام اور گفتگو کے ہیں۔امام راغب، ابوالقاسم حسین بن محمد نے"مفردات فی غریب القرآن" میں حدیث کی تعریف یہ لکھی ہے: "کل کلام یبلغ الانسان من جهة السمع أو الوحی فی یقظته او منامه یقال له حدیث"(۱۳)(وہ کلام جو انسان کو بذریعہ سماعت یا وحی حالت بیداری یا نیند میں پہنچے حدیث کہلاتا ہے)۔

ڈاکٹر محمود طحان لکھتے ہیں"الحدیث لغة الجدید ویجمع علی احادیث علی خلاف قیاس' واصطلاحا: ما اضیف الی النبی ﷺ من قول او فعل او تقریر او صفة (حدیث کا لغوی معنی"جدید" ہے۔اس کی جمع خلاف قیاس"احادیث" ہے۔اصطلاحی طور پر اس سے مراد حضور کی طرف منسوب قول، فعل، تقریر یا آپ کی صفت کا بیان ہے)(۱۴)۔

لفظ حدیث کے معنی جدید کے بھی ہیں اس طرح حدیث قدیم کی ضد ہے۔اس لحاظ سے حدیث کا لفظ قرآن کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔اس لیے کہ قرآن قدیم ہے اور حدیث اس کے مقابلہ میں جدید ہے۔لیکن یہ دراصل لغوی لحاظ سے ہے۔

حدیث کا اصطلاحی مفہوم

شرعی اصطلاح میں حدیث سے مراد وہ اقوال و اعمال اور تقریر جن کی نسبت رسول اللہ کی طرف ہو۔تقریر سے مراد محدثین کے ہاں کسی آدمی کا کوئی قول یا فعل جو آنحضرت ﷺ کے سامنے لایا گیا ہو۔آپؐ نے اس کی تصحیح یا تغلیط نہ فرمائی ہو۔گویا آپ ﷺ کی خاموش رضامندی ہے یہ بھی حدیث میں داخل ہے۔

لفظ حدیث کے سلسلے میں مولانا محمد اسماعیل سلفی فرماتے ہیں:"حدیث کا لفظ لغت میں قدیم

کی ضد ہے۔اس کا مصدر حدث ہے۔جس کا اطلاق نئے عوارض پر ہوتا ہے۔"رجل حدث "کے معنی جوان آدمی ہے۔انسان کے منہ میں دانتوں کی بندش کے اندر قدرت نے ایک ایسی مشین نصب فرمائی ہے۔جو غیر شعوری طور پر بلا تامل نئے سے نئے الفاظ بناتی چلی جاتی ہے۔منہ کے خول میں ہوا کی حرکت اور حلق کی آخری حد تک ہوا کے تموج سے لاکھوں الفاظ منٹوں میں بن جاتے ہیں۔جن میں ایک سے ایک نیا اور جدا ہوتا ہے۔دانتوں اور ہونٹوں کی رکاوٹ الفاظ کے بننے اور مخارج کی صحت میں مدد دیتی ہے۔"ذلك تقدير العزيز العليم"(۱۵)۔

انسان کے اور بھی بیسیوں اعضا ہیں لیکن الفاظ اور نطق کی مشینری صرف منہ میں نصب کی گئی ہے۔معلوم نہیں دنیا کا سب سے پہلا انسان جب اس نے افہام وتفہیم کے لیے اس مشینری سے پہلے پہل کام لیا ہوگا تو وہ کتنا خوش ہوا ہوگا۔اور اللہ کی اس نعمت پر کتنے سجدے کیے ہوں گے۔"فتبارك الله احسن الخالقين"(۱۶)۔

اس گفتگو کو عربی میں حدیث کہتے ہیں۔اس کی جمع صحیح مذہب کے مطابق احادیث ہے۔دنیا کے عجائبات اور خلاف امید واقعات کی حکایات اور قصوں کو بھی احادیث فرمایا گیا ہے۔"فجعلنا هم احاديث"(۱۷)(ہم نے حوادث کو کہانیوں کی صورت دے دی)۔

"ما ياتيهم من ذكرٍ من ربهم محدث"(۱۸)(ان کے رب کی طرف سے جو بھی نئی نصیحت آتی ہے)۔

راغب فرماتے ہیں:"الحدث وجود الشيء بعد ان لم يكن: حتى احدث لك منه نكرا"(۱۹)"تاويل الاحاديث"(۲۰)۔"لا يكادون يفقهون حديثا"(۲۱)۔سب اسی قسم کے محاورات ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے ارشادات کو اور قرآن عزیز کو بھی حدیث کا نام دیا گیا:"واذ اسرّ النبي الى بعض ازواجه حديثًا"(۲۲)(جب آنحضرت ﷺ نے اپنی بعض بیویوں سے آہستہ بات کی)۔"من اصدق من اللّٰه حديثا"(۲۳)(اللہ تعالیٰ سے زیادہ کس کی حدیث سچی ہے)(۲۴)۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے اقوال کو خود حدیث کا نام دیا۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے آپ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ روز قیامت آپ ﷺ کی شفاعت کا زیادہ حق دار کون ہوگا آپ ﷺ نے جواباً فرمایا مجھے معلوم تھا کہ ابو ہریرہؓ تجھ سے پہلے کوئی شخص مجھ سے اس حدیث کے بارے میں سوال نہیں کرے گا کیونکہ تم طلب حدیث کے بہت حریص ہو (۲۵)۔ کچھ علماء نے حدیث کے معنی میں وسعت پیدا کی ہے اور حدیث کی تعریف یہ کی ہے: "جو رسول اللہ ﷺ سے منقول ہو، خواہ قول یا فعل یا تقریر ہو، جبلی یا اخلاقی صفات ہوں، یا قبل از نبوت یا بعد کی سیرت مبارکہ ہو" (۲۶)۔ بعض نے حدیث کے مفہوم کو مزید وسعت دے کر اس میں آنحضرت ﷺ کے عہد کی تاریخ کو بھی شامل کیا ہے۔ اس وجہ سے امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کا نام "الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللہ ﷺ وسننہ وایامہ" رکھا۔ اس بات کی وضاحت لازم ہے کہ حدیث رسولؐ صرف ایک عہد زریں کی تاریخ نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت شریعت اور قانون کی ہے۔

محدثین کے اصول تحقیق، علماء کے تاریخ وسیر اور مغازی وفقہ وتفسیر وغیرہ کے لیے وضع کردہ اصولوں سے ممتاز اور منفرد ہیں۔ معلوم ہوا حدیث کے مفہوم میں اقوال، افعال تقریرات اور آپ ﷺ کے احوال شامل ہیں (۲۷)۔ قرآن مجید میں یہ لفظ بہت سی جگہ استعمال ہوا ہے۔ چند مقامات بطور مثال ملاحظہ ہوں:

۱۔ "فمال ھؤلاء القوم لا یکادون یفقھون حدیثا" (۲۸) (ان لوگوں کو کیا ہے کہ بات سمجھتے نہیں ہیں)۔ آپ ﷺ کے بیان کو حدیث کہا گیا۔

۲۔ "واما بنعمة ربك فحدث" (۲۹) (اپنے رب کی نعمت کو بیان کر)۔

۳۔ "ومن اصدق من اللہ حدیثا" (۳۰) (اللہ سے بڑھ کر سچی بات کس کی ہو سکتی ہے؟)۔

۴۔ "فلا تقعدوا معھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ" (۳۱) (آپ ﷺ ان کے ساتھ نہ بیٹھیں جب تک وہ کسی اور بات میں نہ لگ جائیں)۔

۵۔ "وکذلك یجتبیك ربك ویعلمك من تاویل الاحادیث" (۳۲) (اللہ تجھے

منتخب کرے گا اور باتوں کی تہہ تک پہنچنا سکھائے گا)۔

۶۔ "فاتبعنا بعضهم بعضًا وجعلنهم احاديث" (۳۳) (پس ہم نے ایک کو دوسرے کے پیچھے لگا دیا اور انہیں افسانہ بنا دیا)۔

۷۔ "الله نزل احسن الحديث" (۳۴) (اللہ نے اچھا کلام نازل فرمایا)۔

حدیث کا لفظ آنحضرت ﷺ نے کئی جگہ استعمال فرمایا ہے: "يوشك الرجل متكئا على اريكته يحدث بحديث من حديثي فيقول بيننا وبينكم كتاب الله" (۳۵) (قریب ہے کہ کوئی آدمی تکیہ پر ڈھانس لگائے ہوئے ہو (جب) اسے میری حدیثوں میں سے کوئی حدیث سنائی جائے تو وہ کہے ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب کافی ہے)۔ اس طرح ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: "من حدث عني حديثا وهو يرى انه كذب فهو احد الكاذبين" (۳۶) (جس نے مجھ سے کوئی حدیث روایت کی اور اس کو علم ہو کہ وہ جھوٹ ہے (میں نے بیان نہیں کی) تو وہ جھوٹوں میں سے ایک ہے)۔

ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں درخواست پیش کی: "انی اسمع منك حديثًا كثيرا انساه" (میں آپ ﷺ سے بہت سی احادیث سنتا ہوں لیکن بھول جاتا ہوں)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: چادر بچھاؤ (حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں) میں نے بچھا دی۔ آپ ﷺ نے اس میں لب مبارک ڈال دی۔ میں نے اسے لپیٹ لیا اور سینے سے لگا لیا۔ اس کے بعد کبھی نہیں بھولا (۳۷)۔

۴۔ خبر

لغوی مفہوم

لغت میں نبا یعنی کسی واقعے کی اطلاع کو خبر کہتے ہیں۔ اس کی جمع اخبار ہے۔

اصطلاحی مفہوم

اصطلاح میں خبر کے متعلق مختلف اقوال ہیں:

i۔ خبر حدیث کے مترادف ہے۔ حدیث اور خبر دونوں کا معنی ایک ہے۔

ii۔ خبر حدیث کے علاوہ ہے۔ حدیث تو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہوتی ہے جبکہ خبر کی نسبت کسی اور طرف کی جاتی ہے۔

iii۔ خبر حدیث سے عام ہے۔ حدیث کی نسبت صرف رسول اللہ ﷺ کی طرف کی جاتی ہے جبکہ خبر کبھی رسول اللہ ﷺ سے منسوب کی جاتی ہے کبھی کسی اور کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔
تاریخ کے عالم کو مؤرخ اور اخباری کہتے ہیں جبکہ حدیث کے عالم کو محدث کہتے ہیں (۳۸)۔

جب حدیث کے معنوں میں خبر کو استعمال کیا جاتا ہے تو سیاق و سباق سے معلوم ہو جاتا ہے مثلاً تمام کتب حدیث کی سند میں ''اخبرنا'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس مقام پر حدیث کا بیان ہوتا ہے۔ اگر تاریخ کی کتاب میں حدیث کے علاوہ کسی واقعہ کی سند میں اخبرنا ہو تو یہ اس واقعہ کے بیان کی خبر ہے۔ اس لحاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر حدیث تو خبر ضرور ہوتی ہے لیکن ہر خبر کا حدیث ہونا لازمی نہیں ہے۔

امام رازی نے ''المحصول'' میں ابوالحسن بصری سے نقل کیا ہے: ''انه كلام مفيد بنفسه اضافة الى امر من الامور نفيًا او اثباتاً'' (۳۹) (خبر ایسا کلام ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کوئی چیز کسی دوسری چیز کے لیے ثابت ہے یا نہیں)۔ مثلاً خالد پڑھتا ہے۔ پڑھنا خالد کے لیے ثابت ہے اور خالد روتا نہیں ہے سے رونے کی خالد سے نفی کی گئی ہے۔

عبدالرؤف المناوی فرماتے ہیں: ''الخبر: عند اهل اللغة ما ينقل ويتحدث به، عند اهل المعاني: ما يحصل مدلوله في الخارج بغيره، عند الأصوليين: مركب كلامي يدخله عقلاً الصدق، وهو ما طابق الواقع، والكذب هو: ما لا يطابق أي من حيث العقل وكونه خبرًا كقام زيد، أما من حيث اللفظ فلا يحتمل إلا الصدق والكذب، احتمال عقلي، وشمل تعريفهم ما يقطع بصدقه كخبره تعالى، وخبر رسوله والمتواتر، أو كذبه كذلك، كالنقيضان يجتمعان أو يرتفعان وعند المحدثين مرادف للحديث'' (۴۰) (خبر اہل لغت کے ہاں وہ ہے جو نقل کی جائے اور بیان کی

جائے اہل معانی کے ہاں وہ ہے جس کا مدلول (مقصود) خارج میں اس کے بغیر حاصل ہو جائے۔اصولیین کے نزدیک مرکب کلام جس میں عقلاً صدق داخل ہو جائے وہ واقعہ کے مطابق ہو اور کذب جو عقل کے مطابق نہ ہو، اس کا خبر ہونا۔جیسے قام زید (زید کھڑا ہے)۔لفظ کے لحاظ سے اس کا احتمال عقلی صدق اور کذب دونوں قطعی ہے۔جیسے اللہ تعالیٰ کی خبر یا اس کے رسولوں کی خبر اور متواتر یا اس طرح اس کا جھوٹا ہونا دو متضاد خبروں کی مانند ہے جو جمع ہو جائیں۔محدثین خبر کو حدیث کے مترادف استعمال کرتے ہیں)۔اس کا پتہ سیاق وسباق سے چل جاتا ہے کہ لفظ خبر کو کس معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

۵۔ اثر

لغوی معنی

لغت میں "بقية الشيء" کو اثر کہتے ہیں۔اس کے معنی نشان کے بھی ہیں۔قدموں کے نشان کو بھی اثر کہتے ہیں۔

ظفر الامانی میں ہے:"وأما الاثر فهو لغة: البقية من شيء يقال: اثر الدرر لما بقي منها"(۴۱)(اثر لغت میں کسی چیز کے باقی حصے کو کہا جاتا ہے۔اثر الدار جو چیز گھر میں باقی رہ گئی ہو)۔ایک شاعر نے کہا ہے: تلك آثارنا تدل علينا

فانظروا بعدنا الى الآثار

(یہ ہمارے قدموں کے نشانات ہیں جو ہم پر دلالت کرتے ہیں کہ ہمارے پیچھے ہمارے نشانات کو دیکھو)۔

اصطلاحی مفہوم

اصطلاح میں اثر کے مختلف مفہوم بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ اثر کا لفظ خبر اور سنت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

۲۔ عام طور پر صحابہ اور تابعین کی طرف منسوب اقوال وافعال کو اثر کہا جاتا ہے۔

لیکن یہ لفظ روایت یا حدیث کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ بعض محدثین اثری کی نسبت کو پسند کرتے ہیں (۴۲)۔

آنحضرت ﷺ کی دعاؤں سے متعلق کتب کے نام بھی ''دعائے ماثورہ'' ہیں۔ بعض مدارس کے نام بھی اسی نسبت سے معروف ہیں۔ جامعہ علوم اثریہ، جہلم اور ادارہ علوم اثریہ، فیصل آباد بہت معروف مدارس ہیں۔ ان سے مراد ایسے مدارس جہاں قرآن و حدیث کو دیگر علوم پر فوقیت حاصل ہو۔

امام غزالی ''احیاء علوم الدین'' میں حدیث کا لفظ آنحضرت ﷺ کے ارشادات کے لیے اور اثر کا لفظ صحابہ کے اقوال کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے ''جمہور علماء محدثین کے نزدیک حدیث اور اثر میں کوئی فرق نہیں ہے'' (۴۳)۔

امام سیوطی کی کتاب ''الدر المنثور فی تفسیر الماثور'' میں دونوں چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس طرح امام طبری کی کتاب ''تهذيب الآثار'' اور امام طحاوی کی کتاب ''شرح معانی الآثار'' اور ''مشکل الآثار'' میں بھی اثر کے لفظ کو رسول اللہ ﷺ کے کلمات اور صحابہ کرامؓ کے الفاظ کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ سیاق و سباق سے معلوم کیا جائے گا کہ اگر اثر کی اصطلاح آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب ہو تو حدیث رسولؐ مراد ہے۔ اگر صحابی و تابعی کی طرف ہو تو اُن کے اقوال مراد ہوتے ہیں۔

۱۔ امام طاہر بن صالح الجزائریؒ نے اثر کے متعلق یہ لکھا ہے: ''اما الاثر فانه مرادف للخبر فيطلق على المرفوع والموقوف، وفقهاء الخراسان يسمون الموقوف بالاثر والمرفوع بالخبر'' (۴۴) (اثر خبر کے ہم معنی ہے۔ اس کا اطلاق مرفوع اور موقوف دونوں پر ہوتا ہے۔ فقہا خراسان موقوف کو اثر کا نام دیتے ہیں اور مرفوع کو خبر کا)۔

۲۔ یہی بات عبدالرؤف مناویؒ نے امام نووی کے حوالے سے لکھی ہے (۴۵)۔

۳۔ عبدالحی لکھنویؒ لکھتے ہیں: ''الاثر هوالمروى عن رسول الله او عن صحابى أو عن تابعى مطلقًا، وبالجملة: مرفوعا كان او موقوفًا وعليه جمهور المحدثين من السلف والخلف'' (۴۶) (اثر مطلق طور پر وہ روایت ہے جو رسول اللہؐ یا صحابی یا تابعی سے مروی ہو یعنی مرفوع ہو، موقوف ہو، سلف و خلف۔ جمہور محدثین کا یہی خیال ہے)۔

۴۔ جمال الدین قاسمی کہتے ہیں: ''الاثر ما روی عن الصحابة ویجوز اطلاقه علی کلام النبی ایضاً''(۴۷)(اثر وہ ہے جو صحابہ سے مروی ہو اور اس کا اطلاق کلام رسولؐ پر جائز ہے)۔

۶۔ سنت

لغوی مفہوم

سنت کے معنی واضح راستہ، معروف راستہ اور سیرت کے ہیں۔ سین اور نون مشدد میں قوت، پختگی اور متوارث عادات کا مفہوم ہوتا ہے۔ سن دانت کو کہتے ہیں۔ سنان (نیزے) کے پھل کو کہا جاتا ہے۔ مسنون خشک کیچڑ کو کہا گیا ہے۔ سنت اس راستے کو کہا جاتا ہے جس پر متواتر چلنے کی وجہ سے وہ صاف اور واضح ہو گیا ہو۔ جسے ''طریق معبد'' سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ راسخ عادات اور مستمر اعمال پر بھی سنت کا اطلاق معروف ہے۔ اس محاورہ کے مطابق طریقہ اور سیرت بھی سنت کے مفہوم میں شامل ہے۔ زبان کے لحاظ سے اچھی اور بُری عادات دونوں پر سنت کا لفظ بولا جاتا ہے۔ حدیث ''من سنّ سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها، ومن سنّ سنة سيئة فله أجرها وأجر من عمل بها''(۴۸) میں سنت کا لفظ اس لغوی لحاظ سے فرمایا ورنہ سنت نبوی کی صفت سیۂ کیسے ہو سکتی ہے۔ فان السنة خير كلها۔

چند احادیث میں کچھ اعمال کے متعلق بعض صحابہ نے ''نعمت البدعة هذه''(۴۹) کے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں۔ جس سے مراد بدعت لغوی ہے ورنہ اصطلاحاً بدعت کے متعلق جب آنحضرت ﷺ ''کل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة''(۵۰) فرمائیں تو ضلالت کو ضلالت حسنہ کون کہہ سکتا ہے؟(۵۱)۔ سنت کے متعلق اہل لغت نے کافی لکھا ہے۔ ابن الاثیر فرماتے ہیں:

۱۔ ''الاصل فيها الطريقة والسيرة''(۵۲)(اس کے اصل معنی طریقہ اور سیرت کے ہیں)۔

۲۔ جرجانی کہتے ہیں ''السنة: لغة العادة''(۵۳)(سنت لغت کے لحاظ سے عادت کو کہتے ہیں)۔

۳۔ صاحب مسلم الثبوت فرماتے ہیں: ''السنة: لغة العادة''(۵۴)(سنت لغت

میں عادت ہے)۔

۴۔ ابن درید نے "کتاب الجمہرۃ" میں لکھا ہے: "والسنة: معروفة، وسنّ فلانٌ سنة حسنة أو قبيحة يسُنّها سنًّا" (۵۵) (سنت کے معنی عام راستہ معروف ہیں۔ کہا جاتا ہے فلاں شخص نے اچھی یا بُری سنت 'طریقہ' جاری کی۔ مضارع یَسُنُّ آتا ہے اور مصدر سنّا)"۔

۵۔ اسماعیل بن حماد جوہری فرماتے ہیں: السنة: السيرة، قال الهذلي:

فلا تجزع من سيرة انت سرتها فاول راض سنة من يسيرها" (۵۶)

[سنت کے معنی سیرت (طرز، روش، چال، ڈھال) کے ہیں۔ ہذلی شاعر کہتا ہے: جس خصلت (چال) پر تم خود چلے اس سے مت گھبراؤ۔ اس لیے کہ جو شخص کسی خصلت کو اختیار کرتا ہے وہی اس کو پسند کرنے والا ہوتا ہے]۔

۶۔ علامہ زمخشری لکھتے ہیں: "سن سنةً حسنة: طرّق طريقة حسنة واستنّ بسنّة فلانٍ ومتسنِّن : عامل بالسنة" (۵۷) (فلاں شخص نے سنت جاری رکھی یعنی اچھا طریقہ تجویز کیا۔ فلاں شخص کی سنت کی پیروی کی یعنی اس کے طرز پر عمل کرے۔ فلاں شخص سنت پر عمل کرنے والا ہے)۔

۷۔ ابن منظور کی 'لسان العرب' میں ہے: "سنّ اللّه سنة اى بيّن طريقًا قويًا... والسنة السيرة حسنةً أو قبيحةً" (۵۸) (اللہ نے ایک پختہ اور محکم راستہ بتلایا، سنت کے معنی سیرت بھی ہیں اچھی یا بری)۔

سنت کا اصطلاحی مفہوم

اصطلاح سنت میں رسول اللہ ﷺ کے حکم یا نہی یا کسی کام کے جائز قرار دینے کو کہتے ہیں۔ بعض لوگ اس کو صرف رسول اللہ ﷺ کے فعل تک محدود رکھتے ہیں لیکن یہ لفظ حدیث کے مترادف ہے۔ شریعت میں آنحضرت ﷺ کے قول، فعل اور خاموشی سب سنت میں داخل ہیں۔ مولانا سلفیؒ نے لکھا ہے: "اصول فقہ کے متون میں بعض علماء نے فرمایا: "سنت کا لفظ صرف آنحضرت ﷺ کے اعمال

پر بولا جاتا ہے اور حدیث کا لفظ اقوال پر لیکن ادلہ شرعیہ کے تذکرے میں وہ حدیث اور سنت کو مترادف اور ہم معنی سمجھتے ہیں۔ سنت کا لفظ جب اضافت سے استعمال ہو تو سنت نبوی سے مراد احادیث نبوی ہی لی جاتی ہیں (۵۹)۔

آئمہ حدیث اور فقہ سنت کے لفظ کو اصول میں مترادف استعمال کرتے ہیں:

۱۔ جرجانیؒ نے کہا: السنة: شريعة مشترك بين ما صدر عن النبیﷺ من قول أو فعل أو تقرير و بين ما واظب النبی ﷺ عليه بلا وجوب (۶۰) "شریعت میں سنت کا لفظ آنحضرت ﷺ کے قول، فعل اور تقریر اور جس پر آپ ﷺ نے بلا وجوب ہیشگی اختیار کی، کے درمیان مشترک ہے"۔

۲۔ نورالانوار میں ہے: "السنة: تطلق على قول الرسول وفعله وسكوته وعلى أقوال الصحابة و أفعالهم" (۶۱) (سنت کا اطلاق رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل اور خاموشی پر ہوتا ہے اور صحابہ کے اقوال اور افعال پر ہوتا ہے)۔

۳۔ ابن حزم کہتے ہیں: "السنن تنقسم ثلاثة أقسام قول من النبیﷺ وفعل منه عليه السلام وشیء رآه وعلمه فأقر عليه" (۶۲) (سنن کی تین اقسام ہیں: نبی کا قول، فعل اور (تقریر) جو چیز آپ نے دیکھی اسے جانا اور اس کو برقرار رکھا)۔

۴۔ امام صالح بن طاہر الجزائری کہتے ہیں: "واما السنة فتطلق فی الاكثر على ما اضيف الى النبیﷺ من قول او فعل او تقرير فهی مرادفة للحديث عنه علماء الاصول" (۶۳) (سنت کا اطلاق اکثر طور پر اس چیز پر ہوتا ہے جس کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف ہو۔ خواہ قول ہو یا فعل ہو یا تقریر ہو۔ یہ علماء اصول کے نزدیک حدیث کے مترادف ہے)۔

۵۔ نواب صدیق حسن خان کہتے ہیں: "أما شرعا فهی قول النبیؐ وفعله وتقريره" (۶۴) (سنت کا لفظ شرعاً، قول، فعل اور تقریر نبی ﷺ کے لیے استعمال ہوتا ہے)۔

۶۔ متاخرین میں سے عجاج الخطیب نے سنت کے متعلق یہ لکھا ہے: "كل ما أشرع عن النبیؐ من قول أو فعل أو تقرير أو صفة خُلقية أو خلقية أو سيرة سواءً أكان ذلك

قبل البعثة کتحنثه فی غار حراء ام بعدها، والسنة بهذا المعنی مرادفة للحدیث النبوی "(۶۵)(سنت رسول اللہ ﷺ کے تمام اقوال وافعال وتقریرات اور صفات خلقیہ وخلقیہ محاسن وشمائل اور سیرت سب کے مجموعے کا نام ہے۔خواہ یہ بعثت سے قبل ہو جیسے کہ آپ ﷺ کا غار حراء میں عبادت کرنا یا اس کے بعد)۔اس تعریف کے اعتبار سے سنت رسول اللہ ﷺ احادیث کے مترادف ہے۔

لفظ سنت کا اطلاق آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ کے اقوال وافعال پر بھی ہوتا ہے۔ارشاد نبوی ﷺ ہے: "فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواخذ "(۶۶)(تمھارے اوپر میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کی پیروی لازم ہے اسے دانتوں سے مضبوط پکڑلو)۔

قرآن مجید میں لفظ سنت کا استعمال

قرآن عزیز میں یہ لفظ متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ "ولا تجد لسنتنا تحویلا " (۶۷)(آپ ہمارے دستور میں بغاوت نہیں پائیں گے)۔

۲۔ "سنة اللّٰه فی الذین خلوا من قبل" (۶۸)(اللہ کا دستور رہا ان لوگوں میں جو پہلے گزرے)۔

۳۔ "فلن تجد لسنة الله تبدیلا" (۶۹)(آپ اللہ کے دستور میں تبدیلی نہ پائیں گے)۔

۴۔ "سنة من قد رسلنا قبلك من رسلنا "(۷۰)(ان لوگوں کا دستور چلا آرہا ہے جو ان سے پہلے تھے)۔

مندرجہ بالا مقامات پر سنت کا لفظ دستور،طور،طریقہ کے لیے استعمال ہوا ہے۔

۵۔ "قد خلت من قبلکم سنن فسیروا فی الارض "(۷۱)(آپؐ سے قبل واقعات گزر چکے ہیں،زمین میں پھرو)۔

۶۔ ”وان یعودوا فقد مضت سنت الاولین “(۷۲)(اور پھر بھی وہی کریں گے تو پڑ چکی راہ پہلوں کی)۔

۷۔ ”فهل ینظرون الآ سنة الاولین “(۷۳)(سو کیا یہ اسی دستور کے منتظر ہیں جو ان سے پہلے لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے)۔

حدیث نبوی ﷺ میں سنت کا لفظ

رسول اللہ ﷺ نے بھی سنت کا لفظ اپنی احادیث میں استعمال فرمایا۔ جیسے صحیح بخاری میں ہے:

”أصوم وافطر وأصلی وأرقد وأتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی “(۷۴)(میں روزے رکھتا ہوں اور چھوڑتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور نکاح بھی کیے ہیں جو میری سنت سے منہ پھیرے وہ مجھ سے نہیں ہے)۔

ایک اور حدیث میں فرمایا: ”إنّه من احیی سنة من سنّتی قد أمیتت بعدی فإنّ له من الأجر مثل من عمل بها من غیر أن ینقص من أجورهم شیئا ومن ابتدع بدعة ضلالة لا یرضاها الله ورسولُه کان علیه مثل آثام من عمل بها لا ینقص ذلك من أوزار الناس شیئا“(۷۵)(جس نے میری سنت کو زندہ کیا جو میرے بعد مر گئی ہو تو اسے ان لوگوں کی مانند اجر ملے گا جو اس پر عمل کریں گے۔ جبکہ عمل کرنے والوں کے اجر میں کمی نہ ہوگی۔ اور جس نے غلط راہ نکالی جس پر اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی نہ ہو تو اسے ان تمام لوگوں کے گناہوں کا بوجھ ہوگا جو اس پر عمل کریں گے۔ اس چیز کے بغیر کہ ان کے گناہوں کے بوجھ میں کمی آئے)۔

آنحضرت ﷺ کے عمل کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھی اور بعد میں لوگوں کو بتایا: ”فقال: انها سنة “(۷۶)(یہ آنحضرت ﷺ کا طریقہ کار ہے)۔ سنت کا لفظ حدیث ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کہ ماخذ شریعت ہے۔

امام شوکانیؒ کے قول پر اس بحث کو ختم کرتے ہیں: ”اعلم انه قد اتفق من یعتد به من

اهل العلم على أن السنّة المطهرة مستقلة بتشريع الأحكام وأنها كالقرآن فی تحلیل الحلال وتحريم الحرام"(۷۷)''اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ سنت احکام کے اثبات اور شریعت میں مستقل اصول ہے۔ حلال وحرام کے احکام میں قرآن مجید کی مانند ہے''۔

۷۔ المسنِد (نون پر زیر سے)

جو شخص حدیث کو سند کے ساتھ روایت کرے۔ اسے اس کے متعلق معلومات ہوں یا نہ ہوں (۷۸)۔ متاخرین محدثین میں سے حماد انصاری لکھتے ہیں۔ مسند حدیث کے اس راوی کو کہتے ہیں جو سند سے بیان کرے۔ کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ اس کا عالم ہو یا روایت ہی کرتا ہو(۷۹)۔

۸۔ المسنَد (نون پر زبر)

ایسی حدیث جس کی سند ابتدا سے انتہا تک متصل ہو۔ مسند حدیث کی اس کتاب کو بھی کہتے ہیں جس میں احادیث اسمائے صحابہ کی ترتیب سے جمع کی جائیں یا صحابہ کے حسب ونسب کا لحاظ کیا جاتا ہے مثلاً مسند ابی داؤد طیالسی۔ اس سلسلہ میں بہت معروف اور جامع کتاب مسند احمد بن حنبل ہے۔

۲۔ ایسی مرفوع حدیث جس کی سند متصل ہو۔

۳۔ مصدر میمی بمعنی اسناد، سند کے ہم معنی ہے(۸۰)۔

۹۔ المحدّث

یہ حدّث یحدث تحدیث کا اسم فاعل ہے۔ وہ عالم حدیث جو مسند سے بڑھ کر ہے۔ وہ اسناد کو جانتا ہو۔ اس کو بہت سے متن یاد ہوں۔ اسے اکثر روایات کی صحیح معلومات ہوں۔ راویوں کے حالات کو جانتا ہو۔ اسے بہت سے متون یاد ہوں۔ وہ کتب ستہ، مسانید، معاجم اور احادیث کے اجزاء کا سماع کر چکا ہو۔

مختلف لوگوں نے محدث کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ امام تاج الدین السبکیؒ لکھتے ہیں: ''محدث وہ ہے جو اسانید حدیث، علل، اسماء الرجال، عالی و نازل کا عالم اور اکثر متون کا حافظ ہو۔ اس نے کتب ستہ، مسند احمد، سنن بیہقی، اور معجم طبرانی کا سماع کیا ہو۔ علاوہ ازیں مزید ایک ہزار اجزا حدیثیہ بھی سنے

ہوں۔۔۔اور فرماتے ہیں کہ "یہ ادنی ترین درجہ ہے" (۸۱)۔

ابوالفتح ابن سید الناس کہتے ہیں کہ ہمارے اس دور میں "محدث" اسے کہتے ہیں جس کا حدیث کے ساتھ اشتغال بلحاظ روایت و درایت بہت زیادہ ہو۔ راویان حدیث کا وسیع علم رکھتا ہو۔ اپنے زمانے کے رواۃ حدیث اور مرویات سے کافی حد تک باخبر، بلکہ ایک ممتاز حیثیت کا حامل ہو۔ حتی کہ اس کا حفظ معروف اور ضبط مشہور ہو (۸۲)۔

حافظ ابن حجر محدث کے بارے میں یہ لکھتے ہیں کہ وہ شیوخ سے خود مستفید ہو چکا ہو۔ وہ راویوں کے طبقات اور مراتب کو جانتا ہو۔ اور جرح و تعدیل سے پوری واقفیت رکھتا ہو (۸۳)۔

۱۰۔ الحافظ

الحافظ بہت سے محدثین کے ہاں محدث کے مترادف ہے (۸۴)۔ متاخرین کے نزدیک "حافظ" وہ ہے جسے ایک لاکھ احادیث "متناً و اسناداً" زبانی یاد ہوں۔ اس لحاظ سے اس کا درجہ محدث سے بڑھ کر ہے۔ ابن سید الناس کہتے ہیں کہ محدث کی معلومات اتنی زیادہ ہو جائیں کہ اپنے تمام اساتذہ اور اساتذہ کے اساتذہ کو طبقات وار جانتا ہو۔ اس طرح سے کہ جنہیں وہ جانتا ہو ان سے زیادہ ہوں جنہیں وہ نہیں جانتا (۸۵)۔

۱۱۔ الحجہ

حجت کے معنی دلیل ہیں۔ ایسا حافظ جس کا حافظہ بہت زیادہ ہو اور اسے تین لاکھ "مسند" احادیث زبانی یاد ہوں۔ یہ حافظ سے بڑھ کر ہے (۸۶)۔ بعض لوگ کہتے ہیں حجہ کا اطلاق حافظ پر ہی ہوتا ہے۔ لیکن اس وقت جب اسے اسانید و متون کے حفظ میں اتقان حاصل ہو اور تمام معاملات پر گہری نظر رکھتا ہو۔

حدیث نبوی کی اہمیت، ضرورت وحجیت

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو کہ تمام شعبہ ہائے حیات میں کامیاب عملی راہنمائی کا نظام ہے۔ اسلام ہی اللہ رب العالمین کے ہاں مقبول دین ہے۔ اس دین کے علاوہ دوسرا کوئی نظام اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: "ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وھو فی الاخرة من الخاسرین "(۸۷) (جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے وہ اس سے دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا)۔ اسلام کی بنیادی تعلیمات قرآن وحدیث کی صورت میں محفوظ ہیں۔

اس نظریاتی وعملی دین کا مکمل نمونہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ اسلام کے اساسی اصول اور بنیادی تعلیمات تو قرآن میں موجود ہیں جبکہ اس کی تشریح وتوضیح رسول اللہ ﷺ کی سنت اور احادیث مبارکہ ہیں یہ تشریح وتوضیح آپ کی ذاتی سوچ وفکر پر مشتمل نہیں بلکہ یہ بھی الہامی ہے۔

حدیث اور علم حدیث کا موضوع آنحضرت ﷺ کی ذات جامع صفات ہے جملہ احادیث نبویہ میں آپؐ کے اقوال وافعال اور حالات واسوہ حسنہ کا بیان ہے جبکہ اس علم حدیث کے حاصل کرنے کی غرض وغایت "اطاعت واتباع رسول" ہے، جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں دیا ہے:

یایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم(۸۸)۔

آنحضرتؐ کے ارشادات آپؐ کی ذات اقدس کی طرح ہی واجب الاحترام ہیں۔ قرآن تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر پیغمبر کا اپنے اپنے دور میں یہی مقام رہا ہے۔ وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ(۸۹)۔

ہر پیغمبر اسی لیے مبعوث کیا جاتا ہے کہ خدا کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے بعض انبیاء پر الہامی کتب نازل ہوئیں جیسے توریت، زبور وانجیل، قرآن اور بعض پر صرف احادیث نازل ہوئیں۔ وہی ان کی شریعت تھی اور وہی احکام، حضرت اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ، یونسؑ، لوطؑ، ہودؑ وغیرہ علیھم السلام اسی قسم کے انبیاء تھے جن پر بظاہر احادیث کے سوا کچھ بھی نازل نہیں ہوا۔ ان احادیث کی روگردانی کی وجہ سے ان

امتوں پر عذاب نازل کیا گیا۔

آنحضرتؐ کی طرف ان دونوں قسموں کی وحی نازل فرمائی گئی ہے: "انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ" (۹۰) (ہم نے تم پر اسی طرح وحی نازل کی جس طرح نوح علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے انبیاء پر نازل ہوئی)۔ یعنی قرآن بھی نازل فرمایا گیا اور حدیث و سنت بھی۔

قرآن مجید میں اکثر تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول ﷺ کی اطاعت کو بھی ضروری ٹھہرایا ہے اور کہیں صرف رسول کی اطاعت و پیروی کا ہی حکم ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ دینی نقطہ نظر سے قرآن کے پہلو بہ پہلو اسلام اور فقہ و تقنین کا دوسرا سرچشمہ یا مصدر ثانی جس سے ایمان و عمل کے تقاضے مکمل ہوتے ہیں وہ اطاعت رسول ﷺ ہے۔ جس کا واحد ذریعہ ہمارے پاس احادیث رسول ﷺ ہیں۔

حدیث وحی الٰہی ہے

حدیث رسول کی الہامی حیثیت مسلم ہے۔ جس پر خود قرآن شاہد ہے کہ آنحضرتؐ کے فرامین بھی وحی الٰہی ہیں۔ سورہ النجم میں ارشاد ہے: "وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی" (۹۱) (آپؐ اپنی خواہش سے بات (حکم دین) نہیں فرماتے بلکہ وہ تو وحی ہے جو آپؐ پر بھیجی جاتی ہے)۔

اس کی وضاحت میں مولانا محمد عبدہ الفلاح لکھتے ہیں: دین کے باب میں (آپؐ) جو کچھ فرماتے ہیں وہ وحی کے بغیر نہیں فرماتے معلوم ہوا کہ حدیث بھی قرآن کی طرح وحی ہے اور واجب الاتباع ہونے کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ علماء نے قرآن کو وحی متلو اور حدیث کو وحی غیر متلو کہا ہے (۹۲)۔

وحی متلو اور وحی غیر متلو

وحی متلو سے مراد وہ وحی ہے جس کی تلاوت کی جائے یعنی جو قرآنی متن کی صورت میں ہے۔ جبکہ وحی غیر متلو وہ وحی ہے جس کی باقاعدہ تلاوت نہ کی جائے اور یہ نبی اکرمؐ کی زبان اقدس سے نکلا ہوا

رضائے الٰہی کے مطابق کلام ہو۔ وحی کی ان دونوں قسموں کا نبی کی زبان سے ادا ہونے کے بعد ایک مسلمان سے تقاضا ہے کہ ان دونوں پر نظریاتی اور عملی ایمان لائے کیونکہ جیسے قرآن پر ایمان ضروری ہے ویسے ہی اس کی مثل پر بھی۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے: الا انی اوتیت القرآن ومثلہ معہ (۹۳)۔

نبی اکرم ﷺ کا منصب قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے: کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم آیتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمۃ ویعلمکم ما لم تکونوا تعلمون (۹۴)۔ یہاں چار واضح اور جداگانہ فرائض کی ذمہ داری کا ذکر کیا گیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کو سونپے گئے ہیں:

i۔ تلاوت آیات۔ ii۔ تزکیہ۔
iii۔ تعلیم کتاب۔ iv۔ تعلیم حکمت۔

۱۔ تلاوت آیات

نبی اکرم ﷺ کا پہلا فرض بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ آیات قرآنی کو جوں کا توں بندگان خدا تک پہنچا دیں۔ یہ فریضہ تلاوت آیات کی ادائیگی اللہ تعالیٰ کو قاصدانہ انداز میں مطلوب نہیں کہ ایک ڈاکیہ کی طرح پیغام کی ترسیل کی جائے بلکہ پیغمبرانہ اور داعیانہ انداز سے اس کی ادائیگی مطلوب ہے کیونکہ اگر نبی کی پوزیشن محض پیغام پہنچانے کی ہوتی تو بس ان کا کام یہیں ختم ہو جاتا اور آگے کی ساری ذمہ داریاں مخاطبین پر عائد ہو جاتیں لیکن اس کے ساتھ اور کام بھی مطلوب ہے اور وہ ہے تعلیم کتاب۔

۲۔ تزکیہ نفس

تلاوت آیات کے ساتھ ساتھ آپ کے فرائض منصبی میں لوگوں کا تزکیہ نفس بھی شامل کیا گیا تھا۔ جس کا ذکر کئی مقامات پر قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔ یہ آپ کے تربیت و تزکیہ کا ہی نتیجہ تھا کہ حالات میسر آنے کے باوجود لوگ اپنے دامن کو گناہوں سے آلودہ ہونے سے حتی الوسع بچائے رکھتے تھے، جیسے حضرت ابو مرثد غنوی کو اندھیری رات کی تنہائی میں دعوت برائی ملی تو انہوں نے اسی تربیت کے نتیجہ میں صاف انکار کر دیا بلکہ اگر کبھی کسی سے گناہ سرزد ہو جاتا تو علی الاعلان ”انی قد زنیت وانا ارید ان

تطھرنی ''(میں نے زنا کیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ مجھے پاک کر دیں) کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے دنیا کی سزا کو آخرت پر ترجیح دیتا (۹۵)۔

آج ہمارے پاس اس تربیت وتزکیہ کا ذکر کتب احادیث کی صورت میں موجود ہے جس کے ذریعے ہم انفرادی اور اجتماعی طور پر معاشرے کی اصلاح کر سکتے ہیں۔

۳۔ تعلیم کتاب

قرآن مجید کی بلاغت و اعجاز اس بات کی مقتضی ہے کہ اس میں اسراف الفاظ نہ ہو۔ چنانچہ تلاوت آیات کے ساتھ تعلیم کتاب کا تذکرہ اس بات کو عیاں کرتا ہے کہ ان دونوں کی حیثیت اور نوعیت میں فرق ہے۔ تلاوت آیات سے سادہ زبان اور دل نشین انداز میں پیغام الٰہی کو بندوں کے پردہ سماعت تک پہنچا دیا گیا۔ اب ایک معلم کا کام صرف یہ نہیں کہ لوگوں کی اس سماعت کے بعد وہ ان کو تعلیم دینے کے بارے اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو گیا ہے بلکہ معلم اس مطلوب تعلیم کو مخاطبین کی ذہنی سطح کے پیش نظر مختلف اسالیب سے قابل قبول بنا کر لوگوں کے دلوں میں اتارتا ہے۔ اور اس کے متعلق تمام شکوک و شبہات کا حل پیش کرتا ہے تاکہ لوگوں کو اس حقیقت کا فہم حاصل ہو جائے۔

قرآن مجید نے وحی غیر متلو کو ''الحکمة'' سے تعبیر کیا ہے۔ الحکمۃ (حدیث) کے منزل من اللہ ہونے کے بارے میں ارشاد ہے: ''وانزل اللہ علیك الكتاب والحكمة وعلمك ما لم تكن تعلم ''(۹۶) مولانا وحید الزماں نے اس آیت کا ترجمہ یوں بیان کیا ہے (اور اللہ تعالیٰ نے تجھ پر کتاب اتاری 'قرآن شریف' اور 'حدیث شریف' اور جو تو نہیں جانتا تھا، وہ تجھ کو سکھلایا)۔

ایک اور مقام پر قرآن مجید نے حدیث پاک (الحکمۃ) کو منزل من اللہ ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''واذکروا نعمة الله علیکم ومآ انزل علیکم من الکتب والحکمة یعظکم بہ ''(۹۷) (اور اللہ تعالیٰ نے جو تم پر احسان کیا اس کو یاد کرو۔ اور جو تم پر کتاب اور حکمت (سنت یعنی حدیث شریف) تمہارے سمجھانے کے لیے اتاری)۔

مفتی محمد عبدہ الفلاح مرحوم لکھتے ہیں: یہاں الحکمت سے مراد سنت ہے یعنی کتاب و سنت کی جو نعمت تم پر نازل کی ہے، اسے مت بھولو۔ یہ دونوں وحی الٰہی ہیں اور دلیل ہونے میں دونوں برابر ہیں۔

لہذا منکرِ حدیث کا وہی حکم ہے جو منکرِ قرآن کا ہے(۹۸)۔

۴۔ تعلیم حکمت

تعلیم حکمت کو آنحضرتؐ کے فرائض میں گردانا گیا ہے۔ کتاب کے ساتھ تو حکمت کا لفظ قرآن پاک کی متعدد آیات میں آیا ہے، بلکہ اسے الگ بھی استعمال کیا گیا ہے۔ یہاں حکمت سے مراد سنت نبوی لیا گیا ہے۔ چنانچہ قتادہ سے مروی ہے: الحکمة ای السنة (۹۹)۔ نیز امام شافعی فرماتے ہیں: سمعت من ارضی من اہل العلم بالقرآن ان یقول الحکمة سنة رسول اللہ (۱۰۰) (میں نے قرآن کے ان اہل علم سے جنہیں میں پسند کرتا ہوں یہ سنا کہ حکمت آنحضرتؐ کی سنت ہی ہے)۔

حدیث کی تشریعی حیثیت

بعض لوگ رسول اللہ ﷺ کی حدیث وسنت کو دین میں حجت تسلیم نہیں کرتے۔ ان کی نظر میں قرآن مجید ہی ماخذ شریعت ہے۔ احادیث کی حیثیت عرب معاشرے کی عام عادات و رسوم کی سی ہے۔ منکرین حدیث کا یہ نظریہ قرآن وحدیث کی اصولی تعلیمات کے سراسر منافی اور نا قابل عمل ہے۔ قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کی ہدایات وتعلیمات کو حجت شرعی قرار دیتے ہوئے فرمایا: ''وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب'' (۱۰۱) (اور تمہیں جو کچھ رسول دے، اسے لے لو اور جس سے روکے، رُک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب کرنے والا ہے)۔

شیخ الحدیث مفتی محمد عبدہ الفلاح اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں: ''اس آیت نے آنحضرت ﷺ کے حکم کو ایک مستقل تشریع کی حیثیت دی ہے اور اسے قرآن کی موافقت کے ساتھ مقید نہیں فرمایا۔ لہذا آنحضرت ﷺ کا جو حکم بذریعہ صحیح روایت ثابت ہوگا، وہ واجب العمل ہوگا (۱۰۲)۔

قرآن مجید نے رسول اللہ کے احکام کی حلال وحرام میں بھی حجیت کا ذکر فرمایا ہے: ''یأمرھم بالمعروف وینھاھم عن المنکر ویحل لھم الطیبت ویحرم علیھم الخبائث'' (۱۰۳) (وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے اور بری بات سے روکتا ہے اور ستھری پاکیزہ چیزیں

ان کے لیے حلال کرتا ہے اور پلید (ناپاک) چیزیں ان پر حرام کرتا ہے)۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی سورہ اعراف کی مذکورہ آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اس آیت کے الفاظ اس امر میں بالکل صریح ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو تشریعی اختیارات (Legislative powers) عطا کیے ہیں" (۱۰۴)۔

مولانا محمد ادریس میرٹھی نے بھی آیت بالا کو اس امر کی دلیل قرار دیا کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات تشریعی حیثیت رکھتے ہیں (۱۰۵)۔ گویا حدیث دین میں حجت ہے اور ماخذ شریعت ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی حدیث کو مثل قرآن قرار دیا۔ چنانچہ حدیث نبویؐ ہے: "الا انی اوتیت الكتاب ومثله معه، الا یوشك رجل شبعان علی اریكته یقول علیكم بهذا القرآن فما وجدتم فیه من حلال فاحلوه وما وجدتم فیه من حرام فحرموه الا لا یحل لكم لحم الحمار الاهلی ولا كل ذی ناب من السبع ولا لقطة معاهد الا ان یستغنی عنها صاحبها" (۱۰۶) (لوگو! یاد رکھو مجھے قرآن اور اس کی مثل ایک اور چیز دی گئی ہے۔ خبردار! ایک وقت آئے گا کہ ایک پیٹ بھرا اپنی مسند پر تکیہ لگائے بیٹھا ہوگا اور کہے گا لوگو! تمھارے لیے قرآن ہی کافی ہے۔ اس میں جو چیز حلال ہے بس وہی حلال ہے اور جو چیز حرام ہے بس وہی حرام ہے۔ سنو! گھریلو گدھا بھی تمہارے لیے حلال نہیں (حالانکہ قرآن میں اس کی حرمت کا ذکر نہیں) نہ ہی درندے جن کی کچلیاں ہیں۔ نہ ہی کسی ذمی کی گری ہوئی چیز کسی کے لیے حلال ہے۔ ہاں البتہ اگر اس کے مالک کو اس کی ضرورت ہی نہ تو پھر جائز ہے)۔

صاحب عون المعبود نے حدیث کی شرح میں بیان کیا ہے کہ حدیث رسول بھی احکام واوامر میں مثل قرآن ہے۔ نبی ﷺ جو باتیں قرآن میں نہیں ان کو تشریعی حیثیت میں بیان کرتے ہیں۔ امام خطابیؒ نے اس حدیث سے منکرین سنت کو ڈرایا کہ وہ بھی روافض وخوارج کی طرح قرآن مجید پر اکتفا کر کے سنت کو ترک کر رہے ہیں۔

خطابی مزید کہتے ہیں: فی الحدیث دلیل علی أن لا حاجة بالحدیث أن یعرض علی الكتاب وانه مهما ثبت عن رسول الله ﷺ شیء كان حجة بنفسه فاما

ما رواه بعضهم انه قال اذا جاء کم الحدیث فاعرضوه علی کتاب اللہ فان وافقه فخذوه فانه حدیث باطل لا اصل له (۱۰۷)(اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حدیث کو کتاب 'قرآن مجید' پر پیش کرنا ضروری نہیں ہے۔اور جب بھی نبی کریم ﷺ سے حکم ثابت ہو گیا وہ آپ کا حکم فی نفسہ حجت ہے۔ جہاں تک اس روایت کا معاملہ ہے کہ جس میں بیان ہوا کہ جب کوئی حدیث ملے تو اسے کتاب اللہ پر پیش کیا جائے، وہ روایت باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے)۔

یہ بات یقینی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے فرامین و سنن تشریعی حیثیت رکھتے ہیں۔علماء امت آپؐ کے تشریعی اختیارات کو تسلیم کرتے ہیں۔حدیث و سنت کی تشریعی حیثیت سے انکار کرنے والوں کا دعویٰ بے دلیل و باطل ہے۔یہ لوگ اپنے باطل نظریات کو بنیاد بنا کر دین اسلام کے عملی پہلو کا فکری و عملی انکار کر رہے ہیں (نعوذ باللہ من ذلک)۔

حدیث قرآن مجید کی تفسیر و تشریح ہے

منکرین حدیث قرآن مجید کی من مانی تاویلات و تشریحات کے قائل و فاعل ہیں۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس فکر کے حاملین کا جزئیات پر اتفاق تو درکنار بلکہ وہ بنیادی و اصولی احکام دینیہ پر مختلف اور متضاد آراء رکھتے ہیں یہاں تک کہ اس گمراہ گروہ کا نمازوں کی تعداد پر بھی اتفاق نہ ہو سکا بلکہ قرآنی حکم اقیمو الصلوٰۃ کو بھی نہ سمجھ پائے۔ان لوگوں نے قرآن مجید کو حدیث رسولؐ سے اغماض اور چشم پوشی کرتے ہوئے سمجھنے کی کوشش کی تو اس میں ناکام و نامراد رہے۔انہیں قرآنی آیات پر سرسری غور سے سمجھ آنے والے احکام کا بھی فہم نہ مل سکا۔قرآن مجید کا یہ فرمان اپنے مفہوم کس قدر مبین و واضح ہے غور فرمایئے!''وانزلنا الیك الذکر لتبین للناس ما نزل الیهم ولعلهم یتفکرون ''(۱۰۸) (اور ہم نے یہ ذکر 'قرآن' آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل کیا گیا۔آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں شاید کہ وہ غور کریں)۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ فرض منصبی تھا کہ وہ کتاب اللہ کے احکام و فرائض کی تشریح و توضیح فرمائیں۔آپؐ کے اس دینی منصب کا انکار اور اس کی اہمیت کم کرنے والوں پر نقد کرتے ہوئے سید مودودی مذکورہ آیت کریمہ کی وضاحت میں فرماتے ہیں:''پھر کس طرح یہ

ممکن ہے کہ شارح قرآن کی حیثیت سے آپؐ کے منصب کو رسالت کے منصب سے الگ قرار دیا جائے۔اور آپؐ کے پہنچائے ہوئے الفاظ قرآن کو لے کر آپ کی شرح وتفسیر قبول کرنے سے انکار کر دیا جائے کیا یہ انکار خود رسالت کا انکار نہ ہو جائے گا"(۱۰۹)۔

سید مودودی کی رائے صائب ہے کہ آپ کی تفسیر وتشریح قرآن سے انکار کرنا، درحقیقت رسالت سے انکار کے مترادف ہے گویا منکرین حدیث اس لحاظ سے منکرین رسالت ہیں۔فہم قرآن کے لیے حدیث وسنت کی اہمیت واضح کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:"اب اگر ہم سنت کو نکال دیں تو اگرچہ ہم دین کی اصولی باتوں سے واقف ہوں گے،لیکن ان کی عملی شکل سے اسی طرح بے خبر ہوں گے جس طرح دورِ جاہلیت میں دینِ حنفی کے پیروکار تھے۔وہ کہتے کہ اے رب! ہم نہیں جانتے کہ تیری عبادت کس طرح کریں،ورنہ اسی طرح کرتے"(۱۱۰)۔

معلوم ہوا کہ اسلام کے احکام پر عمل پیرا ہونے کے لیے تمسک بالحدیث ضروری ہے وگرنہ قرآن مجید کے اکثر احکام پر عمل تو کجا ان کا فہم وادراک بھی ناممکن ہے۔

اطاعتِ رسول کا حکم

قرآن وسنت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اطاعتِ رسول لازم ہے۔قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی بار بار تاکید فرمائی گئی ہے۔اطاعتِ رسول کی اہمیت جاننے کے لیے چند قرآنی آیات ملاحظہ فرمایئے:"یایھا الّذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم "(۱۱۱)(اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال برباد مت کرو)۔اس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی عمل خواہ کتنا ہی بہتر کیوں نہ معلوم ہوتا ہو،اگر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے دائرے سے باہر ہے تو رائیگاں اور برباد ہے(۱۱۲)۔

ارشاد ربانی ہے"اطیعوا اللہ واطیعوا الرّسول واحذروا، فان تولیتم فاعلموا انما علی رسولنا البلاغ المبین "(۱۱۳)(اور اللہ تعالیٰ کا کہا مانو اور (اس کے) رسول کا کہا مانو اور (ان دونوں کی نافرمانی سے) بچے رہو۔پھر اگر تم نہ مانو تو یہ جانے رہو (ہمارا کچھ نہیں بگڑے

گا) ہمارے رسولؐ کے ذمے صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے)۔

یہ آیت کریمہ حرمت خمر و میسر کے اعلان کے متصل بعد ہے۔ مفتی محمد عبدہ الفلاح اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''شراب اور جوئے سے باز رہنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت سے ڈرو (تفسیر کبیر و قرطبی) یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت سے مراد قرآن و سنت کی پیروی ہے۔ اور سنت بھی قرآن کی طرح ایک مستقل ماخذ دین ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اوتیت القرآن ومثله معه'' (۱۱۴) (کہ مجھے قرآن دیا گیا اور اس جیسی ایک اور چیز (یعنی حدیث) بھی)۔

تاکید مزید کے لیے اسی بات کو دوبارہ سورۃ تغابن میں دہرایا گیا ہے: ''واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول فان تولیتم فانما علی رسولنا البلاغ المبین'' (۱۱۵) (اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو، پس اگر اعراض کرو تو ہمارے رسول کے ذمے صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے)۔

مطلب یہ کہ ہمارے رسول کا اس سے کچھ نہیں بگڑے گا، کیونکہ اس کا کام صرف تبلیغ ہے۔ امام زہری فرماتے ہیں: اللہ کا کام رسول بھیجنا ہے، رسول کا کام تبلیغ اور لوگوں کا کام تسلیم کرنا ہے (۱۱۶)۔ نیز اہل ایمان کا شیوہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ویطیعون اللہ ورسوله ----- (۱۱۷) (وہ اہل ایمان اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں)۔ مولانا محمد حنیف ندوی اطاعت رسول اللہ ﷺ کے متعلق آیات متعدد لکھ کر درج ذیل اہم امور بیان کرتے ہیں:

۱۔ اطاعت رسول سے انکار کفر ہے۔
۲۔ اطاعتِ رسول حصول رحمت الٰہی کا ذریعہ ہے۔
۳۔ فقہی و دینی مسائل میں اختلاف کی صورت میں اللہ اور رسول کا فیصلہ حرف آخر ہے۔
۴۔ ایمان باللہ اور رسول کے تقاضے اطاعتِ رسول سے ہی پورے ہو سکتے ہیں۔
۵۔ اطاعت رسول کی روگردانی سے ضبط اعمال کا اندیشہ ہے۔
۶۔ رسول کی اطاعت، اللہ کی اطاعت کے مترادف ہے۔

۷۔ یہ پیغمبر اسی لیے مبعوث ہوا کہ لوگ اس کی اطاعت کریں۔

۸۔ حصول محبت الٰہی کے لیے اطاعت واتباع رسول لازم ہے۔

۹۔ جولوگ آپ کی تعلیمات کی مخالفت میں سرگرم ہیں۔ان کو عذاب الٰہی سے ڈرنا چاہیے۔

۱۰۔ ایمان اس وقت تک تکمیل پذیر نہیں ہوتا جب تک آنحضرت ﷺ کے احکام واوامر کو پورے، اخلاص سے تسلیم نہ کیا جائے (۱۱۸)۔

حب رسول کا تقاضا (اطاعت واتباع رسول ﷺ)

نبی کریمؐ سے محبت ایمان کا حصہ ہے بلکہ آپ ﷺ کی محبت جب تک دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر نہ ہوا ایمان مکمل نہیں ہوتا۔آپ ﷺ کا یہ ارشاد مبارک ہے:''والذی نفسی بیدہ لا یؤمن احدکم حتی اکون أحب الیه من والدہ وولدہ ''(۱۱۹)(اس ذات اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں (رسول اللہ ﷺ) اسے اس کے والد اور اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں)۔

قرآن مجید میں بھی اللہ اور رسول کی محبت اور اس کے تقاضے بیان کرتے ہوئے یوں ارشاد ہے: قل ان کان اباءکم وابناءکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومسکن ترضونها أحب الیکم من اللہ ورسوله وجهاد فی سبیله فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ (۱۲۰)(آپ فرما دیجیے! کہ اگر تمہیں اپنے باپ دادا، بیٹے، بھائی، بیویاں، خاندان، کمایا ہوا مال اور تجارت جس کے خراب ہونے کا تمہیں خدشہ ہے، اپنے پسندیدہ مکان اللہ اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو اللہ کے حکم سے عذاب آنے کا انتظار کرو)۔نبی اکرم ﷺ کی محبت کے بغیر ایمان کا دعویٰ باطل ہے۔آپ کی محبت کیسے اور کیونکر حاصل ہوتی ہے؟

اس کی وضاحت درج ذیل حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے:''من أحیا سنتی فقد أحبنی ومن أحبنی کان معی فی الجنة ''(۱۲۱)(جس نے میری سنت کو زندہ کیا، اس نے میرے ساتھ محبت کی اور جس نے میرے ساتھ محبت کی، وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا)۔

اس حدیث پاک سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت حاصل کرنے کے لیے آپ کی اطاعت واتباع شرط ہے جو انسان آپ کی اطاعت واتباع کا قائل وفاعل نہ وہ گویا جنت میں جانے سے انکاری ہے اور ایمان کی نعمت سے محروم ہے۔

ہدایت اطاعتِ رسول سے مستلزم ہے

موجودہ دور میں علوم وفنون میں حیرت انگیز ترقی اور معاشرتی اقدار میں تبدیلی سے ہر انسان متاثر ہوا ہے۔ اکثر لوگ اس مادی ترقی کو بنیاد بنا کر دینی واخلاقی ضوابط کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور روشن خیالی وجدت پسندی جیسی سراب نما اصطلاحات کو اپنی فکری معراج قرار دیتے ہیں۔ اس رویے کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ وہ اپنے غلط خیالات اور بے ہودہ اعمال پر خوش ہو کر دین کی مبارک وہدایت پر مبنی تعلیمات کو ترک کر رہے ہیں۔ قرآن حکیم ایسے بزعم خود روشن خیال منکرین کو متنبہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: قل اطیعو اللہ واطیعو الرّسول فان تولوا فانما علیہ ما حمل وعلیکم ما حملتم وان تطیعوہ تھتدوا وما علی الرسول الا البلاغ المبین (۱۲۲)(کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ رسول اللہ کی اطاعت کرو، پھر بھی اگر تم نے روگردانی کی تو رسول کے ذمے تو صرف وہی ہے جو اس پر لازم کر دیا گیا اور تم پر اس کی جوابدہی ہے جو تم پر رکھا گیا ہے۔ ہدایت تو تمہیں اسی وقت ملے گی جب رسول کی اطاعت کرو گے۔ سنو رسول کے ذمے تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے)۔

رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی سزا

قرآن مجید نے رسول اللہ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت قرار دیتے ہوئے اس بات کا اعلان فرمایا: من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (۱۲۳)(اس رسول ﷺ کی جس نے اطاعت کی، اسی نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی)۔

قرآن مجید نے نبی اکرم ﷺ کی نافرمانی کی تو کجا، اس کے متعلق مشاورت اور سرگوشی سے بھی منع فرمایا ارشاد ہے: فلا تتناجوا بالاثم والعدوان ومعصیت الرسول وتناجو بالبر والتقوی (۱۲۴)(گناہ، ظلم وزیادتی اور رسول اللہ کی نافرمانی کی سرگوشی مت کرو بلکہ نفع رسانی اور پرہیزگاری کی باتوں پر تبادلہ خیالات کرو)۔

اللہ تعالیٰ نے نافرمانِ رسول کو گمراہ قرار دیا: ''ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا'' (۱۲۵) (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا)۔

قرآن مجید میں ہے: فلیحذر الذین یخالفون عن أمرہ ان تصیبھم فتنة او یصیبھم عذاب الیم (۱۲۶) (جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں، انہیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آ پڑے یا انہیں کوئی دکھ کی مار نہ پڑے)۔ سورہ جن میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے نافرمان کو ابدی جہنمی قرار دیا گیا: ومن یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار جھنم خالدین فیھا ابدا (۱۲۷) (اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی نہ مانے گا، اس کے لیے جہنم کی آگ ہے، جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا)۔

حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے نافرمان کو جہنمی بلکہ اس کے خود جنت میں جانے سے انکاری قرار دیا گیا: ''کل امتی یدخلون الجنة الا من ابی، قالوا: یا رسول ومن یابی، قال: من اطاعنی دخل الجنة ومن عصانی فقد ابی'' (۱۲۸) (میری تمام امت جنت میں جائے گی سوائے اس کے جو جنت میں جانے سے انکار کر دے، صحابہ نے پوچھا کہ جنت میں جانے سے کون انکار کرتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہو گیا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے گویا جنت میں جانے سے انکار کر دیا)۔

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ منکر حدیث، گمراہ، جہنمی، عذاب الٰہی کا مستحق اور خود ہی جنت میں جانے سے انکاری ہے۔ اس گمراہ فکر کے حاملین کے لیے لازم ہے کہ فوراً عقیدہ و عمل قرآن و سنت کے مطابق کریں۔ وما توفیقی الا باللہ۔

علوم اسلامیہ میں حدیث کا مقام

حدیث و سنت دین اسلام کا دوسرا بنیادی ماخذ ہے۔ اس ماخذ کی دین اسلام میں کیا اہمیت ہے۔ اس کا اندازہ قرآن مجید کے اس اعلان سے ہو سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی خواہش نفسانی سے بات نہیں فرماتے بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی وحی ہوتی ہے۔

وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی (۱۲۹)(آپؑ اپنی خواہش سے بات (حکم دین) نہیں فرماتے بلکہ وہ تو وحی ہے جو آپ پر بھیجی جاتی ہے)۔

نبی کریم ﷺ نے حدیث کو یاد رکھنے والے کے لیے تر و تازگی کی دعا فرمائی۔ ارشاد ہے:

"نضر اللہ عبدا سمع مقالتی ووعاھا واداھا، فرب حامل فقہ غیر فقیھہ و رب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ "(۱۳۰)(اللہ تعالیٰ اس بندے کو تر و تازہ رکھے جس نے میری حدیث سنی اور اسے یاد کیا اور اسے (آگے) ادا کیا، پس کئی حاملین علم غیر فقیہ ہوتے ہیں اور کئی اپنے سے زیادہ فہم والوں کو علم پہنچاتے ہیں)۔

حدیث و سنت کی اہمیت کے پیش نظر محدثین کرام نے تدوین حدیث کا کام بے حد محنت و لگن سے سرانجام دیا۔ اخذ و روایت حدیث میں ایسی احتیاط و اہتمام کا ثبوت دیا کہ امت مسلمہ سے قبل اس قسم کی منظم و مربوط علمی کاوش اہل ارض نے نہ دیکھی تھی۔ چنانچہ امام ابو محمد بن حزم فرماتے ہیں: نقل الثقة عن الثقة مع الاتصال حتی یبلغ النبی ﷺ، خص اللہ بہ المسلمین دون سائر المللکلھا (۱۳۱)(ثقہ راوی کا ثقہ راوی سے اتصال سند کے ساتھ نقل کرنا حتی کہ نبی ﷺ تک سند کا پہنچنا، اس کام میں اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو تمام امتوں میں نمایاں مقام دیا ہے)۔

علوم اسلامیہ میں یہ سلسلہ اسناد و معیار رواۃ کا اہتمام تدوین حدیث کی ضرورت و اہمیت کی عکاسی کرتا ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے بھی امت مسلمہ کے اس اختصاص کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے: "نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری، نہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال سا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہے، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے(۱۳۲)۔

حدیث و سنت، ملت اسلامیہ کی وحدت کا ذریعہ

احادیث رسول مسائل دینیہ میں اختلاف اور افتراق کو ختم کرنے کا واحد ذریعہ ہیں۔ اگر حضور ﷺ کے ارشادات اور سنن کو ترک کر دیا جائے تو قرآن مجید کی تفسیر و تعبیر اور اسلام کی عملی صورت کے متعلق بے شمار بنیادی و اصولی اختلافات وجود میں آجائیں گے۔

قرآن مجید میں اختلافات کی صورت میں رجوع الی اللہ والرسول کا حکم ان الفاظ میں ہے:

یایها الذین امنوا اطیعو الله واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوه الی الله والرسول ان کنتم تؤمنون بالله والیوم الاخر ذلك خیر واحسن تاویلا (۱۳۳)(اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرواور رسول کی اطاعت کرواور اپنے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کروتو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام بہت اچھا ہے)۔

مفتی محمد عبدہ فرماتے ہیں: اس (آیت) سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کی طرح رسول اللہ ﷺ کی حدیث بھی اسلامی قانون کا مستقل ماخذ ہے (۱۳۴)۔

امت اسلامیہ میں افتراق واختلاف کے عود کر آنے کا ذکر کرتے ہوئے ساتھ ہی آپؐ نے اس کا تدارک بھی بیان فرمایا: چنانچہ حدیث شریف میں ہے: اوصیکم بتقوی الله والسمع والطاعة وانّ عبدا حبشیا فانه من یعش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین، تمسکوا بها، وعضوا علیها بالنواجذ، وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثه بدعة وکل بدعة ضلالة (۱۳۵) (میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے، اپنے امیر کی بات سننے اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں، خواہ تمہارا امیر کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو (اور یاد رکھو) جو لوگ تم میں سے میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بہت زیادہ اختلافات دیکھیں گے۔ ایسے وقت میں میری سنت کو لازم پکڑنا، اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقے پر قائم رہنا اور مضبوطی سے اس پر جم جانا۔ دین میں نئی نئی باتوں (بدعتوں) سے بچنا دین میں ہر نئی بات بدعت ہے اور یہ بدعت گمراہی ہے)۔

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے ایک تو امت میں اختلافات کے خدشے کا اظہار کیا اور دوسرے اختلافات کو ختم کرنے کا طریقہ بتلایا۔ آپ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کی رُو سے در اصل اختلافات وافتراقات کا خاتمہ اتباع سنت نبوی وسنت خلفاء سے ہی ممکن ہے۔ آپ کا بتلایا ہوا یہ اصول گویا ایک قابل عمل اور آسان حل ہے۔ اسے نسخہ کیمیا سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

اسلامی تہذیب وثقافت کی اساس

قرآن مجید کی تفسیر و توضیح اور احکام قرآنی کی عملی تصویر آپ کی سیرت طیبہ ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت تمام شعبہ ہائے زندگی کے لیے مکمل رہنما ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (۱۳۶) (بے شک تمہارے لیے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے)۔

گویا اہل اسلام کے لیے لازم ہے کہ وہ عبادات، معاملات، معاشیات، سیاسیات، اخلاقیات غرضیکہ ہر کام میں اللہ کے رسول ﷺ کی اتباع کریں۔ نبی اکرم ﷺ کی زندگی تمام انسانوں کے لیے اور تمام زمانوں کے اسوہ حسنہ اور ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔ بعض صحابہؓ نے بظاہر نیکی میں سنتِ مبارکہ سے اعراض کرتے ہوئے شوقِ عبادت میں زیادہ رغبت کا اظہار کیا جیسے کہ حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے کہا میں شادی نہیں کروں گا، دوسرے نے کہا کہ میں ساری رات نفلی قیام کیا کروں گا، تیسرے نے کہا کہ میں بلا ناغہ (نفلی) روزے رکھوں گا، ان صحابہ کی یہ باتیں سن کر آپ سخت ناراض ہوئے۔ اور فرمایا: انتم الذین قلتم کذا وکذا، اما واللہ انی لاخشاکم للہ واتقاکم لہ لکنی اصوم وافطر واصلی وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی (۱۳۷) (کیا تم نے ایسا ایسا کیا ہے؟ فرمایا: اللہ کی قسم میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں، لیکن میں روزہ رکھتا ہوں، ترک بھی کرتا ہوں، رات کو قیام بھی کرتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں، عورتوں سے نکاح بھی کیے ہیں (یاد رکھو) جس نے میری سنت سے منہ موڑا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی اتباع سے ہی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی ممکن ہے۔ آپؐ نے اپنے صحابہ اور امتی لوگوں کو سنت کی پیروی کرنے کی سخت تاکید فرمائی نیز سنت سے گریز کرنے والوں کو سخت ڈانٹ پلائی۔

محدثین کرام نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر سیرت نبوی کے تمام گوشوں کو محفوظ کر دیا۔ نیز نبی اکرم ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ عظام کی پاکیزہ زندگیوں کے احوال بھی کتب حدیث وسیر

میں مدون و مرتب ہیں۔ اس طرح عہد نبوی و عہد صحابہ کی سیاسی، معاشرتی و معاشی سرگرمیوں سے مکمل آگاہی حاصل کرنے کا اصل ماخذ کتب حدیث ہیں۔

احادیث میں آپ ؐ کی سنن، تقریرات، احکام نیز صحابہ کرامؓ کے تعلیم نبوی پر عمل کے نمونے مذکور ہیں۔ گویا سنت نبوی و سنت خلفاء راشدین تک رسائی اور ان کے مطابق جدید تہذیبی و ثقافتی اقدار و رجحانات کو بدلنے کے لیے امت مسلمہ کے پاس بے مثال علمی ذخیرہ حدیث و سنن کی کتب میں میسر ہے۔ حدیث کی مشہور ترین کتاب صحیح البخاری کا نام مذکورہ بالا امر کی عکاسی کرتا ہے۔ یاد رہے بخاری شریف کا پورا نام "الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللہ ﷺ و سننه وایامه" ہے۔

حدیث و سیرت رسول کا تدوینی اعجاز

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو خاتم النبیین و سید الرسل کا شرف بخشا، آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ کو تکمیل دین کا اعزاز بھی عطا فرمایا۔ دین اسلام کے دو بنیادی وصف ایسے ہیں جن میں دوسرا کوئی دین و مذہب کسی طرح بھی اس دین کا شریک و سہیم نہیں۔ ایک تکمیل دین، دوسرے حفاظت و تدوین کا پہلو۔

مسلمانوں کو اپنے دین کے ان نمایاں اوصاف پر بجا طور پر خوشی اور فخر ہے کہ ان کا دین مکمل اور محفوظ ہے۔ البتہ بعض کج رو اور گمراہ لوگ اسلام کی اس خوبی کو مشکوک بنانے کی ناکام سعی کرتے ہوئے گمان کرتے ہیں کہ وہ روشن خیال اور جدت پسند ہیں۔ انکار حدیث کا ایک بہانہ حدیث و سنت کے تدوینی پہلو کا بھی ہے۔ مگر یہ لوگ اپنے ہم صف و ہم مشرب غیر مسلم قائدین اور ان کی سِیَر کے تدوینی احوال کے مقابلے میں حدیث و سیرت نبوی کی حفاظت و اشاعت کے بے مثال و سنہری کارنامے کا امتیازی پہلو بھلا بیٹھے ہیں۔

علامہ شبلی نعمانیؒ نے سیرت نبویؐ کے تدوینی وصف کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے۔ موصوف کے تجزیے سے استفادہ پیش خدمت ہے: "جناب مسیح کی ۳۳ سالہ زندگی میں سے صرف تین برس کے حالات معلوم ہیں۔ فارس کے مصلحانِ دین صرف شاہنامہ کے ذریعہ روشناس ہیں۔ ہندوستان کے

پیغمبر افسانوں کے حجاب میں گم ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت آج جو کچھ معلوم ہے اس کا ذریعہ صرف موجودہ تورات ہے، جو موسیٰ کے ۳۰۰ برس بعد عالم وجود میں آئی، یہ قدرت کی طرف سے اشارہ تھا کہ ان کے کارنامے اور اصول تعلیم ابدی نہ تھے۔ اس لیے نقل و روایت کے آئینہ میں جس قدر ان کا نا تمام عکس اترا اس سے زیادہ ضروری بھی نہ تھا'' (۱۳۸)۔

حیات مسیح کے تین برس کے حالات کی علامہ شبلی صاحب کی تحقیق کے برعکس انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں اس بات کا اعتراف کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی زندگی کے صرف پچاس دن کا ریکارڈ ہمارے پاس موجود ہے (۱۳۹)۔

علامہ موصوف سیرت نبوی کی خوبی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: دوسری طرف وسعت اور تفصیل کے لحاظ سے یہ حالت ہے کہ اقوال و افعال، وضع و قطع، شکل و شباہت، رفتار و گفتار، مذاق طبیعت، انداز گفتگو، طرز زندگی، طریق معاشرت، کھانے پینے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، ہنسنے بولنے کی ایک ایک ادا محفوظ رہ گئی، تو اس سوال (کہ کسی شخص کی زندگی / سیرت محفوظ ہے؟) کے جواب میں صرف ایک صدا بلند ہو سکتی ہے (محمد عربی ﷺ فدیتہ بابی و امی) (۱۴۰)۔

یہ نا قابل تردید حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت، حدیث و سنت کی تدوین و تحفیظ بہترین طور پر ہوئی جو کہ درحقیقت منشائے الٰہی تھا کہ حضور سرور کونین کی زندگی قیامت تک آنے والے اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والوں کے لیے کامل نمونہ ہے جیسا کہ قرآن مجید کا فرمان ہے:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الاخر وذکر اللہ کثیرا (۱۴۱) (بے شک تمہارے لیے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے۔ ہر اس انسان کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی توقع رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرتا ہے)۔

خلاصہ بحث

زیر بحث مضمون میں ضرورت و اہمیت حدیث کے بعض پہلو بیان کیے گئے ہیں۔ حدیث و سنت کی حجیت پر اجماع امت ہے۔ قرآن و سنت کی تعلیمات اس موقف پر شاہد عدل ہیں۔ حجیت حدیث اور منکرین کے اعتراضات کا جائزہ بڑا اہم اور تفصیل طلب موضوع ہے۔ محترم ڈاکٹر خالد ظفر

اللہ رندھاوا حفظہ اللہ تعالیٰ نے برصغیر میں حجیت حدیث پر لکھے جانے والے لٹریچر کی ایک جامع فہرست اپنے مضمون ''برصغیر میں حجیت حدیث پر تجزیاتی لٹریچر'' فکرونظر جلد نمبر ۳۷ شمارہ نمبر ۴، اپریل جون ۲۰۰۰ء ص ۱۲۳-۱۵۴ میں دی ہے۔ نیز منکرین حدیث کے افکار اور اس کے جائزہ پر مبنی لٹریچر پر بھی ''برصغیر میں انکارِ حدیث کا لٹریچر'' کے عنوان سے ایک بہت اچھی فہرست مرتب کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا مقالہ ماہنامہ ''محدث'' لاہور کی اشاعتِ خاص ''فتنۂ انکارِ حدیث'' اگست، ستمبر ۲۰۰۲ء میں سترہ صفحات (صفحہ نمبر ۲۲۱ تا ۲۳۷) پر شائع ہوا۔ تفصیلی مطالعہ اور تنقیدی جائزہ فتنۂ انکارِ حدیث کے لیے مذکورہ مقالے مفید ثابت ہوں گے۔ اس کتاب میں مقالہ فتنۂ انکارِ حدیث ملاحظہ کریں۔

کتابت حدیث

ارشاداتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں حکم کتابت اور منع کتابتِ حدیث میں تطبیق

حدیث رسول ﷺ شریعتِ اسلامیہ کا دوسرا قانونی ماخذ ہے۔ قرآنِ مجید پڑھنے سے کئی مقامات پر حدیثِ رسول اللہ ﷺ کی اہمیت کا علم ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید کی طرح اس کی حیثیت بھی مسلم ہے۔ اس کا انکار گویا قرانِ مجید کا انکار ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "ویعلمهم الکتاب والحکمة" (وہ انہیں کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں)(۱۴۲)۔

حکمت سے یہاں حدیثِ رسول اللہ ﷺ ہی مراد ہے۔ اکثر آئمہ حدیث اور علمائے سلف نے یہی مراد لی ہے۔ چنانچہ امام شافعیؒ اپنی کتاب "الرسالہ" میں لکھتے ہیں: "ففرض اللّه علی النّاس اتّباع وحیه وسنّة رسوله فقال فی کتابه: ربّنا وابعث فیهم رسولاً منهم یتلوا علیهم ایتك ویعلّمهم الکتاب والحکمة ویزکّیهم انّك انت العزیز الحکیم......فذکر اللّه الکتاب وهو القرآن، وذکر الحکمة، فسمعتُ من أرضی من أهل العلم بالقرآن یقول: الحکمة، سنّة رسول اللّه "(۱۴۳)(اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر وحی کی اطاعت فرض کی ہے اور آنحضرت ﷺ کی سنت کی اتباع ضروری قرار دی ہے۔ آیتِ قرآنی "ربّنا وابعث فیهم رسولاً......(یہاں امام صاحب نے سات آیات ایسی درج کی ہیں جن میں حکمت کا لفظ بیان ہوا ہے) میں اللہ تعالیٰ نے جس کتاب کا ذکر کیا ہے وہ قرآنِ مجید ہے اور حکمت کا ذکر فرمایا۔ میں نے قرآن کا بہت زیادہ علم رکھنے والوں سے سنا ہے۔ کہتے تھے کہ یہاں حکمت سے مراد آنحضرت ﷺ کی سنت (حدیث) ہے)۔

ایک اور مقام پر فرمایا: "وما ینطق عن الهویٰ ان هو الّا وحی یّوحی "(۱۴۴) (وہ اپنی مرضی سے نہیں بولتے وہ تو ایک پیغام ہے جو ان کی طرف بھیجا جاتا ہے)۔ ایک ارشاد یہ ہے: "وما اٰتٰکم الرّسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهو "(۱۴۵)(اور جو کچھ رسول تمہیں دیں

اسے لے لو اور جس چیز سے تم کو منع کریں رُک جاؤ)۔اس قسم کی کئی اور آیاتِ قرآنی سے احادیث رسول ﷺ کی حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

منکرینِ احادیث رسول ﷺ نے کئی انداز سے احادیث رسول ﷺ پر تنقید کی ہے۔ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خود احادیث کو لکھنے سے منع فرمادیا تھا۔حالانکہ آپ ﷺ نے منع فرمایا تھا تو وہ بھی احادیث ہیں، ان احادیث کی حیثیت کیا ہوگی۔انہیں کیونکر تسلیم کرلیا جاتا ہے؟ سچ ہے۔

''دروغ گورا حافظہ نباشد''

محدثینِ عظام اس بات کے قائل ہیں کہ احادیث کی کتابت آنحضرت ﷺ کے دور میں اور آپ ﷺ ہی کے حکم سے شروع ہوگئی تھی۔اس مضمون میں پیغمبر اسلام ﷺ کے کراہت کتابت حدیث اور اباحتِ کتابتِ حدیث سے متعلق ارشادات درج کیے گئے ہیں اور ان پر فنی نکتہ نگاہ سے بحث کر کے دونوں حکموں میں تطبیق دی گئی ہے۔سب سے پہلے ہم وہ احادیث درج کرتے ہیں جن میں کتابت کے بارے میں کراہت پائی جاتی ہے۔

حدیث ابوسعیدؓ

۱۔ ''عن ابی سعید الخدری أنّ رسول اللہ ﷺ قال: "لا تکتبوا عنّی غیر القرآن ومن کتب عنّی غیر القرآن فلیمحه و حدّثوا عنّی ولا حرج ومن کذّب علی – قال همّام احسبه قال متعمّدا – فلیتبوّا مقعده من النّار''(۱۴۲)(حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھ سے سن کر قرآن کے علاوہ اور کوئی چیز نہ لکھو۔جس کسی نے قرآن کے علاوہ کوئی چیز لکھی ہو وہ مٹادے۔ہمام کا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے متعمّدا فرمایا یعنی جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا، تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے)۔

حدیث کی دیگر کتب میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ یہ حدیث ہے:''لا تکتبوا عنّی شیئا إلّا القرآن فمن کتب عنّی شیئا غیره فلیمحه ''(مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ نہ لکھو، جس نے کچھ لکھا ہو وہ مٹادے)۔داری کے اصل الفاظ''شیئا غیر القرآن فلیمحه ''

ہیں(۱۴۷)۔

عدمِ کتابتِ حدیث کی سب سے بڑی دلیل مندرجہ بالا حدیث ہے۔ امام بخاریؒ اور دیگر محدثین اس کو حضرت ابوسعید خدریؓ کا قول بتاتے ہیں۔ فتح الباری میں ہے: "منهم مَن اعلّ حديث ابى سعيد وقال الصّوابُ وقفه على ابى سعيدؓ قاله البخارى"(۱۴۸) (کچھ لوگوں نے حدیثِ ابی سعیدؓ کو معلول قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ ابی سعیدؓ پر موقوف ہے یہ بات امام بخاری نے کہی ہے)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں ہے۔ اگر بالفرض یہ بات نہ ہوتو بھی الفاظِ حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مطلب ہے قرآن کے ساتھ کسی بھی چیز کو ملا کر نہ لکھا جائے تا کہ خلط ملط نہ ہو جائے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں حضرت ابوسعیدؓ سے مروی دیگر احادیث بھی بیان کردی جائیں۔

۲۔ "عن ابى سعيد قال استاذنا النّبىّ ﷺ فى الكتابة فلم يأذن لنا وقد روى هذا الحديث من غير هذا الوجه عن زيد بن اسلم"(۱۴۹) (حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ ہم نے آنحضرت ﷺ سے لکھنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے اجازت نہ دی۔ اس کے علاوہ یہ حدیث اور سند کے ساتھ زید بن اسلمؓ سے بھی مروی ہے)۔

یہی حدیث اور مقام پر الفاظ کے اختلاف کے ساتھ حضرت ابوسعیدؓ ہی سے مروی ہے کہ: "انهم استاذنوا النّبىّ في ان يّكتبوا عنه فلم يأذن لهم"(۱۵۰) (آنحضرت ﷺ سے انہوں نے لکھنے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے ان کو اجازت نہ دی)۔

دارمی کے حاشیہ پر اس کے متعلق لکھا ہے: "وقد قيل انّما نهى ان يّكتب الحديث مع القرآن فى صفحةٍ وّاحدة فيختلط به فيشتبه"(۱۵۱) (حدیث کو قرآن مجید کے ساتھ ایک ہی صفحہ پر لکھنے سے منع فرمایا تا کہ اشتباہ پیدا نہ ہو جائے)۔

علامہ خطابی نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: "انّما نهى ان يّكتب الحديث مع القرآن فى صفحةٍ واحدة لئلاّ يختلط به ويشتبه على

القاری "(۱۵۲)(ایک صفحہ میں قرآن کے ساتھ حدیث لکھنے سے اس لیے منع فرمایا تا کہ التباس نہ ہو اور قاری پر مشتبہ نہ ہو)۔خود حضرت ابو سعیدؓ نے ابونضرہ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے ایک دفعہ فرمایا: "قال اردتم ان تجعلوہ قرآنا؟ لا لا "(۱۵۳)(کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم اسے قرآن بنالو؟ نہیں،نہیں)؟

ابن عبدالبر نے ایک اور روایت ابونضرہ ہی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے حضرت ابوسعیدؓ سے کہا، جو کچھ ہم آپؓ سے سنتے ہیں اس کو لکھ لیا کریں؟ تو آپؓ نے فرمایا: "اتریدون ان تجعلوھا مصاحف"(۱۵۴)(کیا تم اس کو مصاحف بنانا چاہتے ہو)۔

علوم الحدیث کے حاشیہ پر حدیث ابوسعیدؓ پر تبصرہ اس طرح کیا گیا ہے کہ:"فاحسبه انه کان ممنوعا اوّل الهجرة وحین کان لا یؤمن الاشتغالُ به عن القرآن "(۱۵۵) (میرا خیال ہے کہ آغاز ہجرت میں ممنوع تھا بالخصوص اس وقت جب کہ اس میں لگ کر قرآن سے ہٹ جانے کا امکان تھا)۔ایک اور روایت میں ان احادیث کی مزید وضاحت کی گئی ہے کہ ممانعت اس وجہ سے تھی کہ قرآن مجید کے ساتھ اختلاط حدیث نہ ہو۔حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ اس وقت تشریف لائے جب ہم آپ ﷺ کی باتیں لکھ رہے تھے۔فرمایا:"کیا لکھ رہے ہو"۔ہم نے کہا، وہ باتیں جو ہم نے آپ ﷺ سے سنی ہیں"۔آپ ﷺ نے فرمایا:"تم کتاب اللہ کے سوا کوئی اور کتاب چاہتے ہو؟ تم سے پہلی امتوں کو اس کے سوا کسی چیز نے نہیں گمراہ کیا کہ انہوں نے کتاب اللہ کے ساتھ دیگر کتابیں بھی لکھ لیں)(۱۵۶)۔

صحیفہ ہمام بن منبہ کے مقدمہ میں ڈاکٹر حمید اللہ نے بھی اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے کہ یمن سے نومسلموں کی جماعت آئی۔ان میں سے کچھ نے احادیث کو اپنے ان اوراق پر لکھ لیا جن پر قرآن مجید کی سورتیں لکھی تھیں،تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کے علاوہ (جو کچھ لکھا ہے) اس کو مٹادو۔یہ بات واضح ہی ہے کہ نومسلم لوگ اس اختلاط سے الجھ جاتے ہیں(۱۵۷)۔

علاوہ ازیں حضرت ابوسعیدؓ کی حدیث پر اور بھی کئی طرح سے تبصرہ کیا گیا ہے۔مثلاً اہل عرب کا حافظہ بہت معروف تھا۔اس وجہ سے اس شخص کو لکھنے سے روکا جس کے حافظے پر اعتماد تھا۔ہم اس

حقیقت کی طرف بھی اشارہ کردیں کہ بعض محدثین کے نزدیک یہ منسوخ ہے(۱۵۸)۔

علامہ احمد شاکر نے بھی حدیثِ ابی سعیدؓ کو بالکل ابتدا میں بیان کرتے ہوئے کتابت کے متعلق لکھا ہے کہ پوری امت کا مجتمع ہونا اس بات کی نشانی ہے کہ فیصلہ یہی ہے اور تواتر سے ثابت ہے، اگر حدیث ابی سعیدؓ ان (کتابت) احادیث کے بعد ہوتی تو تمام صحابہؓ کو پتہ ہوتا(۱۵۹)۔

حدیث حضرت زیدؓ بن ثابت پر تبصرہ

"حدّثنا نصر بن علی نا ابو احمد نا کثیر بن زید عن المطلب بن عبداللّٰہ بن حنطب قال: دخل زید بن ثابت علی معاویة فسأله عن حدیث، فامر انسانًا یکتبه، فقال له زید: أنّ رسول الله أمرنا أن لا نکتب شیئا من حدیثه فمحاه "(۱۶۰)(حضرت زیدؓ بن ثابت حضرت معاویہؓ کے پاس گئے۔انہوں نے زیدؓ سے کسی حدیث کے متعلق پوچھا اور کسی آدمی کو حکم دیا کہ وہ لکھے۔حضرت زیدؓ نے کہا کہ رسول ﷺ نے ہمیں اپنی احادیث لکھنے سے منع فرمایا ہے۔تو اُس نے ان کو مٹادیا)۔

یہ روایت صحیح نہیں ہے اس میں کثیر بن زید حزنی پر کلام کیا گیا ہے(۱۶۱)۔اس کے علاوہ مطلب بن عبداللہ آنحضرت ﷺ سے مرسل روایات بیان کرتا ہے۔ حالانکہ اس کی ملاقات آنحضرت ﷺ سے نہیں ہوئی۔حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے:"کثیر التدلیس والارسال من الرّابعة"(۱۶۲)(کثرت سے تدلیس کرنے والا اور مرسل روایت کرنے والا اور طبقات کے چوتھے درجے سے ہے)۔

اس حدیث پر مزید تبصرہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ اس میں دو راویوں پر کلام کیا گیا ہے۔لہذا یہ صحیح نہیں ہے۔جب احادیث بیان کرنے والے ہی اس حدیث کو قابل اعتبار نہیں سمجھتے تو اور کسی کو کیا حق حاصل ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کی حدیث پر تبصرہ

"عن الاسود بن قیس قال سمعت سعید بن عمر وبن سعید انّه سمع ابن عمر یحدّث عن النّبی قال: انّا امّة امیّة لا نکتب و لا نحسبُ، الشّهرهکذا

وھکذا وعقد الابھام فی الثالثۃ "(۱۶۳)[آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہم اُمّی (ان پڑھ) اُمت ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں۔ مہینہ (انگلیوں کے اشارے سے) اس طرح، اس طرح اور اس طرح ہے اور تیسری دفعہ انگوٹھے کو بند کر لیا (۲۹ دن کی طرف اشارہ کیا)]۔

اس حدیث کا کتابتِ حدیث کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ اس کو اگر کتابتِ حدیث پر لاگو کیا جائے تو قرآن مجید کی کتابت پر بھی اس کا اطلاق ہوگا۔ اصل میں یہاں آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ ہمارے ہاں لکھنے کا رواج کم ہے۔ ہم مہینے کے دنوں کی گنتی اس طرح سے انگلیوں پر کر لیتے ہیں۔ زیادہ تر عرب لوگوں کا رجحان حافظے پر تھا۔ گھوڑوں کی نسلوں کے ان کو نسب یاد ہوتے تھے۔ لکھنے کو وہ انسان کے حافظے کی کمزوری کی علامت سمجھتے تھے۔ بلکہ ان کی ضرب المثل تھی: "العلم فی الصدور لیس فی السطور" (اصل علم تو سینوں میں ہے، تحریر میں نہیں)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے عمر بن ابی ربیعہ کا قصیدہ اس سے ایک دفعہ سن کر یاد کر لیا تھا جس کے اسّی شعر تھے (۱۶۴)۔

قرآنِ مجید نے آنحضرت ﷺ کو نبی الامّی کا لقب دیا ہے (۱۶۵) اور "بعث فی الامیّین رسولا" کہا ہے (۱۶۶)۔ لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ کے پاس کاتبینِ وحی موجود تھے جن سے آنحضرت ﷺ خود قرآنِ مجید لکھوایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل ہی عرب میں لکھنے کا رواج شروع ہو گیا تھا۔ یوں معلوم ہوا کہ یہ حدیث کتابت سے متعلق نہیں بلکہ ویسے مہینے کے دنوں کی گنتی کے متعلق ہے۔ اس کو کسی محدّث نے بھی کتابتِ حدیث میں درج نہیں کیا۔

حدیث حضرت ابوہریرہؓ

"عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ: لا تکتبوا عنی الا القرآن فمن کتب عنّی غیر القرآن فلیمحہ، وحدّثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج رواہ البزّار وفیہ عبدالرحمن بن زید بن اسلم وھو ضعیف "(۱۶۷) (حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ نہ لکھو، جس نے مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ لکھا ہو وہ مٹا دے۔ بنی اسرائیل سے بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس کو بزار نے روایت

کیا ہے۔اس میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ضعیف ہیں)۔

اس حدیث کی صحت پر مزید جرح کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ اس میں ایک راوی ضعیف ہے۔جس کی نشاندہی خود علامہ ہیثمی نے کردی ہے۔تاہم اس پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ اس لیے ہے کہ قرآن کے ساتھ التباس نہ ہو۔جس طرح کہ پہلے حضرت ابوسعیدؓ کی حدیث لکھی جا چکی ہے۔اس میں مطلق ممانعت نہیں بلکہ عام لوگوں کو روکا گیا ہے۔جب کہ خاص لوگوں کو اجازت دی گئی ہے۔

”عن ابی سعید یعنی الخدریّ قال: کنا قعودًا نکتب ما نسمع من النّبی ﷺ فخرج علینا فقال: ما ھذا تکتبون فقلنا ما نسمع منك فقال: أکتاب مع کتاب الله امحضوا کتاب الله وأخلصوه قال فجمعنا ماکتبناه فی صعید واحدٍ ثمّ احترقناه بالنّار، فقلنا: ای رسول الله ﷺ نحدّث عنك؟ قال: نعم تحدّثوا عنّی ولا حرج، ومن کذب علیّ متعمّدا فیلتبوّا مقعده من النّار. رواه احمد وفیه عبدالرحمن بن زید بن اسلم وھو ضعیف “(۱۶۸) (حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ سے جو سنتے تھے اس کو بیٹھ کر لکھ رہے تھے،آپ ﷺ تشریف لائے تو پوچھا”یہ کیا لکھ رہے ہو؟ ہم نے کہا”جو کچھ آپ ﷺ سے سنتے ہیں“۔آپ ﷺ نے فرمایا”کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ اور کتاب لکھتے ہو؟ اللہ کی کتاب کو خالص رکھو“۔حضرت ابوسعیدؓ نے کہا۔”اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم سے آپ ﷺ بیان کریں“؟ فرمایا:”ہاں مجھ سے بیان کرو کوئی حرج نہیں۔جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے“۔امام احمد بن حنبلؒ نے اس کو روایت کیا ہے۔اس میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ضعیف ہیں)۔

مذکورہ ضعف کی بنا پر اس پر تبصرہ مناسب نہیں۔تاہم حضرت ابوسعیدؓ کی حدیث گزر چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عام لوگوں کو قرآن کے ساتھ لکھنے سے منع فرمادیا تھا تاکہ التباس نہ ہو۔لیکن جب اس التباس کا خدشہ نہ رہا تو اجازت دے دی۔مقدمہ ابن الصلاح میں اس طرح ہے:”ولعلّه صلی الله علیه وسلم اذن الکتابة عنه لمن خشی علیه النّسیان ونھی عن الکتابة عنه من وثق بحفظه مخافة الاتّکال علی الکتاب، او نھی عن کتابة ذلك عنه حین

خاف علیهم اختلاط ذلك بصحف القرآن العظیم واذن فی کتابته حین امن من ذلك "(۱۶۹)[امکان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو کتابت کی اجازت دی جس کو بھول جانے کا خوف تھا اور اس کو لکھنے سے منع فرمایا جس کے حافظے (یاد کرنے کا) کا آپ ﷺ کو یقین تھا۔ تا کہ وہ صرف کتابت پر بھروسہ نہ کرے یا اس کو لکھنے سے روکا جس کے متعلق ڈر تھا کہ وہ قرآن مجید کے صحائف کے ساتھ اختلاط نہ کر دے اور اس وقت لکھنے کی اجازت عنایت فرمائی جب اس بات سے بے خوفی ہوگئی]۔

اب ہم ان چند احادیث کا جائزہ لیتے ہیں جن میں احادیث کی کتابت کا حکم ہے یا جن کی آنحضرت ﷺ کے سامنے کتابت ہوئی اور آپ ﷺ نے اسے مستحسن قرار دیا:

۱۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ خزاعہ نے فتح مکہ کے سال اپنے ایک مقتول کے بدلے میں بنولیث کا ایک آدمی قتل کر دیا۔ آنحضرت ﷺ کو اس کا پتہ چلا تو آپ ﷺ نے اپنی سواری پر سوار ہو کر خطبہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مکہ سے قتل یا (اصحاب) فیل کو روک لیا (راوی کو شک ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فیل کا لفظ استعمال کیا یا قتل کا) رسول اللہ کو اور اہلِ ایمان کو اہلِ مکہ پر مسلط کر دیا۔ حرم کو نہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال کیا گیا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال کیا جائے گا۔ میرے لیے دن کے چند گھنٹوں کے لیے حلال کیا گیا اور پھر حسب سابق حرام ہو چکا ہے۔ حدودِ حرم میں نہ کانٹوں کو توڑا جائے، نہ درختوں کو کاٹا جائے۔ نہ یہاں کی گری ہوئی چیز اٹھائی جائے البتہ اس شخص کو اجازت ہے جو گری ہوئی چیز کو شہرت دینا چاہتا ہو (لوگوں کو بتائے تا کہ مالک لے لے)۔ جس قوم کا کوئی شخص مارا جائے اس کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے یا تو قاتلوں سے قصاص لے یا دیت لے۔ اس پر اہلِ یمن میں سے ایک شخص ابوشاہ نے عرض کیا: "اکتب لی یا رسول اللّٰہ " [اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ (یہ باتیں) میرے لیے لکھ دیجیے]۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اکتبوا لابی شاہ" (ابوشاہ کو لکھ دو)۔

حضرت عباسؓ نے کہا صرف اذخر (گھاس کے کاٹنے) کی اجازت دے دیں، اس کو ہم گھروں اور قبروں میں استعمال کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔

امام اوزاعیؒ سے "اکتب لی یا رسول اللہ ﷺ" کے متعلق پوچھا گیا، تو انہوں نے بتایا کہ: "ھذہ الخطبۃ التی سمعھا من رسول اللہ ﷺ" (۱۷۰) (یہ وہ خطبہ ہے جو آنحضرت ﷺ سے انہوں نے سنا تھا)۔ یہ حدیث امام بخاریؒ نے کتاب العلم اور کتاب اللقطہ دونوں میں کچھ تغیر الفاظ سے لکھی ہے۔ دونوں کو ملا کر یہاں درج کیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس حدیث پر تبصرہ یوں کیا ہے: "بھذا تظھر مطابقۃ ھذا الحدیث للترجمۃ" (۱۷۱) (اس سے اس حدیث کے باب سے مطابقت ظاہر ہوتی ہے)۔ اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے برصغیر پاک و ہند کے معروف محدث، صاحب تحفۃ الاحوذی، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ لکھتے ہیں: "ھذا دلیلٌ صریحٌ علی جواز کتابۃ الحدیث" (۱۷۲) (یہ کتابتِ حدیث کے جواز پر صریح دلیل ہے)۔

یہ حدیث صحیحین کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں بھی ہے مثلاً ابوداؤد، السنن اور جامع بیان العلم (۱۷۳) اور اس میں آنحضرت ﷺ کا دیگر صحابہؓ کو یہ حکم کہ "ابوشاہ کو لکھ دیں" اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اگرچہ ابتداء میں قرآنِ مجید سے اشتباہ کی بنا پر کتابت حدیث سے روکا تھا لیکن بعد میں اجازت دے دی تھی۔ سنہ ۸ھ میں مکہ فتح ہوا یہ اُس کے بعد کا واقعہ ہے۔ گویا یہ عدم کتابت کی اجازت کے بعد کا ارشادِ نبوی ﷺ ہے۔

۲۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے: "ما من اصحاب النّبی احد اکثر حدیثًا منّی الّا ما کان من عبداللہ بن عمر فانّہ کان یکتب و لا اکتب" (۱۷۴) (حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے علاوہ کوئی اور صحابیؓ مجھ سے زیادہ حدیثیں بیان نہ کرتا۔ وہ لکھتے تھے میں نہیں لکھتا تھا)۔ یہ حدیث بھی دیگر کتبِ احادیث میں ہے۔ سنن ترمذی کے یہ الفاظ ہیں: "وکنت لا اکتب" "ھذا حدیثٌ حسن صحیح (۱۷۵) (میں نہیں لکھتا تھا یہ حدیث حسن صحیح ہے)۔

علاوہ ازیں سنن دارمی، جامع بیان العلم اور شرح السنہ میں بھی ہے (۱۷۶)۔ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ معلوم ہوا کہ کتابتِ حدیث آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ جیسے صحابی لکھتے تھے۔ ممانعت ہوتی تو آنحضرت ﷺ منع فرما دیتے جب کہ

یہاں لکھنے کی صراحت موجود ہے۔

فتح الباری میں اس حدیث کے متعلق یوں لکھا ہے کہ: (یہ روایت صحیح مسلم والی ابوسعیدؓ کی روایت کے متعارض ہے۔ ان میں تطبیق اس طرح سے ہے کہ نہی نزول قرآن کے (دوران) التباس کی وجہ سے کی گئی ہے۔ التباس کا خطرہ نہ رہا تو اجازت دے دی۔ یا ایک صفحہ پر قرآن مجید کے ساتھ کسی چیز کے لکھنے سے نفی خاص ہے اور اجازت الگ تھی۔ یا نہی مقدم ہے اور اذن ناسخ ہے۔ یا نہی اس کے لیے ہے جو صرف کتابت حدیث پر تکیہ کرے اور حفظ کو چھوڑ دے، دوسرے کو اجازت ہے۔ روایت ابوسعیدؓ کو موقوف بھی کہا گیا ہے)(۱۷۷)۔

صحیح بخاری کے علاوہ دیگر حدیث کی کتابوں میں حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن عاص سے اسی طرح کی حدیثیں بیان کی گئی ہیں جو اس موقف کو مزید تقویت دیتی ہیں۔ اگرچہ اس کی اپنی حیثیت بھی مسلّم ہے۔

۲۔ حدیث ابی جحیفہؓ

"عن ابی جحیفة قال قلت لعلیّ هل عندکم کتاب؟ قال: لا، الّا کتاب اللّٰه، اوفهم اعطیه رجل مسلم، اوما فی هذه الصّحیفة، قال: قلت: ومافی هذه الصّحیفة؟ قال: العقلُ، وفکاك الاسیر ولا یقتل مسلم بکافرٍ"(۱۷۸) (حضرت ابو جحیفہؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علیؓ سے پوچھا، "کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے؟ تو حضرت علیؓ نے کہا نہیں۔ لیکن اللہ کی کتاب یا فہم جو مسلمان آدمی کو مل جائے یا جو اس صحیفہ میں ہے۔ میں نے پوچھا اس صحیفہ میں کیا ہے؟ حضرت علیؓ نے کہا، دیت، قیدی کو آزاد کرنا اور مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کرنا)۔ اس حدیث کی صحت پر بھی گفتگو کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ صحیح بخاری میں اس کا موجود ہونا اس کی صحت کی دلیل ہے۔ بخاری کے علاوہ دیگر کتب احادیث میں بھی موجود ہے۔

۳۔ حضرت عائشہؓ سے آنحضرت ﷺ کی ہجرت کی حدیث مروی ہے۔ اس میں سراقہؓ بن مالک مدلجی کا واقعہ ہے کہ اس نے آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کا تعاقب کیا۔ قریب گیا تو اس کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا۔ پھر اس نے آنحضرت ﷺ سے امان طلب کی اور امن کا خط لکھنے کو کہا،

آپ ﷺ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا، اس نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر لکھ لیا۔ پھر آنحضرت ﷺ آگے تشریف لے گئے (۱۷۹)۔

یہ واقعہ مکہ اور مدینہ کے درمیان کا ہے۔ اگر کتابت کی بالکل ممانعت ہوتی تو آنحضرت ﷺ کیوں اس کو امن کا پروانہ لکھ کر دیتے؟ یہ حدیث کتابتِ حدیث پر صریح دلیل ہے۔ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے سراقہ بن مالک کو کسریٰ بن ہرمز کے کنگن پہنانے کی بھی پیش گوئی فرمائی ہے۔ جس کا ذکر کتب حدیث میں تفصیل سے ہے۔

۵۔ ”عن حذیفة قال قال النّبیّ ﷺ اکتبوا لی من تلفظ بالاسلام من النّاس فکتبنا له الفًا وّ خمس مائة رجلٍ“ (۱۸۰) (حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: لوگوں میں سے جو آدمی زبان سے اسلام کا اقرار کرتا ہے، اس کا نام لکھ لو۔ تعمیلِ حکم میں ہم نے ایک ہزار پانچ سو (۱۵۰۰) آدمیوں کے نام لکھے)۔

یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے۔ وہاں یہ الفاظ ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے شمار کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے کہا۔ ”اتخاف علینا ونحن ما بین السّتّ مأیةٍ الی السّبع مأیة“ (۱۸۱) (آپ ﷺ ہمارے بارے میں ڈرتے ہیں جب کہ ہم چھ سات سو تک ہیں)۔

دونوں احادیث اپنی اپنی جگہ پر درست ہیں۔ مسلم شریف کی حدیث کے مطابق چھ سات سو صرف مدینہ کے آدمی تھے۔ اور پندرہ سو کی تعداد میں مدینہ کے علاوہ اردگرد کے مسلمان بھی شامل ہیں (۱۸۲)۔ اس حدیث کی صحت کے بارے میں بھی شک کا کوئی امکان نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے لکھنے کا حکم دیا اور پھر باقاعدہ لکھا گیا۔ اگر ممانعت ہوتی تو نہ آپ ﷺ حکم دیتے اور نہ صحابہؓ لکھتے۔

۶۔ ”عن زید بن ثابت انّ النّبیّ صلی اللّٰه علیه وسلم امرہٗ ان یتعلّم کتاب الیهود حتّی کتبت للنّبیّ کتبه واقراته کتبهم اذا کتبوا الیه“ (۱۸۳) (حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے یہود کی لکھائی (عبرانی) سیکھنے کا حکم دیا حتیٰ کہ میں نے ان کے لیے آنحضرت ﷺ کے خطوط لکھے اور جو خط وہ آنحضرت ﷺ کو لکھتے وہ انہیں پڑھ کر سناتا)۔

آنحضرت ﷺ کے خطوط آپ ﷺ کی حدیث کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہ بھی آنحضرت ﷺ

کے حکم سے ہوا۔

بخاری شریف کی حدیث کے مطابق آنحضرت ﷺ کے دور مبارک میں باقاعدہ فوجیوں کے نام درج کر کے ان کو جنگوں میں لڑنے کے لیے بھیجا جاتا تھا۔ یہ کام بھی آنحضرت ﷺ نے اپنی موجودگی میں کرایا۔ اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ کے خطوط اور معاہدات ہیں جو آنحضرت ﷺ نے دیگر قوموں سے کیے، وہ بھی گویا آپ ﷺ کے اپنے لکھوائے ہوتے تھے۔ ممانعت کی صورت میں ان کے لکھوانے کا جواز ہی نہیں تھا۔

۷۔ ”عن ابن عبّاس انّه سمع النّبیّ ﷺ یقول: لا یخلونّ رجلٌ بامرأة ولا تسافرنّ امرأة الاّ ومعها محرمٌ فقام رجل فقال: یا رسول الله، کتبت فی غزوة کذا وکذا وخرجت امرأتی حاجّة قال: اذهب فاحجج مع امرأتك “(۱۸۴) (حضرت ابن عباسؓ نے آنحضرت ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے، کوئی آدمی کسی غیر محرم عورت سے تنہائی میں نہ ملے اور نہ اکیلی عورت سفر کرے۔ جب بھی عورت سفر کرے محرم ساتھ ہو۔ ایک آدمی کھڑا ہو گیا کہنے لگا، یا رسول اللہ میرا نام فلاں غزوہ میں درج کیا گیا ہے، اور میری بیوی حج کرنے چلی گئی“۔ آپؐ نے فرمایا ”جا اور اس کے ساتھ حج کر)۔

۸۔ حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان کی حدیث

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان دونوں سے صلح حدیبیہ کی طویل حدیث مروی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ سہیل بن عمرو قاصد قریش نے آنحضرت ﷺ سے کہا، ”ہمارے مابین آپ تحریر کر دیں“۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلایا اور فرمایا، ”لکھو۔ بسم الله الرّحمن الرّحیم ۔ سہیل نے کہا۔ رحمٰن تو اللہ کی قسم میں نہیں جانتا۔ آپ لکھیں ”باسمك اللّهمّ “ اس پر مسلمانوں نے کہا، بخدا ہم تو پوری بسم اللہ لکھیں گے! لیکن آنحضرت ﷺ نے فرمایا، لکھیں باسمك اللهمّ ! پھر فرمایا ”هذا ما قاضی علیه محمّد رّسول الله “(یہ وہ چیز ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے صلح کی) سہیل نے کہا ”اللہ کی قسم اگر ہم آپ ﷺ کو رسول تسلیم کر لیں تو نہ ہم آپ ﷺ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ ہی ہم آپ ﷺ سے لڑتے۔ آپ محمد ﷺ بن عبداللہ لکھیں! آنحضرت ﷺ نے فرمایا! ”خدا کی قسم، میں

ضرور اللہ کا رسول ہوں۔ اگر چہ آپ لوگوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔ لکھو: "محمد (ﷺ) بن عبداللہ" (۱۸۵)۔

اس حدیث کی مزید تشریح ایک اور حدیث میں ہے: "عن ابی اسحاق قال سمعت البراء بن عازب قال لمّا صالح رسول الله ﷺ اهل الحديبيّة كتب علي بينهم كتاباً "فكتب محمد رسول الله، فقال المشركون: لا تكتب محمّد رّسول اللّه، لو كنت رسولا لم نقاتلك، فقال لعليّ: امحه قال عليّ: ما انا... فمحاه رسول الله بيده وصالحهم" (۱۸۶) (ابی اسحاق سے روایت ہے، انہوں نے براء بن عازبؓ سے سنا کہ جب آنحضرت ﷺ نے اہلِ حدیبیہ سے صلح کی تو حضرت علیؓ نے تحریر لکھی۔ انہوں نے لکھا "محمد اللہ کے رسول ہیں"۔ مشرکوں نے کہا "محمد رسول اللہ نہ لکھیں"۔ اگر آپ (ﷺ) رسول ہوتے تو ہم آپ (ﷺ) سے نہ لڑتے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ اسے مٹا دیں۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ میں اس کو نہیں مٹا سکتا۔ تب آنحضرت ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے مٹا دیا اور ان سے صلح کر لی)۔

یہ تحریر آنحضرت ﷺ نے خود اپنی موجودگی میں لکھوائی۔ اگر لکھنا ناجائز ہوتا تو آپ ﷺ صحابہ کو بتا دیتے۔ یہ آنحضرت ﷺ کی سیاسی تحریر تھی جو اہلِ مکہ اور مسلمانوں کے درمیان لکھی گئی۔ قرآن کے علاوہ اگر ہر چیز کے لکھنے کی ممانعت ہوتی تو اس معاہدے کو آنحضرت ﷺ زبانی ہی رکھتے۔ یہ حدیث دیگر کتب حدیث میں بھی موجود ہے مثلاً صحیح مسلم (۱۸۷)۔

۹۔ آنحضرت ﷺ نے جو خطوط لکھوائے ان کا ذکر بھی بخاری شریف میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے قیصرِ روم کو خط لکھا۔ جس کی تحریر یہ تھی: "بسم الله الرّحمن الرّحيم من محمّد عبدالله ورسوله الى هرقل عظيم الرّوم سلامٌ على من اتّبع الهدى: امّا بعد، فانّنى ادعوك بدعاية الاسلام اسلم تسلم واسلم يؤتك الله اجرك مرّتين وان تولّيت فعليك اثم الاريسيين وياهل الكتاب تعالوا الى كلمةٍ سواءٍ بيننا وبينكم الاّ نعبد الاّ الله ولا نشرك به شيئا وّلا يتّخذ بعضنا بعضًا اربابًا من دون الله فان تولّوا فقولوا اشهدُوا بانّا مسلمون" (۱۸۸) (اللہ رحمٰن ورحیم کے

نام کے ساتھ۔ محمد اللہ کے بندے اور رسول کی طرف سے ہرقل روم کے بادشاہ کی طرف، اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کی اتباع کی۔ اس کے بعد میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لے آؤ سلامت رہو گے۔ اسلام لے آؤ اللہ تمہیں دوہرا اجر دے گا۔ اگر تو نے اعراض کیا تو رعایا کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا (پھر قرآن مجید کی آیت لکھی) ''اے اہلِ کتاب! اس ایک حکم کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے مابین مشترک ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہمارا بعض بعض کو رب نہ بنائے، پھر اگر وہ پھر جائیں تو کہہ دیجئے گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں)۔

اس کے علاوہ دیگر حکمرانوں کے نام بھی آنحضرت ﷺ کے خطوط ہیں۔ یہ بھی کتابتِ حدیث کا زندہ ثبوت احادیث کی کتب میں موجود ہے (۱۸۹)۔

۱۰۔ ''عن عبداللّٰہ بن عمرو قال: کنت اکتب کلّ شیءٍ أسمعُه من رسولِ اللّٰہ ﷺ، أرید حفظه فنهانی قریش وقالوا: أتکتب کلّ شیء تسمعه، ورسول اللّٰہ ﷺ بشر یتکلّم فی الرّضا والغضب فأمسکت عن الکتابة فذکرت ذلك الی رسول اللّٰہ فاو مأ بإصبعه إلی فمه وقال: اکتب فو الّذی نفسی بیده ما یخرج منه إلّا حق'' (۱۹۰) (حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ جو چیز میں آنحضرت ﷺ سے سنتا لکھ لیتا تھا۔ ان کو یاد کرنا چاہتا تھا۔ قریش کے لوگوں نے مجھے روکا اور کہا، ہر چیز جو تو سنتا ہے لکھ لیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ انسان ہیں، خوشی میں اور غصہ میں بھی بات کرتے ہیں۔ چنانچہ میں لکھنے سے رُک گیا۔ پھر میں نے اس بات کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا۔ تو آپ ﷺ نے اپنی انگلی سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ''لکھو! اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اس (زبان) سے صرف حق ہی نکلتا ہے)۔

یہ حدیث دیگر کتب حدیث میں بھی موجود ہے۔ مثلاً جامع بیان العلم، اور سنن دارمی میں یہ الفاظ ہیں: ما خرج منه الاّ حقّ (۱۹۱)۔ مسند احمد میں یہ الفاظ ہیں: ما خرج منّی الاّ حق (۱۹۲)۔

یہ روایت کتابتِ حدیث پر دلالت کرتی ہے۔ اس میں خصوصیت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ

نے صحابی حضرت عبداللہؓ کو اس لیے اجازت دی کہ وہ دیگر کتابوں اور قرآن مجید میں فرق سمجھتے تھے۔ ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ نے لکھا ہے کہ یا تو اس حدیث نے عدم کتابت کو منسوخ کر دیا یا پھر حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو دیگر کتب کے ماہر ہونے کی وجہ سے اجازت دے دی: ''ان یکون خصّ بھذا عبداللّٰہ بن عمرو لانّہ کان قارئًا للکتب المتقدّمة ویکتب بالسّریانیّة والعربیّة وکان غیرہ من الصّحابة أمّیین لا یکتب منھم إلّا الواحد والاثنان واذا کتب لم یتقنْ ولم یصب التّھجّی فلمّا خشی علیھم الغلط فیما یکتبون نھاھم، ولمّا أمن علی عبداللّٰہ بن عمرٍو ذلك اذن لہ ''(۱۹۳) (ممکن ہے آنحضورﷺ نے عبداللہؓ بن عمرو کو خصوصی طور پر اس لیے اجازت دی ہو کیوں کہ وہ کتب سابقہ پڑھ سکتے تھے۔ اور سریانی اور عربی لکھنا جانتے تھے۔ بخلاف ان کے دیگر صحابہؓ میں سے صرف ایک دو ہی لکھ پڑھ سکتے تھے۔ اور اس میں انہیں پوری مہارت حاصل نہ تھی۔ حروف تہجی بھی صحیح لکھنے پر قادر نہ تھے۔ چونکہ ان کی تحریروں میں غلطی کا احتمال تھا اس لیے ان کو منع کر دیا اور حضرت عبداللہ کو اس لیے اجازت دی کہ یہاں اس قسم کا خدشہ نہ تھا)۔

۱۱۔ ''عن عبداللّٰہ بن عمرو أنہ أتی رسول اللہ ﷺ فقال: یا رسول اللہ، إنّی أرید أن أروی من حدیثك، فأردتّ أن أستعین بکتاب یدی مع قلبی إن رأیت ذلك، فقال رسول اللہ ﷺ: إن کان حدیثی ثمّ استعن بیدك مع قلبك (۱۹۴) (حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ آنحضرتﷺ کے پاس آئے اور کہا، ''اے اللہ کے رسولﷺ! اگر اجازت دیں میں آپﷺ کی احادیث بیان کرنا چاہتا ہوں۔ آنحضرتﷺ نے فرمایا، ''میری احادیث کو یاد رکھنے کے ساتھ ساتھ لکھ لیا کرو'')۔

یہ حدیث اوپر والی حدیث کی مکمل تائید کرتی ہے کہ آنحضرتﷺ نے خود حدیث لکھنے کی اجازت دی۔ حاکم نے اس حدیث کو بیان کر کے لکھا ہے: ''ھذا حدیث حسن صحیح الاسناد، أصل فی نسخ الحدیث یعنی الکتابة عن رسول اللہ ﷺ'' (۱۹۵) (یہ حسن حدیث صحیح اسناد کے ساتھ ہے اور اصلاً حدیث کے لکھنے یعنی رسول اللہﷺ سے کتابت کے بارے میں ہے)۔

۱۲۔ ''عن أبی قبیل قال سمعت عبداللہ بن عمر وقال بینما نحن حول

رسول الله ﷺ نكتب إذ سئل رسول الله ﷺ اىّ المدينتين تفتح أوّلا قسطنطنية أو رومية؟ فقال النبيّ ﷺ: لا، بل مدينة هرقل أوّلا "(۱۹۶)(ابوقبیل سے روایت ہے، میں نے عبدالرحمٰن بن عمروؓ سے سنا، انہوں نے فرمایا، "ہم رسول اللہ ﷺ کے اردگرد لکھ رہے تھے، جب آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ "دونوں شہروں میں سے کونسا شہر پہلے فتح ہوگا، قسطنطنیہ یا رومیہ"؟ آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں، بلکہ ہرقل کا شہر پہلے فتح ہوگا)۔

یہ تمام احادیث بخاری شریف کی حدیث کی تائید کرتی ہیں۔ جو حضرت ابوہریرہؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کے متعلق روایت کی ہے۔ اس لیے ان کے متعلق شک کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ بلکہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ، صحابہ کرامؓ کی محفل میں تشریف فرما ہوتے اور صحابہؓ آپ ﷺ کے گرد حلقہ باندھ کر لکھتے، آپ ﷺ لکھواتے، صحابہ لکھتے جاتے تھے۔ یہ املاء کی شکل تھی۔ وہ حدیث پیشِ نظر رہے جس میں بروایت حضرت انسؓ، آپ ﷺ ہر بات دو تین بار دہراتے تاکہ لوگوں کو سمجھنے میں سہولت ہو۔

۱۳۔ "عن عطاء عن عبدالله بن عمرؓ وقلت: يا رسول الله، أأقيّد العلم؟ قال: قيّد العلم، قال عطاء: قلت: وما تقييد العلم؟ قال: الكتاب "(۱۹۷)[حضرت عطاءؒ سے روایت ہے، وہ عبداللہ بن عمروؓ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا "کیا میں علم کو قید کرلوں (لکھ لوں)؟ "فرمایا، علم کو قید کرلو"۔ عطاء نے کہا، "تقیید علم کیا ہے"؟ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے کہا، "لکھنا]۔

یہ حدیث بھی اوپر کی حدیث کی تائید کرتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو لکھنے کی اجازت دی۔ یہ حدیث حافظ نورالدین علی بن ابی بکر ہیثمی نے بھی لکھی ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: "فيه عبدالله بن المؤمّل، وثّقه ابن معين، وابن حبّان، وقال ابن سعد: ثقة قليل الحديث "(۱۹۸)(اس میں عبداللہ بن مؤمّل ہیں۔ ابنِ معین وابنِ حبان نے انہیں ثقہ کہا ہے۔ ابن سعد بھی انہیں ثقہ قلیل الحدیث کہتے ہیں)۔ اگرچہ بعض نے ان پر کلام کیا ہے۔ لیکن دوسرے محدثین انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں اور یہ حدیث بھی دیگر احادیث کی تائید کرتی ہے اس وجہ سے حجت ہے۔

۱۴۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے: "ما یرغبنی فی الحیاۃ الّا الصّادقۃ والوھط، فأمّا الصّادقۃ فصحیفۃ کتبتھا عن رسول اللہ ﷺ وأمّا الوھط فأرض تصدّق بھا عمرو بن العاص کان یقوم علیھا" (۱۹۹) (دو چیزوں کی وجہ سے مجھے زندگی عزیز ہے، ایک صحیفہ صادقہ کی وجہ سے جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے لکھا تھا اور دوسرے الوھط نامی اراضی کی بنا پر جو مجھے میرے والد عمروؓ بن العاص نے عطا کی تھی)۔ معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ نے خود یہ صحیفہ آنحضرت ﷺ سے سن کر لکھا اور اس کا ذکر انہوں نے خود لکھا (۲۰۰)۔

بقول ابن الاثیر، اس میں ایک ہزار احادیث تھیں (۲۰۱)۔ اگرچہ یہ اصالۃً ہمارے پاس نہیں لیکن مسند احمد میں یہ جوں کا توں محفوظ ہے (۲۰۲)۔ یہ صحیفہ اس بات کا قابلِ اعتماد ثبوت ہے کہ احادیث آنحضرت ﷺ کے حکم سے آپ ﷺ کی موجودگی میں لکھی جاتی تھیں۔ اس میں وہ فتاویٰ بھی موجود ہے جو حضرت عبداللہؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا تھا۔ آپؓ سوالات پوچھتے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ انہیں جوابات ارشاد فرماتے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے، یہی صحیفہ صادقہ آپؓ کی وفات کے بعد آپؓ کے پڑپوتے حضرت عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ کو ملا۔ ظنِ غالب یہی ہے کہ عمرو بن شعیب (م ۱۲۰ھ) اس صحیفہ کو زبانی یاد کر کے اس سے حدیثیں روایت کرتے تھے (۲۰۳)۔

جلیل القدر تابعی حضرت مجاہدؒ (م ۱۰۴ھ) کہتے ہیں۔ "یہ صحیفہ میں نے عبداللہ بن عمروؓ کے پاس دیکھا تھا" (۲۰۴)۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ خود لکھواتے تھے۔ اس کے متعلق مزید مختصر شرح وتہذیب سنن ابی داؤد میں لکھا گیا: "واذن لعبد اللّٰہ بن عمر وفی الکتابۃ وحدیثہ متاخرٌ من النّھی لانّہ لم یزل یکتب ومات وعندہ کتابتہ وھی الصّحیفۃ الّتی کان یسمّیھا الصّادقۃ ولو کان النّھی عن الکتابۃ متاخرًا لمحاھا عبداللّٰہ لامر النّبیّ ﷺ بمحو ما کتب عنہ غیر القرآن فلمّا لم یمحھا واثبتھا دلّ علی انّ الاذن فی الکتابۃ متاخر عن النّھی عنھا وھذا واضح والحمد للّٰہ وانّما نھی النّبیّ ﷺ عن کتابۃ غیر القرآن فی اوّل الاسلام لئلاّ یختلط القرآن بغیرہ فلمّا علم القرآن وتمیّز وافرًا بالضّبط والحفظ وامنت علیہ مفسدۃ الاختلاط اذن فی الکتابۃ

وقال بعضهم انّما كان النّهي عن كتابة مخصوصة وهي ان يجمع بين كتابة الحديث والقرآن في صحيفةٍ واحدة خشية الالتباس وقد وقع الاتّفاق على جواز الكتابة في وابقاءها ولو لا الكتابة ما كان بايدينا اليوم من السنّة الاّ اقلّ القليل "(۲۰۵)(حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو آنحضرت ﷺ نے کتابت کی اجازت دی، ان کی حدیث ممانعت کتابت سے متاخر ہے۔ کیوں کہ وہ ہمیشہ لکھتے رہے۔ جب ان کی وفات ہوئی تو ان کا لکھا ہوا ان کے پاس تھا۔ یہ وہی صحیفہ ہے جس کو "الصادقہ" کہتے تھے۔ اگر ممانعت، جواز کتابت سے متاخر ہوتی تو حضرت عبداللہؓ آنحضرت ﷺ کے حکم کی وجہ سے جو انہوں نے قرآن کے علاوہ لکھا ضرور مٹا دیتے۔ جب انہوں نے اس کو نہ مٹایا، بلکہ باقی رکھا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کتابت کی اجازت نسخ کرنے سے بعد کی ہے۔ اور یہ بات واضح ہے۔ سب تعریف اللہ کے لیے ہے۔ آنحضرت ﷺ قرآن پاک کے علاوہ کتابت کو ابتداء میں منع فرمایا تھا تاکہ قرآن مجید اپنے علاوہ کسی دوسری چیز سے ملتبس نہ ہو۔ جب قرآن مجید کو جان لیا گیا اور وہ ممتاز ہو گیا اور حفظ کر لیا گیا اور اس پر اختلاط سے تحفظ ہو گیا تو آپ ﷺ نے کتابت کی اجازت دے دی، اور بعض نے کہا کہ ممانعت، خاص کتابت سے تھی، وہ یہ کہ حدیث اور قرآن کو ایک صفحے پر لکھنے سے التباس کا خطرہ تھا۔ کتابتِ (حدیث) اور اس کے باقی رکھنے پر اتفاق ہے۔ اگر احادیث کی کتابت نہ ہوتی تو آج ہمارے ہاتھوں میں سنت کا بہت ہی کم حصہ ہوتا)۔

۱۵۔ "عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جدّه قال قلت يا رسول الله اكتب كلّ ما اسمع منك؟ قال نعم قلت في الرّضاء والغضبِ قال نعم. فانّي لا اقول في ذلك الاّ حقا "(۲۰۶)(عمرو بن شعیب اپنے باپ، وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں (یعنی حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے) انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: "جو چیز بھی آپ ﷺ سے سنوں لکھ لیا کروں"؟ فرمایا: "ہاں"۔ میں نے کہا: "خوشی اور غصہ میں بھی" فرمایا: "ہاں، اس معاملہ میں میری ہر بات حق ہوتی ہے)۔

یہ حدیث اوپر والی حدیث کی تائید کرتی ہے۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے دادا تک سند پہنچاتے ہیں۔ پہلے بھی یہ حدیث دوسری سند سے گزر چکی ہے۔ گویا اس پر یہ تصدیق مزید ہے۔

۱۶۔ ”عن ابن راشد الجرانیّ قال اتیت عبداللّٰہ بن عمرو بن العاص فقلت له حدّثنا ممّا سمعت من رسول اللّٰہ فالقٰی الیّ صحیفة فقال ھذا ما کتب لی رسول اللّٰہ ﷺ قال فنظرت فیھا فاذا فیھا انّ ابا بکر الصّدّیق قال یا رسول اللّٰہ علّمنی ما اقول اذا اصبحتُ واذا امسیت۔ قال یا ابا بکرٍ قل اللّٰھمّ فاطر السّموات والارض......“ (۲۰۷) (ابوراشد جرانی سے روایت ہے کہ میں عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کے پاس آیا اور کہا ”جو بات آپ نے آنحضرت ﷺ سے سنی ہو، وہ بتائیں“۔ انہوں نے مجھے ایک صحیفہ دیا اور کہا، ”یہ ہے وہ جو آنحضرت ﷺ نے میرے لیے لکھا (مجھ سے لکھوایا)۔ ابوراشد کہتے ہیں، میں نے دیکھا اس میں لکھا تھا، ابوبکر صدیقؓ نے کہا ”اے اللہ کے رسول ﷺ: مجھے سکھائیں جو میں صبح کے وقت اور شام کے وقت پڑھوں“۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکرؓ: کہو! ”اللھمّ فاطر السّموات والارض... الخ“)۔

۱۷۔ ”عن ابی بکر بن محمّد بن عمر وبن حزم عن ابیه وجدّہ انّ رسول اللّٰہ کتب الی اھل الیمن وکان فی کتابه انّ من اعتبط مؤمنا قتلاً عن بیّنة فانّه قود الّا ان یّرضٰی اولیاء المقتول و انّ فی النّفس الدّیة مائة من الابل“ (۲۰۸) (آنحضرت ﷺ نے اہل یمن کو لکھا، ”جس نے مسلمان کو قتل کیا اور اس پر شہادت مل گئی تو اس کو قتل کیا جائے گا مگر اس صورت میں قتل نہ کیا جائے گا کہ مقتول کے ورثا راضی ہو جائیں۔ اور جان کے بدلے دیت ایک سو اونٹ ہے)۔ یہ حدیث طویل ہے اور دارمی میں بھی ہے۔ اس کے حاشیے پر عبداللہ ہاشم یمانی المدنی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے متعلق امام حاکم لکھتے ہیں ”اس کی سند صحیح ہے“۔ امام احمد نے کہا، ”حدیث صحیح ہے“ (۲۰۹)۔

نسائی شریف کے حاشیہ (التعلیقات السّلفیہ) پر لکھا ہے: ”کتاب آل عمرو بن حزمٍ کتاب جلیل کتبه النّبیّ ﷺ لاھل الیمن وارسل معه عمرو بن حزمٍ ثمّ وجد عنه بعض آله رووہ عنه واخذ النّاس عنھم ساقه الحاکم فی المستدرک وصحّحه“ (۲۱۰) (آل عمرو بن حزم کی کتاب بڑی جلیل القدر ہے۔ جس کو آنحضرت ﷺ نے اہل

یمن کے لیے لکھ کر بھیجا۔ پھر اس کے خاندان میں سے کسی کے پاس رہی۔ لوگوں نے اس کو آگے روایت کیا۔ مستدرک میں حاکم نے اس کو روایت کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے)۔

دار قطنی، کتاب الخراج اور محلیٰ ابن حزم میں بھی اس کو بیان کیا گیا ہے کہ اس کی صحت کے بارے میں شک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود لکھوا کر حضرت عمرو بن حزم کو بھیجا۔ اس صحیفہ کے متعلق اور بھی کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اس میں آنحضرت ﷺ نے زکوٰۃ وصدقات، اور خون بہا کے احکام پوری تشریح کے ساتھ درج فرمائے ہیں (۲۱۱)۔ اس کی نقول حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمرو بن حزمؓ کے خاندان میں اور متعدد شخصوں کے پاس موجود تھیں (۲۱۲)۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے دورِ خلافت میں آنحضرت ﷺ کے ارشادات صدقات کی تلاش میں اہل مدینہ کے پاس آدمی بھیجا تو یہ مجموعہ احکام صدقات صحابی رسول عمروؓ بن حزم کے لڑکوں کے ہاں سے لیا گیا (۲۱۳)۔ اس پوری سند سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے صحیح ہونے میں ذرا برابر بھی شک نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے خود پوری شرح وبسط سے احکام لکھ کر بھجوائے۔

۱۸۔ "عن ابی هريرة قال كان رجل من الانصار يجلس الى رسول الله ﷺ فيسمع من النبىّ الحديث فيعجبه ولا يحفظه فشكا ذلك الى رسول الله فقال يا رسول الله انّى لاسمع منك الحديث فيعجبنى ولا احفظه فقال رسول الله ﷺ استعن بيمينك واو ما بيده الخطّ وفى الباب عن عبدالله بن عمرو هذا الحديث ليس اسناده بذاك القائم وسمعت محمّد بن اسماعيل يقول الخليلُ بن مرّة منكر الحديث" (۲۱۴) (حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری آنحضرت ﷺ کے پاس آتا تھا اور آپ ﷺ کی حدیثیں سنتا تھا یہ اسے اچھی لگتی تھیں لیکن یاد نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی کہ میں آپ ﷺ کی باتیں سنتا ہوں جو مجھے اچھی لگتی ہیں لیکن یاد نہیں کر سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لو اور اپنے ہاتھ سے لکھنے کا اشارہ فرمایا۔ اس سلسلہ میں عبداللہ بن عمرو کی حدیث ہے، جس کی سند ٹھیک نہیں ہے۔ میں نے محمد بن اسماعیل سے سنا، فرماتے تھے کہ خلیل بن مرہ منکر الحدیث ہے۔ ابو حاتم نے کہا ہے کہ خلیل بن مرہ شیخ مجہول ہے میں اس کو نہیں

جانتا"(۲۱۵)۔

تحفۃ الاحوذی میں حافظ عبدالرحمٰن مبارک پوری لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف منکر ہے لیکن اس حدیث کی ایک سند ایسی ہے جس میں ظلیل بن مرۃ نہیں ہے(۲۱۶)۔اس لیے اس حدیث سے انکار نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ اس حدیث کے تمام طرق ضعیف نہیں ہیں۔علاوہ ازیں دیگر صحیح احادیث اس کے صحیح ہونے کی شاہد ہیں۔

۱۹۔ آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لے گئے تو اوس، خزرج اور یہود کے قبائل بنونضیر، بنو قریظہ اور بنوقینقاع وغیرہ کئی ٹکڑوں میں منقسم رہتے تھے اوران میں عام طور پر لڑائی ہوتی رہتی تھی۔چنانچہ آپ ﷺ نے مسلمانوں، یہودیوں اور غیر مسلموں (غیر مسلم عربوں) سے مشورہ کے بعد ایک تحریری اعلامیہ نشر فرمایا۔جس میں حاکم ومحکوم دونوں کے حقوق وفرائض کی تفصیل تھی۔تاریخ میں اس کو میثاق مدینہ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں:" بسم اللہ الرحمن الرحیم، ھذا کتاب محمد النبی ﷺ (رسول اللہ) بین المومنین و المسلمین من قریش واھل یثرب ومن اتبعھم فلحق بھم ۔۔۔الخ"۔پھر اس میں یہود کا ذکر ہے۔۴۸ دفعات کے اس اعلامیہ میں پانچ مرتبہ اھل ھذہ الصّحیفۃ کے الفاظ دہرائے گئے۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایک تحریر تھی ورنہ اس پر صحیفہ کا اطلاق نہیں ہوسکتا"(۲۱۷)۔اس کے علاوہ بھی کئی معاہدات آنحضرت ﷺ نے کئی موقعوں پر کیے جن کی مدون تحریر موجود ہے۔

۲۰۔ حضرت انس بن مالکؓ کو ان کی والدہ نے مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا اور کہا کہ آپ ﷺ کے لیے وقف ہے۔اور ساتھ ہی یہ بھی کہا:"یا رسول اللہ! ھذا ابنی وھو غلام کاتبٌ"(۲۱۸)(اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ میرا بیٹا ہے، یہ بچہ فنِ کتابت جانتا ہے)۔

حضرت انسؓ ہمیشہ آنحضرت ﷺ کے پاس رہے۔حضرت انسؓ کا خود بیان ہے:"خدمت رسول اللہ عشر سنین فما قال لی أفٍ وّلا لم صنعت ولا ألا صنعت"(۲۱۹)(میں نے آنحضرت ﷺ کی دس سال خدمت کی، آپ ﷺ نے کبھی بھی (ڈانٹتے ہوئے) اف کا کلمہ نہ کہا اور نہ کبھی فرمایا"یہ کیوں کیا"؟اور نہ ہی یہ فرمایا"یہ تم نے کیوں نہ کیا؟)۔

حضرت انسؓ کی والدہ نے آپ کو بتادیا تھا کہ یہ بچہ کتابت سے آشنا ہے، چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث لکھتے۔ صرف احادیث لکھتے ہی نہ تھے بلکہ لکھ کر ان کو پیغمبر ﷺ کی خدمت میں پیش بھی کرتے اور ان کی اصلاح اور تصحیح کرالیا کرتے تھے۔

سعید بن ھلال سے روایت ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ سے ہم زیادہ اصرار سے کہتے تھے، تو وہ (لکھی ہوئی) احادیث لاتے اور کہتے تھے یہ وہ احادیث ہیں جو میں نے آنحضرت ﷺ سے سنی ہیں اور انہیں لکھ کر آپ ﷺ کی خدمت میں (تصحیح کے لیے) پیش کیا ہے (۲۲۰)۔

حضرت انسؓ کا یہ بیان انتہائی اہم ہے۔ ان سے موجودہ کتب احادیث میں دو ہزار چھ سو چھیاسی (۲۶۸۶) احادیث مروی ہیں۔ ان کی احادیث کو مختلف لوگوں نے قلم بند کیا ہے۔ ابانؒ تابعی کا بیان ہے کہ ہم حضرت انسؓ کے پاس بیٹھ کر احادیث لکھا کرتے تھے۔ حضرت انسؓ اور دیگر صحابہ نہ صرف احادیث لکھتے بلکہ اپنے بچوں کو نصیحت کرتے کہ احادیث قلم بند کریں۔ حضرت انسؓ نے بچوں سے کہا: ''یا بنیّ قیّدوا ھذا العلم'' (میرے بچو، اس علم کو ضبط تحریر میں لے آؤ)۔ مستدرک حاکم میں: ''قیّدوا العلم بالکتاب'' کے الفاظ ہیں (۲۲۱)۔

حضرت انسؓ نے خلوص و محبت سے آپ کی خدمت کی اور آپ ﷺ کے شب و روز کی باتوں کو ضبطِ تحریر میں لا کر اور پھر ان کی خود آنحضرت ﷺ سے تصدیق کرا کر امت پر احسان کیا کہ یہ احادیث مبارکہ لوگوں تک پہنچائیں۔ پھر چراغ سے چراغ جلتا گیا۔

۲۱۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت انسؓ کو بحرین کا عامل بنا کر بھیجا تو واجبات حکومت سے متعلق ایک تحریر لکھ دی۔ اس کی ابتدا اس طرح سے ہوتی ہے: بسم الله الرّحمن الرّحيم هذه فريضة الصّدقة الّتى فرض رسول الله ﷺ على المسلمين والّتي أمر الله به ورسوله'' (۲۲۲)۔

امام بخاریؒ نے کتاب الزکوۃ کے تین ابواب میں اس نوشتہ کی روایات کو درج کیا ہے۔ سنن دارمی میں ہے: ''عن ابن عمر أنّ النبيّ صلى الله عليه وسلم كتب الصّدقة فلم تخرج إلى عمّاله حتّى قبض رسول اللّه فلمّا قبض أخذها أبو بكر فعمل بها من

بعد "(۲۲۳)(حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے، آنحضرت ﷺ نے صدقہ کی تحریر لکھوائی۔ لیکن عمال کو نہ بھیجی تھی کہ آپ ﷺ کی وفات ہوگئی۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس تحریر پر عمل درآمد کرایا۔ پھر آگے بھی حدیث ہے۔۔۔۔امام ابوداؤد نے اس صحیفہ کو حدیث کے مشہور امام حماد بن سلمہؒ سے روایت کیا گیا ہے۔ جس پر حماد بن سلمہ خود تصریح کرتے ہیں کہ میں نے خود اس نوشتہ کو حاصل کیا)(۲۲۴)۔ امام حاکم نے بھی یہ دستاویز نقل کی ہے(۲۲۵)۔

ابوجعفر طحاویؒ نے بھی یہ دستاویز بحوالہ حمادؒ بن سلمہ لکھی ہے۔ اس میں حمادؒ بن سلمہ کی یہ تصریح بھی موجود ہے کہ ثابت بنانی نے مجھے ثمامہؒ بن عبداللہ کے پاس یہ دستاویز لینے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے یہ دستاویز مجھے دے دی، میں نے اسے دیکھا: "فاذا علیه خاتم رسول الله "(۲۲۶)(اس پر جناب رسول اللہ ﷺ کی مہر ثبت تھی)۔

۲۲۔ حضرت عبداللہ بن حکیمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک تحریر ہمارے قبیلہ جہینہ میں پہنچی جس میں مختلف احادیث تھیں (۲۲۷)۔

۲۳۔ حضرت وائل بن حجرؓ حضرموت کے شہزادوں میں سے تھے۔ یہ سنہ ۹ ھ میں مدینہ منورہ تشریف لائے اور مسلمان ہوئے۔ ان کی آمد سے قبل آنحضرت ﷺ نے ان کی آمد کی خوش خبری دے دی تھی اور فرمایا تھا: "راغبًا فی الله عزّ وجلّ وفی رسوله وهو بقيّة ابناء الملوك "(۲۲۸)(وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ میں رغبت رکھتے ہیں۔ وہ بادشاہوں کے بیٹوں میں سے باقی رہ جانے والے ہیں)۔ یہ کچھ دیر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہنے کے بعد جب وہ جانے لگے تو آپ ﷺ نے ان کو ایک صحیفہ لکھوا کر دیا۔ جس میں نماز، روزہ، شراب اور سود وغیرہ کے احکام تھے(۲۲۹)۔

۲۴۔ مندرجہ بالا تحریروں کے علاوہ آنحضرت ﷺ کے سینکڑوں کی تعداد میں خطوط اور وثیقے ہیں جو آپ ﷺ نے مختلف اوقات میں بادشاہوں اور قبیلوں کے سرداروں کو لکھوائے اور ان پر اپنی مہر ثبت کی۔ اس قسم کے خطوط اور وثائق ڈاکٹر حمید اللہ نے جمع کیے ہیں۔ یہ مجموعہ "الوثائق السّیاسیّة للعهد النّبویّ والخلافة الرّاشدة " کے نام سے، پہلی دفعہ ۱۹۴۱ء میں قاہرہ سے اور تیسری مرتبہ بیروت سے ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا۔ اس مجموعہ میں ۲۸۱ خطوط اور وثائق آنحضرت ﷺ سے متعلق ہیں۔ ان خطوط

میں سے ایک خط وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے مقوقس شاہ مصر کو لکھا۔ یہ خط مصر کے آثار قدیمہ کی کھدائی کے دوران برآمد ہوا ہے اور آج بھی مصر میں موجود ہے (۲۳۰)۔ یہ خط حدیث کی مستند کتابوں میں منقول ہے۔ برآمدہ شدہ خط احادیث کی روایت کے عین مطابق ہے۔ یہ مطابقت کتب حدیث کے مستند ہونے کی واضح دلیل ہے۔

ان تمام حقائق کے باوجود اگر عہد نبوی میں کتابتِ حدیث کا انکار کیا جائے تو اس کے لیے رازی وقت حضرت مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری کا یہ قول نہایت موزوں ہے: "قد ظنّ بعض الجهلة فی هذا الزّمان أنّ الأحاديث النبويّة لم تكن مكتوبة فی عهد رسول اللّه ﷺ ولا فی عهد الصحابة وانّما كتبت وجمعت فی عهد التّابعين قلت ظنّ بعض الجهلة هذا فاسدٌ مبنيّ علی عدم وقوفه علی حقيقة الحال "(۲۳۱) (اس دور کے بعض جاہلوں کا گمان ہے کہ احادیث نہ تو عہد نبوی ﷺ میں لکھی گئیں نہ عہدِ صحابہ میں بلکہ تابعینؒ کے دور میں لکھی اور جمع کی گئیں۔ میں کہتا ہوں کہ جاہلوں کا یہ گمان فاسد ہے اور حقیقت حال سے عدمِ واقفیت کی بنا پر وہ ایسا کہتے ہیں)۔

الغرض جہاں تک عدم کتابت احادیث کا تعلق ہے ان کی اسناد سے معلوم ہوگیا کہ صرف ایک حدیث کے علاوہ باقی سب کمزور ہیں اور اس ایک کی حقیقت بھی یہ ہے کہ آپ ﷺ نے قرآنِ مجید اور احادیث نبوی کو ایک صفحہ پر لکھنے سے منع فرمایا، تاکہ قرآنِ مجید اور احادیث میں التباس نہ ہو (۲۳۲)۔ الگ الگ لکھنے کی اجازت میں بعض (محدثین) نے اس قسم کی احادیث، جن میں ممانعت تھی، منسوخ قرار دی ہیں جب کہ لکھنے کی اجازت والی احادیث ناسخ ہیں (۲۳۳)۔ بعض نے یہ لکھا ہے کہ یہ ممانعت اس کے لیے ہے جو صرف کتابت پر اعتماد کرتا تھا اور حفظ بھول جاتا (۲۳۴)۔

آنحضرت ﷺ کا آخری حکم بلاشبہ کتابتِ حدیث کے جواز سے متعلق تھا۔ کیونکہ خود آپ ﷺ احادیث لکھواتے اور صحابہؓ کو اس کی ترغیب دیتے تھے۔ آپ ﷺ کا کتابت سے روکنا صرف ایک ہی کاغذ پر قرآنِ مجید کے ساتھ حدیث کو اکٹھا لکھنے کی وجہ سے تھا۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب قرآن و حدیث کا فرق صحابہؓ پر واضح ہوگیا یا جن صحابہؓ کو پہلے ہی اس

فرق کا بخوبی علم تھا۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمروؓ تو ان صحابہؓ کو لکھنے کی عام اجازت مل گئی اور ان صحابہؓ نے احادیث قلم بند کیں۔ وہ لوگ جو احادیث کو ویسے ہی نہیں مانتے، ان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ممانعت کتابتِ حدیث کا احادیث سے استدلال کریں، کیوں کہ وہ ویسے ہی احادیثِ نبوی کے منکر ہیں۔

احادیث شریفہ جو قرآن کریم کی تفسیر اور دین اسلام کا اساسی حصہ ہیں۔ ان کے اعتماد کو مجروح کر کے قرآن اور اسلام کی جملہ تعلیمات کو مشکوک بنانے کی خاطر علمی طور پر ایسے کمزور اور بودے دلائل کا سہارا لیا جاتا ہے حالانکہ قرونِ اولیٰ میں احادیث نبویہ کی حفاظت کا اصل مدار صرف کتابت پر نہ تھا۔ بلکہ حفظ حدیث، تدریس حدیث، تعامل حدیث کے ذریعے بھی حفاظت و اشاعت حدیث کا انتہائی قابل اعتماد بندوبست موجود تھا۔ مزید احتیاط کے لیے کتابت حدیث کا بھی انتہائی ذمہ داری کے ساتھ وسیع پیمانے پر اہتمام کیا گیا۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی حدیث نبوی پر اپنے اعتماد کی بحالی کا سامان نہیں پاتا تو کوئی حیرانی کی بات نہیں۔ بعض بدنصیب نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کو سامنے پا کر بیان حق زبان اطہر سے سننے کے باوجود بھی ایمان نہیں لاتے تھے۔ اے کاش یہ لوگ اس قرآنی حقیقت کو ابھی سے دل کی آنکھوں سے دیکھ پائیں۔

"ویوم یعض الظالم علی یدیه یقول یٰلیتنی اتخذت مع الرّسول سبیلاً یٰویلتی لیتنی لم اتّخذ فلانًا خلیلاً لقد اضلّنی عن الذّکر بعد اذ جآءنی وکان الشّیطٰن للانسان خذولاً (۲۳۵) (اور اس دن ستم گر شخص اپنے ہاتھوں کو چبا چبا کر کہے گا ہائے کاش کہ میں نے رسول کی راہ اختیار کی ہوتی۔ ہائے افسوس کاش کہ میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس نے تو مجھے اس کے بعد گمراہ کر دیا کہ نصیحت میرے پاس آ پہنچی تھی اور شیطان تو انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے)۔

حوالہ جات

۱۔ ابن الاثیر، عز الدین علی بن محمد الشیبانی، النھایۃ فی غریب الحدیث والاثر (انصار السنۃ المحمدیہ، لاہور ۳۰۸/۲۔

۲۔ ابن حجر، احمد بن علی العسقلانی، نزھۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر (فاروقی کتب خانہ، ملتان) ص ۹۲۔

۳۔ المناوی، عبدالرؤف، الیواقیت والدرر (مکتبۃ الرشد الریاض، الطبعۃ الاولی ۱۹۹۱ م) ۱۱۶/۱۔

۴۔ ایضاً، ۲۳۶/۱۔

۵۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، (دارالسلام، الریاض، الطبعۃ الثانیہ، ۱۹۹۹) حدیث نمبر ۹۹۰، ص ۱۵۹

۶۔ ابن الصلاح، ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمٰن، علوم الحدیث المعروف بہ مقدمہ ابن الصلاح مع شرح التقیید والایضاح (المکتبۃ العلمیہ المدینۃ المنورۃ) ص ۲۵۷۔

۷۔ ایضاً۔

۸۔ ابن اثیر، النھایۃ فی غریب الحدیث، ۲۹۳/۳۔

۹۔ القاسمی، محمد جمال الدین، قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث (دار الکتب العلمیہ، بیروت الطبعہ الاولی ۱۹۷۹ء) ص ۲۰۲؛ الیواقیت والدرر، ۴۸۴/۲ (حواشی)۔

۱۰۔ الیواقیت والدرر، ۴۸۳/۲۔

۱۱۔ ایضاً، ۴۸۴/۲ (حواشی)۔

۱۲۔ قواعد التحدیث، ص ۲۰۲۔

۱۳۔ الاصفہانی، ابوالقاسم حسین بن محمد المعروف الراغب، المفردات فی غریب القرآن (دارالمعرفۃ بیروت) ص ۱۱۰۔

۱۴۔ محمود طحان، تیسیر مصطلح الحدیث (نشر السنہ ملتان) ص ۱۴۔

۱۵۔ یٰس (۳۶) ۳۸۔

۱۶۔ المؤمنون (۲۳) ۱۴۔

۱۷۔ السبا (۳۴) ۱۹۔

۱۸۔ الانبیاء (۲۱) ۲۔

۱۹۔ الکھف (۲۸) ۷۰۔

۲۰۔ یوسف (۱۲) ۴۱۔

۲۱۔ النساء(۴)۷۸۔

۲۲۔ التحریم(۶۶)۳۔

۲۳۔ النساء(۴)۸۷۔

۲۴۔ سلفی، مولانا محمد اسماعیل، حجیت حدیث (فاران اکیڈمی، لاہور) ص ۱۷۔

۲۵۔ البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۷۰۶۵، ص ۱۱۳۶۔

۲۶۔ السباعی، ڈاکٹر مصطفیٰ، السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی (مطبعۃ المدنی، قاہرہ، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۹۶۱ء) ص ۱۵۹۔

۲۷۔ گوندلوی، حافظ محمد، درس صحیح بخاری (مرتب: منیر احمد سلفی) (اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور طبع اول ۱۹۸۲ء) ص ۲۹-۳۳۔

۲۸۔ النساء(۴)۷۸۔

۲۹۔ الضحیٰ (۹۳) ۱۱۔

۳۰۔ النساء(۴)۸۷۔

۳۱۔ النساء(۴)۱۴۰۔

۳۲۔ یوسف(۱۲) ۶۔

۳۳۔ المؤمنون(۲۳)۴۴۔

۳۴۔ الزمر(۳۹)۲۳۔

۳۵۔ ابن ماجہ، ابوعبداللہ، محمد بن یزید القزوینی، السنن (مکتبہ دارالسلام الریاض الطبعہ الاولی ۱۹۹۹م) حدیث نمبر ۱۲، ص ۲۔

۳۶۔ ایضاً، حدیث نمبر ۳۸، ص ۶۔

۳۷۔ البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۱۱۹، ص ۲۵۔

۳۸۔ نزھۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر، ص ۸۔

۳۹۔ الرازی، المحصول، ۲/۷۔

۴۰۔ الیواقیت والدرر، ۱/۱۰۹۔

۴۱۔ لکھنوی، محمد عبدالحیٔ، ظفر الامانی بشرح مختصر السید الشریف الجرجانی فی مصطلح الحدیث (مکتبۃ المطبوعات، الاسلامیہ حلب)، ص ۲۵۔

۴۲۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر، تدریب الراوی (المکتبہ العلمیہ، المدینۃ المنورہ، الطبعۃ الاولی ۱۹۵۹م) ۱/۶۱۔

۴۳۔ النووی، ابوزکریا یحیی بن شرف الدین الدمشقی، شرح صحیح مسلم (نور محمد اصح المطابع، کراچی) ۱/۶۳۔

۴۴۔ الجزائری، طاہر بن صالح، توجیہ النظر الی اصول الاثر (دار المعرفۃ، بیروت)، ص ۳۔

۴۵۔ الیواقیت والدرر، ۱/۱۱۲۔

۴۶۔ ظفر الامانی، ص ۲۵۔

۴۷۔ قواعد التحدیث، ص ۶۱۔

۴۸۔ سلفی، حجیت حدیث، ص ۱۷۔

۴۹۔ ایضاً، ص ۱۷۔

۵۰۔ ایضاً، ص ۱۸۔

۵۱۔ ایضاً۔

۵۲۔ النھایۃ فی غریب الحدیث، ۲/۴۰۹ (تحت مادہ سنن)۔

۵۳۔ الجرجانی، شریف علی، التعریفات (مکتبہ مصطفی البابی واولادہ، مصر ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸م)، ص ۱۰۸۔

۵۴۔ البہاری، محب اللہ بن عبدالشکور، مسلم الثبوت مع فواتح الرحموت (مطبعۃ الامیریہ مصر، ۱۳۲۲ھ)، ص ۶۶۔

۵۵۔ ابن درید، کتاب الجمہرۃ (دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن، ۱۳۴۴ھ) (تحت مادہ سنن)

۵۶۔ جوہری، جواہر القاموس (تحت مادہ سنن)۔

۵۷۔ الزمخشری، ابوالقاسم جاراللہ محمود بن عمر، اساس البلاغۃ (دار الکتب المصریہ، قاہرہ، طبع اول ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۵۷ء) (ذیل مادہ س ن ن) ص ۲۲۱۔

۵۸۔ ابن منظور، ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب (دار صادر، بیروت) ۱۳/۲۲۵ (تحت مادہ س ن ن)۔

۵۹۔ سلفی، حجیت حدیث، ص ۱۸۔

۶۰۔ التعریفات، ص ۱۰۸۔

۶۱۔ ملا احمد جیون، نورالانوار (محمد سعید اینڈ سنز، کراچی) اقسام السنہ، ص ۱۷۹۔

۶۲۔ ابن حزم، علی بن احمد بن سعید، الاحکام فی اصول الاحکام (مکتبہ عاطف الازہر، الطبعۃ الاولی ۱۹۷۸م) ۱/۱۷۳۔

۶۳۔ توجیہ النظر الی اصول الاثر، ص ۳۔

۶۴۔ قنوجی، سید صدیق حسن خان، حصول المامول من علم الاصول (مکتبۃ التجاریہ، مصر، ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء) ص ۳۸۔

۶۵۔ محمد عجاج الخطیب، السنۃ قبل التدوین (مکتبہ وھبہ، القاہرہ ۱۳۸۳/۱۹۶۳ء) ص ۱۶۔

۶۶۔ ابوداؤد، السنن (دارالسلام، الریاض، ۱۹۹۹ء) حدیث نمبر ۳۶۰۷، ص ۶۵۱۔

۶۷۔ الاسراء (۱۷) ۷۷۔

۶۸۔ الاحزاب (۳۳) ۳۸۔

۶۹۔ فاطر (۳۵) ۴۳۔

۷۰۔ الاسراء (۱۷) ۷۷۔

۷۱۔ آل عمران (۳) ۱۳۷۔

۷۲۔ الانفال (۸) ۳۸۔

۷۳۔ فاطر (۳۵) ۴۳۔

۷۴۔ البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۵۰۶۳، ص ۹۰۶۔

۷۵۔ ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، السنن (دار السلام، الطبعۃ الاولی ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء) حدیث نمبر ۲۶۷۷، ص ۶۰۷۔

۷۶۔ ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۳۱۹۸، ص ۴۶۷۔

۷۷۔ الشوکانی، محمد بن علی بن محمد، ارشاد الفحول (مصطفیٰ الحلبی واولادہ، مصر، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۵۶ھ) ص ۳۱۔

۷۸۔ تدریب الراوی، ۱/۴۳۔

۷۹۔ الانصاری، حماد بن محمد، یانع الثمر فی مصطلح اھل الاثر (مکتبہ ابن قیم المدینۃ المنورہ) ص ۱۰؛ تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۱۶۔

۸۰۔ تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۱۶۔

۸۱۔ تدریب الراوی، ۱/ ۲۵-۲۶۔

۸۲۔ ایضاً، ۱/۴۸؛ قواعد التحدیث، ص ۷۷۔

۸۳۔ ابن حجر، النکت علی مقدمہ ابن الصلاح (الجامعہ الاسلامیہ، مدینہ منورہ) ۱/ ۲۶۸۔

۸۴۔ قواعد التحدیث، ص ۷۷۔

۸۵۔ تدریب الراوی، ۱/۴۸۔

۸۶۔ ایضاً۔

۸۷۔ آل عمران(۳)۸۵۔

۸۸۔ محمد(۴۷)۳۳۔

۸۹۔ النساء(۴)۶۴۔

۹۰۔ النساء(۴)۱۶۳۔

۹۱۔ النجم(۵۳)۴-۵۔

۹۲۔ محمد عبدہ الفلاح تفسیر الحدیث المسمیٰ اشرف الحواشی (شیخ محمد اشرف ناشران قرآن مجید وتاجران کتب لاہور، س۔ن)ص ۶۲۸۔

۹۳۔ ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۴۶۰۴، ص ۶۵۱۔

۹۴۔ البقرۃ(۲)۱۵۱۔

۹۵۔ احمد، المسند (دارالفکر بیروت) ۵/ ۳۴۷۔

۹۶۔ النساء(۴)۱۱۳۔

۹۷۔ البقرۃ(۲)۲۳۱۔

۹۸۔ تفسیر الحدیث المسمیٰ اشرف الحواشی، البقرۃ آیت نمبر ۲۳۱، ص ۴۵۔

۹۹۔ الطبری، جامع البیان المعروف تفسیر طبری، ۳/ ۷۷۔

۱۰۰۔ الشافعی، الرسالۃ، ص ۷۸۔

۱۰۱۔ الحشر(۵۹)۷۔

۱۰۲۔ اشراف الحواشی، ص ۶۵۲۔

۱۰۳۔ الاعراف(۷)۱۵۷۔

۱۰۴۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، سنت کی آئینی حیثیت (اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۰۴)ص ۷۳۔

۱۰۵۔ محمد ادریس میرٹھی، سنت کا تشریعی مقام (بیت التوحید، آصف کالونی کراچی نمبر ۱۶)ص ۵۳۔

۱۰۶۔ ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۴۶۰۴، ص ۶۵۱۔

۱۰۷۔ عظیم آبادی، شمس الحق، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد (نشر السنۃ ملتان) ۴/ ۳۲۹۔

۱۰۸۔ النحل(۱۶)۴۴۔

۱۰۹۔ سنت کی آئینی حیثیت، ص ۷۲۔

۱۱۰۔ اصلاحی، امین احسن، مبادی تدبر حدیث (فاران فاؤنڈیشن لاہور، ۲۰۰۰ء)ص ۲۶۔

۱۱۱۔ محمد(۴۷)۳۳۔

۱۱۲۔ حافظ صلاح الدین یوسف، تفسیر احسن البیان (دارالسلام الریاض) سورہ محمد شرح، آیت نمبر ۳۳، ص ۸۲۷۔

۱۱۳۔ المائدہ (۵) ۹۲۔

۱۱۴۔ اشرف الحواشی (حاشیہ آیت مذکورہ) ص ۱۴۸۔

۱۱۵۔ التغابن (۶۴) ۱۲۔

۱۱۶۔ تفسیر احسن البیان، تحت آیت کریمہ، ص ۸۳۵۔

۱۱۷۔ التوبہ (۹) ۷۱۔

۱۱۸۔ ندوی، مولانا محمد حنیف، مطالعہ حدیث (علم و عرفان پبلشرز، لاہور ۲۰۰۳) ص ۱۸۔

۱۱۹۔ بخاری، الجامع الصحیح، (دارالسلام، ریاض ۱۹۹۹ء) حدیث نمبر ۱۴، ص ۶۔

۱۲۰۔ التوبۃ (۹) ۲۴۔

۱۲۱۔ الطبرانی، ابوالقاسم، سلیمان بن احمد، المعجم الاوسط (دارالحرمین، القاھرۃ، ۱۴۱۵ھ) ۹/ ۱۶۹۔

۱۲۲۔ النور (۲۴) ۵۴۔

۱۲۳۔ النساء (۴) ۸۰۔

۱۲۴۔ المجادلۃ (۵۸) ۹۔

۱۲۵۔ الاحزاب (۳۳) ۳۶۔

۱۲۶۔ النور (۲۴) ۶۳۔

۱۲۷۔ الجن (۷۲) ۲۳۔

۱۲۸۔ البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۷۲۸۰، ص ۱۲۵۲۔

۱۲۹۔ النجم (۵۳) ۴-۵۔

۱۳۰۔ ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۳۲۲۲، ص ۵۲۵؛ ترمذی، السنن، حدیث نمبر ۲۶۵۶، ص ۲۰۳۔

۱۳۱۔ السیوطی، تدریب الراوی، ۲/ ۱۵۹۔

۱۳۲۔ شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ (حذیفہ اکیڈمی، لاہور ۲۰۰۰ء) ۱/ ۲۸۔

۱۳۳۔ النساء (۴) ۵۹۔

۱۳۴۔ اشرف الحواشی تفسیر آیت مذکورہ، ص ۱۰۵۔

۱۳۵۔ ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۴۶۰۷، ص ۶۵۱۔

۱۳۶۔ الاحزاب (۳۳) ۲۱۔

۱۳۷۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۵۰۶۳، ص ۹۰۶۔

۱۳۸۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ (الفیصل، ناشران وتاجران کتب لاہور، ۱۹۹۱ء) ۲۱/۱۔

۱۳۹۔ Encyclopaedia Brittanica(1958) vol.13,p.16-17.

۱۴۰۔ شبلی، سیرت النبیؐ ص ۲۱/۱۔

۱۴۱۔ الاحزاب (۳۳) ۲۱۔

۱۴۲۔ البقرۃ (۲) ۱۲۹۔

۱۴۳۔ الشافعی، محمد بن ادریس، الرسالۃ (دارالتراث، القاہرہ، ۱۳۵۸ھ) ص ۷۶-۷۸۔

۱۴۴۔ النجم (۵۳) ۳-۴۔

۱۴۵۔ الحشر (۵۹) ۷۔

۱۴۶۔ مسلم، الجامع الصحیح (نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۹۵۶ء) ۴۲۲/۱۔

۱۴۷۔ الدارمی، ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن، السنن (دارالفکر بیروت)، ۹۸/۱؛ ابن عبدالبر، ابوعمر یوسف، جامع بیان العلم وفضلہ (دارالفکر بیروت) ۶۳/۱۔

۱۴۸۔ ابن حجر، فتح الباری شرح صحیح البخاری (دارالنشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۱ء)، ۱۸۵/۱۔

۱۴۹۔ الترمذی، السنن (قرآن محل کراچی) ۱۰۶/۲۔

۱۵۰۔ الدارمی، السنن، ۹۸/۱۔

۱۵۱۔ ایضاً، ۹۹/۱ (الحواشی)۔

۱۵۲۔ الخطابی، ابوسلیمان حمد بن محمد البستی، معالم السنن (دارالمعرفۃ، بیروت ۱۴۰۰ھ) ۲۳۶/۱۔

۱۵۳۔ جامع بیان العلم، ۶۴/۱۔

۱۵۴۔ ایضاً۔

۱۵۵۔ ابن الصلاح، علوم الحدیث (فاروقی کتب خانہ ملتان) ص ۹۔

۱۵۶۔ احمد بن حنبل، المسند (دارالفکر، بیروت) (مسند ابی ھریرۃؓ)۔

۱۵۷۔ ہمام بن منبہ، الصحیفۃ الصحیحہ تحقیق ڈاکٹر حمید اللہ (ناشر رشید اللہ یعقوب، کراچی، طبع جدید ۱۹۹۸ء) (مقدمہ) ص ۶۸۔

۱۵۸۔ مولانا محمد علی، علوم الحدیث اور امام اعظم (دارالعلوم الشہابیہ، سیالکوٹ) ص ۸۶۔

۱۵۹۔ احمد محمد شاکر، الباحث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث لابن کثیر (دارالکتب العلمیہ، بیروت)، ص ۱۳۳

۱۶۰۔ ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، السنن، حدیث نمبر ۳۶۴۷، ص ۵۲۴۔

۱۶۱۔ عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، ۳۵۶/۳۔

۱۶۲۔ ابن حجر، تقریب التھذیب (دارالمعرفۃ، بیروت) ۲/ ۲۵۴۔

۱۶۳۔ مسلم، الجامع الصحیح، ۱/ ۳۲۵؛ النسائی، عبدالرحمٰن احمد بن شعیب، السنن (دار السلام الریاض، ۱۹۹۹) حدیث نمبر ۲۱۴۲، ص ۳۰۰۔

۱۶۴۔ عبدالستار الشیخ، اعلام الحفاظ والمحدثین عبر اربعۃ عشر قرنا (دار القلم دمشق، الدار الشامیہ بیروت ۱۹۹۷ء، الطبعۃ الاولیٰ) ۲/ ۴۳۵۔

۱۶۵۔ الاعراف (۷) ۱۵۸۔

۱۶۶۔ الجمعۃ (۶۲) ۲۔

۱۶۷۔ الھیثمی، نورالدین علی بن ابی بکر، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد (دارالکتاب العربی، بیروت) ۱/ ۱۵۱۔

۱۶۸۔ ایضاً۔

۱۶۹۔ مقدمہ ابن الصلاح، ص ۷۱۔

۱۷۰۔ البخاری، الجامع الصحیح (نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۹۶۱ء) ۱/ ۲۲؛ الترمذی، السنن، (قرآن محل کراچی) ۲/ ۱۰۷؛ مسلم، الجامع الصحیح، ۱/ ۲۳۹۔

۱۷۱۔ فتح الباری، ۱/ ۲۰۶۔

۱۷۲۔ مبارکپوری، عبدالرحمٰن، تحفۃ الاحوذی شرح السنن الترمذی (دارالکتاب العربی بیروت)، ۳/ ۳۷۴۔

۱۷۳۔ بخاری، الجامع الصحیح، ۱/ ۲۲۔

۱۷۴۔ ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۳۶۴۹، ص ۵۳۴؛ جامع بیان العلم وفضلہ، ۱/ ۸۴۔

۱۷۵۔ الترمذی، السنن، ۲/ ۱۰۷۔

۱۷۶۔ الدارمی، السنن، ۱/ ۱۰۳؛ جامع بیان العلم، ص ۷۰؛ البغوی، ابومحمد الحسین بن مسعود، شرح السنۃ، ۱/ ۲۔

۱۷۷۔ ابن حجر، فتح الباری، ۱/ ۱۸۵۔

۱۷۸۔ بخاری، الجامع الصحیح ۱/ ۲۱۔

۱۷۹۔ بخاری، الجامع الصحیح، ۱/ ۵۵۴؛ احمد، المسند، ۴/ ۱۷۶؛ الحاکم، المستدرک (دارالکتاب العربی بیروت)، ۳/ ۷

۱۸۰۔ بخاری، الجامع الصحیح، ۱/ ۴۳۰۔

۱۸۱۔ مسلم، الجامع الصحیح، ۱/ ۸۴۔

۱۸۲۔ صحیح مسلم مع شرح للنووی (نور محمد اصح المطابع، کراچی، الطبعۃ الثانیہ، ۱۹۵۶ء) ۱/ ۸۴؛ صحیح بخاری مع حاشیہ احمد علی سہارنپوری (نور محمد، اصح المطابع، کراچی، الطبعۃ الثانیہ، ۱۹۶۱ء) ۱/ ۴۳۰۔

۱۸۳۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۱۹۵۷، ص ۱۲۳۹۔

۱۸۴۔ ایضاً،۱/۴۲۱۔

۱۸۵۔ ایضاً،۱/۳۷۹۔

۱۸۶۔ ایضاً،حدیث نمبر ۲۶۹۸،ص ۴۴۰۔

۱۸۷۔ بطورمثال مسلم،الجامع الصحیح ۲،۴/۲۔

۱۸۸۔ بخاری،الجامع الصحیح،۱/۴۱۳۔

۱۸۹۔ مسلم،الجامع الصحیح ۲،/۹۷۔

۱۹۰۔ ابوداؤد،السنن،کتاب العلم،ص ۵۱۴۔

۱۹۱۔ جامع بیان العلم،۱/۷۱؛دارمی،السنن،۱/۱۰۳۔

۱۹۲۔ احمد،المسند ۲،/۱۶۲۔

۱۹۳۔ ابن قتیبہ،عبداللہ بن مسلم،تاویل مختلف الحدیث(دارالفکر،بیروت،۱۹۹۵ء)ص ۲۶۰۔

۱۹۴۔ الدارمی،السنن،۱/۱۰۴۔

۱۹۵۔ المستدرک،۱/۱۰۵۔

۱۹۶۔ الدارمی،السنن،ص ۲۵۵۔

۱۹۷۔ جامع بیان العلم،۱/۷۳۔

۱۹۸۔ مجمع الزوائدومنبع الفوائد،۱/۲۱۸۔

۱۹۹۔ الدارمی،السنن،۱/۱۰۵،جامع بیان العلم،۱/۷۳۔

۲۰۰۔ صبحی صالح،علوم الحدیث(اردوترجمہ،غلام احمد حریری،مکتبہ کشمیر فیصل آباد،بارپنجم ۱۹۹۷ء)ص ۴۵۔

۲۰۱۔ ابن الاثیر،اسدالغابہ فی معرفۃ الصحابہ(داراحیاءالتراث العربی،بیروت)۳/۲۳۳۔

۲۰۲۔ احمد بن حنبل،المسند ۲،/۱۵۸تا۲۲۶۔

۲۰۳۔ ابن حجر،احمد بن علی عسقلانی،تہذیب التہذیب(دائرۃ المعارف العثمانیہ،حیدرآباد)۸/۴۵-۵۵۔

۲۰۴۔ تہذیب التہذیب،۸/۸۲؛ابن سعد،الطبقات الکبریٰ،۲/۱۲۵۔

۲۰۵۔ ابوداؤد،السنن مع شرح معالم السنن للخطابی،ص ۲۴۵-۲۴۶۔

۲۰۶۔ جامع بیان العلم،۱/۷۱۔

۲۰۷۔ مقدمہ،تحفۃ الاحوذی،ص ۲۰۔

۲۰۸۔ نسائی،السنن،۲/۳۳۶۔

۲۰۹۔ الدارمی،السنن،۱/۳۲۰۔

۲۱۰۔ نسائی، السنن ۱/ ۳۹۷؛ دارقطنی، السنن، ص ۳۷۶۔

۲۱۱۔ الطحاوی، ابوجعفر احمد بن محمد، شرح معانی الآثار (سعید ایچ ایم کمپنی، کراچی، ۱۹۷۵ء)، ۲/ ۴۱۷۔

۲۱۲۔ الدارقطنی علی بن عمر، السنن (دار المحاسن، قاہرہ ۱۹۶۶ء) ۲/ ۱۱۷۔

۲۱۳۔ الترمذی، السنن ۲/ ۱۰۷۔

۲۱۴۔ تحفۃ الاحوذی، ۳/ ۳۷۵۔

۲۱۵۔ خطیب بغدادی، تقیید العلم، ص ۶۶ بحوالہ صبحی صالح، علوم الحدیث، ص ۳۹۔

۲۱۶۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، الوثائق السیاسیہ، ص ۴۰۔

۲۱۷۔ ابن الاثیر، اسد الغابہ، ۱/ ۱۲۸۔

۲۱۸۔ خطیب التبریزی، مشکوۃ المصابیح (نور محمد اصح المطابع، کراچی)، ص ۵۱۸۔

۲۱۹۔ ابوبکر غزنوی، کتابت حدیث عہد نبوی میں (مکتبہ غزنویہ لاہور) بحوالہ حاکم المستدرک۔

۲۲۰۔ الدارمی، السنن، ۱/ ۱۰۵۔

۲۲۱۔ حاکم، المستدرک، ۱/ ۱۰۶۔

۲۲۲۔ بخاری، الجامع الصحیح، ۱/ ۱۹۵۔

۲۲۳۔ ایضاً، ۱/ ۳۲۰۔

۲۲۴۔ ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ص ۲۳۰-۲۳۱۔

۲۲۵۔ حاکم، المستدرک، ۱/ ۳۰۹۔

۲۲۶۔ شرح معانی الآثار، ص ۴۱۶۔

۲۲۷۔ تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی، ۱/ ۲۰۶۔

۲۲۸۔ مشکوۃ المصابیح، ص ۶۲۱۔

۲۲۹۔ الطبرانی، سلیمان بن احمد، المعجم الصغیر (دار احیاء التراث العربی بیروت) ۱/ ۲۴۱۔

۲۳۰۔ ڈاکٹر حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ (دار النفائس، بیروت، الطبعۃ الخامسۃ، ۱۹۸۵ء)، ص ۵۰۔

۲۳۱۔ مقدمہ تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی، ص ۱۸۔

۲۳۲۔ بغوی، شرح السنۃ، ۱/ ۲۹۵۔

۲۳۳۔ ابن قتیبہ، تاویل مختلف الحدیث، ص ۲۸۶۔

۲۳۴۔ شرح السنۃ (حاشیہ) ۱/ ۲۹۵۔

۲۳۵۔ الفرقان (۲۵) ۲۷۔

باب دوم

سندِ حدیث

سند حدیث کی اہمیت

مشہور ضرب المثل ہے۔"وما آفة الاخبار الارواتها "(خبروں کی آفت ان کے راوی ہیں)اور یہ ضرب المثل ایک حقیقت ہے کہ اختلاف ملل وادیان اور تہذیب وتمدن کے فرق کے باوجود سب لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ جھوٹے کی خبر کی تصدیق نہیں کی جاتی نہ اس کی روایت اور گفتگو کو قبول کیا جاتا ہے۔اگر چہ یہ معلوم ہو کہ وہ کبھی سچ بھی بولتا ہے۔عام طور پر سچے کی بات کو قبول کیا جاتا ہے اور اس کی بات کا یقین کرنے میں کسی کو کوئی تامل نہیں ہوتا۔اگر چہ لوگ جانتے ہوں کہ سچے آدمی کے جھوٹ بولنے کا بھی امکان ہے۔واقعات جو بیان کیے جاتے ہیں ان میں خبر کے غلط یا صحیح ہونے کا انحصار راوی پر ہوتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ خبر یا حدیث یا روایت کے بیان کرنے میں اصل چیز سند ہے۔یعنی اس کے بیان کرنے والوں کی ایمانداری اور صداقت لی عادت،اس لحاظ سے حدیث کی صحت کو راوی کے صدق وعدل سے پرکھا جاتا ہے۔کبھی کبھی راوی کا سوء حفظ اس کا سبب بنتا ہے۔محدثین کے طریق کار پر کوئی کلام نہیں کیونکہ وہ اسناد میں شامل راویوں کی چھان بین کرتے ہیں۔انہوں نے حدیث کے سلسلہ میں خصوصی توجہ دی بلکہ انہوں نے سند حدیث پر متن سے بڑھ کر توجہ دی۔حضرات محدثین صرف حدیثوں کے ناقلین ہی نہیں بلکہ صحیح معنی میں ناقدین بھی ہیں۔بنابریں معلوم ہوتا ہے کہ اسناد کی

اہمیت بیان کرنے سے پیشتر سند اور متن کے مفہوم کو واضح کردیا جائے۔

السند

لغوی تعریف

۱۔ "فلان سند ای معتمد"(۱)(فلاں سند ہے یعنی معتمد ہے جس پر اعتماد کیا جاتا ہے)۔

۲۔ "والاسناد فی الحدیث رفعه الی قائله"(۲)(اسناد حدیث میں اپنے قائل کی طرف منسوب کرنا)۔

۳۔ "السند ما ارتفع من الارض فی قبل الجبل او الوادی والجمع الاسناد" (۳)(پہاڑ یا وادی میں جو جگہ زمین سے بلند ہو اس کو سند کہتے ہیں اس کی جمع اسناد ہے)۔

اصطلاحی تعریف

۱۔ "طریق متن الحدیث"(۴)(متن حدیث کا راستہ یعنی راویوں کا سلسلہ ہے)۔اس بارے میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:"هو الطریق الموصلة الی المتن"(۵)(وہ ایسا راستہ ہے جو متن تک پہنچاتا ہو)۔

۲۔ "وسند الحدیث هو ما ذکر قبل المتن، ویقال: الطریق لانه یوصل الی المقصود هنا وهو الحدیث کما یوصل الطریق المحسوس الی ما یقصد السالك فیه "(۶)(سند حدیث وہ ہے جو متن سے پہلے ہے اور اس کو طریق کہا جاتا ہے کیونکہ وہ مقصد تک پہنچاتا ہے۔جس طرح راستہ(طریق) چلنے والے کو اس کے مقصد تک جہاں تک اس کا ارادہ ہوتا ہے پہنچاتا ہے)۔

سند اور اسناد ہم معنی الفاظ ہیں۔سیوطی فرماتے ہیں کہ "قال الطیبی: وهما متقاربان فی المعنی اعتمد الحفاظ فی صحة الحدیث وضعفه علیهما وقال ابن جماعة: یستعملون السند والاسناد لشیء واحد "(۷)(طیبی نے کہا کہ یہ دونوں معنی میں ایک ہیں۔

حفاظ حدیث صحت حدیث اور ضعف حدیث میں ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور ابن جماعۃ کہتے ہیں کہ سند اور اسناد ایک ہی معنی کے لیے استعمال ہوتے ہیں)۔

حدیث میں ''اسناد'' مصدر استعمال نہیں ہوتا جس کی جمع نہیں بلکہ یہ وہ ہے جو کہ تثنیہ اسنادان اور جمع اسانید استعمال ہوتا ہے (۸) اور لغوی، اصطلاحی تعریف کو بقول مولانا عطاء اللہ حنیف، صاحب التعلیقات السلفیه علی النسائی اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے۔

''هو الاخبار عن طريق المتن ماخوذ اما من السند وهوما ارتفع وعلى من سفح الجبل لان الراوى يرفعه الى قائله او عن قولهم فلان سند اى معتمد فسمى طريق الموصلة الى المتن اى الرواة الذين يتوصل بهم الى الحديث سموا بذاك لاعتماد الفاظ صحة الحديث وضعفه اليهم ''(۹) (وہ طریق متن کی خبر ہے یا تو یہ سند سے ماخوذ ہے جو کہ دامن کوہ سے بلند ہو کیونکہ راوی اس کو کہنے والے تک پہنچاتا ہے۔ یا ان کے کہنے سے ''فلاں سند'' سے ماخوذ یعنی معتمد ہے اس کا نام، وہ راستہ ہے جو متن تک پہنچتا ہو۔ یعنی راویوں کا سلسلہ جن کی وجہ سے حدیث تک پہنچنے میں ان کا نام آئے۔ اس لیے یہ رکھا گیا۔ کیونکہ ان کی صحت اور ضعف حدیث کے الفاظ کا ان پر دارومدار ہے)۔

المتن

لغوی تعریف

۱۔ ''المتن، متن الشی صلب وبابه ظرف فهو متين ومتن الظهر سكتفا الصلب عن يمين وشمال عن عصب ولحم يذكر يؤنث''(۱۰) (متن کے معنی سخت چیز، اس کا باب ظرف ہے۔ اس کا فاعل متین ہے اور متين الظهر کے معنی پشت کا سخت ہونا، پٹھوں اور گوشت کا دائیں بائیں سے سخت ہونا۔ یہ مذکر اور مؤنث دونوں طرح سے استعمال ہوجاتا ہے)۔

۲۔ ''المتن من كل شى ما صلب ظهره والجمع متون ومتان ''(۱۱) (متن ہر ایک چیز میں سے جس کی پیٹھ سخت ہو اس کی جمع متون اور متان ہے)۔

۳۔ "والمماتنة المباعدة فی الغایة وسیر مماتن بعید(۱۲)(مماتنہ انتہائی طور پر دور چلے جانا اور سیر مماتن دور کی سیر ہے)۔

اصطلاحی مفہوم

ا۔ طیبی نے کہا" الفاظ الحدیث التی تتقوم بھا المعانی (۱۳)(متن سے مراد حدیث کے الفاظ جن کے معانی بنتے ہیں)۔

۲۔ ابن جماعۃ نے کہا" وھو ما ینتھی الیہ غایۃ السند من الکلام "(۱۴)(متن وہ ہے کلام میں جہاں سند ختم ہوتی ہے)۔

۳۔ حافظ ابن حجر نے کہا" وھو غایۃ ما ینتھی الیہ الاسناد من الکلام "(۱۵)(آخری جگہ جہاں کلام میں سند ختم ہو)اور اس کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم میں اس طرح سے اجماع ممکن ہے جیسا کہ علامہ محمد جمال الدین قاسمی فرماتے ہیں:" واخذہ اما من المماتنۃ وھی المباعدۃ فی الغایۃ لأنہ السند او من متنت الکبش إذا شققت جلدۃ بیضہ واستخرجتھا فکان السند استخرج المتن بسندہ او عن المتن وھو ما صلب وارتفع من الارض لان المسند یقویہ بالسند ویرفعہ إلی قائلہ أو من تمتین القوس أی شدھا بالعصب لان المسند یقوی الحدیث بسندہ "(۱۶)(متن المماتنۃ سے ماخوذ ہے۔وہ انتہائی دوری ہے کیونکہ وہ سند کی انتہا ہوتی ہے۔یا یہ متنت الکبش "(میں نے مینڈھے کی کھال اتاردی) سے ماخوذ ہے جس وقت آپ نے اس کی جلد پھاڑ دی اور اس کو باہر نکال دیا گویا کہ سند نے متن کو اپنی سند کے ذریعہ نکال دیا۔یا متن سے ماخوذ ہے جو کہ سخت ہو اور زمین سے بلند ہو کیونکہ مسند سند سے اس کو مستحکم کرتا اور قائل کی طرف لے جاتا ہے۔یا تمتین القوس سے۔یعنی اس نے اس کو سخت کردیا یا مضبوط کردیا۔کیونکہ مسند سند سے حدیث کو مستحکم کرتا ہے)۔

محدثین کا اسناد کی طرف رجحان

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسناد کی چھان بین کی طرف محدثین نے خصوصی توجہ دی تاکہ صحیح روایات کو موضوع روایات سے الگ کردیا جائے اور شکوک وشبہات رفع کردیے جائیں۔عبداللہ ابن

مبارکؒ سند کو دین کا حصہ قرار دیتے ہیں اور غلط احادیث روایت کرنے والوں کے لیے اسے ایک لگام تصور کرتے ہیں۔وہ ارشاد فرماتے ہیں:"الاسناد من الدین لو لا الاسناد لقال من شاء ما شاء"(۱۷)(اسناد دین سے ہیں۔اگر سند نہ ہوتی تو جو کوئی چاہتا کہتا)۔

اسی طرح سفیان ثوریؒ اسناد کو مومن کے ہاتھ میں بمنزلہ قتال کرنے والے کے ہاتھ میں تلوار سمجھتے ہیں۔وہ فرماتے ہیں کہ:"الاسناد سلاح المؤمن إذا لم یکن معه سلاح فبأی شیء یقاتل "(۱۸)(اسناد مومن کا ہتھیار ہے۔جب اس کے پاس ہتھیار ہی نہ ہو تو وہ لڑائی کیسے کرے گا)۔اور اعمشؒ جب کسی کو بغیر سند کے بیان کرتے تو کہتے کہ"بقی رأس المال حدثنی فلان ثنا فلان من فلان "(۱۹)(اصل زر باقی رہ گیا فلاں نے حدیث بیان کی اس نے کہا فلاں نے مجھے فلاں سے حدیث بیان کی ہے)۔اسی طرح شعبہؒ ایسی حدیث کو جو کہ سند کے بغیر ہو ایسے کھانے سے تشبیہ دیتے ہیں جو کہ بھوک نہ مٹا سکے۔فرماتے ہیں:"کل حدیث لیس فیه أنا وحدثنا فهو خل وبقل "(۲۰)(ہر وہ حدیث جس میں انا اور حدثنا نہیں وہ سرکہ اور سبزی کی مانند ہے)۔انہی کا ایک اور قول ہے:"کل حدیث لیس فیه حدثنا واخبرنا مثل الرجل بالفلاة معه البعیر لیس له خطام" (۲۱)(ایسی حدیث جس میں حدثنا اور اخبرنا نہ ہو۔اس آدمی کی مانند ہے جس کے پاس جنگل میں بغیر مہار کے اونٹ ہو)۔

امام زہریؒ (محمد بن مسلم شہابؒ) حدیث کی سند کے بغیر بیان کرنے کو اللہ پر جرأت سمجھتے ہیں اور عتبہ بن حکیم نے بیان کیا کہ وہ اسحاق بن ابی فروہ کے پاس تھے اور ان کے پاس الزھریؒ تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ ابن ابی فروہؒ نے کہنا شروع کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الزھریؒ نے کہا اے ابن ابی فروہؒ! اللہ تجھے ہلاک کرے تو اللہ پر کتنی جرأت کرتا ہے۔حدیث کو سند سے کیوں بیان نہیں کرتا۔تو ہمیں ایسی حدیثیں سناتا ہے جس کی نہ نکیل ہے نہ مہار(یعنی بے سند حدیثیں)(۲۲)۔یہی وجہ ہے کہ امام ابن شہاب زہریؒ جب کبھی حدیث بیان کرتے تو ساتھ سند بیان فرماتے۔سند کے متعلق ان کا قول ہے کہ:"لا یصلح ان یرقی السطح الا بدرجة "(۲۳) (سیڑھی کے بغیر چھت پر چڑھنا ممکن نہیں)۔

امام شافعیؒ سند کے بغیر حدیث کو فائدہ مند کی بجائے نقصان دہ فرماتے ہیں۔ان کا قول ہے:"مثل الذی یطلب العلم بلا حجة کمثل حاطب اللیل یحمل حزمة حطب وفیه افعی تلدغه وهو لا یدری"(۲۴)[ایسا شخص جو بلا دلیل (سند) علم حاصل کرنا چاہتا ہے۔حاطب اللیل (رات کو لکڑیاں اکٹھا کرنے والے) کی مانند ہے جو لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے اور اس میں سے سانپ نکلے جو اس کو ڈس لے حالانکہ وہ اس سے بے خبر ہو]۔

اس سلسلے میں امام اقفصی کے اشعار قابل غور ہیں:

اذا لم یکن خبر صحیح　　عن الاشیاخ متضح الطریق
فلا ترفع به رأسا ودعه　　فانی ناصح لك یا صدیقی
وإسقاط المشائخ من حدیث　　أشد علی من ثكل الشقیق
وما فی الارض خیر من حدیث　　له نور باسناد وثیق(۲۵)

[جب صحیح سند والے شیوخ سے حدیث صحیح نہ ہو (یعنی بغیر سند کے ہو) تو اس کی طرف سر اٹھا کر بھی نہ دیکھو۔اے دوست میری یہی نصیحت ہے۔حدیث کے مشائخ کا اسقاط میرے لیے حقیقی بھائی کی گمشدگی سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔اس حدیث سے بڑھ کر زمین میں کوئی چیز نہیں جس کے لیے با اعتماد سند کا نور ہو]۔

یہ بات باعث فخر ہے کہ علم الاسناد صرف مسلمانوں ہی میں پایا جاتا ہے اور کسی قوم میں نہیں۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ:"نقل الثقة كذلك یبلغ إلی النبیؐ خص الله به المسلمین دون سائر أهل الملل كلها"(۲۶)(ثقہ کا ثقہ سے نقل کرنا یہاں تک کہ یہ نبی اکرم ﷺ تک پہنچے۔یہ خصوصیت اللہ تعالیٰ نے تمام ملتوں میں سے صرف مسلمانوں ہی کو عنایت فرمائی ہے)۔پھر آگے یہود و نصاریٰ کا ذکر کیا ہے کہ ان کا سلسلہ (اسناد) حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ تک نہیں پہنچتا۔لکھتے ہیں:"وأما اقوال الصحابة والتابعین فلا یمكن الیهود أن یبلغوا إلی صاحب النبی اصلاً ولا إلی تابع له ولا یمكن النصاری أن یصلوا أعلی من شمعون وبولص"(۲۷)[جہاں تک یہود کا تعلق ہے ان کے صحابہ کرام (یہود) اور تابعین کے اقوال کے متعلق

ممکن ہی نہیں کہ وہ نبی کے صحابی تک (بسند) ہوں اور نہ ہی تابعی تک۔ اور عیسائیوں میں شمعون اور پولس سے آگے سند ممکن نہیں]۔

اسناد دراصل حدیث کو محفوظ انداز میں دوسروں تک پہنچانے کا ایک سلسلہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ میں نے یحیٰ بن سعید سے سنا وہ فرماتے تھے: "الاسناد من الدین" (۲۸)۔

یحیٰ کہتے کہ انہوں نے شعبہ سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ: "انما تعلم صحة الحديث بصحة الاسناد" (۲۹) (حدیث کی صحت کا علم سند کی صحت سے ہوتا ہے)۔ امام اوزاعیؒ کا قول ہے: "ما ذهاب العلم الاذهاب الاسناد" (۳۰) (اسناد کا ضیاع علم کا ضیاع ہے)۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ہے: "ان هذا العلم دين فانظروا عمن تاخذونه" (۳۱) (یہ علم دین ہے دیکھو کہ یہ آپ کس سے حاصل کر رہے ہیں)۔

امام مالکؒ نے فرمایا کہ چار آدمیوں سے علم حاصل نہ کرو ان کے علاوہ (اور جس سے چاہو) سے علم حاصل کرو۔ ایک بیوقوف سے، جس کی حماقت واضح ہو اگرچہ وہ بہت زیادہ روایت کرنے والا ہو۔ نہ جھوٹے سے جو عام گفتگو میں جھوٹ بولتا ہو جب اس پر اس بات کا تجربہ نہ ہو جائے، اگرچہ آنحضرت ﷺ پر جھوٹ باندھنے کا اس پر اتہام نہ ہو۔ نہ صاحب ہویٰ (اہل بدعت) جو لوگوں کو اپنی اھوا کی طرف بلاتا ہو اور نہ ایسے شیخ سے جو بڑا صاحب فضیلت اور عابد ہو مگر جو حدیث بیان کرے اس کو جانتا نہ ہو" (۳۲)۔

امام مالکؒ خود بھی حدیث کے بارے میں بہت محتاط تھے۔ بشر بن عمر الزاھوانی سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کے متعلق امام مالکؒ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: "رأيته فی کتبی، قلت: لا، قال: لو كان الثقة لرأيته فی كتبی، قال ابن المدينی لا أعلم مالكًا ترك إنسانًا إلا انسانًا فی حديثه شیء" (۳۳) (کیا آپ نے اس کا ذکر میری کتابوں میں پڑھا! اس نے کہا نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر وہ ثقہ ہوتا تو آپ اس کو میری کتابوں میں دیکھتے۔ ابن مدینیؒ نے فرمایا کہ امام مالکؒ نے صرف اس شخص کو چھوڑا جس کی حدیث میں خامی تھی)۔

عبدالحی الکتانی نے حافظ ابوالقاسم بن عساکر کے یہ اشعار پڑھے:

لقول الشیخ أنبأنی فلان وکان من الائمة عن فلان
الی ان ینتهی الاسناد اعلی خیرٌ من محادثة الحسان
ومستمل علی صوت فصیح الذ لدیّ من صوت القیان (۳۴)

(استاد کا انبانی فلاں کہنا جو کہ دیگر ائمہ فلاں سے روایت کریں یہاں تک کہ سند اپنی انتہا کو پہنچ جائے یہ بات میرے دل کو خوبصورت عورتوں سے گفتگو کرنے سے زیادہ اچھی لگتی ہے اور بلند آواز سے حدیث لکھوانے والا مجھے خوبصورت اور سریلی آواز میں گانے والیوں سے زیادہ محظوظ کرنے والا ہے)۔

قرآن مجید کی آیہ مبارکہ "او اثارة من علم" (۳۵) سے مراد اسناد الحدیث ہے۔

مشہور محدث ابو اسحاق ابراہیم بن یعقوب الجوز جانی نے لکھا ہے کہ علی ابن الحسن نے مجھے بتایا کہ اس نے عبداللہؒ (ابن المبارک) سے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ جب کوئی فیصلہ آپ کو کرنا پڑے تو اثر پر اعتماد کرو۔ علی نے کہا میں نے اس بات کا ذکر ابوحمزہ بن میمون کسری سے کیا جو اہل مرو ہیں جو کہ ممرّ انہیں ہے۔ اس نے کہا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ اثر کیا ہے؟ یہ کہ میں آپ کو کسی چیز کے متعلق حدیث بیان کر دوں اور آپ اس پر عمل کرنا شروع کر دیں۔ آپ سے قیامت کو کہا جائے گا کہ آپ کو اس بات کا حکم کس نے دیا ہے۔ آپ کہیں گے کہ ابوحمزہ نے۔ مجھے لایا جائے گا۔ کہا جائے گا کہ یہ خیال کرتا ہے کہ آپ نے اسے اس طرح سے حکم دیا ہے۔ اگر میں نے ہاں کہہ دی تو آپ کو چھوڑ دیا جائے گا اور مجھ سے پوچھا جائے گا کہ آپ نے یہ بات کہاں سے کی۔ اگر میں کہوں گا کہ مجھے اعمش نے کہا۔ پھر اعمش سے پوچھا جائے گا کہ آپ نے یہ بات کہاں سے کی۔ اگر اس نے ہاں کر دی تو مجھے چھوڑ دیا جائے گا اور اعمش سے کہا جائے گا کہ آپ نے کہاں سے کہا۔ وہ کہے گا مجھے ابراہیم نے بیان کیا۔ ابراہیم سے باز پرس ہوگی۔ اگر اس نے ہاں کہہ دی تو اعمش کو چھوڑ دیا جائے گا اور ابراہیم سے پوچھا جائے گا کہ آپ کو کس نے کہا۔ وہ کہے گا کہ مجھے علقمہ نے کہا۔ تو پھر علقمہ سے پوچھا جائے گا۔ اگر اس نے ہاں کر دی تو ابراہیم کو چھوڑ دیا جائے گا اور علقمہ کو کہا جائے گا کہ آپ سے کس نے کہا۔ وہ کہیں گے مجھے عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا تو پھر عبداللہ سے پوچھا جائے گا۔ اگر وہ ہاں فرمائیں گے تو علقمہ کو چھوڑ دیا جائے گا اور ابن مسعود سے کہا

جائے گا کہ آپ نے کس سے سنا۔ وہ کہیں گے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ سے کہا جائے گا تو آپ فرمائیں گے کہ مجھے جبریل نے کہا۔ یہاں تک کہ یہ سند اللہ تبارک وتعالیٰ تک پہنچے گی یہ اثر ہے(۳۶)۔

اسناد کے بارے میں ابن الصلاح کا قول ہے کہ: "اصل الاسناد اولاً خصیصة فاضلة من خصائص هذه الأمة" (۳۷)(اسناد اس امت کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے)۔اس طرح ابن قتیبہؒ فرماتے ہیں کہ: "لیس لأمة من الأمم كاسنادهم يعني هذه الأمة"(۳۸) (امتوں میں سے کسی امت کے پاس بھی اسناد نہیں جس طرح کہ اس امت کے پاس ہے)۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ: "علم الاسناد والرواية مما خص الله به أمة محمد وجعله سلمًا الى الدراية فاهل الكتاب لا اسناد لهم"(۳۹)(علم الاسناد اور روایت ایسی خصوصیت ہے جو اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو خاص عنایت کی۔ اس کی درایت کے لیے سیڑھی بنایا اور اہل کتاب کے پاس اسناد نہیں ہے)۔

تاریخ ابن عساکر میں امام ابو حاتم الرازیؒ کا قول ہے: "لم يكن في أمة من الأمم منذ خلق الله آدم أمة يحفظون آثار نبيهم غير هذه الأمة" (۴۰)(آدم کی تخلیق سے لے کر کوئی امت ایسی نہیں جو اپنے نبی کے آثار کی حفاظت اس طرح کرتی ہو جس طرح کہ یہ امت کرتی ہے)۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ: "اصل الاسناد خصيصة فاضله من خصائص هذه الأمة"(۴۱)(اس امت کے خصائص میں سے ایک خصوصیت اسناد کا حامل ہونا ہے)۔ ابوبکر محمد نے فرمایا: "بلغني ان الله خص هذه الامة بثلاثة اشياء لم يعطها من قبلها من الأمم، الاسناد، والانساب والاعراب" (۴۲)(مجھے یہ بات پہنچی کہ اللہ تعالیٰ نے تین چیزیں اس امت کو عنایت فرمائیں جو کہ ان سے پہلے کسی امت کے پاس نہیں۔ اسناد، انساب اور اعراب)۔

امام احمدؒ نے فرمایا کہ: "طلب الاسناد العالي سنة عمن سلف"(۴۳)(اسناد عالی کی طلب ان لوگوں کی سنت ہے جو گزر گئے ہیں)۔ امام ابو عبداللہ حاکم نے فرمایا کہ: "فلو لا الاسناد

وطلب هذه الطائفة له كثرة مواظبتهم على حفظه لدرس منار الاسلام ولتمكن أهل الالحاد والبدع فيه بوضع الاحاديث وقلب الاسانيد فان الاخبار اذا تعرت عن وجود الاسانيد فيها كانت متبراء" (۴۴)[اگر اسناد کے لیے اس گروہ (محدثین) کی طلب اور کثرت مواظبت نہ ہوتی تو اسلام کا مینار گر جاتا اور ملحدین اور اہل بدعت کو وضع حدیث اور سندوں کے بدلنے کا موقع مل جاتا۔ جب اخبار (حدیث) سندوں کے بغیر ہوں تو نامکمل ہوتی ہیں]۔

امام حاکمؒ نے فرمایا کہ: "طلب الاسناد العالی سنة صحیحة" (۴۵) (اسناد عالی کی طلب سنت صحیحہ ہے)۔ پھر انہوں نے اس سلسلے میں حضرت انسؓ سے حدیث نقل کی جس میں ایک اعرابی نے آنحضرت ﷺ کے پاس آکر مختلف باتوں کی تصدیق کی۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہمیں اس بات کی ممانعت تھی کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے کسی چیز کے متعلق سوال کریں۔ ہمیں یہ بات پسند تھی کہ کوئی اعرابی آکر آنحضرت محمد ﷺ سے سوال کرے اور ہم سنیں۔ ان میں سے ایک آدمی (اعرابی) آیا اس نے کہا اے محمد ﷺ! آپ کا قاصد ہمارے پاس آیا اور اس کا یہ کہنا ہے کہ اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے سچ کہا۔ اس نے پوچھا کہ زمین کس نے بنائی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے''۔ اس نے پوچھا پہاڑ (زمین میں) کس نے نصب کیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے''۔ اس نے پوچھا اس میں فائدے کس نے بنائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے'' اس نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے آسمان اور زمین کو بنایا اور پہاڑوں کو نصب کیا اور ان میں یہ منافع رکھے۔ (کیا) اللہ نے آپ ﷺ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں''۔ اس نے کہا آپ ﷺ کے قاصد نے کہا ہے: ''ایک دن اور ایک رات میں ہم پر پانچ نمازیں فرض ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس نے سچ کہا''۔ اس نے کہا کہ (اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں) کیا اللہ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے؟ فرمایا: ''ہاں۔ اس نے کہا آپ ﷺ کے قاصد کا یہ خیال ہے کہ ہمارے مالوں میں زکوٰۃ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس نے سچ کہا''۔ اس نے کہا: ''اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا کیا اللہ نے آپ ﷺ کو یہ حکم دیا ہے''؟ فرمایا کہ ''ہاں''۔ پھر اس نے کہا آپ کے قاصد کا خیال ہے کہ سال کے ایک ماہ کے روزے ہم پر فرض ہیں۔ فرمایا: ''ہاں اس نے سچ

کہا"۔اس نے کہا آپ ﷺ کے قاصد نے کہا ہم میں سے جو حج کی استطاعت رکھتا ہو وہ حج کرے۔ فرمایا: "ہاں اس نے سچ کہا"۔ پھر اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا نہ میں اس میں کمی کروں گا اور نہ کوئی زیادتی۔ جب وہ چلا گیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "لئن صدق لیدخلن الجنة" (اگر اس نے سچ کہا تو وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا)۔

اس حدیث کو بیان کر کے امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ یہ صحیح مسلم میں بھی ہے(۴۶)۔ یہ حدیث بھی اسناد نزولی کو چھوڑ کر علو اسناد کی اجازت کی دلیل ہے۔ اگر طلب علو اسناد اچھا کام نہ ہوتا تو آپ ﷺ اس کے سوال کو بُرا سمجھتے۔

ابو العباس الدغولی فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن حاتم سے سنا فرماتے تھے کہ: ان الله اکرم هذه الامة وشرفها بالاسناد وليس لاحد من الامم قديمًا وحديثًا إسناد موصل إنما هي صحف في أيديهم وقد خلطوا بكتبهم الأخبار فليس عندهم تميز ما نزل من التوراة والانجيل وبين ما الحقوه بكتبهم من أخبارهم التي اتخذوها من غير الثقات" (۴۷) (اللہ تعالیٰ نے اس امت کو مکرم بنایا اور اسناد کے ساتھ اس امت کو شرف بخشا۔ قدیم اور جدید زمانہ میں کسی امت کے ہاں اسناد نہیں۔ ان کے پاس صحائف ہیں۔ انہوں نے اپنی کتابوں سے خبروں کو ملایا۔ ان کے ہاں توراۃ اور انجیل اور ان خبروں میں کوئی امتیاز نہیں ہے جو انہوں نے غیر ثقہ لوگوں سے لی ہیں)۔

ابوبکر ابن العربی المعافری نے فرمایا کہ: "والله أكرم هذه الامة بالاسناد لم يعطه أحدا غيرها فاحذروا أن تسلكوا مسلك اليهود والنصارى فتحدثوا بغير اسناد فتكونوا سالبين نعمة الله عن انفسكم مطرقين للتهمة إليكم ولا حافظين لمنزلتكم ومشتركين مع قوم لعنهم الله وغضب عليهم وراكبين لسنتهم" (۴۸) (اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اسناد کی وجہ سے مکرم کیا جو کہ ان سے پہلے کسی امت کے پاس نہ تھیں۔ آپ اس بات سے پرہیز کریں کہ یہود و نصاریٰ کے طریقہ کو اپنائیں کہ (ان کی طرح) سند کے بغیر حدیث کو بیان کرنے لگیں۔ اس صورت میں آپ اپنے آپ سے اللہ کی نعمت کو سلب کرنے والے ہوں گے اور آپ

تہمت کو اپنی طرف راستہ دینے والے ہوں گے اور اپنے مقام کو ضائع کرنے والے ہوں گے اور آپ اس قوم کے ساتھ مشترک ہوں گے جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور ان پر اس کا غضب ہوا اور آپ اسی طریقہ پر چلنے والے ہوں گے)۔

عبدالحی لکھنوی بحوالہ ''مواہب اللدنیہ'' فرماتے ہیں: "الاسناد خصيصة فاضلة من خصائص هذه الامة وسنة بالغة من السنن المؤكدة" (۴۹) (اسناد اس امت کی خاصیتوں میں سے ایک خاصیت اور سنن مؤکدہ میں سے ایک مکمل سنت ہے)۔ اس کے علاوہ انہوں نے امام الحسن الطیبی کا قول ان کی کتاب ''الخلاصہ'' سے نقل کیا ہے لکھتے ہیں: "والاسناد خصيصة من خصائص هذه الامة وسنة من السنن البالغة وطلب العلو فيه سنة أيضًا ولذلك استحبت فيه الرحلة" (۵۰) (اسناد اس امت کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے اور مکمل سنتوں میں سے ایک سنت ہے۔ اور علو سند کی طلب بھی اسی طرح سنت ہے چنانچہ اس کے لیے اس میں سفر کرنا مستحب ہے)۔

حافظ ابن کثیرؒ ابلیس کے متعلق کہ وہ فرشتوں میں سے تھا یا نہیں کی بحث میں لکھتے ہیں: وقد روى في هذا آثار كثيرة عن السلف وغالبها من الاسرائيليات التي تنقل لينظر فيها والله اعلم بحال كثير منها ما يقطع بكذبه لمخالفة للحق الذى بأيدينا وفى القرآن غنية عن كل ما عداه من الاخبار المتقدمة لأنها لا تكاد تخلو من تبديل وزيادة ونقصان وقد وقع فيها أشيا كثيرة وليس لهم من الحفاظ المتقين الذين ينفون عنها تحريف الغالين وانتحال المبطلين كما هذه الامة من العلماء والسادة والاتقياء والبررة والنجباء ومن الجهابذة النقاد والحفاظ الجياد الذين دونوا الحديث وحرروا وبينوا صحيحه من حسنه وضعيفه من نكره وموضوعه ومتروكه ومكذوبه وعرفوا الوضاعين والكذابين والمجهولين وغير ذلك من أصناف الرجال كل ذلك صيانة لجناب النبوى والمقام المحمدى خاتم الرسل و سيد البشر صلى الله عليه وسلم أن ينيب إليه كذب أو يحدث عنه بما ليس فيه

فرضی الله عنهم وأرضاهم وجعل الجنة الفردوس مأواهم وقد فعل" (۵۱)(اس سلسلے میں سلف سے بہت سے آثار مروی ہیں جن پر غور کی ضرورت ہے۔ان میں اکثر کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ بعض ایسے ہیں جن کے جھوٹ کا یقین ہے۔حق سے اس کی مخالفت کی وجہ سے جو ہمارے پاس موجود ہے۔قرآن مجید میں پہلی تمام خبروں سے استغنا ہے کیونکہ وہ بغیر زیادتی اور نقصان سے خالی نہیں ہیں۔ ان میں سے بہت سی موضوع چیزیں ہیں۔اوران کے لیے متقی حفاظ نہیں ہیں جو کہ غالیوں کی تحریف کو دور کریں اور جھوٹے لوگوں کی باتوں کی نشان دہی کریں۔جس طرح اس امت میں علماء، سردار، متقی لوگ نیک اور شریف ہیں اور دانا قسم کے نقاد ہیں اور اچھے حفاظ ہیں جنہوں نے حدیث کی تدوین کی اور اسے تحریر کیا اور صحیح کو حسن سے، ضعیف کو منکر سے اور موضوع، متروک اور مکذوب کو واضح کیا۔انہوں نے وضاع، کذابین اور مجہولین لوگوں کو الگ کیا۔یہ سب آنحضرت ﷺ کے مقام اور خاتم الرسل اور سید البشر کی وجہ سے کیا تا کہ جھوٹ آپ ﷺ کی طرف منسوب نہ کیا جاسکے۔یا آپ ﷺ سے وہ بات بیان نہ کی جاسکے جو کہ آپ ﷺ نے ارشاد نہ فرمائی ہو۔اللہ ان سے راضی ہو گیا اوران کو راضی کر دیا اوران کا مقام جنت الفردوس میں کیا)۔

اسحاق بن ابراہیم الحنظلیؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب عبداللہ بن طاہر حدیث کا پوچھتے تو میں انہیں سند کے بغیر حدیث بیان کرتا وہ سند کا پوچھتے اور فرماتے:"روایة الحدیث بلا اسناد من عمل المرضی، فان اسناد الحدیث کرامة من الله لأمة محمد صلی الله علیه وسلم "(۵۲)[سند کے بغیر حدیث بیان کرنا مریضوں کا کام ہے۔حدیث کی سند امت محمدیہ کے لیے کرامت(شرف) ہے]۔

امام الرازیؒ سے مروی ہے:"لم یکن فی امة من الامم امة یحفظون آثار بینهم غیر هذه الامة فقیل لہ وبما رووا حدیثا لا اصل له قال علماء هم یعرفون الصحیح من السقیم" (۵۳)(اس امت کے علاوہ کسی دوسری امت میں اپنے نبی کے آثار کو محفوظ کرنے کا رواج نہ تھا۔ان سے کہا گیا کہ یہ کبھی وہ حدیث بیان کریں گے جس کی کوئی اصل نہ ہو تو انہوں نے فرمایا کہ ان کے علما صحیح کو سقیم سے پہچانتے ہیں)۔

امام عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں کہ:"الاسناد مطلوب فی الدین قد رغبت إلیه أئمة الشرع المتین وجعلوه من خصائص أمة سید المرسلین وحکموا علیه بکونه سنة من سنن الدین" (۵۴)(دین میں سند مطلوب ہے۔علماء شریعت متین نے اس طرح رغبت کی ہے اور انہوں نے اسے سید المرسلین کی امت کی خاصیتوں میں سے ایک خاصیت قرار دیا اور اس کو دین کی سنن میں سے ایک سنت ہونے کا حکم لگایا)۔

''الفضل ما شهدت به الأعداء ''مسلمانوں کی تاریخ کی اس طرح کوشش کے بارے میں مشہور انگریز مصنف (Springer) سپر نگر نے لکھا ہے:

The glory of the literature of the Mohammadans is its literary biography(55).

اور مشکوۃ المصابیح کا مترجم رابسن (Robson) کہتا ہے:

In the gospels as they stand we don't have the various elements of the sources separated out for us as we do through the "isnads" of muslim tradition where at least apparently the transmission is traced back to the source"(56).

اور امام سخاویؒ اس راز کا پردہ فاش کرتے ہیں جس کے سبب مسلمانوں نے اسناد کی طرف بھر پور انداز میں توجہ دی۔''علم تواریخ الرواة من الوفیات ''پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:''وهو فن عظیم الوقع من الدین قدیم النفع به للمسلمین لا یستغنی عنه ولا یعتنی بأعم منه خصوصًا ما هو القصد الأعظم منه وهو البحث عن الرواة والفحص عن أحوالهم فی ابتدائهم وحالهم واستقبالهم لان الأحکام الاعتقادیة والمسائل الفقهیة مأخوذة من کلام الهادی من الضلالة والمبصرین العمی والجهالة، والنقلة لذلك هم الوسائط بیننا وبینه والرابط فی تحقیق ما أوجبه وسنه فکان التعریف بهم من الواجبات والتشریف بترجمهم من المهمات ولذا قام به فی القدیم

والحديث أهل الحديث بل نجوم الهدى ورجوم العدى" (۵۷)(اس فن کا دین میں عظیم مقام ہے۔ مسلمانوں کے لیے اس کا فائدہ ہے نہ اس سے استغنا برتا جا سکتا ہے اور نہ اس سے کسی عام چیز کی وجہ سے استغنا ہو سکتا ہے۔ خاص کر اس میں جو بڑا مقصد ہے وہ راویوں کی تفتیش ہے۔ ان کی ابتدا، ان کے حال اور استقبال کے بارے میں کیونکہ اعتقادی احکام اور فقہی مسائل گمراہی، اندھے پن اور جہالت سے ہدایت دینے والے مبصرین کے کلام سے ماخوذ ہیں اور اس کے ناقل (رواۃ) ہمارے اور ان کے درمیان واسطہ ہیں اور جو چیز آپ نے ضروری قرار دی اور سنت بتائی، اس کے لیے ہمارے اور آنحضرت محمد صلعم کے درمیان بھی رابطہ ہیں ان کو جاننا لازمی ہے اور ان کے حالات کو جاننا بھی ضروری ہے۔ اس لیے اس کام کے لیے اہل حدیث بلکہ ہدایت کے ستارے اور دشمنوں کے لیے تیر ہیں اور قدیم اور جدید زمانہ میں اس کام پر لگے رہے)۔

وہ بات جس نے محدثین کو راویوں کی تحقیق وتفتیش کے بارے میں جاننے کے پیچھے لگایا اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "یاایها الذین امنوا إن جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا أن تصیبوا قومًا بجهالة فتصبحوا على ما فعلتم نادمین" (۵۸)(اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے آئے تو تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور اپنے کیے پر پشیمان ہو)۔ اسی طرح حضرت محمد ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "عن أبی هريرة ان النبیؐ قال كفى بالمره كذبا ان يحدث بكل ما سمع" (۵۹)(آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ سنی سنائی بات بیان کرے)۔ اس حدیث کے متعلق ابن حبان البستی کا قول ہے: "فی هذا الخبر زجر للمره ان يحدث بكل ما سمع حتى يعلم على اليقين صحة ثم يحدث دون ما لا يصح" (۶۰)(اس روایت میں آدمی کے لیے تنبیہ ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو بیان نہ کرے یہاں تک کہ اس کی صحت (ثقاہت) کا علم نہ ہو جائے پھر اس کو بیان کرے اور جو صحیح نہ ہو اسے بیان نہ کرے)۔

سند حدیث کا آغاز وارتقاء

اسناد حدیث کا اہتمام اور اس سے متعلق تحقیق وتفتیش تاریخ اسلام کے ابتدائی دور سے ہی شروع ہوگئی تھی۔ حضرت عثمانؓ کے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے چھ سال بعد عبداللہ بن سبا اور اس کے ہم نوالوگوں نے جو فتنہ شروع کیا تھا وہ آخر کار مجسمۂ حیاء، داماد رسول ﷺ، حضرت عثمانؓ کی شہادت کا باعث بنا۔ اس فتنہ کا سبب لوگوں کے متعارض سیاسی افکار اور آراء میں تعصب تھا۔ اس فتنہ نے حدیث نبوی میں کذب کو داخل کرنا شروع کیا۔ مذہبی اور سیاسی تعصب کی بنا پر ہر ایک چاہتا تھا کہ اپنے افکار و نظریات کو تقویت دے اور دوسروں کو نیچا دکھائے۔ جب علماء ومحدثین نے یہ بات دیکھی تو انہوں نے حدیث کے مصادر کے متعلق بحث وتفتیش شروع کی اور جو راوی ان روایات کو نقل کرتے تھے ان کے متعلق چھان بین شروع کردی۔

اسلام میں کسی خبر کو تحقیق کے بغیر قبول کرنا مناسب ہی نہیں سمجھا گیا قرآن مجید میں ارشاد ہے: "یایھا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبا فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالہ فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین" (۶۱) (اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق شخص کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کرلیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم بے جانے بوجھے کسی قوم پر چڑھ دوڑو اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو)۔

اس آیت قرآنی سے معلوم ہوا کہ کسی بھی خبر کے مل جانے کے بعد فوراً ہی اس پر عمل نہیں کرنا چاہیے بلکہ اگر راوی اچھا نہیں ہے تو اس بات کی پوری تحقیق اور تفتیش کی جائے۔ امام خازن اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "اطلبوا بیان الامر وانکشاف الحقیقة ولا تعتمدوا علی قول الفاسق" (۶۲) (امر کی وضاحت اور حقیقت کا انکشاف کرو اور فاسق کی خبر پر اعتماد نہ کرو)۔

آنحضور ﷺ کے ارشادات عالیہ میں بھی اس بات کی وضاحت ملتی ہے کہ تحقیق وتفتیش کے بغیر کسی بات کو بیان نہ کیا جائے۔ "عن ابی ہریرة ان النبی ﷺ قال: کفی بالمرء اثما ان یحدث بکل ما سمع" (۶۳) (حضرت ابو ہریرہؓ سے روایات ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کسی آدمی کے گناہ گار ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی بات کو آگے بیان کرے)۔

اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد حافظ ابن حبان البستی فرماتے ہیں: ''فی ھذا الخبر زجر للمرء ان یحدث بکل ما سمع حتی یعلم علی الیقین صحته ثم یحدث دون ما لا یصح'' (۶۴) (اس حدیث میں اس آدمی کے لیے زجر و توبیخ ہے کہ جو ہر چیز سنے اسے بیان کرتا رہے۔ جب اسے خبر کی درستگی کا یقینی علم ہو جائے تو وہ وہی بیان کرے جو صحیح ہے)۔

اسلام میں عام جھوٹ کی عادت ہی ناجائز ہے اور پھر خاص طور پر آنحضرت ﷺ کی ذات پر جھوٹ بولنا بُراُفعل ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے: ''قال قال رسول اللہ ﷺ: حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج وحدثوا عنی ولا تکذبوا علی'' (۶۵) (بنی اسرائیل سے بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں۔ مجھ سے بیان کرو اور مجھ پر جھوٹ نہ بولو)۔

اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے امام شافعی فرماتے ہیں: "ھذا اشد حدیث روی فی تخریج الروایة عمن لا یوثق بخبرہ عن النبی ﷺ" (۶۶) (یہ حدیث تخریج حدیث کے متعلق شدید ہے ایسے شخص سے روایت کرنے میں جس کی خبر کا یقین نہ ہو)۔

اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے ''التمھید'' میں لکھا ہے جو کہ امام شافعی کے قول کا حصہ معلوم ہوتا ہے: ''فلا ینبغی لاحد ان یحدث عنه صلی اللہ علیه وسلم الا عمن یثق بخبرہ ویرضی دینه وامانته، لانھا دیانة" (۶۷) (کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ آنحضرت ﷺ کی حدیث کو بیان کرے مگر صرف ایسے شخص سے جس کے متعلق ثقہ ہونے کا یقین ہو اور اس کے دین اور امانت کے متعلق وہ خوش ہو کیونکہ یہ دین ہے)۔

ایک اور حدیث میں بھی ایسی ہی تہدید ہے: "عن انس بن مالك قال قال رسول اللہ ﷺ من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار (۶۸) (جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں تیار کرے)۔

حدیث رسول ﷺ کی قدر و منزلت مسلمانوں کے ہاں قرآن مجید کے بعد ابتدائی زمانہ سے چلی آ رہی ہے۔ اس وجہ سے اس کے لیے حزم و احتیاط بھی ابتدائی دور میں ہی شروع ہو گئی تھی جس نے بعد میں باقاعدہ ایک علم کی صورت اختیار کر لی اور محدثین نے اس کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین بھی حدیث رسول ﷺ کے متعلق خود بہت محتاط رویہ اختیار کرتے تھے۔

حضرت براءؓ بن عازب سے روایت ہے ہم نے تمام احادیث آنحضرت ﷺ سے نہیں سنیں۔ ہمارے ساتھی بھی حدیثیں بیان کرتے تھے اور ہم ان سے سنتے۔ ہم اونٹ چرانے میں مشغول ہوتے۔ اصحاب رسول ﷺ میں سے جو حدیث سننے سے رہ جاتا وہ اپنے ساتھیوں سے سنتا اور ان (میں) سے (بھی) جو زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے (ان سے سنتے) اور جن سے وہ سنتے وہ نہایت حزم واحتیاط کرتے (كانوا يشدون على ما يسمعون منه) (۶۹)۔ چنانچہ قبیصہؓ بن ذویب سے روایت ہے حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں ایک دادی اپنی وراثت طلب کرنے کے لیے آئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ”کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ میں مجھے کچھ نہیں ملا، میں آج شام لوگوں سے اس معاملہ میں استفسار کروں گا“۔ جب انہوں نے ظہر کی نماز پڑھی تو لوگوں سے پوچھنے لگے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے فرمایا: ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا کہ آپ نے اسے چھٹا حصہ دیا“۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: ”کیا کسی اور نے آپ کے ساتھ سنا ہے“۔ محمدؓ بن مسلمہ نے کھڑے ہو کر فرمایا: ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسے چھٹا حصہ دیتے ہوئے دیکھا“۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس حکم کو دادی کے لیے جاری کر دیا (۷۰)۔

امام ذہبی نے اس روایت کو نقل کرنے سے قبل فرمایا: "وكان اول من احتاط فى قبول الاخبار" (۷۱)[وہ (حضرت ابوبکر صدیقؓ) پہلے شخص تھے جنہوں نے قبول اخبار میں احتیاط کی]۔ اس طرح حضرت عمر فاروقؓ بھی احادیث رسول ﷺ کے سلسلہ میں بہت محتاط رہے اس لیے انہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے تین دفعہ سلام کرنے پر گواہ طلب کیا۔ امام ذہبی ان کے متعلق فرماتے ہیں: "ففى هذا دليل على الخبر اذا رواه ثقتان كان اقوى وارجع مما انفرد به واحد" (۷۲) (اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ حدیث کو جب دو ثقہ راوی بیان کریں تو زیادہ راجح ہوتی ہے۔ (بلسبت) اس سے جس کو ایک بیان کرے)۔

حضرت علیؓ احادیث رسول ﷺ کے متعلق اتنے محتاط تھے کہ جو حدیث انہوں نے خود نہ سنی ہوتی کسی اور سے سنتے تو اس کے متعلق اس سے حلف لیتے: "عن على بن ربيعة عن اسماء بن الحكم الفزارى انه سمع عليا يقول: كنت اذا سمعت رسول الله ﷺ حديثا نفعنى

اللّه بما شاء ان ینفعنی منه وکان اذا حدثنی عنه غیره استحلفته فاذا حلف صدقته، وحدثنی ابو بکر وصدق ابو بکر قال سمعت رسول اللّهﷺ یقول ما من عبد مسلم یذنب ذنبًا ثم یتوضأ ویصلی رکعتین ثم یستغفر اللّه الا غفر اللّه لــــه" (۷۳)(علی بن ربیعہ اسماء بن الحکم الفزاری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علیؓ کو فرماتے سنا۔ کہ جب میں رسول اللہﷺ سے کوئی حدیث سنتا تو اللہ جو چاہتا مجھے نفع دیتا۔ جب آپﷺ کے علاوہ کوئی اور مجھے حدیث بیان کرتا تو میں اس سے حلف طلب کرتا۔ جب وہ حلف اٹھا لیتا تو میں اس کو سچا سمجھتا۔ حضرت ابو بکرؓ نے مجھے حدیث بیان کی اور ابو بکرؓ نے سچ فرمایا۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہﷺ کو فرماتے سنا جب کوئی مسلمان آدمی گناہ کرتا ہے پھر وضو کرتا ہے اور دو رکعت نماز پڑھتا ہے پھر استغفار کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ نے اگر خود آنحضرتﷺ سے حدیث نہ سنی ہوتی تو کسی دوسرے سے سنتے ہوئے اس سے حلف لیتے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ انہیں ان لوگوں پر یقین نہ تھا تمام صحابہ کرام سچے لوگ تھے بلکہ ان کو اطمینان قلب اسی طرح سے ہوتا تھا۔ لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ سے جب حضرت علیؓ سنتے تو ان سے حلف نہ لیتے کیونکہ ان کو ایسا کہنا انہیں خود معیوب لگتا تھا اس لیے کہ صدیقؓ اکبر سے بڑھ کر کون سچا ہو سکتا ہے۔

صحابہ کرامؓ حدیث رسولﷺ کے سلسلے میں بہت محتاط تھے جب کہ اس زمانہ میں خدشہ بھی کم تھا۔ پھر بعد کے زمانہ میں اس کا خدشہ بھی بڑھ گیا۔ اسی وجہ سے آہستہ آہستہ اس معاملہ میں احتیاط اور تشدد بڑھتا گیا۔ حضرت عقبہ بن نافع کے متعلق ہے کہ وہ اپنی اولاد کو فرمایا کرتے: "لا تقبلوا الحدیث عــن رســول اللّهﷺ الا عــن ثــقة" (۷۴)(رسول اللہﷺ کی حدیث کو صرف ثقہ ہی سے قبول کرو)۔

قال ابو هریرة: "ان هذا العلم دین فانظروا عن تاخذونه" (۷۵)(حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا یہ علم دین ہے دیکھو آپ اس کو کس سے حاصل کرتے ہیں)۔

ابن معین نے اپنے بیٹے صہیب کو وصیت میں فرمایا: "یا بنی لا تقبلوا الحدیث عن

رسول اللہ ﷺ الا عن ثقة" (۷٦)(اے بیٹے رسول اللہ ﷺ کی حدیث ثقہ کے علاوہ کسی سے قبول نہ کرو)۔اسی قسم کا محمد بن سیرین کا بھی قول ہے:"انما هذا العلم دين فانظروا عمن تاخذونه"(۷۷)۔

ایسے ہی ایک قول امام مالکؒ سے بھی مروی ہے، وہ فرماتے ہیں:''یہ علم دین ہے دیکھو! آپ کن سے یہ دین حاصل کرتے ہو میں نے ستر ایسے آدمی دیکھے جو حدیثیں (مسجد نبوی کی طرف اشارہ کر کے ہی) بیان کرتے تھے۔ ہر ایک کہتا تھا فلاں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے کہا۔ میں نے ان سے کچھ بھی نہ لیا۔ اگر ان میں سے کسی کو بیت المال پر امین سمجھا جائے تو وہ امین ہوگا۔ ان سے حدیث نہ لینے کا سبب یہ تھا کہ وہ لوگ اس کے اہل نہ تھے۔ ابن شہاب ہمارے ہاں تشریف لاتے تو ہم ان کے دروازے پر اژدھام کر لیتے تھے'' (۷۸)۔

حدیث رسول ﷺ کے معاملہ میں جھوٹ بولنے والے کی لوگوں کے لیے نشاندہی کی جاتی تا کہ لوگ ان کے معاملہ میں دھوکہ نہ کھائیں۔ یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں:'' میں نے عبدالرحمان بن مہدی کو کہتے سنا: میں نے شعبۃ، ابن المبارک، الثوری اور امام مالک بن انس سے ایسے آدمی کے متعلق پوچھا جس پر تہمتِ کذب ہو۔ انہوں نے کہا:"انشره فانه دين" (۷۹)(اس کے متعلق بات کو پھیلائیے، یہ دین ہے)۔ اس معاملہ میں لوگ اپنے عزیز و اقارب کا بھی خیال نہ رکھتے تھے بلکہ اس کے متعلق گفتگو دین کا حصہ سمجھتے تھے۔

حماد بن زید کہتے ہیں کہ ہم نے شعبہ سے کہا کہ ابان بن سعید بن ابی عیاش کے متعلق اس کی عمر اور اس کے قریبی ہونے کی وجہ سے (آپ) بات (طعن کی) نہ کریں فرمانے لگے اے ابو اسماعیل:"لا يحل الكف عنه لان الامر دين" (۸۰)(اس کے متعلق گفتگو سے رُک جانا جائز نہیں کیونکہ یہ دین کا معاملہ ہے)۔

حضرت علی بن المدینیؒ سے ان کے والد کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا! میرے علاوہ کسی اور سے سوال کرو انہوں نے دوبارہ سوال کیا تو سر جھکایا اور پھر اٹھا کر فرمایا:"هو دين انه ضعيف"(۸۱)(یہ دین کا معاملہ ہے، وہ ضعیف ہے)۔

امام ذہبی نے اپنے بیٹے ابو ہریرہ کے متعلق فرمایا: "انه حفظ القرآن ثم تشاغل عنه" (۸۲) (اس نے قرآن مجید کو حفظ کیا پھر اسے بھول گیا)۔

ان تمام حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ محدثین عظام حدیث اور دوسرے معاملات میں امین لوگ تھے۔ ان کے سامنے جب بھی کوئی ایسی بات ہوتی تو حق بیان کر دیتے۔ اسناد کے سلسلہ میں خاص کر پوچھ گچھ اور چھان بین اس وقت شروع ہوئی جب حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد لوگوں کو احادیث کے متعلق خدشہ ہوا کہ اس میں ملاوٹ نہ کر دی جائے۔ اس سلسلہ میں محمد بن سیرین (م ۱۱۰ھ) جو کہ کبار تابعین میں سے ہیں، کا قول بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے وہ فرماتے ہیں: "لم یکونوا یسئلون عن الاسناد حتی وقعت الفتنة فلما وقعت نظروا من کان من اهل السنة ومن کان من اهل البدع ترکوا حدیثه" (۸۳) (وہ اسناد کے متعلق فتنہ (شہادت عثمانؓ) کے وقوع سے قبل سوال نہ کرتے تھے جب فتنہ واقع ہوتا تو دیکھتے تھے کہ اہل سنت کون ہے اور اہل بدعت کون ہے؟ اس صورت میں اہل بدعت کی احادیث چھوڑ دیتے تھے)۔

انہی کا ایک اور قول ہے: "لم یکونوا یسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قال سموا لنا رجالکم فینظر الی اهل السنة فیوخذ حدیثهم وینظر الی اهل البدع لا یوخذ حدیثهم" (۸۴) (وہ اسناد کے متعلق سوال نہ کرتے تھے۔ جب فتنہ وقوع پذیر ہوا تو انہوں نے کہا ان آدمیوں کے نام لو۔ پس اہل سنت کو دیکھا جاتا تھا اور ان کی احادیث لی جاتی تھیں۔ اہل بدعت کو دیکھا جاتا تھا اور ان کی احادیث نہیں لی جاتی تھیں)۔

حضرت عبداللہؓ بن عباس صغار صحابہ میں شمار ہوتے ہیں، ان کی پیدائش ہجرت سے تین سال قبل ہوئی اور وفات ۶۸ھ میں ہوئی۔ ان کے لیے آنحضرت ﷺ نے خود فہم قرآن کی دعا کی (۸۵)۔ ان کا ایک واقعہ امام مسلم نے نقل کیا ہے۔

مجاہد سے روایت ہے کہ بشیر العدوی حضرت ابن عباسؓ کے پاس آیا اور حدیث بیان کرنے لگا اور کہنے لگا۔ "قال رسول اللہ ﷺ، قال رسول اللہ ﷺ" مجاہد کہتے ہیں حضرت ابن عباس نے اس کی روایت کی طرف کوئی توجہ نہ کی، نہ ادھر دیکھا۔ وہ کہنے لگا: "اے ابن عباس! کیا وجہ ہے کہ

آپ میری بات نہیں سنتے۔ میں تو رسول اللہ ﷺ کی حدیث سناتا ہوں اور آپ نہیں سنتے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ''ایک وقت تھا جب ہم کسی آدمی کو یہ کہتے سنتے، "قال رسول اللہ ﷺ تو ہماری نگاہیں اس پر جم جاتیں اور ہمارے کان اس کی بات سنتے۔ لیکن جب لوگ ہر اونچی نیچی جگہ پر سوار ہونے لگے (صحیح اور غلط بیان کرنے لگے تو) ہم صرف وہی چیز لیتے ہیں جو جانتے ہیں'' (۸۶)۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کی حیات میں ہی حدیث رسول کے رواۃ کے متعلق احتیاط سے کام لیا جاتا تھا اور احادیث صرف ایسی لی جاتی تھیں جن کے متعلق ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا۔ حدیث رسول کی عظمت ان کے دلوں میں بہت زیادہ تھی، اس کی عظمت کی بنا پر اس میں احتیاط بھی زیادہ کی گئی۔ یحییٰ بن سعید القطانؒ کہتے ہیں۔ پہلا شخص جس نے اسناد حدیث کی تفتیش کی وہ عامر شعبیؒ (۱۷ھ-۱۰۶ھ) ہیں۔ ربیع بن خیثم نے ایک حدیث پڑھ کر سنائی، شعبی نے کہا میں نے کہا "من حدثك ؟" (آپ کو کس نے حدیث سنائی؟) فرمایا: عمر بن میمون نے، اور اس سے میں نے پوچھا تھا ''من حدثك ؟'' (آپ کو کس نے حدیث سنائی؟) فقال: ابو ایوب صاحب رسول اللہ ﷺ (اس نے کہا حضرت ابو ایوبؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھی نے)۔ یحییٰ بن سعید القطانؒ فرماتے ہیں: "وھذا اول من فتش عن الاسناد" (۸۷) (یہ پہلا شخص ہے جس نے سند کے متعلق پوچھا)۔

صحابہ کرام اور کبار تابعین کے زمانہ کے بعد کذب کے پھیلنے کے سبب سے سند کی تاکید زیادہ ہوگئی۔ بعد ازاں اس کی ضرورت اتنی بڑھ گئی کہ جو محدث چاہتا کہ اس کی روایات کو قبول کیا جائے اور ان کی تصدیق کی جائے تو وہ ضرور حدیث کو سند سے بیان کرتا۔ ابن سیرینؒ، شعبہؒ، محمد بن مسلم بن شہاب الزھریؒ، سفیان الثوریؒ اور عامر الشعبیؒ اسناد حدیث کے متعلق سوال کرتے تھے اور راوی حدیث کے حالات کا جائزہ لیتے تھے۔ بعض اقوال جو اوپر گزر چکے ہیں وہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں مزید کچھ دلائل یہاں پیش کیے جا رہے ہیں۔

امام سفیان الثوری نے فرمایا: "لما استعمل الرواۃ الکذب استعملنا لھم التاریخ" (۸۸) (جب راویوں نے جھوٹ بولنا شروع کیا تو ہم نے ان کے لیے تاریخ کو استعمال

کیا)۔ یعنی ماہ وسال کا حساب پوچھنا شروع کیا۔ جن سے وہ بیان کرتے تھے ان کے متعلق سوالات کہ کس وقت اور کس جگہ ان سے سنا۔ اس سے سچ اور جھوٹ کا پتہ چل جاتا تھا کیونکہ محدثین کو علم تھا کہ جس سے راوی بیان کر رہا ہے وہ کس زمانہ میں کہاں ہوا اور کب اور کہاں فوت ہوا۔

حفص بن غیاث نے فرمایا: "اذا اتهمتم الشيخ فحاسبوه بالسنين يعني احسبوا سنه وسن من كتب عنه" (۸۹) (جب آپ شیخ کے متعلق بدگمان ہوں تو دو عمروں سے اس کا محاسبہ کرو یعنی اس کی عمر شمار کرو اور جس (راوی) سے وہ لکھتا ہے اس کی عمر کا حساب لگاؤ)۔

کتب رجال حدیث میں اس قسم کے کئی واقعات ملتے ہیں جن میں محدثین نے کذاب لوگوں کا ناطقہ بند کیا اور ان کو برسر عام رسوا کیا تاکہ لوگوں کو عبرت ہو۔ چنانچہ یحییٰ بن صالح سے روایت ہے:" حدثنا عفير بن معدان الكلاعي قال: "قدم علينا عمر بن موسىٰ حمص، فاجتمعنا في المسجد فجعل يقول "حدثنا شيخكم الصالح" فلما اكثر قلت له من شيخنا هذا الصالح سمه لنا نعرفه" قال فقال خالد بن معدان قال: قلت له فاين لقيته؟ قال: لقيته في غزاة ارمينية۔ قال: فقلت اتق الله يا شيخ ولا تكذب مات خالد بن معدان سنة اربع ومایة وانت تزعم انك لقيته بعد موته باربع سنين وازيدك اخرى انه لم يغز ارمينية قط! كان يغزوا الروم" (۹۰) (الکلاعی فرماتے ہیں حمص میں ہمارے ہاں عمر بن موسیٰ آئے ہم مسجد میں ان کے پاس اکٹھے ہو گئے وہ کہنے لگے "حدثنا شيخكم الصالح" (آپ کے شیخ صالح نے مجھے حدیث بیان کی) جب بہت زیادہ اس طرح سے کہنے لگا تو میں نے کہا یہ کون ہمارا نیک شیخ ہے؟ ہمیں ان کا نام بتایئے تاکہ ہم جان لیں اس نے کہا: خالد بن معدان۔ میں نے کہا انہیں کس سال ملے تھے اس نے کہا ۱۰۸ھ میں ملا تھا۔ میں نے کہا آپ انہیں کہاں ملے تھے، کہنے لگے میں انہیں ارمینیہ کی جنگ میں ملا تھا۔ میں نے کہا اے شیخ! اللہ سے ڈرو اور جھوٹ نہ بولو۔ خالد بن معدان ۱۰۴ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ آپ کا بیان ہے کہ آپ (انہیں ان کی) وفات سے ۴ سال بعد ملے۔ مزید برآں کہ انھوں نے ارمینیہ میں کبھی جنگ نہیں کی۔ انہوں نے تو روم میں جنگ لڑی تھی)۔

اس قسم کا ایک واقعہ امام ابوعبداللہ الحاکم صاحب المستدرک علی الصحیحین سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں ''ابوجعفر محمد بن حاتم الکشی ہمارے ہاں آئے اور عبد بن حمید سے حدیث بیان کرنے لگے۔ میں نے ان سے ان کی پیدائش کے بارے میں سوال کیا۔ کہنے لگے کہ میں دوسو ساٹھ ہجری میں پیدا ہوا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا اس شیخ نے عبد بن حمید سے ان کی وفات کے تیرہ سال بعد سنا (۹۱)۔

اسی قسم کا ایک اہم واقعہ خطیب بغدادی کے زمانہ میں پیش آیا۔ بعض یہودی لوگوں نے قائم کے وزیر اعلیٰ ابوالقاسم کے سامنے ۴۴۷ھ میں ایک خط پیش کیا۔ جس کے متعلق دعوٰی کیا گیا کہ یہ آنحضرت ﷺ کا خط اور حضرت علیؓ کی تحریر تھی۔ اس خط میں یہ لکھا تھا کہ خیبر کے یہود سے جزیہ ساقط ہو گیا ہے، اس بات پر صحابہ کرامؓ کی گواہی ثبت تھی۔ وزیر اعلیٰ نے یہ خط الحافظ الحجہ ابوبکر الخطیب کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے اس پر غور کرنے کے بعد فرمایا یہ جھوٹا خط ہے۔ کہا گیا آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ فرمایا اس میں حضرت معاویہؓ کی گواہی ہے۔ وہ (فتح مکہ) کے سال مسلمان ہوئے (فتح مکہ ۸ھ میں ہوا) اور فتح خیبر سات ہجری میں ہوئی۔ اس میں سعد بن معاذ کی گواہی ہے وہ یوم قریظہ کو فوت ہو گئے جو کہ خیبر سے دو سال قبل ہوا۔ جو کچھ خطیب بغدادی نے ابوالقاسم سے کہا اس نے اسے قبول کیا اور ان کی بات پر یقین کیا۔ یہود کے بیان کردہ خط کے محتویات پر یقین نہ کیا کیونکہ یہ جھوٹا ثابت ہو گیا تھا (۹۲)۔

خطیب بغدادیؒ کے اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محدثین نے راویوں کے حالات معلوم کرنے میں بہت دقت نظر سے کام لیا۔

محدثین حدیث کی تفتیش اور تحقیق کے لیے بڑے بڑے سفر کرتے تھے۔ نصر بن حماد الوراق سے روایت ہے ہم شعبہ کے دروازے کے پاس حدیث کا مذاکرہ کر رہے تھے۔ میں نے کہا ہمیں اسرائیل نے حدیث بیان کی، اس نے ابواسحاق سے، اس نے عبداللہ بن عطاءؒ سے، اس نے عقبہ بن عامر الجہنیؓ سے، انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں باری باری اونٹ چراتے تھے۔ ایک دن میں آیا آنحضرت ﷺ کے اردگرد صحابہؓ تھے۔ میں نے آپ ﷺ کو فرماتے سنا ''جس نے وضو کیا پھر دو رکعت نماز پڑھی پھر اللہ سے بخشش طلب کی اس کی مغفرت ہو جاتی ہے''۔ میں نے کہا واہ واہ! میرے پیچھے سے ایک آدمی نے مجھے کھینچا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ عمر بن الخطاب تھے۔ فرمانے لگے تجھے کیا ہے

آفرین آفرین کہتا ہے۔ میں نے کہا اس بات کو پسند کرتے ہوئے۔ حضرت عمرؓ کہنے لگے اگر تم نے اس سے پہلے والی بات سنی ہوتی تو تمہیں معلوم ہوتا کہ وہ اس سے بھی تعجب انگیز تھی میں نے کہا آپ ﷺ نے کیا فرمایا؟ حضرت عمرؓ نے کہا آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جس نے گواہی دی کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اسے کہا جائے گا آپ جنت کے جس دروازے سے چاہیں داخل ہوجائیں۔

نصر بیان فرماتے ہیں شعبہ باہر تشریف لائے اور انہوں نے میرے منہ پر تھپڑ مارا پھر دوبارہ اندر داخل ہو گئے۔ نصر کہتے ہیں میں ایک طرف ہو کر رونے لگا۔ پھر وہ نکلے تو پوچھنے لگا اس کو کیا ہو گیا ہے کہ رو رہا ہے۔ عبداللہ بن ادریس نے کہا آپ نے اس سے زیادتی کی ہے۔ شعبہ کہنے لگے دیکھو وہ کیا بیان کرتا ہے۔ اسرائیل سے، وہ ابو اسحاق سے، وہ عبداللہ بن عطاء سے، وہ عقبہ بن عامر سے، وہ آنحضرت ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔ (شعبہ کہتے ہیں) میں نے ابو اسحاق سے پوچھا: آپ کو کس نے بیان کیا۔ اس نے کہا: عبداللہ بن عطاء نے بیان کیا۔ انہوں نے عقبہ بن عامر سے، انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے۔ میں نے ابو اسحاق سے کہا: کیا عبداللہ نے عقبہ سے سنا؟ (شعبہ) کہنے لگے وہ (ابو اسحاق) غصہ میں آگئے۔ مسعر بن کدام بھی وہاں موجود تھے۔ مسعر نے مجھے کہا: تو نے شیخ کو ناراض کر دیا۔ میں نے کہا یا تو اس حدیث کو صحیح ثابت کریں ورنہ میں اس کو پھینک دوں گا۔ مسعر نے مجھے کہا: یہ عبداللہ بن عطاء مکہ میں ہیں۔ شعبہ نے کہا: میں نے مکہ کا سفر کیا، میرا حج کا ارادہ نہ تھا بلکہ اس حدیث کی طلب کا ارادہ تھا۔ میں عبداللہ بن عطاء سے ملا، ان سے اس روایت کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے کہا سعد بن ابراہیم نے مجھے بیان کیا۔ شعبہ کہتے ہیں میں مالک بن انس سے ملا۔ اور ان سے سعد کے متعلق سوال کیا۔ انہوں نے کہا سعد بن ابراہیم مدینہ میں ہیں۔ اس سال انہوں نے حج نہیں کیا۔ میں نے مدینہ منورہ کا سفر کیا۔ مدینہ میں سعد بن ابراہیم سے ملا۔ اور میں نے ان سے پوچھا۔ انہوں نے کہا (یہ) حدیث آپ کے ہاں سے ہے مجھے زیاد بن مخراق نے حدیث بیان کی جب انہوں نے زیاد بن مخراق کا ذکر کیا تو میں نے کہا یہ کون سی چیز ہے؟ وہ کوفی تھا پھر مدنی ہو گیا پھر بصری ہو گیا۔ شعبہ کہتے ہیں میں نے بصرہ کا سفر کیا۔ میں زیادہ بن مخراق سے ملا وہ کہنے لگا: حدیث آپ کی بانت (عمارت) میں سے نہیں

ہے۔ میں نے کہا آپ مجھے بیان کریں۔ کہنے لگا تو نہ لوٹائے گا۔ میں نے کہا: آپ یہ مجھے بتائیں (بیان کریں) کہنے لگا مجھے شہر بن حوشب نے بیان کیا۔ میں نے کہا: مجھے اس حدیث سے کیا اگر اس جیسی آنحضرت ﷺ سے صحیح (روایت) ہوتو یہ مجھے اپنے اہل و مال اور تمام لوگوں سے زیادہ پسند ہے۔

اس حدیث کو لکھنے کے بعد ابن عبدالبر لکھتے ہیں: "هكذا يكون البحث والتفتيش وهذا معروف من شعبة" (بحث اور تفتیش اس طرح ہوتی ہے اور شعبہ کے متعلق یہ بات مشہور ہے) اس لیے ان (شعبہ) کے بارے میں ابوعبدالرحمٰن النسائی نے کہا۔ اللہ کے رسول کی حدیث پر اللہ کے تین امین ہیں۔ مالک بن انس، شعبہ بن الحجاج اور یحییٰ بن سعید القطان (۹۳)۔

یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں جب سند کے متعلق عام بحث وتفتیش ہونے لگی تو اہل علم ہی نہیں بلکہ عام لوگ بھی سند کے متعلق پوچھنے لگ گئے۔ ایک عام اعرابی سفیان بن عیینہ کے پاس آیا اور پوچھنے لگا۔ آپ حج کرنے والی ایسی عورت کے متعلق کیا کہتے ہیں جو بیت اللہ کے طواف سے پہلے حیض کی حالت میں ہوگئی؟ سفیان نے جواب دیا وہ سب کچھ کرے جو عام حاجی کرتے ہیں۔ صرف بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔ اعرابی نے کہا: کوئی نمونہ ہے؟ سفیان نے کہا: ہاں۔ حضرت عائشہؓ کو بیت اللہ کا طواف کرنے سے قبل حیض آ گیا۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ طواف کے سوا سب کچھ کریں۔ اعرابی نے کہا ان تک بلاغ (سند) ہے؟ انہوں نے کہا ہاں مجھے عبدالرحمان بن القاسم نے اپنے باپ سے بیان کیا، انہوں نے حضرت عائشہؓ سے یہ بیان کیا۔ اعرابی کہنے لگا۔ آپ نے اچھا نمونہ بیان کیا اور صحیح پہنچایا۔ اللہ آپ کی صحیح رہنمائی کرے (۹۴)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ایک عام اعرابی نے سند کا اور پھر کامل سند کا سوال کیا اور ابن عیینہ نے ان کو جواب دینے اور اس کے سوال پوچھنے میں کوئی تنگی محسوس نہ کی۔ بلکہ جو کچھ ان سے پوچھا اس کا خوش دلی سے جواب دیا۔

محدثین حدیث کو ہر لحاظ سے پرکھتے تھے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: ''ابن سیرینؒ، ابراہیم النخعیؒ اور کئی تابعین کا یہ خیال ہے کہ صرف اس شخص سے حدیث قبول کی جائے جو معروف ہو اور حفظ کرتا ہو۔ میں نے اہل علم میں سے کسی کو نہیں دیکھا جو اس مذہب کا مخالف ہو'' (۹۵)۔

اس کے متعلق ابراہیم بن حبیش کے شعر بہت عمدہ ہیں:

یا طالبی العلم والروایات ان الروایات ذا آفات

لا تاخذو العلم عن أخی تهم الا عن الجائز الشهادات

اذا رضیتم منه الامانة والد ین له طوّقوا الامانات(۹۶)

(اے طلبا! اور روایت کے طالبو، روایات میں بڑی مصیبتیں ہوتی ہیں، تہمت زدہ سے علم حاصل نہ کرو، ایسے آدمی سے علم حاصل کرو جس کی گواہی درست ہو۔ جب اس کی امانت اور دین سے خوش ہو جاؤ تو جو کچھ بھی دے لے لو)۔

امام شافعیؒ نے امام سفیان عیینہ کا مرثیہ اس طرح سے کیا:

من للحدیث عن الزهری یسنده وللاحادیث عن عمرو بن دینار

ما قام من بعده مـن قال حدثنا الزهری فی اهل البدو والحضر(۹۷)

اسناد کا ذکر اطمینان کا باعث تھا بھز بن حکیم کا یہ قول اس بات کا ثبوت ہے جب ان کے سامنے صحیح سند بیان ہوتی تو فرماتے: "هـذه شهـادات الـرجـال الـعدول المرضیین بعضهم علی بعض" (۹۸) (یہ ایسے لوگوں کی گواہیاں ہیں جو عادل ہیں اور ایک دوسرے پر رضامند ہیں)۔

مستشرقین اور سندِ حدیث

سندِ حدیث کا مفہوم

سند در حقیقت متن حدیث کا طریقہ یعنی راویوں کا سلسلہ ہے(۹۹)۔ اس بارے میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: وہ ایسا راستہ ہے جو متن تک پہنچاتا ہو(۱۰۰)۔ سندِ حدیث متن سے پہلے آتی ہے اس کو طریق کہا جاتا ہے کیونکہ وہ مقصد تک پہنچاتا ہے(۱۰۱)۔

قرآن حکیم کی روشنی میں سند حدیث کی اہمیت

اسلام میں تحقیق کے بغیر کسی بات کے قبول کرنے کو درست قرار نہیں دیا گیا۔ ارشاد ربانی ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ (۱۰۲)(اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم بے جانے بوجھے کسی قوم پر چڑھ دوڑو اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو)۔

محدثین نے راویوں کی جانچ پرکھ کے لیے جرح و تعدیل جیسے اہم علم کی بنیاد ڈالی۔ "وَاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ"(۱۰۳)(اپنے میں سے دو منصف افراد کو گواہ کر لو)۔

جس طرح گواہ کے لیے قابل اعتماد اور منصف مزاج ہونا ضروری ہے ایسے ہی راوی کی بنیادی صفت بھی عدالت یعنی سیرت کی پاکیزگی ہے۔

حدیث نبوی ﷺ کی روشنی میں سند حدیث کی اہمیت

"عن ابن ابي بكرة عن ابيه أن النبي ﷺ قال (في خطبة يوم النحر) ليبلّغ الشاهد الغائب فان الشاهد عسى ان يبلغ من هو اوعى له منه"(۱۰۴)(ابن ابی بکرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے قربانی کے دن خطبے میں ارشاد فرمایا: جو حاضر ہیں وہ (میری باتیں) اُن تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ حاضر کی بہ نسبت غائب زیادہ قوت حافظہ رکھتا ہو)۔

آپ ﷺ کے اس فرمان کی بنا پر آپ ﷺ کی احادیث صحابہ کرامؓ کے توسط سے تابعینؒ کو، اُن سے تبع تابعینؒ کو اور پھر یہ روایات کتب حدیث کے توسط سے ہم تک پہنچیں۔

''عن سمرة بن جندب والمغيرة بن شعبة قالا قال رسول الله من حدث عني بحديث يرى انه كذب فهو احد الكاذبين" (۱۰۵) (سمرہ بن جندبؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''جو مجھ سے حدیث روایت کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ وہ جھوٹ ہے تو ایسا شخص جھوٹوں میں سے ایک ہے)۔

احادیث کا گھڑنا اور نبی اکرم ﷺ کے نام انہیں منسوب کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ حدیث روایت کرنے سے پہلے رواۃ حدیث کے بارے میں جانیں، راوی کے سچے اور جھوٹے ہونے کی پہچان سند کے بغیر ممکن نہیں۔

راوی کی تحقیق کے بغیر محض سنی سنائی باتوں کو دوسروں تک پہنچانا بھی جھوٹ ہی کی ایک قسم ہے اس کے متعلق میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''عن المغيرة بن شعبة قال سمعت رسول الله يقول: انّ كذبًا علىّ ليس ككذب على احدٍ فمن كذب على متعمدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعدهٗ مِنَ النّار" (۱۰۶) (حضرت مغیرہؓ بن شعبہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا مجھ پر جھوٹ اور افترا پردازی کسی عام انسان پر جھوٹ باندھنے کی طرح نہیں ہے۔ اس لیے کہ جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا (جان بوجھ کر) وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے)۔

سندِ حدیث کا آغاز وارتقاء

قرآن حکیم کے بعد حدیث رسول ﷺ کی قدر و منزلت ابتدائی دور سے چلی آرہی ہے۔ حدیث نبوی ﷺ کی قبولیت کے لیے احتیاط بھی ابتدائی دور سے ہی شروع ہوگئی تھی۔ اسی نے بعد میں ایک علم کی صورت اختیار کرلی۔

صحابہ کرامؓ روایت حدیث کے لیے بہت محتاط رویہ اختیار کرتے تھے۔ حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ ہم نے تمام احادیث آنحضرت ﷺ سے نہیں سنیں۔ ہمارے ساتھی بھی حدیثیں بیان کرتے تھے جو حدیث نہ سن سکتے وہ اپنے ساتھیوں سے سنتے اور ان سے جو زیادہ یاد رکھنے

والے ہوتے اور جن سے وہ سنتے وہ نہایت حزم واحتیاط سے کام لیتے تھے (۱۰۷)۔

حضرت ابوبکرؓ حدیث کے بارے میں بہت محتاط روش کے علمبردار تھے۔ انہوں نے بغیر تحقیق کے روایات کی کثرت کو روکنے اور احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھنے اور فروغ دینے کے لیے حدیث میں اصول شہادت کو بنیاد بنایا۔ کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو صحابہؓ سے پوچھتے اور اطمینان حاصل کرتے جیسا کہ دادی کی میراث والے مسئلے میں آپؓ نے کیا (۱۰۸)۔

امام ذہبیؒ کہتے ہیں: ''حضرت ابوبکر صدیقؓ پہلے شخص تھے جنہوں نے قبول اخبار میں احتیاط کی'' (۱۰۹) حضرت عمر فاروقؓ بعض صحابیوں کی روایات پر مزید تائید کا مطالبہ کرتے۔ ایک بار حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو اپنی تائید میں کسی کو پیش کرنے کا اہتمام کرنا پڑا اور انہوں نے ابوسعید خدریؓ کو بطور گواہ پیش کیا، چنانچہ حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے دروازے کے پیچھے سے تین دفعہ حضرت عمرؓ کو سلام کہا انہوں نے اجازت نہ دی (نہ جواب دیا) وہ لوٹ گئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کے پیچھے پیغام بھیجا اور پوچھا کہ آپ لوٹ کیوں گئے تھے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''اذا سلم احد کم ثلاثًا فلم یجب فلیرجع'' (۱۱۰) (جب کوئی تم میں سے تین دفعہ سلام کرے اور اسے جواب نہ دیا جائے تو لوٹ جائے)۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''آپ اس بات پر کوئی دلیل (گواہ) لائیں ورنہ میں نہ چھوڑوں گا۔ حضرت ابوموسیٰؓ ہمارے پاس اس حالت میں آئے کہ ان کا رنگ متغیر تھا۔ ہم نے وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا اور پوچھا کہ آپ میں سے کسی نے یہ سنا ہے۔ ہم نے کہا کہ ہم تمام نے سنا ہے۔ انہوں (صحابہؓ) نے ایک آدمی ان کے ساتھ بھیج دیا اور اس نے حضرت عمرؓ کو جا کر بتایا۔ حضرت عمرؓ نے اس بات کو پسند فرمایا کہ حضرت ابوموسیٰؓ کی حدیث کی تائید ہو جائے۔ اس کو نقل کر کے امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: ''اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ حدیث کو جب دو ثقہ راوی بیان کریں تو وہ زیادہ راجح ہوتی ہے بہ نسبت اس کے جس کو ایک بیان کرے'' (۱۱۱)۔

حضرت علیؓ بھی روایت حدیث کے قبول کرنے میں اتنے احتیاط پسند تھے کہ جو حدیث انہوں نے خود نہ سنی ہوتی اسے کسی اور سے سنتے ہوئے اطمینان کے لیے قسم لیتے تھے (۱۱۲)۔

سیدنا علیؓ نے خود اس بات کو ابوبکر صدیقؓ سے حدیث بیان کرتے ہوئے اپنی مذکورہ شرط کا ذکر کیا (۱۱۳)۔ حضرت علیؓ جس طرح حدیث روایت کرنے والے سے قسم لیتے تھے اسی طرح اگر کوئی پوچھنے والا حدیث کے بارے میں آپ سے پوچھتا تو جواباً خود بھی قسم کھاتے اور فرماتے (ای ورب الکعبة) (۱۱۴)۔ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: "ان ھذا العلم دین فانظروا عمن تاخذونه" (۱۱۵) (یہ علم دین ہے، اس لیے دیکھو کہ تم کس سے اس کو حاصل کر رہے ہو)۔ حضرت عقبہؓ بن نافع اپنی اولاد کو ان الفاظ میں وصیت کیا کرتے تھے: "لا تقبلوا الحدیث عن رسول اللهﷺ الا عن ثقة" (۱۱۶) (رسول اللہﷺ کی حدیث کو صرف ثقہ سے ہی قبول کرو)۔

مشہور تابعی عطا بن ابی رباحؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مشہور صحابی حضرت ابوایوب انصاریؓ، حضرت عقبہ بن عامرؓ کے پاس مصر تشریف لے گئے۔ جب ابوایوبؓ انصاری مصر کے امیر مسلمہؓ بن مخلد کے مکان پر پہنچے تو اطلاع ملنے پر مسلمہؓ فوراً باہر آئے اور گلے ملے اور دریافت کیا، کیسے یہ سفر فرمایا؟ حضرت ابوایوبؓ نے فرمایا ایک حدیث میں نے رسول اللہﷺ سے سنی تھی اب اس کے سننے والوں میں سے میرے اور عقبہؓ کے سوا اور کوئی باقی نہیں رہا ہے۔ آپ میرے ساتھ کسی کو بھیج دیجیے جو عقبہؓ کا مکان مجھے بتلا دے۔ جب ابوایوبؓ عقبہؓ کے پاس پہنچے تو وہ فوراً باہر تشریف لائے، معانقہ کیا اور اس سفر کی زحمت گوارا کرنے کی وجہ دریافت کی۔ حضرت ابوایوبؓ نے فرمایا "ستر المؤمن" کے بارے میں آنحضورﷺ سے براہ راست حدیث سننے والا میرے اور آپ کے سوا کوئی باقی نہیں رہا ہے، حضرت عقبہ بن عامرؓ نے فرمایا جی ہاں میں نے رسول اللہﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "من ستر مومنا في الدنیا علی خزیة ستره الله یوم القیامة" (جس نے کسی مومن کے شرمناک عمل پر پردہ پوشی کی تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے عیوب پر پردہ ڈال دے گا)۔

یہ روایت سننے کے بعد ابوایوبؓ نے فرمایا "صدقت" "عقبہ! آپ نے سچ فرمایا۔ اس کے بعد ابوایوبؓ اپنی سواری کی طرف پلٹے اور مدینہ منورہ واپسی کے لیے اس پر سوار ہو گئے۔ امیر مصر کا عطیہ ان کو اس وقت ملا جبکہ وہ مصر کی سرحد پر پہنچ چکے تھے (۱۱۷)۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ نے مدینہ سے مصر تک کا طویل سفر ایک حدیث کی خاطر کیا تا کہ

اس حدیث کے لفظوں میں کسی قسم کا شک نہ رہ جائے۔ حضرت ابوایوبؓ اپنے شاگردوں سے اس کی تصدیق مدینہ ہی میں کر سکتے تھے لیکن انہوں نے براہ راست حضرت عقبہؓ سے معلوم کرنا ضروری خیال کیا اس لیے کہ انہوں نے براہ راست نبی ﷺ سے حدیث سنی تھی۔

ابن عقیل سے روایت ہے کہ حضرت جابرؓ بن عبداللہ طلب حدیث کیلئے اپنے سفر کا قصہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے اونٹ خریدا اور ایک ماہ کا سفر طے کر کے ملک شام میں عبداللہ بن انیسؓ کے مکان پر پہنچا۔ قاصد کے ذریعے گھر اطلاع کرائی گئی۔ وہاں سے سوال کیا گیا کہ جابر بن عبداللہؓ تشریف لائے ہیں؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو فوراً عبداللہ بن انیسؓ باہر تشریف لائے اور مجھے گلے لگایا، میں نے ان سے کہا، مجھے ایک حدیث کا علم ہوا ہے جسے براہ راست میں نے آپ سے نہیں سنا ہے، مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں ہم دونوں میں سے کسی کو موت کا پیغام نہ آ جائے اس لیے میں نے سفر میں جلدی کی، عبداللہ بن انیسؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرے گا اس حال میں کہ وہ برہنہ بدن، بے ختنہ اور بے سروسامان ہوں گے، ہم نے پوچھا بہما کے معنی کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا، ایسے اشخاص جن کے پاس کچھ نہ ہو پھر اللہ تعالیٰ ان کو پکارے گا ایسی آواز جس کو دور والے بھی سنیں گے۔ راوی کا بیان ہے کہ میرا گمان ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے بعد فرمایا جیسے قریب والے سنتے ہیں (اللہ تعالیٰ فرمائے گا) میں ہی بادشاہ ہوں، کوئی جنتی، جنت میں داخل نہ ہوگا اس حال میں کہ کوئی دوزخی ظلم کی بنا پر اس سے (قصاص) کا مطالبہ کر رہا ہو، اور کوئی دوزخی دوزخ میں داخل نہ ہوگا اس حال میں کہ کوئی جنتی اس سے ظلم کی وجہ سے بدلہ کا تقاضا کر رہا ہو'' (۱۱۸)۔ اگر صحابہ کے نزدیک سند کی کوئی اہمیت نہ ہوتی تو صحابی رسول حضرت جابرؓ بن عبداللہ صرف ایک حدیث کی خاطر اتنا لمبا دشوار گزار سفر اختیار نہ کرتے۔

عبداللہ بن ابی فروہؒ، امام زہریؒ کے پاس گئے اور حدیث بیان کرنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، دو دفعہ کہا۔ امام زہریؒ نے فرمایا ابن ابی فروہ اللہ تمہیں تباہ و برباد کرے تو اللہ کے بارے میں کتنی جرأت کرنے والا ہے۔ اپنی حدیث کی سند بیان نہیں کرتا تو ایسی حدیث بیان کرتا ہے جس کی نہ نکیل ہے نہ مہار (یعنی بے سند حدیثیں) (۱۱۹)۔ یہاں پر امام زُہری ابن

ابی فروہ سے سند بیان نہ کرنے پر سخت رویہ اختیار کیئے ہوئے نظر آتے ہیں جس سے محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے اسلاف نے اسناد کو کس قدر اہمیت دی ہے۔

ابو العباس الدغولی" نے محمد بن حاتم سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسناد کے ذریعہ اس امت کو شرف بخشا ہے (۱۴۰)۔ ابو بکر ابن العربی المعافری سے بھی اسی قسم کا قول منقول ہے (۱۴۱)۔

مستشرقین

مستشرق کے معنی مشرقی علوم کا ماہر اور مشرقی آداب سے آگاہ ہونے والے کے ہیں (۱۴۲)۔ ڈاکٹر عمر فروخ کے مطابق مستشرق علوم اسلامیہ کا وہ مغربی اسکالر ہوتا ہے جو غیر مسلم ہو (۱۴۳)۔ مستشرق درحقیقت ایک ایسے غیر مشرقی محقق کو کہتے ہیں جو مشرقی علوم، معاشرت اور ادب وغیرہ میں دلچسپی رکھتا ہے۔ معن زلفو مدینہ نے مغرب کے ان اسکالروں کو مستشرق کہا ہے جو اسلام، اسلامی تہذیب، اسلامی معاشرت اور اسلامی زبانوں میں دلچسپی رکھتے ہوں (۱۴۴)۔

تحریک استشراق کا آغاز وارتقاء

تحریک استشراق کا آغاز اسلام کے ابتدائی دور ہی میں ہوگیا تھا۔ اسلام کے خلاف سب سے پہلے تحریک چلانے والا ساتویں صدی عیسوی کا جان آف دمشق تھا۔ بارہویں صدی عیسوی کے اختتام تک صرف دو مستشرق ایسے ملتے ہیں جنہوں نے محمد ﷺ کی زندگی اور اسلامی تہذیب کا مطالعہ معروضی انداز میں کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان میں سے ایک پیٹر الفانسی (Peter Alfansi) جو ہسپانوی یہودی ہے اور دوسرا ولیم آف مالمسبری (William of Malmosbury) ہے (۱۴۵)۔

تحریک استشراق کا باقاعدہ اور منظم آغاز صلیبی جنگوں (۱۱ تا ۱۳ صدی عیسوی) کے بعد ایک دینی تحریک کے طور پر ہوا۔ اس تحریک کو سلطنت روما اور پاپائیت کی سرپرستی حاصل تھی۔ سترھویں صدی میں لندن، پیرس، کیمبرج، آکسفورڈ، گلاسگو، ایڈنبرا اور سینٹ انڈریوس کی جامعات میں علوم شرقیہ کی تدریس کے لیے شعبہ جات نے کام شروع کردیا (۱۴۶)، اسی صدی میں بڈویل (Bedwell) (م ۱۶۳۲ء) نے اپنی مشہور زمانہ کتاب "Muhammad The Imposture" (محمد

الکاذب) لکھی (نعوذ باللہ)۔ نجیب العقیقی نے اس عہد میں متعدد کتب کے تراجم عربی سے لاطینی زبان میں کیے جانے کا ذکر کیا ہے (۱۲۷)۔

استشراق کے تیسرے اور موجودہ دور کا آغاز اٹھارویں صدی عیسوی سے ہوا اور یہ اب تک جاری ہے۔ فرانس کے سلوسٹروی ساسی (۱۷۳۸-۱۶۵۸ء) اور برطانیہ کے ایڈورڈ ولیم لین (۱۸۰۱-۱۸۷۶) کو دورِ جدید کے استشراق کا بانی قرار دیا جا سکتا ہے (۱۲۸)۔ مستشرقین کی پہلی کانفرنس ۱۸۷۳ء میں پیرس میں ہوئی یہ سلسلہ جاری رہا۔ ۱۹۷۳ء تک ان میں ہر ایک کو شرکت کی اجازت تھی اب صرف اہلِ مغرب ہی کو شرکت کی اجازت ہے (۱۲۹)۔

بیسویں صدی کے اواخر میں صورت حال یہ ہے کہ اب مستشرقین، مستشرق کہلوانا پسند نہیں کرتے دوسری عالمگیر جنگ کے بعد وہ "ایڈوائزر" یا ایریا سٹڈی سپیشلسٹ/ ایکسپرٹ کہلوانا پسند کرتے ہیں (۱۳۰)۔

سندِ حدیث پر مستشرقین کے اعتراضات اور ان کے جوابات

اسنادِ حدیث کی ابتدا کے بارے میں مستشرقین کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ اکثر مستشرقین کی رائے میں اس کا آغاز دوسری صدی ہجری کے اواخر یا تیسری صدی ہجری کے آغاز میں ہوا۔ لیکن ہورووٹز اور رابسن اسنادِ حدیث کا آغاز پہلی صدی سے تسلیم کرتے ہیں۔

ہورووٹز Horovitz کہتا ہے:

"The first entry of the Isnad into the literature of tradition was in the last 3rd of first century"(131).

(ادب حدیث میں پہلی بار اسناد کے سلسلے کا آغاز پہلی صدی کے آخر تہائی میں ہوا)۔

رابسن کے مطابق:

"It is during the middle years of the first century of Islam that one would first expect anything like an Isnad. By then many of the companions were dead, and people who had not seen the Prophet would be telling stories about him. It might then

naturally occur to some to ask these men for their Authority. The growth of a hard and fast system must have been very gradual" (132).

[اسلام کی پہلی صدی کے وسط میں اسناد (جاری ہونے) کی توقع کی جا سکتی ہے، اس وقت تک بہت سے صحابہ وفات پا چکے تھے اور جن لوگوں نے نبی ﷺ کو نہیں دیکھا تھا وہ (صحابہ) اُن (ﷺ) کے بارے میں بہت سی باتیں بتاتے تھے۔ لہذا یہ قدرتی امر تھا کہ اُن سے اُن کی ثقاہت کے بارے میں پوچھا جائے۔ اسناد کا باضابطہ نظام بتدریج ظہور پذیر ہوا]۔

وہ مستشرقین جن کے خیال میں اسناد کا آغاز دوسری صدی کے اواخر یا تیسری صدی کے آغاز میں ہوا ان میں کیتانی (Caetani)، اسپرنگر، گولڈزیہر اور شاخت شامل ہیں۔

کیتانی (Caetani) کے مطابق قدیم محدث عروۃ بن زبیرؒ (م ۹۴ھ) نے کسی سند کو پیش نہیں کیا۔ کیتانی نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے چونکہ محمد ﷺ کی وفات کے تقریباً ساٹھ برس بعد عبدالملک کے دور تک اسناد کا رواج نہیں تھا۔ لہذا اسناد کا آغاز عروہؒ (م ۹۴ھ) اور ابن اسحاقؒ (م ۱۵۱ھ) کے دور کے مابین ہوا۔ اس کے خیال میں اسناد کا سلسلہ دوسری صدی کے آخر یا شاید تیسری صدی کے آغاز میں ہوا (۱۳۳)۔

اسپرنگر (Springer) کے مطابق عروہ (م ۹۴ھ) نے جو کچھ عبدالملک کو تحریر کیا وہ سند کے بغیر تھا بعد میں اس کے ساتھ اسناد جوڑی گئیں (۱۳۴)۔

شاخت لکھتا ہے: "There is no reason to suppose that the regular practice of using Isnad, is older than the beginning of the second century A.H."(135).

(اس مفروضے کو قائم کرنے کی کوئی دلیل نہیں کہ اسناد کے باقاعدہ استعمال کا رواج دوسری صدی ہجری کے آغاز سے قبل کا ہے)۔

گولڈزیہر نے مؤطا امام مالک (م ۱۷۹ھ) جس کا تعلق دوسری صدی ہجری سے ہے، پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس کے مطابق معنوی اعتبار سے یہ احادیث کا مجموعہ نہیں بلکہ اس میں عدالتی

فیصلوں کو ثابت کرنے کے لیے احادیث کو استعمال کیا گیا ہے۔گولڈ زیہر کے خیال میں امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) نے اسناد کی تفصیل بیان کرنے کے لیے کوئی مخصوص طریقہ اختیار نہیں کیا تھا بلکہ اکثر و بیشتر وہ عدالتی فیصلوں کے لیے ایسی احادیث بیان کرتے ہیں جن کا سلسلہ اسناد صحابہ تک ملا ہوا نہیں اور اس میں متعدد خامیاں موجود ہیں (۱۳۶)۔

مستشرقین نے اسناد حدیث پر جو اعتراضات کیے اس کی بنیاد امام ابن سیرین کا یہ قول ہے۔ وہ اسناد کے متعلق فتنہ کے وقوع سے قبل سوال نہ کرتے تھے۔ جب فتنہ واقع ہوا تو دیکھتے تھے کہ اہل سنت کون ہے اس کی حدیث لے لیتے تھے اور اہلِ بدعت کی احادیث چھوڑ دیتے تھے (۱۳۷)۔ایک اور روایت میں انہی کا قول ہے۔وہ اسناد کے متعلق سوال نہ کرتے تھے جب فتنہ وقوع پذیر ہوا تو انہوں نے کہا ان آدمیوں کے نام لو جو اہلِ سنت ہیں ان کی احادیث لے لی جاتی تھیں اور اہل بدعت کی احادیث نہیں لی جاتی تھیں (۱۳۸)۔

شاخت نے اس روایت کو من گھڑت قرار دیتے ہوئے اسے رد کیا ہے۔اس لیے کہ اس نے فتنے سے مراد اموی خلیفہ ولید بن یزید (۱۲۶ھ) کے قتل کا واقعہ لیا ہے اور جبکہ امام ابن سیرین کی وفات ۱۱۰ھ میں ہو چکی تھی (۱۳۹)۔

رابسن اپنے مقالہ The Isnad in Muslim Tradition میں شاخت کی رائے سے اتفاق نہیں کرتا کہ فتنے سے مراد ۱۲۶ھ کے واقعات ہیں جس کی بناپر اس نے ابن سیرین کے قول کو من گھڑت قرار دیا ہے۔رابسن لکھتا ہے: ”مجھے ان نتائج کی صحت پر شک ہے۔اس میں جس زمانہ کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ واقعی فتنے کا دور تھا، فتنے کے دور کا آغاز نہیں تھا۔اس سے قبل علیؓ اور معاویہؓ کے درمیان خانہ جنگی رہی ہے جو اسلام میں فرقہ بندی کا باعث بنی جس کے اثرات ابھی تک باقی ہیں۔لیکن یہ دور بھی اتنا ابتدائی ہے کہ ہمیں اس سے صرف نظر کیے بغیر چارہ نہیں۔زیادہ قرین قیاس وہ دور ہو سکتا ہے جب عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی خلافت کا اعلان کیا۔مؤطا میں امام مالک ابن عمرؓ کی یہ خواہش نقل کرتے ہیں کہ وہ فتنہ کے دوران مکہ جانا چاہتے تھے لیکن انہوں نے اپنے اس ارادے کا اظہار کیا کہ اگر انہیں وہاں تک پہنچنے نہ دیا گیا تو وہ نبی ﷺ کے اسوہ پر عمل کریں گے جب کہ انہیں صلح حدیبیہ کے سال

مکہ جانے سے روک دیا گیا تھا'' (۱۴۰)۔

یہ واقعات ۶۴ھ اور ۷۲ھ کے درمیان کے ہیں جب مکہ میں عبداللہ بن زبیرؓ کو محصور کر دیا گیا تھا۔ ابن سیرینؒ کی پیدائش ۳۳ھ کی ہے اور اس دور میں وہ عمر کی پختگی کے اس مرحلے میں تھے جہاں وہ پورے یقین کے ساتھ اپنی بات کر سکتے تھے۔ لہٰذا ابن سیرین سے منسوب قول کو درست مانا جا سکتا ہے اور یہ درست ہو تو ہوروونز (Horovitz) کا نظریہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ادب حدیث میں اسناد کا آغاز پہلی صدی کی تیسری تہائی میں ہوا ہے۔

مستشرقین کی جانب سے بیان کی گئی مختلف آراء یہ ظاہر کرتی ہیں کہ اسناد کی ابتدا کے بارے میں کسی ایک نکتہ نظر پر ان کا اتفاق نہیں۔ بعض اس کو دوسری صدی کی پیداوار قرار دیتے ہیں اور بعض پہلی صدی کی آخری تہائی کی۔ جبکہ مسلمانوں کا یہ نکتہ نظر ہے کہ احادیث کو صحابہ کرامؓ نے پیغمبر علیہ السلام سے روایت کیا۔ صحابہ کرامؓ بھی حدیث کو سند سے بیان کرتے تھے اور تابعین نے اُن (صحابہ) کے واسطے سے نبی ﷺ سے روایت کیا مثلاً: ''حدثنا ابراهيم بن يعقوب حدثنا زيد بن الحباب حدثنا ميمون ابو عبدالله حدثنا ثابت البناني قال: قال انس بن مالك: يا ثابت! خذ عني فانك لن تاخذ عن احد واوثق مني، انی اخذته عن رسول الله واخذه رسول الله عن جبرئيل اخذه جبرئيل عن الله عزوجل'' (۱۴۱) (ثابت بنانی فرماتے ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے تھے۔ اے ثابت! مجھ سے احادیث لو آپ مجھ سے بڑھ کر کسی ثقہ سے احادیث نہیں لے سکتے۔ میں نے ان احادیث کو رسول اللہ ﷺ سے لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل سے اور جبرئیل نے اللہ سے)۔

محدثین نے حدیث کی خدمت کے لیے اپنی زندگیاں وقف کیں اس کے لیے کہیں وہ بڑے بڑے سفر کرتے نظر آتے ہیں کہیں راویوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے تگ و دو کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کی کاوشوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ اس کے لیے باقاعدہ علم اسماء الرجال وجود میں آیا۔ اسی طرح سے اُصول حدیث اور الجرح والتعدیل جیسے علوم وجود میں آئے۔ عام راویوں پر الگ کتابیں لکھی گئیں۔ خاص کتب کے راویوں، ثقہ اور ضعیف راویوں، صحابہ اور تابعین سے متعلق کتب الگ لکھی گئیں۔ مختلف

شہروں اور انساب کے بارے میں بھی کتابیں لکھی گئیں۔ اس سلسلے میں اگر کسی نے کوئی چیز وضع کر کے اُس کو پیغمبر علیہ السلام کے نام منسوب کرنے کی کوشش کی تو اس کا باقاعدہ محاسبہ کیا گیا۔

اسی قسم کا ایک اہم واقعہ خطیب بغدادی کے زمانے میں پیش آیا۔ بعض یہودی لوگوں نے قائم باللہ کے وزیر اعظم ابو القاسم علی کے سامنے ۴۴۷ھ میں ایک خط پیش کیا جس کے متعلق دعویٰ کیا کہ یہ آنحضرت ﷺ کا خط تھا اور حضرت علیؓ کی تحریر تھی۔ اس خط میں یہ لکھا تھا کہ خیبر کے یہود سے جزیہ ساقط ہو گیا ہے۔ جسے خطیب بغدادی نے دلائل سے جھوٹا ثابت کر دیا (۱۴۲)۔ اسناد اور واقعات کی چھان بین اور تحقیق کا شرف دنیا کے کسی اور مذہب کو حاصل نہیں اسلام کو حاصل ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ: "نقل الثقة عن الثقة كذلك يبلغ الى النبی ﷺ خص اللّٰه به المسلمين دون سائر اهل الملل كلها" (۱۴۳) (ثقہ کا ثقہ سے نقل کرنا یہاں تک کہ یہ آنحضرت محمد ﷺ تک پہنچے۔ یہ خصوصیت اللہ تعالیٰ نے تمام امتوں میں سے صرف مسلمانوں ہی کو عنایت فرمائی ہے)۔

ابن حزمؒ نے یہود و نصاریٰ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: "واما اقوال الصحابة والتابعين فلا يمكن اليهود ان يبلغوا الى صاحب النبی اصلاً ولا الى تابع ولا يمكن النصارى ان يصلوا اعلى من شمعون و بولص" (۱۴۴) (جہاں تک یہود کا تعلق ہے ان کے صحابہ کرام اور تابعین کے اقوال کے متعلق ممکن ہی نہیں کہ وہ نبی کے صحابی تک پہنچتے ہوں اور نہ ہی تابعی تک اور عیسائیوں میں وہ شمعون اور پولس سے آگے نہیں جا سکے)۔

امام شعبہ سے تحقیق حدیث کے لیے سفر اور روایت حدیث میں احتیاط پر مبنی واقعہ کتب حدیث میں منقول ہے۔ تفصیل سابقہ مقالے "سندِ حدیث اور اس کا آغاز" میں گزر چکی ہے۔ اس واقعہ کو لکھنے کے بعد ابن عبدالبر لکھتے ہیں: "هكذا يكون البحث والتفتيش وهذا معروف من شعبة" (بحث اور تفتیش اس طرح ہوتی ہے اور شعبہ کے متعلق یہ بات مشہور ہے)۔ اس لیے ان (شعبہ) کے لیے ابو عبدالرحمان النسائی نے کہا۔ رسول اکرم ﷺ کی حدیث پر اللہ کے تین امین ہیں۔ مالک بن انسؓ، شعبہ بن الحجاج اور یحییٰ بن سعید القطان (۱۴۵)۔

یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں جب سند کے متعلق عام بحث و تفتیش ہونے لگی تو اہل علم ہی نہیں بلکہ عام لوگ بھی سند کے متعلق پوچھنے لگ گئے۔ ایک اعرابی سفیان بن عیینہ کے پاس آیا اور پوچھنے لگا۔ آپ حج کرنے والی عورت کے متعلق کیا کہتے ہیں جو بیت اللہ کے طواف سے پہلے حیض کی حالت میں ہو گئی؟ سفیان نے جواب دیا وہ سب کچھ کرے جو عام حاجی کرتے ہیں صرف بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔ اعرابی نے کہا ان تک بلاغ (سند) ہے؟ انہوں نے کہا ہاں مجھے عبدالرحمان بن القاسم نے اپنے باپ سے بیان کیا، انہوں نے حضرت عائشہؓ سے بیان کیا۔ اعرابی کہنے لگا۔ آپ نے اچھا نمونہ بیان کیا اور صحیح پہنچایا۔ اللہ آپ کی صحیح رہنمائی کرے(۱۴۶)۔

اس روایت سے معلوم ہوا ایک عام اعرابی نے سند کا اور پھر کامل سند کا سوال کیا اور ابن عیینہ نے ان کو جواب دینے اور اس کے سوال پوچھنے میں کوئی تنگی نفس محسوس نہ کی بلکہ جو کچھ ان سے پوچھا اس کا خوش دلی سے جواب دیا۔

مشہور مستشرق سپرنگر Springer لکھتا ہے کہ:

"The Glory of the literature of the Mohammadans is its literary biography. There is no nation nor has there been any which like them has during the 12 centuries recorded the life of every man of letters. If the biographical records of the musalmans are collected, we should probably have accounts of the lives of half a million of distinguished persons, and it would be found that there is not a decennium of their history, nor a place of importance which has not its representatives"(147).

اور مشکوٰۃ المصابیح کا مترجم (Robson) کہتا ہے:

"In the gospels as they stand we don't have the various elements of the sources separated out for us as we do through the "Isnads" of muslim traditions where at least apparently, the transmission is traced back to the source"(148).

امام سخاوی سند کی اہمیت اور اس کے فوائد و ثمرات کی بنا پر اس فن سے واقفیت اہل اسلام کے لیے لازمی قرار دی ہے(۱۲۹)۔

ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اسلام میں سند حدیث کو از حد اہمیت دی گئی۔ اسی پر حدیث کی صحت کا مدار ہے۔ محدثین کسی ایسی حدیث کو قبول نہیں کرتے جس کے اندر مجروح راوی ہوں۔ حدیث کو روایت کرنے سے پہلے انہوں نے ہر طرح سے چھان پھٹک کی۔ اس معاملے میں شک کی بنیاد پر بھی راویوں کو چھوڑ دیا گیا۔ سندِ حدیث کا آغاز حدیث کی روایت کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔

حضرت انسؓ کا یہ کہنا کہ مجھ سے بڑھ کر کوئی بہتر راوی نہیں ہو سکتا کہ میں نے نبی ﷺ سے، انہوں نے حضرت جبرائیل اور انہوں نے اللہ سے سنا۔ حضرت ابوبکرؓ کا قبول روایت میں احتیاط کرنا۔ حضرت علیؓ کا راویوں سے قسم لینا۔ ابتدائی دور سے ہی روایت حدیث میں احتیاط کے ساتھ ساتھ روایت پر کسی دوسرے راوی کی گواہی لینا سند کو ثابت کرتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ سلسلہ سند کا آغاز دور صحابہ سے ہی ہو گیا تھا۔ لہذا یہ الزام درست نہیں ہے کہ پہلے روایات وجود میں آئیں اور پھر اسناد کو روایات سے جوڑا گیا۔

جہاں تک تابعین کا تعلق ہے وہ احادیث کو صحابہ کے توسط سے نبی ﷺ سے روایت کرتے تھے اور اس طرح یہ سلسلہ بعد میں آنے والے راویان حدیث میں پایا جاتا ہے۔ ان کے بعد جو کتابیں لکھی گئیں ان میں راویوں کا سلسلہ زنجیر کی کڑیوں کی طرح متصل ہے۔ لکھنے والے محدثین کو راویوں کے بارے میں تمام قسم کی معلومات ہیں۔ مسلمانوں کو تمام اقوام عالم میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ سند کا سلسلہ انہی کی میراث ہے۔

اسنادِ حدیث کی مسلمانوں کے ہاں اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ عبداللہ بن مبارکؒ اس کو دین کا حصہ قرار دیتے ہیں۔ اس علم کی وجہ سے ہزاروں لوگوں کے حالات زندگی کی چھان پھٹک کی گئی۔ ان کے متعلق ہر قسم کی معلومات لکھی گئیں۔ ان کے اخلاق کو پرکھا گیا۔ خوردبینی انداز میں ان کے اعمال کا محاسبہ کیا گیا۔ ان کے ساتھ تعلق رکھنے والے لوگوں کے بارے میں معلومات اکٹھی کی گئیں۔ ان کے متعلق حزم و احتیاط سے کام لیا گیا۔ ان کی تحقیق و تفتیش کی گئی۔ اس طرح کی تحقیق کسی اور

مذہب کے ماننے والوں میں موجود نہیں ہے۔ اس کی گواہی مشہور مستشرق سپرنگر نے بھی دی ہے۔ جرح و تعدیل کے علم میں بڑے سے بڑے آدمی سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے آدمی کی جانچ پرکھ کی گئی۔ کسی کی حکومت یا جاہ و حشم اُس پر تنقید کو نہ روک سکی۔ اگر کسی کے متعلق کسی شبہ کا اظہار کیا گیا تو اس کی روایت کو چھوڑ دیا گیا۔

سند حدیث کی معلومات کے لیے کئی قسم کی کتب لکھی گئیں۔ ان میں معرفۃ الصحابۃ، معرفۃ التابعین، کتب طبقات، کتب الانساب، تاریخ احوال رواۃ الحدیث، کتب مشیخات، کتب وفیات، کتب رجال، کتب مخصوصہ کے رجال، کتب ثقات اور کتب ضعفاء وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد نے اُن سے سُن کر جو احادیث لکھیں اُسے ''صحیفہ ہمام بن منبہ'' کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی وفات ۵۹ھ میں ہوئی اس کا مطلب ہے اسے اس سے قبل نقل کیا گیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ یمنی تھے اور ان کے شاگرد ہمامؒ بن منبہ یمنی تھے۔ وہ ان سے احادیث لکھتے تھے۔ معلوم ہوا کہ پہلی صدی کے وسط میں یہ تمام احادیث حضرت ابو ہریرہؓ کی سند سے ضبط تحریر میں آ گئی تھیں یہ تمام احادیث صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں موجود ہیں۔ صحیفہ ہمام بن منبہ کے مخطوطے کے دو قلمی نسخے برلن اور دمشق سے حاصل کر کے ڈاکٹر حمید اللہ نے ان پر تحقیق کی اور اسے شائع کروایا۔ یہ مخطوطہ پہلی صدی ہجری کا ہے جس سے مستشرقین کا یہ مفروضہ غلط ثابت ہوتا ہے کہ اسناد کا تعلق دوسری صدی ہجری کے اواخر یا تیسری صدی ہجری کے آغاز سے ہے۔

حوالہ جات

۱۔ الرازی، محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر، مختار الصحاح (مکتبہ لبنان بیروت ۱۹۸۵ء) تحت سادہ، س ن د۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ لسان العرب، ۲۲۰/۳۔

۴۔ توجیه النظر، ص ۲۲۵۔

۵۔ نزھۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر، ص ۹۲۔

۶۔ توجیہ النظر، ص ۲۵۔

۷۔ السیوطیؒ، جلال الدین عبدالرحمٰن، تدریب الراوی فی شرح تقریب الراوی (دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۸۹ء، الطبعۃ الثانیہ) ۱/ ۴۱-۴۲۔

۸۔ توجیہ النظر، ص ۲۵۔

۹۔ شاہ ولی اللہ، اتحاف النبيه فيما يحتاج إليه المحدث والفقيه (مقدمہ) (المکتبہ السلفیہ لاہور، ۱۹۶۹ء) ص ۱۳۔

۱۰۔ مختار الصحاح، ص ۲۵۶۔

۱۱۔ لسان العرب، ۳۹۸/۱۳۔

۱۲۔ ایضاً، ص ۳۹۹۔

۱۳۔ تدریب الراوی، ۴۲/۱۔

i۔ القنوجی، ابو الطیب السید صدیق حسن، الحطہ فی الذکر الصحاح الستہ (اسلامی اکادمی لاہور، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۹۷۷ء) ص ۱۱۔

ii۔ عثمانی، ظفر احمد، مقدمۃ اعلاء السنن (ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ، کراچی) ۲۰/۱۔

۱۴۔ تدریب الراوی، ۴۲/۱۔

۱۵۔ نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر، ص ۹۲-۹۳۔

۱۶۔ قواعد التحدیث، ص ۲۰۲۔

۱۷۔ i۔ الحاکم، معرفۃ علوم الحدیث، ص ۶۔

ii۔ مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح (مصر) ۳۵/۱۔

۱۸۔ ابن حبان، محمد، کتاب المجروحین من المحدثین والضعفاء والمتروکین (دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد، الطبعۃ الاولی، ۱۹۵۱ء) ۱/۲۷۔

۱۹۔ ایضاً۔

۲۰۔ الخطیب البغدادی، الکفایۃ فی علم اصول الروایۃ، ص ۲۸۳۔

۲۱۔ i۔ کتاب المجروحین، ۱/۲۷۔

ii۔ ابن عدی، الکامل فی ضعفاء الرجال (دارالفکر بیروت، الطبع الثانیہ، ۱۹۸۵ء) ۱/۴۸۔

۲۲۔ i۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص ۶۔

ii۔ الکفایۃ فی علم اصول الروایۃ، ص ۳۹۱۔

۲۳۔ ابن ابی حاتم، کتاب الجرح والتعدیل (دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد، الطبعۃ الاولی، ۱۹۶۴ء) ۱/۱۴۔

۲۴۔ البیہقی، ابوبکر احمد بن الحسین، مناقب الشافعی (دارالتراث، القاہرہ) ۱/۲۰۔

۲۵۔ قاضی عیاض بن موسیٰ الیحصبی، الالماع.... (دارالتراث، القاہرہ، الطبعۃ الاولی، ۱۹۷۰ء) ص ۱۸۹۔

۲۶۔ ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد، کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل (مکتبۃ الخانجی، القاہرہ ۱۳۲۱ھ) ۲/۸۲۔

۲۷۔ ایضاً۔

۲۸۔ ابن عبدالبر، یوسف بن عبداللہ، التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید (الرباط، ۱۴۰۶ھ) ۱/۵۷۔

۲۹۔ ایضاً۔

۳۰۔ ایضاً۔

۳۱۔ ایضاً، ص ۴۵۔

۳۲۔ الکفایہ فی علم الروایہ، ص ۱۱۶۔

۳۳۔ السیوطی، اسعاف المبطا برجال المؤطا مع مؤطا (دارالآفاق الجدیدۃ، بیروت، ۱۹۸۵ء) ص ۸۷۳۔

۳۴۔ الکتانی، عبدالحی، فہرس الفہارس والاسباط ومعجم المعاجم والمشیخات والمسلسلات (المطبعۃ الجدیدۃ القاہرۃ، ۱۳۴۶ھ) ۱/۲۔

۳۵۔ الاحقاف (۴۶) ۴۔

۳۶۔ لکھنوی، عبدالحی، الاجوبۃ الفاضلۃ...... (مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، حلب ۱۹۴۶ء) ص ۲۳۔

۳۷۔ ابن الصلاح، ابو عمر عثمان بن عبدالرحمان، علوم الحدیث المعروف مقدمۃ ابن الصلاح (دارالفکر، بیروت، ۱۳۸۹ء) ص ۳۵۷۔

۳۸۔ المزی، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ۱/۱۶۶۔

۳۹۔ ابن تیمیہ،ابو العباس تقی الدین احمد بن عبدالحلیم ، جمع و ترتیب ابو عبدالرحمٰن بن محمد،مجموعہ فتاوی (الریاض۱۳۸۱ھ)،۱/۹۔

۴۰۔ المناوی،محمد عبدالروف،فیض القدیر شرح جامع الصغیر(المکتبہ التجاریہ مصر القاھرہ، الطبعہ الاولی، ۱۳۵۶ھ) ۱/۴۳۳-۴۳۴۔

۴۱۔ ملا علی قاری،علی بن سلطان محمد،شرح شرح نخبۃ الفکر(مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ،۱۳۹۷ھ)ص ۱۹۴۔

۴۲۔ المواھب اللدنیۃ،۵/۴۵۳،بحوالہ الاجوبہ الفاضلۃ،ص ۲۵۔

۴۳۔ الاجوبۃ الفاضلۃ،ص ۲۴۔

۴۴۔ معرفۃ علوم الحدیث،ص ۶۔

۴۵۔ ایضاً،ص ۶۔

۴۶۔ ایضاً،ص ۵۔

۴۷۔ فھرس الفھارس،۱/۵۰۔

۴۸۔ ایضاً۔

۴۹۔ الاجوبۃ الفاضلۃ،ص ۲۵۔

۵۰۔ ایضاً،ص ۲۶۔

۵۱۔ ابن کثیر،ابوالفدا اسمٰعیل تفسیر القرآن العظیم(سہیل اکیڈمی لاہور،۱۹۷۳ء)۶/۶۵۔

۵۲۔ الاجوبۃ الفاضلۃ،ص ۲۲-۲۳۔

۵۳۔ ایضاً، ص ۲۴۔

۵۴۔ ایضاً، ص ۲۱۔

55. "Introduction to "Al-Isabah" by Ibn-i-Hajar,A biographical dictionary of persons who knew Muhammad, (Biship's College Press. Calcutta 1856.)

56. Robson's James, Ibn-i-Ishaq's, use of isnads (Bulletin of the John Ryland Library,university of Manchester,UK),Vol38,2nd March 1956.

۵۷۔ السخاوی، محمد بن عبدالرحمٰن، فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث للعراقی (الکتب العلمیۃ بیروت)، ۳/۲۸۱-۲۸۲۔

۵۸۔ الحجرات :۷۔

۵۹۔ ابوداؤد،السنن(مکتبۃ الخانجی القاھرہ)۲/۲۰۲-۲۰۳۔

۶۰۔ کتاب المجروحین، ۱/۷۔

۶۱۔ الحجرات(۴۹)۶۔

۶۲۔ الخازن،علاء الدین علی بن محمد البغدادی،تفسیر الخازن المسمی بہ لباب التاویل فی معانی التنزیل(دار الفکر، بیروت۱۹۷۹ء/۱۳۹۹ھ)۲۲۲/۶۔

۶۳۔ ابوداؤد،السنن(القاھرہ)۲/۲۰۳۔

۶۴۔ ابن حبان،محمد البستی،کتاب المجروحین من المحدثین والضعفاء والمتروکین(وزارۃ الاوقاف الشئون الرباط ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۹ء)۱/۴۲۔

۶۵۔ ابن عبدالبر،التمہید وزارۃ الاوقاف والشئون المملکۃ المغربیہ۱۹۷۹ء،۱/۴۲۔

۶۶۔ ایضاً۔

۶۷۔ التمہید (مکۃ المکرمۃ)۱/۴۳۔

۶۸۔ ایضاً ص۴۳۔

۶۹۔ معرفۃ علوم الحدیث،ص۴۔

۷۰۔ ایضاً،ص۱۵۔

۷۱۔ تذکرۃ الحفاظ(حیدرآباد)۱/۲۔

۷۲۔ ایضاً،۱/۶۔

۷۳۔ ایضاً،ص۱۰؛ محمد بن ابراھیم الوزیر الیمانی،العواصم والقواصم فی الذب عن سنۃ ابی القاسم(دار البشیر،عمان الطبعۃ الاولی ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء)۔

۷۴۔ التمہید،۱/۴۵۔

۷۵۔ (۱) ایضاً۔

(۲) ابن عدی، " احمد عبداللہ، الکامل فی ضعفاء الرجال(دار الفکر بیروت، الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء)،۱/۵۶ ۔

۷۶۔ التمہید،۱/۴۵۔

۷۷۔ ایضاً،ص۴۶۔

۷۸۔ ایضاً، ۱/۶۷۔

الخطیب البغدادی،احمد بن علی،الکفایۃ فی علم الروایۃ،ص۱۵۹۔روایت" انما ھذا العلم دین فانظروا عمن تاخذونہ " کو مختلف محدثین نے مختلف لوگوں سے منسوب کیا ہے۔العجلونی نے محمد بن سیرین سے

اسے روایت کیا ہے۔ (اسماعیل بن محمد العجلونی، کشف الخفا ومزیل الالباس عما اشتھر من الاحادیث علی السنة الناس (مؤسسہ الرسالہ بیروت، الطبعہ الثالثہ ۱۴۰۳ھ) ۱/۳۰۲۔

امام سخاویؒ نے بھی اسے محمد بن سیرین سے ہی بحوالہ صحیح مسلم روایت کیا ہے۔ (السخاوی، محمد عبدالرحمان، المقاصد الحسنہ (دار الکتاب العربی بیروت الطبعہ الاولی ۱۹۸۵ء/۱۴۰۵ھ) ص ۲۱۵-۲۱۶۔ صاحب تہذیب الکمال نے اسے محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے اور امام مالک بن انس سے وہ روایت نقل کی ہے جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ (المزی، جمال الدین ابو الحجاج یوسف، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال (مؤسسہ الرسالہ بیروت الطبعہ الثانیہ ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء)، ۱/۱۶۰-۱۶۱۔

عبدالرحمان بن علی صحیح مسلم کے حوالے سے اسے محمد ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں)۔ (عبدالرحمان بن علی بن محمد الشافعی، کتاب تمییز الطیب من الخبیث (دار الکتاب العربی بیروت) ص ۳۹۔

ابن عدی نے یہ الفاظ آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کیے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں "حدثنا محمد بن احمد بن حمدان البلدی، ثنا ابراهيم بن الهيثم البلدی، ثنا عبدالوارث ابن مقاتل الخراسانی، عن خليد بن دعلج عن انس قال: قال رسول الله ﷺ (ان هذا العلم دين فلينظر احدكم ممن ياخذ دينه) وهذا الحديث يرويه عن خليد عبدالوارث هذا و روح بن عبدالواحد الحرانی" لیکن حاشیہ میں محقق نے اس کے ایک راوی پر اس طرح سے بحث کی ہے۔

خلید (بالتصغیر) بن دعلج السدوسی ابو حلیس ویقال ابو عبید ضعیف متروک ذکرہ ابن البرقی والعقیلی فی الضعفاء وقال العقیلی مات سنہ ۱۶۶ھ (ابن حجر، تہذیب التہذیب) ۳/۱۵۸ الذھبی، المغنی فی الضعفاء، ۱/۲۱۳۔

ابن عدی نے ہی محمد بن سیرین سے یہ الفاظ جو دو الگ طرق سے روایت کیے ہیں۔ (ابن عدی، الکامل فی ضعفاء الرجال، ۱/۱۵۵ تا ۱۵۷)۔ خلید بن دعلج کو دارقطنی نے ضعفاء میں شمار کیا ہے۔ (الدارقطنی، علی بن عمر بن احمد، کتاب الضعفا والمتروکین (المکتب الاسلامی بیروت، دمشق الطبعہ الاولی ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء) ص ۱۲۰۔

امام ذہبی نے بھی اس خلید بن دعلج کو ضعفاء میں شمار کیا ہے۔ فرماتے ہیں: خليد بن دعلج عن الحسن ومحمد ليس بقوی، ضعفه احمد وغيره. (الذھبی، المغنی فی الضعفا (دمشق) ۱/۲۱۳۔

خلید کے متعلق حافظ ابن حجر یوں رقم طراز ہیں: "خليد بن دعلج السدوسی البصری نزل الموصل ثم بيت المقدس ضعيف من السابعة مات سنة ست وستين (ابن حجر العسقلانی، احمد بن علی، تقریب التھذیب (دار المعرفہ بیروت الطبعہ الثانیہ ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء)، ۱/۲۲۷۔

خطیب البغدادی نے اسے محمد بن سیرین، حضرت ابو ہریرہؓ اور آنحضرت ﷺ تینوں سے روایت کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے متعلق اس طرح سے الفاظ ہیں: "انا محمد بن احمد بن رزق، قال حدثنی محمد بن

احمد بن الخطاب، نا یوسف بن موسیٰ المرودی، أنا منحیمر بن سعید، نا روح بن عبدالواحد، نا خلید بن دعلج عن قتادة، عن انس قال، قال رسول اللهﷺ"ان هذا العلم دین فلینظر احدکم ممن یاخذ دینه"۔

اس پر ڈاکٹر محمود الطحان نے حاشیہ میں یوں تبصرہ فرمایا ہے:"هذا الحدیث اخرجه الحاکم مرفوعاً عن انس ایضاً واخرجه السجزی فی الابانة عن ابی هریرة، ورمز السیوطی فی الجامع الصغیر ۵۴۵/۲ الی ضعفه وروایة المصنف ضعیفة ایضاً لان فی اسنادها خلید بن دعلج السدوسی البصری وهو ضعیف کما قال عنه الحافظ فی التقریب لکن هذا القول رواه مسلم فی المقدمه، ۱۴/۱ من قول ابن سیرین بسند صحیح"۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے اس طرح سے روایت کیا ہے: عن ابی هریرة قال "ان هذا العلم دین، فانظروا ممن تاخذونه"۔

محمد بن سیرین کی روایت کے الفاظ یہ ہیں" عن محمد ان هذا العلم دین فانظروا ممن تاخذون دینکم "۔ ڈاکٹر محمود الطحان نے اس روایت پر اس طرح سے تبصرہ کیا ہے: تقدم قبل قلیل أن مسلما اخرج هذا القول عن ابن سیرین فی مقدمة صحیحه بلفظه الا انه، قال "عمن" بدل "ممن" ۱۴/۱۔ (احمد بن علی الخطیب بغدادی، الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع ج ۱ ص ۱۲۹ ،مکتبۃ المعارف الریاض)۔

قاضی الحسن نے محمد بن سیرین سے اس روایت کو الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ چار سندوں سے بیان کیا ہے۔ (الرامہر مزی، القاضی الحسن بن عبدالرحمان، المحدث الفاصل بین الراوی والواعی (دار الفکر بیروت الطبعۃ الاولی ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء) ص ۴۱۵-۴۱۴۔

ان تمام اقوال پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتﷺ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی طرف منسوب روایات میں ضعف ہے اور حضرت محمد بن سیرین کی طرف یہ الفاظ مختلف کتب حدیث میں وارد ہوئے ہیں۔ سرخیل محدثین حضرت امام مسلم نے اپنی الجامع الصحیح میں بھی انہیں حضرت محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہ انہیں کے الفاظ ہیں اور ممکن ہے بعد میں آنے والے حضرات نے ان ہی خوشہ چینی کی ہو۔

هذا ما عندی والله اعلم بالصواب۔

۷۹۔ التمہید، ۴۷/۱۔

۸۰۔ ایضاً۔

۸۱۔ السخاوی، محمد بن عبدالرحمٰن، الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ (دار الکتاب العربی بیروت) ۲۶۔

۸۲۔ ایضاً۔

۸۳۔ الذہبی، میزان الاعتدال (دار المعرفۃ بیروت ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۶۲م الطبعہ الاولی) ۱/ ۳۰۴۔
۸۴۔ مسلم بن حجاج القشیری، الجامع الصحیح (کراچی) ۱/ ۳۲۵۔
۸۵۔ ابن حجر، تقریب التھذیب (دار المعرفۃ، بیروت الطبعہ الثانیہ، ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء) ۱/ ۳۲۵۔
۸۶۔ مسلم، الجامع الصحیح، ۱/ ۴۴۔
۸۷۔ الرامھرمزی، ابو محمد حسن بن عبدالرحمٰن بن خلاد، المحدث الفاصل بین الراوی والواعی (دار الفکر بیروت ۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱م) ۲۰۸؛ حواشی: وقد مات الربیع بن خثیم بالکوفة ولایة عبیدالله بن زیاد علیھا (طبقات ابن سعد، ۶/ ۱۳۳)۔
۸۸۔ ابن الصلاح، علوم الحدیث المعروف المقدمہ (المطبعہ العلمیہ حلب ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۱م، الطبعہ الاولی) ص ۳۳۳۔
۸۹۔ ایضاً۔
۹۰۔ الکفایۃ فی علم الروایۃ، ص ۱۱۹۔
۹۱۔ مقدمہ ابن الصلاح، ص ۳۳۴۔
۹۲۔ الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ، ص ۱۰۔
۹۳۔ التمہید، ۱/ ۴۵-۵۱۔
۹۴۔ الکفایۃ فی علم الروایۃ، ص ۴۰۳-۴۰۴۔
۹۵۔ ایضاً، ص ۱۳۳۔
۹۶۔ ایضاً۔
۹۷۔ المحدث الفاصل بین الراوی والواعی، ص ۱۸۔
۹۸۔ الکامل فی ضعفاء الرجال، ۱/ ۴۸۔
۹۹۔ الجزائری، التوجیہ النظر الی الاصول الاثر، ص ۳۲۵۔
۱۰۰۔ نزھۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر، ص ۹۲۔
۱۰۱۔ توجیہ النظر، ص ۲۵۔
۱۰۲۔ الحجرات (۴۹) ۶۔
۱۰۳۔ الطلاق (۶۵) ۲۔
۱۰۴۔ البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۶۷، ص ۱۶۔
۱۰۵۔ مسلم الجامع الصحیح مع شرح النووی (نور محمد اصح المطابع کراچی) ۱/ ۶۲۔

۱۰۶۔ مسلم،مقدمۃ الجامع الصحیح، ۶۹/۱۔

۱۰۷۔ معرفۃ علوم الحدیث،ص ۱۶۔

۱۰۸۔ ایضاً،ص ۱۵۔

۱۰۹۔ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۱۔

۱۱۰۔ ایضاً، ۶/۱۔

۱۱۱۔ ایضاً۔

۱۱۲۔ ایضاً، ۶/۱۔

۱۱۳۔ ایضاً، ۱۰/۱۔

۱۱۴۔ ابوداؤد،السنن حدیث نمبر ۳۶۴۷،ص ۶۷۳-۶۷۴۔

۱۱۵۔ التمہید لمافی الموطا من المعانی والاسانید (المملکۃ المغربیۃ ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۹ء) ۴۵/۱۔

۱۱۶۔ ایضاً۔

۱۱۷۔ معرفۃ علوم الحدیث،ص ۸۔

۱۱۸۔ البخاری،الادب المفرد، (بیروت) ص ۳۳۷۔

۱۱۹۔ معرفۃ علوم الحدیث،ص ۶؛ الکفایۃ فی علم الروایۃ،ص ۳۹۱۔

۱۲۰۔ کتانی،عبدالحئی،فہرس الفہارس (المطبعۃ الجدیدۃ،القاہرۃ ۱۳۴۶ھ) ۵۰/۱۔

۱۲۱۔ ایضاً

۱۲۲۔ Hans wehr; Dictionary of Modern written Arabic, (ed. J.K cowon, New York, 1961), p10

۱۲۳۔ عمر فروخ،الاستشراق والمستشرقون (عدد خاص،مجلۃ المنہل،عدد ۴۷،اپریل،مئی ۱۹۸۹ء) ص ۱۵۔

۱۲۴۔ محمد یوسف رامپوری،تحریک استشراق (مجلہ "دارالعلوم" دیوبند) ص ۳۵-۴۵۔

۱۲۵۔ Karen Armstrong, Muhammad: A Bibliography of the Prophet (New York, 1992) p25.

۱۲۶۔ تحریک استشراق،ص ۴۲-۴۳۔

۱۲۷۔ ایضاً،۴۳۔

۱۲۸۔ Edward w. saeed, Orientalism(New York, 1978) p 17-18.

۱۲۹۔ السامرائی،عبدالرزاق،الفکر العربی والفکر الاستشراقی (الریاض ۱۹۸۹ء) ص ۳۰۔

۱۳۰۔ الندوی، ابو الحسن علی، الاسلامیات بین کتابات المستشرقین (مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت ۱۹۸۶ء) ص۱۵-۱۶۔

۱۳۱۔ Dar Islam 1918 vol.8, pp39-47.

۱۳۲۔ J.Robson. The Isnad in Muslim Tradition University (Glasgow oriental society) 1955, vol.xv, p21.

۱۳۳۔ Ibid, pp:18

۱۳۴۔ Ibid.

135. Schacht, Origins of Muhammaden Jurisprudence, p:36-37.

136. Gold Ziher, Muslim Studies (George Allen & unwin Ltd. 1971, London, vol.2) p 213

۱۳۷۔ الذہبی، میزان الاعتدال، دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الاولی، ۱۳۵۲ھ/۱۹۶۲ء)۱/۳۰۴۔

۱۳۸۔ مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح (نور محمد، اصح المطابع، کراچی) ۱/۴۴۔

۱۳۹۔ The Isnad in Muslim Traditions p20-21

۱۴۰۔ Ibid, p.21-22

۱۴۱۔ ترمذی، السنن، حدیث نمبر ۳۸۳۱، ص ۸۶۷۔

۱۴۲۔ الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ، ص۱۰۔

۱۴۳۔ ابن حزم، کتاب الفصل فی الملل، ۸۲/۲۔

۱۴۴۔ ایضاً۔

۱۴۵۔ التمہید، ۴۵/۱-۵۱۔

۱۴۶۔ الکفایۃ فی علم الروایۃ، ص ۴۰۳-۴۰۴۔

۱۴۷۔ Ibn-i-Hajar, Al-Isabah (Introduction by Springer) Biship's CollegePress Calcutta, 1856.

۱۴۸۔ Robson, Ibn-i-Ishaq's use of Isnad, Bulletin of the John Rylands library Manchster,March 2, 1956, vol.38, p.449-465.

۱۴۹۔ فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث للعراقی ۳۰۹/۳-۳۱۰۔

باب سوم

علوم الحدیث

محدث وطالب حدیث کے آداب

ادب وہ نعمت الٰہی ہے جس سے انسانیت اپنی زندگی کو منظم کرتی اور ایسے ضوابط بناتی ہے جس سے اس کی بقا ممکن ہوتی ہے اور اپنی ذمہ داری کو نبھاتی ہے۔ قوموں کی ترقی علم وعمل اور تجربہ کی مرہون منت ہے۔ یہ دونوں چیزیں انسانیت کے لیے صرف اس صورت میں مفید ہو سکتی ہیں جب ادب واخلاق کے ستون پر قائم ہوں۔ بقول شاعر:

لا تحسبنّ العلم ينفع وحده

مالم يُتوج ربه بخلاق(۱)

''علم اکیلا فائدہ نہیں دیتا جب تک صاحب علم اس کو (اخلاق) بہتری کے ساتھ مزین نہ کرے''۔

ہر قوم کا ایک منہج ہوتا ہے جس پر چل کر وہ اپنے افراد کی تربیت کرتی ہے۔ یہ منہج یا تو وحی الٰہی سے حاصل ہوتا ہے یا اور لوگوں کو دیکھ کر یا اپنے بڑے لوگوں کی زندگی اپنا کر اختیار کیا جاتا ہے۔ اسلام میں تربیت کا منہج شریعت اسلامیہ اور صاحب الشریعۃ کو سامنے رکھ کر مرتب کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام، تابعین، سلف صالحین کو سامنے رکھا جاتا ہے۔ انہوں نے آنے والی نسلوں کے لیے بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے جس سے افراد اور جماعتیں تربیت حاصل کر سکتی ہیں۔

آداب

علماء اسلام نے عام طور پر اور محدثین نے خاص کر تربیت میں ادب کو بہت اہمیت دی۔ محدثین طالب علم کی حرکات وسکنات کا خیال رکھتے تھے۔ کتب حدیث میں کتاب الادب کے نام سے ایک حصہ مخصوص ہوتا ہے۔ محدثین نے آداب طالب پر طویل بحث کی ہے۔ بعض محدثین نے اس نام سے الگ کتب لکھیں۔ جیسے امام بخاریؒ کی کتاب "الادب المفرد" خطیب بغدادی کی کتاب "الجامع الاخلاق الراوی وآداب السامع" اور ابن عبدالبرکی" جامع بیان العلم وفضله" ہیں۔

ادب کی اہمیت کا اندازہ رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے ہوتا ہے: "ما نحل والد ولده احسن من ادب حسن "(۲)۔ (کسی والدین نے ادب سے بڑھ کر کوئی تحفہ اولاد کو پیش نہیں کیا)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "علمنی ربي فأحسن تعلیمی و أدبنی ربیّ فأحسن تأدیبی "(۳)۔ (میرے رب نے مجھے بہترین علم دیا اور بہترین ادب سکھایا)۔ اس کے متعلق محدثین و علماء کے بہت سے اقوال وآثار ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جن صحابہ سے علم حاصل کرتے تھے۔ ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت زیدؓ بن ثابت کی سواری کی رکاب کو پکڑ لیا۔ انہوں نے فرمایا: اے ابن عم الرسول کیا کرتے ہو؟ تو فرمایا: "هكذا امرنا بعلماء نا وکبراء نا" (ہمیں اپنے علماء وکبراء سے اس طرح حکم دیا گیا)۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تعلموا العلم، وتعلموا له السكينة والوقار، وتواضعوا لمن تتعلمون منه ولا تكونوا جبابرة العلماء "(۴) (علم کو حاصل کرو اور اس کے لیے سکون ووقار بھی حاصل کرو اور جن سے تعلیم حاصل کرتے ہو ان کا احترام کرو اور متکبر علماء میں سے نہ بن جاؤ)۔

ابن وھب فرماتے ہیں: "ما تعلمت من ادب مالك أفضل من علمه "(۵) (میں نے امام مالک سے ادب سے افضل علم حاصل نہیں کیا)۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں: "ان حقا علی من طلب الحديث ان يكون له وقار وسكينة وخشية وان يكون متبعا لآثار من مضى قبله "(۶) (جو حدیث طلب کرے اس کے لیے وقار، سکون اور خشیت کا ہونا ضروری ہے اور پہلے کے

لوگوں کے آثار کی اتباع کرے)۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:" کان الرجل یطلب العلم فلا یلبث ان یری ذلك فی تخشعه وهدیه ولسانه وبصره ویده "(۷)(جو آدمی علم حاصل کرتا ہے تو اس کا اثر اس کے خشوع میں نظر آئے اور اس کی چال ڈھال اور زبان آنکھ اور ہاتھوں میں محسوس ہو)۔

ابراہیم الحربی کا قول ہے:" ینبغی للرجل اذا سمع شیئا من آداب النبی ﷺ أن یتمسك به (۸)(آدمی کے لیے مناسب ہے کہ جب نبی ﷺ کے آداب میں سے کچھ سنے تو ان پر عمل کرے)۔

محدثین نے تمام آداب کی رہنمائی کی ہے۔طلب علم کی حرص، اخلاص نیت، اساتذہ کے آداب اور ان کے ہاں جانے کے آداب۔اساتذہ کرام کا احترام،غور سے ان کی باتوں کو سننا،سن کر لکھنا۔لکھنے کے آداب واصول۔سوال کرنے کے آداب، مجالس کے آداب۔خواہ استاد پڑھ رہا ہو یا شاگرد پڑھ رہے ہوں۔مذاکرہ ہو رہا ہو یا اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا ہو۔صرف سماع کے لیے آیا ہو یا مستملی ہو۔کسی سے اگر کتاب عاریتاً لی ہے تو اس کے کیا آداب ہیں، واپس کس طرح کرنی ہے۔اس کا خیال کس طرح سے رکھنا ہے۔ ان تمام چیزوں کی تفاصیل احوال محدثین اور کتب میں موجود ہیں۔محدثین نے ان تمام معاملات میں تربیت طلاب کا ہر لحاظ سے خیال رکھا اور ان کی توجہ اور دلی رجحان کا بھی خیال رکھا۔ان کو کس طرح پیار اور خوش طبعی سے متوجہ کریں۔رسول اللہ ﷺ کے اخلاق میں مزاح تھا"انه کان یمزح ولا یقول الاحقا "(۹)(آپ ﷺ مزاح کرتے تھے لیکن کہتے حق ہی تھے)۔

اخلاق

محدثین نے طلبا کو برے اخلاق سے روکنے اور بہترین اخلاق سے مزین کرنے کے لیے تنبیہات کی ہیں۔محدثین کی مجالس علم کے ساتھ ساتھ خوش مزاجی کی مجالس تھیں۔ان کا اختتام اچھی حکایات، اشعار، ادب وزہد اور مخلوق کے عجائبات پر ہوتا تھا۔ان کی مجلسیں خشک نہ ہوتی تھیں۔اصل مقصد علم کو ان تک صحیح انداز سے پہنچانا ہوتا ہے۔

صرف علم سے قوموں کی تربیت نہیں ہوتی۔تربیت کے لیے نمونہ پیش کرنا اور ساتھ ساتھ ترغیب دینا ضروری ہے۔تربیت ایسے آداب کی حامل ہوتی ہے جس میں فرد کے تمام اعمال کا خیال رکھا جاتا ہے۔لوگوں سے اس کے تعلقات کیسے ہیں؟ مسلمان اس تربیت کی وجہ سے اور لوگوں سے ممتاز ہیں۔اس کی وجہ سے کئی لوگ مسلمان ہوجاتے ہیں۔تربیت میں اعتدال ضروری ہے۔یہ امت ہی امت وسط ہے۔تربیت کے لیے معلم کا خود عمل کرنا ضروری ہے اور ڈاکٹر کی طرح اپنے طالب علم کی طبیعت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔اگر استاد اس بات کا خیال نہ کرے کہ طلباء کی حالت کیا ہے تو علم سیکھ کر بھی ایسے طلباء وطالبات، استاد اور معاشرے کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔شاعر کہتا ہے:

علمته الـرماية كل يوم　　فلما اشتدّ ساعده رماني

وكم علمته نظم القوافي　　فلما قال قافيه هجاني (۱۰)

(میں نے ہر روز اسے تیر اندازی سکھائی۔جب اس کا نشانہ صحیح ہوگیا تو مجھے ہی نشانہ بنایا۔ میں نے اس کو نظم لکھنا سکھایا۔جب قافیہ بنانے لگا تو اس نے میری ہی ہجو کی)۔

یہ باتیں طلباء میں عدم تربیت، حسد، سوء ظن، والدین کی لاپرواہی اور اساتذہ میں عملی کمی کی وجہ سے صادر ہوتی ہیں۔شاعر کہتا ہے:

وينشأ ناشيء الفتيان منا　　على ما كان عوّده أبوه

(ہمارا نوجوان اس چیز پر پرورش پاتا ہے جس کی عادت والدین ڈالتے ہیں)۔

طالب حدیث کے آداب سے مراد وہ بلند وعالی آدابِ اور مطلوب علم یعنی رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے شرف ومقام کے مناسب عمدہ اخلاق ہیں جن کے ساتھ اس طالب علم کو متصف ہونا چاہیئے۔طالب حدیث کے لیے چند عمدہ اوصاف وآداب یہ ہیں:

۱۔ نیت کا خالص ہونا

طلبا کا علم حدیث کے حصول کے لیے خالص نیت ضروری ہے۔محدثین کرام ان باتوں کا خاص خیال کرتے۔علامہ ابواسحاق شاطبی فرماتے ہیں ''كل عـلـم شرعي فطلب الشارع له ان يـكون من حيث هو وسيلة إلى التعبد به لله تعالى، لا من جهة أخرى ''(۱۱)(ہر شرعی

علم کے لیے صاحب شریعت ﷺ اللہ کے لیے خلوص کا مطالبہ کرتے ہیں کسی اور فائدہ کے لیے وہ علم نہیں ہوتا)۔

تمام معاملات کی طرح عبادت کے لیے بھی اخلاص ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وما امروا الا لیعبدو اللّٰہ مخلصین له الدین حنفاء ویقیموا الصلوۃ ویؤتوا الزکوۃ وذلك دین القیمة (۱۲) (انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لیے دین کو خالص رکھیں۔ یک طرفہ ہو کر اور نماز کو قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں یہی دین درست اور مضبوط ہے)۔ اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ''انما الاعمال بالنیات'' (۱۲-۱) (تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے)۔

علم حدیث ہی وہ ذریعہ ہے جس سے قرآن اور دین الٰہی کی تشریح و توضیح ہوتی ہے اور یہ تمام اعمال سے افضل عمل ہے۔ حضرت سفیان الثوری فرماتے ہیں: ''ما اعلم عملاً ھو افضل من طلب الحدیث لمن اراد اللہ تعالیٰ'' (۱۳) (میں اللہ کی رضا کے لیے حاصل کیے ہوئے علم حدیث سے بڑھ کر کوئی عمل بہتر نہیں سمجھتا)۔ اگر طلب حدیث کی نیت صرف دنیا کے اغراض و مقاصد کے لیے ہو تو رسول اللہ ﷺ نے سخت وعید سنائی ہے ''عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من تعلم علما مما یبتغی به وجه اللہ لا یتعلمه الا لیصیب به عرضا من الدنیا لم یجد عرف الجنة یوم القیامة (۱۴) (حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ایسا علم سیکھا جس سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہو وہ اس نیت سے حاصل نہیں کرتا مگر اسے دنیا کے کسی فائدے کے لیے سیکھتا ہے تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو نہیں پائے گا) اور حماد بن سلمہ فرماتے ہیں ''من طلب الحدیث لغیر اللہ مکر به (۱۵) (جس نے غیر اللہ کے لیے حدیث کا علم حاصل کیا۔ وہ اس (علم) کے ساتھ سازش کر رہا ہے)۔

تخلیق انسانی کے مقصد کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون'' (۱۶) (میں نے جن وانس کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے)

انسان کو اپنا مقصد تخلیق ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیے۔ نیت کی صفائی کے بغیر کوئی صالح عمل ممکن

نہیں۔محدثین کے ہاں نیت بہت اہم چیز ہے۔اس لیے امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کی ابتداء ''انما الاعمال بالنیات'' سے کی ہے تاکہ طالب علم اپنی نیت کو علم کے لیے خاص کرے۔اس سے اس کی محنت میں برکت اور اس کا مقصد پورا ہوگا وہ ہمیشہ اللہ کی حفاظت اور معیت میں ہوگا۔فرشتے اس کے پاؤں کے نیچے پَر بچھائیں گے۔حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''من سلك طريقا يطلب فيه علما سلك الله به طريقا من طرق الجنة، وان الملائكة لتضع اجنحتها رضا لطالب العلم و ان العالم ليستغفر له من في السموات و الارض والحيتان في جوف الماء۔۔۔(۱۷)(جو علم حاصل کرنے کے کسی راستہ پر چلے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے راستے پر چلائے گا۔بے شک فرشتے طالب علم کے لیے پَر بچھاتے ہیں۔عالم کے لیے جو کچھ آسمانوں وزمین میں ہے استغفار کرتے ہیں۔یہاں تک کہ پانی میں مچھلیاں بھی اس کے لیے استغفار کرتی ہیں۔۔۔)۔

محدثین نے نیت کے متعلق بہت تنبیہات فرمائی ہیں۔لوگوں کو اس وجہ سے عذاب ہوگا کہ ان کی نیت صاف نہ ہوگی۔حضرت کعبؓ بن مالک سے روایت ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''من طلب العلم ليجارى به العلماء او ليمارى به السفهاء أويصرف وجوه الناس إليه أدخله الله النار (۱۸)(جو علم کو اس لیے طلب کرے کہ علماء سے مقابلہ کرے اور نادانوں کے ساتھ جھگڑا کرے یا یہ چاہے کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں داخل کرے گا)۔

۲۔ ضیاعِ وقت کا خیال

طالب حدیث، وقت سے صحیح فائدہ اٹھائے۔ہر چیز کے لیے مناسب وقت کا خیال کرے۔طلب حدیث کے لیے نکلنے کے اوقات، لکھنے کے اوقات، ساتھیوں کے مذاکرہ کے اوقات، ملاقات کے اوقات، کھانے کے اوقات، لکھنے کا سامان تیار کرنے کے اوقات وغیرہ۔یہ تمام چیزیں محدثین نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی، صحابہؓ اور تابعین کی زندگی سے حاصل کیں۔محدثین نے طلب حدیث کے لیے صبح کے وقت نکلنے کو ترجیح دی ہے۔صبح کی اپنی اہمیت ہے۔معنوی لحاظ سے اور حسی لحاظ سے اللہ نے اس میں برکت اور نفع رکھا ہے۔اور رسول اللہ ﷺ نے صبح کے وقت کے لیے دعا کی ہے۔حضرت صخر

الغامدیؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللهم بارك لا متی فی بكورها" (۱۹)(اے اللہ میری امت کی صبح کے وقت میں برکت کردے)۔اس حدیث کے متعلق حضرت نافع نے اپنے استاد حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: "فی طلب العلم والصف الاول" (۲۰)(علم حاصل کرنے اور پہلی صف میں پہنچنے میں 'برکت' ہے)۔ یہ حدیث تمام دنیاوی معاملات کے متعلق ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے صرف اہم امور کا ذکر کیا۔

حافظ ابن حجرؒ نے صبح کی اہمیت کے پیش نظر فرمایا: اس کی کئی حسی برکتیں ہیں۔اس وقت کا نفع ظاہر ہے۔آدمی نیند اور آرام کے بعد تمام کام کرنے کے لیے مستعد ہوتا ہے۔اس کی پوری تیاری ہوتی ہے۔ عقلی، جسمانی اور ذہنی لحاظ سے وہ تیار ہوتا ہے۔تمام کاموں کو پوری توجہ سے کرسکتا ہے۔طلب علم میں ہر لحاظ سے ذہن تیار ہونا ضروری ہے۔

شریک بن عبداللہ النخعی کوفہ کے قاضی بیان کرتے ہیں۔میں نے ابواسحاق السبیعی کے ساتھ ایک ہزار مرتبہ صبح کی نماز پڑھی، جب وہ علم حدیث حاصل کرتے تھے۔ یہ ان کی عمر کے تقریباً ۳ سال بنتے ہیں (۲۱)۔شریک سے پوچھا گیا آپ کی احادیث بالکل صحیح کیوں ہیں؟ تو اس نے جواب دیا "لترکی العصائد بالغدوات" (۲۲)(صبح کے وقت کے کھانے چھوڑنے کی وجہ سے) وہ کھانوں کی بجائے علم حدیث طلب کرتے تھے)۔

صاحب جرح وتعدیل ابوحاتم رازی کا اس کے متعلق عجیب قصہ ہے۔وہ اپنے وطن "رئ" جو کہ اب ایران کے شمالی حصہ میں ہے، سے طلب حدیث کے لیے مصر گئے اور سات ماہ رہے۔وہ کچھ کھا نہ سکتے تھے۔تمام دن اساتذہ کی مجالس کے لیے مخصوص تھا اور رات لکھنے اور اس کے تقابل کرنے کے لیے مخصوص تھی۔ایک دن کسی دوست کے ساتھ کسی استاد سے حدیث سننے گئے تو پتہ چلا کہ وہ بیمار ہیں۔ واپس آ گئے۔راستے میں ایک مچھلی دیکھی اچھی لگی تو خرید لی۔جب گھر گئے تو کسی استاد کی مجلس حدیث کا وقت ہو گیا۔مچھلی کو درست نہ کر سکے۔مجلس کی طرف چلے گئے۔اس حال میں کہ تین دن گزر گئے۔اس کے خراب ہونے کا خطرہ تھا۔اس کو کچا ہی کھا لیا۔اس کو پکانے کے لیے کسی کو دینے کا وقت بھی نہ تھا۔پھر فرمایا: "لا یستطاع العلم براحة الجسد" (۲۳)(جسم کو آرام دینے سے علم حاصل نہیں کیا جاتا)

محدثین حفظ اور مذاکرہ کا وقت رات کا آخری حصہ رکھتے تھے۔ احمد بن فرات کہتے ہیں "لم یزل شیوخنا یذکرون اشیاء فی الحفظ فاجمعوا علی انه لیس شیء ابلغ فیه الا کثرة النظر وحفظ اللیل غالب علی حفظ النهار "(۲۴)(ہمارے اساتذہ حفظ کے متعلق بعض اشیاء کا ذکر کرتے رہے ان کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس معاملہ میں کثرت نظر سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ رات کا حفظ دن کے حفظ پر غالب ہے)۔

اسماعیل بن ابی اویس نے اپنے شاگردوں کو وصیت کی: " اذا هممت ان تحفظ شیئا فنم، وقم عند السحر، فاسرج وانظر فیه فانك لا تنساه بعد ان شاء الله " (۲۵)(جب آپ کسی چیز کو حفظ کرنے کا ارادہ کریں تو سو جائیں اور صبح کے وقت اٹھیں (آخری حصہ رات کا) چراغ جلائیں اور اسے دیکھیں پھر کبھی نہ بھولیں گے۔ ان شاءاللہ)۔

عمرو بن دینار نے نیند، نماز اور مذاکرہ حدیث کے لیے رات کو تقسیم کیا ہوا تھا(۲۶)۔ ہر ایک چیز کا وقت مقرر تھا۔ بلکہ بیماری کی حالت میں بھی وہ کتابوں کو پڑھتے۔

شاعر کتب کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

اذا مرضنا تداوینا بذکرکم ونترك الذکر احیانا فننتکس (۲۷)

(جب ہم بیمار ہوتے ہیں تو آپ کو یاد کر کے علاج کرتے ہیں جب آپ کی یاد چھوڑ دیتے ہیں تو دوبارہ بیمار ہو جاتے ہیں)۔

وقت کا خیال ضروری ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے: "انّی لامقت الرجل ان أراه فارغًا، لیس فی شیء من عمل الدنیا ولا عمل الآخرة "(۲۸)(میں کسی آدمی کو دنیا و آخرت کے اعمال سے فارغ دیکھتا ہوں تو ناراض ہوتا ہوں)۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کو وصیت کی جب انہیں خلیفہ بنایا "ان للّٰه حقا فی اللیل لا یقبله فی النهار، و أن للّٰه حقا فی النهار لا یقبله فی اللیل "(۲۹)(اللہ کے بعض حقوق رات کے ہیں جو وہ دن کو قبول ہیں اور بعض حقوق دن کے ہیں ان کو رات کو قبول نہیں کرتا ہے)۔ وقت پر کام کرنا ان کی عادت تھی۔

علامہ نیشاپوری قرآن مجید کی آیت ”والعصر ان الانسان لفی خسر“ کی تفسیر میں فرماتے ہیں ”لا شیء انفس من العمر “(۳۰) (عمر سے بڑھ کر کوئی چیز نفیس نہیں ہے)۔امام رازی فرماتے ہیں ”زمانہ مکاں سے زیادہ اعلیٰ واشرف ہےاس لیےاس کی اللہ نے قسم کھائی“(۳۰-۱)۔

حدیث میں ہے” عن أبی برزة الأسلمی أن رسول اللهﷺ قال: لا تزول قدما عبدٍ یوم القیامة حتی یسأل عن عمره فیما أفناه وعن علمه فیما فعل وعن ماله من این اكتسبه وفیما انفقه وعن جسمه فیما ابلاه “(۳۱) (حضرت ابوبرزہ اسلمیؓ سے روایت ہے رسول اللہﷺ نے فرمایا: ابن آدم کے قدم قیامت کے روز نہ حرکت کر سکیں گے۔ یہاں تک کہ اس سے پوچھا جائے گا۔ اس نے اپنی زندگی کس طرح گزاری۔ اور علم پر کیا عمل کیا۔ اور مال کے متعلق کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور جسم کے متعلق سوال ہوگا کہ اسے کن کاموں میں لگایا)۔

۳۔ طلب حدیث کا آغاز

طلب حدیث کا آغاز مستند عالم سے کرنا چاہیے۔ امام ابن سیرین فرماتے ہیں ”ان هذا العلم دین فانظروا عمّن تاخذون دینكم “(۳۲) (بیشک یہ علم دین ہے سو دیکھا کرو کہ کن لوگوں سے تم اپنا دین حاصل کرتے ہو)۔

دمشق یونیورسٹی کے ڈاکٹر محمد عجاج الخطیب آداب طالب حدیث کے زیر عنوان لکھتے ہیں ”وعلی الطالب ان یتحمل عن الشیوخ الثقات “(۳۳) (طالب علم کو مستند عالموں سے حدیث حاصل کرنا لازمی ہے) اور حضرت عقبہ بن نافع نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی تھی ” یا بنی لا تقبلوا الحدیث عن رسول اللهﷺ الا من ثقة “(۳۴) (اے میرے بیٹو! رسول اللہ کی حدیث کسی معتمد آدمی سے ہی لیا کرو)۔

انسان کی علم کے بغیر مسئلہ بتانے اور غیر معتمد لوگوں سے حدیث لینے سے بڑی جہالت اور کیا ہوگی؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے حضرت قاسم بن محمد جو اپنے دور کے سب سے بڑے عالم تھے بجا فرماتے ہیں ”اقبح من الجمل ان اقول بغیر علم او احدث من غیر ثقة (۳۵) (میں اونٹ سے بدتر ہوں گا اگر بغیر علم کے کوئی بات کہوں یا غیر معتمد سے حدیث بیان کروں)۔ ایک اور جگہ انہیں

سے منقول ہے: "لا تاخذوا الحدیث عن رسول اللہ ﷺ الا عن ثقة " (۳۶) (تم رسول اللہ ﷺ سے روایت کردہ حدیث اسی شخص سے لیا کرو جو ثقہ ہو)

خلیفہ راشد سیدنا علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں: " اذا کتبتم الحدیث فاکتبوہ باسنادہ فان یك حقا کنتم شرکاہ فی الاجر وان یك باطلا کان وزرہ علیه " (۳۷) (جب تم کوئی حدیث لکھو تو اسے اس کی سند کے ساتھ لکھا کرو اگر وہ صحیح ہوگی تو تم اس کے اجر و ثواب میں شریک ہوں گے اگر روایت غلط ہوگی تو اس کا گناہ اس راوی پر ہی ہوگا)۔

صحابہ سے روایت کرنے والا راوی اگر کمزور بھی ہو تو اس سے اتنا نقصان نہیں پہنچ سکتا جتنا کہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنے والا کمزور راوی دین کے لیے وجہ خلفشار ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے حدیث بیان کرنے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس لیے علم حدیث صرف ثقہ مستند عالم سے حاصل کرے۔

صحابہ کرامؓ سے بھی لوگ پوچھتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت انس بن مالکؓ حدیث بیان فرما رہے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا: "انت سمعته من رسول اللہ ؟" تو حضرت انسؓ کو سخت غصہ آیا اور کہا "واللہ ما کل ما نحدثکم سمعناہ من رسول اللہ، ولکن یحدث بعضنا بعضا، ولا یتهم بعضنا بعضا " (۳۸) (اللہ کی قسم تمام وہ احادیث جو رسول اللہ سے ہم روایت کرتے ہیں، ضروری نہیں کہ آپ ﷺ سے ہم نے خود سنی ہوں بلکہ ایک دوسرے سے سن کر بھی روایت کرتے ہیں کیونکہ ہم میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کو جھوٹ نہیں بیان کرتا)

۴۔ محدث اساتذہ کے ہاں جانے کے آداب

معروف محدث، مفسر لغوی ابو عبید قاسم بن سلام فرماتے ہیں: میں محدث کے ہاں (گھر) اجازت لے کر فوراً نہ جاتا تھا بلکہ انتظار کرتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ خود گھر سے باہر آئیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تاویل کرتا تھا۔ "لوا انهم صبروا حتی تخرج الیهم لکان خیرًا لهم " (۳۹) (اگر وہ آپ کے ان کی طرف تشریف تک صبر کریں تو ان کے لیے بہتر ہے)۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی میں نے ایک انصاری

آدمی سے کہا آؤ صحابہؓ سے پوچھیں وہ ان دنوں زیادہ ہیں تو وہ کہنے لگا۔ ابن عباسؓ آپؓ پر تعجب ہے۔ آپؓ کا خیال ہے لوگوں کو آپؓ کے علم کی ضرورت ہو گی حالانکہ صحابہ کرام میں بڑے بڑے لوگ ہیں۔ اس نے علم حاصل کرنا چھوڑ دیا لیکن میں صحابہ رسول ﷺ سے حدیث کے متعلق پوچھتا رہتا۔ مجھے کسی صحابی سے حدیث کے متعلق پتہ چلتا تو میں اس کے دروازے پر رہتا جبکہ وہ قیلولہ کر رہا ہوتا تھا۔ میں اپنی چادر کا تکیہ بنا کر اس کے دروازے پر بیٹھا رہتا۔ ہوا مجھ پر مٹی پھینکتی۔ جب وہ نکلتا تو کہتا: اے ابن عم الرسول ﷺ، آپؓ کیوں تشریف لائے؟ آپؓ نے مجھے پیغام کیوں نہ بھیجا، میں خود آتا۔ میں کہتا: میں اس بات کا زیادہ حق دار ہوں کہ میں آپؓ کے پاس آؤں پھر میں ان سے حدیث کا سوال کر لیتا۔ یہ انصاری زندہ رہا یہاں تک کہ اس نے مجھے دیکھ لیا کہ لوگ میرے اردگرد جمع ہوتے اور مجھ سے سوال کرتے تھے۔ تو وہ (انصاری) کہتا یہ نوجوان مجھ سے زیادہ عقل مند ثابت ہوا (۴۰)۔

۵۔ اساتذہ کا احترام

ہر طالب علم کو اساتذہ کا احترام کرنا چاہیئے۔ خصوصاً حدیث کے طالب علم پر لازم ہے کہ اپنے استاذ کا بہت احترام کریں۔ امام زہری جو فنِ حدیث کے مدون اوّل ہیں۔ اپنے استاذ کا بے انتہا احترام کرتے تھے۔ درس حدیث سے پہلے اپنے استاذ کا ایک باغ سینچتے اور کنویں سے ڈول بھر بھر کر پانی نکالتے اور یہ عمل روز کرتے (۴۱)۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمہ اللہ اختلاف رائے کے باوجود، امام ابو حنیفہؒ کی بے حد تعظیم فرماتے، ایک شخص نے امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں کچھ گستاخانہ سوال کیا۔ آپ نے اس کی سرزنش کی (۴۲)۔ امام ابو حنیفہؒ خود بھی احترام اساتذہ میں بے نظیر تھے۔ فرماتے ہیں: میری عمر گزر گئی لیکن اس مدت میں میں نے کوئی ایسی نماز نہیں پڑھی جس میں والدین کے ساتھ اساتذہ کے لیے دعا نہ کی ہو (۴۳)۔ امام احمد بن حنبلؒ بھی اپنے استاذ امام شافعیؒ کے لیے ہمیشہ دعائیں فرماتے تھے (۴۴)۔

معروف محدث سفیان بن عیینہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد کی نصیحت تھی کہ اپنے اساتذہ کی خدمت واطاعت کو واجب سمجھوں، اس لیے میں اساتذہ کی خدمت میں مشہور تھا، میرے والد کا مقولہ ہے "لن یسعد بالعلماء الا من اطاعهم فاطعهم تسعد واخدمهم تقتبس من

علمهم "(۴۵)(علماء سے وہی فیض اٹھائے گا جو ان کی اطاعت کرے گا ان کی اطاعت کرو سعادت حاصل ہوگی۔ان کی خدمت کرو ان کے علم سے (فیض) حاصل کرو گے)۔ شاعر کہتا ہے:

رایت احق الحق المعلم اوجبه حفظا علی کل مسلم

لقد حق ان یهدی الیه کرامته لتعلیم حرف واحد الف درهم

(میں نے دیکھا استاذ کا حق سب حقوق سے بڑھ کر ہے اور ہر مسلمان کو اس کا لحاظ ضروری ہے اور استاذ تو اس لائق ہے کہ اس کے احترام میں ایک ایک حرف پر ہزاروں درہم نذر کیے جائیں)۔

۶۔ ذوق علم و مطالعہ

امام ابن شہاب زہری بہت بڑے تابعی ہیں۔امام مالک اور سفیان ثوری جیسے محدث ان کے شاگرد ہیں۔امام موصوف کے مطالعہ کا یہ حال تھا کہ جب اپنے گھر میں کتب بینی کے لیے بیٹھ جاتے ہیں تو ایسے مصروف ہو جاتے ہیں کہ ان کو کسی چیز کی کچھ خبر نہ رہ جاتی۔ایک دن ان کی بیوی نے تنگ آ کر کہہ دیا۔خدا کی قسم یہ کتابیں مجھ پر تین سوکنوں سے بھی زیادہ بھاری ہیں (۴۶)۔

امام احمد بن محمد کے بارے میں ابن حجر لکھتے ہیں "کان مکبا علی الاشتغال حتی عرض له وجع المفاصل بحیث کان الثوب اذا لمس جسمه المه ومع ذلك معه کتاب ینظر إلیه وربما انکب علی وجهه وهو یطالع "(۴۷)(رات دن کے کثرت مطالعہ سے جوڑوں میں درد کی تکلیف ایسی ہوگئی کہ جسم پر کپڑا چھو جانے سے بھی تکلیف ہوتی تھی۔اس کے باوجود مطالعہ میں کتاب رہتی تھی۔جس کا مطالعہ کرتے ہوئے کبھی کبھی چہرہ کے بل گر پڑتے)۔

علامہ سید رشید رضا صاحب "تفسیر المنار" اپنے وطن میں تعلیم پا کر فارغ التحصیل ہو چکے تو آپ کو سید جمال الدین افغانی کے رسالہ "العروة الوثقی" کے مطالعہ کا اتفاق ہوا۔رشید رضا نے فوراً عزم کر لیا کہ اپنی زندگی اسلام اور مسلمانوں کی خدمت پر وقف کر دیں گے،رشید رضا نے اپنا پیام سید جمال الدین افغانی کو بھیجا مگر جواب دینے سے پہلے ہی فوت ہو گئے۔اب ان کے شاگرد شیخ محمد عبدہ مصری موجود تھے۔رشید رضا نے طے کیا کہ مصر جائیں گے اور محمد عبدہ کی صحبت اختیار کریں گے۔شادی ہو چکی تھی۔بیوی سے اپنا ارادہ ظاہر کیا وہ سفر کے لیے راضی نہ ہوئی۔رشید رضا نے بیوی کو طلاق دی اور محمد

عبدہ کی خدمت میں مصر کو روانہ ہو گئے (۴۸)۔اولوالعزم لوگوں نے کبھی بیوی بچوں کی پرواہ نہیں کی۔

امام رازی کو کھانے کے وقت علمی شغل و کتب بینی کا موقع فوت ہونے پر افسوس ہوتا تھا، فرماتے ہیں۔"واللہ انّی لا تاسف فی الفوات عن الاشتغال بالعلم وقت الاکل، فان الوقت و الزمان عزیزان "(۴۹)(اللہ کی قسم میں علم چھوڑ کر کھانے کے لیے وقت لگانے پر بھی افسوس کرتا ہوں وقت اور زمانہ دونوں قیمتی ہیں)۔معلوم ہوا کہ مطالعہ چھوڑ کر کھانا کھانے میں جو وقت خرچ ہوتا تھا۔اس پر امام کو تاسف ہوتا تھا اور آج جس قدر وقت ہمارے طلبا ضائع کرتے ہیں ویسے ہی وقت ان کو ضائع کر رہا ہے۔

مسٹر آرنلڈ جو علامہ اقبالؒ وعلامہ شبلیؒ کے استاد تھے،موصوف علی گڑھ میں فلسفہ کے پروفیسر تھے۔ان کے وطن جانے کے موقع پر شبلیؒ بھی ساتھ گئے۔بمبئی میں جہاز پر سوار ہوئے جب جہاز عدن پہنچ کر آگے بڑھا تو جہاز کا انجن ٹوٹ گیا، جہاز کے ملازمین اور کپتان گھبرائے تدبیریں کرتے تھے،انجن بالکل بے کار ہو چکا تھا، جہاز سست رفتار ہو گیا، عین اسی حالت میں شبلی بصد اضطراب دوڑتا ہوا مسٹر آرنلڈ کے پاس پہنچا۔دیکھتا ہے کہ وہ نہایت اطمینان سے کتاب کا مطالعہ کر رہے ہیں۔شبلیؒ نے کہا آپ کو کچھ خبر بھی ہے؟ بولے، کہ ہاں انجن ٹوٹ گیا ہے،شبلی نے کہا ایسی حالت میں یہ کتاب دیکھنے کا موقع ہے؟ جواب ملتا ہے"جہاز کو اگر برباد ہی ہونا ہے تو یہ تھوڑا سا وقت اور بھی قدر کے قابل ہے" (۵۰)۔

۷۔ تکرار و مذاکرہ

حدیث کے طالب علم کو روز کے سبق دھرانا چاہیے اور آپس میں مذاکرہ کرنا چاہیے۔حضرت جعفر بن محمد فرماتے ہیں"القلوب ترب والعلم غراسها، المذاکرة ماؤها، فاذا انقطع عن التّرب ماؤها، جف غراسها"(۵۱)(دل زمین ہے علم پودا ہے مذاکرہ پانی ہے جب زمین سے پانی کا انقطاع ہو جائے تو اس کا پودا سوکھ جائے گا)۔

علامہ ابواسحاق شیرازی کا معمول تھا کہ اپنے اساتذہ سے روز جو کچھ حاصل کرتے تھے اس کو گھر جا کر بلاناغہ روزانہ سو بار تکرار کر کے حفظ تک پہنچا دیتے۔آپ مشہور کتاب"مہذب"کے مصنف

ہیں۔ جس پر چودہ برس کا زمانہ آپ نے صرف کیا(۵۲)۔

حضرت علیؓ بن ابی طالب فرماتے ہیں: ”تزا وروا وتذاکروا هذا الحديث ان لا تفعلوا يدرس اى ينسى “(ایک دوسرے کو ملا کرو اور علم حدیث کا مذاکرہ کرو، اگر ایسا نہ کروگے تو بھول جائے گا)۔

عبدالرحمٰن بن مھدی فرماتے ہیں ”انما مثل صاحب الحديث بمنزلة السمسار، اذا غاب عن السوق خمسة ايام تغير بصره “(۵۳)(صاحب حدیث کی مثال منتظم بازار ہے جب وہ بازار سے پانچ دن تک غائب ہو جائے تو اس کی نظر بدل جاتی ہے، یعنی اس کو چیزوں کے متعلق معلومات نہیں رہتی)۔

حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں: ”كنا نكون عند النبی ﷺ فنسمع منه الحديث فاذا قمنا تذاكرنا فيما بيننا حتى نحفظه “(۵۴)(جب ہم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ہوتے تو آپ ﷺ سے حدیث سنتے تھے جب آپ ﷺ کی مجلس سے اٹھتے تو آپس میں مذاکرہ کرتے یہاں تک کہ اسے یاد کر لیتے)۔ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں: ”تحدثوا وتذاكروا ، فان الحديث يذكر بعضه بعضا “(۵۵)(تم حدیث بیان کرو اور مذاکرہ کرو بیشک حدیث بعض، بعض کو یاد دلاتی ہیں)۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ”اذا سمعتم منى حديثا فتذاكروه بينكم “(۵۶)(جب مجھ سے کوئی حدیث سنو تو اس کا مذاکرہ کرو)۔

ابراہیم اصبہان فرماتے تھے: ”كل من حفظ حديثا فلم يذاكربه تفلّت منه “(۵۷)(ہر اس شخص سے حدیث ضائع ہو جاتی ہے جو یاد کرنے کے بعد مذاکرہ نہیں کرتا)۔

مندرجہ بالا اقوال ذکر کرنے کے بعد خطیب بغدادی لکھتے ہیں: ”واذا لم يجد الطالب من يذاكره، أدام ذكر الحديث مع نفسه، وكرره على قلبه (۵۸)(مذاکرہ کرنے کے لیے کوئی طالب علم نہ ملے تو اپنے نفس کے ساتھ حدیث کا مذاکرہ کرے اور دل میں دہرائے)۔

شاعر نے عبداللہ ابن مبارک کی مجلس کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

ما لذتى الا رواية مسند — قد قيدت بفصاحة الالفاظ

ومجالس فيها تحل سكينة　　ومذاكرات معاشر الحفاظ
نالوا الفضيلة والكرامة والنهى　　من ربهم برعاية وحفاظ

(مجھے مسند کی روایت میں لذت محسوس ہوتی ہے جس میں الفاظ کی فصاحت ہو۔ایسی مجالس میں لذت محسوس ہوتی ہے جس میں سکینت اترتی ہو۔اور حفاظ لوگوں سے مذاکرات میں لذت آتی وہ اللہ کی طرف سے فضیلت اور کرامت اور عقل پاتے ہیں اور ان کا خیال رکھا جاتا ہے اور حفاظت کی جاتی ہے)۔

۸- عمل

علم حدیث حاصل کرنے کے ساتھ اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔اگر صرف اسے حاصل کرتے رہے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔اس لیے سلف صالحین حدیث کو یاد رکھنے کے لیے اس پر عمل بھی کرتے تھے۔جلیل القدر محدث ابراہیم بن اسماعیل فرماتے ہیں"کنا نستعین بالحدیث علی حفظه بالعمل "(۵۹)(ہم حدیث کو یاد کرنے کے لیے عمل سے مدد لیتے تھے)۔یعنی حدیث پر فوراً عمل کرتے تھے اس سے ہمیں حدیث یاد رہتی تھی۔

امام شعبی بھی یہی فرماتے ہیں:"کنا نستعین علی حفظ الحدیث بالعمل به وكنا نستعين على طلبه بالصوم(۶۰)(ہم حدیث یاد کرنے کے لیے اس عمل کرنے سے (حفظ میں) مدد لیتے اور حدیث تلاش کرنے کے لیے روزہ سے مدد لیتے تھے)۔

حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں"ویل لمن لا یعلم ولا یعمل مرة وویل لمن یعلم ولا یعمل سبع مرات "(اس شخص کو"ہلاکت"ایک مرتبہ ہے جو جانتا بھی نہیں،عمل بھی نہیں کرتا اور اس شخص کے لیے سات مرتبہ ہلاکت ہے جو جانتا ہے اور عمل نہیں کرتا ہے)۔

بےعمل خطیب کی تقریر بھی بے اثر ہوتی ہے۔حضرت مالک بن دینار کہتے ہیں"ان العالم اذا لم یعمل زلت موعظته عن القلوب کما یزل القطر عن الصفا "(۶۱)(بےعمل عالم کی نصیحت (وعظ) دلوں سے ایسے اتر جاتی ہے جیسا کہ پہاڑ کے پتھر سے بارش کا قطرہ)۔

زیاد بن ابی سفیانؒ فرماتے ہیں:"اذا خرج الکلام من القلب وقع فی القلب واذا

خرج من اللسان لم يجاوز الاذان "(۶۲)(جب بات دل سے نکلے تو دل میں اتر جاتی ہے اور جب زبان سے نکلے تو کانوں سے تجاوز نہیں کرتی)۔

حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں:"تعلموا العلم واعملو به ولا تتعلموه لتتجملوا به فإنه يوشك ان طال بكم زمان ان يتجمل بالعلم كما يتجمل الرجل بثوبه "(۶۳)(علم حاصل کرو اور اس پر عمل کرو، اور علم کو خوبصورتی کے لئے حاصل نہ کرو۔قریب ہے اگر تمہاری عمر لمبی ہو جائے تو دیکھو گے کہ آدمی کی علم سے اس طرح خوبصورتی حاصل کی جائے گی جس طرح آدمی کپڑے سے خوبصورتی حاصل کرتا ہے)۔

۹۔ حفظ وضبط

طالب حدیث کے لیے ضروری ہے کہ حدیث اللہ کی رضا مسلمانوں کو نصیحت اور آگے پہنچانے کے لیے یاد کرے۔علامہ محمد مجد الدین فیروز آبادی جس پایہ کے شخص تھے وہ ان کی تصنیف "قاموس" سے ظاہر ہے تیمور لنگ جب علامہ فیروز آبادی سے ملتا تو نہایت تعظیم سے پیش آتا۔لیکن یہ بلند پایہ مقام ان کو بلا کوشش حاصل نہ ہوا تھا۔خود ان کا بیان ہے کہ ہر روز میں جب تک دو سو سطریں نہ حفظ کر لیتا رات کو آرام نہ کرتا۔یہ شوق سفر میں بھی قائم رہتا(۶۴)۔

امام زہریؒ کے متعلق منقول ہے کہ بعض خلفا نے ابن شہاب زھری کو بلوا کو چار سو حدیثیں لکھوائیں۔ایک مدت کے بعد خلیفہ نے امام زہری کو بلوایا اور کہا کہ وہ رسالہ گم ہو گیا ہے پھر سے لکھا دیجیے تو امام نے لکھوا دیں۔جب پہلے رسالہ سے ان کا مقابلہ کیا گیا تو ایک حرف تک کی کمی بیشی نہ تھی(۶۵)۔

امام بخاریؒ کے ذوق ضبط وحفظ کا اندازہ اس واقعہ سے کر سکتے ہیں کہ جب امام بخاری بغداد میں رونق افروز ہوئے تو آپ کے کمال وذکاوت وحافظہ کا جو غلغلہ تھا بغداد کے محدثین نے اس کا امتحان لینا چاہا۔چنانچہ اصحاب حدیث نے سو حدیثوں کی اسناد ومتون الٹ پلٹ کر آپ کر کے سامنے پیش کیں امام بخاری نے ہر متن کو اس کی اصل سند کے ساتھ اور ہر سند کو اس کے اصلی متن کے ساتھ ملحق کر کے ترتیب وار سنا دیا:"فاقرّ الناس له بالحفظ واذ عنواله بالفضل "(لوگوں نے امام بخاری

کے حفظ کا اقرار کیا آپ کی فضیلت کے آگے جھک گئے)(٦٦)۔

امام بخاری نے لاکھوں حدیثیں یاد کر رکھی تھیں۔خود فرماتے ہیں:"احفظ مائة الف حديث صحيح واحفظ مائتی الف حديث غير صحيح "(٦٧)(مجھے ایک لاکھ صحیح روایات یاد ہیں اور دو لاکھ غیر صحیح روایات یاد ہیں)۔

امام بخاریؒ کے رفقائے درس بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری ہمارے ساتھ بصرہ کے شیوخ حدیث کے پاس جاتے تھے۔ہم سب احادیث قلم بند کر لیتے تھے اور وہ کسی حدیث کو نہیں لکھتے تھے۔سولہ سترہ دن جب اسی حالت میں گزر گئے تو ہم نے ان کو ملامت کی کہ جب تم احادیث کو ضبط تحریر میں نہیں لاتے تو اس طرح وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ؟ امام بخاری نے فرمایا کہ جو کچھ ان سولہ سترہ دنوں میں، میں نے شیخ سے سنا ہے مجھے بخوبی یاد ہے آپ لوگ اپنی لکھی ہوئی کاپیاں نکالئے اور مجھ سے زبانی سنیے۔امام نے اپنے حافظہ سے سنانا شروع کیا، پندرہ ہزار سے زائد حدیثیں امام بخاری نے پوری صحت کے ساتھ ہم کو سنا دیں(٦٨)۔

۱۰۔ تحصیل علم کے لیے سفر

تحصیل علم کے لیے سفر کرنا اور نامور علماء سے ملاقاتیں کرنا طلباء کے لیے لازمی منصوبہ ہونا چاہیے۔علم میں وسعت اور عمق حاصل کرنے کے لیے سفر لازمی ہے۔حضرت علی بن حسین کہتے ہیں"لا يستطاع العلم براحة الجسم "(٦٩)(تحصیل علم جسمانی راحت اور آرام طلبی کے ساتھ ناممکن ہے)۔ایک دوسری حدیث میں وارد ہے"اذا جاء الموت طالب وهو على تلك الحال مات شهيدا(٧٠)(جب طالب علم پر اس حال میں موت آجائے کہ وہ علم حاصل کر رہا ہو تو وہ شہید ہے)۔

دوران سفر جس قدر مشہور علماء سے ملاقات ہو سکے ان سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔علاوہ ازیں ایک بات یہ بھی ہے کہ اساتذہ کی تعداد بھی طالب علم کی قابلیت کی ضمانت بن جاتی ہے۔طالب علم کو انتہائی کوشش کرنی چاہیے کہ اپنے عہد کے زیادہ سے زیادہ اساتذہ سے تعلق رکھے۔

صحابہ کرامؓ کو دیکھیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ مدینہ میں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ مکہ میں، حضرت معاذؓ بن جبل یمن میں، حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ بصرہ میں، حضرت عبداللہؓ بن مسعود کوفہ میں،

حضرت عبادہؓ بن الصامت اور حضرت ابوالدرداؓ شام میں اور حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص نے مصر میں مسند درس وارشاد قائم کی تھی۔

اکثر احادیث کا علم براہ راست چند صحابہ ہی کو تھا۔ دوسرے صحابہ اسے حاصل کرنے کے لیے مہینوں سفر کرتے تھے۔ حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں "بلغني حديث عن رجل من اصحاب رسول الله ﷺ فابتعت بعيرا فشددت عليه رحلي ثم سرت اليه شهرا حتى قدمت الشام فاذا عبدالله بن انيس الانصاري فقال: جابر بن عبدالله، فقلت: نعم، فخرج اليّ فاعتنقته واعتنقني، قال: قلت حديث بلغني انك سمعته من رسول الله ﷺ في المظالم لم أسمعه أنا منه، قال سمعت رسول الله ﷺ -- الخ" (۷۱) (نبی اکرم ﷺ کے اصحاب میں سے ایک صحابی کے بارے میں مجھے معلوم ہوا کہ ان کے پاس نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث مظالم سے متعلق ہے (اس حدیث کا علم اس صحابی سے براہ راست حاصل کرنے کے لیے) میں نے ایک اونٹ خریدا اور پالان ڈالا اور شام کی طرف روانہ ہوا۔ ایک ماہ تک برابر چلتا رہا حتی کہ شام پہنچ گیا اور عبداللہ بن انیس انصاری (جن کے نام سے انہیں حدیث پہنچی تھی) کے گھر پہنچا۔ ان کے مکان کے اندر کسی قاصد کو بھیجا اور کہا اطلاع کردو تمہارے دروازے پر جابر کھڑا ہے۔ قاصد نے واپس آ کر پوچھا کہ کیا جابر بن عبداللہ ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ یہ سن کر عبداللہ بن انیس باہر نکل آئے۔ دونوں ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے۔ اس کے بعد حضرت جابر کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا مجھے آپ کے نام سے ایک حدیث رسول پہنچی ہے جو آپ ﷺ نے مظالم کے متعلق ارشاد فرمائی ہے۔ میں نے یہ حدیث خود رسول اللہ سے نہیں سنی ہے۔ آپ نے یہ حدیث سنی ہے؟ عبداللہ بن انیس نے جواب میں کہا۔ ہاں میں نے خود رسول اللہ سے یہ حدیث سنی ہے (اس کے بعد عبداللہ بن انیس نے پوری حدیث سنائی)۔

اسی طرح حضرت جابرؓ بن عبداللہ کا تذکرہ صحیح بخاری میں بھی موجود ہے کہ ایک حدیث کی خاطر مدینے سے شام تک کا سفر کیا جو ایک مہینہ کا تھا۔ بخاری کے الفاظ یہ ہیں: "رحل جابر عبدالله ميسرة شهر الى عبدالله بن انيس في حديث واحد" (۷۲) (حضرت جابر بن

عبداللہؓ نے عبداللہ بن انیس کی طرف صرف ایک حدیث کے لیے ایک مہینہ کا سفر اختیار کیا)۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں "فخشیت ان اموت او تموت قبل ان اسمعه" (۷۳) (مجھے یہ خوف دامن گیر ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ سے اس حدیث کے سننے سے پہلے میں یا آپ فوت ہو جائیں)۔ اسی طرح حضرت ابوایوب انصاریؓ صرف ایک حدیث کی سماع کے لیے مدینہ سے مصر گئے۔ ان کا اس سفر سے سماع حدیث کے علاوہ اور کچھ مقصد نہ تھا۔ چنانچہ کھڑے کھڑے سواری پر اس حدیث کو سنا اور پھر اس وقت سواری کو واپس موڑ لیا (۷۴)۔

عہد صحابہ میں ایک شخص حدیث کی تلاش میں مدینہ سے سفر کر کے حضرت ابودرداءؓ کے پاس دمشق آتا ہے "قدم رجل من المدينة على ابى الدرداء وهو بدمشق فقال ما اقدمك يا اخى؟ فقال: حديث بلغنى انك تحدثه عن رسول الله قال: اما جئت لحاجة؟ قال: لا۔ قال: اما قدمت لتجارة؟ قال: لا، قال: ما جئت الا فى طلب الحديث قال: فانى سمعت رسول الله ۔۔۔۔ الخ" (۷۵) (ایک شخص مدینہ سے حضرت ابودرداءؓ کے پاس دمشق آیا۔ ابودرداءؓ اسے سوال کرتے ہیں میرے بھائی تو کس لیے آیا۔ اس نے کہا۔ میں نے ایک حدیث سنی ہے جو آپ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔ ابودرداءؓ پوچھتے ہیں کسی اور کام کے لیے تو نہیں آیا جواب دیا۔ نہیں پوچھتے ہیں تجارت کی غرض سے تو نہیں آنا ہوا؟ جواب دیتے ہیں نہیں، میں صرف حدیث کی تلاش میں آیا ہوں۔ تب ابودرداءؓ نے حدیث روایت فرمائی)۔

خلوص نیت ہی کی کشش تھی کہ لوگ ایک حدیث کے لیے سینکڑوں میل کا سفر اختیار کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کی طرح سلف الصالحین بھی علم حدیث کی تلاش میں سفر کرتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز امام دارمی کے بارے میں لکھتے ہیں "آپ نے کثرت سے سفر کیا اور اکثر بلاد اسلام کا سفر کیا نیز دور دراز شہروں میں گشت کر کے علم حدیث کو جمع کیا" (۷۶)۔

سعید بن المسیب فرماتے ہیں: "ان كنت لأسير الليالى والأيام فى طلب الحديث الواحد" (۷۷) (میں ایک حدیث کے لیے کئی رات دن سفر کرتا تھا)۔

۱۱۔ راہِ علم میں خرچ

محدثین عظام دورِ سلف میں طلب حدیث کے لیے کثیر روپیہ خرچ کرتے تھے۔ خطیب بغدادی کے بارے میں صاحب نجم الادباء نے لکھا ہے" والخطیب البغدادی قد بذل لطلب الحدیث عشرین الف الف دینار" (۷۸)۔

خطیب بغدادی نے علم حدیث کی طلب میں دو کروڑ روپیہ خرچ فرمایا (۷۹)۔ امام ذہبی نے طلب حدیث کے سلسلے میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ خرچ کیا تھا (۸۰)۔ امام یحیٰی بن معین نے طلب حدث میں اپنا سامان، گھر کا اثاثہ بیچ بیچ کر ایک کروڑ پچاس لاکھ درہم خرچ کر دیا حتیٰ کہ گھر میں کچھ باقی نہ رہا (۸۱)۔ امام عبداللہ ابن مبارک نے طلب حدیث میں چالیس ہزار درہم خرچ کیے (۸۲)۔

۱۲۔ طلب حدیث میں صبر

علم اور آرام دو متضاد چیزیں ہیں۔ اس لیے کہ طلب آرام و طلب علم دونوں اکٹھی پوری نہیں ہو سکتیں یا تو طالب علم ہو، من حیث ھو طالب یا طالب راحت ہو۔ دونوں طلبیں جمع نہیں ہو سکتیں۔

امام طبرانی سے کسی شخص نے پوچھا کہ آپ کو یہ بے شمار معلومات کیسے حاصل ہوئیں؟ فرمایا:" کنت انام علی البواری ثلثین سنة "(۸۳) (تیس برس تک میری کمر نے بوریہ کے سوا کسی بستر کا لطف نہیں اٹھایا)۔ اس واقعہ کو پڑھ کر طلباء اور شائقین علم کو غور کرنا چاہیے کہ آج ہم راہ علم میں کتنی قربانی دے رہے ہیں۔

فن حدیث کے امام ابو حاتم رازی فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ ہم چند طالب علم ایک سفر میں تھے، پیدل چلتے چلتے جب توشہ ختم ہوا تو بے آب و دانہ تین دن تک چلتے رہے ہم میں سے ایک زیادہ عمر رسیدہ تھے۔ وہ برداشت نہ کر سکے بے ہوش ہو کر گر پڑے، ہم لوگ اس کو حرکت دینے لگے تو دیکھا کہ بالکل بے حواس ہو چکے ہیں۔ ہم ان کو چھوڑ کر ایک میل تک ہی گئے ہوں گے کہ میں اس مقام پر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ میرا ساتھی مجھے چھوڑ کر آگے گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک کشتی بان کو اشارہ سے بلایا، اس نے آ کر اس کو پانی پلایا۔ پھر اس نے کہا کہ میرے دو ساتھی بے ہوش پڑے ہیں ان کی خبر لو۔ چنانچہ مجھے کچھ ہوش نہیں تھا۔ ایک آدمی مجھ پر پانی چھڑک رہا تھا اس وقت مجھے افاقہ ہوا اور میں نے تھوڑا سا

پانی پیا، اس کے بعد اسی طرح اس شیخ کو ہوش میں لایا گیا (۸۴)۔

شاعر کہتا ہے: آخر العلم لذیذ طعمه وبدء الذوق منه کالصبر (۸۵)۔

(یعنی علم کا آغاز صبر سے کریں تو انجام میٹھا ہوسکتا ہے)۔

محدث کے آداب وفرائض

بعض چیزیں محدث اور طالب علم دونوں میں مشترک ہوتی ہیں۔ مثلاً نیت، حفظ، عمل، وقت کی قدر، ذوق مطالعہ، رحلات علم پر اخراجات وغیرہ، لیکن بعض چیزیں محدث استاد کے لیے ضروری ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ علم حدیث کو نشر کرنا

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ما تصدق رجل بصدقة افضل من علم ينشره" (۸۶) (آدمی کا علم پھیلانے سے بہتر کوئی صدقہ نہیں)۔ امام زہری فرماتے ہیں "ما صبر احد على العلم صبری ولا نشره احد نشری" (۸۷) (کسی نے حصول علم میں میری طرح (مجھ جیسا) صبر نہیں کیا اور نہ کسی نے میری طرح علم پھیلایا)۔

حضرت سہل بن سعد بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا: "لأن يهدی الله بك رجلا واحدا خير لك من حمر النعم" (۸۸) (اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے ایک آدمی کو ہدایت دے تو وہ تمہارے لیے سرخ اونٹ سے بہتر ہے)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ نے فرمایا: "مثل الذی يتعلم العلم ولا يحدث به كمثل الذی يكنز الكنز ولا ينفق" (اس آدمی کی مثال جو علم حاصل کرتا ہے اور اسے بیان نہیں کرتا اس شخص کی طرح ہے جو خزانہ اکٹھا کرتا ہے اور اسے خرچ نہیں کرتا (یعنی اس کا کوئی فائدہ نہیں)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مثل الذی يتعلم العلم لا يحدث به الناس كمثل الذی رزقه الله ما لا ولا ينفق منه" (۸۹) (اس شخص کی مثال جو علم حاصل کرتا ہے اسے لوگوں کو بیان نہیں کرتا اس شخص کی طرح ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے اسے وہ

خرچ نہیں کرتا)۔

حضرت امام مالک اپنے شاگردوں کو کہا کرتے تھے: "اتقوا الله وانشروا هذا العلم وعلموه ولا تكتموه" (اللہ سے ڈرو اور اس علم کو پھیلاؤ، اسے سکھاؤ اور اسے نہ چھپاؤ)۔

رسول اللہ ﷺ نے علم کو چھپانے والے کے لیے سخت وعید سنائی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "من سئل عن علم علمه ثم كتمه الجم يوم القيامة بلجام من نار" (۹۰) (جس کو علم کے بارے میں پوچھا جائے اور وہ جانتا ہو پھر بھی اسے چھپائے تو اس کو قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی)۔

خلفاء و امراء لوگوں سے علم پھیلانے کے عہد لیتے، خطبوں میں زور دیتے اور عمال کی طرف تحریر بھیجتے تھے۔ خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ علم پھیلانے کا عہد لیتے تھے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں "لم يؤخذ على الجاهل عهد بطلب العلم حتى أخذ على العلماء ببذل العلم للجهال" (۹۱) (جاہل سے علم حاصل کرنے کا عہد نہ لیا جائے جب تک عالم سے یہ عہد نہ لیا جائے کہ علم پوری کوشش سے جاہلوں تک پہنچائے)۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جعفر بن برقان کو لکھا "فمر اهل الفقه والعلم من عندك فلينشر واما علمهم الله فى مجالسهم ومساجدهم" (۹۲) (جو عالم اور فقیہ آپ کے پاس ہے انہیں حکم دو کہ وہ علم جو اللہ تعالیٰ نے انہیں سکھایا ہے اسے لوگوں کی مجلسوں اور مسجدوں میں پھیلائیں)۔

محدثین کو علم پھیلانے کا اتنا شوق تھا جب انہیں حدیث سنانے کو کوئی نہ ملتا تو مسافروں اور بچوں کو سناتے تھے۔ محدث عطاء خراسانی کے بارے میں آتا ہے۔ "اذا لم يجد احدا يحدثه اتى المساكين فحدثهم" (۹۳) (جب حدیث سنانے کو کوئی نہ ملتا تو مساکین کے پاس آتے انہیں حدیث بیان کرتے تھے)۔ اور محدث اسماعیل بن رجاء کے بارے حضرت اعمش فرماتے ہیں "كان اسماعيل بن رجاء يجمع الصبيان فيحدثهم" (۹۴) (محدث اسماعیل بن رجاء بچوں کو جمع کرتے تھے پھر انہیں حدیث بیان فرماتے تھے)۔

۲۔ محدث کا وقار (لباس، عزت نفس وغیرہ)

محدث کے باطن یعنی نیت خالص ہونے کے ساتھ ظاہری حالت بھی عمدہ اور طالب حدیث کے لیے نمونہ ہونا چاہیے۔ بنوامیہ کے خلفاء، امراء اور علماء کے لئے رسول اکرم ﷺ کا لباس نمونہ تھا۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ کا لباس نہایت سادہ تھا۔ ابن عباس فرماتے ہیں "کان النبی ﷺ یلبس قمیصا فوق الکعبین مستوی الکمین باطراف اصابعہ" (۹۵) (حضور ﷺ کی قمیص ٹخنوں سے اوپر ہوتی تھی اور آپ کے کف مبارک انگلیوں کے کناروں کے برابر تھے)۔

رسول اللہ سفید کپڑا پہننے کا حکم فرماتے تھے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں "البسوا من ثیابکم البیاض فانها من خیر ثیابکم" (۹۶) (اپنے کپڑوں میں سے سفید کپڑے پہنا کرو بے شک یہ تمہارے کپڑوں میں سے بہتر ہیں)۔ اور ابوسلمہ فرماتے ہیں "ان النبی ﷺ کان یتختم فی یمینة (۹۷) (رسول اللہ ﷺ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے)۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں "کنا نعرف خروج النبی بریح الطیب" (۹۸) (ہم رسول اللہ ﷺ کے گھر سے نکلنے کا پتہ خوشبو سے لگا لیتے تھے)۔

یحیٰ بن محمد الشہید، محدث یحیٰ بن یحیٰ کے لباس کے بارے میں کہتے ہیں "ما رأیت محدثا اورع من یحیٰی بن یحیٰی ولا احسن لباسا منه" (۹۹) (میں نے یحیٰ بن یحیٰ سے بڑھ کر پرہیزگار نہیں دیکھا اور نہ اُن سے بڑھ کر خوبصورت لباس والا)۔ صاف اور سلیقے سے سلا ہوا لباس اور صاف ستھری ظاہری شکل وصورت کو ہر شخص سراہتا ہے۔

حضرت امام مالکؒ لباس کے معاملے میں بہت باذوق تھے۔ یمن، مصر اور خراسان تک سے عمدہ عمدہ کپڑے منگواتے۔ عطر کا بہت شوق تھا۔ درس سے پہلے نیا جوڑا پہن کر اور خوشبو لگا کر مجلس علمی کی صدارت کے لیے مسجد نبوی میں تشریف لاتے۔ حضرت مولانا داؤد غزنویؒ کے بارے میں سید ابوبکر غزنوی لکھتے ہیں: "طبیعت میں نفاست بہت تھی۔ بدتہذیبی اور ناشائستگی سے ان کی طبیعت مکدر بہت ہوتی تھی۔ کپڑا ہمیشہ نفیس پہنتے۔ کتاب کی جلد نفیس بندھواتے، قلم نفیس خریدتے۔ ان کی کتابوں پر بھی

داغ دھبہ میں نے نہیں دیکھا۔ لباس ہمیشہ اجلا پہنتے تھے۔ میں نے ان کے کپڑوں پر کبھی میل نہیں دیکھی" (۱۰۰)۔

۴۔ محدث کی مجلس درس

حضرت امام مالک جب درس حدیث کے لیے مجلس لگاتے تو اتنے ادب اور احترام کے ساتھ بیٹھتے کہ مجلس میں کسی قسم کی کوئی حرکت نہ ہو، جس سے سوئے ادب کا شائبہ ہو۔ سامعین بھی بالکل خاموشی سے مؤدب ہو کر آپ کی بات سنتے۔ مولانا سید سلیمان ندوی امام ذہبی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ "یہاں تک کہ امام ابو حنیفہ بھی جب امام (مالک) کی مجلس درس میں آ کر شریک ہوئے تو وہ بھی اسی طرح مؤدب ہو کر بیٹھے اور سید صاحب نے امام مالک کی مجلس درس کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے" جاہ و جلال اور شان و شکوہ سے کاشانہ امامت پر بارگاہ شاہی کا دھوکہ ہوتا تھا۔ طلبہ کا ہجوم، مستفتیوں کا ازدحام، امراء کا ورود، علماء کی تشریف آوری، سیاحوں کا گزر، حاضرین کی مؤدب نشست، در خانہ پر سواریوں کا انبوہ، دیکھنے والوں پر رعب و وقار طاری کر دیتا تھا (۱۰۱)۔

محدث مجلس میں شامل ہونے والے طلباء کو کلمات ترحیب کہے۔ ابن ابی جحیفہ اپنے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں "دخلت علی النبی ﷺ انا ورجل من بني عامر فقال: مرحبًا بكما، انتما منی" (۱۰۲) (میں ابو جحیفہ اور بنو عامر کے ایک شخص رسول اللہ ﷺ پر داخل ہوئے تو رسول اللہ نے کلمہ ترحیب "مرحبا بك" کہا۔ اور فرمایا: آپ دونوں مجھ سے ہیں۔

اگر طالب علم سے غلطی ہو جائے تو محدث کو عفو و درگزر کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں "لم يكن رسول الله بفاحش ولا متفحش، ولا سخّاب في الاسواق، ولا يجزىء بالسيئة مثلها ولكن يعفو ويصفح" (۱۰۳) (رسول اللہ ﷺ نہ بدگو تھے نہ بدگوئی پھیلانے والے تھے اور نہ بازاروں میں شور مچاتے تھے۔ برائی کا بدلہ نہیں لیتے بلکہ معاف کرتے اور درگزر کرتے تھے)۔ محدث طلباء کے ساتھ شفقت سے پیش آئے اور ان سے ایسا سلوک کرے جیسے اپنی اولاد کے ساتھ کرتا ہو (۱۰۴)۔

رسول اللہ کی مثال سامنے رکھ کر ترویج علم میں کوشش کرے اور کسی معاوضے کی توقع ہرگز نہ

رکھے (۱۰۵)۔ حتی الوسع اپنے شاگردوں کو یہی نصیحت کرے کہ وہ سند فضیلت حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں جب تک کہ اس کے اہل نہ ہو جائیں (۱۰۶)۔

اپنے طالب علموں کے سامنے دوسرے اساتذہ کے مضامین کی برائی نہ کرے بلکہ اس بات پر اصرار کرے کہ طلبا حتی الوسع زیادہ سے زیادہ شعبہ ہائے علوم کی تحصیل پر توجہ دیں (۱۰۷)۔ طالب علم کی غلطی پر مناسب سزا اور اچھے کام پر انعام دینا چاہیے جس سے طالب علم کا دل خوش ہوتا ہے اور ہمت بڑھ جاتی ہے (۱۰۸)۔

۴۔ محدث کی مجلس کا احترام

طالب حدیث کو محدث کے سامنے بڑے ادب واحترام سے بیٹھنا چاہیے۔ حضرت امام بخاری نے باب باندھا ہے "باب من برك على ركبتيه عند الامام او المحدث" (۱۰۹) (جو شخص امام اور محدث کے سامنے تلمذ کا شرف حاصل کر رہا ہوا سے دو زانو ہو کر بیٹھنا چاہیے)۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ حدیث بیان فرما رہے تھے۔ حضور ﷺ پر ایک خاص کیفیت طاری تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "سلونی" (مجھ سے کچھ پوچھ لو) اس پر حضرت عمر فوراً دو زانو ہو گئے "فبرك عمر على ركبتيه" (۱۱۰)۔

امام بخاری نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جب حدیث بیان ہو تو اپنی ہیئت اور انداز نشست میں بھی ادب کا خیال رکھے اور دو زانو بیٹھے۔ حدیث شریف پڑھاتے وقت کسی کی طرف توجہ بھی نہ کرے اور درمیان قرأت حدیث یا سماع حدیث میں کسی کی بات کا جواب نہ دے۔ حضرت امام بخاری نے اپنی صحیح میں باب باندھا ہے: "باب من سئل علما وهو مشتغل فى حديثه فأتم الحديث ثم اجاب السائل" (۱۱۱) (اگر کوئی تم سے اس حال میں کوئی مسئلہ دریافت کرے کہ تم حدیث نبوی میں مشغول ہو تو تم پر لازم ہے کہ پہلے حدیث کا اتمام کرو پھر اس سائل کا جواب دو)۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ایک دفعہ ایک مجلس میں حدیث بیان کر رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور آپ ﷺ سے پوچھا "متى الساعة" (قیامت کب آئے گی)؟ رسول اللہ ﷺ اپنی پہلی بات میں ہی مصروف رہے۔ جب آپ اپنی حدیث پوری کر چکے تو دریافت فرمایا: سائل کہاں ہے؟

اس اعرابی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں ہوں۔فرمایا: جب امانتیں ضائع ہونے لگیں تو قیامت کا انتظار کرو۔اس نے پوچھا امانتیں کس طرح ضائع ہوں گی؟۔آپ نے فرمایا (خصوصاً حکومت) جب کام نا اہل لوگوں کے سپرد ہونے لگے تو قیامت کا انتظار کرو (۱۱۲)۔رسول اللہ کے عمل سے ثابت ہوا کہ حدیث کی مجلس کو چھوڑ کر دوسرے کی طرف متوجہ ہونا خلاف ادب ہے۔

حضرت ابو قتادہ فرماتے ہیں۔امام مالک ہمارے سامنے حدیث بیان کر رہے تھے تو ان کو بچھو نے سولہ مرتبہ ڈنگ مارا اور امام مالک کا رنگ متغیر ہو گیا۔چہرہ زرد پڑ گیا مگر حدیث کو درمیان میں قطع نہیں فرمایا جب حدیث بیان کرنے سے فارغ ہو گئے تو میں نے ان سے عرض کیا۔اے ابو عبداللہ! میں نے آج آپ کا عجیب حال پایا؟ امام مالک نے فرمایا کہ حدیث پڑھاتے وقت بچھو نے سولہ جگہ ڈنگ مارا۔مجھے اس سے تکلیف ہو رہی تھی لیکن میں حدیث کی اجلال و تعظیم کی بنا پر صبر کرتا رہا (۱۱۳)۔

۵۔ آداب روایت

محدث جب اپنی مسند سے روایت کر رہا ہو۔تو وہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ادا کر رہا ہوتا ہے۔اسے چاہیے باوضو ہو کر قبلہ رُخ ہو کر حدیث پڑھائے۔حضرت قتادہ کے بارے میں آتا ہے:" لقد کان یستحب ان لا تقرا الاحادیث التی عن النبی الاعلی وضوء "(۱۱۴)(اس بات کو اچھا سمجھا جاتا تھا کہ نبی ﷺ کی احادیث کو باوضو پڑھا جائے)۔

یحییٰ بن معین لکھتے ہیں:" کان سفیان اذا حدث استقبل القبلہ "(۱۱۵)(سفیان جب حدیث بیان کرتے تو قبلہ کی طرف متوجہ ہو جاتے)۔حضرت امام بن مالک اور حضرت لیث رحمۃ اللہ علیہما دونوں وضو کے ساتھ حدیث لکھا کرتے تھے (۱۱۶)۔ اور امام بخاری کے متعلق بھی آتا ہے کہ " اپنی صحیح میں ہر حدیث کی کتابت سے پہلے آپ غسل فرماتے تھے پھر دو رکعت نماز نفل ادا کرتے تھے۔ بعض نے کہا کہ آپ زم زم سے غسل فرمایا کرتے تھے اور " مقام ابراہیم " پر دو نفل ادا کرتے تھے (۱۱۷)۔

علماء حدیث کو حدیث بیان کرتے وقت صحت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔خصوصاً ضعیف حدیث بیان کر رہا ہو تو اس کی وجہ اور ضعف کی وضاحت کرنا چاہیے۔اس طرح حدیث کو مختصر کرنے سے احتراز کرنا چاہیئے۔محدث یحییٰ بن معین کے بارے میں آتا ہے " کان یکرہ الانتخاب ویذمہ

ویقول صاحب الانتخاب یندم ولذلك کان یکتب علی وجه لئلا یسقط علیه حدیث "(۱۱۸)(وہ حدیث سے انتخاب کو بُرا سمجھتے تھے اور اس کی مذمت کرتے تھے اور فرماتے تھے۔ انتخاب کرنے والا شرمندہ ہوگا۔ اس لیے وہ حدیث کو اسی طرح لکھ دیتے تھے تاکہ حدیث ساقط نہ ہو)۔

اسی طرح روایت بالمعنی سے بھی حتی الوسع احتراز کرنا چاہیئے ۔رسول کا ارشاد ہے:"نضر اللّٰہ امرءا سمع منا حدیثا فبلغه کما سمعه "(۱۱۹)(اللہ اس شخص کو سرسبز فرمائے جس نے میری کوئی بات سنی اسے یاد رکھا اور اسے آگے اسی طرح نقل کیا جیسا کہ اس نے سنا تھا)۔

صرف بیان حدیث پر اکتفا نہ کرے، بلکہ احادیث مذکورہ احکام بھی بیان کرے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ حدیث منسوخ ہو شاذ ہو، یا قابل عمل نہ ہو۔حدیث کے ساتھ تشریح و توضیح بھی کرے اور حالات حاضرہ پر بھی روشنی ڈالے۔

مقام صحابہؓ اور کتب معرفۃ الصحابۃ

لغوی مفہوم

صحابی صحبۃ سے ماخوذ ہے۔ جوہری نے کہا: صحبہ، یصحبہ، صحبۃ پیش کے ساتھ اور صحابہ فتح کے ساتھ صحابہ صاحب کی جمع ہے۔ اصحبتہ: میں نے اسے ساتھی بنایا(۱۲۰).

فیروز آبادی کہتے ہیں: صَحِبہ، کسَمِعہ، صحابۃً، بکسر و استصحبہ دعاہ إلی الصّحبۃ (۱۲۱)۔ ابن منظور نے لکھا ہے: صحابی صحب سے ماخوذ ہے۔ صُحبہ، یَصحبہ، صُحبہ پیش کے ساتھ اور صحابہ زبر کے ساتھ۔ صاحب کی جمع اصحاب اور اصاحیب اور صحبان ہے۔ جیسے شاب اور شبان اور صحاب جیسے جائع اور جیائع اور صحب اور صحابہ(۱۲۲)۔

اصطلاحی مفہوم

صحابی کی شرعی تعریف علما نے مختلف کی ہے۔ ہم بعض کا ذکر کرتے ہیں: امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: ''ہر وہ آدمی جو آنحضورﷺ کے ساتھ ایک سال ایک ماہ ایک دن یا ایک گھڑی رہا، آپ ﷺ کی باتیں سنیں اور آپ ﷺ کو دیکھا وہ صحابی ہے'' (۱۲۳)۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں: ''من صحب النبیﷺ أو رآہ من المسلمین فھو من أصحابہ'' (۱۲۴) (مسلمانوں میں سے جو آپ ﷺ کے ساتھ رہا یا جس نے آپ ﷺ کو دیکھا وہ صحابی ہے)۔

حافظ ابن حجرؒ صحابی کی تعریف یوں فرماتے ہیں اور یہ سب سے اچھی اور مقبول تعریف ہے: ''مومنوں میں سے جو آپ ﷺ کے ساتھ رہا اور اس کا خاتمہ بھی اسلام پر ہوا، آپ ﷺ کی مجلس میں داخل ہوا، مجلس طویل ہو یا چھوٹی آپ ﷺ کے ساتھ جنگ میں شریک ہوا یا نہیں جس نے صرف دیکھ لیا اگرچہ مجلس بھی نصیب نہیں ہوئی یا کسی عارضہ کی وجہ سے نہ دیکھ سکا۔ جیسے آپ ﷺ کا نابینا صحابی (سب صحابی کی تعریف میں داخل ہیں)'' (۱۲۵)۔

عدالت صحابہ

تمام صحابہ عادل ہیں یعنی جملہ صحابہ کرام حق وانصاف پر قائم تھے۔اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ خود باری تعالیٰ اور پھر اس کے رسول ﷺ نے ان کا تزکیہ فرمایا۔اور ساتھ ہی ان کے پیشوا، مقتدا، ہادی اور جنتی ہونے کی خوشخبری بھی سنا دی۔ صحابہؓ کے مشاجرات سے ان کی عدالت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ظاہر ہے کہ کسی صحابی سے اگر کوئی چوک ہوئی اس نے فوراً ایسی تلافی کر دی کہ گناہ یا معصیت کا تصور بھی باقی نہ رہا۔ پھر قرآن عظیم نے ان کی تعریفوں کے پل باندھ دیے اور آنحضرت ﷺ نے ان کے اوصاف بیان فرمائے۔اس لیے اہل اسلام کے تمام گروہ اس بات پر متفق ہیں کہ تمام صحابہ عادل ہیں۔

عدالت کا لغوی مفہوم

المنجد میں عدالت کا لغوی مفہوم یوں بیان کیا ہے "انصاف کرنا، سیرت کا پاک ہونا، کردار کا بے داغ ہونا (۱۲۶)۔علامہ باہلیؒ کا قول ہے: "رجل عادلٌ" سے مراد پسندیدہ اور مقبول الشہادہ" (۱۲۷)

عدالت کا اصطلاحی مفہوم

بعض محدثین کا قول ہے۔عدالت وہ ملکہ ہے جو ان کو کبیرہ اور صغیرہ گناہ کے ارتکاب سے روک دے۔اصطلاح میں راوی کا مسلمان، بالغ، عاقل، گناہ کے اسباب اور برے اخلاق سے پاک ہونا ہے (۱۲۸)۔ امام غزالی کا قول ہے: دین میں استقامت حاصل ہو یعنی آدمی کے نفس میں ایسی پختہ قوت ارادی ہو جس کی وجہ سے وہ تقویٰ اور سنجیدگی کو اپنی عادت بنالے اور لوگوں کو اس کی سچائی پر اعتماد ہو جائے" (۱۲۹)۔

عبداللہ بن مبارک عادل کے متعلق کہتے ہیں: وہ جماعت میں حاضر ہوتا ہو، شراب نہ پیتا ہو، اس کے دین میں خرابی نہ ہو، جھوٹ نہ بولے، اس کی عقل بھی درست ہو" (۱۳۰)۔

"الصحابہ کلھم عدول" کا مفہوم

مذکورہ بالا معانی کے اعتبار سے سب کے سب صحابہؓ عادل ہیں۔ وہ کفر وفسق سے متنفر، پرہیزگاروں اور راشدوں کے سرخیل تھے۔

عدالت صحابہؓ: قرآن مجید کی روشنی میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ان الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت اولئك هم خیر البریّة جزاؤهم عند ربهم جنّت عدن تجری من تحتها الانهر خلدین فیها ابدًا رضی اللہ عنهم ورضوا عنه ذلك لمن خشی ربّه" (۱۳۱) (جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ تمام مخلوق سے بہترین ہیں۔ ان کا صلہ ان کے پروردگار کے ہاں ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ ابدالآباد تک ان میں رہیں گے۔ اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں۔ یہ (صلہ) ان کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے رہے)۔

ارشاد ربانی ہے: "لکن الرّسول والّذین اٰمنوا معه جاهدوا باموالهم وانفسهم واولئك لهم الخیرات واولئك هم المفلحون" (۱۳۲) (لیکن رسول اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے۔ سب اپنے مال و جان سے لڑے۔ انہی کے لیے بھلائیاں ہیں اور یہی لوگ مراد پانے والے ہیں)۔ ارشاد ربانی ہے: "والسّبقون الأوّلون من المهاجرین والأنصار والّذین اتّبعوهم بإحسان رضی اللہ عنهم ورضوا عنه وأعدّ لهم جنّت تجری تحتها الأنهر خلدین فیها ابدا ذلك الفوز العظیم" (۱۳۳) (اور مہاجرین اور انصار میں سے (جو ہجرت اور اسلام میں) سبقت لے جانے والے ہیں اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے باغ تیار کر رکھے ہیں۔ جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے)۔

ارشاد ربانی ہے: "لقد رضی اللہ عن المؤمنین إذ یبایعونك تحت الشّجرة فعلم ما فی قلوبهم فأنزل السّكینة علیهم واثابهم فتحًا قریبًا" (۱۳۴) [اے پیغمبر ﷺ! اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے راضی ہو چکا جب وہ (کیکر یا بیری کے) درخت کے تلے (حدیبیہ میں) تجھ سے بیعت کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جان لیا جو (اخلاص) ان کے دلوں میں تھا تو ان (کے دلوں) پر تسلی اتاری اور ایک نزدیک والی فتح ان کو انعام میں دی]۔ ارشاد ربانی ہے: "للفقراء المهجرین الّذین اخرجوا من دیارهم وأموالهم یبتغون فضلاً من اللہ ورضوانًا وینصرون

اللہ ورسولہ اولئك هم الصّدقون"(۱۳۵)[ان مہاجرین محتاجوں کا بھی (حق) ہے جو اپنے گھر بار مال و دولت سے نکال دیئے گئے خدا کے فضل اور اس کی رضا مندی کی تلاش میں ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی لوگ تو سچے (ایماندار) ہیں]۔

ارشاد ربانی ہے:"محمد رّسول الله والّذين معه أشدّاء على الكفّار رحماء بينهم ترهم ركّعا سجّدا يبتغون فضلاً من الله ورضوانًا سيماهم فى وجوههم من اثر السّجود ذلك مثلهم فى التّوراة ومثلهم فى الانجيل"(۱۳۶)[محمد ﷺ اللہ کا پیغمبر ہے اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں (یعنی صحابہؓ) وہ کافروں پر سخت ہیں۔آپس میں (ایک دوسرے پر) رحم دل ہیں (اے دیکھنے والے) تو ان کو دیکھتا ہے (کبھی) رکوع کر رہے ہیں (کبھی) سجدہ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضا مندی کی فکر میں رہتے ہیں ان کی نشانی ان کے چہروں پر ہے یعنی سجدہ کی نشانی یہی حال ان کا تورات اور انجیل میں (بیان ہوا) ہے]۔

ارشاد ربانی ہے:"يوم لا يخزي الله النّبيّ والّذين آمنوا معه نورهم يسعى بين أيديهم وبايمانهم"(۱۳۷)(جس دن اللہ تعالیٰ (اپنے) پیغمبر کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے، رسوا نہ کرے گا۔ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا)۔

ارشاد ربانی ہے:"ولكنّ الله حبّب إليكم الإيمان وزيّنه فى قلوبكم وكرّه إليكم الكفر والفسوق والعصيان أولئك هم الرّاشدون فضلا من الله و نعمة والله عليم حكيم"(۱۳۸)[اللہ تعالیٰ نے تم کو ایمان کی محبت دی ہے، اور تمہارے دلوں میں اس (ایمان) کو اچھا کر دکھایا ہے اور کفر اور نافرمانی اور گناہ سے تم میں نفرت ڈال دی ہے یہی لوگ تو اللہ کے فضل و کرم سے ٹھیک رستے پر ہیں اور اللہ تعالیٰ (سب کچھ) جانتا ہے اور حکمت والا ہے]۔

ارشاد ربانی ہے:فإن امنوا بمثل مآ امنتم به فقد اهتدوا وإن تولّوا فإنّما هم فى شقاق"(۱۳۹)(اگر وہ (یہود، نصاریٰ و دیگر غیر مسلمین) تمھاری طرح ایمان لاویں تو راہ پا گئے۔ اگر نہ مانیں تو ضد میں گرفتار ہیں)۔ ارشاد ربانی ہے:"إنّ الّذين امنوا والّذين هاجروا وجاهدوا فى سبيل الله اولئك يرجون رحمت الله والله غفور رّحيم"(۱۴۰)(اور جو

لوگ ایمان لائے اور (اللہ کے لیے) اپنا ملک چھوڑا (ہجرت کی) اور خدا کی راہ میں لڑے انہی کو اللہ کی رحمت کی امید ہے اور اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہے)۔

ارشاد ربانی ہے: "والّذین امنوا وھاجروا وجھدوا فی سبیل اللّٰہ والّذین اٰوَوا وّنَصَرُوا اولٰئك ھم المؤمنون حقًا لّھم مّغفرةٌ ورزقٌ کریم" (۱۴۱) [اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا (یعنی مہاجرین صحابہؓ) اور جن لوگوں نے ان (مہاجرین) کو پناہ دی اور (ان کی) مدد کی (یعنی انصار) یہی پکے مسلمان ہیں۔ ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی بخشش ہے (آخرت میں) اور عزت کی روزی (دنیا میں)]۔

ارشاد ربانی ہے: "التّائبون العابدون الحمدون السائحون الرّاکعون السّجدون الأمرون بالمعروف والنّاھون عن المنکر والحفظون لحدود اللّٰہ وبشّر المؤمنین" (۱۴۲) (یہ لوگ ایسے ہیں ہر ایک گناہ سے) توبہ کرنے والے، اللہ تعالیٰ کی عبادت (اخلاص کے ساتھ) کرنے والے اور اللہ کی تعریف کرنے والے (ہر حال میں شکر گزار) روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے (یعنی نمازی) اچھی بات کا حکم دینے والے اور بُری بات سے منع کرنے والے اور اللہ تعالیٰ نے جو حدیں باندھ دیں اور ان کو سنبھالنے والے اور (اے پیغمبر ﷺ) ایسے مسلمانوں کو (جنت اور اللہ کی رضامندی کی خوشخبری دے)۔

عدالت صحابہؓ احادیث نبویہ ﷺ کی روشنی میں

رسول اللہ ﷺ نے اپنے کئی ارشادات میں صحابہ کرام کے فضائل بیان فرمائے۔ چند ملاحظہ ہیں: "عن ابی بردة عن ابیهؓ قال النبی ﷺ: النجوم امنة للسماء، فاذاذھبت النجوم، اتی السماء ما توعد، وانا امنة لاصحابی، فاذا ذھبت انا اتی اصحابی مایوعدون، واصحابی امنة لامتی، فاذا ذھب اصحابی اتی امتی ما یوعدون" (۱۴۳) [ستارے آسمان کی امان کا سبب ہیں۔ جب ستارے ختم ہوں گے تو قیامت آ جائے گی۔ میں صحابہ کے لیے امن کا سبب ہوں۔ جب میں چلا جاؤں گا تو میرے صحابہؓ کو وہ وقت آ جائے گا جس کا وعدہ ان سے کیا جاتا ہے۔ میرے صحابہ میری امت کے لیے امان کا سبب ہیں۔ جب یہ چلے

جائیں گے تو میری امت پر وہ وقت آ جائے گا جس کا وعدہ کیا جاتا ہے (قیامت)]۔

عبداللہ بن بریدہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "ما من أحد من أصحابي يموت بأرض إلّا بعث قائدًا ونورًا لهم يوم القيامة" (۱۴۴) (میرا جو صحابی بھی کسی سرزمین میں فوت ہوا وہ قیامت کے دن اس سرزمین کے (مدفون) لوگوں کے لیے پیشوا اور نمونہ بنا کر اٹھایا جائے گا)۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے۔آپؐ نے فرمایا: "مثل اصحابی فی امتی کالملح فی الطعام، لا يصلح الطعام إلا بالملح" (۱۴۵) (میری امت میں میرے صحابہ کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کھانے میں نمک اور کھانا نمک کے بغیر لذیذ نہیں ہوتا)۔

حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "خير الناس قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الّذين يلونهم" (۱۴۶) (میری امت کا سب سے بہتر طبقہ وہ ہے جو میرے ساتھ ہے۔ پھر وہ جو اس کے ساتھ ہے)۔

حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے۔آنحضرتؐ نے فرمایا: "خير امّتى قرنى، ثمّ الّذين يلونهم ، ثمّ الّذين يلونهم" (۱۴۷) (سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو میرے زمانے کے ہیں پھر جو ان کے ساتھ ہیں پھر وہ جو اس کے ساتھ ہے)۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "ياتى على النّاس زمان فيغزو فئام من النّاس فيقولون: هل فيكم من صاحب رسول الله ﷺ؟ فيقولون لهم: نعم، فيفتح لهم، ثمّ ياتى على النّاس زمانٌ فيغزو فئام من النّاس فيقال: هل فيكم من صاحب أصحاب رسول الله ﷺ؟ فيقولون: نعم، فيفتح لهم، ثمّ يأتى على النّاس زمانٌ فيغزو فئام من النّاس فيقال: هل فيكم من صاحب من صاحب أصحاب رسول الله ﷺ؟ فيقولون: نعم، فيفتح لهم" (۱۴۸) [لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا۔ جب کسی جگہ کے لیے لشکر روانہ ہوگا تو کہا جائے گا کیا تم میں کوئی صحابی موجود ہے۔ وہ کہیں گے ہاں۔ چنانچہ (صحابی کے وجود کے برکت سے) انہیں فتح حاصل ہوگی۔ پھر لوگوں پر ایک

وقت آئے گا لوگ جنگ کریں گے پس ان سے کہا جائے گا۔ کیا تم میں صحابی کی زیارت کرنے والا (تابعی) موجود ہے۔ وہ کہیں گے ہاں چنانچہ (تابعی کے باعث) فتح ہوگی اور پھر زمانہ آئے گا تو وہ لوگوں سے جنگ کریں گے ان سے پوچھا جائے گا کیا تم میں تابعی کی زیارت کرنے والا ہے (تبع تابعی) وہ کہیں گے ہاں (اس کی وجہ سے) فتح ہوگی]۔

جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "لا تمسّ النّار مسلمًا رآني أو رأى من رآني" (۱۴۹) مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا جس نے مجھے دیکھنے والے کو دیکھا)۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا: "لا يدخل النّار أحد ممّن بايع تحت الشّجرة" (۱۵۰) (جس شخص نے درخت کے نیچے بیعت (رضوان) کی وہ آگ میں نہیں جائے گا)۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لا تسبّوا أصحابي، فوالّذي نفسي بيده لو أنّ أحدكم أنفق مثل أحد ذهبًا ما أدرك مدّ أحدهم ولا نصيفه" (۱۵۱) (میرے صحابہ کو بُرا بھلا نہ کہو۔ اللہ کی قسم اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کردے (تو پھر بھی ثواب میں) ان کے مُد (تھوڑی مقدار میں) (صدقہ کے ثواب) کے برابر یا اس کے نصف کے برابر (ثواب) بھی حاصل نہیں کر سکے گا)۔

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اذا رأيتم الّذين يسبون اصحابي فقولوا لعنة الله على شرّكم" (۱۵۲) (جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو بُرا بھلا کہتے ہیں تو تم کہو اللہ کی لعنت ہو تمہاری اس برائی پر)۔

عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "الله الله في اصحابي، لا تتخذوهم غرضًا من بعدي، فمن أحبّهم فبحبي أحبّهم، ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم، ومن آذاهم، فقد آذاني، ومن آذاني فقد آذى الله، ومن آذى الله فيوشك أن يأخذه" (۱۵۳) (میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرنا میرے بعد انہیں (اپنی بیہودہ حرکات سے) نشانہ نہ بنانا۔ جس نے ان سے محبت کی (گویا کہ) اس نے میری محبت کی وجہ سے

ان سے محبت کی (اسی طرح) جس شخص نے ان (صحابہ کرام) سے بغض رکھا (گویا کہ) اس نے میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔ جس نے ان کو تکلیف دی (زبانی، تحریری وغیرہ) (گویا کہ) اس نے مجھے تکلیف پہنچائی۔ اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی (گویا کہ) اس نے اللہ کو تکلیف پہنچائی اور جس نے اللہ کو تکلیف پہنچائی عنقریب اللہ اسے پکڑے گا)۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فضائل

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لو كنت متخذا خليلًا لاتّخذت أبا بكر خليلا، ولكن أخي وصاحبي" (۱۵۴) (اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا لیکن وہ میرا بھائی اور ساتھی ہے)۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''فمن كان من أهل الصّلاة دعي من باب الصّلاة، ومن كان من أهل الجهاد دعي من باب الجهاد، ومن كان من أهل الصّدقة دعي من باب الصّدقة، ومن كان من أهل الصّيام دعي من باب الصّيام وباب الرّيّان، فقال أبو بكر: ما على هذا الذي يدعى من تلك الأبواب من ضرورة وقال: هل يدعى منها كلّها أحدٌ يا رسول الله؟ فقال: نعم، وأرجو أن تكون منهم يا أبا بكر" (۱۵۵) [قیامت کے دن جنت میں داخلہ کے لیے) جو اہل الصلاۃ میں سے ہوگا اسے ''باب الصلوۃ'' سے بلایا جائے گا اور جو اہل الجہاد میں سے ہوگا اسے ''باب الجہاد'' سے بلایا جائے گا اور جو اہل الصدقہ میں سے ہوگا اسے ''باب الصدقۃ'' سے بلایا جائے گا۔ اور جو اہل الصیام میں سے ہوگا اسے ''باب الصیام'' اور ''باب الریان'' سے بلایا جائے گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا، اس شخص کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں ہے جسے ان تمام دروازوں سے بلایا جائے اور پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ! کوئی ایسا شخص بھی ہوگا جسے ان تمام دروازوں سے بلایا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا! اے ابوبکر میں امید کرتا ہوں کہ تو ان میں سے ہوگا]۔

فضائل الشیخین

حضرت عمروؓ بن العاص سے روایت ہے: "أنّ النّبيّ بعثه على جيش ذات

السّلاسل، فأتيته فقلت: أيّ النّاس أحبّ إليك؟ قال: عائشة، فقلت: من الرّجال؟ فقال: أبوها، فقلت: ثمّ من؟ قال: ثمّ عمر بن الخطاب، فعدّ رجالاً" (۱۵۶)[مجھے رسول اللہ ﷺ نے ذات السلاسل کی مہم پر بھیجے جانے والے لشکر کا سپہ سالار بنا کر بھیجا جب میں آپ ﷺ کے پاس آیا (میں نے آپ ﷺ سے) پوچھا آپ ﷺ کو سب سے پیارا (محبوب) کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا عائشہؓ۔ میں نے عرض کی، مردوں میں سے، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا باپ (ابوبکرؓ)۔ پھر میں نے پوچھا اس کے بعد کون محبوب ہے، آپ ﷺ نے فرمایا عمر بن الخطابؓ۔ پھر آپ نے چند آدمیوں کے نام لیے]۔

محمدؒ بن حنفیہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے باپ (حضرت علیؓ سے پوچھا: "أيّ النّاس خيرٌ بعد رسول الله ﷺ؟ قال: أبو بكر، قلت: ثمّ من؟ قال: ثمّ عمر" (۱۵۷)[رسول اللہ ﷺ کے بعد لوگوں میں سے کون افضل ہے؟ فرمایا ابوبکرؓ میں نے پوچھا پھر (ان کے بعد) کون؟ فرمایا عمرؓ ہے]۔

حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اُحد (پہاڑ) پر چڑھے تو (احد پہاڑ) ہلنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اثبت أحد فإنما عليك نبيّ و صديق وشهيدان" (۱۵۸)[اے اُحد (پہاڑ)! ٹھہر جا! تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید (موجود) ہیں]۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "بين أنا نائم شربتُ – يعني – اللبن حتّى انظر إلى الرّيّ يجري في ظفري، أو في أظفاري، ثمّ ناولت عمر، قالوا: فما أوّلته يا رسول الله؟ قال: العلم" (۱۵۹)[میں سویا ہوا تھا کہ (خواب میں) میں نے پیا یعنی دودھ یہاں تک کہ میرے ناخن یا ناخنوں تک (دودھ کی) تری آ گئی (خوب سیر ہوا) پھر میں نے عمرؓ کو دے دیا، صحابہ نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: علم]۔

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "انّ الله جعل الحقّ على لسان عمر وقلبه" (۱۶۰)(اللہ تعالیٰ نے حق کو حضرت عمرؓ کی زبان اور دل پر جاری کر دیا ہے)۔

جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابوبکرؓ کو کہا:

"یا خیر النّاس بعد رسول اللهﷺ فقال أبو بكر: أما إنّك إن قلت ذاك فلقد سمعت رسول اللّهﷺ يقول: ما طلعت الشّمس على رجل خير من عمر" (۱۶۱) (اے تمام لوگوں سے رسول اللہ کے بعد بہتر انسان' تو ابوبکرؓ نے کہا اگر آپ نے یہ بات کہی ہے تو میں نے رسول اللہﷺ سے سنا وہ کہتے تھے عمر سے بہتر کسی شخص پر سورج طلوع نہیں ہوتا)۔

عدالت صحابہ اقوال صحابہ وآئمہ کی روشنی میں

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا:''ان الله نظر فی قلوب العباد فوجد قلب محمدﷺ خير قلوب العباد ، فاصطفاه لنفسه، فابتعثه برسالته، ثم نظر فی قلوب العباد بعد قلب محمدﷺ، فوجد قلوب اصحابه خير قلوب العباد، فجعلهم وزراء نبيه يقاتلون على دينه" (۱۶۲) (اللہ تعالیٰ نے بندوں کے قلوب کا معائنہ فرمایا۔ محمدﷺ کے دل کو سب بندوں کے دلوں سے بہتر پایا۔ ان کو اپنے لیے منتخب کرلیا اور انہیں اپنی رسالت کے ساتھ مبعوث کیا پھر اللہ تعالیٰ نے محمدﷺ کے دل کے بعد لوگوں کے دلوں کو دیکھا تو آپﷺ کے صحابہ کے دلوں کو (باقی) لوگوں کے دلوں سے بہتر پایا۔ ان کو اپنے نبی کا وزیر بنا دیا جو اس (اللہ) کے دین کی خاطر جنگ کریں گے)۔

"وقال ابن عباس رضي الله عنه: لا تسبوا أصحاب محمدﷺ فلمقام أحدهم ساعة (يعني مع صلى الله عليه وسلم) خير من عمل أحدكم أربعين سنة" (۱۶۳) (حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا محمد رسول اللہﷺ کے اصحاب کو برا نہ کہو، ان میں سے کسی کا رسول اللہﷺ کے ساتھ کچھ دیر ہونا تم میں سے کسی کے چالیس سال کے عمل سے بہتر ہے)۔

"ويقول عبدالله بن مسعود في تفسير قول الله عزّ وجل: "وقل هذه سبيلي أدعو إلى الله على بصيرة ومن اتبعني" (۱۶۴)۔

"من كان مستنّا فليستن بمن قدمات فإن الأحياء لا نؤمن عليهم الفتنة، أولئك أصحاب محمد صلى الله عليه وآله وسلم كانوا أفضل هذه الأمة، ابرها

قلوبًا وأعمقها علمًا وأقلها تكلفًا، اختارهم الله لصحبة نبيه ولإقامة دينه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوهم على أثرهم وتمسكوا بما استطعتم من أخلاقهم وسيرهم فانهم كانوا على الهدى المستقيم" (۱٦٥) (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر بیان فرماتے ہیں: کہہ دیجیے یہ میرا راستہ ہے۔ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں اور میری اتباع کرنے والے بصیرت پر ہیں) (جو کوئی طریقہ اختیار کرنا چاہے تو ان کا طریقہ اختیار کرے جو فوت ہو گئے ہیں۔ زندہ لوگوں سے فتنہ کی بے خوفی نہیں ہوتی۔ وہ محمد ﷺ کے ساتھی تھے۔ اس امت میں سب سے بہتر نیک دل، علم میں عمیق کم تکلف کرنے والے، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی ﷺ کی صحبت کے لیے پسند فرمایا اور اپنے دین کی اقامت کے لیے، ان کی فضیلت کو پہچانو اور ان کے پیچھے چلو اور ان کے اخلاق اور سیرت سے جتنا ہو سکے اپناؤ۔ وہ سیدھے راستے پر تھے)۔

"وقال أبو زرعة الرازي رحمه الله: إذا رأيت الرجل ينتقص أحدًا من أصحاب رسول الله ﷺ فاعلم أنه زنديق، وذلك أن الرسول ﷺ عندنا حق والقرآن حق وإنما أدى إلينا هذا القرآن والسنن أصحاب رسول الله ﷺ وإنما يريدون أن يجرحوا شهودنا ليبطلوا الكتاب والسنة والجرح بهم أولى وهم زنادقة" (۱٦٦) [ابوزرعہ رازی فرماتے ہیں: آپ جب کسی آدمی کو اصحاب رسول ﷺ میں سے کسی کو برا بھلا کہتے دیکھیں تو آپ جان لیں کہ وہ بے دین ہے۔ یہ اس لیے کہ بے شک رسول ﷺ ہمارے نزدیک سچے ہیں اور قرآن سچا ہے۔ قرآن اور سنتوں (احادیث) کو اصحاب رسول اللہ نے ہم تک پہنچایا ہے۔ وہ (صحابہ کو بُرا کہنے والے) چاہتے ہیں کہ ہمارے واسطوں (گواہوں) کو مجروح کر دیں تا کہ کتاب اور سنت کو باطل کر دیں۔ لہذا ان پر جرح کرنا زیادہ بہتر ہے وہ زنادقہ ہیں]۔

"وقال الإمام مالك بن أنس الأصبحي إمام دار الهجرة: من تنقص أحدًا من أصحاب رسول الله ﷺ وكان في قلبه عليهم غل فليس له حق في فيئ المسلمين ثم تلا قوله تعالى: "ما أفاء الله على رسوله" حتى أتى قوله "والذين جاءوا من بعدهم يقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان ولا تجعل

في قلوبنا غلا للذين آمنوا ربنا انك رؤف رحيم "(۱٦۷)[امام دارالھجرت امام مالک بن انسؒ فرماتے ہیں: جو اصحاب رسول اللہ میں سے کسی کو برا کہے اور اس کے دل میں ان کے متعلق کینہ ہو۔ اس کے لیے مسلمانوں کی فیٔ (مال غنیمت) میں حصہ نہیں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھا۔ جو مال اللہ نے اپنے رسول کو دیا (یہاں تک کہ اس مقام تک آگے پڑھا) وہ لوگ جو ان کے بعد آئے کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ان لوگوں کو جو ہم سے ایمان میں سبقت لے گئے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے کینہ نہ رکھیو۔ بے شک تو شفقت کرنے والا، رحم کرنے والا ہے]۔

"وقال الإمام أحمد بن حنبل امام أهل السنة والجماعة رحمه الله تعالى: إذا رأيت أحدًا يذكر أصحاب رسول الله ﷺ بسوء فاتهمه على الإسلام (۱٦۸) وقال أبو محمد ابن حزم: الصحابة كلهم من أهل الجنة الخ" (۱٦۹)(امام اہل سنت والجماعت احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔ جب آپ کسی کو دیکھیں کہ وہ اصحاب رسول اللہ کو برے الفاظ میں یاد کرتا ہے تو اس کے اسلام کو ٹھیک نہ سمجھو۔ ابو محمد ابن حزم فرماتے ہیں: تمام صحابہ اہل جنت ہیں)۔

عدالت صحابہ اور اجماع

"وقد أجمع أهل السنة والجماعة على عدالتهم" (۱۷۰)(صحابہ کی عدالت پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے"۔

يقول الحافظ ابن الصلاح في علوم الحديث: للصحابة بأسرهم خصيصة وهي أنه لا يسئل عن عدالة أحدٍ منهم بل ذلك أمر مفروغ منه لكونهم على الاطلاق معدلين بنصوص الكتاب والسنة وإجماع من يعتد به في الإجماع من الأمة" (۱۷۱)[حافظ ابن الصلاح علوم الحدیث میں فرماتے ہیں: تمام صحابہ کی ایک خصوصیت ہے وہ یہ کہ ان میں سے کسی کی عدالت کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ ایسا معاملہ ہے جس سے فراغت پائی گئی ہے اور یہ کہ وہ کتاب وسنت کی نصوص سے عادل ہیں اور جو امت میں سے صاحب اجماع ہیں ان کے اجماع سے بھی ثابت ہے]۔

"يقول حافظ المغرب الإمام ابن عبدالبر في كتابه الإستيعاب في

معرفة الأصحاب: فهم خير القرون وخير أمة أخرجت للناس ثبتت عدالة جميعهم بثناء الله عزوجل وثناء رسول الله ﷺ ولا أعدل ممن ارتضاه لصحبة نبيه ﷺ ونصرته ولا تزكية أفضل من ذلك ولا تعديل أكمل منه قال تعالى: "محمد رسول الله والذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم تراهم ركعا سجدا يبتغون فضلا من الله ورضوانا "(۱۷۲)(حافظ مغرب امام ابن عبدالبر اپنی کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں فرماتے ہیں: وہ بہتر زمانے کے لوگ تھے اور بہتر گروہ تھا جس کو لوگوں کے لیے بنایا گیا۔ ان تمام کی عدالت اللہ کی ان کے لیے تعریف اور رسول اللہ کی تعریف سے ثابت ہو چکی ہے۔ اس سے بڑھ کر عادل کون ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت اور مدد کے لیے منتخب فرمایا۔ اس سے بڑھ کر کیا تزکیہ ہوگا اور نہ اس سے کامل تعدیل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں" محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ ﷺ کے ساتھ ہیں۔ آپ انہیں رکوع وسجود میں دیکھتے ہیں۔ وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں)۔

"ويقول الخطيب البغدادي: عدالة الصحابة ثابتة معلومة بتعديل الله لهم وأخباره عن طهارتهم واختياره لهم في نص القرآن: "كنتم خير أمة أخرجت للناس"، فيذكر الخطيب آيات من القرآن ويقول في النهاية في آيات يكثر إيرادها ويطول تعدادها"(۱۷۳)(خطیب بغدادی فرماتے ہیں: صحابہ کی عدالت اللہ کی ان کے لیے تعدیل ان کی طہارت کی خبر اور ان کی نص قرآن سے پسندیدگی ثابت ہوتی ہے۔ ارشاد ہے'' تم بہترین امت ہو۔ جن کو لوگوں کے لیے چنا گیا۔ خطیب بغدادی" نے قرآن کی متعدد آیات ذکر کی ہیں اور آخر میں فرمایا ہے۔ اس معاملے میں آیات بہت ہیں۔ ان کی تعداد کافی ہے)۔

''يقول الإمام النووي: الصحابة كلهم عدول من لابس الفتن وغيرهم بإجماع من يعتدّ به "(۱۷۴)(امام نووی فرماتے ہیں: اجماع کے لحاظ سے تمام صحابہ عادل ہیں۔ جو جنگوں میں شریک ہوئے ہیں اور جو نہ ہوئے)۔ "ويصرح السيوطي ردّا على من جرح عدالة الصحابة: والقول بالتعميم هو الذي صرح به الجمهور وهو

المعتبر "(۱۷۵)(امام سیوطی صحابہؓ کی عدالت پر جرح کرنے والوں پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ کی عدالت کا قول ہے جمہور اس کی صراحت کرتے ہیں)۔

"یقول الإمام ابن تیمیة: ومن أصول أهل السنة والجماعة سلامة قلوبهم وألسنتهم لأصحاب رسول اللهﷺ كما وصفهم الله تعالى في قوله تعالى: "والذين جاء وا من بعدهم "(۱۷۶)(امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں اہل سنت والجماعت کے اصول میں سے ہے کہ ان کے دل اور زبانیں اصحابِ رسول اللہ سے سلامت رہتی ہیں۔جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی صفت بیان کی ہے کہ جو لوگ بعد میں آتے ہیں وہ پہلے لوگوں کے لیے استغفار کی دعا کرتے ہیں)۔

"یقول الإمام أبو الحسن الأشعري: وكل الصحابة أئمة مأمونون غير متهمين في الدّين، وقد أثنى الله ورسوله على جميعهم وتعبّدنا بتوقيرهم وتعظيمهم وموالاتهم والتبرى من كل من يتنقص أحدًا منهم رضي الله عن جميعهم "(۱۷۷)(امام ابوالحسنؒ اشعری فرماتے ہیں تمام صحابہؓ امین امام ہیں۔دین میں ان پر کوئی الزام نہیں ہے۔ان تمام کی اللہ اور اس کے رسول نے تعریف کی ہے اور ہمیں بھی ان کی تعظیم اور اکرام کا پابند کیا ہے اور ان سے محبت کا سبق دیا ہے اور ہر اس آدمی سے ہمیں بیزاری کرنے کا کہا ہے جو ان میں سے کسی کی عیب جوئی کرے۔اللہ ان تمام سے راضی ہو گیا)۔

"وقال ابن كثير: والصحابة كلهم عدول عند أهل السنة والجماعة بما اثنى الله عليهم في كتابه وبما نطقت به السنة النبوية في المدح لهم في جميع أخلاقهم وأفعالهم. وقال ابن الصلاح: إن الأمة مجمعة على تعديل جميع الصحابة "(۱۷۸)(ابن کثیر فرماتے ہیں تمام صحابہ اہل سنت والجماعت کے ہاں عادل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان کی تعریف کی ہے اور سنت نبوی میں بھی ان کی مدح کی گئی ہے۔اور ان کے اخلاق کو اور افعال کو بہتر قرار دیا گیا ہے۔ابن الصلاح کہتے ہیں امت کا اس پر اجماع ہے کہ تمام صحابہ عادل ہیں)۔

"وقال الصابوني: ويرون الكف عما شجر بين أصحاب رسول الله ﷺ، ونطهر الألسنة عن ذكر ما يتضمن عيبًا لهم ونقصًا فيهم، ويرون الترحم على جميعهم والموالاة لكافتهم، كذلك يرون تعظيم قدر أزواجه رضي الله عنهن والدعاء لهن ومعرفة فضلهن والإقرار بأنهن أمهات المؤمنين "(۱۷۹)(صابونیؒ کہتے ہیں کہ وہ (سلف) جن باتوں میں صحابہ کی لڑائیاں ہوئیں۔ان سے رکنا اوراپنی زبانوں کو روکنا ضروری قرار دیتے ہیں اوران کے عیب نکالنے کو روکتے ہیں اوران سے محبت کرنا اور قلبی تعلق رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں۔اسی طرح سے رسول اللہ کی ازواج مطہرات کی تعظیم بھی ضروری قرار دیتے ہیں اوران کے لیے دعا کو بھی ضروری سمجھتے ہیں اوران کی فضیلت کا اقرار کرنا اور یہ کہنا کہ وہ مسلمانوں کی مائیں ہیں ضروری ہے)۔

کتب معرفۃ الصحابہ

۱۔ معرفة من نزل من الصحابه سائر البلدان ،علی بن المدینی (م۲۳۷ھ)(۱۸۰)۔

۲۔ فضائل الصحابه، احمد بن حنبل (م۲۴۱ھ)(۱۸۱)۔

۳۔ الصحابه، محمد بن اسماعیل بخاری (م۲۵۶ھ)(۱۸۲)۔

۴۔ كتاب الصحابه، ابوالحسن بن سمیع (م۲۵۹ھ)(۱۸۳)۔

۵۔ كتاب اولاد الصحابه، مسلم بن حجاج القشیری (م۲۶۱ھ)(۱۸۴)۔

۶۔ الصحابه، ابوبکر احمد بن عبداللہ بن عبدالرحیم المعروف بابن البرقی (م۲۷۰ھ)(۱۸۵)

۷۔ الصحابه، محمد بن عوف الطائی (م۲۷۲ھ)(۱۸۶)۔

۸۔ ذكر ما للصحابه من الحديث من العدد ،ابوعبدالرحمٰن بقی بن مخلد الاندلسی (م۲۸۶ھ)(۱۸۷)۔

۹۔ تسمیه اصحاب رسول الله، محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی (م۲۷۹ھ)(۱۸۸)

۱۰۔ الصحابه، ابن ابی خیثمہ احمد بن زہیر (م۲۷۹ھ)(۱۸۹)۔

۱۱۔ الوحدان، ابن ابی عاصم احمد بن عمرو النبیل (م۲۸۷ھ)(۱۹۰)۔

۱۲۔ کتاب المعرفة، ابومحمد عبداللہ بن محمد بن عیسیٰ المروزی (۲۲۰-۲۹۳ھ)(۱۹۱)۔

۱۳۔ الصحابہ، محمد بن عبداللہ بن سلیمان المعروف بمطین (م۲۹۷ھ)(۱۹۲)۔

۱۴۔ المقلّین من الصحابة، محمد بن عثمان بن ابی شیبة (م۲۹۷ھ)(۱۹۳)۔

۱۵۔ الصحابة، علی بن سعید العسکری (م۳۰۰ھ)(۱۹۴)۔

۱۶۔ الصحابة، محمد بن سعد الباوردی (م۳۰۱ھ)(۱۹۵)۔

۱۷۔ فضائل الصحابہ، ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی (م۳۰۲ھ)(۱۹۶)۔

۱۸۔ الصحابہ، ابومحمد عبداللہ بن احمد بن موسیٰ المعروف بحافظ عبدان (م۳۰۶ھ)(۱۹۷)

۱۹۔ معجم الصحابہ، ابویعلی احمد بن علی بن المثنی الموصلی (م۳۰۷ھ)(۱۹۸)۔

۲۰۔ الاحاد فی اسماء الصحابہ، ابومحمد عبداللہ بن جارود النیشا بوری (م۳۰۷ھ)(۱۹۹)

۲۱۔ الصحابہ، ابوبکر عبداللہ بن ابی داؤد سلیمان بن الاشعث (۲۳۰ھ-۳۱۶ھ)(۲۰۰)

۲۲۔ معجم الصحابہ، الحافظ ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز بن المرزبان البغوی (۲۴۱ھ-۳۱۸ھ)(۲۰۱)۔

۲۳۔ الصحابہ، ابومحمد عبداللہ بن علی بن الجارود (م۳۲۰ھ)(۲۰۲)۔

۲۴۔ الصحابہ، الامام ابوجعفر العقیلی (م۳۲۲ھ)(۲۰۳)۔

۲۵۔ معرفة الصحابة الذین نزلوا حمص، ابوالقاسم عبدالصمد بن سعید الحمصی (م۳۲۴ھ)(۲۰۴)۔

۲۶۔ الصحابہ، الامام الحافظ ابوالعباس محمد بن عبدالرحمٰن الدغلوی (م۳۲۵ھ)(۲۰۵)۔

۲۷۔ کتاب الصحابة او تاریخ الصحابہ، ابومحمد عبدالرحمٰن بن محمد المعروف ابن ابی حاتم (م۳۲۷ھ)(۲۰۶)۔

۲۸۔ تاریخ الصحابہ، محمد بن اسحاق النیسابوری (م۳۴۲ھ)(۲۰۷)۔

۲۹۔ فضائل الصحابہ، ابوالحسن خیثمة بن سلیمان (۲۵۰ھ-۳۴۳ھ)(۲۰۸)۔

۳۰۔ فضائل الصحابہ، ایضاً (۲۰۹)۔

۳۱۔ الصحابہ، محمد ابن احمد الغسال (م۳۴۹ھ) (۲۱۰)۔

۳۲۔ معجم الصحابہ، حافظ عبدالباقی بن قانع بن مرزوق الاموی (۲۰۷-۳۰۱ھ) (۲۱۱)

۳۳۔ کتاب الصحابہ، محمد بن حبان البستی (۲۷۰ھ-۳۵۴ھ) (۲۱۲)۔

۳۴۔ المعروف فی اسماء الصحابہ، حافظ الحجہ بن السکن علی بن سعید (م۳۵۳ھ) (۲۱۳)

۳۵۔ کتاب من حدث ھو وابوہ عن النبی، ابوبکر محمد بن عمر الجعابی (م۳۵۵ھ) (۲۱۴)

۳۶۔ اسماء الصحابہ، ابواحمد عبداللہ بن عدی (۲۷۷ھ-۳۶۰ھ) (۲۱۵)۔

۳۷۔ الصحابہ، ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (م۳۶۰ھ) (۲۱۶)۔

۳۸۔ المعجم الکبیر، ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (م۳۶۰ھ) (۲۱۷)۔

۳۹۔ اسم کل صحابی روی عن رسول اللہ امرًا دینیًا، ابوالفتح محمد بن الحسین الازدی (م۳۶۷ھ) (۲۱۸)۔

۴۰۔ تسمیہ من وافق اسمہ واسم ابیہ والتابعین ومن بعدھم من المحدثین، ابوالفتح الازدی (م۳۶۷ھ) (۲۱۹)۔

۴۱۔ معجم الصحابہ، حافظ ابوبکر احمد بن ابراھیم بن اسماعیل الجرجانی (م۳۸۲ھ) (۲۲۰)

۴۲۔ کتاب الصحابہ، ابواحمد الحسن بن عبداللہ العسکری (م۳۸۲ھ) (۲۲۱)۔

۴۳۔ فضائل فاطمہ، ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بن شاھین (۲۶۷-۳۸۵ھ) (۲۲۲)

۴۴۔ معجم الصحابہ، ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان (ت۳۸۵ھ) (۲۲۳)۔

۴۵۔ معجم الصحابہ ومناقبھم، الدارقطنی، علی بن عمر (۳۰۵ھ-۳۸۵ھ) (۲۲۴)

۴۶۔ معرفۃ الصحابہ، ابوعبداللہ محمد بن اسحاق ابن مندۃ (۳۱۰-۳۹۵ھ) (۲۲۵)۔

۴۷۔ معجم الصحابہ، امام احمد بن علی بن لال الھمدانی الشافعی (م۳۹۸ھ) (۲۲۶)۔

۴۸۔ فضائل الصحابہ، ابوالمطرف عبدالرحمن بن محمد (م۴۰۲ھ) (۲۲۷)۔

۴۹۔ فضائل الفاطمہ الزھراء، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم (م۴۰۵ھ) (۲۲۸)

۵۰۔ فضائل ابو بکر وعمرو عثمان وعلی من الصحابه، ابوعثمان سعید بن محمد حرب (م۲۲۷ھ) (۲۲۹)۔

۵۱۔ معرفة الصحابة، ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبھانی (م۴۳۰ھ) (۲۳۰)۔

۵۲۔ الاصابه لاوھام وقعت فی معرفة الصحابة لابی نعیم، عبدالغنی بن عبدالواحد (م۶۰۰ھ) (۲۳۱)۔

۵۳۔ کتاب المصابیح فی الصحابه، یحیی بن یونس الشیرازی (م۴۳۲ھ) (۲۳۲)

۵۴۔ الصحابه، ابوالعباس جعفر بن محمد بن معتز المستغفری (م۴۳۲ھ) (۲۳۳)۔

۵۵۔ فضائل ابو بکر الصدیق، العشاری (م۴۴۱ھ) (۲۳۴)۔

۵۶۔ قد استدرك على الحافظ ابن عبدالبر کثیر من العلماء ومؤلفات بعضهم کما یلی، ابوعمر یوسف بن عبدالبر النمری القرطبی (م۴۶۳ھ) (۲۳۵)۔

۵۷۔ ذیل الاستیعاب، الحافظ محمد بن خلف بن فتحون (م۵۱۹ھ) (۲۳۶)۔

۵۸۔ اوھام ابن عبدالبر، الحافظ محمد بن خلف بن فتحون (م۵۱۹ھ) (۲۳۷)۔

۵۹۔ ذیل علی ابن فتحون، الحافظ ابن السکان احمد بن محمد بن میمون الاشعری (۲۳۸)

۶۰۔ حاشیة علی الاستیعاب، ابوعلی الحسین بن محمد (م۴۹۸ھ) (۲۳۹)

۶۱۔ حاشیة علی الاستیعاب، ابراہیم بن یحیی ابی اسحاق بن امین (م۵۴۴ھ) (۲۴۰)۔

۶۲۔ استدراك على الاستیعاب، ابوالولید بن الدباغ (ت۵۴۶ھ) (۲۴۱)۔

۶۳۔ آخر من مات من الصحابة، یحیی بن عبدالوھاب (م۵۱۱ھ) (۲۴۲)۔

۶۴۔ خصائص العشره المبشره، محمود بن عمر الزمخشری (م۵۳۸ھ) (۲۴۳)۔

۶۵۔ اقتباس الانوار والتماس الازھار فی انساب الصحابه، ابومحمد عبداللہ بن علی اللخمی (م۵۴۳ھ) (۲۴۴)۔

۶۶۔ فضائل الصحابه، حسن بن ابی الغنائم بن مصری (م۵۸۶ھ) (۲۴۵)۔

۶۷۔ فضائل اهل بدر، ابوالفرج عبدالرحمٰن المعروف بابن الجوزی (م۵۹۷ھ) (۲۴۶)۔

۶۸۔ فضائل الصدیق، ۔۔۔۔۔۔۔ ابن الجوزی (۲۴۷)۔

۶۹۔ فضائل عمر، ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ابن الجوزی (۲۴۸)۔

۷۰۔ مناقب علی، ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ابن الجوزی (۲۴۹)۔

۷۱۔ مناقب الحسن والحسین، ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن الاندلسی (م ۶۱۰ھ) (۲۵۰)۔

۷۲۔ الاستبصار فی نسب الصحابة من الانصار، موفق الدین عبداللہ بن قدامة المقدسی (م ۶۲۰ھ) (۲۵۱)۔

۷۳۔ اسد الغابة فی معرفة الصحابة، ابوالحسن عزالدین علی بن محمد المعروف بابن الاثیر (م ۶۳۰ھ) (۲۵۲)۔

۷۴۔ حاشیة علی اسد الغابہ، مغلطائی بن قلیج الترکی (م ۷۶۲ھ) (۲۵۳)۔

۷۵۔ التعریف باسماء الصحابہ، ابن خلفون (م ۶۳۶ھ) (۲۵۴)۔

۷۶۔ ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ، ابوجعفر احمد الشہیر محب الطبری (م ۶۹۴ھ) (۲۵۵)۔

۷۷۔ الریاض النضرة فی مناقب العشرة، محب الطبری (۲۵۶)۔

۷۸۔ السمط الثمین فی مناقب امہات المؤمنین، محب الطبری (۲۵۷)۔

۷۹۔ الصحابہ، ابو القاسم بہاء الدین بن عبداللہ المعروف بابن سید الکل القفطی (م ۶۹۷ھ) (۲۵۸)۔

۸۰۔ فضائل العشرہ المبشرہ، برھان الدین ابراھیم بن عبدالرحمٰن (م ۷۳۹ھ) (۲۵۹)

۸۱۔ اسماء الصحابہ الشعراء، ابن سیدالناس (م ۷۳۴ھ) (۲۶۰)۔

۸۲۔ تجرید اسماء الصحابة، شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد الذھبی (م ۷۴۸ھ) (۲۶۱)

۸۳۔ کشف النقاب عما روی الشیخان للاصحاب، ابوسعید صلاح الدین خلیل بن کیکلدی (م ۷۶۱ھ) (۲۶۲)۔

۸۴۔ الاصابة فی تمییز الصحابة، احمد بن علی المعروف ابن حجر العسقلانی

(م۸۵۲ھ)(۲۶۳)۔

۸۵۔ الریاض المستطابة فیمن روی فی الصحیحین من الصحابة، عماد الدین یحیی بن ابی بکر العامری (۸۱۶-۸۹۳)(۲۶۴)۔

۸۶۔ در لاصحابة فیمن دخل مصر من الصحابة، الحافظ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی (۸۳۹-۹۱۱ھ)(۲۶۵)۔

۸۷۔ البدر المنیر فی صحابة البشیر النذیر، محمد قائم بن صالح السندھی (م۱۱۴۵ھ)(۲۶۶)۔

۸۸۔ الصحابہ، محمد بن ایوب (۲۶۷)۔

۸۹۔ معجم الصحابہ، بشیر ابن اسحاق (۲۶۸)۔

۹۰۔ الصحابہ، محمد بن صالح الطبری (۲۶۹)۔

الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب

ابن عبدالبر الاندلسی (م۴۶۳ھ) کی تصنیف ''کتب معرفۃ الصحابۃ'' میں بہت بڑی ہے۔اس میں صحابہؓ کے تراجم کی تعداد تین ہزار پانچ سو ہے۔اور معجم کے لحاظ سے صحابہ کے نام مرتب کیے ہیں۔ پہلے ناموں کا ذکر کیا ہے پھر ناموں میں سے مشہور کنیتوں کا ذکر کیا ہے۔پھر صحابیات کے ناموں کا ذکر کیا ہے۔اس کے بعد ان کی مشہور کنیتوں کا ذکر کیا ہے۔

اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ

عزالدین ابی الحسن علی بن محمد ابن الاثیر الجزری (م۶۳۰ھ) کی یہ کتاب معرفۃ اسماء الصحابہ کے لحاظ سے بڑی نفیس ہے۔اس میں سات ہزار پانچ سو چون صحابہ ؓ کے تراجم ہیں۔ان کے ناموں کو حروف معجم کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہے۔پہلے دوسرے حرف سے لے کر آخر تک۔اسی طرح ان کے باپ دادا اور قبائل کا ذکر ہے۔اور اس میں ناموں کے بارے میں پہلے دوسرے اور تیسرے حروف تک ا، ب، ت، ث کا خیال رکھا گیا ہے۔اسی طرح آخری نام تک۔اسی طرح ان کے باپ، دادا اور قبائل کے بارے میں بھی۔بعد میں ناموں کو ترتیب دیا ہے۔پھر عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے(۲۷۰)۔

فنِ اسماء الرجال

(اہمیت، ارتقاء وکتب)

فنِ اسماء الرجال کی تعریف

فن کے معنی "کام" کے ہیں۔ اسماء اسم کی جمع ہے جس کے معنی "نام" کے ہیں اور رجال کا واحد رجل ہے جس کے معنی "آدمی" کے ہیں۔ راویانِ حدیث کے حالات وکوائف سے آگاہی حاصل کرنا اور ان کی سیرت وسوانح اور تراجم واحوال کو معرض بیان میں لانا "فنِ اسماء الرجال" یا "علم اسماء الرجال" کہلاتا ہے(۲۷۱)۔

ڈاکٹر صبحی صالح نے اسماء الرجال کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: "وھو یعرف رواۃ الحدیث من حیث انھم رواۃ الحدیث" (یہ وہ علم ہے جو رواۃ حدیث کو بطور راوی حدیث تعارف کراتا ہے)(۲۷۲)۔

فنِ اسماء الرجال کی اہمیت وضرورت

لغت عربیہ میں "حدیث" کا لفظ نئی بات، گفتگو، نئی چیز، قابل ذکر واقعہ یا کلام واحوال کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مگر اصطلاح میں رسول اللہ ﷺ کے فرامین، افعال اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں حدیث کا یہ علم "علم الحدیث" کہلاتا ہے۔ جب علم حدیث میں وسعت پیدا ہوئی تو اس کی مختلف شاخیں بن گئیں۔ ان میں ایک نہایت اہم شاخ علم "اسماء الرجال" ہے۔ علم حدیث اور اسماء الرجال دونوں لازم وملزوم ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے روح پرور حالات، آپ ﷺ کے اقوال و افعال، عادات ومعمولات اور اسوۂ حسنہ کو علمائے حدیث کی رفیع المرتبت جماعت نے اس طریقے سے محفوظ ومدوّن کیا کہ دنیا کی پوری تاریخ اس کی نظیر پیش نہیں کرسکتی۔ اس سلسلے میں علامہ شبلی کی یہ بات حقیقت حال کی عکاسی کرتی ہے۔

"مسلمانوں کے اس فخر کا قیامت تک کوئی حریف نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے اپنے پیغمبر

ﷺ کے حالات و واقعات کا ایک ایک حرف استقصا کے ساتھ محفوظ رکھا کہ کسی شخص کے حالات آج تک اس جامعیت اور احتیاط کے ساتھ قلم بند نہیں ہو سکے اور نہ آئندہ اس کی توقع کی جا سکتی ہے۔ اس سے زیادہ کیا عجیب بات ہو سکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اقوال و افعال کی تحقیق کی غرض سے آپ ﷺ کو دیکھنے والوں اور ملنے والوں میں سے تقریباً تیرہ ہزار شخصیتوں کے نام اور حالات قلم بند کیے گئے اور یہ اس زمانے میں ہوا جب تصنیف و تالیف کا ابھی آغاز ہی تھا'' (۲۷۳)۔

اس ساری بحث سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کو ہی اس بات کا اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے رواۃ حدیث و آثار کے حالات زندگی کو قلم بند کیا اور ان کی تعداد مستشرقین نے پانچ لاکھ تک بتائی ہے۔ چنانچہ مشہور جرمن مستشرق ڈاکٹر سپرنگر نے 'الاصابہ فی تمیز الصحابہ' کے ۱۸۸۶ء کے ایڈیشن کے مقدمہ میں لکھا ہے: ''کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں گزری اور نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو۔ جس کی بدولت پانچ لاکھ مسلمانوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے'' (۲۷۴)۔

مسلمانوں میں سلسلہ نسب اور علم رجال کا ہونا ایک امتیاز ہے اور یہ شرف حدیث نبوی ﷺ کی عظمت کی بنا پر حاصل ہوا۔ اس علم میں یہ تحقیق کی جاتی ہے کہ جو حضرات سلسلہ روایت حدیث میں ہیں، وہ کون تھے؟ کہاں سے تھے؟ کیسے تھے؟ ان کا سلسلہ نسب کیا تھا؟ ان کی سمجھ بوجھ کیسی تھی؟ ان کے مشاغل کیا تھے؟ ان کا چال چلن کیسا تھا؟ سطحی الذہن تھے یا نکتہ رس؟ عالم تھے یا جاہل؟ کس تخیل اور کس مشرب کے تھے؟ ان کا سن پیدائش و وفات کیا تھا؟ کہاں رہے؟ کن سے علم حاصل کیا؟ ان کے شاگرد کون سے تھے؟ تقویٰ اور پرہیز گاری میں ان کا کیا مقام تھا؟ تا کہ ان کے ذریعے سے حدیث کی صحت و سقم دریافت کی جا سکے۔ ان جزئی باتوں کا دریافت کرنا اور ان کا پتہ لگانا مشکل تھا لیکن محدثین نے اپنی عمریں اس کام میں صرف کیں اور رحلات کے ذریعے ایک ایک شہر کے راویوں سے ان کے متعلق ہر قسم کے حالات دریافت کیے۔ انہی تحقیقات کے ذریعہ سے اسماء الرجال کا ایک عظیم الشان فن ایجاد ہوا۔ جس کے ایجاد و تشکیل کا شرف مسلمانوں کو حاصل ہوا۔

حدیث کے دو حصے ہوتے ہیں یعنی متن اور سند۔ سند راویوں کا وہ سلسلہ ہے جو الفاظ حدیث

سے قبل ہوتا ہے۔ اس پر حدیث کا مدار ہے اگر اس حصے کی واقفیت نہ ہو تو حدیث سمجھ میں نہیں آسکتی۔ گویا اسماء الرجال کے علم کے بغیر فہم علم حدیث ممکن ہی نہیں۔ چنانچہ امام بخاریؒ کے استاد امام علی بن المدینی (م ۲۳۴ھ) فرماتے ہیں۔" التفقه فی معانی الحدیث نصف العلم ومعرفة الرجال نصف العلم" (۲۷۵) (معانی حدیث کو سمجھنا نصف علم ہے اور معرفت رجال نصف علم ہے)۔ علی بن المدینی کا ایک اور قول ہے:" اشد التصحیف التصحیف فی اسماء الرجال" (۲۷۶) (زیادہ تصحیف (نقاط کا فرق) ان لوگوں کے ناموں میں ہوتی ہے)۔

ابو اسحاق ابراہیم بن عبداللہ النجیر می کا قول ہے:" اولی الاشیاء بالضبط اسماء الناس لانه شیء لا یعرف بالقیاس، فلا قبله شیء یدل علیه، ولا بعده شیء یشیر الیه" (۲۷۷) (سب سے زیادہ جس چیز پر ضبط ہونا چاہیے وہ (حدیث روایت کرنے والے) لوگوں کے نام ہیں کیونکہ کوئی ایسی چیز نہیں جس میں قیاس کام کر سکے اور نہ ان سے پہلے اور نہ ان کے بعد کوئی ایسی چیز ہوتی ہے جو اس کا پتہ دے سکے)۔

ابن عبدالبر کا قول ہے:"معرفة أعمار العلماء والوقوف علی وفیاتهم من علم خاصة اهل العلم یعنی من علم علیة اهل العلم أنه لا ینبغی لمن وسم نفسه بالعلم جهل ذلك وأنّه مما یلزمه من العلم العنایة به والقیامة بحفظه" (۲۷۸) (علما کی عمروں کی پہچان اور ان کی وفات کی واقفیت اہل علم کا خاصہ ہے۔ یعنی بلند پایہ اہل علم جو شخص اپنے آپ کو علم سے متعلق سمجھتا ہے۔ اس کے لیے اس کی عدم واقفیت مناسب نہیں ہے۔ اس کے لیے خصوصی توجہ اور اس کی حفاظت کے لیے قیام کی ضرورت ہوتی ہے)۔

شیخ الاسلام مصطفیٰ صبری توقادی (م ۱۳۷۳ھ) اپنی کتاب "موقف العقل والعلم والعالم من رب العالمین وعباده المرسلین" میں مسلمانوں کا حدیث کی حفاظت کے متعلق اہتمام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:" الطریقة المتبعةُ فی الاسلام لتوثیق الاحادیث النبویة: أفضل طریق وأعلاها، لا تُدانیها فی دقّتها وسموها أیّ طریقةٍ علمیةٍ غَربیّةٍ اتُّبعت فی توثیق الروایات، ففی صحیح البخاری مثلاً: ألفان وستُّ مئةٍ

واثنانِ من الأحاديث المُسندة، سوى المكرّرة، انتقاها البخاري من مئة ألف حديثٍ صحيح يحفظُها، وفيه قريبٌ من الفَي راوٍ، اختارهم من نيّفٍ وثلاثين ألفاً من الرّواةِ الثقات الذين يعرفهم. وكتاب البخاری، البالغ اربع مجلدات كبيرة يبقی بعد حذف اسانيده علی حجم مجلد واحد متوسط الحجم.فهل سمعتم وسمعت الدنيا أن كتاب تاريخ فی هذا الحجم، يُروی ما فيه سماعا من ألفی رجل ثقة يعرفهم المؤلف وغيره من أهل العلم، بأسمائهم وأوصافهم، علی أن تكون كلّ جملةٍ معيّنة من الكتاب، مؤلّفة من سطرٍ أو أكثر أو أقلّ تقريبًا، سمعها فلان، وهومن فلان، إلی أن اتّصل الإسنادُ والسماعُ بالنبیﷺ، فيقام لكل سطرٍ من سطورِ الكتاب تقريبًا شهودٌ من الرّواة يتحمّلون مسؤولية روايته "(۲۷۹)(اسلام میں احادیث نبویہﷺ کی توثیق کا معروف طریقہ بہترین اور عالی مرتبہ ہے۔کوئی علمی،منفرد اور بہتر طریقہ توثیق روایات میں لطافت اور بلندی میں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔مثال کے طور پر صحیح بخاری میں مکرر احادیث چھوڑ کر ۲۶۰۲ مسند احادیث ہیں۔جن کو امام بخاریؒ نے ایک لاکھ صحیح احادیث سے منتخب کیا جو ان کو یاد تھیں اور ان میں تقریباً دو ہزار راوی ہیں،جن کو انہوں نے ان ۳۰ ہزار سے زائد ثقہ راویوں میں سے منتخب کیا جن کو وہ جانتے تھے۔بخاری کی کتاب چار بڑی جلدوں پر مشتمل ہے۔اس کی اسانید کو حذف کر کے بھی متوسط حجم کی ایک جلد رہ جاتی ہے۔کیا آپ نے سنا اور کیا دنیا نے سمجھا کہ تاریخ کی کتاب اس ضخامت کی ہو کہ جس میں دو ہزار ثقہ آدمیوں کا سماع ہو۔جن کو مؤلف اور دیگر اہل علم جانتے ہوں۔ان کے نام،ان کے اوصاف اس لحاظ سے کہ اس کتاب کا ہر جملہ جو ایک سطر یا اس سے کم ہو کو فلاں نے فلاں سے سنا یہاں تک کہ اتصال اسناد و سماع نبیﷺ تک پہنچ جائے اس کتاب کی ہر سطر پر راوی بطور گواہ موجود ہوں جو اس حدیث کی روایت کے متعلق جواب دہ ہوں)۔

وہ مزید فرماتے ہیں: "أدّی كمالُ الاعتناءِ الإسلامی بحياة نبيناﷺ، وتتّبع أقواله وأفعاله، إلی الاعتناء بحياةِ المتّبعين أنفسهم أعني الرّواة عنه، وليس أحدٌ في الدنيا عُني في سبيل العناية به، بكل من لقيه وبكلٍ من روی عنه شيئًا،

وبمن روَى، عمن رَوَى، عمن رَوَى إلى آخره، إلى رسول الله سيدنا محمدًا صلى الله علیہ وسلم" (۲۸۰) (ہمارے نبی ﷺ کی زندگی کے اقوال وافعال کی تلاش پر خصوصی توجہ دی گئی یہاں تک کہ آپ ﷺ سے روایت کرنے والوں پر پوری توجہ کی گئی (معلومات کے لحاظ سے) دنیا میں کسی کے متعلق اتنی توجہ نہیں کی گئی۔ اور وہ شخص جو آپ ﷺ کو ملا یا جس نے آپ ﷺ سے کچھ روایت کیا اور اس پر جس نے روایت کیا اور جن سے روایت کیا اور یہ بھی سلسلہ سیدنا محمد رسول ﷺ تک پہنچ جائے)۔

اسحاق بن ابراھیم بیان کرتے ہیں۔ ہارون الرشید نے ایک زندیق کو گرفتار کرایا اور اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ اس زندیق نے کہا۔ آپ مجھے کیوں قتل کرتے ہیں؟ تو ہارون نے کہا: تا کہ لوگوں کو آپ سے آرام دوں، تو اس نے کہا: اے امیر المؤمنین، آپ ان چار ہزار احادیث کے متعلق کیا کریں گے جو میں نے وضع کی ہیں؟ میں نے ان میں حلال کو حرام قرار دیا ہے، اور حرام کو حلال قرار دیا ہے اور ان میں ایک لفظ بھی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد نہیں فرمایا۔ ہارون الرشید نے کہا:" أين أنت يا عدوّ الله من أبی إسحاق الفزاري وعبدالله بن المبارك؟ ينخُلانها نخلاً، فيخر جانها حرفًا حَرفًا" (۲۸۱) (اے اللہ کے دشمن تم ابواسحاق فزاری اور عبداللہ بن مبارک سے بچ کر کہاں جاسکتے ہو جوان کو چھلنی کی طرح چھان کر ایک ایک حرف نکال پھینکیں گے)۔

یحیٰی بن سعید کہتے ہیں:"لا تنظروا الى الحديث ولكن انظروا الى الاسناد، فان صح الاسناد والاّ فلا تغترّوا بالحديث اذا لم يصح الاسناد" (۲۸۲) (حدیث کو نہ دیکھو۔ اسناد کو دیکھو اگر اسناد ٹھیک ہو تو بہتر ہے۔ اگر اسناد ٹھیک نہ ہو تو حدیث کے متعلق دھوکہ نہ کھاؤ)۔

یزید بن زریع کہتے ہیں:"لكل دين فرسان و فرسان هذا الدين اصحاب الاسانيد" (۲۸۳) (ہر دین کے شاہسوار ہوتے ہیں اور اس دین کے شاہسوار اصحاب اسناد ہیں)۔

یحیٰی بن معین کہتے ہیں" آلة الحديث الصدق والشهرة والطلب وترك البدع واجتناب الكبائر" (۲۸۴) (حدیث کا ہتھیار، سچائی، شہرت، طلب، ترک بدعت اور کبائر سے اجتناب ہے)۔

امام شافعیؒ (ت ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ حدیث کی اس وقت تک حجت قائم نہیں ہوسکتی جب تک مندرجہ ذیل امور پیش نظر نہ ہوں:

''أن يكون من حدث به عالما بالسنة، ثقة في دينه، معروفا بالصدق في حديثه، عاقلا لما يحدّث به، عالما بما يحيل معاني الحديث من اللّفظ، أو يكون ممّن يؤدي الحديث بحروفه كما سمعه لا يحدّث به على المعنى؛ لأنه إذا حدّث به على المعنى وهو غير عالم بما يحيل معناه، لا يدري لعلّه يحيل الحلال إلى الحرام، فإذا أدّاه بحروفه، لم يبق فيه وجه يخاف فيه إحالة الحديث. ويكون حافظًا إن حدّث من حفظه، حافظًا لكتابه إن حدّث من كتابه، إذا شرك لهم الحفظ في الحديث وافق حديثهم، بريًا من أن يكون مدلسا يحدّث عمن لقي بما لم يسمع او يحدث عن النبیﷺ بما يحدث الثقات بخلافه عنه عليه السلام. ويكون هكذا من فوقه ممّن حدّثه، حتّى ينتهي بالحديث موصولا إلى النّبيّ ﷺ'' (۲۸۵) (حدیث بیان کرنے والا سنت کا عالم ہو، دین کے معاملے میں معتبر ہو، گفتگو میں سچا ہو، جو حدیث بیان کرے اس کو سمجھتا ہو، لفظی معانی بدلنے کا علم رکھتا ہو۔ یا ان لوگوں سے ہو جو روایت باللفظ بیان کرتے ہیں جس طرح سنا، روایت بالمعنی بیان نہ کرے۔ کیونکہ اگر وہ روایت بالمعنی بیان کرے اور روایت بالمعنی کو سمجھتا نہ ہو (یعنی بدلنے کو نہ سمجھے) تو ہوسکتا ہے کہ حلال کو حرام بنادے۔ جب وہ روایت باللفظ بیان کرے گا تو اس بات کا کوئی ڈر نہ ہوگا کہ حدیث کسی اور معنی میں بیان ہوجائے گی۔ اگر حافظہ سے بیان کرے تو حدیث اس کو خوب یاد ہو۔ اگر کتاب سے بیان کرے تو کتاب کی اچھی طرح حفاظت کرتا ہو۔ اگر اور لوگوں کے ساتھ یاد کرنے میں شریک ہو تو ان کی حدیث کے مطابق بیان کرے۔ وہ مدلس نہ ہو کہ وہ اس سے بیان کرنے لگے جسے وہ ملا ہو یا رسول اللہﷺ سے وہ بیان کرے کہ اس سے نہ سنا ہو۔ ثقات راوی اس کی حدیث کے خلاف رسول اللہﷺ سے بیان کریں۔ اس قسم کے راوی اس کے اوپر ہوں جن سے وہ بیان کرے۔ یہاں تک کہ حدیث موصول رسول اللہﷺ تک پہنچ جائے)۔

احمد بن محمد قسطلانی (م ۹۲۳ ھ) فرماتے ہیں کہ محدث بغداد ابوبکر محمد بن احمد فرمایا کرتے تھے:

''بلغني أنّ اللّه خصّ هذه الأمة بثلاثة أشياء لم يعطها من قبلها من الأمم:

الإسناد، والأنساب، والإعراب" (۲۸۶) (مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو تین چیزوں کی خصوصیت دی ہے جو پہلے کسی امت کو نہیں دی تھیں۔علم الاسناد،علم الانساب اور علم الاعراب)۔

امام ابن حزم (م ۴۵۶ھ) لکھتے ہیں "نقل الثقة عن الثقة، حتى يبلغ به النبي ﷺ مع الاتصال، يخبر كل واحد منهم باسم الذى اخبره ونسبه، وكلهم معروف الحال والعين والعدالة والزمان والمكان: خص الله به المسلمين دون سائر اهل الملل كلها "(۲۸۷) (ثقہ راوی ثقہ راوی سے بیان کرتے ہوئے اتصال کے ساتھ رسول اللہ ﷺ تک پہنچتا ہے۔ان میں سے ہر ایک جس سے روایت کرتے ہیں اس کے نام ونسب بھی بیان کرتے ہیں۔ ہر ایک معروف الحال اور جانا پہچانا ہے اور زمان ومکان کے اعتبار سے عادل ہے۔اللہ تعالیٰ نے دوسرے سارے ادیان ومذاہب کے سوا صرف مسلمانوں کو یہ خصوصیت بخشی ہے)۔

امام عبداللہ بن عبدالرحمان الدارمی نے اس کی مفصل کیفیت بیان کی ہے۔ اس سے احادیث نبوی کی شرعی نوعیت اور صحابہ کی کمال درجہ احتیاط کا اندازہ ہوجاتا ہے۔"میمون بن مہران کہتے ہیں کہ ابوبکر صدیق کے زمانہ خلافت میں جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تو ابوبکرؓ پہلے قرآن میں تلاش کرتے ۔وہاں اس کا حکم مل جاتا تو فیصلہ دے دیتے۔اگر قرآن سے فیصلہ نہ ملتا تو اپنی معلومات احادیث پر غور کرتے۔اگر رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ مل جاتا تو اس پر حکم نافذ کر دیتے۔اگر اس میں بھی قاصر رہتے تو عام طور پر صحابہ میں منادی کراتے کہ ہمارے پاس اس قسم کا مقدمہ اور مسئلہ درپیش ہے، کیا آپ صاحبان کو اس کے متعلق آنحضرت ﷺ کا کوئی فیصلہ معلوم ہے؟ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ لوگ خود حاضر ہو جاتے اور آپ سے علم نبوی بیان کرتے اور اس کو سن کر حضرت صدیق اکبرؓ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے کہ ہم میں رسول اللہ ﷺ کی باتوں کے یاد رکھنے والے موجود ہیں اور اگر پھر بھی غیر ممکن ہوتا تو صحابہ سے مشورہ لے کر اتفاق رائے سے فیصلہ کر دیتے" (۲۸۸)۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دور صحابہ سے ہی احادیث کو حفظ کرنے والے لوگوں کے متعلق معلومات حاصل کی جاتی رہی ہیں۔

قرآن مجید میں فن اسماء الرجال

مولانا عبدالغفار حسن فرماتے ہیں: ارشاد ربانی ہے "قل ارئيتم ما تدعون من دون

اللّٰہ ارونی ماذا خلقوا من الارض ام لهم شرك فی السمٰوٰت ایتونی بکتب من قبل هذا او اثرة من علم ان کنتم صدقین "(۲۸۹) (کہو کہ بھلا تم نے ان چیزوں کو دیکھا ہے جن کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو (ذرا) مجھے بھی دکھاؤ کہ انہوں نے کون سی زمین پیدا کی ہے یا آسمان میں ان کی شراکت ہے، اگر سچے ہو تو اس سے پہلے کی کوئی کتاب میرے پاس لاؤ یا علم (انبیاء میں) سے کچھ منقول چلا آتا ہو تو اسے پیش کرو)۔

اس آیت میں لفظ "اثارة" محل استدلال ہے، لفظ اثارة کی اصل "اثر" ہے جس کے معنی روایت کے ہیں اس کے تین مصدر مستعمل ہیں۔ اثرة، اثارة، اثر۔ قاضی شوکانی تفسیر "فتح القدیر" میں لکھتے ہیں: "أصل الکلمة من الاثر وهی الرّوایة یقال: آثرت الحدیث وآثره أثرة وأثاره وأثراء اذا ذکرته عن غیرك وقال عطاء أو شیٔ تاثرونه عن نبی کان قبل محمد صلی اللّٰه علیه وسلم، قال مقاتل: أو روایة من علم الأنبیاء (۲۹۰) (یہ لفظ اثر کے مادے سے ہے، جب کسی دوسرے سے بات نقل کی جائے تو اس موقع پر یہ کلمہ بولا جاتا ہے۔ عطاء تابعی کہتے ہیں "یا کوئی ایسی چیز پیش کرو جس کو تم آنحضور ﷺ سے پہلے کسی نبی سے روایت کرتے ہو"۔ مقاتل مفسر کہتے ہیں "یا علم انبیاء میں سے کوئی روایت پیش ہو)۔

قاموس میں ہے" الاثرة المکرمة المتوارثة، کالماثرة والبقیة من العلم تؤثر کالأثرة والأثارة" (۲۹۱) (اثرۃ اس خوبی کو کہتے ہیں جو آباؤ اجداد سے اولاد کی طرف نقل ہوتی چلی آتی ہے اور اس بقیہ علم کو بھی کہتے ہیں جو منقول ہوتا چلا آتا ہے جیسا کہ اثرۃ اور اثارۃ کا مفہوم ہے)۔

خلاصہ کلام یہ کہ لفظ اثارۃ نقل اور روایت کا مفہوم رکھتا ہے۔ آیت مذکورہ بالا میں مشرکین سے ان کے شرک کے ثبوت میں دو چیزوں کا مطالبہ کیا گیا ہے:

(الف) کسی سابق کتاب سے اس کی دلیل لاؤ۔

(ب) یا کوئی ایسی نقل و روایت پیش کرو جس کی بنیاد علم پر ہو، ظاہر ہے کوئی سی نقل و روایت بغیر ناقل و راوی کے اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتی اس لیے سند یعنی سلسلہ رُواۃ کا اہتمام ضروری ہے اس کے بغیر کلام

منقول کا صحت وضعف واضح نہیں ہوسکتا (۲۹۲)۔

حدیث نبوی میں فن اسماء الرجال

رسول اللہ کی احادیث مبارکہ میں بھی رجال پر بحث ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: "أن رجلا استاذن على النبی ﷺ فقال ائذنوا له، فلبئس ابن العشيرة أو بئس رجل العشيره" (۲۹۳) (ایک آدمی نے آنحضرت ﷺ سے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو رسول اللہ نے فرمایا کہ اس کو اجازت دے دو، قبیلے کا بُرا بیٹا ہے یا وہ قبیلے کا بہت بُرا آدمی ہے)۔

مشہور صحابیہ حضرت فاطمہ بنت قیس (رضی اللہ عنھا) کو ان کے شوہر نے طلاق دے دی تھی۔ نئی شادی کے مشورے کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں کہ معاویہ بن ابی سفیانؓ اور ابو جہمؓ دونوں نے مجھے نکاح کا پیغام بھیجا ہے۔ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے تو حضور ﷺ نے فرمایا: "أمّا ابو الجهم فلا يضع عصاه عن عاتقه، وأما معاوية فصعلوك لا مال له" (۲۹۴) (ابو جہم عورتوں کو مارنے والا ہے اور معاویہ تنگ دست آدمی ہے اس کے پاس مال نہیں ہے)۔ ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ زبان نبوی سے بھی رجال پر گفتگو ہوئی ہے۔

فنِ اسماء الرجال کا ارتقا

علم اسماء الرجال آنحضور ﷺ کے صحابہؓ سے ہی شروع ہو گیا تھا چنانچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عائشہؓ انساب کے ماہر تھے انساب کی مہارت علم اسماء الرجال سے ہی متعلق ہے۔

صحابہ کرام میں حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ، عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابو سعید خدریؓ، حضرت جابر بن عبداللہ انصاری اور حضرت انس بن مالکؓ بھی صف اوّل کے رجال الحدیث ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے متعلق ہے کہ انہوں نے فاطمہؓ بنت قیس کی روایت کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا "لا نترك كتاب الله و سنة نبينا لقول امرأة لا ندری أصدقت أم كذبت أم حفظت أو نسيت" (۲۹۵) (ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کو ایک عورت کی وجہ سے نہیں چھوڑیں گے ہمیں کیا معلوم اس نے سچ کہا یا جھوٹ اس نے یاد رکھا یا بھول گئی)۔

تابعین میں سعید بن جبیر (م۹۵ھ) ابراھیم نخعی (م۹۵ھ) عامر الشعبی (م۱۰۳ھ) طاؤس (م۱۰۵ھ) اور حسن بصری (م۱۱۰ھ) نے رجال پر کلام کیا ہے۔ اسی طرح ایوب سختیانی (م۱۳۱ھ) عبداللہ بن عون (م۱۵۱ھ)، سلیمان تیمی (م۱۴۳ھ)، شعبہ بن حجاج (م۱۶۰ھ)، سفیان الثوری (م۱۶۱ھ)، مالک بن انس (م۱۷۹ھ)، اوزاعی (م۱۵۷ھ) عبداللہ بن مبارک (م۱۸۱ھ)، یحیی بن سعید القطان (م۱۴۳ھ)، وکیع بن الجراح (م۱۹۷ھ) اور عبدالرحمن بن المھدی (م۱۹۸ھ) جیسے اہلِ علم نے بھی رجال میں کلام کیا ہے۔

تیسری صدی ہجری میں علی بن المدینی (م۲۳۴ھ) نے "کتاب العلل" میں، امام احمد بن حنبل (م۲۴۱ھ) نے "کتاب العلل ومعرفۃ الرجال" میں، امام بخاری (م۲۵۶ھ) نے "تاریخ" میں، امام مسلم (م۲۶۱ھ) نے "مقدمہ صحیح مسلم" میں، امام ترمذی (م۲۷۹ھ) نے "کتاب العلل" میں رجال پر کلام کیا ہے۔

چوتھی صدی ہجری میں اس فن پر کام کرنے والے درج ذیل لوگ ہیں امام نسائی (م۳۰۳ھ) نے "کتاب الضعفاء والمتروکین" اور محمد بن احمد بن حماد الدولابی (م۳۱۰ھ) نے "کتاب الاسماء والکنیٰ" تصنیف کی اس کتاب میں راویان حدیث کے ناموں اور کنیتوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ ابو محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم الرازی (م۳۲۷ھ) "کتاب الجرح والتعدیل" کے مصنف ہیں اس کا مقدمہ قابل دید ہے اس کے علاوہ "کتاب الکنیٰ" اور "کتاب المراسیل" بھی ان کی تصانیف ہیں جو اسی موضوع پر مشتمل ہیں۔ امام محمد بن حبان بستی (م۳۵۴ھ) نے "کتاب الثقات" اور "کتاب المجروحین" لکھی ہیں۔ ابو احمد علی بن عدی بن علی قطان (م۳۶۵ھ) نے فن اسماء الرجال پر "الکامل فی ضعفاء الرجال" کے نام سے کتاب لکھی، دارقطنی (م۳۸۵ھ) نے اپنی "کتاب العلل" میں رجال پر بہت مفید بحثیں کی ہیں۔ امام دارقطنی نے "کتاب الضعفاء" تالیف کی جو چھپ چکی ہے۔ اسی طرح ان کی کتاب "المؤتلف والمختلف" بھی چھپ چکی ہے۔

پانچویں صدی ہجری میں ابو یوسف بن عمر بن عبدالبر (م۴۶۳ھ) اور خطیب بغدادی (م۴۶۳ھ) نے بھی اسماء الرجال پر بہت کام زیادہ کیا۔

چھٹی صدی ہجری کے مؤلفین رجال میں سے امام بیہقی (م۵۵۸ھ) امام ابن جوزی (م۵۹۷ھ) ہیں۔اس کے علاوہ معروف محدث عبدالغنی مقدسی (م ۶۰۰ ھ) نے ''الکمال فی اسماء الرجال'' لکھی۔

ساتویں صدی ہجری میں امام نووی (م۶۷۶ھ) نے اس فن پر گراں قدر کام کیا۔ان کی کتاب ''تہذیب الاسماء واللغات'' بہت معروف ہے۔

آٹھویں صدی ہجری میں حافظ یوسف بن زکی مزی (م۷۴۲ھ) حافظ ذہبی (م۷۴۸ھ) نے ''تاریخ الاسلام''، ''سیر اعلام النبلا'' اور ''تذکرۃ الحفاظ'' میں اور ابوالفداء عمادالدین ابن کثیر (م۷۷۴ھ) نے ''البدایہ والنہایہ'' میں رجال پر کلام کیا۔

نویں صدی ہجری میں حافظ ابن حجر (م۸۵۲ھ) نے اس فن پر گراں قدر کام کیا۔ان کی کتب میں ''الاصابہ فی تمییز الصحابہ''، ''تہذیب التہذیب'' اور ''تقریب التہذیب'' بہت معروف ہیں۔تقی الدین بن فہد (م۸۷۱ھ) نے بھی اس فن پر کام کیا۔

دسویں صدی ہجری میں شمس الدین سخاوی (م۹۰۲ھ) اور امام سیوطی (م۹۱۱ھ) نے بھی اس فن پر کام کیا۔

گیارھویں صدی ہجری کے رجال کے متعلق محمد المحی نے ''خلاصہ الاثرفی اعیان القرن الحادی عشر'' لکھی اور بارھویں صدی ہجری میں اسماء الرجال کے متعلق ابوالفضل محمد خلیل بن علی المرادی (م ۱۲۰۶ھ) نے ''سلک الدررفی اعیان القرن الثانی عشر'' لکھی۔

فن اسماء الرجال پر تحقیق کا یہ سلسلہ پہلی صدی ہجری سے لے کر اب تک جاری ہے۔اس عرصہ میں حدیث اور رجال پر بے پناہ کام ہوا اور مختلف محدثین نے اس پر عمریں صرف کر دیں۔ ''علم الاسماء الرجال آغاز تا عصر حاضر'' کے عنوان پر رفعت طاہرہ نے محترمہ ڈاکٹر جمیلہ شوکت کی زیر نگرانی 2004ء میں شیخ زید اسلامک سنٹر پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔فل کا مقالہ لکھا ہے۔حال ہی میں محترمہ سمیہ نے پروفیسر ڈاکٹر فضل احمد کے زیر نگرانی ''فن رجال کی منتخب تالیفات کا تحقیقی مطالعہ'' (تیسری تا دسویں صدی ہجری) پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھ کر شعبہ علوم اسلامیہ کراچی یونیورسٹی سے 2005ء میں ڈگری

حاصل کی ہے۔ رجال کے متعلق معروف کتب کا ذکر مناسب ہوگا۔

کتب معرفۃ الصحابہ

یہ وہ کتب ہیں جن میں صحابہ کرام کی کے حالات مدون کیے گئے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے حالات پر مشتمل کتابیں لکھنے کی کئی وجوہات ہیں۔ سب سے پہلی اور اہم وجہ حدیثوں میں مرسل اور مرفوع کی معرفت ہے۔ اگر صحابہ کے حالات اور ان کے اسما معلوم نہ ہوں تو مرفوع، مرسل اور مقطوع حدیث کی تمیز مشکل ہو جائے گی۔

معرفۃ الصحابہ

یہ کتاب حافظ ابونعیم، احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق الاصبہانی (م ۴۳۰ھ) کی ہے۔ حافظ ابونعیم ۳۳۶ھ میں پیدا ہوئے (۲۹۶)۔ حصول تعلیم کی خاطر شام، بغداد، کوفہ، بصرہ، نیشاپور اور مکہ کا سفر کیا اور وہاں کے ممتاز اہل علم سے کسب فیض کیا۔ امام ذہبی لکھتے ہیں "کان ابوہ من علماء المحدثین والرّحالین، فاستجاز له جماعة من كبار المسندين "(۲۹۷) (اس کا والد علمائے محدثین اور حدیث کے لیے سفر کرنے والوں میں سے تھا۔ (ابونعیم کو) عالی سند رکھنے والے کبار محدثین نے اسے روایت کی اجازت دی)۔ اسی وجہ سے ابوبکر الخطیب آپ کے بارے میں فرماتے تھے "لم أر أحدا أطلق عليه اسم الحافظ غير رجلين، ابو نعيم الاصبهاني وابو حازم العبدوي "(۲۹۸) (میں نے نہیں دیکھا کہ ابونعیم اصبہانی اور ابوحازم العبدوی کے علاوہ کسی اور کے لیے حافظ کا اطلاق ہو سکتا ہو)۔ ابونعیم نے ۴۳۰ھ میں وفات پائی (۲۹۹)۔

حافظ ابونعیم کی بہت سی تصنیفات ہیں۔ ان میں سے ایک اہم تصنیف "معرفة الصحابه" ہے۔ یہ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ کتاب کا آغاز ایک مقدمہ سے ہوتا ہے۔ جس میں سبب تالیف اور کتاب کا منہج بیان کیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں "بدأت باخبار فی مناقبهم ومراتبهم ثم قدمت ذكر العشرة المشهود لهم بالجنة واتبعتهم بمن وافق اسمه اسم الرسول ﷺ ثم رتبت اسامی الباقين على ترتيب حروف المعجم "(۳۰۰) (میں نے ان (صحابہ) کے مناقب اور مراتب کے حالات سے آغاز کیا ہے اور ان دس صحابہ کو مقدم کیا۔ جن کو جنت کی بشارت دی

گئی اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے نام کے موافق (ہم نام محمد) کو۔ پھر باقی تمام ناموں کو حروف معجم پر مرتب کیا ہے)۔

عشرہ مبشرہ کی فضیلت اجمالاً بیان کرنے کے بعد ان میں سے پہلے حضرت ابو بکر کے حالات "معرفة نسبة الصديق العتيق ابی بکر ومولده وفاته "(۳۰۱) کے عنوان کے تحت سند کے ساتھ مختصراً اس طرح بیان کیا ہے:"حدثنا عبدالله بن محمد بن جعفر ثنا موسیٰ بن هارون ثنا حامد بن يحيیٰ البلخی ثنا سفيان بن عيينه عن زياد بن سعد عن عامر بن عبدالله بن الزبير عن أبيه قال كان اسم أبی بكر عبدالله بن عثمان فلما قال له رسول الله ﷺ أنت عتيق الله من النار سمّی عتيقا وقد قيل فيه وجه آخر "(۳۰۲)۔

اسی طرح دوسرے رواۃ کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً "باب الثاء" میں "ثابت بن قیس بن الشماس" کے عنوان کے تحت پہلے مصنف نے اپنی طرف سے ان کے مختصراً حالات بیان کیے ہیں۔ لکھتے ہیں "ابن ثعلبه بن زهير بن امرئ القيس بن مالك بن الحارث بن الخزرج يكنى أبا محمد كان خطيب الأنصار جهير الصوت شهد له النبی ﷺ بالجنة استشهد باليمامه سنة اثنتی عشرة روی عنه أنس بن مالك وبنوه محمد واسماعيل وقيس وعبدالرحمن بن أبی ليلی وغيرهم أوصیٰ بعد موته فأنفذت وصيته بعد موتة"(۳۰۳)۔

اس کے بعد باقی تمام اصحاب رسول ﷺ کے حالات پوری سند کے ساتھ نقل کیے ہیں۔

الاستیعاب فی معرفة الاصحاب

یہ ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر النمری کی تصنیف ہے جو ۳۶۸ھ میں قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ علمی دنیا کے کبار اور عظیم علماء سے استفادہ کیا اور حدیث، فقہ، علم الانساب اور علم الاخبار میں بھی پوری دسترس حاصل کی۔ "ابن خلکان لکھتے ہیں۔"كان مع تقدمه فی علم الأثر وبصره بالفقه ومعانی الحديث، له بسطة كبيرة فی علم النسب"(۳۰۴)۔ آپ ۴۶۳ھ میں

وفات پا گئے (۳۰۵)۔

''الاستیعاب'' صحابہ کرام کی معرفت کے لیے اہم تصانیف میں سے ہے۔ دوسرے اہل علم نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے جن میں ابن الاثیر (م ۶۳۰ ھ) نے ''اسد الغابہ'' میں ذہبی (م ۷۴۸ ھ) نے ''تجرید اسماء الصحابہ'' میں اور ابن حجر (م ۸۵۲ ھ) نے ''الاصابہ'' میں رواۃ کے حالات و تراجم کا مآخذ اس کتاب کو بنایا ہے (۳۰۶)۔ اس کے ابتدا میں رسول اللہ ﷺ کی پیدائش سے وفات تک کے اہم واقعات ہیں۔ اس کے بعد صحابہ کرام کو حروف معجم کی ترتیب سے بیان کیا ہے۔ اور مشترک ناموں کو ایک باب میں بیان کرتے ہیں۔ اگر کسی نام کا ایک ہی راوی ہو تو ایسے ناموں کو ہر حرف کے آخر میں ''باب الافراد'' کے تحت بیان کیا ہے۔

اس کتاب میں تین ہزار پانچ سو صحابہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ کتاب حروف تہجی کے حساب سے مرتب ہے لیکن اس سلسلے میں کام سے پہلے حرف کا اعتبار کیا گیا ہے۔ نام کے بعد ان لوگوں کا ذکر ہے جو اپنی کنیت کی وجہ سے مشہور ہیں۔ اس کے بعد صحابیات کا نام ذکر کیا گیا ہے۔ پھر ان عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے جو اپنی کنیت سے مشہور تھیں۔

اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ

یہ عز الدین ابو الحسن علی بن محمد بن عبد الکریم بن الواحد الشیبانی (م ۶۳۰ ھ) جو ابن الاثیر کے نام سے مشہور ہیں کی تصنیف ہے۔ ابن اثیر نے اپنی کتاب میں سات ہزار پانچ سو چون (۷۵۵۴) اسمائے گرامی کا ذکر کیا ہے (۳۰۷)۔ ان تمام اسمائے گرامی کو حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے اور اس سلسلے میں ہر نام کے پہلے، دوسرے اور تیسرے حرف کا اعتبار کیا ہے۔ اس طرح صحابہ کرام کے آباؤ اجداد اور قبائل کے بارے میں لکھا گیا ہے۔ اس کے بعد ان کی کنیتوں کا ذکر کیا گیا ہے اور کتاب کے آخر میں صحابیات کے اسمائے گرامی کا ذکر ہے (۳۰۸)۔ اس کتاب کے رموز درج ذیل ہیں:

الف: ابن مندہ ابو عبد اللہ محمد بن یحییٰ (م ۳۹۵ ھ) جو ابن مندہ کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی صحابہ سے متعلق کتاب معرفۃ الصحابہ ہے۔

ع: ابو نعیم (م ۴۳۰ ھ) کی کتاب معرفۃ الصحابہ۔

ب: ابن عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبداللہ (م۴۶۳ھ) کی کتاب ''الاستیعاب''۔

س: ابوموسیٰ محمد بن عمر المدینی (م۵۸۱ھ) کی کتاب ''معرفۃ الصحابہ''(۳۰۹)۔

تجرید اسماء الصحابہ

یہ حافظ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد ذہبی (۶۷۳ھ-۷۴۸ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ ابن اثیر الجزری کی کتاب ''اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ'' کا اختصار ہے اور اس کا منہج بھی کافی حد تک اسد الغابہ سے ملتا جلتا ہے۔ کتاب حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب کی گئی ہے اور صحابہ کرام کو مختلف انواع کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً صحابی کا نام، کنیت، باپ کا نام اور قبیلہ وغیرہ (۳۱۰)۔

الاصابہ فی تمییز الصحابہ

یہ شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی (م۸۵۲ھ) کی تصنیف ہے(۳۱۱)۔ صحابہ کرامؓ کی معرفت کے لیے یہ بھی اہم کتاب ہے۔ کتاب کے آغاز میں مختصر مقدمہ تحریر کیا گیا ہے جس میں امام بخاریؒ سے امام ذہبی تک جن لوگوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ ان کا مختصر ذکر کیا گیا ہے اور ان میں سے بعض پر تنقید بھی کی گئی ہے۔

اس کے بعد صحابہ کرامؓ کی معرفت اور عدالت وغیرہ بیان کی ہے۔ اور مختصراً کتاب کا منہج بھی ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں'' رتبته علی اربعة اقسام فی کل حرف ''(۳۱۲)(میں نے اس کتاب میں صحابہ کرام کو ہر حرف میں چار اقسام میں تقسیم کیا ہے)۔

پہلی قسم: ان صحابہ کرامؓ کے ساتھ خاص ہے جن کے صحابہ ہونے کی صراحت موجود ہو یا کسی راوی سے اس کی وضاحت ہو۔

دوسری قسم: صحابہ کرامؓ کے ان بچوں کے بارے میں ہے جو نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں پیدا ہوئے اور آپ ﷺ کی وفات کے وقت وہ چھوٹی عمر کے تھے۔ ان کا ذکر اس گمان پر کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ضرور نبی اکرم ﷺ کو دیکھا ہوگا کیونکہ صحابہ کرامؓ عام طور پر یہ کوشش کرتے تھے کہ اپنے بچوں کو آپ ﷺ کے پاس لے جائیں تاکہ آپ ﷺ ان کا کوئی نام تجویز کریں اور ان بچوں کے لیے برکت کی دعا فرمائیں۔

تیسری قسم: مخضرمین کے تراجم پر مشتمل ہے جنہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا اور ان کے بارے میں کوئی روایت بھی نہ ملے کہ انہوں نے آپ ﷺ سے ملاقات کی ہو یا دیکھا ہو۔ اہل علم کے نزدیک بالاتفاق یہ صحابی نہیں ہیں۔

چوتھی قسم: ان لوگوں کے بارے میں ہے جن کو غلطی کی بنا پر صحابہ کرامؓ میں شمار کیا گیا ہے (۳۱۳)۔

کتاب حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب ہے اور یہ ترتیب ان کے باپ اور دادا کے نام میں بھی موجود ہے انہوں نے سب سے پہلے مردوں کا ذکر کیا ہے پھر ان کی کنیتوں کا اس کے بعد عورتوں اور ان کی کنیتوں کا ذکر کیا ہے۔ اس کتاب میں ۱۲۲۶۷ راویوں کا ذکر ہے۔ جو راوی اپنے نام سے مشہور تھے ان کی تعداد ۹۴۷۷ ہے۔ جو کنیت کے لحاظ سے مشہور تھے ان کی تعداد ۱۲۸۸ ہے۔ اور جو صحابیات ناموں اور کنیتوں سے مشہور ہیں ان کی تعداد ۱۵۲۲ ہے (۳۱۴)۔

تراجم بیان کرتے ہوئے ابن حجر نے اختصار سے کام لیا ہے کیونکہ ان کا مقصد صحابہ کرامؓ کی صحبت یا عدم صحبت کی وضاحت کرنا ہے اس لیے عموماً نام و نسب، کنیت، لقب اور مشہور نسبت پر اکتفا کرتے ہیں اور کبھی ہجرت، غزوہ میں شرکت کی طرف دیکھتے ہوئے سن وفات کا بھی ذکر کر دیتے ہیں۔

کتب طبقات

صحابہؓ کے علاوہ طبقات پر بھی کتب لکھی گئیں۔ یہ وہ کتابیں ہیں جن کے مصنفین نے رجال کے مختلف طبقات قائم کیے ہیں اور ان کے حالات طبقہ بہ طبقہ اپنے عہد تک بیان کیے ہیں۔ اس طرز پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں حسب ذیل مشہور ہیں:

طبقات ابن سعد

یہ کتاب محمد بن سعد بن منیع البصری، ابوعبداللہ کی ہے۔ جو ۱۶۸ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے اور بصرہ کے نامور علماء سے اکتساب فیض کے بعد بغداد تشریف لے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ طویل عرصہ اپنے استاذ محمد بن عمر الواقدی کے کاتب کی حیثیت سے گزارا اس لئے کاتب الواقدی کے نام سے مشہور ہو گئے (۳۱۵)۔

ابن سعد کو اہل علم نے ثقہ اور معتبر مانا ہے۔ اگرچہ بعض نے اس پر جرح کی ہے۔ خطیب

بغدادی لکھتے ہیں "محمد بن سعد عندنا من اھل العدالة وحدیثه یدل علی صدقه فانه یتحری فی کثیر من روایاته" (۳۱۶) (ہمارے ہاں محمد بن سعد اہل عدالت میں سے ہیں اور اس کی حدیث اس کی سچائی پر دلیل ہے کیونکہ وہ روایات زیادہ حاصل کرنے کی کوشش میں رہتا تھا)۔ ابن سعد نے ۲۳۰ھ میں وفات پائی (۳۱۷)۔ طبقات ابن سعد، الطبقات الکبرٰی لابن سعد کے نام سے ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء میں دار صادر، بیروت سے نو جلدوں میں شائع ہوئی۔

اس کی پہلی جلد سیرت طیبہ پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد آنحضرت ﷺ کے غزوات، مرض اور وفات کا ذکر ہے نیز جو حضرات مدینہ منورہ میں مفتی کے فرائض سرانجام دیتے تھے ان کا ذکر کرنے کے ساتھ قرآن پاک کو جمع کرنے والے صحابہ کرامؓ خواہ ان کا تعلق آنحضرت ﷺ کے دور کے ساتھ ہو یا بعد کے دور سے، ان سب کا ذکر کیا گیا ہے۔ تیسری جلد میں ان مہاجرین اور انصار کے حالات کا ذکر ہے جنہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی تھی۔ چوتھی جلد میں ان قدیم الاسلام صحابہ کا ذکر ہے جو غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ اس کے ساتھ ان صحابہ کرامؓ کا ذکر بھی ہے جو فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے تھے۔ پانچویں جلد میں تابعین مدینہ کا ذکر ہے نیز ان صحابہؓ کا جو مکہ، طائف، یمن، یمامہ اور بحرین میں سکونت پذیر ہوئے اور آخر میں مذکورہ شہروں میں صحابہ کرامؓ کے بعد ان کی جگہ لینے والے تابعین کا ذکر ہے۔ چھٹی جلد میں ان صحابہ کا ذکر ہے جو کوفہ میں قیام پذیر ہوئے۔ پھر کوفہ کے تابعین اور ان اہل علم کا ذکر ہے جو مصنف کے دور تک ہوئے۔ ساتویں جلد میں ان صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کا ذکر ہے جو مختلف شہروں میں قیام پذیر ہوئے لیکن ان میں اہل بصرہ، شام اور مصر کا ذکر زیادہ ہے۔ جبکہ باقی شہروں کے رہنے والوں کی تعداد بہت کم ہے۔ آٹھویں جلد میں صحابیات کا ذکر ہے۔

ابن سعد نے طبقات کو نسبی، طبقاتی اور مکانی اعتبار سے ترتیب دیا ہے۔ اور صحابہ کرام کی سبقت فی الاسلام کو ملحوظ رکھا ہے بالخصوص مدینہ منورہ کے صحابہ کرامؓ کی سبقت فی الاسلام کو بنیاد بنایا ہے۔ اس لحاظ سے انہوں نے صحابہ کرام کو تین طبقات میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ بدری، مہاجرین وانصار ۲۔ وہ اصحاب جو حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔

۳۔ جو فتح مکہ سے قبل اسلام لائے۔

ابن سعد نے صحابہ کرام اور بعض تابعین کے تراجم قدرے تفصیل سے بیان کیے ہیں جوں جوں وہ اپنے زمانے سے قریب ہوتے جاتے ہیں تراجم بھی مختصر ہوتے ہیں۔ ابن سعد نے رجال پر جرح وتعدیل بھی کی ہے۔ ان کی اصطلاحات تعدیل کے لیے "ثقة"، "ثقة ثبت"، "صالح الحديث"، ثقة ثبت مامون" وغیرہ جبکہ جرح کے لیے "منكر الحديث"، "متروك الحديث"، ضعيف "مجهول" ليس يحتج بحديثه وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے(۳۱۸)۔

تذکرۃ الحفاظ

یہ کتاب شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی کی ہے۔ جو ۶۷۳ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے شروع میں والد کا پیشہ صرافی اپنایا تھا۔ اس لیے معاصرین انہیں الذہبی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ذہبی نے ۱۸ سال کی عمر میں طلب حدیث کی طرف خصوصی توجہ دی اور تحصیل علم کے لیے مختلف شہروں کا سفر کیا اور وہاں کے ممتاز اہل علم سے اکتساب فیض کیا(۳۱۹)۔ آپ کے شیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ انہوں نے اپنی مشہور کتاب "معجم الشیوخ" کی دو ضخیم جلدوں میں ان کو درج کیا ہے نیز "تذکرۃ الحفاظ" کے آخر میں بھی ۳۶ شیوخ کا مختصراً تذکرہ کیا ہے۔

علامہ ذہبی نے اپنے دور کے مشہور مدارس میں حدیث کی تدریس کی۔ شیخ الحدیث کے منصب پر ہوتے ہوئے اس محنت و جانفشانی سے کام کیا کہ آپ کی شہرت چاردانگ عالم میں پھیل گئی۔ علامہ ذہبی نے حدیث، فقہ، تاریخ اور اسماء الرجال میں ممتاز مقام حاصل کیا۔ آپ نے دمشق میں واقع "تربت ام صالح" کے مقام پر ۷۴۸ھ میں وفات پائی اور آپ کو "باب الصغیر" میں دفن کیا گیا(۳۲۰)۔

"تذکرۃ الحفاظ" دارالکتب العلمیہ بیروت سے متعدد بار شائع ہو چکی ہے(۳۲۱)۔ اس کے چار اجزاء کا اردو ترجمہ دو جلدوں میں اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کا ایک ایڈیشن شیخ زکریا عمیرات کے حاشیے کے ساتھ ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا ہے جس میں ۱۱۷۶ رواۃ کے تراجم کے علاوہ ۳۶ شیوخ کے تراجم اور آخر میں "لحظ الالحاظ بذیل طبقات الحفاظ" مللمکی اور "ذیل طبقات الحفاظ" سیوطی بھی شامل ہیں(۳۲۲)۔ علامہ ذہبی نے اس کتاب کو اکیس طبقات پر مرتب کیا ہے۔

انہوں نے صرف حفاظ کو شمار کیا ہے۔ غیر حفاظ کو ذکر کیا ہے لیکن شمار نہیں کیا ہے۔

تراجم بیان کرتے ہوئے علامہ ذہبی نے زیادہ طوالت سے گریز کیا ہے۔ ہر حافظ حدیث کے نام ونسب، تاریخ پیدائش، اساتذہ اور تلامذہ کا ذکر کیا ہے مثلاً سعید بن المسیب کے ترجمے میں لکھا ہے"سعید بن المسیب الامام شیخ الاسلام فقیه المدینه ابو محمد المخزومی: أجل التابعین ولد لسنتین مفتا من خلافة عمر وسمع من عمر شیا وهو یخطب وسمع من عثمان وزید بن ثابت وعائشة وسعد وسعید وأبی هریرة رضی الله عنهم وخلق "(۳۲۳)۔ پھر اس کے اخلاق وعادات، علم وفضل اور ثقاہت وعدالت وغیرہ کے بارے میں معاصرین ومتاخرین کی آرا بیان کرتے ہیں: قال احمد بن حنبل وغیره: "مراسلات سعید صحاح "، "وقال قتاده" ما رایت احدا اعلم من سعید بن المسیب "(۳۲۴)۔ خود امام ذہبی بھی اس پر تبصرہ کرتے ہیں۔"کان واسع العلم وافر الحرمة متین الدیانة، قوالا بالحق فقیه النفس"(۳۲۵)۔

اس کے علاوہ راوی کی تالیفات، تاریخ وفات اور اسی سال انتقال پانے والے محدثین اور ان کی عمر اور جائے تدفین کا بھی تذکرہ کرتے ہیں مثلاً ابوعوانہ کے ذکر میں لکھتے ہیں: "مات فی شهر ربیع الأول سنة ست وسبعین ومائة بالبصرة رحمة الله علیه"(۳۲۶)۔

طبقات الحفاظ

جلال الدین عبدالرحمان بن ابوبکر السیوطی (ل ۹۱۱ھ) کی تالیف ہے۔ انہوں نے علم کے تمام شعبوں میں دسترس حاصل کی اور ہر ایک پر قلم اٹھایا۔ ان کے شاگرد داؤدی کے مطابق ان کی تالیفات کی تعداد ۵۰۰ ہے(۳۲۷)۔

"طبقات الحفاظ" متعدد بار شائع ہو چکی ہے(۳۲۸)۔ ایک جلد میں مختصر سی یہ کتاب علامہ ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ کا خلاصہ اور ذیل ہے جیسا کہ علامہ سیوطی نے مقدمہ میں بیان کیا ہے:"هذا كتاب طبقات الحفاظ ومعدلي حملة العلم النبوي ومن يرجع إلى اجتهادهم في التوثيق والتجريح، والتضعيف والتصحيح لخصتها من "طبقات" إمام الحافظ

ابی عبداللہ الذهبی وذیلت علیه من جاء بعده"(۳۲۹)۔

علامہ سیوطی نے "تذکرۃ الحفاظ" کے بعض ناموں کو حذف کیا ہے۔بعض ناموں کا اضافہ کیا ہے۔یہ کتاب ۲۴طبقات پر مشتمل ہے۔اکیسویں طبقہ کے آخر میں لکھا ہے "هذا آخر ما أورده الحافظ الذهبی وأنا أذیل علیه لمن جاء بعده"(۳۳۰)۔اس کے بعد امام ذہبی اور ان کے بعد آنے والے دیگر علماء کو شامل کیا ہے۔ان میں سب سے آخری حافظ ابن حجر عسقلانی (م۸۵۲ھ) ہیں۔اس کتاب کا پہلا طبقہ صحابہ کرام کا ہے۔علامہ سیوطی نے تراجم میں مختصر اسلوب اختیار کیا ہے۔صحابہ کرام کے صرف نام ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

مثلاً ۱۷۔ ثم عبداللہ بن عمر ۱۸۔ وعبداللہ بن عباس ۱۹۔ وعبداللہ بن عمرو بن العاص ۲۰۔وعقبہ بن عامر (۳۳۱)۔(صحابہ کرام کے ناموں کے ساتھ ذکر کردہ نمبر وہی ہیں جو طبقات الحفاظ میں ہیں)۔

باقی طبقات میں تراجم بیان کرتے ہوئے نام کے ساتھ نسب،کنیت،نسبت اور شیوخ وتلامذہ کا ذکر کرتے ہیں۔مثلاً سعید بن ابی عروبہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں "سعید بن أبی عروبة مهران العدوی مولاهم أبو النضر البصری، روی عن الحسن، وابن سیرین، وایوب، وزیاد بن کلیب، وقتادة، وخلق وعنه الاعمش أحد شیوخه، وشعبة، والثوری، وابن المبارك ویحیٰی القطان، ویزید بن زریع، وخلق "(۳۳۲)۔اسی طرح غزوات اور معرکوں میں شرکت کا ذکر ہے۔راویوں کے اہم مناصب کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان کے علم وفضل کو بھی بیان کیا ہے۔مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ کے متعلق لکھتے ہیں "وهو أحفظ الصحابة، قال الشافعی: أبو هریرة أحفظ من روی الحدیث فی الدنیا"(۳۳۳)۔

جرح وتعدیل سے متعلق آئمہ کی آرا،تالیفات اور خود بھی رواۃ پر تبصرہ کرتے ہوئے آخر میں وفات کا ذکر کرتے ہیں۔مثلاً فریابی کے بارے میں لکھتے ہیں:"قاضی الدینور، وصاحب التصانیف، رحل من الترك إلی مصر، وكان ثقة مامونا ـ ورد إلی بغداد فاستقبل بالطیارات والزبازب، وحضر مجلسه نحو ثلاثین ألفا، وكان

المستملون ثلاث مائة وستة عشر۔ وقال الخطيب كان من أوعية العلم۔ من اهل المعرفة والفهم طوف شرقا وغربا۔ ولد سنة سبع ومائتين، ومات فی محرم سنة حدی وثلاث مائة"(۳۳۴)۔

جرح وتعدیل کے لیے امام صاحب عموماً یہ اصطلاحات استعمال کرتے ہیں۔تعدیل کے لیے: ثقة، صالح الحديث، ليس به باس وغیرہ۔جرح کے لیے: ضعيف، كذاب، منكر الحديث، لا يكتب حديثه وغیرہ۔

کتب التاریخ

راویوں کے درمیان ناموں یا ان کے باپ دادا کے ناموں اور کنیتوں میں التباس ہو جاتا ہے جس سے یہ خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں ایک راوی کو التباس کی وجہ سے دوسرے راوی کی جگہ یا ایک ہی راوی کو دو الگ الگ شخص نہ سمجھ لیا جائے۔اس لیے محدثین نے راویوں کے اسماء اور کنیتوں کی باقاعدہ تحقیق کر کے ان کو مستقل کتابوں میں منضبط کر دیا ہے۔جیسے تاریخ الکبیر بخاری اور تاریخ الثقات وغیرہ۔

تاریخ یحییٰ بن معین

یہ کتاب ابو زکریا یحییٰ بن معین (م۲۳۳ھ) کی ہے جو بغداد میں ۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے (۳۳۵)، تحصیل علم حدیث کی خاطر والد کی تمام متروکہ رقم خرچ کر ڈالی۔ابن خلکان لکھتے ہیں "خلف لابنه يحيٰى، الف الف درهم وخمسين الف درهم، فانفق جميع المال على الحديث حتى لم يبق له نعل يلبسه "(۳۳۶)۔آپ نے مدینہ میں ۲۳۳ھ کو وفات پائی (۳۳۷)۔

"تاریخ یحییٰ بن معین" اکثر کتابوں میں "التاریخ والعلل" کے نام سے مشہور ہے۔یہ کتاب جرح وتعدیل میں ان کے اقوال کا مجموعہ ہے۔جس کے راوی ان کے شاگرد خاص، ابوالفضل عباس بن محمد بن حاتم الدوری (م۲۷۱ھ) ہیں۔اس کتاب کے اکثر مضامین ان کے تلمیذ مذکور کے سوالات کے جوابات یا تلمیذ مذکور کی موجودگی میں دوسرے لوگوں کے سوالات کے جوابات ہیں۔یہ کتاب صحابہ کرامؓ سے لے کر مؤلف کے دور تک کے راویان حدیث پر مشتمل ہے۔سب سے پہلے صحابہ

کرام کا ذکر ہے پھر مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، خراسان، واسط، مدائن، بغداد، شام، مصر، جزیرہ وغیرہ کے بعد تابعین و دیگر اہل علم کا مختصر تذکرہ ہے۔ اگر کوئی راوی کنیت سے معروف ہے تو اس کا نام بھی ذکر کرتے ہیں اور جو نام سے معروف ہے تو اس کی کنیت بھی بتاتے ہیں۔ اسی طرح اس کی نسبت اور طبقہ کو بتلایا ہے کہ وہ صحابی ہے یا تابعی۔ نیز یہ بھی بتاتے ہیں کہ اس سے کسی نے روایت نہیں کی ہے اور کبھی ان سے مروی کوئی حدیث بھی ذکر کرتے ہیں اور بسا اوقات راوی کے منصب یا غزوہ/معرکہ میں شرکت کا بھی تذکرہ کرتے ہیں۔ بعض رواۃ کے وفات اور اس کو کسی ایسے واقعہ سے مربوط کر دیتے ہیں جس سے تاریخ وفات کا تعین ہو سکے۔

امام یحییٰ بن معین اس فن کے امام ہی نہیں بلکہ امام الائمہ سمجھے جاتے تھے انہوں نے رواۃ کی تعدیل یا تجریح سے متعلق جو حکم لگایا ہے اس کے بعد کے محدثین و اہل علم نے ان اقوال کو بہت اہمیت دی ہے (۳۳۸)۔

التاریخ الکبیر

یہ کتاب امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم کی ہے۔ جو ۱۹۴ھ میں بخارا میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں بینائی چلی گئی۔ والدہ کی گریہ زاری اور دعا کی کثرت سے ان کی بینائی لوٹ آئی۔ ابتدائی تعلیم بخارا کے شیوخ سے حاصل کی۔ گیارہ برس کی عمر میں علامہ داخلی جیسے متبحر عالم اور محدث کو ایک سند پر ٹوک دیا اور تصحیح کرادی (۳۳۹)۔

طلب علم کے لیے مختلف شہروں کا سفر کیا اور ممتاز علماء سے مستفید ہوئے۔ خطیب بغدادی ان کے مختلف شہروں کے سفر کے بارے میں لکھتے ہیں "ورحل فی طلب العلم الی سائر محدثی الأمصار وکتب بخراسان والجبال، ومدن العراق کلها وبالحجاز والشام ومصر (۳۴۰)۔

امام بخاری صرف حافظ حدیث ہی نہ تھے بلکہ آپ کو فقہ و اجتہاد کے ساتھ ساتھ علل حدیث میں بھی بلند مقام حاصل تھا۔ علل حدیث کے بہت بڑے ماہر تھے اور اپنے وقت کے امام گردانے جاتے تھے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: "لم أر بالعراق ولا بخراسان فی معنی العلل والتاریخ

ومعرفة الأسانيد من محمد بن اسماعیل"(۳۴۱)۔

بقول خطیب: بڑے بڑے محدثین آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر علل حدیث کے بارے میں معلومات حاصل کرتے تھے(۳۴۲)۔

امام بخاری جرح وتعدیل میں بہت احتیاط کرتے تھے اور سخت قسم کے جرح استعمال نہیں کرتے تھے اکثر "فیه نظر" "لم یصح حدیثه" "یخالف بعض حدیثه" وغیرہ کہتے تھے (۳۴۳)۔ اگر کہیں سخت قسم کے الفاظ استعمال کرنا ہوں تو "منکر الحدیث" ہی کہتے ہیں 'کذاب'، 'وضاع' کے الفاظ بہت کم استعمال کرتے ہیں بلکہ صرف اتنا کہتے ہیں کہ 'فلاں نے اسے جھوٹا قرار دیا' یا' فلاں نے اس پر جھوٹ کی تہمت لگائی ہے'۔ امام بخاریؒ نے ۲۵۶ھ میں وفات پائی (۳۴۴)۔

امام بخاریؒ کی تصانیف میں بیس، پچیس کتابوں کے نام ملتے ہیں۔ جن میں سے کچھ ناپید ہیں، کچھ مخطوطات کی شکل میں کتب خانوں میں محفوظ ہیں اور کچھ طبع ہو چکی ہیں۔ التاریخ الکبیر متعدد بار شائع ہو چکی ہے(۳۴۵)۔ اس کتاب میں امام بخاریؒ نے صحابہ کرامؓ سے لے کر اپنے عہد تک کے راویان حدیث کے تراجم بیان کیے ہیں۔

مقدمہ میں مختصراً نبی اکرم ﷺ کی سیرت کا بھی ذکر کیا ہے۔ راویوں کو حروف معجم پر ترتیب دیا ہے اور ہر ایک کے پہلے حرف ہی کی رعایت رکھی ہے۔ لیکن اسم محمد کے شرف کی بناء پر محمد نام کے رواۃ کا ذکر پہلے کیا ہے۔ اس طرح دوسرے پیغمبروں کے نام الف میں "ابراہیم"، "اسماعیل"، "اسحاق" اور "ایوب" کے نام کے رواۃ کو بھی مقدم کیا ہے۔ حروف تہجی کے اعتبار سے ایک نام سے باب شروع کرتے ہیں اور ہر باب میں کسی ترتیب کا خیال رکھے بغیر صحابہ کا ذکر پہلے کرتے ہیں۔ اگر اس نام کے رواۃ کی تعداد زیادہ ہو تو ان کی ولدیت کے اعتبار سے ان کو ذیلی ابواب میں تقسیم کرتے ہیں اور اس میں بھی ترتیب موجود ہے۔ جن راویوں کی ولدیت مجہول ہے ان کو باب "من اسماء الناس ممن لا یعرف بابیه" کے تحت بیان کیا ہے۔ جو راوی اپنے آباء کے ناموں سے معروف ہیں ان کا ذکر آخر میں "باب من لا یعرف له اسم ویعرفون باباۂهم" میں کیا ہے۔ سب سے آخر میں کنیتوں

کے ساتھ معروف رواۃ کا ذکر ہے۔اس میں بھی حروف تہجی کی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔امام بخاریؒ نے کتاب میں طوالت اور کثرت واقعات سے احتراز کیا اور مختصر اسلوب اختیار کیا ہے۔اس بات کی وضاحت امام بخاریؒ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے۔

فرماتے ہیں:"قل ، اسم فی التاریخ الا ولہ عندی قصة الا انی کرھت تطویل الکتاب"(۳۴۶)۔رواۃ کے تعارف میں راوی، اس کے باپ اور دادا کا نام، اس کی کنیت، قبیلہ، شہر یا دونوں ہی کی طرف نسبت بیان کرتے ہیں۔راوی کے بعض شیوخ و تلامذہ اور اس کی ایک یا ایک سے زائد روایتوں کا بھی ذکر کرتے ہیں۔اس کی مختلف غزوات، معرکوں میں شرکت کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔بسا اوقات راوی کے کسی اہم منصب کا بھی ذکر کرتے ہیں۔بعض رواۃ کے سال وفات کا بھی ذکر کیا ہے۔اگر سن وفات کی تحدید نہ ہو سکے تو وفات کے وقت کو ایسے مشہور واقعہ سے مربوط کر دیتے ہیں جس سے اس کے سال وفات کا پتہ ہو سکے۔

امام بخاریؒ اس کتاب میں حدیث کے بہت سے ایسے متون لائے ہیں جنہیں ہم حدیث کی دوسری بڑی کتابوں میں نہیں پاتے اور اس میں کچھ عجب نہیں کیونکہ وہ حدیث کے اماموں کے امام ہیں اور امیر المؤمنین فی الحدیث کا درجہ رکھتے ہیں۔

التاریخ الاوسط

یہ امام بخاری کی تالیف ہے۔اس کتاب کے دو راوی ہیں۔ابو محمد عبداللہ بن احمد الخفاظ اور ابو محمد زنجویہ بن محمد اللباد(۳۴۷)۔اس کتاب کے آغاز میں امام بخاریؒ لکھتے ہیں"کتاب المختصر من تاریخ ھجرة رسول اللہ والمھاجرین، والأنصار، وطبقات التابعین باحسان ومن بعدھم، ووفاتھم، وبعض نسبھم، وکناھم، ومن یرغب عن حدیثه"(۳۴۸) (اس مختصر کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی ہجرت، مہاجرین، انصار، طبقات تابعین اور اس کے بعد (تبع تابعین) کے وفات، نسب، کنیت اور جس کو حدیث رسول میں رغبت ہو کا ذکر ہے)۔

امام بخاریؒ نے صحابہ کرام کے حالات کو تاریخ وفات کے لحاظ سے ترتیب دی ہے اور دوسرے رواۃ کو زمانہ کے لحاظ سے ترتیب دی ہے۔تاریخ اوسط کا اسلوب تقریباً آپ کی دوسری کتاب

تاریخ الصغیر جیسا ہے بعض رواۃ اور قصے زائد ہیں۔

التاریخ الصغیر

یہ کتاب بھی امام بخاریؒ کی تالیف ہے یہ کتاب متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔امام بخاری نے التاریخ الکبیر کو حروف تہجی کے مطابق ترتیب دیا ہے۔ جب کہ "التاریخ الصغیر" میں زمانی ترتیب کو مد نظر رکھا ہے۔ یہ عہد نبوی سے لے کر اپنے زمانے کے رواۃ کے حالات پر مشتمل ہے۔ بعض نے اسے صرف صحابہ کے تراجم کا مجموعہ قرار دیا ہے۔

آغاز میں نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک کے اہم واقعات اور آپ ﷺ کی سیرت کا مختصر ذکر کیا ہے اور آپ ﷺ کی فضیلت میں چند احادیث بھی بیان کی ہیں جن میں وفات پانے والے ان صحابہ کرامؓ کا تذکرہ کیا ہے جنھوں نے آپ ﷺ سے احادیث بیان کی ہیں۔اس کے بعد نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بارے میں اختلافی روایات بیان کی ہیں اور ان میں سے بعض روایات پر تبصرہ بھی کیا ہے۔ پھر بالترتیب حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے عہد میں وفات پانے والے صحابہ کرامؓ کا ذکر کیا ہے۔ خلفائے راشدین کے عہد کے بعد انہوں نے رواۃ کو طبقات میں تقسیم کیا ہے اور ہر طبقہ دس سال پر محیط ہے۔

امام بخاریؒ نے راویوں پر جرح و تعدیل بھی کی ہے اور تعدیل و تجریح کے لیے یا تو خود حکم لگاتے ہیں یا پھر دیگر آئمہ کی آراء بیان کرتے ہیں۔اس کتاب میں بھی زیادہ تر وہی اصطلاحات استعمال کی ہیں جو التاریخ الکبیر میں کی ہیں (۳۳۹)۔

رجال کتب الصحاح الستہ

صحاح ستہ احادیث کی معروف کتب ہیں ان کے رجال پر مختلف لوگوں نے کام کیا ہے جن میں چند درج ذیل ہیں۔

تہذیب الکمال

جمال الدین ابو الحجاج یوسف المزی کی تالیف ہے جو حلب کے نواح میں ۶۵۴ھ میں پیدا

ہوئے (۳۵۰)۔اور "مزۃ" دمشق کی ایک بستی ہے (۳۵۱) جس میں پرورش پائی۔ بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا اور فقہ میں معمولی سوجھ بوجھ پیدا کرنے کے بعد علم حدیث کی طرف متوجہ ہوئے۔ مکہ، مدینہ، حلب، مصر، حماۃ اور بعلبک وغیرہ کے علماء وشیوخ سے اکتساب فیض کیا (۳۵۲)۔

امام مزی فن حدیث میں منفرد علمی شخصیت کے حامل تھے۔ علم لغت اور علم ادب میں مہارت حاصل کی (۳۵۳)۔ اسماء الرجال میں آپ نے کمال پیدا کیا۔ اس فن میں ان کی مہارت کا اندازہ ان کی کتاب "تھذیب الکمال فی اسماء الرجال" سے لگایا جا سکتا ہے (۳۵۴)۔ یہ کتاب کتب صحاح ستہ کے رجال کے ساتھ ساتھ ان اصحاب کی مشہور مصنفات کے رجال کے تراجم پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں مختصراً کتب ستہ کا تعارف اور اپنی کتاب کا منہج بیان کیا ہے۔ اگرچہ یہ کتاب رجال سے متعلق ہے لیکن ابتدا نبی اکرم ﷺ کے ذکر سے کی ہے۔

تراجم بیان کرتے ہوئے ہر راوی کے نام کے ساتھ حدیث کی کتب کے رموز دیے گئے ہیں جو یہ ہیں:

ع: کتب الستہ کا اتفاق۔ ٤: کتب اربعہ کا اتفاق۔

خ: الجامع الصحیح للبخاری۔ خت: تعلیقات بخاری۔

ز: کتاب القراۃ خلف الامام للبخاری۔

ی: کتاب رفع الیدین فی الصلاۃ للبخاری

بخ: کتاب الادب المفرد للبخاری۔ عخ: کتاب خلق افعال العباد للبخاری۔

م: الجامع الصحیح لمسلم۔ مق: مقدمہ الجامع الصحیح لمسلم۔

د: السنن لابی داؤد۔ مد: کتاب المراسیل لأبی داؤد۔

قد: کتاب الرد علی اھل القدر لابی داؤد۔

خد: کتاب الناسخ والمنسوخ لابی داؤد۔

ف: کتاب التفرد لابی داؤد۔ صد: فضائل الانصار لابی داؤد۔

ل: کتاب المسائل التی سأل عنها احمد بن حنبل۔ کد: مسند حدیث مالك بن انس۔

ت: السنن للترمذی۔ تم: شمائل الترمذی۔

س: السنن للنسائی۔ سی: کتاب عمل الیوم واللیلة للنسائی۔

ص: خصائص امیر المؤمنین علی للنسائی

عس: مسند علی۔ کن: مسند حدیث مالك بن انس۔

ق: السنن لابن ماجه۔

فق: کتاب التفسیر ابن ماجه (۳۵۵)۔

یہ کتاب حروف تہجی پر مرتب ہے اور یہ ترتیب راوی کے باپ اور دادا کے نام میں بھی موجود ہے۔ لیکن بعض ناموں کے شرف کی بنا پر مقدم کیا ہے کہ الف میں احمد اور میم میں محمد کو مقدم کیا ہے۔

امام مزی نے فصول کی ترتیب میں پہلے ناموں کو پھر الکنیٰ پھر الانساب پھر الالقاب اور آخر میں مبهمات من الرجال کا ذکر کیا ہے۔ ہر فصل میں رجال کو حروف تہجی سے بیان کیا ہے اور سب سے آخر میں عورتوں کا ذکر کیا ہے اور ان کو بھی اسی ترتیب سے بیان کیا ہے۔ امام مزی کی اس ترتیب سے ایک راوی کا ذکر کئی مقامات پر آ سکتا ہے۔ تراجم بیان کرتے ہوئے امام مزی راوی کا نام ونسب، کنیت کے بعد علمی مقام بیان کرتے ہیں اور حصول علم کے لیے جن شہروں کا سفر کیا کبھی ان کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ اس کے بعد ان شیوخ وتلامذہ کا تفصیلی ذکر حروف تہجی کی ترتیب سے کیا ہے اور ان کے ساتھ بھی ان کتابوں کی علامات بیان کی ہیں۔ جن میں ان کی کوئی روایت موجود ہے۔ پھر ان کی جرح وتعدیل سے متعلق آئمہ کے اقوال اور آراء بیان کیے ہیں۔ آخر میں رواۃ کی وفات بھی ذکر کرتے ہیں۔

اکمال تہذیب الکمال

یہ کتاب ابوعبداللہ علاءالدین، مغلطائی بن قلیج بن عبداللہ الکنجری کی تالیف ہے۔ مؤلف ۶۸۹ھ میں پیدا ہوئے (۳۵۶)۔ آٹھویں صدی کے نامور محدث تھے، معرفت حدیث ورجال میں اپنے معاصرین میں نمایاں تھے۔ ان کے بارے میں حافظ فہد مکیؒ فرماتے ہیں: ''الامام، العلامة، الحافظ، المحدث، المشهور'' (۳۵۷) (علاءالدین مغلطائی، امام، علامہ، حافظ اور مشہور محدث ہیں)۔

امام ابن حجر لکھتے ہیں" وقد تلقاه عنه اکثر مشائخنا وقلدوه فیه لأنه انتهت الیه ریاسة الحدیث فی زمانه فاخذ عنه عامة من لقیناه من المشائخ کالعراقی والبلقینی والرحوی "(۳۵۸)(ہمارے اکثر مشائخ نے مغلطائی سے حدیث میں استفادہ کیا اور اس امر میں انہی کے پیروکار رہے۔ کیونکہ اس دور کے حدیث میں فرمانروائی کا خاتمہ انہی پر ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ہمارے اکثر مشائخ جیسے عراقی بلقینی اور رحوی وغیرہ نے انہی سے علم حدیث حاصل کیا)۔

عراقی فرماتے ہیں"کان عارفًا بالأنساب معرفة جیدة، وأما غیرهامن متعلقات الحدیث فله بها خبرة متوسطة، وتصانیفه أکثر من مائة "(۳۵۹)۔(وہ انساب میں زیادہ معرفت رکھتے تھے لیکن حدیث کے دوسرے متعلقات کے بارے میں درمیانہ درجہ رکھتے تھے اور ان کی تصانیف سو سے زائد ہیں)۔

مغلطائی کی تصانیف میں سے ایک اہم تصنیف اکمال تھذیب الکمال ہے (۳۶۰)۔"اکمال" کے بارے میں خود مؤلف لکھتے ہیں" رأیت أن أذکر فی هذا الکتاب ما یصلح أن یکون اکمالا لتهذیب الکمال الذی ألفه شیخنا العلامه الحافظ المتقن المتفنن جمال الدین المزی (۳۶۱)۔" زیر نظر کتاب علامہ حافظ جمال الدین مزی کی "تھذیب الکمال" کے لیئے بطور اکمال وتتمہ ہے" مزید لکھتے ہیں کیونکہ امام مزی نے اپنی کتاب میں بعض اہم امور سے اعتنا نہیں کیا اور کچھ غیر ضروری اشیاء کا تذکرہ کیا ہے مثلاً:

۱۔ بعض جگہ عالی السند احادیث کا تذکرہ کیا ہے جبکہ یہ رجال کی کتاب ہے۔

۲۔ اپنی بساط کے مطابق رواۃ حدیث کے شیوخ اور تلامذہ کا مکمل ذکر کیا ہے۔ حالانکہ ان کا استیعاب اور تمام کا احاطہ ایک مشکل امر ہے۔

۳۔ اسی طرح بعض اوقات رجال پر غیر ضروری تذکرہ کرتے ہیں جس سے رجال کی رفعت شان یا ان کا ضعف معلوم نہیں ہوتا۔ جب کہ یہی امور تو رواۃ حدیث کی جرح وتعدیل اور ان کے حالات زندگی کو پرکھنے میں مقصود سمجھے جاتے ہیں (۳۶۲)۔

مصنف نے علامہ مزی سے "تہذیب الکمال" میں کتب ستہ کے جو رواۃ رہ گئے تھے۔ ان کا

تذکرہ کیا ہے۔

رواۃ حدیث پر جرح وتعدیل میں بعض نادر کتابوں کے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ان میں سے رشاطیؒ اور زبیر بن بکار کی کتابیں،عبدالباقی بن قانع کی ''کتاب الوفیات'' احمد بن ابی خالد کی کتاب ''التعریف بصحیح التاریخ'' اور ''تاریخ القراب'' قابل ذکر ہیں۔

مغلطائی نے متاخرین میں سے حاکم،ابن شاہین،ابن حزم اور ابواسحاق صریفینیؒ کے اقوال بھی ذکر کیے ہیں جس سے علامہ مزی نے اعتناء نہیں کیا۔جس راوی سے ابن خزیمہ،ابن حبان،حاکم اور ابن الجارود وغیرہ نے کوئی روایت لی ہو تو اس کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں جس سے راوی کی توثیق کے لیے مزید تائید ہوتی ہے(۳۶۳)۔

تھذیب التھذیب

یہ حافظ ابن حجر کی تالیف ہے۔یہ کتاب،کتب ستہ کے رجال کے ساتھ ساتھ دوسرے آئمہ کی مشہور کتب کے رجال کے احوال پر مشتمل ہے۔ابن حجر نے امام مزی کی ''تھذیب الکمال'' کا اختصار کیا ہے اور علامہ ذہبی (م ۷۴۸ھ) کی ''تذھیب تھذیب الکمال'' اور مغلطائی بن قلیج (م ۷۶۳ھ) کی کتاب اکمال تھذیب الکمال میں بعض چیزوں کا اضافہ کیا ہے۔

ابن حجر نے اس کتاب کو حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے اور یہ ترتیب رواۃ کے باب کے ناموں میں بھی موجود ہے لیکن امام مزی کی طرح احمد اور محمد کے شرف کی بناء پر ''الف'' میں ''احمد'' اور ''میم'' میں ''محمد'' نام کے رجال کا ذکر پہلے کیا ہے۔ابن حجر نے ترجمہ راوی کی ابتداء ایسے رموز سے کی ہے جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اصحاب کتب ستہ میں سے کس نے اور کس کتاب میں اس سے روایت کی تخریج کی ہے۔اور انہوں نے بھی ان کتب کے لیے وہی رموز استعمال کیے ہیں جو امام مزی نے تھذیب الکمال میں استعمال کیے ہیں۔

راوی کے حالات بیان کرتے ہوئے اس کا نام ونسب،کنیت،نسبت اور اس کے معروف شیوخ وتلامذہ کا ذکر کرتے ہیں۔شیوخ وتلامذہ میں انہوں نے امام مزی کی ترتیب (حروف تہجی) کا التزام نہیں کیا ہے۔راوی کی ثقاہت وعدالت اور علم وفضل کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال

بیان کیے ہیں اور اپنی رائے لفظ ''قلت'' کہہ کر شروع کی ہے۔ اس طرح انہوں نے امام مزی کی ''تھذیب الکمال'' کی احسن طریقے سے تھذیب کی اور ''تقریب التھذیب'' کے نام سے دو جلدوں میں اس کا اختصار کیا ہے (۳۶۴)۔

تقریب التھذیب

یہ تہذیب التھذیب کا خلاصہ ہے۔ یہ بھی ابن حجر کی تالیف ہے (۳۶۵)۔ تھذیب التھذیب کی طرح اصحاب کتب ستہ کے رجال پر مشتمل ہے۔ البتہ اس میں رجال کے نام ونسب، کنیت، نسبت اور جرح وتعدیل میں ان کا مرتبہ اور طبقہ بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ مترجم کے شیوخ وتلامذہ اور اس کی جرح وتعدیل سے متعلق آئمہ کی آراء کو حذف کر دیا ہے۔

ابن حجر نے اس کتاب کو حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دیا ہے اور یہ ترتیب ان کے باپ کے ناموں میں بھی موجود ہے لیکن ''الف'' میں ''احمد'' اور ''میم'' میں ''محمد'' کو شرف کی بنا پر مقدم کیا ہے۔ فصول کی ترتیب کو ''تہذیب التھذیب'' کی ترتیب پر برقرار رکھا ہے۔ ابن حجر نے مقدمہ میں رجال کے ۱۲ طبقات بیان کیے ہیں جن کی مختصر تفصیل درج ہے:

پہلا: صحابہ کرامؓ۔

دوسرا: کبار تابعین کا ہے جیسے سعید بن المسیبؒ وغیرہ۔

تیسرا: تابعین میں سے وسطٰی تابعین کا ہے جیسے حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ وغیرہ۔

چوتھا: کبار تابعین سے روایت کرنے والوں کا ہے جیسے زہری، قتادہ وغیرہ۔

پانچواں: طبقہ صغریٰ ہے۔ ان میں سے جنہوں نے ایک یا دو سے روایت کیا ہے اور ان سے بعض کا صحابہ کرامؓ سے سماع ثابت نہ ہو، جیسے اعمش۔

چھٹا: ان لوگوں کا ہے جو پانچویں طبقہ کے زمانے کے تھے لیکن ان کی کسی صحابی سے ملاقات ثابت نہ ہو جیسے ابن جریج۔

ساتواں: کبار تبع تابعین کا ہے جیسے امام مالک اور سفیان الثوری۔

آٹھواں: تبع تابعین میں سے طبقہ وسطٰی ہے جیسے ابن علیہ اور ابن عیینہ۔

نواں: تبع تابعین میں سے طبقہ صغریٰ ہے جیسے یزید بن ہارون، امام شافعی، ابوداؤد الطیالسی وغیرہ۔

دسواں: تبع تابعین میں سے اخذ کرنے والے کبار جنہوں نے تابعین سے ملاقات نہ کی ہو جیسے امام احمد بن حنبل۔

گیارھواں: تبع تابعین روایت کرنے والوں کا طبقہ وسطیٰ ہے جیسے امام ذہلی اور امام بخاری۔

بارھواں: تبع تابعین سے اخذ کرنے والے صغار جیسے امام ترمذی (۳۶۶)۔

تعجیل المنفعہ بزوائد رجال الائمہ الاربعہ

یہ کتاب حافظ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) کی ہے۔اس کتاب میں مصنف نے ائمہ اربعہ امام احمد بن حنبل، امام مالک بن انس، امام شافعی اور امام ابوحنیفہؒ کی کتب حدیث کے ان راویوں کے حالات کا تذکرہ کیا ہے۔جن سے ''کتب ستہ'' میں کوئی حدیث مذکور نہیں ہے اور علامہ مزی نے بھی انہیں تہذیب الکمال میں ذکر نہیں کیا۔حافظ ابن حجر نے ابوعبداللہ الدمشقی الحسینی کی کتاب ''التذکرۃ فی رجال الکتب العشرۃ'' سے استفادہ کیا اور اس پر کچھ رواۃ کے اضافہ کے ساتھ مستقل کتاب کی شکل دی اور دارقطنی کی کتاب ''الغرائب عن مالک'' بیہقی کی کتاب معرفۃ السنن والآثار امام احمد بن حنبل کی کتاب ''الزھد''، امام محمد بن الحسن کی کتاب الآثار سے بھی بعض رواۃ کا اضافہ کیا۔اس کتاب کے بعض رموز یہ ہیں:

(ا) امام احمد۔ (ک) امام مالک۔

(فع) امام شافعی۔ (فہ) امام ابوحنیفہ۔

(عب) امام احمد غیر ابیہ اور کتب الستہ کے چار رموز کو اسی حالت پر رکھا ہے (۳۶۷)۔

کتب الجرح والتعدیل

کتب جرح والتعدیل میں راویوں کے ثقہ و غیر ثقہ، عادل و غیر عادل وغیرہ پر بحث کی جاتی ہے۔''جرح'' کے معنی زخمی کرنا، عیب لگانے کے ہیں۔یعنی عیب کی بنا پر راوی کی روایت کو رد کیا جاتا ہے۔تعدیل کا لفظ عدل سے ہے۔جس کے معنی برابر کے ہیں اور جو روایت کے معیار پر پورا اترنے کی

خبر دیتا ہے۔جرح وتعدیل سے راویوں کے حالات پہچانے جاتے ہیں۔راویوں کو پہچاننے میں سستی برتی جائے اوران کی جانچ پڑتال پر محنت نہ کی جائے تو پورے دین کے بگڑنے کا اندیشہ پیدا ہوتا ہے۔اسے مدنظر رکھ کر محدثین نے راویوں کے قابل اعتماد، قابل اعتراض اور مجروح روایات پر مشتمل کتابیں لکھیں۔

کتاب العلل ومعرفۃ الرجال

یہ کتاب ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل کی تالیف ہے جو۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے(۳۶۸)۔والد بچپن میں وفات پاگئے۔ماں کے زیرسایہ پرورش پائی(۳۶۹)۔طلب حدیث کے لیے کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ، یمن، شام اور جزیرہ کا سفر کیا اور وہاں کے ممتاز شیوخ سے مستفید ہوئے(۳۷۰)۔

امام احمدؒ اپنے وقت کے اجل علما میں سے تھے۔حدیث اور فقہ میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ آپ قوی حافظہ کے مالک اور نہایت ہی متقی اور پرہیزگار تھے۔معاصرین آپ کے علم وفضل کے معترف تھے۔امام علی بن المدینی فرماتے تھے" ليس فى أصحابنا أحفظ من أبي عبدالله أحمد بن حنبل، أنه لا يحدث الا من كتابه، ولنا فيه أسوة حسنة "(۳۷۱)۔(ہمارے ساتھیوں میں ابوعبداللہ احمد بن حنبل جیسا قوی حافظہ والا شخص نہیں تھا۔پھر بھی وہ کتاب ہی سے حدیث بیان کرتے تھے اور یہ ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے)۔امام احمد ۲۴۱ھ میں وفات پاگئے۔

امام احمد کی یہ کتاب رجال کی جرح وتعدیل کے لیے بڑی اہمیت کی حامل ہے(۳۷۲)۔اس کتاب کو ان کے بیٹے نے بعض حواشی واضافہ کے ساتھ مرتب کیا ہے۔یہ کتاب راویوں کے حالات اور حدیث کی صحت وسقم کے بارے میں ہے لیکن کسی خاص طریقے پر مرتب نہیں ہے۔اس میں نہ نسبی ترتیب پائی جاتی ہے اور نہ زمانی ومکانی اور نہ ہی حروف معجم پر مرتب ہے۔

راویوں کے تعارف میں نام، ولدیت، کنیت، شہر یا قبیلہ کی طرف نسبت کا ذکر کرتے ہیں۔ کبھی راوی کے شیوخ وتلامذہ کا بھی ذکر کرتے ہیں لیکن اس میں بھی کوئی خاص ترتیب نہیں ہے۔راویوں کے ثقہ یا ضعیف ہونے کے بارے میں خود بھی حکم لگاتے ہیں اور دوسرے شیوخ کی آراء بھی بیان کرتے ہیں۔ابن ابی حاتم (م۳۲۷ھ) نے اپنی کتاب "الجرح والتعدیل" کا بڑا حصہ اسی سے لیا ہے۔

التاریخ الثقات

یہ کتاب ابو الحسن احمد بن عبداللہ بن صالح العجلی کی ہے جو ۱۸۲ء میں کوفہ میں پیدا ہوئے (۳۷۳)۔ کوفہ، بصرہ اور بغداد میں اقامت اختیار کی۔ پھر خلق قرآن کے فتنہ میں عراق چھوڑ کر طرابلس العرب میں آ بسے (۳۷۴)۔ حدیث کی معرفت میں ان کا خاص مقام تھا۔ متقی اور پرہیزگار تھے۔ ۲۶۱ھ میں وفات پائی (۳۷۵)۔

علامہ عجلی کی یہ کتاب اسماء الرجال کے قدیم ماخذ میں سے ہے اور بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ کتاب حروف تہجی کے مطابق مرتب ہے۔ اسم ''احمد'' سے اس کی ابتدا ہوتی ہے۔ مؤلف لکھتے ہیں "رتبتہ علی حروف المعجم وبدأت بمن اسمہ أحمد تبرکا بالنبی ﷺ" (۳۷۶)۔ رواۃ کے تراجم میں علامہ عجلی نے اختصار سے کام لیا ہے زیادہ تر راویوں کا تذکرہ ایک یا دو سطروں میں ہے۔ مثلاً عبداللہ بن ذکوان ابو الزناد: مدنی، تابعی، ثقة، سمع من انس (۳۷۷)۔ صرف چند رجال کے تراجم کسی حد تک طویل ہیں مثلاً حجاج بن ارطاۃ النخعی کا ترجمہ تقریباً دو صفحات کا ہے (۳۷۸)۔ تراجم میں راوی، اس کے والد کا نام، کنیت، شہر کی طرف نسبت اور عقیدہ ذکر کرتے ہیں مثلاً اسحاق بن منصور السلولی: کوفی، ثقة، کان فیه تشیع، وقد کتبت عنه (۳۷۹)۔

رواۃ کے شیوخ و تلامذہ کو کم ہی بیان کرتے ہیں اگر وہ صحابہ یا تابعین میں سے ہوں تو ان کا طبقہ بھی بیان کرتے ہیں مثلاً عبداللہ بن سنجرة، ابو معمر: من أصحاب عبدالله، ثقة وکان مجاهد یقول: هو عاشر عشرة من اصحاب عبدالله (۳۸۰)۔ راوی کے متعلق بعض احادیث بھی بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ابو موسیٰ الاشعری کے بارے میں لکھتے ہیں: کان أحسن أصحاب رسول الله صوتا۔ قال رسول الله "لقد أوتی هذا مزماراً من مزامیر آل داؤد" (۳۸۱)۔

یہ کتاب نام سے ظاہر ہے ثقہ رواۃ کی تاریخ کے بارے میں ہے لیکن اس میں کچھ اصحاب قدر، اصحاب تشیع اور بعض ضعفاء کا ذکر بھی ملتا ہے۔ مثلاً ''أبان بن یزید العطار: کان یری رأی

القدر لا يتكلم فيه"(۳۸۲)۔

"إسماعيل بن أبان الغنوي: كوفي، ضعيف الحديث يحدث عن ابن أبي خالد، وهشام بن عروة، أدركناه، ولم نكتب عنه شيئا" (۳۸۳)۔القاسم بن عبدالله بن عمر بن حفص، متروك الحديث (۳۸۴)۔انہوں نے رواۃ کی تعدیل کے لیے زیادہ تر ثقه، ثقه ثقه، صدوق، جائز الحديث کی اصطلاحات کواستعمال کیا ہے۔

کتاب الثقات

یہ حافظ محمد بن حبان بن احمد ابی حاتم البستی کی تالیف ہے جو ابن حبان کے نام سے مشہور ہیں۔ابن حبان نے تحصیل علم کے لیے بہت سے شہروں کا سفر کیا اور دہاں سے اکتساب فیض کیا(۳۸۵)۔

ابن حبان نے اپنے زمانے کے مشہور محدث ہونے کے ساتھ فقہ،لغت، طب اور فلکیات کے بھی عالم تھے۔ایک عرصہ سمرقند میں قاضی کے عہدے پر فائز رہے۔ابوسعید ادریسی کہتے ہیں "كان على قضاء سمر قند زمانا وكان من فقهاء الدين، وحفاظ الآثار، عالما بالطب، وبالنجوم، وفنون العلم "(۳۸٦)۔ ابن حبان نے ۳۵۴ھ میں بست کے مقام پر وفات پائی(۳۸۷)۔

یہ کتاب جس طرح کہ نام سے ظاہر ہے حدیث کے ثقہ اور عادل راویوں کے حالات کے متعلق ہے اور صحابہ کرام سے لے کر مؤلف کے زمانے تک کے رواۃ پر مشتمل ہے۔لیکن ابتداء نبی اکرم ﷺ کے ذکر سے کی ہے۔آپ ﷺ کی پیدائش سے وفات تک کے اہم واقعات، بعثت، ہجرت، غزوات کا تذکرہ کیا ہے۔ پھر حضرت علی کی شہادت تک خلفائے راشدین کی مختصر تاریخ کا بیان ہے۔ اس کے بعد بنوامیہ اور بنوعباس کے خلفاء وملوک کا مختصر تذکرہ کیا ہے۔ان کے نام ونسب، وفات ومقام وفات، بحیثیت خلیفہ تقرری کا وقت اوران کی مدت خلافت وغیرہ بیان کی ہے۔اس کے بعد صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔

ابن حبان نے کتاب کو چار طبقات میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم ۲۔ تابعین کرام

۳۔ تبع تابعین ۴۔ اتباع تبع تابعین

ان تمام طبقات کو حروف معجم پر ترتیب دیا ہے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنھم میں سب سے پہلے عشرہ مبشرہ کا ذکر کرتے ہیں اور باقی صحابہ کرام کو حروف تہجی کی ترتیب سے بیان کیا ہے۔ یہ ترتیب نام کے صرف پہلے حرف میں ہے۔ ہر حرف میں پہلے مردوں کا اس کے بعد عورتوں کا اور ہر طبقہ کے آخر میں کنیت سے معروف مردوں اور عورتوں کا ذکر کیا ہے۔

رواۃ کے تراجم میں نام، نسب، کنیت، نسبت، شیوخ و تلامذہ، منصب، غزوات، فتوحات میں شرکت ذکر کرتے ہیں۔ صحابہ کے تراجم میں مختلف شہروں میں ان کی تعداد اور ان کی روایات کے پھیلنے کے مقامات کا ذکر بھی کرتے ہیں (۳۸۸)۔

کتاب الضعفاء والمتروکین

یہ ابو الفرج، عبد الرحمان بن ابو الحسن ابن الجوزی کی تالیف ہے جو ۵۱۰ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ ابن الجوزی بہت بڑے مفسر، مؤرخ اور محدث تھے۔ آپ نے ۵۹۷ھ میں وفات پائی (۳۸۹)۔

ابن الجوزی نے اس کتاب کو حروف تہجی پر ترتیب دیا ہے اور یہ ترتیب ان کے باپ کے ناموں میں بھی موجود ہے۔ انہوں نے سب سے پہلے نام سے معروف رواۃ کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد ''باب الکنیٰ'' میں ان کا ذکر کیا ہے۔ جو اپنے نام کی بجائے کنیت سے معروف ہیں اور آخر میں ان کا ذکر کیا ہے جن کا نہ تو نام معلوم ہے اور نہ ہی کنیت، بلکہ وہ کسی اور کے نام سے معروف ہیں اور رواۃ پر تعدیل و تجریح کی ہے۔

میزان الاعتدال فی نقد الرجال

یہ کتاب ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی (ت ۷۴۸ھ) کی تالیف ہے۔ نقد رجال کے موضوع پر میزان الاعتدال کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اس کتاب کا موضوع ضعیف راوی ہیں۔ جن راویوں کے بارے میں تھوڑا سا بھی کلام کیا گیا ہے ان کو بھی شامل کیا ہے۔ اگر چہ بعض ان کے نزدیک ثقہ ہیں۔

ثقہ راویوں کو ذکر کرنے کا مقصد، ان سے پہلے جن لوگوں نے اپنی کتابوں میں ان ثقہ

راویوں کو ضعفاء میں شمار کیا ہے۔ان کے مقابلے میں ان کا دفاع ہے خود اس کی وضاحت کرتے ہیں۔"فأصله وموضوعه فی الضعفاء، وفیه خلق کما قدمنا فی الخطبة من الثقات ذکرتهم للذبّ عنهم ولأن الکلام فیهم غیر مؤثر ضعفا" (۳۹۰)۔

علامہ ذہبی نے گیارہ ہزار ترپن (۱۱۰۵۳) رواۃ کے تراجم ذکر کیے ہیں۔کتاب کو حروف تہجی پر ترتیب دیا ہے اور یہ ترتیب راویوں کے باپ کے ناموں میں بھی موجود ہے۔رواۃ کو مختلف فصول اور ابواب کے تحت بیان کیا ہے جن کی فصول کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ مردوں اور خواتین کے تراجم پر مشتمل ہے۔جیسے الف، تا، یا و حروف معجم پر ترتیب دیا ہے۔

۲۔ کنیتوں سے معروف رواۃ پر مشتمل ہے۔

۳۔ ان راویان حدیث پر مشتمل ہے جو اپنے نام سے معروف ہیں۔

۴۔ نسب سے معروف رواۃ پر مشتمل ہے۔

۵۔ غیر معروف رواۃ کے بارے میں ہے۔

۶۔ غیر معروف خواتین کے متعلق ہے۔

۷۔ خواتین کی کنیتوں پر مشتمل ہے۔

۸۔ یہ فصل بغیر نام والے راویوں کے بارے میں ہے اور لفظ "والدہ" سے شروع ہوتی ہے۔مثلاً والدہ خطاب بن صالح (۳۹۱)۔

مصنف نے کتب ستہ کے لیے بعض رموز استعمال کیے ہیں اور جس راوی کی کوئی روایت ان میں سے کسی کتاب میں ہو تو اس راوی کے نام کے ساتھ اس کتاب کی علامت تحریر بیان کی ہے۔رموز یہ ہیں:

خ:	بخاری	م:	صحیح مسلم
د:	سنن ابی داؤد	ق:	سنن ابن ماجہ
ت:	سنن ترمذی	س:	سنن نسائی
عو:	سنن اربعہ	ع:	کتب ستہ (۳۹۲)

تراجم بیان کرتے ہوئے راوی کا نام اور اس کا نسب بیان کرنے کے بعد اس کے شیوخ و تلامذہ کا ذکر کرتے ہیں، پھر علماء جرح وتعدیل کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ جس راوی کو مجہول قرار دیا ہو اور اس قول کی نسبت قائل کی طرف نہ کی تو اپنی رائے لفظ "فیہ جہالۃ"، "نکرہ"، یجھل "لا یعرف"، ثقۃ، صدوق، صالح الحدیث جیسے دوسرے الفاظ سے ظاہر کرتے ہیں۔

مصنف راویوں کے متعلق ائمہ جرح وتعدیل کی آراء کو نقل کرنے کے ساتھ ان پر خود بھی جرح وتنقید کرتے ہیں اور اگر کوئی راوی ان کے نزدیک ثقہ ہو تو اس پر کی گئی جرح کو رد کرتے ہوئے اس کی توثیق کرتے ہیں (۳۹۳)۔

لسان المیزان

یہ کتاب حافظ ابن حجر عسقلانی (م۸۵۲ھ) کی تالیف ہے۔ مصنف نے علامہ ذہبی کی ''میزان الاعتدال'' کا اختصار کیا ہے اور متکلم فیہ رواۃ کا اضافہ کیا ہے۔ اضافی ترجمہ کے بعد لفظ (ز) اور حافظ عراقی نے میزان الاعتدال پر حاشیہ سے جو اضافہ کیا ہے تو اس کے لیے لفظ (د) بطور رمز استعمال کیا ہے اور آخر میں ایک فصل کا اضافہ کیا ہے۔ اس میں ان تمام رواۃ کا ذکر کرنے کی کوشش کی ہے جو میزان الاعتدال میں نہیں ہیں یا ان سے رہ گئے۔

اس فصل کے شروع میں مؤلف نے اپنا منہج اور رموز کے بارے میں بتایا ہے۔ رموز میں سے کچھ کے مطلب یہ ہیں: ''صح'' راوی پر بلا دلیل جرح کی گئی۔ اس سے پہلے ''خ'' لکھا ہو تو اس کا مطلب ہے اس کی وضاحت کردی گئی ہے۔ مصنف نے اس کے دو فائدے بیان کیے ہیں:

۱۔ ان تمام راویوں کا تعارف جن کا ذہبی نے ''تہذیب التہذیب'' میں ذکر کیا ہے۔

۲۔ محققین کی سہولت کے لیے جو ان رواۃ کے بارے میں جاننا چاہیں (۳۹۴)۔

شیعہ کی کتب رجال

شیعہ کی کتب حدیث اصول اربعہ کے نام سے معروف ہیں۔ ان کے رواۃ بھی اپنے ہیں اور ان کی کتب رجال بھی علیحدہ ہیں۔ چند کتب کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ ابو عمرو کشی (ت ۳۷۰ھ) "رجال کشی" کے مؤلف ہیں ان کی یہ تالیف اہل تشیع کے ہاں معتبر ہے۔

۲۔ علامہ نجاشی (ت ۴۵۰ھ) نے "رجال نجاشی" لکھی۔ اس میں جا بجا رجال کشی کا ذکر بھی ملتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نجاشی کے پاس قدما کی لکھی گئی کتب رجال موجود تھیں۔ متعدد مقامات پر اس قسم کی عبارات ملتی ہیں۔ ایک جگہ یہ بھی ملتا ہے کہ حمزہ بن قاسم نے امام باقر کے رجال لکھے تھے۔

۳۔ رجال طوسی، یہ محمد بن حسن طوسی (م ۴۶۰ھ) "تہذیب الاحکام" اور "الاستبصار" کے مؤلف ہیں ان کی ایک فہرست بھی ہے جو اسماء الرجال میں ہے۔ رجال طوسی اس کے علاوہ ہے۔

۴۔ متاخرین میں محمد بن علی استرآبادی رجالی کے نام سے معروف ہیں۔

۵۔ علامہ مامقانی کی کتاب "تنقیح المقال" شیعہ اسماء الرجال کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے۔

علم جرح وتعدیل کا تحقیقی جائزہ

سیرت نبوی کا ایک درخشندہ پہلو

رسول اللہ ﷺ کی ذات کائنات میں ایسی شخصیت ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک لوگوں کی رہنمائی کیلئے مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ کی تعلیمات عالم گیر ہیں اور زندگی کے ہر معاملے میں آپ ﷺ کی زندگی سے نمونہ ملتا ہے۔ کائنات کے انسان اوّل سے لے کر آج تک کے انسانوں میں سے سب سے زیادہ محفوظ اور صحیح آپ ﷺ کی زندگی کے حالات ہیں۔ اس کا اعتراف مسلمان ہی نہیں مستشرقین بھی کرتے ہیں۔ مسلمانوں کا یہ کارنامہ ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کے ہر قول اور فعل کو بہت اچھے انداز سے محفوظ کیا۔ اس کے لیے انہوں نے زندگیاں وقف کیں۔ حدیث رسول ﷺ کے لیے سفر کیے، صعوبتیں برداشت کیں۔ انہیں کی محنتوں اور کاوشوں کا نتیجہ آج ہمارے سامنے علوم الحدیث کی شکل میں ہے۔ ابتدائی طور پر یہ علم حدیث یاد کرنے اور لکھنے تک محدود تھا لیکن آہستہ آہستہ اس علم میں ارتقاء ہوا۔ اس کی مختلف قسمیں بنیں۔ انہیں علوم میں علم اسماء الرجال مرتب ہوا۔ جس کی مثال کسی اور قوم میں نہیں ہے۔ اس کا ذکر مشہور مستشرق اسپر نگر نے ''الاصابة فی تمییز الصحابة'' کے مقدمہ میں کیا۔ حدیث سے تعلق رکھنے والے ہر شخص کے مکمل حالات مرتب کیے گئے تا کہ حدیث نبوی ہر شک وشبہ سے بالاتر ہو۔ اسماء الرجال میں سے پھر علم جرح وتعدیل نے الگ ایک علم کی حیثیت اختیار کی جس پر حدیث نبوی کی قبولیت اور عدم قبولیت کا مدار ہے۔

علم جرح وتعدیل کا بنیادی تعلق تو علم حدیث کے ساتھ ہے، لیکن سیرت طیبہ سے بھی دو وجوہ سے اس کا گہرا اور قریبی تعلق ہے، اور سیرت طیبہ کا صحیح اور مستند بیان علم جرح وتعدیل کو نظر انداز کر کے کسی صورت مکمل نہیں ہوسکتا۔ ایک تو اس لیے کہ سیرت طیبہ کا بہت بڑا حصہ خود کتب احادیث میں محفوظ ہے، جس سے استفادے کے لیے علم جرح وتعدیل سے کما حقہ واقفیت ضروری ہے۔ دوسرا خود کتب سیرت میں موجود روایات سیرت کی بھی جانچ اور پرکھ کے لیے علم جرح وتعدیل ہی واحد ذریعہ ہے۔ جب سے سیرت طیبہ پر نئے اسلوب اور تحقیق کے روایتی و بنیادی اصولوں کی روشنی میں کام کا آغاز ہوا

ہے،اس کے بعد علم سیرت کے نقطہ نظر سے بھی علم جرح وتعدیل کی اہمیت میں اضافہ ہوگیا ہے۔ان سطور میں اسی پہلو کو سامنے رکھ کر علم جرح وتعدیل کے حوالے سے بنیادی معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔سب سے پہلے چند بنیادی تعریفیں بیان کی جاتی ہیں:

ا۔ جرح کی تعریف

i۔ لغوی تعریف:

جرح جَرَحَ یجرح 'کا مصدر ہے۔جرح: اثر داءٍ فی الجلد مجروح ''زخمی جلد پر بیماری کا نشان''۔و الاستجراح،النقصان والعیب والفساد''الاستجراح بمعنی نقصان،عیب اور فساد ہے''(۳۹۵)۔

ii۔ اصطلاحی تعریف

''الجرح فی اصطلاح المحدثین هو ظهور وصف فی الراوی یثلم عدالته، او یخل حفظه وضبطه" (۳۹۶)(اصطلاح محدثین میں جرح سے مراد:''راوی کے اس وصف کا ظاہر ہونا ہے۔جس سے اسکی عدالت میں نقص پیدا ہو یا جس سے اسکا حافظہ خراب ہو جائے یا یادداشت میں خرابی ہو)۔

علامہ فیومی نے لکھا ہے:''الجرح مما یترتب علیه ردّ شهادته او خبره، او التوقف فیه، والتجریح هو اثبات وصف من الاوصاف الجارحة"(۳۹۷)(جرح پر اس کی 'راوی' شہادت اور روایت کو رد کرنے کا مدار یا توقف ہے۔تجریح مجروح کرنے والے اوصاف میں سے کسی وصف کا ثابت ہونا ہے)۔

ان دونوں تعریفوں سے معلوم ہوا کہ گواہ یا راوی کے وہ اوصاف جو تحقیق کے بعد اس کے عیوب کو ظاہر کریں اور اُن کی بنا پر اس کی روایت اور گواہی کو رد کیا جائے جرح کہلاتے ہیں''۔

۲۔ عدالت کی تعریف

i: لغوی تعریف عدالت اور تعدیل کا مادہ عدل ہے۔یہ لفظ ظلم کا متضاد ہے''العدالة

الاقتصاء فی الامور، وھو خلاف الجور وما اوقع فی النفس انہ مستقیم" (۳۹۸)(عدالت معاملات میں میانہ روی ہے اور یہ جور کے لفظ کا متضاد ہے جو چیز دل کے اندر بیٹھ جائے کہ وہ ٹھیک ہے)۔

ii: عدالت کی اصطلاحی تعریف

"العدالۃ انما ھی التزام العدل، والعدل ھو القیام بالفرائض واجتناب المحارم والضبط لما روی واخبر بہ فقط" (۳۹۹)(عدالت، عدل کو لازم کرنا ہے۔عدل سے مراد فرائض کا قیام ہے اور حرام چیزوں سے بچنا اور وہ چیز جو روایت کرے اور بتائے اس کو اچھی طرح سے یاد رکھنا ہے)۔تعدیل معتبر یا عادل قرار دینا ہے۔تحقیق کے بعد کسی گواہ یا راوی کو عادل قرار دینا۔

iii۔ علم جرح وتعدیل کی تعریف

"فھو علم یبحث فی احوال الرواۃ من حیث قبول روایاتھم اوردھا بالفاظ مخصوصۃ ویرتب بفرق فی مراتب تلک الالفاظ "(۴۰۰)(علم جرح وتعدیل ایسا علم ہے جس میں راویوں پر انکی روایات کو قبول ورد کے لحاظ سے مخصوص الفاظ سے بحث کی جاتی ہے۔اور ان الفاظ کے مراتب میں فرق کی بنا پر رواۃ کے مراتب مرتب کیے جاتے ہیں)۔

iv۔ علم جرح وتعدیل کی اہمیت

جرح وتعدیل علوم حدیث کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔جرح وتعدیل کا علم ہر عالم کو نہیں ہوسکتا، بلکہ یہ کام توفی الواقع انہیں ائمہ کا حصہ تھا جو اس فن میں کامل مہارت وامامت کا مقام رکھتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان آئمہ حضرات کو اپنے نبی ﷺ کی سنت کی حفاظت کے لیے پیدا فرمایا تھا۔موجودہ دور میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنی ناقص ومحدود عقل سے حدیثوں کو پرکھنے اور جانچنے کی کوشش کررہے ہیں جو نہ صرف فنِ حدیث سے ناواقف بلکہ اسلام کے اصول ومبادی سے بھی ناآشنا ہیں۔درحقیقت یہ مستشرقین کے فکری تلامذہ اور مقلدین ہیں۔مستشرقین نے جو شوگر کوٹڈ زہر انہیں اسلام کے خلاف پلایا ہے۔یہ لوگ مختلف انداز میں اسی کو ظاہر کرتے رہتے ہیں۔چنانچہ احادیث کی صحت اور سقم کا اپنی جہالت کے باوجود فیصلہ کرنا اسکی واضح دلیل ہے جو کہ صریحا گمراہی وضلالت ہے۔

اس علم کی بنا پر ہی حدیث کی صحیح پرکھ ہوتی ہے اور رواۃ کا صحیح پتہ چلتا ہے۔ علم حدیث میں اس علم کا بہت بڑا حصہ ہے۔ رواۃ کی جانچ پرکھ کی بنا پر ہی احادیث کے صحیح، متواتر، شاذ، ضعیف، منکر، موضوع اور متصل ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ محدثین کی محنت شاقہ اور جدوجہد کے نتیجہ میں اصول جرح و تعدیل وضع ہوئے بعد میں بعض دیگر علوم میں بھی انہی اصولوں کو مدنظر رکھا گیا۔ لیکن اس علم کی ابتداء کا سہرا محدثین کے سر ہے باقی لوگ ان کے خوشہ چیں ہیں۔

علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں علم حدیث کی ترانوے (۹۳) انواع بیان کی ہیں اور ہر نوع کی مختلف اقسام بتائی ہیں۔ اس سے اس علم کی اہمیت وافادیت اور وسعت و جامعیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے متعلق محدثین نے کس طرح سے محنت کی ہے۔ علم جرح و تعدیل کے مطالعہ سے ہی راویوں کے مکمل حالات کی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ان کی دیانت، امانت، صداقت اور لین دین کیسا تھا؟ وہ حدیث کے معاملے میں کیسے تھے؟ ان کا حافظہ کیسا تھا؟ اعلیٰ درجے کے محدث کے مقابلے میں اگر اس سے کم درجے کا محدث کسی معاملے میں مخالفت کرے تو وہ حدیث شاذ ہوگی۔ جس حدیث کے تمام راوی عادل، کامل الضبط اور دیگر اعلیٰ صفات رکھتے ہوں تو وہ صحیح کہلائے گی۔ حافظہ کی کمزوری ہو تو حسن بن جائے گی۔ اگر کوئی راوی استاد کا نام چھپا کر کسی اور طرح سے ظاہر کرے یا جس روایت کو بیان کر رہا ہو وہ اس استاد سے نہ سنی ہو تو وہ مدلس کہلائے گا۔ ان تمام چیزوں کی جانچ پرکھ کے لیے محدثین نے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنی صحیح میں جن رواۃ سے بیان کیا ہے ان کے متعلق انہیں ہر قسم کی معلومات ہیں۔ اپنے علم و تقویٰ کے باوجود انہوں نے سولہ سال میں اپنی الجامع الصحیح کو مکمل کیا۔

تعدیل تو ظاہر ہے کہ راوی کی مدح وثنا ہے اس کے جواز میں کیا شک ہوسکتا ہے۔ البتہ جرح بظاہر برائی وغیبت ہے جسے شریعت عام انسانوں کے لیے پسند نہیں کرتی چہ جائیکہ اہل علم کی زبان سے ہو اور وہ بھی اہل اسلام واہل علم کے متعلق ہو۔ مگر چونکہ اسکا تعلق دین کی ایک اہم ضرورت ہے بلکہ دین و احکام کی حفاظت ہے۔ اس لیے اس کا اظہار ضروری ہے اور اس کو غیبت شمار نہیں کیا جاتا۔

ا۔ ابن سیرین کا مقولہ ہے: ''ان هذا العلم دين فانظروا عمن تاخذونه'' (۱۰۴) (یہ

علم دین ہے لہذا خوب اچھی طرح غور کرلیا کرو کہ تم اپنا دین کن لوگوں سے حاصل کررہے ہو)۔

۲۔ ابن مبارک کا قول ہے: ''الاسناد من الدین لو لا الاسناد لقال من شاء ما شاء" (۴۰۲) (اسناد دین کا ایک جزو ہے اگر یہ مبارک سلسلہ نہ ہوتا تو ہر شخص جو چاہتا کہتا)۔

۳۔ ابن سیرین کا بیان ہے: ''لم یکونوا یسئلون عن الاسناد حتی وقعت الفتنة فلما وقعت نظروا من کان من اھل السنة، ومن کان من اھل البدع ترکوا حدیثه" (۴۰۳) (وہ حضرات (صحابہ وتابعین) اسناد کے متعلق سوال نہیں کیا کرتے تھے مگر جب فتنوں کا دور دورہ ہوا تو دیکھتے تھے کہ اہل سنت کون ہے۔ اور اہل بدعت کون ہے۔ اس صورت میں اہل بدعت کی حدیث کو چھوڑ دیتے تھے)۔

اس لیے امت نہ صرف اسکے جواز کی بلکہ استحسان اور ضروری ہونے کی قائل رہی ہے اور اسکا ثبوت قرآن اور حدیث میں موجود ہے ''یاایھا الذین اٰمنوا ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قومًا بجھالة فتصبحوا علی ما فعلتم ندمین" (۴۰۴) (اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق آدمی تمھارے سامنے کوئی خبر بیان کرے تو چھان بین کرلیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ کسی قوم کو نقصان پہنچادو پھر اپنے کیئے پر شرمندہ ہو)۔

امام خازن اس کے بارے میں فرماتے ہیں: ''اس امر کی وضاحت اور حقیقت کا انکشاف کرو اور فاسق کی خبر پر اعتماد نہ کرو (۴۰۵)۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کے متعلق وضاحت فرمائی کہ تحقیق کے بغیر بات نہ کی جائے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ''کفی بالمرء اثما ان یحدث بکل ما سمع'' (۴۰۶) (کسی انسان کے لیے یہ گناہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی بات کو آگے بیان کرے)۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''واذا جاء ھم امر من الامن او الخوف اذا عوابه ولو ردوه الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمه الذین یستنبطونه منھم ولو لا فضل اللہ علیکم ورحمته لاتبعتم الشیطان الا قلیلا" (۴۰۷) (اور جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے خواہ امن ہو یا خوف تو اس کو مشہور کردیتے ہیں اور اگر یہ لوگ اس کو رسول ﷺ کے اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان تک پہنچائیں تو اس کو وہ حضرات تو پہچان ہی لیتے جو ان میں اس کی تحقیق کر

لیا کرتے ہیں اور اگر تم لوگوں پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم سب کے سب شیطان کے پیرو ہو جاتے سوائے تھوڑے سے آدمیوں کے)۔

حضور ﷺ سے تعدیل بھی منقول ہے اور جرح بھی حضرت عبداللہؓ بن عمر کے متعلق آپ ﷺ کا ارشاد: "ان عبدالله رجلٌ صالحٌ" (۴۰۸) (عبداللہ ایک نیک آدمی ہے) ان کے حق میں تعدیل ہے۔

حدیث نبوی ہے: "عن عائشة ان رجلا استاذن على النبیﷺ فلما راه قال بئس اخو العشيرة وبئس ابن العشيرة، فلما جلس تطلق النبیﷺ فی وجهه وانبسط اليه فلما انطلق الرجل قالت له عائشة يا رسول اللهﷺ! حين رايت الرجل قلت له كذا وكذا ثم تطلقت فی وجهه وانبسطت اليه فقال رسول اللهﷺ يا عائشة: متى عهدتني فاحشًا؟ ان شر الناس عند الله منزلةً يوم القيامة من تركه الناس اتقاء شرّه" (۴۰۹) (حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول پاک ﷺ کے پاس آنے کی اجازت مانگی جب آپ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا قبیلے کا برا بھائی یا قبیلے کا برا بیٹا ہے۔ پھر جب وہ آپ ﷺ کے پاس بیٹھ گیا تو نبی کریم ﷺ کے چہرے سے خوشی کے اثرات نمایاں تھے پھر جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہؓ نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ جب آپ ﷺ نے اس آدمی کو دیکھا تو ایسے ایسے کہا اور پھر اس کے سامنے آپ ﷺ کے چہرے پر خوشی کے اثرات تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عائشہؓ! آپ نے کب مجھے فحش پایا ہے۔ اللہ کے ہاں قیامت کے روز برے وہ لوگ ہیں جن کو ان کے شر کی وجہ سے لوگ چھوڑ دیں)۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آخر کب تک تم کردار کے ذکر سے گریز کرو گے، اسکی برائیاں بیان کرو تا کہ لوگ اس سے ہوشیار رہیں) (۴۱۰)۔

عدالت صحابہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتومنون بالله" (۴۱۱) (تم بہترین امت ہو جن کو لوگوں کے لیے نکالا گیا تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان لاتے ہو)۔

حدیث نبوی ہے: "لا تمس النار مسلمًا رآنی او رأى من رانی" (۴۱۲) (جس

مسلمان نے مجھے دیکھا اسے آگ نہیں چھوئے گی اور جس نے اس مسلمان کو دیکھا جس نے مجھے دیکھا، اسے بھی آگ نہیں چھوئے گی)۔

عدالت صحابہ کے متعلق قرآن مجید کی کئی آیات، زبان نبوی سے متعدد احادیث میں ان کی عدالت بیان کی گئی ہے۔ اسی طرح اہل ایمان کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں جب کہ کفار کی برائیاں بیان کی گئی ہیں۔

۵۔ علم جرح وتعدیل کا ارتقاء

جرح وتعدیل کا سلسلہ دور صحابہ ہی میں شروع ہو چکا تھا۔ خوارج وروافض کے ظہور کے بعد تحقیق اور تفتیش روایت قبول کی جاتی تھی۔ قرآن وحدیث سے بھی جرح وتعدیل ثابت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "کنتم خير امة اخرجت" (۴۱۳) "تم بہترین امت نکالی گئی ہو"۔

مزید فرمایا گیا: "ان جاء کم فاسق بنبأ فتبينوا" (۴۱۴) (اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے سامنے کوئی خبر یا واقعہ بیان کرے تو چھان بین کر لیا کرو)۔ اس طرح ارشاد ربانی ہے: "كذلك جعلناكم امة وسطا لتكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا" (۴۱۵) (اور ہم نے تم کو ایسی ہی ایک جماعت بنادیا ہے جو اعتدال پر ہے تا کہ تم لوگوں کے مقابلے میں گواہ ہو اور تمہارے لیے رسول ﷺ گواہ ہوں)۔

حدیث نبوی ﷺ ہے: "عن سهل بن سعد رضى الله عنه قال: مرّ رجل على رسول الله فقال: ما تقولون فى هذا؟ قالوا: حرى ان خطب أن ينكح، وان شفع ان يشفع وان قال ان يستمع له قال ثم مر رجل من فقراء المسلمين فقال: ما تقولون فى هذا؟ قالوا: حرى إن خطب ان لا ينكح، وان شفع أن لا يشفع، وان قال ان لا يستمع اليه فقال رسول الله ﷺ: هذا خير من ملء الارض مثل هذا" (۴۱۶) (ایک آدمی رسول ﷺ کے پاس سے گزرا تو آپؐ نے فرمایا اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اگر یہ شخص نکاح کا پیغام لائے تو اسے قبول کیا جائے اور اگر سفارش کرے تو سفارش قبول کی جائے گی۔ اگر یہ بات کہے تو اس کی بات سنی جائے گی۔ پھر مسلمان فقراء میں سے

ایک آدمی گزرا تو آپ ﷺ نے پوچھا آپ کا اس کے بارے میں کیا خیال ہے تو انہوں نے کہا اگر یہ نکاح کا پیغام بھیجے تو اس کو قبول نہ کیا جائے گا اور اگر سفارش کرے تو سفارش قبول نہیں کی جائے گی اور کہے تو اس کی بات کو بھی نہیں سنا جائے گا۔ رسول ﷺ نے فرمایا: ''یہ اُس جیسے لوگوں سے بہتر ہے خواہ اُن سے تمام زمین بھر جائے)۔

اس حدیث کے اندر اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی کسی شخص یا بات کے متعلق بتائے کہ اس کی دینی حیثیت کیا ہے اور ایسا کہنا غیبت نہیں کیونکہ حضور ﷺ نے خود اس کے بارے میں بتایا تا کہ اگر وہ سچا آدمی ہو تو اس کا لوگوں کو پتہ چلے اور اگر جھوٹا آدمی ہو تو اس کے بارے میں بھی لوگوں کو پتہ چل جائے (۴۱۷)۔

امام حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری فرماتے ہیں ''جن صحابہ وتابعین وائمہ سے جرح وتعدیل ثابت ہے ان کو دس طبقات پر تقسیم کیا گیا ہے اور ہر طبقہ میں سے چار افراد کو لیا گیا ہے۔ طبقہ اولیٰ میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ بن ثابت ہیں۔ ان حضرات نے جرح وتعدیل اور روایات کی صحت وسقم پر بحث کی ہے اور دسویں طبقہ میں ابواسحاق ابراہیم بن حمزہ اصبہانیؒ، ابوعلی نیشاپوریؒ، ابوبکر محمد بن عمر بن سلمہ بغدادیؒ اور ابوالقاسم حمزہؒ بن علی کنانی مصری ہیں'' (۴۱۸)۔ صحابہ میں سے سب سے پہلے ابوبکرؓ نے جرح وتعدیل فرمائی۔

حضرت ابوبکرؓ کے پاس کسی کی دادی میراث کے بارے میں سوال کرنے کے لیے آئیں تو آپؓ نے فرمایا: ''قرآن اور حدیث میں اسکے بارے میں کوئی حکم نہیں پاتا میں لوگوں سے پوچھ کر بتاؤں گا''۔ جب لوگوں سے پوچھا تو حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے جواب دیا کہ دادی کو چھٹا حصہ ملنا چاہیے۔ حضور ﷺ سے ایسا ہی مروی ہے۔ ابوبکر صدیقؓ نے اس پر کوئی گواہ مانگا تو محمد بن سلمہ نے اس پر گواہی دی (۴۱۹)۔ اس طرح حضرت عمر فاروقؓ بھی احادیث رسول ﷺ کے سلسلہ میں بہت محتاط تھے۔ امام ذہبی ان کے متعلق فرماتے ہیں: ''وهو الذی سنّ للمحدثين التثبت فی النقل وربما كان يتوقف فی خبر الواحد إذا ارتاب'' (وہی ہیں جنہوں نے نقل حدیث میں ثبوت کو محدثین کے لیے جاری کیا۔ جب بھی خبر واحد کے متعلق شک ہوتا تو توقف فرماتے)۔

حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے حضرت ابو موسیٰؓ نے دروازے کے پیچھے سے تین دفعہ حضرت عمرؓ کو سلام کہا۔ انہوں نے اجازت نہ دی (نہ جواب دیا)۔ وہ لوٹ گئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کے پیچھے پیغام بھیجا اور پوچھا کہ آپ لوٹ کیوں گئے تھے۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا تھا: ''اذا سلم احدکم ثلاثا فلم یجب فلیرجع'' (جب آپ میں سے کوئی تین دفعہ سلام کرے اور اسے جواب نہ دیا جائے لوٹ جائے)۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ اس بات پر کوئی دلیل (گواہ) لائیں ورنہ میں نہ چھوڑوں گا (لافعلنّ بك)۔ حضرت ابو موسیٰؓ ہمارے پاس اس حالت میں آئے کہ ان کا رنگ متغیر تھا۔ ہم نے وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا اور پوچھا کہ آپ میں سے کسی نے یہ سنا ہے۔ ہم نے کہا ہم تمام نے سنا ہے۔ انہوں (صحابہؓ) نے ایک آدمی ان کے ساتھ بھیج دیا اور اس نے حضرت عمرؓ کو جا کر بتایا۔ حضرت عمرؓ نے اس بات کو پسند فرمایا کہ حضرت ابو موسیٰ کی خبر کی تائید ہو جائے۔ اس کو نقل کر کے امام ذہبی فرماتے ہیں:

''ففی ھذا دلیل علی الخبر اذا رواہ ثقتان کان اقوی وارجح مما انفرد بہ واحد'' (۴۲۰) (اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ حدیث کو جب دو ثقہ راوی بیان کریں تو زیادہ راجح ہوتی ہے بنسبت اس کے جس کو ایک بیان کرے)۔

حضرت علیؓ جب کسی سے حدیث سنتے تو یقین کرنے کے لیے حلف لیتے تھے۔ اگر چہ وہ ثقہ اور مامون ہوتا۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ جب میں پیغمبر ﷺ سے کوئی حدیث سنتا تو اللہ تعالیٰ جو چاہتا مجھے اس سے نفع دیتا اور جب میں کسی اور سے حدیث سنتا تو میں اس سے قسم لیتا۔ حضرت ابو بکرؓ نے مجھ سے حدیث بیان کی اور ابو بکرؓ نے مجھ سے سچ کہا: "قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ما من عبد مسلم یذنب ذنبا ثم یتوضأ ویصلی رکعتین ثم یستغفر اللہ الا غفرلہ'' (۴۲۱) (اُنہوں (ابو بکرؓ) نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے ہیں کوئی مسلمان اگر کوئی گناہ کرے پھر وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھے اور استغفار کرے تو اسے بخش دیا جائے گا)۔

صحابہ کرامؓ، حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت علیؓ وغیرہ اپنے ساتھی صحابہ کرام وغیرہ کو حدیث کے معاملے میں متہم نہیں کرتے تھے بلکہ وہ ایسا احتیاط کے تقاضے سے کرتے تھے تا کہ کوئی آدمی ایسی جرأت

نہ کر سکے(۳۲۲)۔

حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ رجال پر کلام بہت سے صحابہ کرام نے کیا ہے، تابعین کے عہد میں اس سلسلے میں مزید اضافہ ہوا ہے۔اس طرح یہ سلسلہ آگے چلتا رہا۔

چند آئمہ جرح وتعدیل

یوں تو بڑے بڑے محدثین نے مختلف راویوں پر بحث کی ہے۔لیکن جو حضرات اس موضوع پر زیادہ مشہور ہوئے، انہیں جرح وتعدیل کے امام کہا جاتا ہے۔ابن الصلاحؒ نے صالح بن محمد الجزرة سے بیان کیا کہ پہلے جس نے اماموں میں سے رجال کے متعلق کلام کیا شعبہ بن الحجاجؒ، یحییٰ بن سعید القطان پھر احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معینؒ ہیں۔انہوں نے بطور علم اس پر کام کیا ہے۔ان سے قبل رسول اللہ ﷺ اور بہت سے صحابہ کرامؓ اور تابعین نیز ان کے بعد آنے والوں سے جرح وتعدیل کا کلام ثابت ہے(۳۲۳)۔مندرجہ ذیل حضرات اس ابتدائی طور پر اس باب میں بہت معروف رہے ہیں:

۱۔ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن الحجاج (ت ۱۲۰ھ)

۲۔ امام سفیان ثوری (ت ۱۶۱ھ)

۳۔ امام مالکؒ (ت ۱۷۹ھ)

۴۔ عبداللہ بن مبارک (ت ۱۸۱ھ)

۵۔ سفیان بن عیینہ (ت ۱۹۷ھ)

۶۔ وکیع بن الجراح (ت ۱۹۷ھ)

۷۔ یحییٰ بن سعید القطان (ت ۱۹۸ھ)

۸۔ عبدالرحمٰن بن مھدی (ت ۱۹۸ھ)

۹۔ یحییٰ بن معین (ت ۲۲۳ھ)

۱۰۔ علی بن المدینی (ت ۲۳۴ھ)

۱۱۔ امام احمد بن حنبل (ت ۲۴۱ھ)

۱۲۔ امام بخاری (ت ۲۵۶ھ)

۱۳۔	امام مسلم	(ت ۲۶۱ھ)
۱۴۔	ابوزرعہ رازی	(ت ۲۶۴ھ)
۱۵۔	ابوداود سجستانی	(ت ۲۷۵ھ)
۱۶۔	امام نسائی	(ت ۳۰۳ھ)
۱۷۔	ابوحاتم رازی	(ت ۳۲۷ھ)
۱۸۔	عبداللہ بن عدی	(ت ۳۶۵ھ)
۱۹۔	امام ابوعبداللہ حاکم	(ت ۴۰۵ھ)
۲۰۔	ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی	(ت ۴۶۳ھ)
۲۱۔	ابوعمر یوسف بن عبدالبر	(ت ۴۶۳ھ)
۲۲۔	ابن الجوزی	(ت ۵۹۷ھ)
۲۳۔	ابن الاثیر	(ت ۶۰۲ھ)
۲۴۔	امام ذہبی	(ت ۷۴۸ھ)
۲۵۔	ابن حجر	(ت ۸۵۲ھ)
۲۶۔	دار قطنی	(ت ۳۸۵ھ)

ان حضرات نے جرح وتعدیل کے قوانین وضع کیے۔ رواۃ حدیث کے درجات متعین کیے اور ایک لاکھ کے قریب اشخاص کے حالات زندگی چھان مارے۔ یہی وہ حضرات ہیں جنہوں نے علم نبی کو نکھارا۔ یہ امت مسلمہ کا ایسا عظیم علمی کارنامہ ہے کہ اقوام عالم میں اسکی نظیر نہیں ملتی۔

دوسری صدی آئی تو اسلام میں مزید بہت سے نئے نئے فرقے پیدا ہوئے۔ حافظ ذہبی ""تذکرۃ الحفاظ" میں فرماتے ہیں۔ "اس طبقہ کے دور میں دولت اسلامیہ بنی امیہ سے بنی عباس کی طرف ۱۳۲ھ میں منتقل ہوئی۔ اسی زمانے میں بصرہ میں عمرو بن عبیدؒ، اور واصل بن عطاؒ نمایاں ہوئے۔ جنہوں نے لوگوں کو مذہب اعتزال کی طرف دعوت دی"۔

حافظ شمس الدین سخاویؒ لکھتے ہیں: "جب تابعین کا دور اخیر آیا، یعنی ۱۵۰ھ کے قریب تو آئمہ

کی ایک جماعت نے توثیق وتصنیف پر باقاعدہ کلام کیا"۔حافظ سیوطیؒ فرماتے ہیں: "یہ جو کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے رجال پر شعبہ بن حجاجؒ اور یحییٰ بن سعید قطانؒ نے کلام کیا۔اس سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے باقاعدہ جرح وتعدیل کو فن کی حیثیت دی اور اس کو مدون کیا" (۴۲۴)۔

۶۔ شروط جرح وتعدیل

شروط تعدیل

قبول تعدیل کے چار شروط ہیں:

۱۔ معدل عادل ہو: فاسق کی تعدیل مقبول نہیں ہوگی۔

۲۔ معدل متیقظ ہو: مغفل نہ ہو کہ راوی کے حالات ظاہری سے دھوکہ کھا جائے۔

۳۔ معدل اسباب تعدیل کا عارف ہو: جو صفات قبول ورد کو نہ جانتا ہو اس کی تعدیل مقبول نہیں ہوگی۔

۴۔ وہ پرہیزگار ہو: اس کی پرہیزگاری اس کو تعصب اور خواہشات سے روکے (۴۲۵)۔

شروط جرح: قبول جرح کے پانچ شروط ہیں:

۱۔ جارح عادل ہو، فاسق کی جرح مقبول نہیں ہوگی۔

۲۔ جارح متیقظ ہو، مغفل کی جرح مقبول نہیں ہوگی۔

۳۔ جارح اسباب جرح کا عارف ہو، غیر عارف کی جرح مقبول نہیں ہوگی۔

۴۔ جارح اسباب جرح کا بیان کرنے والا ہو، جرح مبہم مقبول نہیں ہوگی۔

اس سلسلے میں حافظ ابن حجرؒ جرح مبہم کے قبول کے قائل ہیں۔الا یہ کہ جن رواۃ کی عدالت معلوم ہے ان کے بارے میں جرح مبہم اس وقت تک قبول نہیں کرتے جب تک کہ سبب جرح بیان نہ کر دیا جائے۔

۵۔ جن کی امامت لوگوں کے درمیان مشہور ہو اور جن کی عدالت حد تواتر کو پہنچتی ہو ایسے اماموں پر واقع جرح غیر مقبول ہوگی جیسے نافعؒ، شعبہؒ، مالکؒ اور بخاریؒ وغیرہ (۴۲۶)

۷۔ تعارض جرح وتعدیل

تعارض جرح وتعدیل کی چار حالتیں ہیں:

اوّل: جرح وتعدیل دونوں ہی مبہم ہوں۔ یعنی اسباب جرح یا اسباب تعدیل غیر مفسر ہوں ایسی صورت میں اگر ہم جرح مبہم کے عدم قبول کے قائل ہوتے ہیں تو گویا تعدیل مبہم کے قبول کے قائل ہوئے کیونکہ فی الواقع اسکا کوئی تعارض نہیں۔ اگر جرح مبہم کے قائل ہوتے ہیں اور یہی راجح ہے تو اس وقت تعارض لازم آتا ہے۔ پس راجح پر عمل ہوگا۔ مرجحات یہ ہیں:

۱۔ قائل عادل ہو۔

۲۔ راوی کے حالات کو اچھی طرح جاننے والا ہو۔

۳۔ اسباب جرح وتعدیل کا جاننے والا ہو۔

۴۔ کثرت تعداد کی رعایت کی جائے گی۔ جارح کی تعداد زیادہ ہو تو وہ مجروح سمجھا جائے گا۔ اگر معدل کی تعداد زیادہ ہو تو اس کو عادل سمجھا جائے گا۔

ثانی: جرح وتعدیل دونوں ہی مفسر ہوں یعنی اسباب جرح یا اسباب تعدیل مبین ہوں تو جرح مقبول ہوگی۔ کیونکہ جارح کے پاس زیادہ علم ہے۔ اگر کوئی معدل یہ کہے کہ جن اسباب کی بنا پر اس کو مجروح کیا گیا ہے وہ اسباب وبنیاد زائل ہو گئے ہیں۔ اس وقت تعدیل مقبول ہوگی کیونکہ معدل کے پاس زیادتی علم ہے۔

ثالث: تعدیل مبہم ہو اور جرح مفسر ہو تو اس وقت جرح مقبول ہوگی۔ کیونکہ جارح کے پاس زیادتی علم ہے۔

رابع: جرح مبہم ہو اور تعدیل مفسر ہو تو اس وقت تعدیل مقبول ہوگی راجح ہونے کی بنا پر (۴۲۷)۔

۸۔ وجوہ طعن فی راوی

طعن راوی کے دس اسباب ہیں جن میں سے پانچ کا تعلق عدالت سے ہے اور پانچ کا تعلق ضبط سے ہے۔

(الف) طعن متعلقہ عدالت

۱۔ کذب ۲۔ تہمت کذب ۳۔ بدعت

۴۔ فسق ۵۔ جہالت

(ب) طعن متعلقہ ضبط

۱۔ زبانی اغلاط۔ ۲۔ یاداشت کی خرابی

۳۔ غفلت ولاپرواہی ۴۔ کثرت وہم۔

۵۔ مخالفت ثقات (۴۲۸)

۹۔ مراتب جرح وتعدیل

تعدیل کے مراتب اوران کے الفاظ:

(الف) ''ما دل علی المبالغة فی التوثیق أو کان علی وزن أفعل. وھی أرفعھا مثل، فلان الیه المنتھی فی التثبت، أو فلان أثبت الناس"(کسی راوی کی توثیق میں مبالغہ پر مشتمل لفظ یا اسم تفضیل ہو جو افعل کے وزن پر آئے۔ یہ تعدیل کے سب سے ارفع معیار کو ظاہر کرتا ہے مثلاً یوں کہا جائے فلاں شخص وہ ہے جس پر ثبت اور پختہ روی کی انتہا ہوتی ہے یا فلاں شخص وہ ہے جو لوگوں میں سب سے زیادہ ثقاہت کا حامل ہے)۔

(ب) ''ثم ما تاکد بصفة أو صفتین من صفات التوثیق کثقة ثقة، أو ثقة ثبت ''(۴۲۹)(پھر توثیق کے لئے ایک یا دو صفات استعمال کر کے توثیق کو موکد بنایا گیا ہو جیسے ''ثقہ ثقہ'' یا ''ثقہ ثبت'')۔

(ج) ''ثم ما عبر عنه بصفة دالة علی التوثیق من غیر توکید کثقة، أو حجة"(۴۳۰)(اس کے بعد توثیق کا درجہ ہے جس میں ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہو جو توثیق پر دلالت کرتا ہو لیکن اس کی تاکید نہ ہو جیسے کہا جائے ثقہ یا حجۃ)۔

(د) ''ثم ما دل علی التعدیل من دون اشعار بالضبط، کصدوق. أو محله

الصدق، أولا بأس به عند غير ابن معين، فان "لا باس به" اذا قالها ابن معين فی الراوی فهو عنده ثقة" (۴۳۱) (ایسے الفاظ جوراوی کی تعدیل پردلالت کریں لیکن اس میں ضبط شامل نہ ہو۔ مثلاً کہا جائے "صدوق" یا "محله الصدق" یا "لا باس" به وغیرہ البتہ "لا باس به" کا فقرہ ابن معین کسی راوی کے سلسلے میں استعمال کریں تو یہ فقرہ ثقہ اور پوری طرح با اعتماد راوی ہی کے بارے میں استعمال کرتے ہیں)۔

(ہ) "ثم ما ليس فيه دلالة على التوثيق او التجريح، مثل فلان شيخ، او روى عنه الناس" (پھر ایسے الفاظ بھی ہوتے ہیں جن میں راوی کو توثیق یا تجریح کی کوئی علامت نہیں ہوتی جیسے کوئی کہے "فلان شيخ" یا "روى عنه الناس" (فلاں شیخ ہے یا لوگوں نے اس سے روایت کیا)۔

(و) ثم ما أشعر بالقرب من التجريح: مثل: فلان صالح الحديث أو يكتب حديثه (۴۳۲) (پھر ایک ایسا طریق بیان بھی ہے جو جرح راوی کی طرف اشارہ کرنے والا ہے جیسے فلاں صالح الحدیث یعنی فلاں شخص روایت حدیث کی صلاحیت رکھتا ہے یا اس کی حدیث کو لکھا جاتا ہے)۔

جرح کے مراتب اور اس کے الفاظ

الف: مادل على التليين: وهى أسهلها فى الجرح مثل: فلان لين الحديث أو فيه مقال (نرم رویہ پر دلالت کرنے والے الفاظ، جیسا کہ کہا جائے "فلان لين الحديث یا فيه مقال" (فلاں حدیث میں نرم ہے یا اس میں گفتگو ہے)۔

ب: "ثم ما صرح بعدم كتابة حديثه ونحوه، مثل: فلان لا يكتب عنه، أو لا تحل الرواية عنه أو ضعيف جدا، او واه بمرة" (پھر ایسے الفاظ جن میں زیر بحث راوی کی روایات کی عدم کتابت کی صراحت ہو جائے۔ مثلاً "فلان لا يكتب" یا "لا تحل الرواية وغيره" یا "واه بمرة"۔

ج: "ثم ما صرح بعدم الاحتجاج به وشبهه: مثل فلان لا يحتج به، أو

ضعيف، أوله مناكير" (پھر ایسے الفاظ جن میں نا قابل حجت ہونے کی صراحت اوراس سے ملتے جلتے الفاظ ہوں۔مثلاً "فلان لا يحتج "یا" ضعيف "یا" له مناكير ")۔

د: "ثم ما فيه اتهام بالكذب أو نحوه: مثل فلان متهم بالكذب، أو متهم بالوضع، أو يسرق الحديث، أو ساقط، أو متروك، أو ليس بثقة" (پھر وہ الفاظ جن کے ذریعے راوی پر جھوٹ وغیرہ تہمت لگائی جائے مثلاً "فلان متهم بالكذب "یا" فلان متهم بالوضع " یا" يسرق الحديث "یا" ساقط "یا" متروك "یا" ليس بثقة ")۔

ھ: "ثم ما دل على وصفه بالكذب ونحوه: مثل كذاب أو دجال او وضاع" (پھر ایسے الفاظ جو اس کے جھوٹ ہونے پر دلالت کرتے ہوں مثلاً "كذاب "دجال یا "وضاع")۔

و: ثم ما دل على المبالغة في الكذب (وهي أسوؤها) مثل فلان أكذب الناس، أو اليه المنتهى في الكذب، أوهو ركن الكذب (پھر وہ الفاظ جو اس کے جھوٹ کی عادت کی انتہا کو بیان کریں۔یہ صورت سب سے بری ہے مثلاً "فلان أكذب الناس "یا" اليه المنتهى في الكذب "یا" هو ركن الكذب ")(۲۳۳)۔

۱۰۔ کتب جرح وتعدیل

(الف) کتب ضعفاء

۱۔ علل حدیث ومعرفۃ الرجال،علی بن المدینی (م۲۳۴ھ)۔

۲۔ کتاب الضعفاء،یحیی بن معین (م۲۳۳ھ)۔

۳۔ کتاب العلل ومعرفۃ الرجال،احمد بن حنبل (م۲۴۱ھ)۔

۴۔ کتاب الضعفاء،محمد بن عبداللہ البرقی الزہری مولاہم (م۲۴۹ھ)۔

۵۔ الضعفاء الصغیر،محمد بن اسماعیل البخاری (م۲۵۶ھ)۔

۶۔ احوال الرجال،ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی (م۲۵۹ھ)۔

۷۔ الضعفاء والمتروکون،ابوزرعۃ عبداللہ بن عبدالکریم بن یزید الرازی (م۲۶۴ھ)۔

۸۔ الضعفاء والمتروکون من اصحاب الحدیث، ابوعثمان سعید بن عمرو بن عمار الازدی البرزعی (م۲۹۲ھ)۔

۹۔ الضعفاء والمتروکون، ابوعبدالرحمٰن احمد بن علی بن شعیب بن علی النسائی (م۳۰۳ھ)۔

۱۰۔ الضعفاء، ابویحییٰ زکریا الساجی (م۳۰۷ھ)۔

۱۱۔ الضعفاء، ابوبشر محمد بن حماد الدولابی (م۳۲۰ھ)۔

۱۲۔ کتاب الضعفاء، ابوالعرب محمد بن احمد بن تمیم القیروانی (م۳۳۳ھ)۔

۱۳۔ کتاب الضعفاء والمتروکون، ابوالحسین علی بن احمد بن المهدی الدارقطنی (م۳۸۵ھ)

۱۴۔ الضعفاء، ابونعیم الاصبہانی (م۴۳۰ھ)۔

۱۵۔ کتاب الضعفاء والمتروکون، ابوالفرج بن الجوزی (م۵۹۷ھ)۔

کتب ثقات

۱۔ الثقات، ابواسحاق ابراھیم بن یعقوب بن اسحاق السعدی الجوزجانی (م۲۵۹ھ)۔

۲۔ الثقات ابوالحسن احمد بن عبداللہ العجلی (م۲۶۱ھ)۔

۳۔ الهدایة والارشاد فی معرفة اهل الثقة والسداد، ابونصر احمد بن محمد الکلاباذ (م۳۱۸ھ)

۴۔ الثقات، ابوالعرب محمد بن احمد التمیمی (م۳۳۳ھ)۔

۵۔ الثقات، محمد بن احمد بن حبان البستی (م۳۵۴ھ)۔

۶۔ تاریخ اسماء الثقات، عمر بن احمد بن شاہین الواعظ (م۳۷۵ھ) (مقدمہ الجرح والتعدیل، ۱۴۹تا۱۶۷)۔

۷۔ ذکر اسماء تابعین ومن بعدھم۔۔، ابوالحسن علی بن عمر دارقطنی (م۳۸۵ھ)۔

۸۔ تذکرۃ الحفاظ، شمس الدین الذھبی (م۷۴۸ھ)۔

کتب ثقات وضعفاء

۱۔ التاریخ الکبیر، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری (م۲۵۶ھ)۔

۲۔ التاریخ الاوسط، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری (م۲۵۶ھ)۔

۳۔ التاریخ الصغیر، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری (م ۲۵۶ھ)۔

۴۔ الجرح والتعدیل، ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی (م ۳۲۷ھ)۔

۵۔ اخبار اصبہان، ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی (م ۴۳۰ھ)۔

۶۔ تاریخ بغداد، ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (م ۴۶۳ھ)۔

۷۔ تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ابوالحجاج یوسف بن المزی (م ۷۴۲ھ)۔

۸۔ التذکرۃ فی رجال العشرہ، ابوعبداللہ محمد بن علی الحسینی (م ۷۶۵ھ)۔

۹۔ المغنی فی ضبط الرجال محمد طاہر پٹنی (ت ۹۸۶ھ)(۲۳۴)۔

فنِ تخریج حدیث: ایک مطالعہ

لغوی مفہوم

۱۔ تخریج "اخراج" سے لیا گیا ہے جس کے معنی خارج ہونے کے ہیں۔

۲۔ کسی ایک چیز میں دو متضاد معاملات کا اکٹھا ہونا بھی تخریج کہلاتا ہے اس لفظ کے کئی معنی ہیں ان میں زیادہ اہم استنباط، تدریب اور توجیہ ہیں (۴۳۵)۔ احمد بن فارس نے "خرج" کے معنی لکھے ہیں:

۱۔ النفاذ عن الشيء: (کسی چیز سے نکلنا)۔

۲۔ اختلاف اللونین: (دو رنگوں کا اختلاف) (۴۳۶)۔

ابن منظور نے لکھا ہے: خارج کل شيء: (ہر چیز کا ظاہر)، وخرجت خوارج فلان: ظهرت نجابته: (اس کی شرافت ظاہر ہوگئی)۔ وخراج: اسم لعبة لهم معروفة، وهو أن يمسك أحدهم شيئا بيده و يقول لسائرهم: اخرجوا مافی یدی: (یہ ایک معروف کھیل کا نام ہے وہ اس طرح سے کہ ایک شخص کسی چیز کو اپنے ہاتھ میں پکڑتا ہے۔ اور باقی لوگوں سے کہتا ہے جو میرے ہاتھ میں ہے اسے نکالو) (۴۳۷)۔

امام بغوی نے آیت: "اخرج ضحها" کی تفسیر میں لکھا ہے: ای ابرز واظهر نهارها (۴۳۸) (اس نے اپنے دن کو ظاہر کیا)۔ المعجم الوسیط میں ہے:

۱۔ خرج خروجا: برز من مقره او حاله وانفصل: (وہ اپنے مقام سے نکلا یا کسی حالت سے نکلا اور الگ ہو گیا)۔

۲۔ خرجت السماء: اصحت وانقشع عنها الغيم: (آسمان صاف ہو گیا اور اس سے بادل چھٹ گئے)۔

۳۔ خرجت خوارج فلان: خرجت نجابته: (اس کی شرافت ظاہر ہوگئی)۔

۴۔ خرج من الامر اوالشدة: خَلَصَ منه: (وہ معاملے یا سختی سے نکل گیا، یعنی نجات پا گیا)۔

۵۔ خرج من دینه: قضاه:(اس نے قرضہ ادا کر دیا)۔

۶۔ خرج علی السلطان: تمرد: (اس نے حکمران کے خلاف سرکشی کی)۔

۷۔ خرج فی العلم او الصناعة: (وہ علم میں یا کسی صناعت میں فائق ہو گیا)۔

۸۔ اخرج الحدیث: نقله بالاسانید الصحیحة (اس نے احادیث کو صحیح اسانید سے نقل کیا)(۴۳۹)۔

مصباح اللغات میں ہے:خرج ومخرجا من موضعه :نکلنا،فی العلم :فائق ہونا، به:نکالنا، علیه، جنگ کے لئے نکلنا، الرعیة علی الملك :سرکشی وبغاوت کرنا۔ الی فلان من دینه :ادا کرنا، خرّجه من المکان :نکالنا۔ الارض:خراج مقرر کرنا، خرج المسئله:مسئلہ کی توجیہ کرنا،خرج الولد فی الادب :مہذب وتجربہ کار بنانا،العمل:ایک دوسرے کے مخالف مختلف قسم کے کام کر دینا، خرج الغلام اللوح: کچھ لکھنا اور کچھ چھوڑ دینا(۴۴۰)۔

اصطلاحی مفہوم

۱۔ تخریج سے مراد اصلی مصادر میں سے حدیث کے مقام کی دلالت ہے جس میں اس کو سند کے ساتھ بیان کیا گیا ہو۔پھر ضرورت کے وقت اس کا مرتبہ بیان کرنا ہے۔

۲۔ کسی چیز کو باضابطہ انداز سے لکھنا اور اس کا پورا حوالہ دینا تخریج کہلاتا ہے۔

۳۔ کتب فقہ وتفسیر وغیرہ کی احادیث کو جداگانہ مجموعوں میں جمع کرنا۔

۴۔ حدیث کی کسی کتاب سے خاص قسم کی احادیث مثلاً مرفوع، متصل، مرسل وغیرہ کو الگ کرنا۔

۵۔ حدیث کا حوالہ دینے کیلئے سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ یہ حدیث ہمیں کہاں سے ملے گی۔اس کی درست نشاندہی کرنے کو تخریج حدیث کہتے ہیں(۴۴۱)۔

غماری نے لکھا ہے:

۱۔ تخریج احادیث کو ان کتب کی طرف منسوب کرنا ہے۔جن میں وہ بیان ہوئی ہیں۔ان پر صحت اور ضعف کے لحاظ سے کلام کیا جائے یا محض اصل کتب کی طرف منسوب کر دیا جائے(۴۴۲)۔

۲۔ اخراج: اس کا مطلب حدیث کو اسناد کے ساتھ رسول ﷺ تک رواۃ کا بیان ہے اگر مرفوع ہو تو رسول اللہ ﷺ تک بیان ہے۔ اگر موقوف تو صحابی تک بیان ہے اگر مقطوع ہو تو تابعی تک بیان ہے (۴۴۳)۔

ابن الصلاح نے کہا: محدثین کے ہاں تصنیف کے دو طریقے ہیں: احداهما: التصنيف على الأبواب، وهو تخريجه على أحكام الفقه وغيرها (۴۴۴) (ایک ابواب کے لحاظ سے تصنیف وہ احکام فقہ وغیرہ کے لحاظ سے تخریج ہے)۔ اس کا مطلب لوگوں کے سامنے لانا اور اپنی کتاب میں بیان کرنا ہے۔

اخراج الحدیث کا معنی اصل کتب میں اس کا بیان کرنا ہے امام سخاوی نے لکھا ہے: التخريج اخراج المحدث الأحاديث من بطون الأجزاء والمشيخات والكتب ونحوها وسياقها من مرويات نفسه أو بعض شيوخه أو أقرانه أو نحو ذلك والكلام عليها وعزوها من رواها من أصحاب الكتب والدواوين (۴۴۵) (محدث کا احادیث کو اجزائے احادیث، مشیخات اور کتب سے روایت کرنا ہے-اسے اپنی مرویات میں سے، یا اپنے بعض اساتذہ کی مرویات سے، یا اپنے ہم عصروں وغیرہ سے روایت کرنا، ان پر گفتگو کرنا اور کتب احادیث اور دواوین احادیث میں سے جس کسی نے بیان کیا ہو تو اس کی طرف منسوب کرنا ہے)۔

امام سیوطی نے اپنی کتاب الجامع الصغیر میں فرمایا: بالغت في تحرير التخريج (میں نے تخریج کی پوری کوشش کی ہے)۔ امام عبدالرؤف المناوی نے سیوطی کی اس عبارت کی شرح میں لکھا ہے: بمعنى اجتهدت في تهذيب عزو الأحاديث الى مخرجيها من أئمة الحديث، من الجوامع والسنن والمسانيد، فلا أعزو إلى شيء منها إلا بعد التفتيش عن حاله وحال مخرجه، ولا أكتفي بعزوه من ليس من أهله — وإن جل — كعظماء المفسرين (۴۴۶) (میں نے احادیث کو ان کے اصل مصادر کی طرف منسوب کرنے کی انتہائی کوشش کی ہے۔ آئمہ حدیث میں جس امام نے اس حدیث کو اپنی الجامع، السنن یا المسند میں روایت کیا، میں کسی حدیث کو اس کو بیان کرنے والے کی طرف تحقیق کے بغیر منسوب نہیں کروں گا، اور نہ

اس کو اس کی طرف منسوب کروں گا جو اس کا اہل نہ ہو اگرچہ وہ عام لحاظ سے بڑا آدمی ہو جیسے عظیم مفسر ہیں)۔

ان تمام تعریفوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اصطلاحی لحاظ سے تخریج حدیث کا مطلب ہے اس حدیث کو اس کتاب کی طرف منسوب کرنا جس میں ابتداء میں بیان ہوئی ہو۔ خواہ وہ کتاب مسند ہو یا جامع، سنن ہو یا معجم۔ اگر ابتدائی طور پر کسی بھی اصل کتاب میں ہو خواہ وہ چھوٹی کتاب ہو جیسے امام بخاری کی جزء رفع الیدین یا جزء القراءۃ وغیرہ۔ کیونکہ امام بخاری امیر المؤمنین فی الحدیث اور ابتدائی محدث ہیں۔ اگر کوئی حدیث صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں آ گئی تو صحت بتانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ان کتب کی صحت پر اتفاق ہے ورنہ اگر السنن کی کسی کتاب میں ہو تو صحت کا جاننا ضروری ہے اس سلسلہ میں معروف محدث الشیخ محمد ناصر الدین البانیؒ کی کتب صحیح سنن ترمذی، صحیح سنن ابی داؤد، صحیح سنن نسائی اور صحیح سنن ابن ماجہ بہت مفید ہیں۔ انہوں نے چاروں سنن کی ضعیف بھی الگ کر کے لکھی ہیں جو چھپ گئی ہیں۔ اسی طرح ان کی دیگر کتب سلسلہ الاحادیث الصحیحہ اور سلسلہ الاحادیث الضعیفہ میں بھی انھوں نے احادیث کی وضاحت کر دی ہے۔ جزاہ اللہ خیرًا۔

تخریج حدیث کی اہمیت

فن تخریج حدیث کو جاننا علم حدیث کے طالب علم کے لیے بے حد ضروری ہے۔ اس علم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ ہر دینی گفتگو اور تحریر میں احادیث کا ذکر آتا ہے۔ جن کا اعتبار احادیث کے ماخذ اور مراتب کے علم پر موقوف ہے۔ تخریج حدیث کو جاننا اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث کے اصلی مصادر تک کیسے رسائی ہو سکتی ہے۔ علم حدیث کا کوئی طالب علم کسی حدیث سے اس وقت تک استفادہ نہیں کر سکتا جب تک اسے پتہ نہ چلے کہ مصنفین نے اس حدیث کو کس کتاب میں سے بیان کیا ہے۔ تخریج حدیث کے ذریعے ہی حدیث کے اصلی مصادر اور ان آئمہ کا پتہ چلتا ہے جنھوں نے اس کو بیان کیا ہو۔

تخریج حدیث کے فوائد

علم تخریج حدیث کے بے شمار فوائد ہیں جن میں چند درج ذیل ہیں:

۱۔ معرفت مصدر یا مصادر حدیث: حدیث کی تخریج سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اس حدیث کو کن آئمہ حدیث نے اپنی کتابوں میں کن مقامات پر شامل کیا ہے۔

۲۔ اگر ایک حدیث کسی ایک ہی کتاب میں کئی مقامات پر ہو مثلاً صحیح بخاری میں ایک حدیث جو پانچ مقامات پر ہے تو ممکن ہے امام بخاری اسے ایک سے زیادہ جگہ بیان کر کے جہاں ایک ہی حدیث سے مختلف احکامات کا استنباط کر رہے ہوں وہیں اس کی الگ الگ اسناد روایت بھی کر رہے ہوں یوں ایک حدیث کی پانچ سندوں کا پتہ چل سکتا ہے۔اسی طرح سے حدیث کی دس بارہ کتابوں سے وہ حدیث مل جائے تو ہمیں اس حدیث کی کئی سندوں کا پتہ چلتا ہے۔جس سے اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ کثرت اسناد کی معرفت سے سند کی پوری معلومات حاصل ہوتی ہیں اور مختلف سندوں کا تقابل کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ کونسی حدیث معضل کونسی مرسل اور کونسی منقطع ہے۔

۴۔ کثرت طرق حدیث سے اگر ایک حدیث ایک سند سے تو ضعیف ہو اور دوسری سند سے وہ صحیح ہو یا ایک سند سے منقطع ہو تو ممکن ہے کہ دوسری سند سے متصل ہو۔اس سے مزید معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

۵۔ کثرت طرق حدیث سے ہمیں احادیث کے متابعات اور شواہد مل جاتے ہیں جن سے ہم ضعف کی بجائے اس پر حسن کا حکم لگا سکتے ہیں۔

۶۔ حدیث کے بارے میں ہمیں مختلف آئمہ کے اقوال ملتے ہیں کہ انہوں نے اس کی صحت یا ضعف کے بارے میں کیا حکم لگایا ہے۔

۷۔ سند میں مہمل راویوں کا پتہ چل جاتا ہے کیونکہ ایک سند میں کوئی راوی مہمل ہوتا ہے جبکہ کسی دوسری سند کے اندر اس مہمل راوی کا پتہ چل جاتا ہے۔ مثلاً عن احمد یا عن محمد ایک سند میں جبکہ دوسری سند اس کے باپ یا قبیلہ کی نسبت کا ذکر ہو تو راوی کی تعیین ہو جاتی ہے۔

۸۔ مبہم راوی کا تعین ہو جاتا ہے مثلاً ایک روایت میں یہ لفظ ہوتے ہیں ''عن الرجل'' یا

"عن فلان" لیکن تخریج حدیث سے اس روایت کی دوسری سند کے اندر اس کا نام آ جاتا ہے اور یوں نام کا پتہ چل جاتا ہے۔

۹۔ جو راوی "معنعنہ" کے ساتھ مدلس ہو اس کا شک دور ہو جاتا ہے ایک سند کے اندر وہ مدلس راوی "عن" کے ساتھ روایت کرتا ہے لیکن دوسری سند کے ساتھ "سمعت" یا "حدثنا" کہہ کر اپنے استاد سے وہ متصل بیان کرتا ہے اس سے سند سے انقطاع ختم ہو جاتا ہے۔ اور مدلس کا "عن" سے روایت کرنا ظاہر ہو جاتا ہے کہ دراصل اس کی سند متصل ہے۔ یوں اس کا عن سے روایت کا کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۰۔ روایت میں اختلاط کا زائل ہونا

جب کوئی ایسی حدیث ہو جس میں مختلط راوی ہو اور ہمیں یہ پتہ نہ چلے کہ اس راوی کے اختلاط سے پہلے بیان کیا گیا ہے یا بعد میں بیان کیا گیا ہے۔ جب حدیث کی تخریج کی جاتی ہے تو اس سند کے علاوہ کسی اور سند میں یہ پتہ چل جاتا ہے کہ اس نے اختلاط سے قبل اسے روایت کیا ہے۔

۱۱۔ روایت کے صحیح راویوں کا پتہ چلنا

بعض اوقات سند میں راوی کی کنیت، لقب یا نسبت کا ذکر ہوتا ہے اور کئی راویوں کی کنیتیں اور لقب ایک جیسے ہوتے ہیں۔ تخریج حدیث کی صورت میں مختلف سندوں کے اندر کسی نہ کسی سند میں اس کے نام کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

۱۲۔ روایت میں زیادتی کی معرفت

بعض اوقات روایت ایسی ہوتی ہے کہ حکم صریح کا ہمیں پتہ نہیں چلتا لیکن کئی روایات سامنے آنے کی صورت میں اصل حکم کا پتہ چل جاتا ہے اور معنی واضح ہو جاتے ہیں۔

۱۳۔ غریب کے معنی کا بیان

بعض اوقات حدیث کے اندر کوئی غریب لفظ ہوتا ہے تو دوسری روایت کی تخریج سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ بعض اوقات دوسری روایت میں وہ غریب لفظ

نہیں ہوتا یا کسی اور سند کے ساتھ بیان کردہ حدیث میں اس کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

۱۴۔ شذوذ کے حکم کا زائل ہونا

بعض اوقات کوئی حدیث شاذ ہوتی ہے لیکن جب زیادہ روایات کا ہمیں پتہ چلتا ہے تو کسی اور سند کے ساتھ جو روایت آتی ہے اس سے اس کا شاذ ہونا ختم ہو جاتا ہے۔

۱۵۔ مدرج کا بیان

بعض اوقات کسی حدیث کے متن میں کوئی راوی اپنا کلام داخل کر دیتا ہے۔ روایات کے تقابل سے راوی کے کلام کے داخل کرنے کا پتہ چل جاتا ہے۔

۱۶۔ نقص کی وضاحت

بعض اوقات کسی حدیث کا کوئی حصہ راوی بھول جاتا ہے یا اس کو مختصر کر دیتا ہے۔ تخریج حدیث سے ہمیں بھولے ہوئے یا مختصر کیے ہوئے حصے کا پتہ چل جاتا ہے۔

۱۷۔ اوہام اور رواۃ کی غلطیوں کا انکشاف

بعض اوقات راوی کوئی غلطی کرتا ہے یا اسے روایت میں وہم ہوتا ہے تو تخریج حدیث سے ہمیں اس وہم اور غلطی کا پتہ چل جاتا ہے۔

۱۸۔ معرفت روایت باللفظ

بعض اوقات کوئی راوی حدیث بالمعنی بیان کرتا ہے اور تخریج حدیث سے ہمیں روایت باللفظ کا پتہ چل جاتا ہے۔

۱۹۔ واقعات کے وقت اور مقام کا بیان

کثرت روایات سے یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ ہمیں اس کے زمانے اور مقام کا پتہ چلے کیونکہ بعض راوی اس کا ذکر کر دیتے ہیں۔

۲۰۔ کاتبوں کی غلطیوں کا علم

بعض اوقات کوئی ناسخ (کاتب) سند یا متن میں غلطی کرتا ہے تو تخریج حدیث سے دیگر روایات میں اس کی وضاحت ہو جاتی ہے (۴۴۷)۔

فن تخریج حدیث کا ارتقائی جائزہ

دینی علوم کا اصل ماخذ کتاب وسنت ہے۔ ہر آدمی جو علوم دین کے بارے میں کلام کرنا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ کلام مجید اور حدیث نبوی، آثار صحابہ اور تابعین سے دلیل لائے۔ قرآن مجید حتمی کتاب ہے۔ نہ اس میں کمی ہو سکتی ہے نہ زیادتی۔ اس کے احکامات اور آیات و دلائل تخریج سے بالا ہیں۔ حدیث نبوی کے معاملہ میں غور وفکر ضروری ہے کیونکہ احادیث میں متواتر، خبر احاد، صحیح، حسن ضعیف اور موضوع ہر قسم کی روایات شامل ہوتی ہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ان کی پوری طرح سے وضاحت ہو۔

ابتدائی چند صدیوں میں حدیث سے متعلق وسعت معلومات کی بنا پر احادیث کی تخریج کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ اس لیے کہ حدیث کے سامنے آتے ہی اہل علم کے ذہنوں میں اس کے مآخذ آ جاتے تھے۔ مگر بعد میں علوم وفنون کی کثرت و وسعت اور علوم حدیث سے عدم واقفیت کی بنا پر اس کی ضرورت محسوس کی گئی تا کہ عام طالبین تحقیق کا وقت مطلوبہ احادیث کی تحقیق میں صرف نہ ہو۔ چنانچہ بعض محققین نے تفسیر، فقہ اور تاریخ وغیرہ کی کتابوں میں ذکر کردہ احادیث کی مستقل کتابوں کی صورت میں تخریج کی ہے(۴۴۸)۔

اخذ حدیث میں تحقیق کی ابتداء صحابہ کرامؓ کے زمانہ سے ہو گئی تھی۔ خلفاء راشدین رضی اللہ عنھم حدیث کو صحابہ کرامؓ سے بھی تحقیق کے بعد لیتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے دادی کی وراثت کے سلسلے میں تحقیق سے کام لیا(۴۴۹)۔ اس طرح حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے سلام کے سلسلے میں بیان کردہ روایت کی تحقیق کی (۴۵۰)۔ اسی طرح حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے عورت کے اسقاط حمل کے بارے میں مشورہ کیا تو حضرت مغیرہ نے فرمایا: اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ایک غلام کی دیت دینے کا فیصلہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر آپ سچے ہیں تو کسی اور کو بھی گواہ لائیں جو اس بات کو جانتا ہو۔ حضرت محمدؓ بن مسلمہ نے اس بات کی گواہی دی کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح فیصلہ کیا ہے(۴۵۱)۔ اسی طرح حضرت علیؓ روایت کے سلسلے میں سوائے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے صحابہ کرامؓ سے قسم لیتے تھے(۴۵۲)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں۔ ہم رسول اللہؐ سے حدیثوں کو بیان کرتے تھے اور انہیں یاد کرتے تھے جب لوگوں نے غلط سلط بیان کرنا شروع کر دیا تو ہم بہت احتیاط کرنے لگے(۴۵۳)۔

حدیث کی تحقیق وتثبیت کے متعلق صحابہ کرامؓ کے بہت سے اقوال ہیں، اسی طرح سے تابعین سے بھی کہ وہ حدیث کو دیکھتے ہوئے اس کی سند کو اچھی طرح دیکھتے تھے اور اہل سنت کی حدیث کو لیتے اور بدعتی کی حدیث کو نہیں لیتے تھے۔ تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں احادیث کی جمع وتدوین کا کام شروع ہوا تو بعض محدثین نے احادیث کی مستقل کتابیں لکھیں جیسے امام مالکؒ اور ان کے بعد کے دور کے لوگ اور امام شافعیؒ وغیرہ، اس طرح سے اس زمانے کی بعض کتب میں مراسیل، معلقات اور معضل روایات بھی آ گئیں۔ یہاں تک کہ حضرت امام بخاریؒ نے اپنی الجامع الصحیح میں ترجمۃ الابواب میں بعض معلق روایات بھی لکھیں۔ جن کو انہوں نے بعض اور مقامات پر متصل بیان کیا اور بعض کے متعلق صحیح بخاری کی شروح میں ان کا متصل ہونا بیان کیا گیا۔

حافظ ابن حجرؒ نے ایک کتاب بنام تغلیق التعلیق لکھی جس میں بخاری شریف میں معلق روایات کی پوری تفصیل بیان کی ہے یہ کتاب مطبوع ہے۔ اسی طرح سے باقی کئی لوگوں نے بھی دیگر کتب احادیث کے بارے میں ایسا ہی کیا۔ حافظ ابوعمر احمد بن خالد قرطبیؒ (م۳۲۲ھ) نے بھی ''مسند مؤطا'' لکھی۔

حافظ ابوعمر یوسف بن عبدالبرؒ (م۴۶۳ھ) نے ''کتاب التمھید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید'' لکھی۔ اس میں انہوں نے مؤطا کی تمام احادیث کو سند سے بیان کیا اور جن روایات کو امام مالک نے موصول یا مرسل بیان کیا ان پر کلام کیا اور چار روایات کے علاوہ تمام مراسیل کو متصل بیان کیا۔ اسی طرح سے امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقیؒ (م۴۵۸ھ) نے کتاب ''معرفة السنن والآثار'' کتاب لکھی جس میں انہوں نے وہ روایات لکھیں جن سے امام شافعیؒ نے اپنی کتب میں دلیل پکڑی۔ اسی طرح سے امام قضاعیؒ (م۴۵۴ھ) نے ''مسند الشھاب'' لکھی جو کہ دراصل تخریج احادیث ہی کی ایک کتاب ہے۔ اس فن میں باقاعدہ طور پر چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں کام ہوا۔

چھٹی صدی ہجری میں ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسیؒ (م ۵۰۷ھ) نے ''احادیث الشہاب'' لکھی جس میں انہوں نے قضاعی کی احادیث کو مسند بیان کیا۔ حافظ ابو منصور شہر دار بن شیرویہ الدیلمیؒ (م ۵۵۸ھ) نے کتاب ''احادیث کتاب الفردوس'' لکھی جس میں انہوں نے اپنے والد کی کتاب مسند الفردوس کی تخریج کی اور اسے حروف معجم کے لحاظ سے مرتب کیا۔ اس میں دس ہزار احادیث ہیں جن میں سے زیادہ تر موضوع اور منکر ہیں۔

حافظ ابوبکر محمد بن موسیٰ الحازمیؒ (م ۵۸۴ھ) نے ابواسحٰق شیرازیؒ کی کتاب ''المھذب فی الفقہ الشافعی'' کی تخریج کی۔ کتاب کا نام ''تخریج المھذب'' رکھا۔ عبداللہ بن یوسف الزیلعیؒ (م ۷۶۲ھ) نے ''نصب الرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ'' لکھی۔ جس کا خلاصہ ''الدرایہ'' کے نام سے حافظ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) نے لکھا۔ یہ دونوں کتب مطبوع ہیں۔ برہان الدین مرغینانیؒ (م ۵۹۳ھ) کی الھدایہ کی تخریج علاؤ الدین محمد بن عثمان المازنی المعروف الترکمانیؒ (م ۷۵۰ھ) نے بھی کی اور کتاب کا نام ''الکفایہ فی المعرفۃ لحدیث الھدایہ'' لکھا۔

ولی الدین ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزیؒ (م ۷۴۹ھ) نے امام بغویؒ (م ۵۱۶ھ) کی کتاب ''مصابیح السنۃ'' کی احادیث کی تخریج کی اور اس کے ہر باب میں تیسری فصل کا اضافہ کیا اور کتاب کا نام ''مشکوٰۃ المصابیح'' رکھا اس کام کی تکمیل ۷۳۷ھ میں کی۔ مختصر ابن حاجب کی تخریج حافظ شمس الدین محمد بن احمد بن عبدالھادیؒ (م ۷۴۴ھ) نے کی۔

اسی طرح کئی اور لوگوں نے آٹھویں صدی ہجری میں مختلف کتابوں کی احادیث کی تخریج کی۔ نویں صدی ہجری میں ابوالمعالی محمد بن ابراہیمؒ (م ۸۰۳ھ) نے ''احادیث المصابیح'' کی تخریج کی اور ''الشرح الکبیر للرافعی'' کی احادیث کی تخریج سراج الدین عمر بن علی المعروف ابن ملقنؒ (م ۸۰۴ھ) نے کی اور اس کا نام ''البدر المنیر فی تخریج الاحادیث والآثار الواقعہ فی الشرح الکبیر'' رکھا۔

امام غزالیؒ کی احیاء العلوم کی احادیث کی تخریج زین الدین ابوالفضل عبدالرحیم بن الحسین عراقیؒ (م ۸۰۶ھ) نے ''إخبار الأحياء بأخبار الإحياء'' کے نام سے کی۔ بعض نے اس کا نام ''المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار'' لکھا ہے۔ دسویں صدی میں حافظ محمد بن عبدالرحمٰن

سخاویؒ (م ۹۰۲ھ) نے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کتاب ''غنیة الطالبین'' کی تخریج بنام ''البغیة بتخریج الاحادیث الغنیة'' لکھی۔ اسی طرح سے جلال الدین عبدالرحمان سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) نے ''الشفا'' کی احادیث کی تخریج ''مناھل الصفا'' کے نام سے لکھی۔ اس صدی میں اور بھی کئی لوگوں نے کام کیا۔

گیارھویں صدی میں ملاعلی قاریؒ (م ۱۰۱۴ھ) نے ''شرح عقائد نسفیہ'' کی احادیث کی تخریج کی۔ اسی طرح سے عبدالرؤف المناویؒ (م ۱۰۳۱ھ) نے تفسیر بیضاوی کی احادیث کی تخریج بنام ''تحفة الراوی فی تخریج احادیث البیضاوی'' کی۔

اسی طرح تفسیر البیضاوی کی احادیث کی تخریج محمد بن حمات زادہؒ (م ۱۱۷۵ھ) نے کی۔ عبدالستار بن عبدالوہاب صدیقی ہندیؒ نزیل مکہ (م ۱۳۵۴ھ) نے شعرانی کی کتاب ''کشف الغمہ'' کی احادیث کی تخریج کی (۴۵۴)۔ اسی طرح مولانا وحیدالزمانؒ نے ''تخریج احادیث شرح العقائد للتفتازانی'' لکھی۔ شیخ احمد صبغۃ اللہ مدراسیؒ نے ''تخریج احادیث مفوۃ'' لکھی۔ شیخ محمد سعید صبغۃ اللہ مدراسی نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکاتیب میں ذکر کردہ احادیث کی تخریج المسمیٰ: ''نشید المبانی فی تخریج احادیث مکتوبات الربانی'' لکھی (۴۵۵)۔ راقم الحروف نے ''حمیدیة الزمان بافضلیة الرسول الاعظم بنصّ القرآن'' تصنیف منیر دمشقی کی احادیث کی تخریج کی (۴۵۶)۔ اسی طرح ہم نے مولانا ابوالقاسم بنارسیؒ (۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء) کی کتاب ''جمع القرآن والاحادیث'' کی تخریج کی (۴۵۷)۔

تخریج حدیث کے طریقے

تخریج حدیث کے کئی طریقے ہیں جن میں اہم درج ذیل ہیں:

۱۔ راوی کی معرفت کے طریقے سے تخریج۔

۲۔ حدیث کے موضوع کی معرفت کے طریقے سے تخریج۔

۳۔ حدیث کے پہلے حصے کی معرفت کے طریقے سے تخریج۔

۴۔ متن وسند کے لحاظ سے حدیث کی تخریج۔

۵۔ حدیث کے الفاظ کے ذریعے تخریج (۴۵۸)۔

ا۔ راوی کی معرفت کے طریقے سے تخریج

اس طریقے میں ہم راوی کا نام معلوم ہونے کی بنا پر حدیث معلوم کر لیتے ہیں اس میں صحابی کا نام معلوم ہونا ضروری ہے لیکن اگر راوی صحابی کا نام معلوم نہ ہو تو اس طریقے سے حدیث معلوم نہیں کی جا سکتی۔ اس طریقے میں ہم مندرجہ ذیل تین قسم کی کتب سے مدد لے سکتے ہیں:

(i) المسانید

ا۔ مسند ابی داؤد، سلیمان بن داؤد الطیالسی (م ۲۰۴ھ)۔

۲۔ مسند اسد بن موسیٰ الاموی (م ۲۱۲ھ)۔

۳۔ مسند الحمیدی (م ۲۱۹ھ)۔

۴۔ مسند امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ)۔

۵۔ مسند ابی یعلی الموصلی (م ۳۰۷ھ)۔

یہ مسانید صحابہ کے نام پر مرتب ہوئی ہیں اور ان کے نام حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب ہوئے ہیں۔ بعض اوقات یہ نام اسلام میں سبقت کی بنا پر مرتب کئے جاتے ہیں۔ بعض اوقات قبائل اور شہروں کے لحاظ سے ترتیب دی جاتی ہیں۔ بطور مثال مسند ابی داؤد طیالسی میں ترتیب اس طرح سے ہے۔ سب سے پہلے عشرہ مبشرہؓ کی احادیث کو لیا گیا ہے اور ان میں سے احادیث ابی بکر الصدیقؓ کو پہلے لیا گیا ہے۔ ان کی پہلی حدیث یہ لکھی ہے۔ ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کوئی گناہ کرے پھر وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے پھر اللہ سے استغفار کرے تو اس کو بخش دیا جائے گا (۴۵۹)۔ اس کے بعد باقی لوگوں کی احادیث لکھی ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ نے مسند میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ابتدا کی ہے اور پھر باقی تین خلفاءؓ اور پھر عشرہ مبشرہؓ میں سے باقی لوگوں کی احادیث لکھی ہیں پھر دیگر صحابہ کرامؓ کی احادیث ہیں (۴۶۰)۔

(ii) المعاجم

معجم میں حدیث کی ترتیب مسانید صحابہ، بلدان یا شیوخ کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ عام طور پر

معجم حروف کے لحاظ سے مرتب کی جاتی ہیں۔ معجم کی مشہور کتابیں:

۱۔ المعجم الکبیر: ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (م ۳۶۰ھ) یہ حروف معجم کے لحاظ سے مرتب کی گئی ہے۔

۲۔ المعجم الاوسط: ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (م ۳۶۰ھ)۔

۳۔ المعجم الصغیر: ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (م ۳۶۰ھ)۔

۴۔ المعجم الصحابہ: ابوعلی احمد بن علی الموصلی (م ۳۰۷ھ)۔

۵۔ المعجم الصحابہ: احمد بن علی الھمدانی (م ۳۹۸ھ)۔

بطور مثال المعجم الصغیر میں طبرانی نے ایک ہزار ایک سو اکسٹھ (۱۱۶۱) احادیث لکھی ہیں۔ اس کتاب کو انہوں نے اساتذہ کی ترتیب سے لکھا ہے۔ لکھتے ہیں: هذا اول كتاب فوائد مشائخي الّذين كتبت عنهم بالأمصار، خرجت عن كل واحد منهم حديثًا واحداء وجعلت أسماء هم على حروف المعجم(۴۶۱)۔

(iii)۔ کتب الاطراف

یہ کتب عام طور پر مسانید صحابہ کے لحاظ سے مرتب کی جاتی ہیں۔ ان کے نام حروف معجم کے لحاظ سے لکھے جاتے ہیں مثلاً وہ صحابی جن کے نام الف سے شروع ہوتے ہیں وہ پہلے پھر باء سے شروع ہونے والے نام آتے ہیں۔ اس طرح باقی ناموں کی ترتیب ہوتی ہے۔ اس قسم کی کتب کا انحصار حدیث کی ایک طرف (ابتداء) پر ہوتا ہے جو کہ باقی پر دلالت کرتی ہے پھر وہ سندیں بیان کی جاتی ہیں جن کے ذریعے مذکورہ متن بیان کیا گیا ہے۔ اس فن کی مشہور کتب درج ذیل ہیں:

۱۔ تحفة الاشراف بمعرفة الاطراف، حافظ جمال الدین یوسف بن عبدالرحمٰن المزی (م ۷۴۲ھ)۔ اس میں کتب ستہ اور بعض دیگر کتب کی احادیث ہیں۔

۲۔ ذخائر المواریث فی الدلالة علی مواضع الحدیث، شیخ عبدالغنی النابلسی الدمشقی (م ۱۱۴۳ھ)۔ اس میں کتب ستہ اور مؤطا امام مالک کی احادیث ہیں۔

بطور مثال تحفۃ الاشراف کے ابتداء میں مقدمہ ہے اس کے بعد رموز کتاب کی وضاحت ہے

پھر ابتدا میں حرف الالف میں پہلے نمبر پر ابیض بن حمال الحمیری المار بی ہے:

۱۔ انہ وفد الی النبیﷺ فاستقطعه الملح الّذی بمآرب: الحدیث.. د فی الخراج... ت فی الاحکام...س فی احیاء الموات(فی الکبری) .. ق فی الاحکام(۲۶۲)۔

۲۔ حدیث کے موضوع کی معرفت کے طریقے سے تخریج

اس طریقے میں وہ شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے جو حدیث کے موضوعات کا علمی ذوق رکھتا ہو۔ عام طور پر اس طریقہ سے تلاش کی جانے والی حدیث کئی موضوعات سے متعلق ہوتی ہے۔ مطالعہ حدیث کرنے والے اساتذہ وطلباء احادیث کے موضوعات کو اچھی طرح سے سمجھتے ہیں۔ موضوع کا تعین کر کے حدیث تین قسم کی کتابوں سے تلاش کی جاسکتی ہے:

i۔ عام مشہور کتابیں: وہ کتب جن میں کئی قسم کی احادیث ہوتی ہیں۔

۱۔ الجوامع	۲۔ المستخرجات علی الجوامع
۳۔ المستدرکات علی الجوامع	۴۔ المجامیع
۵۔ الزوائد	۶۔ کتاب مفتاح کنوز السنة

۱۔ الجوامع

جوامع ''جامع'' کی جمع ہے اور محدثین کی اصطلاح میں جامع ہر اس حدیث کی کتاب کو کہتے ہیں کہ جس میں تمام قسم کی ضروری احادیث موجود ہوں۔ مثلاً عقائد، احکام، رقاق (نرمی)، کھانے پینے، سفر و قیام کے آداب اور تفسیر کے متعلقات، تاریخ و سیر، فتن اور مناقب و مثالب وغیرہ موجود ہوں۔ مشہور ترین جامع، الجامع الصحیح للبخاری والجامع الصحیح لمسلم ہے۔

۲۔ المستخرجات علی الجوامع

''مستخرجات'' (مستخرج) کی جمع ہے اور محدثین کے ہاں مستخرج وہ کتاب حدیث ہے کہ جس کا مصنف کسی ایک کتاب کا استخراج کرتے ہوئے اس کتاب کی احادیث کو اپنی ذاتی سند سے بیان کرتا ہے اور صاحب کتاب کی سند کو چھوڑتا ہے اور یہ مستخرج صاحب کتاب کے ساتھ اس کے استاد اور یا

پھراوپر جاکرل جاتا ہے اگر چہ صحابی میں ہی ملے اور اسکی شرط یہ ہے کہ وہ اتنے دور والے شیخ کے ساتھ نہ جا ملے کہ قریب والے تک پہنچانے والی سند مفقود ہوکر ہی رہ جائے۔ بسا اوقات مستخرج اُن احادیث کو حذف کر جاتا ہے جن کی اسے اپنی پسند کی سند نہیں ملتی اور بسا اوقات ان کی صاحب کتاب کے طریق سے ذکر بھی کر دیتا ہے مثلاً مستخرج اسماعیلی علی البخاری۔

۳۔ المستدرکات علی الجوامع

المستدرکات جمع ہے "مستدرک" کی۔ ہر اس کتاب کو مستدرک کہا جاتا ہے جس میں اس کا مؤلف ایسی احادیث ذکر کرے جن کا کسی اور کتاب پر اس نے استدراک کیا ہو اور اس پہلی کتاب سے وہ روایات رہ گئی ہوں جبکہ یہ روایات اس کتاب کی ہی شروط پر ہوں جیسے (مستدرک علی الصحیحین)۔

۴۔ المجامیع

یہ "مجمع" کی جمع ہے اور مجمع ہر اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں مصنف کتاب بہت سی تصنیفات کی احادیث کو جمع کر دیتا ہے اور اس کتاب کی ترتیب وہی ہوتی ہے جو ان کتابوں کی جن کی احادیث کو اس نے جمع کیا ہے۔

۵۔ الزوائد

وہ تصنیفات جن میں ان کے مؤلفین ایسی احادیث جمع کرتے ہیں جو کہ بعض کتابوں میں نہیں ہوتیں اور دوسری کتب میں وہ موجود ہوتی ہیں۔

۶۔ مفتاح کنوز السنہ

اس کتاب میں موضوعاتی فہرست کو مدّ نظر رکھا گیا ہے۔ اس کا مصنف مستشرق ڈاکٹر ارند جان ہے۔ یہ انگریزی تصنیف ہے مگر استاذ محمد فواد عبدالباقی نے تصحیح و تنقیح کے بعد اس کا عربی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ اس میں مؤلف نے چودہ کتابوں کی احادیث کی فہرست مرتب کی ہے۔ اس کتاب کی تیاری میں مصنف کو دس سال کا طویل عرصہ لگا اور مترجم رحمۃ اللہ کو چار سال ترجمہ کرتے ہوئے لگ گئے۔

ii۔ ایسی کتب حدیث جو دین کے اکثر ابواب اور موضوعات پر مشتمل ہوں:

۱۔ الموطات ۲۔ السنن ۳۔ المصنفات

۱۔ الموطات

مؤطات، مؤطا کی جمع ہے۔ لغوی طور پر ہموار کی ہوئی جگہ کو کہتے ہیں۔ محدثین کی اصطلاح میں ہر وہ کتاب جس کی ترتیب فقہی ابواب بندی کے مطابق ہو۔ اس میں مرفوع، موقوف اور مقطوع تمام قسم کی احادیث موجود ہوں مؤطا کہلاتی ہے اور مؤطا کو مؤطا اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا مصنف اسے لوگوں کیلئے آسان بنا کر پیش کرتا ہے۔ اس صنف کی مشہور کتاب مؤطا امام مالک ہے۔

۲۔ السنن

ایسی کتب حدیث جن کی ترتیب فقہی ابواب بندی پر ہو، لیکن ان میں صرف مرفوع احادیث مذکور ہوتی ہیں، موقوف اور مقطوع قسم کی روایات ان میں نہیں ہوتیں۔ مشہور سنن میں سے سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ سنن نسائی ہیں۔

۳۔ المصنفات

ایسی کتب جن کو فقہی ابواب بندی کے تحت مرتب کیا گیا ہو۔ اور ان میں مرفوع، موقوف اور مقطوع تمام قسم کی احادیث مذکور ہوں، یعنی ان میں احادیث نبویہ، اقوال صحابہ، تابعین کے فتوے اور بسا اوقات تبع تابعین کے فتاویٰ بھی ہوتے ہیں۔ جیسے مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ (م ۲۳۵)۔

iii۔ ایسی کتب حدیث جو کسی ایک موضوع پر مشتمل ہوں

۱۔ اجزاء: یہ جزء کی جمع ہے اور محدثین کی اصطلاح میں جزء اس کتاب کو کہتے ہیں:

(i) جس میں صرف ایک صحابی یا تابعی کی مرویات جمع کی گئی ہوں۔

(ii) جس میں ایک ہی موضوع سے متعلقہ احادیث کو جمع کیا گیا ہو۔

جیسے جزء رفع الیدین فی الصلوٰۃ و جزء القراءۃ خلف الامام۔ دونوں کے مصنف امام بخاری (م ۲۵۶ھ) ہیں۔

۲۔ الترغیب والترھیب

کتب ترغیب وترھیب میں ایسی احادیث کو جمع کیا جاتا ہے کہ جن میں آپ ﷺ نے کسی مستحسن کام کا مطالبہ امر کے ساتھ کیا ہو جیسے برالوالدین اور ایسی احادیث جن میں برے کاموں سے منع کر کے ترھیب دلائی گئی ہو جیسے والدین کی نافرمانی والی احادیث۔ اس قسم کی کتب میں حدیث تلاش کرنا مشکل نہیں ہے۔ جیسے امام منذری (م۶۵۶ھ) کی الترغیب والترھیب۔

۳۔ حدیث کے پہلے حصے کی معرفت کے طریقے سے تخریج

اگر حدیث کے پہلے حصے کا علم ہو تو اس طریقے سے حدیث معلوم ہو سکتی ہے اور اگر پہلا کلمہ معلوم نہ ہو تو اس طریقے سے حدیث معلوم نہیں ہو سکتی۔ اس طریقہ سے تین قسم کی کتب میں احادیث ملتی ہیں۔

الف: مشہور احادیث کی کتب

ان کتب میں وہ احادیث ہوتی ہیں جو لوگوں کی زبان پر عام ہوتی ہیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہوتی ہیں۔ ان سے مراد اصطلاح حدیث کی وہ قسم نہیں جس میں تین راوی ہوں۔ یہاں مشہور سے مراد شہرت ہے۔

۱۔ المقاصد الحسنه فی بیان کثیر من الاحادیث المشتهرة علی الالسنة، محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی (م۹۰۲ھ)۔

۲۔ الدرر المنتشرة فی الاحادیث المشتهرة، جلال الدین سیوطی (م۹۱۱ھ)۔

۳۔ تمییز الطیب من الخبیث فیما یدور علی السنة الناس من الحدیث، عبدالرحمٰن بن علی بن الدیبع الشیبانی (ت۹۴۴ھ)۔

۴۔ التذکره فی الاحادیث المشتهره، بدرالدین محمد بن عبداللہ الزرکشی (م۷۹۴ھ)۔

۵۔ کشف الخفا ومزیل الالباس عما اشتهر من الاحادیث علی السنة الناس، اسماعیل بن محمد عجلونی (ت۱۱۶۲ھ) (یہ پانچوں کتب مطبوع ہیں) ان میں مشہور احادیث ہیں اور ان کا ابتدائی حصہ معلوم ہو تو احادیث مل جاتی ہیں۔

بطور مثال امام سیوطی نے ''الدرر المنتشرة فی الاحادیث المشتهرة'' میں الف

بائی ترتیب سے کل ۴۶۳ احادیث لکھی ہیں۔ پھر ۴۶۴ تا ۴۹۳ احادیث ترتیب کے بغیر لکھی ہیں۔ پہلی حدیث: ابغض الحلال الی الله الطلاق ہے (۴۶۳)۔ ترتیب میں آخری حدیث نمبر ۴۶۳: یا خیل الله ارکبی ہے (۴۶۴)۔ اسی طرح کا انداز اس قسم کی دیگر کتب میں بھی ہے۔

ب: وہ کتاب جن میں احادیث حروف معجم کی ترتیب سے مرتب ہوئی ہیں۔

الجامع الصغیر فی احادیث البشیرو النذیر، جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ)

الجامع الصغیر کو الف بائی ترتیب سے لکھا گیا ہے۔ مختصر مقدمہ کے بعد رموز کتاب لکھے ہیں۔ پہلے ہمزہ سے شروع کیا ہے۔

پہلی حدیث: آتی باب الجنة فاستفتح فیقول الخازن : من انت؟ فاقول: محمد، فیقول: بك امرت (حم۔م) عن انس لکھا ہے (۴۶۵)۔

ج: المفاتیح اور الفہارس جن کو علماء نے خاص کتب کے لیے تصنیف کیا ہے مثلاً:

- مفتاح الصحیحین: توقادی۔
- البغیة فی ترتیب احادیث الحلیة: غماری۔
- فہرس ترتیب احادیث ابن ماجہ: محمد فؤاد عبدالباقی۔
- فہرس مشکاۃ المصابیح، محمد جمیل العطار (دارالفکر بیروت، ۱۹۹۴ء)۔
- الاطراف السنیۃ لجمع الزوائد المطالب العالیہ، عمر (مکتبہ دارالطحاوی الریاض)۔
- فہارس الام، د۔ عبدالرحمٰن المرعشلی (دارالمعرفہ بیروت ۱۹۸۸ء)۔
- فہارس احادیث السنن الکبریٰ للبیہقی، عبدالرحمٰن یوسف، (دارالمعرفہ بیروت ۱۹۸۸ء)۔
- فہارس حلیۃ الاولیاء، ابو ہاجر السعید، (دارالفکر بیروت ۱۹۹۲ء)۔
- فہرس احادیث و آثار صحیح البخاری، عالم الکتب، بیروت۔
- فہارس صحیح مسلم، وھو المجلد الخامس الملحق بالکتاب، داراحیاء التراث العربی، بیروت۔
- فہارس (سنن) الدارمی، دارالکتب العلمیۃ، بیروت۔

فہارس السنن

- فہارس سنن ابی داؤد، دارالکتب العلمیۃ، بیروت۔
- فہارس سنن ابن ماجہ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت۔
- فہرس احادیث وآثار سنن الدارمي، عالم الکتب، بیروت۔
- فہرس احادیث وآثار سنن الدارقطنی، عالم الکتب، بیروت۔

فہارس المصنفات

- فہرس احادیث وآثار مصنف عبدالرزاق، عالم الکتب، بیروت۔
- فہرس احادیث وآثار مصنف ابن ابی شیبۃ، عالم الکتب، بیروت۔

فہارس الجامع

- معجم جامع الاصول، دارالفکر، بیروت۔
- المرشد إلی کنز العمال، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت۔
- مفتاح الوصول إلی التاج الجامع للأصول، دار إحیاء التراث العربي، بیروت۔

فہارس الزوائد

- فہرس احادیث موارد الظمآن، دار البشائر الإسلامیۃ، بیروت۔
- فہرس احادیث المطالب العالیۃ، دار المعرفۃ، بیروت۔
- فہرس احادیث کشف الاستار عن زوائد البزار، دارالکتب العلمیۃ، بیروت۔
- فہرس مجمع البحرین فی زوائد المعجمین، مکتبۃ الرشد، الریاض۔

فہارس المستدرکات

- الإبانۃ في ترتیب احادیث وآثار مسند ابی عوانۃ، مکتبۃ دار الأقصی، الکویت۔

فہارس کتب موضوع عام

- فهارس الترغیب والترهیب، دار إحیاء التراث العربی، بیروت۔

- قرّة عين المسعد بترتيب اطراف الأدب المفرد، مكتبة المعلا، الكويت۔
- فهرس احاديث كتاب الزهد، للإمام احمد، دار البشائر الاسلامية، بيروت۔
- فهرس احاديث وآثار كتاب الأموال لأبي عبيد، عالم الكتب، بيروت۔
- فهارس احاديث الأموال لحميد بن زنجويه والخراج ليحيى بن آدم القرشي والخراج لأبي يوسف، دار الهجرة، الرياض۔
- فهارس احاديث وآثار كتاب السنّه، لابن ابي عاصم، مكتبة الرشد، الرياض۔
- فهرس احاديث الزهد، لابن المبارك، دار البشائر الاسلامية، بيروت۔
- فهرس احاديث نوادر الأصول، للحكيم الترمذي، دار البشائر الاسلامية، بيروت۔
- كنوز الباحثين: التراجم والفهارس التفصيلية لكتاب رياض الصالحين، دار الفكر المعاصر، بيروت۔
- فهارس شعب الإيمان، للبيهقي، دار الكتب العلمية، بيروت۔
- فهرس الأحاديث التي رواها ابن ابي الدنيا (اطراف احاديث ۳۹ كتابا) دار ابن حزم، بيروت۔
- فهارس زاد المعاد، مؤسسة الرسالة، بيروت۔

فهارس كتب احاديث الاحكام

- فهرس الاحاديث والآثار، للمحلي، دار الراية، الرياض۔
- تنوير اولي الابصار بترتيب احاديث نيل الاوطار، دار الكتب العلمية، بيروت۔
- فهارس شرح معاني الآثار للطحاوي، دار الجيل، بيروت۔

فهارس كتب التخريج

- فهرس احاديث وآثار كتاب نصب الراية، عالم الكتب، بيروت۔
- فهارس التلخيص الحبير، دار المعرفة، بيروت۔

- فهارس الدراية في تخريج احاديث الهداية، دارالمعرفة، بيروت۔
- إسعاف الملحّين بترتيب احاديث إحياء علوم الدّين (وتخرجه) دار البشائر الاسلامية، بيروت۔
- فتح الوهّاب بتخريج احاديث الشهاب، عالم الكتب، بيروت۔

فهارس المسانيد

- فهرس احاديث وآثار مسند احمد، المكتب الاسلامی، بيروت۔
- فهرس احاديث مسند الحميدی، دارالبشائرالإسلامية، بيروت۔
- ترتيب اطراف احاديث مسند الطيالسی، مكتبة دارالاقصیٰ، الكويت۔
- فهارس مسند ابی يعلی الموصلي، دارالمامون للتراث، دمشق۔

فهارس المعاجم

- فهارس المعجم الاوسط، للطبرانی، مكتبة المعارف، الرياض۔
- فهارس المعجم الكبير، للطبرانی، داراحياءالتراث العربي، بيروت۔

فهارس كتب التزمت الصحّة سوى الصحيحين والمستدركات والمستخرجات السابقة

- فهارس صحيح ابن خزيمة، دارالكتب العلمية، بيروت۔
- فهرس الإحسان في تقريب صحيح ابن حبّان، مؤسسة الرسالة، بيروت۔

فهارس كتب يغلب على احاديثها الضعف إذا انفردت بإخراجها سوى كتب التراجم

- فهرس احاديث نوادر الاصول، دارالبشائرالإسلامية، بيروت۔
- فهرس الفردوس بمأثور الخطاب، دارالكتب العلمية، بيروت۔
- قبس الأنوار وتذليل الصعاب في ترتيب أحاديث الشهاب، المطبعة

العلمية، حلب۔

فهارس كتب الأحاديث الموضوعة

- فهارس كتاب الموضوعات، دار البشائر الإسلامية، بيروت۔
- الدرر المجموعة بترتيب احاديث اللآلىء المصنوعة، دار البشائر الإسلامية، بيروت۔
- فهارس احاديث الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة، مكتبة الرشد، الرياض۔
- التذكرة المشفوعة في ترتيب احاديث تنزيه الشريعة المرفوعة، البشائر الإسلامية، بيروت۔

فهارس كتب علل الحديث

- فهارس علل الحديث لابن ابى حاتم، دار المعرفة، بيروت۔

فهارس كتب المراسيل

- فهرس احاديث المراسيل لأبي داود، دار المعرفة، بيروت۔

فهارس كتب التفاسير

- فهرس احاديث تفسير البغوي، دار البشائر الإسلامية، بيروت۔
- فهرس احاديث تفسير القرآن العظيم لابن كثير، دار المعرفة، بيروت۔
- فهرس احاديث الدرر المنثور في التفسير بالمأثور، عالم الكتب، الرياض۔
- فهارس تفسير البحر المحيط لأبى حيّان، دار الكتب العلمية، بيروت۔
- فهارس الجامع لأحكام القرآن، دار إحياء التراث العربي، بيروت۔
- فهارس التفسير الكبير للرازي، دار الكتب العلمية، بيروت۔
- فهارس روح المعاني للآلوسي، دار الكتب العلمية، بيروت۔

فهارس كتب الشروح

- فهارس إتحاف السّادة المتّقين ،دار إحياء التراث العربي، بيروت۔
- فهارس فتح الباري ،دار الكتب العلمية، بيروت۔
- فهارس الفتح الربّاني ،دار الجيل، بيروت۔
- فهارس التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد المغرب، وزارة الأوقاف۔
- فهارس الاستذكار ،دار قتيبة، بيروت۔

فهارس كتب غريب الحديث

- فهرس غريب الحديث لأبي عبيد القاسم بن سلام، دار البشائر الإسلامية، بيروت۔
- فهارس غريب الحديث للخطابي والحربي وابن قتيبة، دار البشائر الإسلامية، بيروت۔

فهارس كتب التاريخ

- فهارس تاريخ الطبري، دار الكتب العلمية، بيروت۔
- فهرس عام لكتاب البداية والنهاية، مكتبة المعارف، بيروت۔

مراجع لا بدّ منها في المكتبة الحديثية

- المعجم المفهرس لألفاظ الحديث الشريف لفنسنك۔
- مفتاح كنوز السنّة لفنسنك القاهرة، لجنة ترجمة دائرة المعارف الإسلامية۔
- مفتاح المعجم المفهرس، لمأمون صاغرجي، دار الفكر المعاصر، بيروت۔
- موسوعة اطراف الحديث النبوي الشّريف ،لمحمد السّعيد بن بسيوني زغلول، دار الفكر، بيروت۔
- الرسالة المستطرفة، للكتاني ،دار البشائر الإسلامية، بيروت۔

فهارس كتب الرجال غير المختصّة بالضعفاء

- فهرس الاحاديث والآثار لكتاب الكنى والأسماء، للدولابي، عالم الكتب، بيروت۔
- فهارس التاريخ الكبير للبخاري، دارالكتب العلمية، بيروت۔
- فهارس كتاب الجرح والتعديل لابن ابي حاتم الرازي، دارالكتب العلمية، بيروت۔
- فهرس احاديث حلية الاولياء، دارالكتب العلمية، بيروت۔
- فهرس احاديث وآثار تاريخ جرجان، جامعة الامام محمد بن سعود، الرياض۔
- فهارس كتاب الثقات لابن حبان، مؤسسة الكتب الثقافية، بيروت۔
- فهارس مختصر تاريخ دمشق لابن منظور، دارالفكر المعاصر، بيروت۔
- فهارس الطبقات الكبرىٰ لابن سعد، دارالكتب العلمية، بيروت۔
- فهارس تاريخ بغداد، دارالكتب العلمية، بيروت۔
- فهارس ذيول تاريخ بغداد، دارالكتب العلمية، بيروت۔

فهارس كتب الرجال الضّعفاء

- بلوغ الآمال في ترتيب احاديث ميزان الاعتدال، المكتب الاسلامي، بيروت۔
- فهرس كتاب المجروحين والضّعفاء لابن حبّان، دارالجيل، بيروت۔
- معجم الكامل في ضعفاء الرجال، دارالفكر، بيروت۔

مندرجہ بالاتمام کتب میں احادیث الف بائی ترتیب سے لکھی گئی ہیں۔

۴۔ متن وسند کے لحاظ سے (حدیث کا حال معلوم کرکے) تخریج حدیث

حدیث کے متن یا سند میں جو چیزیں اور صفات ہوں ان پر غور وفکر کرکے حدیث کا مخرج تلاش کیا جائے۔ یا وہ صفات معلوم ہونے کی بنا پر کتب حدیث میں تلاش کی جائیں جو کتب ان صفات کے لیے سند یا متن کے لحاظ سے لکھی گئی ہوں۔

ا۔ المتن

جب حدیث کے متن میں وضع کی علامات ظاہر ہوں اوراس میں رکاکت لفظی یا فساد معنی یا قرآن کی صریح خلاف ورزی ہوتو عام طور پر یہ احادیث موضوعات کی کتابوں میں ملیں گی ان میں اس حدیث کی تخریج ہوگی اور وضع کرنے والے کا نام ہوگا اس سلسلے کی چند کتب درج ذیل ہیں:

ا۔ الموضوعات الکبریٰ، ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ)۔

۲۔ تنزیۃ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاحادیث الشنیعۃ الموضوعۃ۔ ابن عراق (م ۹۶۳ھ) یہ ابواب پر مرتب ہے۔

۳۔ المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع المسمیٰ: الموضوعات الصغریٰ: ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ)، یہ معجم کے حروف پر مرتب ہے۔

(ii) اگر تلاش کی جانے والی حدیث قدسی ہوگی تو ہم اس کو حدیث قدسیہ کی کتابوں میں تلاش کریں گے۔

الاتحافات السنیۃ بالاحادیث القدسیہ: عبدالرؤف مناوی (م ۱۰۳۱ھ)۔

ب: السند جب کسی حدیث میں لطائف سند کے سے متعلق بات ہوتو ایسی حدیث کو سند سے متعلق کتب میں دیکھا جائے گا مثلاً:

(i) کوئی حدیث باپ کی بیٹے سے مروی ہوتو تخریج کے وقت سے روایت الآباء عن الابناء کی حدیث میں دیکھیں گے۔ مثلاً: کتاب روایۃ الاباء عن الأبناء کی کتب: خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ)۔

(ii) اگر حدیث مسلسل ہوتو ایسی کتب سے مدد لی جائے گی جو حدیث مسلسلہ کے بارے میں ہوں، مثلاً: المسلسلات الکبریٰ: امام سیوطی (م ۹۱۱ھ)۔

(iii) حدیث مرسل ہوتو مراسیل کی کتابوں میں دیکھا جائے گا مثلاً: مراسیل ابی داؤد (م ۲۷۵ھ) المراسیل عبدالرحمٰن بن ابی حاتم (م ۳۲۷ھ)۔

(iv)۔ اگر سند میں راوی ضعیف ہو تو کتب ضعفاء میں دیکھا جائے گا مثلاً:

i۔ الکامل فی ضعفاء الرجال: ابن عدی (م ۳۶۵ھ)۔

ii۔ میزان الاعتدال: ذہبی (م ۷۴۸ھ)۔

iii۔ لسان المیزان: ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)۔

متن و سند کا اکٹھا ہونا

اگر مذکورہ بالا صفات و احوال جب متن و سند میں اکٹھے ہو جائیں گے تو ایسی کتابوں کو دیکھیں گے جو ان کے لیے تیار کی گئیں ہیں: مثلاً

۱۔ علل الحدیث: ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم (م ۳۲۷ھ) یہ ابواب پر مرتب ہے۔ اور اس میں ۲۸۴۰ احادیث ہیں۔ اس کی ابتدا میں علل احادیث کے متعلق مکمل اسانید کے ساتھ محدثین کے اقوال لکھے ہیں۔ مثلاً عبدالرحمٰن بن مہدی کا قول: لان اعرف علة حديث هو عندي احب الى من ان اكتب حديثا ليس عندي (۲۶۶)۔

۲۔ الاسماء المبهمة فی الانباء المحكمة: خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ)۔

۳۔ المستفاد من مهمات المتن والاسناد: ابوزرعۃ (م ۸۲۶ھ) یہ فقہی ابواب پر مرتب ہے۔

۵۔ حدیث کے الفاظ کے ذریعے تخریج

اس طریقہ میں ایسے کلمہ کے ذریعے تخریج کی جاتی ہے جو حدیث میں کم آتا ہے۔

یعنی عبارت میں آنے والا ایسا لفظ جو بکثرت استعمال نہ ہوتا ہو اس کو اس کتاب میں بنیاد بنایا گیا ہے۔ مثلاً المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی، پروفیسر ونسنک، اس کتاب کو نو (۹) کتب حدیث سے مرتب کیا گیا ہے۔ کتب صحاح ستہ، سنن دارمی (کتاب پر مسند دارمی لکھا ہے) مؤطا مالک، مسند احمد بن حنبل۔ صفحات کے نیچے مخفف الفاظ دے گئے ہیں ملاحظہ ہوں۔ خ یعنی البخاری، م یعنی مسلم بن الحجاج، د یعنی ابوداؤد، ت یعنی الترمذی، ن یعنی النسائی، ق یعنی ابن ماجہ، دی یعنی الدارمی، ط یعنی المؤطا، حم یعنی احمد بن حنبل (۲۶۷)۔ اس وجہ سے آسانی رہتی ہے۔ اس کتاب کو احادیث کے مادہ کے لحاظ سے

مرتب کیا گیا ہے۔ الفاظ کے ساتھ حدیث میں کتاب کا نام، اس کی کتاب کا نام مثلاً: الصلاۃ، اور پھر باب کا نمبر لکھا ہوتا ہے، سوائے مسند احمد کے، اس کے قدیم مصری نسخے کی جلد اور صفحہ نمبر بھی ہوتا ہے۔

احادیث کے الفاظ معلوم ہونے کی صورت میں احادیث تلاش کرلی جاتی ہیں، مثلاً حدیث: ایاکم والجلوس علی الطرقات، کو جلوس کے مادۃ: جلس میں تلاش کیا تو اس طرح سے ملا: ایاکم والجلوس علی الطرقات، خ مظالم ۲۲، استئذ ان ۲، م لباس ۱۱۴، د ادب ۱۲، ت استئذ ان ۳۰، دی، استئذ ان ۲۲، حم ۳/۳۶ (۴۶۸) اسی حدیث کو: طرقات کے مادے طرق میں دیکھا تو اس طرح سے ملا: ایاکم والجلوس علی الطرقات، خ مظالم ۲۲، استئذ ان ۲، م لباس ۱۱۴، د ادب ۱۲، حم ۳/۳۶، ۴۷، ۶۱ (۴۶۹) لیکن بعض اوقات اس کتاب میں احادیث نہیں ملتیں۔ معلوم ہوتا ہے ان کتب کی احادیث مکمل طور پر نہیں لی گئیں۔

نامور محدثین کی تخریج حدیث کے شاہکار نمونے

۱۔ معروف محدث احمد صقر نے ''دلائل النبوۃ'' للامام بیہقی کو ایڈٹ کیا۔ اس کے مقدمہ تحقیق کے آخر میں لکھا ہے: وبعد: فإني أرجو أن أكون قد وفقت في تحقيق هذا الكتاب وتخريج نصوصه على نحو يرضى كرام العلماء، وأسأل الله سبحانه أن يتقبل عملي فيه، وأن يذيقني ومؤلفه من رحمته ومثوبته يوم تجد كل نفس ما عملت من خير مُحضرًا، إنه أكرم مسئول وأجود مأمول، وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم (۴۷۰)۔

اس کتاب پر ان کی تخریج بطور نمونہ پیش کی جاتی ہے ''دلائل النبوة '' کی عبارت ملاحظہ ہو: عن عبدالرحمن بن عبدالله بن مسعود، عن أبيه، قال: قال رسول الله صلى اللّه عليه وسلم: نضّر الله امْرَءا سمع منا حديثًا فأدّاه كما سمعه، وربّ مبلّغ أوعى من سامع (۴۷۱)۔

اس حدیث پر احمد صقر نے یہ حاشیہ لکھا ہے: الحديث من رواية ابن مسعود أخرجه أحمد في المسند ٦/ ٩٦ والشافعي في الرسالة ص ٤٠١ – ٤٠٢، وابن

أبي حاتم في الجرح والتعديل ١/١/٩-١٠ وابن ماجه في مقدمة السنن ١/٨٥، والترمذي في جامعه: كتاب العلم: باب ما جاء في الحث على تبليغ السماع ٢/١٠٩-١١٠، وابن حبان في صحيحه ١/٢٢٤ (المعارف)وانظره في جامع بيان العلم ١/٤٠، والكفاية ص٢٩، ٩٤، ومعرفة السنن والآثار ١/١٥-١٦. والإلماع ص١٥٣.

اس حدیث سے آگے اصل کتاب"دلائل النبوة " کی عبارت اس طرح ہے: قال الشافعي: فلما ندبَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم إلى استماع مقالتِه وأدائها امْرءًا يُؤدِّيها- والامرُ واحدٌ - دلّ أنه لا يأمر أن يؤدّى عنه إلا ما تقومُ الحجة به على من أدّى إليه (۲۷۲)۔ اس پر یہ حاشیہ لکھا ہے:الرسالة ص٤٠٢، ومعرفة علوم الحديث للحاكم ص٢٦٠، والكفاية ص٢٩، ومفتاح الجنة ص٥، ومعرفة السنن والآثار ١/١٦.

۲۔ مشہور محدث احمد محمد شاکر نے مسند للامام احمد بن حنبل کو ایڈٹ کیا، ان کی تحقیق کا نمونہ مع عبارت مسند ملاحظہ ہو: حدثنا أبو سعيد مولى بني هاشم حدثنا شداد، يعني ابن سعيد، حدثنا غيلان بن جرير عن مطرّف قال: قلنا للزبير: يا أبا عبدالله، ما جاء بكم؟ ضيعتم الخليفة حتى قُتل، ثم جئتم تطلبون بدمه! قال الزبير: إنّا قرأناها على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر وعثمان: (واتقوا فتنةً لا تصيبنّ الذين ظلموا منكم خاصة) لم تكن نَحسب أنّا أهلُها، حتى وقعتْ منّا حيث وقعت(۲۷۳)۔

اس پر یہ حاشیہ لکھا ہے: إسناده صحيح. شداد بن سعيد الراسبي: ثقة. غيلان بن جرير الأزدي: ثقة. مطرف: هو ابن عبدالله بن الشِخّير الحرشي العامري، وهو تابعي ثقة، كان ذا فضل وورع وأدب، ولد في حياة رسول الله. "الشِخّير" بكسر الشين وتشديد الخاء المكسورة. "الحرشي" بفتح الحاء والراء.

والحديث ذكره ابن كثير فى التفسير ٤ :٣٩ عن المسند. ثم قال: "وقد رواه البزار من حديث مطرف عن الزبير، وقال: لا نعرف مطرفًا روى عن الزبير غير هذا الحديث". وهو أيضًا في الزوائد ٧: ٢٧ وقال: "رواه أحمد بإسنادين، رجال أحدهما رجال الصحيح"، يريد به هذا، ويريد بالإسناد الآخر ما يآتي ١٤٣٨.

ایک اور روایت اس طرح ہے: حدثنا رَوْح حدثنا محمد بن أبي حفصة حدثنا الزهري عن عُبيد الله بن عبدالله عن ابن عباس قال: سمعت عبدالرحمن بن عوف يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إذا كان الوباء بأرض ولست بها فلا تدخلها، وإذا كان بأرض وأنت بها فلا تخرج منها(۲۷۴).

اس پر احمد محمد شاکرؒ نے حاشیہ اس طرح لکھا ہے: إسناده صحيح. محمد بن أبي حفصة البصري: ثقة، وثقه ابن معين وأبو داؤد وغيرهما، وترجمه البخاري في الكبير ١/١/٢٢٦ باسم "محمد بن ميسرة" وهو اسم أبي حفصة، وأخرج له الشيخان. عبيد الله بن عبدالله بن عتبة بن مسعود: تابعي ثقة فقيه شاعر، كثير الحديث والعلم. والحديث رواه البخاري ١٠: ١٥-١٤١ و ١٢: ٣٠٣ ومسلم ١: ١٨٨ وأبو داؤد ٣: ١٥٣- ١٥٤ من طريق الزهري عن عبدالحميد بن عبدالرحمن بن زيد بن الخطاب عن عبدالله بن عبدالله بن الحرث بن نوفل عن ابن عباس، وفيه قصة عند البخاري ومسلم. وسيأتي من هذه الطريق ١٦٧٩ والمراد بالوباء هنا الطاعون، وانظر ١٦٧٨.

۳۔ معروف محدث ناصر الدین الالبانیؒ نے "سلسلة الاحاديث الصحيحة" میں یہ حدیث لکھی ہے: إنما بعثت لأتمم مكارم (وفى رواية صالح) الأخلاق(۲۷۵).

اس پر حاشیہ اس طرح لکھا ہے: رواه البخاري في "الأدب المفرد" رقم(٢٧٣)، وابن سعد في "الطبقات" (١/١٩٢)، والحاكم (٢/٦١٣)، وأحمد (٢/٣١٨)، وابن عساكر في "تاريخ دمشق" (٦/٢٦٧/١) من طريق ابن عجلان عن

القعقاع بن حكيم عن أبي صالح عن أبي هريرة مرفوعًا. وهذا إسناد حسن، وقال الحاكم: "صحيح على شرط مسلم" ووافقه الذهبي! وابن عجلان، وإنما أخرج له مسلم مقرونًا بغيره. وله شاهد، أخرجه ابن وهب في "الجامع" (ص ٧٥): أخبرني هشام بن سعد غن زيد بن أسلم مرفوعًا به. وهذا مرسل حسن الإسناد، فالحديث صحيح. وقد رواه مالك في "المؤطا" (٢/٩٠٤/٨) بلاغًا، وقال ابن عبدالبر: "وهو حديث صحيح متصل من وجوه صحاح عن أبى هريرة وغيره".

۴۔ ناصر الدین الالبانیؒ نے "سلسلة الأحاديث الضعيفه والموضوعه" میں یہ حدیث لکھی ہے: كانَ يأخُذُ مِن لحيَتِهِ: مِن عَرْضِها وطولِها (۲۷۶)۔ اس پر حاشیہ اس طرح لکھا ہے: موضوع أخرجه الترمذي (٣/١١)، والعقيلي في "الضعفاء" (ص٢٨٨)، وابن عدي (٢/٢٤٣)، وأبو الشيخ في "أخلاق النبيﷺ" (٣٠٦) من طريق عمر ابن هارون البلخي عن أسامة بن زيد عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده مرفوعًا. وقال الترمذي: "هذا حديث غريب، سمعت محمد بن إسماعيل يقول: عمر بن هارون مقارب الحديث، لا أعرف له حديثًا ليس له أصل – أو قال: يتفرد به – إلا هذا الحديث". قلت: وفي ترجمته رواه العقيلي، ثم قال: "ولا يُعرف إلا به، وقد رُوي عن النبيﷺ بأسانيد جياد أنه قال: "أعفوا اللحى، وأحفوا الشوارب"، وهذه الرواية أولى". وعمر هذا؛ قال في "الميزان": "قال ابن معين: كذاب خبيث. وقال صالح جزرة: كذاب". ثم ساق له هذا الحديث. لكن قال ابن عدي عقبه: "وقد رُوى هذا عن أسامة غير عمر بن هارون". فلينظر، فإنه خلاف ما قاله البخاري والعقيلي أنه تفرد به عمر.

۵۔ امام بغوی کی مصابیح السنہ کی تحقیق یوسف عبدالرحمٰن المرعشلی، محمد سلیم سمارۃ، اور جمال حمدی الذہبی نے کی ہے بطور مثال حدیث اس طرح ہے: وقالت عائشة رضى الله عنها: كانَ

رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لَيُصلّي الصبحَ فَينصَرِفُ النّساءُ مُتَلفِّعاتٍ بمُرُوطِهِنَّ ما يُعْرَفْنَ مِنَ الغَلَس (۴۷۷)۔

اس پر حاشیہ اس طرح لکھا ہے: متفق عليه. أخرجه: البخاري في الصحيح ٢/٣٤٩، كتاب الأذان(١٠)، باب انتظار الناس قيام الإمام العالم(١٣٣)، الحديث(٨٦٧). ومسلم في الصحيح ١/٤٤٦، كتاب المساجد(٥)، باب استحباب التبكير بالصبح في أول وقتها، وهو التغليس(٤٠)، الحديث (٢٣٢/٦٤٥). ومتلفعات: أي متجللات ومتلففات، وبمروطهنّ: أي بأكسيتهنّ واحدها مِرط بكسر الميم(النووي، شرح صحيح مسلم ٥/١٤٣-١٤٤). و(الغلس): ظُلمة آخر الليل.

علم تخریج حدیث سے متعلق کتب

علم تخریج حدیث دیگر علوم کی طرح قدیم نہیں بلکہ اس کا رواج بعد میں پڑا، خاص کر اس وقت جب طالب علموں کو اسے پڑھانے کی ضرورت پڑی۔ اساتذہ نے اپنے پڑھانے اور طلباء کے فائدے کے لیے بعض کتب لکھیں، جن میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ حصول التفریج بأصول التخریج، لأبي الفیض احمد بن الصدیق الغماری(م ۱۳۸۰ھ) بمکتبۃ الطبریہ الریاض۔

۲۔ اصول التخریج ودراسۃ الأسانید، للدکتور محمود الطحان، دار القرآن الکریم، بیروت ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱م۔

۳۔ کشف اللثام عن اسرار تخریج احادیث سیّد الأنام، الدکتور عبدالموجود محمد عبداللطیف، بدار ابن تیمیۃ، مصر، ۱۹۸۵م۔

۴۔ طرق تخریج حدیث رسول اللہ ﷺ، الدکتور عبدالمھدي عبدالقادر عبدالھادي، بدار الاعتصام، مصر، ۱۹۸۷م۔

۵۔ اصول التخریج وطرق تخریج الحدیث للدکتور شاکر ذیب فیاض۔

٦۔ منهج دراسة الأسانيد والحكم عليها، ويليه دراسة في تخريج الأحاديث، للدكتور وليد بن حسن العاني (١٤١٦هـ-١٩٩٦م) بدار النفائس، الأردن، ١٤١٨هـ-١٩٩٧م۔

۷۔ علم تخريج الأحاديث: اصوله۔ طرائقه۔ مناهجه۔ لدكتور محمد محمود بكار۔ دار طيبة الرياض، ١٤١٨هـ۔

۸۔ تخريج الحديث، لدكتور همام عبدالرحيم سعيد۔ جامعة القدس المفتوحة في عمان ١٩٩٦م۔

۹۔ تبسيط علم التخريج، الدكتور مصطفى سليمان الندوي۔ نشر دار الكلمة۔

۱۰۔ التأصيل لأصول التخريج، للشيخ بكر بن عبدالله ابو زيد۔ نشر بدار العاصمة في الرياض، ١٤١٣هـ۔

۱۱۔ مفاتيح علوم الحديث وطرق تخريجه، لمحمد عثمان الخشت۔ مكتبة الساعي الرياض۔

۱۲۔ فن تخريج الحديث، للدكتور عزت علي عيد عطية۔ وهو مقال نشر في مجلة كلتي الشريعة واصول الدين والعلوم العربية والاجتماعية بالقصيم، ١٤٠١هـ-١٤٠٢هـ، السنة الثانية، العدد الثاني۔

۱۳۔ مناهج المحدثين: حدودها وغاياتها ومصادرها، الدكتور نور الدين عتر حفظه الله ورعاه۔ وهو مقال نشر في مجلة الأحمدية، العدد الخامس، المحرم ١٤٢١ نيسان ٢٠٠٠م۔ ميز فيه بين التخريج ومناهج المحدثين۔

۱۴۔ طرق تخريج اقوال الصحابة والتابعين: تكملة كتاب طرق تخريج حديث رسول الله ﷺ، د۔ عبدالمهدي عبدالقادر عبدالهادي مكتبة الإيمان، القاهرة، ١٤١٧هـ۔

۱۵۔ تخريج الحديث الشريف، د۔ علي نائف بقاعي، دار البشائر الاسلامية، بيروت ١٤٢١هـ/٢٠٠٠م الطبعة الاولى۔

علم الانساب

تعریف

انساب نسب کی جمع ہے اور کتب انساب سے مراد ایسی کتب ہیں جو راویوں کے نسب سے متعلق ہوں اور ان میں ان کی نسبتوں کا ذکر ہو۔ ان میں سے بعض کتب اور ان کے مؤلف درج ذیل ہیں: هو علم يتصرف منه أنساب الناس وقواعد الكلية والجزئية والفرض منه الاحتراز عن الخطأ فى النسب شخص (۴۷۷-۱) (یہ ایسا علم ہے جس کے ذریعے لوگوں کے نسب، کلی اور جزی قاعدہ سے پہچانا جاتا ہے۔ اور اس علم کا غرض وغایت نسب میں غلطیوں سے بچنا ہے)

ا۔ امام محمد بن طاہر المقدسی شیبانی (م ۵۰۷ھ)۔

ان کی پیدائش شوال ۴۴۸ھ میں ہوئی۔ آپ کی کنیت ابوالفضل اور نام محمد بن طاہر ہے۔ بیت المقدس کے رہنے والے مشہور حافظ حدیث ہیں۔ آپ نے طلب علم کے لیے تمام اسلامی ممالک کے علمی سرچشمے کھنگال ڈالے اور اپنے قلب ودماغ میں علم کا اتنا وسیع ذخیرہ جمع کیا جو کسی نے جمع نہیں کیا ہوگا۔ آپ ابن قیصرانی شیبانی کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں (۴۷۸)۔

ابن طاہر اپنے متعلق کہتے ہیں کہ تحصیل حدیث میں، میں نے کبھی جانور پر سواری نہیں کی بلکہ اپنی کتابیں اپنی کمر پر اٹھا کر پیدل چلتا تھا۔ میں نے طالب علمی کے زمانہ میں کبھی کسی سے کوئی چیز نہیں مانگی جو مل جاتا اسی پر گزارہ کر لیتا تھا۔ آپ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ سفر میں ہمیشہ دن رات ۲۰ فرلانگ فاصلہ طے کرتے تھے اور انہیں اس پر قدرت حاصل تھی (۴۷۹)۔

اساتذہ

آپ نے اپنے شہر میں فقیہہ نصر، ابو عثمان بن ورقاء اور بغداد میں ابو محمد صریفینی، ابو المعصو راور ان کے طبقے سے، مکہ معظمہ میں حسن بن عبدالرحمٰن شافعی، سعد بن علی زنجانی، مصر میں ابواسحاق حبال سے علم حدیث حاصل کیا (۴۸۰)۔ اصفہان میں عبدالوہاب بن مندہ، نیشاپور میں فضل بن محب، ہرات میں محمد بن ابی مسعود فارسی، آمد میں قاسم بن احمد اصفہانی سے علم حدیث کی سند حاصل کی (۴۸۱)۔

دینور میں ابوبکر بن لال کے شاگرد ابنِ عباد، رَے میں ابوزکریا مزکی کے شاگرد اسماعیل بن علی سے، سرخس میں محمد بن منظفر سے، قزوین بن ابوعمر بن مہدی کے شاگرد محمد بن ابراہیم عجلی سے، کوفہ میں ابوالقاسم حسین بن محمد سے، موصل میں ھبتہ اللہ بن احمد مقری سے علم حدیث حاصل کیا۔ اس کے علاوہ مرو الروز، نوقان، حرمین شریفین، ہمدان، واسط، اسد آباد، بسطام اور دیگر شہروں میں بھی پہنچے اور وہاں کے سرچشمہ ہائے علم سے اپنی پیاس بجھائی (۴۸۲)۔

تلامذہ

آپ سے استفادہ کرنے والوں میں شیرویہ بن شہردار، ابوجعفر بن ابی علی، ابونصر غازی، عبدالوہاب سلفی اور ان کے صاحبزادے، ابوزرعہ محمد بن اسماعیل طرطوسی اور دوسرے لوگ شامل ہیں (۴۸۳)۔

مقام ومرتبہ

ابوالقاسم ابن عساکر کہتے ہیں: میں نے حافظ محمد بن اسماعیل کو فرماتے سنا، کہتے تھے جن محدثین کو مجھے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ ان میں ابن طاہر سب سے بڑے حافظ حدیث ہیں (۴۸۴)۔ حافظ سلفی کہتے ہیں میں نے ابنِ طاہر سے سنا ہے کہ میں نے رَے میں صحیحین، سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ کو سات مرتبہ لکھا (۴۸۵)۔ سمعانی کہتے ہیں کہ میں نے ابوالحسن کرخی سے ابن طاہر کے متعلق پوچھا تو بولے روئے زمین پر ان کی نظیر نہیں ملتی (۴۸۶)۔

ابومسعود عبدالرحیم حاجی کہتے ہیں میں نے ابن طاہر سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ طلب حدیث میں مجھے دو بار خون کا پیشاب آنے لگا تھا۔ ایک دفعہ بغداد میں اور دوسری دفعہ مکہ معظمہ میں۔ کیونکہ سخت گرمی میں ننگے پاؤں سفر کرتا تھا جس کی وجہ سے مجھے یہ بیماری لاحق ہوگئی۔

دقاق اپنے رسالہ میں ان پر نکتہ چینی کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''یہ ملامت گر صوفی تھے۔ پہلے رَے پھر ہمدان میں سکونت پذیر تھے۔ "صفوۃ التصوف" نامی کتاب کے مصنف ہیں۔ بخاری، مسلم اور دیگر محدثین کے شیوخ کے بارے میں انہیں معمولی واقفیت حاصل تھی۔ امام ذہبی لکھتے ہیں۔'' اے نکتہ چیں! یہ تم سے کہیں زیادہ حافظ حدیث ہے''۔ دقاق نے یہ بھی کہا ہے کہ مجھے ان کے متعلق بتایا

گیا ہے کہ یہ ہر چیز کی اباحت کے قائل تھے۔ میں کہتا ہوں کہ آپ پکے مسلمان تھے۔ سنت کے پابند تھے۔ عملیات میں حدیث کو کبھی نظر انداز نہیں کرتے تھے۔ ہاں سماع کی اباحت کے قائل تھے۔ زندقہ اور کفر کی قسم کی مطلق اباحت سے کوسوں دور تھے" (۴۸۷)۔

سماع حدیث

ابن طاہر کہتے ہیں کہ ۴۶۰ھ میں میں نے حدیث کا سماع شروع کر دیا اور مزید تعلیم کے لیے ۴۶۷ھ میں بغداد میں داخل ہوا (۴۸۸)۔ شیرویہ، تاریخ ہمدان میں لکھتے ہیں "ابن طاہر نے ہمدان میں مکان تعمیر کیا اور وہاں سکونت پذیر ہو گئے۔ آپ ثقہ اور حافظ حدیث تھے۔ صحیح اور ضعیف حدیث کو خوب جانتے تھے۔ رجال اور متون کے متعلق انہیں معرفت تامہ حاصل تھی۔ آپ کی تصانیف کا دائرہ بہت وسیع تھا، خط عمدہ تھا، اتباع سنت آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا اور فضولیات و تعصب سے دور بھاگتے تھے۔ ہلکے پھلکے جسم کے باوجود بڑے قوی تھے (۴۸۹)۔

تصانیف

ابن عساکر کہتے ہیں آپ کی تصنیف کردہ کتابوں کی فہرست بہت طویل ہے اور ان میں اوہام بھی بہت زیادہ ہیں۔ شعر البتہ اچھے کہتے تھے لیکن نحو میں کچھ ماہر نہیں تھے۔ مبارک بن کامل کہتے ہیں مجھے ابن طاہر نے یہ شعر سنایا۔:

ساروابها کالبدر فی هودج　　　یمیس محفو فا بأترابه (۴۹۰)

(رقیب چاند جیسی محبوبہ کو کجاوے میں سوار کر کے لے چلے جو اپنی ہمجولیوں میں گھری جا رہی تھی)۔

وفات

شجاع ذہلی کہتے ہیں: "ابن طاہر نے حج سے واپسی پر جمعہ کے دن ربیع الاول اور بقول ابو العمر نصف ربیع الاول ۵۰۷ھ میں بغداد میں داعی اجل کو لبیک کہا" (۴۹۱)۔

۲۔ امام رشاطی لخمی مری (م ۵۴۲ھ)

آپ کی کنیت ابو محمد، نام عبداللہ بن علی بن عبداللہ اور لقب رشاطی ہے۔ آپ ۴۶۶ھ میں

پیدا ہوئے۔ ابن عارف نے آپ کا سال پیدائش ۴۶۵ھ لکھا ہے مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے (۴۹۲)۔ مریہ کے رہنے والے نامور حافظ حدیث اور علم الانساب کے بہت بڑے عالم ہیں (۴۹۳)۔ ابوجعفر بن زبیر کہتے ہیں۔ آپ نے ابوعلی غسانی، ابوالحسین، ابوعلی صدفی، ابن فتحون اور بعض دوسرے علما سے علم کی تحصیل کی (۴۹۴)۔

آپ متعدد کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ جن میں سے قابل ذکر یہ ہیں:

۱۔ اقتباس الانوار والتماس الازهار فی انساب الصحابة رواة الآثار

۲۔ الاعلام لما فی المختلف والمؤتلف للدارقطنی من الأوهام۔

۳۔ الانتصار من القاضی أبي محمد بن عطیه۔

ان کے علاوہ بھی آپ کی تصنیف کردہ کتب بہت ہیں (۴۹۵)۔

مقام ومرتبہ

آپ صاحب ضبط واتقان اور امام ہیں۔ علم الرجال کے ماہر، تاریخ وانساب کے حافظ، با کمال فقیہہ اور محدث ہیں۔ آپ ان معدودے چند مشاہیر میں سے ایک ہیں جن کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ آپ سے ابومحمد عبیداللہ، احمد بن حمر، ابن مضا، ابن خالد بن رفاعہ، ابومحمد عبدالرحیم اور ابوبکر بن ابی جمرہ روایت کرتے ہیں (۴۹۶)۔ آپ نے جمادی الآخر ۵۴۲ھ میں شہر "مریہ" پر دشمن کے قبضہ کے وقت جام شہادت نوش فرمایا (۴۹۷)۔

۳۔ امام علامہ ابن الاثیر الجزری (م ۶۳۰ھ)

آپ کی کنیت ابوالحسن، نام علی بن اثیر، ابوالکرم محمد بن محمد بن عبدالکریم شیبانی، لقب عز الدین، جزیرہ ابن عمر کے رہنے والے بلند پایہ حافظ حدیث، نامور محدث اور جلیل القدر لغوی ہیں۔ شہرہ آفاق کتب "تاریخ کامل"، "اسد الغابہ فی معرفة الصحابہ" اور "الانساب" وغیرہ کے مصنف اور صاحب "جامع الاصول" علامہ مجد الدین اور صاحب کتاب "المثل السائر" وزیر ضیاء الدین نصر اللہ کے بھائی ہیں (۴۹۸)۔ ۵۵۵ھ میں جزیرہ ابن عمر میں پیدا ہوئے اور موصل میں خطیب ابوالفضل طوسی اور یحییٰ ثقفی وغیرہ سے، بغداد میں عبدالمنعم بن کلیب اور دمشق میں ابوالقاسم بن صغری اور زین الامناء سے

حدیث کا سماع کیا۔ اپنی تصانیف میں ان شیوخ سے روایت کرتے ہیں۔ مختلف اوقات میں موصل، دمشق اور حلب میں حدیث پڑھاتے رہے ہیں (۴۹۹)۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست خاصی طویل ہے۔ قابل ذکر درج ذیل ہیں۔

ابن دبیثی، قوصی، مجدالدین عقیلی، شرف الدین ابن عساکر اور قضائی وغیرہ (۵۰۰)۔

عام حالات

آپ کی ذات مجمع فضائل اور آپ کا گھر مجمع علما تھا۔ آپ بہت بڑے عالم، علم الانساب اور علم الرجال کے ماہر اور نامور مؤرخ تھے۔ تواضع پسند، سخی اور امانتدار تھے۔ آپ ایک دفعہ شاہی ایلچی کی حیثیت سے شام بھی تشریف لائے تھے۔ آپ نے موصل کی ایک تفصیلی تاریخ لکھنا شروع کی تھی لیکن وہ پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکی (۵۰۱)۔

آپ کا شہر جزیرہ ابن عمر ہے بقول ابن خلکان اس کے بانی رئیس اعظم عبدالعزیز بن عمر برقعیدی ہیں انہیں کی طرف یہ منسوب ہے۔ ابن المستوفی مؤرخ اربل نے دوسرا قول یہ نقل کیا ہے کہ اس شہر کو عمر بن اوس تغلبی کے دونوں بیٹوں اوس اور کامل نے آباد کیا تھا۔ جو ان کی طرف انتساب کی وجہ سے جزیرہ ابن عمر کہلایا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ گورنر عراق یوسف بن عمر ثقفی کی طرف منسوب ہے۔

علامہ ابن اثیر نے اواخر شعبان ۶۳۰ھ میں انتقال فرمایا (۵۰۲)۔

۴۔ امام السمعانی مروزی تمیمی (م ۵۶۲ھ)

آپ کی کنیت ابوسعد اور نام عبدالکریم بن حافظ تاج الاسلام ابوبکر محمد بن علامہ مجتہد ابوالمظفر منصور بن محمد ہے۔ مرو کے رہنے والے نامی گرامی اور باکمال حافظ حدیث ہیں۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ شعبان ۵۰۶ھ میں پیدا ہوئے (۵۰۳)۔ ۵۰۹ھ کے آخر میں آپ کے والد انہیں نیشاپور لے گئے اور عمر رسیدہ شیخ عبدالغفار بن محمد شیرازی، عبید بن محمد قشیری اور متعدد دوسرے محدثین کی مجلس میں حاضر کیا (۵۰۴)۔ مرو میں ابومنصور محمد بن علی نافلہ کراعی کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع بھی ملا پھر ۵۱۰ھ میں والد ماجد کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا تو آپ نے اپنے چچاؤں اور خاندان کے دوسرے افراد کے زیر کفالت تربیت پائی (۵۰۵)۔

قرآن مجید حفظ کیا اور علم فقہ کی تعلیم حاصل کی پھر علم حدیث کی طرف رغبت ہوئی اور اس کی محبت دل میں اس طرح سمائی کہ اس میں کمال پیدا کیا جائے چنانچہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے رختِ سفر باندھا اور دور دراز ممالک کی طرف روانہ ہوگئے (۵۰۶)۔ نیشاپور میں ابوعبداللہ فراوی، زاہر شحامی اور اس طبقہ کے دوسرے محدثین سے فیض حاصل کیا (۵۰۷)۔ اصفہان میں حسین بن عبدالملک خلال، سعید بن ابوالرجاء اور اس طبقہ کے دوسرے اہل علم سے، بغداد میں ابوبکر محمد بن عبدالباقی انصاری اور دوسرے مشاہیر سے، کوفہ میں عمر بن ابراہیم علوی سے اور دمشق میں ابوالفتح مصیصی سے حدیث کا سماع کیا (۵۰۸)۔ اس کے علاوہ بخارا، سمرقند اور بلخ کے علمی سرچشموں سے بھی سیراب ہوئے۔ فراغت کے بعد متعدد جلدوں میں ایک معجم لکھی (۵۰۹)۔

مقام و مرتبہ

آپ بہت ذہین اور تیز فہم تھے۔ آپ کی تحریر بہت خوشخط اور خوش نما تھی اور لکھنے میں سبک رفتار تھے۔ عرصہ تک درس و تدریس اور فتاویٰ نویسی میں مصروف رہے۔ وعظ بھی کہا کرتے تھے۔ حدیث کی املا بھی کرایا کرتے تھے۔ آنے جانے والے مشاہیر سے علمی فوائد لکھ لیا کرتے تھے (۵۱۰)۔ ثقہ، حافظ اور حجت تھے۔ حصولِ علم کے لیے آپ کے سفر کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ راست گو اور دیانتدار تھے۔ آپ کی سیرت بے داغ تھی۔ دوستوں کے ہمدرد اور خیر خواہ تھے۔ علم کا وسیع ذخیرہ اپنے قلب و دماغ میں محفوظ رکھتے تھے (۵۱۱)۔

ابنِ نجار کہتے ہیں "میں نے بہت سے لوگوں سے سنا ہے کہ آپ کے شیوخ اور اساتذہ کی تعداد سات ہزار افراد تک پہنچتی ہے اور یہ وہ تعداد ہے کہ آپ کے سوا اتنے شیوخ سے استفادہ کا موقع کسی کو کم ہی ملا ہوگا۔ آپ کی تصانیف عمدگی اور حسن ترتیب میں شاہکار ہیں۔ جن کو جگہ جگہ ظریفانہ لطائف اور برمحل اشعار نے چار چاند لگا دیے ہیں" (۵۱۲)۔ آپ ثقہ، صاحب دیانت، ظریف الطبع اور کثیر السفر تھے۔ تبحر علمی کا یہ حال ہے کہ نہ صرف اقران بلکہ اکثر شیوخ بھی آپ سے استفادہ کرنے پر مجبور تھے (۵۱۳)۔

امام ذہبی لکھتے ہیں ہمیں محدثین کی ایک جماعت نے آپ سے بلاواسطہ حدیث بیان کی

ہے۔ میں کہتا ہوں آپ کے تلامذہ میں آپ کے صاحبزادے عبدالرحیم مفتی مرو، حافظ ابوالقاسم ابن عساکر، ان کے صاحبزادہ قاسم، عبدالوہاب بن سکینہ، عبدالغفار بن متنیاء، ابو روح عبدالمعز بن محمد ہروی، ابوالضوء شہاب شذیانی، افتخار عبدالمطلب حلبی، ابوالفتح محمد بن محمد صائغ اور دوسرے مشاہیر شامل ہیں (۵۱۴)۔

تصانیف

آپ کی تصنیف کردہ کتابوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ ان میں سے مندرجہ ذیل کتابوں کے نام ابن نجار نے نقل کیے ہیں:

۱۔ الذیل علی تاریخ الخطیب
۲۔ تاریخ مرو
۳۔ ادب الطلب
۴۔ الاسفار عن الاسفار
۵۔ الاملاء والاستملاء
۶۔ معجم البلدان
۷۔ معجم الشیوخ
۸۔ تحفۃ المسافر
۹۔ الہدایۃ
۱۰۔ عز العزلہ
۱۱۔ الادب واستعمال الحسب
۱۲۔ المناسک
۱۳۔ الدعوات
۱۴۔ الدعوات النبوۃ
۱۵۔ غسل الیدین
۱۶۔ امانین الساہمین
۱۷۔ دخول الحمام
۱۸۔ صلوٰۃ التسبیح
۱۹۔ التحایا
۲۰۔ تحفۃ العید
۲۱۔ الرسائل والوسائل
۲۲۔ فضل الھر
۲۳۔ الانساب
۲۴۔ صلوٰۃ الضحٰی
۲۵۔ الصدق فی الصداقۃ
۲۶۔ تخفیف الصلوۃ
۲۷۔ لغۃ المشتاق الی ساکن العراق
۲۸۔ من کنیتہ ابوسعد
۲۹۔ فضائل الشام (۵۱۵)

علامہ ابوسعد بیت المقدس بھی گئے اس وقت اس پر عیسائیوں کا قبضہ تھا۔ آپ نے اپنی تصنیف کتاب التجیر میں اپنے شیوخ کے حالات قلمبند کیے اور اس میں بڑے عمدہ فوائد جمع فرمائے ہیں (۵۱۶)۔ آپ نے ۵۶ سال کی عمر میں شروع ربیع الاول ۵۶۲ھ شہر مرو میں داعی اجل کو لبیک کہا (۵۱۷)۔

۵۔ امام خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ)

آپ کی کنیت ابوبکر نام احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی اور لقب محدث الشام والعراق ہے۔ آپ بغداد کے رہنے والے بہت بڑے عالم اور نامور حافظِ حدیث ہیں۔ بہت سی عمدہ اور پُر مغز کتابوں کے مصنف ہیں۔ ۳۹۲ھ میں پیدا ہوئے (۵۱۸)۔ آپ کے والد عراق کی ایک بستی درزیجان کے خطیب تھے۔ انہوں نے علامہ کتانی سے قرآن مجید پڑھا تھا اور انہی سے حدیث کا سماع کیا تھا۔ وہ اپنے اس لڑکے یعنی صاحب ترجمہ کی تعلیم وتربیت کے لیے بڑے حریص تھے۔ اس لیے انہوں نے ان کو بچپن ۴۰۳ھ میں ہی حدیث کا سماع کرانا شروع کر دیا تھا (۵۱۹)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس بچے کے دل میں مزید اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا شوق پیدا کر دیا۔ چنانچہ وہ مختلف ممالک کی طرف دیوانہ وار لپکے اور نورِ علم سے اپنے قلب ودماغ کو منور کیا (۵۲۰)۔ فراغت کے بعد ایسی جامع کتابیں لکھیں جو آپ کی زندگی میں ہی چار دانگِ عالم میں پھیل گئیں (۵۲۱)۔ اور آپ جملہ فنون وحدیث میں اپنے ہم عصروں سے سبقت لے گئے۔ آپ نے بغداد میں ابوالحسن بن صلت اھوازی، ابوعمر بن مہدی، ابوالحسین بن متیم، ابن زرقویہ، ابراہیم بن مخلد باخرجی اور اس شہر میں موجود دوسرے اہلِ علم سے حدیث کا سماع کیا (۵۲۲)۔ پھر ۴۱۲ھ میں بصرہ گئے اور راویۃ السنن ابوعمر قاسم بن جعفر ہاشمی، علی بن قاسم عبدالرحمان بن محمد سراج، قاضی ابو بکر حیری، ابونصر کسار اور ایک جماعت سے ہمدان میں محمد بن عیسیٰ سے اکتساب فیض کیا (۵۲۳)۔ اس طرح کوفہ، رے، حرمین شریفین، دمشق، قدس، صور وغیرہ کے علمی سرچشمے کو کھنگالا۔ آپ حج کرنے کے لیے گئے اور ۴۵۱ھ میں دوبارہ شام آئے اور گیارہ سال تک مقیم رہے (۵۲۴)۔

تلامذہ

آپ کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے چند مشہور شخصیات کے نام درج ذیل ہیں:

شیخ برقانی، ابوالفضل بن خیرون، فقیہہ نصر مقدسی، ابوعبداللہ حمیدی، عبدالعزیز کتانی، ابونصر بن ماکولا، عبداللہ بن احمد سمرقندی، مبارک بن طیوری، عبدالرحمان بن محمد قزار شیبانی، یوسف بن ایوب ہمدانی نزیل مصر اور دوسرے بہت سے لوگ جن کا شمار مشکل ہے (۵۲۵)۔ ابن ماکولا کے بقول" جن چوٹی کے علما سے ہمیں ملنے کا اتفاق ہوا خطیب ان میں سے معرفت، حفظ، ضبط و اتقان، علل و اسانید کی چھان بین اور حدیث صحیح و غریب، فرد منکر اور مطروح کے جاننے میں آخری شخص ہیں" (۵۲۶)۔

مؤتمن سیاجی کہتے ہیں" بغداد نے امام دارقطنی کے بعد خطیب جیسا کوئی آدمی پیدا نہیں کیا (۵۲۷)۔ ابوسعد سمعانی کہتے ہیں" خطیب بارعب، پروقار، ثقہ، حق کے متلاشی اور حجت تھے۔ آپ کی تحریر بڑی دلکش ہوتی تھی کثیر الضبط اور فصیح الکلام تھے۔ آپ پر حفاظ حدیث کا خاتمہ ہوا (۵۲۸)۔

علامہ خطیب کا اپنا بیان ہے کہ جب وہ حج کے لیے گئے تو انہوں نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہ جس مقصد کے لیے آب زم زم پیا جائے وہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ زمزم کا پانی تین مرتبہ پیا اور اللہ تعالیٰ سے تین حاجتیں طلب کیں۔ پہلی حاجت یہ تھی کہ انہیں اپنی مشہور عالم کتاب" تاریخ" بغداد میں پڑھانے کا موقع ملے۔ دوسری حاجت یہ تھی کہ وہ جامع منصور میں حدیث املا کرائیں۔ تیسری حاجت یہ تھی کہ انہیں مرنے کے بعد مشہور ولی اللہ بشر حافی کے جوار میں دفن کیا جائے۔ چنانچہ اللہ نے ان کی یہ تینوں خواہشیں پوری کیں (۵۲۹)۔ آپ کامیاب مصنف تھے۔ علامہ سمعانی نے آپ کی تصنیف کردہ کتابوں کی تعداد ۵۲ بتائی ہیں۔ ان میں سے چند مشہور کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ تاریخ بغداد
۲۔ الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع
۳۔ الکفایہ
۴۔ السابق واللاحق
۵۔ شرف اصحاب الحدیث
۶۔ المتفق والمفترق
۷۔ الفصل والوصل۔
۸۔ الموضح
۹۔ التطفیل
۱۰۔ الفقیہ والمتفقہ
۱۱۔ الرواۃ عن مالک
۱۲۔ البخلا
۱۳۔ الفنون۔
۱۴۔ الجہر بہا

۱۵۔	من حدث ونسی	۱۶۔	الحیل۔
۱۷۔	الرحلۃ فی طلب الحدیث	۱۸۔	اقتضاء العلم
۱۹۔	مقلوب الاسماء	۲۰۔	صلوۃ التسبیح
۲۱۔	صوم یوم الشک	۲۲۔	اجازۃ المجہول (۵۳۰)

ابوالحسین ہمدانی کہتے ہیں۔ خطیب کی وفات کے ساتھ یہ علم مرگیا۔ رئیس الرؤسا نے شہر کے واعظوں اور خطیبوں کو حکم دیا تھا کہ وہ خطیب کو دکھائے اور سنائے بغیر کوئی حدیث روایت نہ کریں۔ ایک دفعہ ایک یہودی نے ایک ایسی دستاویز پیش کی جس میں حضورﷺ کے اہل خیبر سے جزیہ معاف کر دینے کا ذکر تھا اور اس دستاویز پر بعض صحابہ کی شہادت بھی ثبت تھی۔ وزیر نے یہ دستاویز علامہ خطیب کو دکھائی تو انہوں نے کہا یہ دستاویز جعلی ہے۔ وزیر نے آپ سے پوچھا کس بنا پر اس کو جعلی کہتے ہیں؟ بولے اس میں حضرت معاویہؓ کی شہادت درج ہے اور اس وقت وہ مسلمان ہی نہیں تھے۔ وہ خیبر کے بعد فتح مکہ کے سال اسلام لائے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس میں حضرت سعد بن معاذ کی گواہی ہے اور وہ جنگ خیبر سے پہلے انتقال کر گئے تھے (۵۳۱)۔

شجاع ذہلی کہتے ہیں، خطیب امام، مصنف اور ایسے باکمال حافظ حدیث تھے کہ ان کی نظیر نہیں ملتی تھی (۵۳۲)۔ جب خطیب بغداد آئے اور انہیں پتا چلا کہ ایک کتاب میں خلیفہ قائم بامراللہ کے سماع کا ذکر ہے تو دارالخلافہ پہنچے اور کتاب مذکور کے مطالعہ کی اجازت چاہی خلیفہ کو معلوم ہوا تو بولے یہ بڑے آدمی ہیں۔ اس کتاب کو پڑھنے سے ان کی کیا غرض ہو سکتی ہے؟ انہیں کوئی اور کام ہوگا؟ دیکھو وہ کیا کام ہے؟ جب آپ سے پوچھا گیا کہ دراصل آپ کا مقصد کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ میرا مقصد یہ ہے کہ مجھے جامع منصور میں حدیث املا کرانے کی اجازت مل جائے (۵۳۳)

امیر ابومنصور علی بن علی کہتے ہیں خطیب نے خلیفہ قائم باللہ کو ایک مکتوب لکھا کہ میرے بعد میرا مال بیت المال میں جائے گا۔ مجھے اسے اپنی مرضی کے مطابق تقسیم کرنے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ خلیفہ نے اجازت دے دی اور آپ نے اپنا سارا مال محدثین میں تقسیم کر دیا (۵۳۴)۔

مکی رمیلی کہتے ہیں علامہ خطیب ۱۵ رمضان المبارک ۴۶۳ھ میں بیمار ہوئے۔ دو مہینے برابر

بیمار رہے۔ ذی الحجہ کے شروع میں بیماری نے خطرناک صورت اختیار کر لی اور ۷ ذی الحجہ کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا (۵۳۵ھ)۔

علم الانساب پر اہم تصنیفات

۱۔ انساب حمیر وملوکھا لابن ھشام صاحب السیرۃ (م ۲۱۳ھ)۔

۲۔ کتاب النسب لابی عبید قاسم بن سلام الھروی (م ۲۲۴ھ)۔

۳۔ أنساب الشعراء لابی جعفر محمد بن حبیب البغدادی (م ۲۴۵ھ)۔

۴۔ نسب قریش للزبیر بن بکار (م ۲۵۶ھ)۔

۵۔ انساب الاشراف للبلاذری (م ۲۷۹ھ)۔

۶۔ نسب عدنان وقحطان، لابی العباس محمد بن یزید المبرد النحوی (م ۲۸۵ھ)۔

۷۔ الاکلیل فی الانساب حمیر وایام ملوکھا لابی محمد الحسن بن احمد الھمدانی (م ۳۳۴ھ)۔

۸۔ نسب عبد شمس، لابی الفرج علی بن حسین الاصبھانی (م ۳۵۶ھ)۔

۹۔ نسب بنی شیبان، لابی الفرج علی بن حسین الاصبھانی (۳۵۶ھ)۔

۱۰ نسب آل المھلب، لابی الفرج علی بن حسین الاصبھانی (۳۵۶ھ)۔

۱۱۔ القصد والامم الی انساب العرب والعجم لابن عبدالبر، یوسف بن عبداللہ القرطبی (م ۴۶۳ھ)

۱۲۔ اقتباس الانوار والتماس الازھار فی انساب الصحابہ ورواۃ الآثار، لابی محمد عبداللہ بن علی اللخمی الرشاطی (م ۵۴۲ھ)۔

۱۳۔ التعریف بالأنساب، لأبی الحسن احمد بن محمد بن ابراھیم الأشعری (م ۵۵۰ھ)۔

۱۴۔ الانساب لابی محمد الحسن بن علی المعروف بالقاضی (م ۵۶۱ھ)۔

۱۵۔ الانساب للسمعانی، عبدالکریم (م ۵۶۲ھ)۔

۱۶۔ الجوھرۃ فی نسب النبی واصحابہ العشرۃ، لکمال الدین عبدالرحمن بن محمد الأنباری (م ۵۷۷ھ)۔

۱۷۔ عجالۃ المبتدی فی الأ نساب ،لزین الدین ،ابی بکر محمد بن موسیٰ الحازمی (م۵۸۴ھ)۔

۱۸۔ تاج الأ نساب ،لمحمد بن اسعد الحسینی (م۵۸۸ھ)۔

۱۹۔ أنساب المحد ثین للحافظ محب الدین محمد بن محمود ابن النجار البغد ادی (م۶۴۳ھ)۔

۲۰۔ الشجر ۃ فی الانساب ،لمحمد بن رضوان (م۶۵۷ھ)۔

۲۱۔ بغیۃ ذوی الھمم فی معرفتہ ۔۔۔ ،للملک الأ فضل عباس ابن الملک المجاھد (م۷۸۷ھ)۔

۲۲۔ اسماء القبائل وانسابھا ،لسید معز الدین محمد المھد ی قزوینی (م۱۳۰۰ھ)۔

۲۳۔ دیوان العرب وجوھرۃ الادب فی ایضاح النسب ،لمحمد بن احمد بن عبداللہ الأ سدی۔

کتاب الأ نساب

ابو سعد عبدالکریم بن محمد بن منصور التمیمی السمعانی (م۵۶۲ھ) کی کتابوں میں سے یہ مشہور ترین کتاب ہے۔اس کے بارے میں صاحب کشف الظنون کہتے ہیں کہ یہ اس فن کی سب سے ضخیم اور کامل کتاب ہے جو آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔حجم میں بڑا ہونے کی وجہ سے اس کے مختلف لوگوں نے تراجم وخلاصے بھی لکھے ہیں (۵۳۶)۔

ابن الاثیر (م۶۳۰ھ) نے اس کی تلخیص ''اللباب'' کے نام سے کی ہے اور اس میں کافی چیزیں شامل کی ہیں جو سمعانی سے رہ گئی تھیں۔اور سیوطی نے اس کی بھی تلخیص لکھی اور بہت چیزوں کا اضافہ کیا۔اور اس کا نام ''لب اللباب'' رکھا اور اس طرح قاضی قطب الدین محمد بن محمد الخضیر ی (م۸۹۴ھ) نے بھی تلخیص کی لکھی۔اور اس میں ابن الاثیر کے اضافوں کو بھی شامل کیا۔اور اس کا نام ''الاکتساب'' رکھا (۵۳۶)۔الأ نساب کے شروع میں علم الانساب کی تعریف ، انساب کی معروف تصانیف ،کتاب کا تعارف ،مؤلف کے حالات زندگی ،موجودہ ایڈیشن میں جس نسخہ پر اعتماد کیا ہے اس کا ذکر کیا ہے۔اس کے بعد اصل کتاب مقدمہ سے شروع ہوتی ہے اور بعد میں علم الانساب کی تعلیم ومعرفت کی ترغیب ،رسول اللہ اور عرب قبائل کے نسب کا بیان ہے۔پھر صفحہ ۵۶ سے حروف تہجی کا لحاظ رکھتے ہوئے ابواب میں نسب بیان کیا ہے۔مثلاً باب الالفین وما یثلثھما کے تحت سب سے پہلے الآ بجی کے متعلق لکھا ہے۔روی عن ابیہ وعنہ ابو النضر محمد بن یوسف الفقیہ ، اخرج

حدیثه الحاکم فی امالیه (۵۳۷)۔اور باب العین والطاء میں ''العطار'' کی نسبت یوں لکھا ہے هذه النسبة الی بیع "العطر" والطیب، والمنتسبون الی هذه الصنعة جماعة کثیرة من العلماء والمحدثین (۵۳۸)(یہ نسبت عطر اور خوشبو فروش پیشہ افراد کی طرف منسوب ہے اس پیشے کی نسبت علماء اور محدثین کی ایک جماعت کی طرف ہے)۔پھر آگے ان کی تفصیل بیان کی ہے۔

کتاب النسب

یہ ابو عبید قاسم بن سلام(۱۵۴ھ-۲۲۴ھ) کی تالیف ہے جس کی مریم محمد خیر الدرع نے دمشق یونیورسٹی میں ڈاکٹر سہیل زکاء کی نگرانی میں تحقیق کی ہے اور ایم اے تاریخ کی ڈگری حاصل کی ہے(۵۳۹)اس کتاب کے شروع میں محققہ نے ۱۴۴ صفحات پر علم الانساب اور کتاب الانساب پر مفید بحث کی ہے۔اس کے بعد مصنف پر بھی تفصیلی نوٹ تحریر کیا ہے۔پھر کتاب النسب کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔اس میں عرب قبائل اور چند رؤساء کے نسب کو بیان کیا گیا ہے۔سب سے پہلے بنو ھاشم کے نسب کو بیان کیا ہے لکھتے ہیں''ولد هاشم بن عبد مناف: عبدالمطلب وامه سلمی بنت عمرو، من بنی عدی ابن النجار، ونضلة واسدا، وصیفیّا وابا صیفی۔ فولد عبدالمطلب: عبدالله، وابا طالب والزبیر وعبدالکعبه وامهما فاطمة بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم، والعباس، وضرارا، وامّها نتیلة بنت جناب ابن النمیر بن قاسط، وحمزة، والمقوّم، وحجلا وامهم هالة بنت اهیب بن عبد المناف بن زهرة، وابا لهب وقثم، والحارث والغیداق (۵۴۰)۔اس طرح ہر ایک پر تفصیل سے لکھا ہے۔

اقتباس الانوار

یہ عبداللہ بن علی بن عبداللہ اللخمی (۴۶۶-۵۴۲ھ) اندلس کی تالیف ہے۔جنہوں نے مریہ میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔علم حدیث اور انساب کے بڑے عالم تھے۔اور ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ان میں سے ایک ''اقتباس الانوار والتماس الازهار الصحابة ورواة الاثار'' ہے(۵۴۱)۔

ابن خلکان نے اس کتاب کے بارے میں لکھا ہے "أحسن فيه وجمع وما قصر، وهو على أسلوب السمعاني (الانساب یہ بہت عمدہ مجموعہ ہے اور اس کا جمع واختصار سمعانی کے اسلوب پر ہے(۵۴۲)۔ یہ کتاب پانچ اسفار میں منقسم ہے(۵۴۳)اور حروف تہجی کا لحاظ رکھتے ہوئے ترتیب دیا ہے۔شروع میں الباجی کی نسبت پر تبصرہ کیا ہے۔لکھتے ہیں "باجه في افريقية وباجه في الاندلس، رايتُ في بعض التواريخ: ان تفسير باجه في لغة العجم السلم "(۵۴۴)(باجہ ایک افریقہ میں ہے اور دوسرا باجہ نامی شہر اندلس میں ہے،بعض تاریخ کی کتب میں اس کے معنی عجمی زبان میں سیڑھی ہے)۔پھر آگے جاکر لکھتے ہیں "فمن باجة الاندلس جماعة من العلماء، منهج: الفقيه القاضي ابو وليد سليمان بن خلف بن سعد بن أيوب الباجي، شارح المؤطا(۵۴۵)(باجہ اندلس سے علماء کی ایک جماعت مشہور ہوئی ان میں ایک فقیہ ابو الولید سلیمان نامی ہے جو مؤطا امام مالک کے شارح ہیں)۔

اسماء القبائل وانسابها

سید معز الدین محمد المھدی قزوینی (م ۱۳۰۰ھ) ہے ۱۲۲۲ھ میں نجف اشرف میں پیدا ہوئے۔اپنے چچا سید باقر سے ۲۴ سال تک علوم عقلیہ ونقلیہ حاصل کرتے رہے۔اس کے بعد درس و تدریس تصنیف وتالیف شروع کیا۔اور ۱۳۰۰ھ میں وفات پاگئے(۵۴۶)۔ یہ کتاب کامل سلیمان الجبوری کے تحقیق وحاشیہ کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔کتاب حروف تہجی کے ترتیب پر ابواب میں تقسیم کیا ہے مثلاً باب "الالف" میں لکھتے ہیں اعاجیب: قبیلة من المعدویة فی العراق"(۵۴۷)۔اس طرح باب "میم" میں مرۃ کے قبیلہ کی نسبت یوں بیان کیا ہے:ابو قبيلة من قريش وهو مرة بن كعب بن لوئي بن غالب بن فهر بن مالك بن النضر (۵۴۸)اور "باب حاء" میں یکھوذا کی نسب ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں: اخو یوسف الصدیق،ابو قبیلة من بنی اسرائیل(۵۴۹)۔

علم معرفۃ الاسماء والکنٰی

نام اور کنیت کی معرفت

علم حدیث ایک گلدستہ کی مانند ہے جس میں کئی قسم کے پھول ہوتے ہیں۔ اس کی مختلف انواع و اقسام ہیں۔ ان میں اصول حدیث، تاریخ حدیث، علم جرح و تعدیل، متن حدیث پھر ان کی کئی اقسام ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک قسم، معرفۃ الاسماء والکنٰی والقاب ہے۔ بعض اوقات کسی راوی کا نام اور کنیت بھی وہی نام ہوتا ہے بعض اوقات وہ اپنے نام کے ساتھ مشہور ہوتا ہے۔ کنیت کے ساتھ نہیں یا اس کے برعکس یعنی کنیت کے ساتھ مشہور ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ اپنی کنیت سے مشہور ہیں جبکہ امام مالک اپنے نام سے مشہور ہیں۔

کنیت کی تعریف

اپنے بیٹے یا باپ کے نام کی طرف منسوب ہونے کو عربی میں کنیت کہتے ہیں۔ مثلاً ابوالقاسم، ابوالحسن ابوعبداللہ اور ابن عمر وغیرہ۔ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ کنیت لازماً بیٹے کی وجہ سے ہی ہو۔ بیٹے کے بغیر ویسے بھی بعض لوگوں نے کنیت اختیار کی۔ مثلاً ابوبکر حالانکہ ابوبکر کا کوئی ایسا بیٹا نہ تھا، جس کا نام بکر ہو۔ اسی طرح ابوہریرہ، اور حضرت عائشہ کی کنیت ام عبداللہ تھی حالانکہ ان کا بیٹا عبداللہ نہ تھا (۵۵۰)۔

یہ بڑا پیچیدہ فن ہے جس کی کئی قسمیں ہیں:

۱۔ نام اور کنیت ایک ہی ہو جیسے ابو بلال الاشعری۔

۲۔ کنیت مشہور ہو مگر یہ علم نہ ہو کہ اس شخص کا اصل نام کوئی ہے یا نہیں۔ مثلاً ابواناس صحابی ہیں۔

۳۔ کوئی شخص کسی کنیت سے مشہور ہو جائے۔ حالانکہ اس کا اپنا نام اور اپنی حقیقی کنیت موجود ہو۔ جیسے ابوتراب علیؓ بن ابی طالب کی کنیت ہے حالانکہ ان کا نام علی اور اصل کنیت ابوالحسن تھی۔

۴۔ جس کی دو کنیتیں ہوں۔ مثلاً ابن جریج کی دو کنیتیں تھیں:

i۔ ابوالولید ii۔ ابوخالد

۵۔ کنیت میں اختلاف ہو مثلاً اسامہ بن زید، ان کی کنیت کے بارے میں تین اقوال ہیں:

i۔ ابو محمد　　ii۔ ابو عبداللہ　　iii۔ ابو خارجہ

۶۔ کنیت تو مشہور ہو مگر نام میں اختلاف ہو۔ مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ کے نام کے متعلق کئی اقوال ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ ان کا نام عبدالرحمٰن بن صخر تھا۔

۷۔ جس کے نام اور کنیت دونوں میں اختلاف ہو۔ مثلاً سفینہ کے متعلق کہتے ہیں کہ ان کا نام عمیر یا صالح یا مہران تھا اور کنیت ابو عبدالرحمٰن یا ابو البختری تھی۔

۸۔ جس کی کنیت اور نام دونوں معروف ہوں اور دونوں کے ذریعے شہرت رکھتا ہو۔ مثلاً ابو عبداللہ سفیان ثوری، ابو عبداللہ امام مالک، ابو عبداللہ محمد بن ادریس الشافعی، ابو عبداللہ احمد بن حنبل (۵۵۱)۔

فائدہ

اس علم کا فائدہ یہ ہے کہ ایک ہی کنیت رکھنے والے دو اشخاص کے درمیان اشتباہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب ایک شخص کا کبھی نام ذکر کیا جائے اور کبھی کنیت تو یہ گمان ہوتا ہے کہ دو آدمی ہیں حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا، اس کا علم ہو جاتا ہے۔

تالیف کا طریقہ

اس فن میں تالیف کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے کنیت ذکر کی جاتی ہے اور لفظ ''ابو'' کو چھوڑ کر اس کے بعد پہلے حرف کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اس طرح ''ابو'' کے بعد آنے والے تمام اسماء حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کئے جاتے ہیں مثلاً: ابو اسحاق حرف الف میں ہوگا، پھر اس کے نام کا ذکر آئے گا۔ اسی طرح باب الباء میں ''ابو بشر'' پھر اس کا نام آئے گا۔

اسی طرح ابو عبداللہ　　حرف عین میں ہوگا

ابو محمد　　حرف میم میں ہوگا (۵۵۲)۔

الاسماء والکنٰی پر اہم تصنیفات

محدثین کرام نے جس طرح راویانِ حدیث کے تراجم و احوال پر کتابیں تصنیف کیں۔ اسی

طرح ان حضرات نے اس ضرورت کے پیش نظر کہ ان کے ناموں میں اشتباہ و التباس نہ پیدا ہو سکے۔ بعض راوی اپنے ناموں سے مشہور ہوتے ہیں بعض کنیتوں سے مشہور ہوتے ہیں۔ بعض دونوں سے مشہور ہوتے ہیں اور بعض کسی خاص صفت کی وجہ سے مشہور ہوتے ہیں یا لقب کی وجہ سے یا اپنے نسب کی وجہ سے مشہور ہوتے ہیں۔ ان چیزوں کو جاننے کے لیے مختلف لوگوں نے کتب لکھی ہیں۔ بعض نے صرف اسماء پر بعض نے کنیتوں پر اور بعض نے القاب کے بارے میں۔ بعض نے انساب پر بھی کتابیں لکھی ہیں۔ ان تمام کا مقصد یہ تھا کہ راوی کے بارے میں معلومات ہو جائیں۔ ان میں سے چند کتابوں کا اجمالی تعارف مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ ''الاسامی والکنیٰ''

تعارف مصنف

نام و نسب ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی۔ آپ بغداد میں ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے اپنے آپ کو سماع حدیث کے لیے وقف کر دیا۔ آپ اسلامی دیار و بلاد میں خوب سیر کی اور وقت کے نامور اساتذہ سے حدیثیں سنیں۔ آپ کے شیوخ میں ہشیم اور ابراہیم بن سعید اور سفیان بن عیینہ جیسے اکابر محدثین شامل ہیں۔ آپ نے حدیث کی جانب پوری توجہ مبذول کی۔ حتیٰ کہ اہل الحدیث آپ کو اپنا امام قرار دیتے ہیں۔ امام شافعی حدیث و فقہ میں مہارت کے باوجود احادیث کی تصحیح و تصنیف کے بارے میں امام احمد پر اعتماد کیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بغداد میں امام شافعی کی ملاقات ان سے ہوئی تو فرمایا: ''جب کسی حدیث کی صحت آپ کے نزدیک ثابت ہو جائے تو مجھے بتا دیا کریں تاکہ میں اس پر عمل کروں خواہ اس کے راوی شامی اور عراقی ہوں یا حجازی اور یمنی'' (۵۵۳)۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: ''جب میں عراق سے نکلا تو اپنے پیچھے احمد بن حنبل سے بڑھ کر صاحب علم و فضل اور عابد و زاہد شخص نہیں چھوڑا'' (۵۵۴)۔ تمام معاصرین نے باختلاف مذاہب و مسالک آپ کے علم و فضل اور حدیث نبوی میں مہارت کا اعتراف کیا ہے۔

اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں: ''احمد بن حنبل کائنات پر اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان حجت ہیں'' (۵۵۵)۔

خلیفہ ماموں ومعتصم پر غلبہ پا کر بعض معتزلہ نے ان سے یہ کہا تھا کہ لوگوں کو خلق قرآن کا عقیدہ تسلیم کرنے پر مجبور کیا جائے آپ کو بھی مجبور کیا گیا مگر آپ نے انکار کر دیا۔اس کی پاداش میں آپ کو قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑا اور آپ کو دُرّے مارے گئے۔مگر آپ اپنے عقیدہ پر جمے رہے۔اس واقعہ کے بعد بشر الحانی نے بیان کیا ہے کہ''امام احمد کو بھٹی میں ڈالا گیا تو آپ کندن بن کر نکلے۔امام احمد بغداد میں ۲۴۱ھ میں فوت ہوئے جبکہ تمام علماء آپ کے ثنا خواں اور مدح گستر تھے''(۵۵۶)۔

تعارف کتاب

امام احمد بن حنبل نے جو کتاب لکھی ہے۔اس کا نام''کتاب الاسامی والکنٰی'' ہے۔جس میں انہوں نے رواۃ کے نام لکھے ہیں۔اور اگر کسی راوی کا نام معلوم ہو تو اس کی کنیت کا ذکر کیا ہے۔اگر کسی کی کنیت معلوم تھی تو اس کا نام لکھا ہے اور بعض واقعات کو انہوں نے سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔امام احمد نے اس کتاب میں ۴۳۸ راویوں کا نام اور کنیتوں کا ذکر کیا ہے اور اس کی پوری وضاحت کی ہے۔کتاب ابتداء سے (حافظ ابو طاہر سلفی) سے پوری سند کے ساتھ امام احمد بن حنبل تک پہنچتی ہے(۵۵۷)۔

سب سے پہلے انہوں نے ابو بکر صدیق کا نام ذکر کیا ہے کہ ایک سند کے مطابق عتیق بن عثمان تھا(۵۵۸) پھر دوسری سند سے نام عبداللہ بن عثمان ذکر کیا ہے(۵۵۹)۔بعد ازاں اس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ ان کی شان میں قرآن کی یہ آیات نازل ہوئیں۔

فامّا من اعطیٰ واتقی وصدق بالحسنٰی فنیسرہ للیسرٰی (۵۶۰)(وہ جس نے دیا اور پرہیزگاری کی اور سب۔سے اچھی بات کی تصدیق کی۔ہم اس کو آسان راستے کی سہولت دیں گے)۔اسی طرح انہوں نے ہند بن ابی طالب کی کنیت ام ھانی لکھی ہے(۵۶۱)۔اسی طرح مشہور صحابی ابو مرثد الغنوی کا نام کناز بن حصین لکھا ہے(۵۶۲)۔بعض ناموں کو رسول اللہ ﷺ نے بدلا اس کا ذکر کیا ہے۔مثال کے طور پر عبداللہ۔بن سلام کا نام الحصین تھا۔حضور اکرم ﷺ نے اس کا نام عبداللہ رکھا(۵۶۳)۔

عبدالرحمٰن بن عوف کا نام عبد عمرو تھا ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا(۵۶۴)۔ابو سفیان کا نام صخر بن

حرب لکھا ہے(۵۶۵)۔ابو ذرؓ کا نام جندب بن جنادہ لکھا ہے(۵۶۶)۔بعض لوگوں کے بارے میں ناموں کے علاوہ اور بھی وضاحتیں دے دیتے ہیں۔مثلاً حضرت قتادہؓ بن نعمان کے بارے میں لکھا ہے کہ بدری صحابی تھے اور حضرت ابو سعید خدریؓ کے ماں جائے بھائی تھے(۵۶۷)۔بعض راویوں کی احادیث کو بھی بیان کیا گیا ہے۔بعض اوقات اگر دو کنیتیں ایک جیسی ہوں تو ان کی وضاحت کی جائے مثلاً لکھا ہے: ام الدرداء الصغری کا نام ھجیمہ تھا بعض نے جھیمہ بنت فلان الوصابیہ لکھا ہے(۵۶۸)۔پھر لکھا ہے ام الدرداء الکبریٰ کا نام خیرۃ ابی حدرد ہے۔

اسی کے آخری راوی ابو ایاز معاویہ بن قرۃ ہیں(۵۶۹)۔

۲۔ الکنیٰ

تعارف مصنف

نام ونسب ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم تھے۔آپ امام المحدثین وشیخ الحفاظ کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔آپ بخارا کے شہر میں ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔اٹھارہ برس کی عمر میں انہوں نے اپنی پہلی کتاب ''قضایا الصحابة والتابعین ''مرتب کی۔اس کے بعد حضورؐ کے روضہ کے پاس بیٹھ کر دوسری کتاب ''تاریخ کبیر'' لکھی اور اس کے علاوہ متعدد کتب کے مصنف بھی ہیں اور آپ کی مشہور تصنیف ''الجامع الصحیح'' ہے۔جسے اصح الکتب بعد کتاب اللہ سمجھا جاتا ہے یعنی قرآن پاک کے بعد سب سے صحیح ترین کتاب ہے۔آپ نے ۲۵۶ھ میں باسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی(۵۷۰)۔

تعارف کتاب

امام بخاری نے نہایت گراں قدر اور مفید تصنیفات مسلمانوں کے لیے پیچھے چھوڑیں۔اسماء الرجال پر جہاں دوسرے لوگوں نے لکھا وہاں امام صاحب بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔آپ نے اسماء الرجال پر ایک کتاب ''الکنیٰ'' کے نام سے لکھی۔دراصل ''الکنیٰ'' امام بخاری کی تاریخ کا ہی ایک حصہ ہے۔یہ کتاب الگ بھی شائع ہوئی ہے(۵۷۱)۔اس کتاب میں امام بخاری نے ۹۹۳ راویوں کے بارے میں لکھا ہے۔

یہ کتاب امام کے شاگرد ابوالحسن محمد بن ابراہیم بن شعیب المعروف بالغازی کی روایت سے ہے۔شروع کتاب سے لے کر تقریباً ص ۱۸ تک مطلقاً ''باب'' سے شروع کیا ہے پھر ہر حرف کے لیے الگ الگ باب بنائے ہیں مثلاً باب الالف، باب الجیم، باب الحاء وغیرہ۔ ابتداء میں بسم اللہ کے بعد باب الکنیٰ لکھا ہے۔اس کے پہلے راوی ابوامیہ بن الحنش ہیں۔ دوسرے راوی ابوامیہ مخزومی ہیں۔ تیسرے راوی ابوامیہ انصاری ہیں (۵۷۲)۔

امام بخاری نے راویوں کی کنیت کا ذکر کیا ہے اور بعض اوقات ان کی احادیث بھی بیان کی ہیں۔مثلاً دوسرا راوی ابوامیہ مخزومی (۵۷۳)۔بعض اوقات راوی کی کنیت کے ساتھ اس کا نام بھی ذکر کیا ہے۔اور جس سے روایت کی اس (استاد) کا بھی ذکر کیا ہے۔مثال کے طور پر ابوالاشعث ان کا نام عطار لکھا ہے۔اور جن سے وہ روایت کرتے ہیں ان کا نام حمزہ اسلمی ہے۔ ان سے روایت کرنے والے اشعث بن سوار کا ذکر ہے (۵۷۴)۔

امام بخاری نے راویوں کی کنیت کے سلسلہ میں بھی ہر باب میں حروف تہجی کا لحاظ رکھا ہے اور بعض مقام پر کنیت کے ساتھ ان کے قبیلہ کے تعلق کو بھی بیان کرتے ہیں (یعنی ان کے قبیلے کا ذکر کرتے ہیں)۔مثلاً ابوالاسود الریاض، ابوالاسود الغفاری وغیرہ (۵۷۵)۔اور کبھی کنیت کے ساتھ ان کی علاقائی نسبت کو بیان کرتے ہیں جیسے ابوالاسود البصری وغیرہ (۵۷۶)۔بعض اوقات صرف شاگرد کا ذکر کرتے ہیں۔جیسے اکیسواں راوی ابوالاصبع ہے۔ان سے ابن جریج نے بیان کیا ہے۔بعض راویوں کے استادوں اور شاگردوں کا بھی ذکر کیا ہے (۵۷۷)۔

۳۔ کتاب الاسماء والکنیٰ

تعارف مصنف وکتاب

علی بن المدینی (۱۶۱-۲۳۴ھ) ممتاز ائمہ میں سے تھے۔اسماء الرجال اور علل حدیث میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔آپ نے اس ضمن میں عدیم النظیر کتابیں تصنیف کی ہیں۔اس لیے علمائے حدیث نے آپ کی تحسین کی اور آپ کی مہارت وبصیرت کا اعتراف کیا ہے۔چنانچہ سفیان بن عیینہ اور یحییٰ القطان جو کہ دونوں ان کے استاد ہیں۔یحییٰ قطان فرماتے ہیں: ''بخدا جس قدر علم وہ مجھ سے

حاصل کرتے تھے اس سے کئی گنا زیادہ میں ان سے حاصل کرتا تھا" (۵۷۸)۔

ابن المدینی امام بخاری کے استاد ہیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں: "علی بن المدینی کے سوا کسی اور کے سامنے مجھے اپنی بے مائگی کا احساس نہیں ہوا" (۵۷۹)۔ ابو حاتم فرماتے ہیں: "ابن المدینی حدیث اور علل کی پہچان میں نہایت بلند مقام رکھتے ہیں" (۵۸۰)۔

امام حاکم نے اپنی کتاب "معرفۃ علوم حدیث" میں ابن المدینی کی متعدد تصانیف کا تذکرہ کیا ہے۔ جن سے ان کے بلند پایہ عالم ہونے اور علوم الحدیث میں مہارت و بصیرت کا پتہ چلتا ہے" (۵۸۱)۔ "کتاب الاسماء والکنٰی "اسماء الرجال پر ان کی اہم تصنیف ہے۔ یہ کتاب بہت جامع ہے اور آٹھ اجزاء پر مشتمل ہے۔ علی بن المدینی کا دور ۱۶۱ھ سے ۲۳۴ھ تک ہے۔ یہ کتاب غیر مطبوع ہے۔

۴۔ الکنٰی

ابو احمد محمد بن احمد المعروف حاکم کبیر

تعارف مصنف و کتاب: اس کتاب کے مصنف نیشاپور کے بلند پایہ حافظ حدیث محمد بن محمد بن احمد بن اسحاق ہے۔ حاکم کبیر کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ ۲۸۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اس کتاب کے مصنف نیشاپور کے بلند پایہ حافظ حدیث محمد بن محمد بن احمد بن اسحاق ہیں۔ حاکم کبیر کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ ۲۸۵ھ میں پیدا ہوئے۔

امام ذہبی لکھتے ہیں: "ابو احمد، الحاکم، محدث خراسان، الامام، الحافظ الجهبذ، محمد بن محمد بن احمد بن اسحاق النیسابوری الکرابیسی صاحب التصانیف وھذا ھو الحاکم الکبیر مؤلف کتاب الکنی " (۵۸۲)۔ ۳۴۳ ہجری میں منصب قضاء پر فائز ہوئے اور مدت تک مختلف شہروں کے قاضی (جج) رہے۔ ان کے کمرہ عدالت میں ہمیشہ کتابوں کا ڈھیر ہوتا تھا جب فریقین کے درمیان فیصلہ کرنے سے کچھ وقت بچتا تو کتابوں کے مطالعہ میں مصروف ہو جاتے تھے (۵۸۳)۔

آخر عمر میں آبائی وطن خراسان میں رہ کر عبادت الٰہی، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے

لیے صرف کر دی۔ امام حاکم کے مطابق آپ نے صحیحین اور جامع ترمذی پر فوائد علیہ کا اضافہ کیا(۵۸۴)۔ اپنے دور کے فن حدیث کے امام اور بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ شرط صحیح، اسامی اور کنیٰ کی معرفت میں سب پر مقدم سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے ۹۳ سال کی عمر میں ۳۷۸ھ کو وفات پائی(۵۸۵)۔

آپ کی تصانیف میں سے ایک اہم تصنیف ''کتاب الکنیٰ'' ہے۔ یہ کتاب چودہ مجلدات پر مشتمل ہے۔ یہ بہت عمدہ کتاب ہے۔ اس میں دوسری کتب سے زائد مواد موجود ہے۔ حافظ ذہبی نے اس کتاب کو از سر نو حروف تہجی کے مطابق مرتب کیا اور اس کا نام ''المقتنی فی سرد الکنی'' رکھا(۵۸۶)۔

۵۔ کتاب الکنیٰ والاسماء

تعارف مصنف و کتاب

ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری امام کبیر اور عظیم حافظ حدیث تھے۔ آپ ۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے۔ وہ احادیث کی تلاش میں مختلف اسلامی بلاد و امصار میں گھومے پھرے(۵۸۷)۔ آپ کی امامت وجلالت اور مہارت و حذاقت پر علماء کا اجماع ہے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل آپ کی کتاب صحیح مسلم ہے۔ اس کے علاوہ متعدد تصانیف ہیں۔ اسماء الرجال پر بھی انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ''کتاب الکنیٰ والاسماء'' ہے۔ آپؒ نے ۲۶۱ھ میں وفات پائی(۵۸۸)۔

۶۔ الکنیٰ والاسماء

تعارف مصنف و کتاب

یہ کتاب رَے کے مشہور حافظ حدیث ابوالبشر محمد بن احمد بن حماد بن بن سعید بن مسلم انصاری، الدولابی کی ہے۔ آپ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ انہوں نے ۳۱۰ھ میں وفات پائی(۵۸۹)۔ یہ کتاب دو اجزاء پر مشتمل ہے اس کے ابتداء میں رسول اللہ ﷺ کے نام، کنیت اور آپ کے ہم نام کنیت رکھنے کی ممانعت وغیرہ عنوانات کے تحت تفصیلات جمع کی ہیں اور احادیث واقوال کو سند

کے ساتھ بیان کیا ہے۔ پھر ان صحابہ کرام کے کنیتوں کو بیان کیا ہے جن کو رسول اللہؐ نے جنت کی بشارت دی تھی اور وہ کنیت سے بھی معروف تھے انہیں مستقل عنوان کے تحت بیان کیا ہے مثلاً ''کنیۃ سعد بن ابی وقاص'' (۵۹۰)۔ پھر ان تمام صحابہ کرام کے کنیتوں کے متعلق احادیث واقوال کو سند کے ساتھ ابواب کی شکل میں بیان کیا ہے۔ لفظ باب کی بجائے ''من ابتداء کنیته ۔۔۔'' استعمال کیا ہے۔ مثلاً ''من ابتداء کنیته ت'' اور حروف تہجی کا لحاظ رکھتے ہوئے جمع کیا ہے (۵۹۱) اور تابعین میں سے بھی جو کنیت سے معروف تھے ان کو بھی اسی ترتیب سے جمع کیا ہے لیکن ان کے لیے لفظ باب استعمال کیا ہے۔ مثلاً باب الغین (۵۹۲)۔ اس کتاب کی اطراف حدیث کو مولانا برق توحیدی نے ''مفتاح الهدیٰ لاحادیث الکنیٰ'' کے نام سے جمع کیا ہے اور اس میں حروف تہجی کا لحاظ رکھا ہے (۵۹۳)۔

۷۔ الاسامی من یعرف بالکنیٰ

تعارف مصنف و کتاب

آپ کی کنیت ابو حاتم، نام محمد بن حبان اور بست مقام کی نسبت کی وجہ سے البستی مشہور ہے۔ تحصیل علم کے لیے مصر سے خراسان تک تمام شہروں کا سفر کیا۔ اور ابو عبدالرحمٰن نسائی، ابو یعلی موصلی اور ابو بکر بن خزیمہ جیسے نامور محدثین سے استفادہ کیا (۵۹۴)۔ کچھ عرصہ سمرقند اور نساء میں قضاء عہدہ پر فائز رہے (۵۹۵)۔ ۳۴۰ھ میں واپس اپنے وطن خراسان آ کر درس و تدریس شروع کیا تو آپ سے پڑھنے کے لیے طلبہ کے قافلے مختلف شہروں سے آئے تھے (۵۹۶)۔

امام حاکم فرماتے ہیں: ''ابن حبان لغت اور حدیث میں علم کا خزانہ تھے'' (۵۹۷)۔ آپ نامور شاگردوں میں امام حاکم، منصور بن عبداللہ خالدی، ابو معاذ عبدالرحمان بن محمد بن رزق اللہ، ابوالحسن محمد بن احمد بن ہارون زوزنی، محمد بن احمد بن منصور نوقانی شامل ہیں (۵۹۸)۔

درس و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ تصنیف و تالیف میں بھی پیش پیش تھے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں ''صاحب تصانیف'' (۵۹۹)۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ کی تصنیفات میں سے ایک مفید تصنیف ''الاسامی من یعرف بالکنیٰ'' ہیں۔ انہوں نے یہ کتاب ان راویوں کی کنیتوں کے بارے میں لکھی ہے جو راویان حدیث اپنے نام کے ساتھ معروف تھے۔ یہ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے اور بہت

عمدہ کتاب ہے۔ابن حبان نے ۳۵۴ھ میں وفات پائی (۶۰۰)۔

۸۔ الاکمال فی رفع الارتیاب عن المؤتلف والمختلف فی الاسماء الکنٰی والانساب

تعارف مصنف وکتاب

حافظ امیر ابونصر علی بن ہبۃ اللہ بن جعفر بغدادی (۴۲۱ھ-۴۷۵ھ) یہ ابن ماکولا کے نام سے مشہور تھے۔ان کی یہ کتاب نہایت مفید ہے(۶۰۱)۔مؤرخ ابن خلکان نے اس کو بے نظیر کتاب قرار دیا ہے(۶۰۲)۔اس کتاب کو تصنیف کرتے وقت مصنف نے عبدالغنی ازدی اور خطیب بغدادی کی کتب کو پیش نظر رکھا ہے۔مصنف اپنی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب میں نے خطیب احمد بن علی بن ثابت کی کتاب ''تکملۃ المؤتلف والمختلف'' اور دوسرے مصنفین کی کتب کو دیکھا تو ان میں بکثرت اغلاط پائیں۔انہوں نے بعض لوگوں کی نسبتیں غلط بیان کیں۔کئی ایک کا ذکر نہیں کیا اور بعض کا تعارف مشکوک کردیا۔یہ دیکھ کر میں نے ایک جامع اور درست کتاب لکھنے کا فیصلہ کیا۔میں نے اس کام کا آغاز حصول ثواب وقبولیت کی نیت سے کیا۔اور میں نے اس کتاب کو حروف معجم کی ترتیب سے مرتب کیا ہے۔ابواب کا آغاز اسی سے کیا۔پھر کنیتوں اور آباؤاجداد کی نسبت کا لحاظ رکھا۔اسی طرح میں نے رواۃ،امراء اور اشراف کا لحاظ رکھا ہے(۶۰۳)۔

مصنف مزید لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے میں نے صحابہ،پھر تابعین اور اتباع تابعین کا ذکر کرنے کے بعد درجہ بدرجہ دوسرے لوگوں کا تعارف کردیا ہے(۶۰۴)۔

ابن ماکولا اپنے تحقیقی کام کے اوصاف بیان کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ دارقطنی، خطیب بغدادی اور ابن سعید ازدی کی کتب میں جن باتوں میں اضطراب تھا،میں نے ان کی تحقیق کی اور ان حضرات کے اوہام کی تصحیح کی۔مجھے اس فن پر تصنیف میں اوّلیت کا دعویٰ ہے اور نہ ہی اسلاف کی برابری کا گمان۔مگر میں یہ کہتا ہوں کہ میں نے اپنے پیش رو علماء کی پیروی کی ہے(۶۰۵)۔

کتاب الاکمال کا ذیل (ضمیمہ) حافظ ابوبکر محمد بن عبدالغنی بغدادی نے '' اکمال

الاکمال" کے نام سے لکھا تھا۔ اس کتاب (ضمیمہ) کا تکملہ اکمال الکمال فی الانساب والاسماء ولا نساب" کے نام سے شیخ جمال الدین ابوحامد محمد بن علی ابن الصابونی (م ۶۸۰ھ) نے تحریر کیا جو کہ ابن ماکولا کی الاکمال کی ساتویں جلد کے ساتھ شائع ہوا ہے جو کہ ۴۳ صفحات پر مشتمل ہے (۶۰۶)۔

۹۔ تحفۃ ذوی الارب فی مشکل الاسماء والنسب

یہ کتاب ابن خطیب الدہشہ محمد بن احمد ہمدانی (۷۵۰ھ-۸۳۴ھ) کی ہے۔ مصنف نے اس کتاب کو ۸۰۴ھ میں تالیف کیا تھا (۶۰۷)۔

۱۰۔ الکنیٰ

اس نام کی امام نسائی اور عبدالرحمٰن بن ابی حاتم وغیرہ کی کتابیں ہیں (۶۰۸)۔

۱۱۔ الاستغناء فی معرفۃ الکنیٰ

ابن عبدالبر (ت ۴۶۳ھ)۔

۱۲۔ المنیٰ فی الکنیٰ

حافظ سیوطی (ت ۹۱۱ھ)۔

معرفۃ الالقاب

تعریف القاب، لقب کی جمع ہے۔ لقب اس صفت کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے کوئی شخص مشہور ہو جائے۔ خواہ وہ اچھے معنی پر دلالت کرے یا برے معنی پر دلالت کرے (۶۰۹)۔ بعض محدثین اور راویانِ حدیث القاب سے مشہور ہیں۔ اس لیے ان کے اصل نام معلوم کرنے کے لیے اور لقب کا صحیح تلفظ واضح کرنے کو معرفۃ الالقاب کہتے ہیں۔ اس کے دو فائدے ہیں: ۱۔ بعض لقب سے مشہور ہوتے ہیں کوئی شخص لقب کو نام نہ سمجھ بیٹھے اور جس شخص کا کبھی نام ذکر ہوتا ہو لوگ نام کو لقب نہ سمجھ لیں کبھی لقب اور نام الگ ہوتے ہیں تو اس پر دو شخصوں کا گمان نہ ہو۔ ۲۔ وہ سبب معلوم ہو جائے جس کی بناء پر وہ شخص اس لقب سے مشہور ہو۔ کیونکہ لقب کے معنی کبھی کبھی اچھے نہیں ہوتے۔ اس لیے اسباب جاننا ضروری ہے (۶۱۰)۔ القاب کی دو قسمیں ہیں:

الف: ایک وہ جو صاحبِ لقب کو پسند ہو۔ اور اس کی عظمت پر دلالت کرے جیسے زین العابدین۔

ب: دوسرے وہ جو صاحبِ لقب کو پسند ہو یا نہ ہو اور اس کی صفت معلوم رہے انف الناقۃ (۶۱۱)۔

مثالیں ۱۔ الضال: جس کے معنی گمراہ کے ہیں۔ یہ معاویہ بن عبدالکریم کا لقب ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ مکہ کے راستے میں بھول گئے تھے۔

۲۔ الضعیف: اس کے معنی کمزور کے ہیں یہ عبداللہ بن محمد کا لقب الضعیف تھا۔ وہ جسمانی طور پر کمزور تھے۔ حدیث میں نہیں (۶۱۲)۔ عبدالغنی بن سعید فرماتے ہیں ''دو جلیل القدر آدمیوں کے ساتھ قبیح لقب لگ گئے ہیں۔ ایک الضال دوسرا الضعیف'' (۶۱۳)۔

۳۔ غُندر: مجازی لغت میں اس کے معنی ہیں ''شور مچانے والا'' اور یہ محمد بن جعفر البصری کا لقب ہے جو کہ شعبۃ بن الحجاج'' کے ساتھی تھے۔ اس لقب کا سبب یہ ہوا کہ وہ ابن جریج کے پاس آئے تو انہوں نے شور مچایا تو ابن جریج نے فرمایا کہ ''اسکت یا غندر'' (۶۱۴)۔

۴۔ مشکدانۃ: عبداللہ بن عمر الاموی کا لقب ہے۔ فارسی کا لفظ ہے۔ جس کا معنی ہے مشک کا دانہ یا مشک رکھنے کا برتن (۶۱۵)۔

۵۔ مطین: ابو جعفر محمد بن عبداللہ بن سلیمان الکوفی الحضرمی کا لقب ہے۔ جب وہ بچے تھے تو دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ بچے مٹی لا کر ان کی پیٹھ پر مَل رہے تھے۔ مٹی کو عربی میں طین کہتے ہیں۔ ابو نعیم دکین وہاں سے گزرے کہنے لگے "اے مطین تم علم کی مجلس میں کیوں نہیں بیٹھتے"۔ چنانچہ ان کا یہ لقب پڑ گیا(۶۱۶)۔

۶۔ غنجار: رخساروں کی سرخی کی وجہ سے۔ عیسیٰ بن موسیٰ تیمی کا لقب تھا۔

۷۔ صاعقہ: حافظ محمد بن ابراہیم، استاد بخاری کا لقب تھا۔ ان کی قوت حفظ و یاد کی وجہ سے (۶۱۷)

القاب پر مشتمل کتب

۱۔ **نزھۃ الالباب** یہ حافظ ابن حجر کی کتاب ہے۔ آپ کی تالیفات کی تعداد ۱۵۰ سے بھی زائد ہے(۶۱۸)۔ القاب پر آپ کی سب سے عمدہ تصنیف "نزھۃ الالباب" ہے(۶۱۹)۔ بعد ازاں آپ کے شاگرد سخاوی (ت ۹۰۲ھ) نے اس میں مفید اضافے بھی کیے ہیں اور الگ مستقل کتاب بنادی جس کا نام "عمدۃ الاصحاب فی معرفۃ الالقاب" رکھا۔ آپ ۸۵۲ھ میں فوت ہوئے۔

۲۔ کتاب الاسماء والالقاب ابو الفرج بن الجوزی (م ۵۹۷ھ)۔

۳۔ کتاب الالقاب والکنٰی ابو بکر احمد بن عبدالرحمٰن (م ۴۰۷ھ)۔

۴۔ کتاب مجمع الآداب فی معجم الاسماء والالقاب ابو الولید الفرضی محدث اندلس۔

۵۔ فتح الباب فی الکنٰی والالقاب محمد بن اسحاق ابن مندہ (۳۱۵ھ-۳۵۵ھ)(۶۲۰)

۶۔ المنتھی فی الکمال فی معرفۃ الرجال ابو الفضل علی بن الحسین (م ۴۰۷ھ یا ۴۲۷ھ)

۷۔ عمدۃ الاصحاب فی معرفۃ الالقاب، سخاوی (م ۹۰۲ھ)۔

۸۔ کشف النقاب عن الالقاب، سیوطی (م ۹۱۱ھ)(۶۲۱)۔

عبدالغنی بن سعید الازدی المصری (م ۴۰۹ھ) اور ابو الولید ابن الدباغ یوسف بن عبدالعزیز الاندلسی (م ۵۴۶ھ) نے بھی القاب پر کتابیں لکھی ہیں۔

علم الطبقات

لغوی مفہوم

لغوی اعتبار سے لفظ ''طبقۃ'' میں کسی جماعت یا گروہ کے لوگوں کے درمیان موافقت، مطابقت، انضمام، مناسبت، تشابہت یا درجہ اور مرتبت کا مفہوم پایا جاتا ہے(۶۲۲)۔طبقات، طبقہ کی جمع ہے۔ جب اسم زماں کے طور پر آئے تو نسل کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن اسم مکاں میں ایک جیسے کے معنی پائے جاتے ہیں۔ طبقات میں لوگوں کے ایسے گروہ کا تذکرہ ہوتا ہے جن میں زمانہ، نسل، علاقہ، رقبہ، شیوخ یا کسی اور لحاظ سے موافقت ومطابقت ہو۔

اصطلاحی مفہوم

محدثین کے نزدیک طبقہ سے مراد ہے۔''ھم القوم المتشابھون فی السن وفی الشیوخ الذین اخذوا عنھم العلم''(۶۲۳)(علماء کا، ایسا گروہ جو ہم عصر اور شیوخ کے اعتبار سے تشابہ ہو جن سے انہوں نے علم (حدیث) اخذ کیا ہو)۔

طبقہ کی عصری تحدید

امام ہجری نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں طبقہ بیس سال کا ہوتا ہے(۶۲۴)، جبکہ امام بخاری اور امام ذہبی نے طبقہ کا لحاظ دس سال کے اعتبار سے کیا ہے(۶۲۵)۔

امام حاکم نے طبقہ سے لوگوں کے مراتب میں اختلاف مراد لیا ہے۔ انہوں نے صحابہ کے آپس میں مقام ومرتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے انہیں بارہ طبقات میں تقسیم کیا ہے جس میں قبول اسلام میں سبقت، ہجرت نیز غزوات وغیرہ میں آپ کی معیت کو مدنظر رکھا گیا ہے جبکہ تابعین کو پندرہ طبقات میں منقسم کیا ہے(۶۲۶)۔اسی طرح ابن سعد نے صحابہ کرام کے تین اور تابعین کے چار طبقے گردانے ہیں(۶۲۷)۔

طبقات کے مراتب

تقریب التھذیب میں امام ابن حجر نے طبقات کی درج ذیل اعتبار سے درجہ بندی کی ہے:

۱۔ استاد اور شاگرد کے درمیان ملاقات کے اعتبار سے۔

۲۔ پیدائش کے اعتبار سے۔ ۳۔ وفات کے اعتبار سے۔

۴۔ عمر کے اعتبار سے۔ ۵۔ زمانے/عہد کے اعتبار سے۔

۶۔ سن طلب کے اعتبار سے (صغر سنی میں کثیر شیوخ سے ملاقات کرنے یا کبر سنی میں ملاقات کے اعتبار سے) (۶۲۸)۔ مراتب کے ساتھ ساتھ زمانے کے لحاظ سے امام ابن حجر نے طبقات کی درج ذیل تقسیم کی ہے:

پہلا طبقہ: اپنے اپنے مرتبے کے لحاظ سے صحابہ کرام۔

دوسرا طبقہ: کبار تابعین، جیسے ابن مسیبؒ، اگر مخضرمی ہو تو صراحت کر دی ہے۔

تیسرا طبقہ: درمیانہ طبقہ کے تابعین۔ جیسے حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ وغیرہ۔

چوتھا طبقہ: وہ تابعین جنہوں نے کبار تابعین سے روایت کی ہو جیسے زھری یا قتادہ۔

پانچواں طبقہ: چوتھے طبقے سے چھوٹے تابعین جنہوں نے ایک یا دو صحابہ کو دیکھا مگر ان کا صحابہ سے سماع ثابت نہ ہو جیسے اعمش۔

چھٹا طبقہ: وہ رواۃ جو پانچویں طبقہ کے ہم عصر ہوں مگر ان کی صحابہ سے ملاقات نہ ہوئی ہو، جیسے ابن جریج۔

ساتواں طبقہ: کبار تبع تابعین جیسے امام مالکؒ، امام ثوریؒ۔

آٹھواں طبقہ: درمیانے طبقہ کے تبع تابعین جیسے ابن عیینہ، ابن علیہ۔

نواں طبقہ: صغار تبع تابعین جیسے امام شافعی، ابو داؤد الطیالسی، عبد الرزاق۔

دسواں طبقہ: تبع تابعین سے روایت کرنے والے کبار رواۃ جو تابعین سے نہیں ملے جیسے امام احمد بن حنبلؒ۔

گیارھواں طبقہ: دسویں طبقہ کے درمیانے درجے کے رواۃ جیسے امام ذھلی، امام بخاری۔

بارھواں طبقہ: تبع تابعین سے روایت کرنے والے چھوٹے راوی جیسے امام ترمذی (۶۲۹)۔

ان میں سے پہلے اور دوسرے طبقہ کے رواۃ کا تعلق سن ۱۰۰ ہجری سے قبل زمانہ سے ہے۔ جبکہ تیسرے سے آٹھویں طبقہ تک کا زمانہ سن ۱۰۰ ہجری کے بعد کا ہے، اسی طرح نویں سے لے کر بارھویں طبقے کا تعلق سن ۲۰۰ ہجری کے بعد سے ہے۔ امام ابن حجر نے جس دقت نظر اور باریک بینی سے طبقہ کے مراتب اور ان کی درجہ بندی کی ہے اس سے ان کی علم طبقات میں مہارت اور درک کا اظہار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں "امیر المؤمنین فی علم طبقات الرجال" کہا گیا ہے (۶۳۰)۔

طبقات کا تعلق علوم الحدیث میں نقد اسناد سے ہے۔ اسے اگر علم اسماء الرجال کی تاریخ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ جس میں رواۃ کے حالات بیان کر کے اس کا طبقہ متعین کیا جاتا ہے جو علم تاریخ کا وظیفہ نہیں ہے۔ ثقاہت حدیث پر خارجی بحث میں علم اسماء الرجال کو بہت زیادہ اہمیت کے باعث اسے نصف علم حدیث گردانا گیا ہے۔ فن جرح وتعدیل بھی اسماء الرجال کی جانچ پڑتال کی ایک شاخ ہے۔ ان علوم کے باہمی ارتباط و تعلق سے ہمیں علم طبقات کی علوم الحدیث میں اہمیت و مقام کا پتہ چلتا ہے۔ درج ذیل چند مثالیں علم طبقات کے فوائد اور اس کی اہمیت پر شاہد عدل ہیں۔

(الف) علم طبقات کے ذریعے ہم نام رواۃ میں تمیز کرنا:

طبقات رواۃ کی معرفت سے ہی یہ چیز ممکن ہو سکتی ہے کہ متشابہ اور ایک جیسے ناموں کے رواۃ میں تمیز کی جا سکے۔ ایک مثال سے اس کی اہمیت واضح ہوگی۔

کوفہ میں اسماعیل بن ابان نام کے دو ہم عصر راوی تھے۔ ایک اسماعیل بن ابان الوراق الازدی (م ۲۱۶ھ) سے ہے جبکہ دوسرا اسماعیل بن ابان (م ۲۱۰ھ) الغنوی ان میں سے الوراق ثقہ راوی اور امام بخاری کے شیوخ میں سے ہے جبکہ دوسرا راوی الغنوی کذاب اور وضاع ہے (۶۳۱)۔ ان دونوں سے حافظ یعقوب ابن ابی شیبۃ بن الصلت البغدادی (م ۲۶۲ھ) روایت کرتا ہے۔ روایت میں ان دونوں کے درمیان تمیز کرنے کے لیے ہمیں علم الطبقات کا مرہون منت ہونا پڑے گا۔ جس سے ان کے شیوخ کا تعین ہوگا نیز ان سے روایت کرنے والے طبقہ سے بھی ان کی وضاحت ہوگی۔

(ب) تاریخی اعتبار سے غلطیوں کی تصحیح

ابوالقاسم الطبرانی (۲۶۰ھ-۳۶۰ھ) نے بعض روایتیں ابوبکر احمد بن عبداللہ بن عبدالرحیم بن البرقی سے روایت کی ہیں (۶۳۲)۔ محدثین نے اسے طبرانی کا وہم گردانا ہے کیونکہ جب ۲۷۰ھ میں البرقی مصر میں فوت ہوئے تو طبرانی ابھی فلسطین میں اپنی بچپن کی عمر کو پہنچے تھے اور تحصیل علم کا مرحلہ اس کے بعد طے کیا تھا۔ ان کے شیوخ کے طبقہ میں البرقی کے بھائی عبدالرحیم بن البرقی (م۲۸۶ھ) ہیں۔ طبرانی نے ان سے سنا اور گمان کیا کہ وہ احمد بن عبداللہ البرقی ہیں۔

(ج) سند میں وارد غیر منسوب راوی کا تعین

بعض دفعہ سند میں راوی کو اس کی کنیت یا صرف نام سے ذکر کیا جاتا ہے جس سے صراحتاً اس کا تعین نہیں ہو پاتا تو طبقات رواۃ کی مدد سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔ سفیان بن سعید الثوری (۹۷ھ-۱۶۱ھ) اور سفیان بن عیینہ (۱۰۷ھ-۱۹۸ھ) نے اکثر ایک ہی سلسلہ شیوخ سے روایت کی ہے۔ اور اسناد میں سفیان کے نام کا تعین نہیں ہو پاتا کہ دونوں میں سے کون ہے۔ اس کی وضاحت یوں ہوتی ہے کہ امام ثوری نے ابن عیینہ کے مقدم طبقہ سے اخذ کیا ہے جنہیں ابن عیینہ نے نہیں پایا۔ جیسا عمرو بن مُرّۃ اور زُبید الیامی وغیرہ۔ اسی طرح ابن عیینہ امام ثوری سے ۳۷ سال بعد تک زندہ رہے اور ان سے محدثین کے دو طبقات نے اخذ کیا ہے اور انہوں نے امام ثوری سے روایت نہیں کیا چنانچہ جب امام احمد اور ان کے طبقہ کے محدثین اپنی روایت میں بغیر وضاحت کے سفیان کے نام سے روایت کریں تو اس سے مراد ابن عیینہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب عبداللہ بن مبارک، یحیی القطان، وکیع، ابونعیم الفضل بن دُکین وغیرہ "حدثنا سفیان" کہیں تو اس سے مراد سفیان ثوری ہیں جبکہ سفیان بن عیینہ کو ان کے والد کی نسبت سے روایت کرتے ہیں (۶۳۳)۔

علم طبقات کے ذریعے کذاب اور متروکین کی نشاندہی

علم طبقات کے ذریعے کذاب اور ضعیف و متروک رواۃ کی اغلاط کی نشاندہی بڑی آسانی سے ہو جاتی ہے کہ جب ایک راوی ایک طبقہ کے راوی سے روایت کر رہا ہو اور پھر اس سے ایک طبقہ

آگے جا کر روایت شروع کر دے یا دونوں کو اکٹھا ملا دے مثلاً

امام حاکم، ابو زرعہ اور خطیب البغدادی نے احمد بن علی الحسن بن شاذان نیشاپوری (م ۳۵۰ھ) کو کذاب گردانا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا امام ابو عیسٰی الترمذی (م ۲۷۹ھ) اور ابو حاتم الرازی (۲۷۷ھ) سے سماع بالکل صحیح ہے۔ یہ دونوں احمد بن علی نیشاپوری کے طبقہ سے ہیں۔ لیکن پھر ابن شاذان اس سے آگے بڑھتے ہوئے جب مسلم بن حجاج (م ۲۶۱ھ) اور احمد بن ازھر (م ۲۶۳ھ) سے بھی سماع کا دعویٰ کرتا ہے تو نقاد فوراً اس کے کذب کو آشکار کر دیتے ہیں (۶۳۴)۔ اسی طرح وکیع سے روایت ہے کہ انہوں نے غالب بن عبیداللہ الجزری سے ایک حدیث کے بارے سوال کیا۔ اس نے بیان کیا کہ "حدثنا سعید بن المسیب والاعمش" وکیع کہتے ہیں کہ میں نے اسے چھوڑ دیا اور اس سے نہ پوچھا (۶۳۵)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ہی روایت میں اعمش اور سعید بن المسیب سے سماع کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ سعید بن المسیب تو اعمش کے شیوخ کے طبقہ سے ہیں اور اعمش نے نہ انہیں پایا ہے نہ ان سے سنا ہے کیونکہ وہ سعید بن مسیب کی زندگی میں کوفہ میں تھا۔ چنانچہ امام وکیع نے فوراً اس حقیقت کو پا لیا اور اس کی روایت کو ترک کر دیا۔

اخبار اور نقل میں خلط ملط ہونے کی نشاندہی

المزی نے بیان کیا ہے کہ "اعمش نے ابوبکرۃ کی رکاب تھامی" یہ کیسے ممکن ہے کہ پانچویں طبقہ کے اعمش دوسرے طبقہ کے ابوبکرہ کو پالیں۔ ان کی تو پیدائش ہی ابوبکرہ کی وفات کے بعد ہوئی (۶۳۶)

کتب طبقات

دوسری صدی ہجری کے ابتداء تک تدوین حدیث اور مجموعہ احادیث کے حوالے سے بعض اہم کتب منظر عام پر آ چکی تھیں مگر علم الرجال کے حوالے سے کسی تصنیف کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی اس کی ایک وجہ تو تقصیر سند تھی اور دوسری وجہ شیوخ محدثین کا معروف ہونا تھا کہ ہر عام و خاص انہیں جانتے تھے لیکن دوسری صدی کے اختتام تک جب اسلامی حکومت کی سرحدیں وسیع ہوئیں وہیں محدثین نے رحلات علمیہ سے دور دراز کے علماء سے اکتساب کیا۔ اس وقت اس بات کی ضرورت سامنے آئی کہ

رجال حدیث کے اسماء واحوال کو ضبط تحریر میں لایا جائے۔ اس وقت کتب طبقات کو احاطہ تحریر میں لانے کا آغاز ہوا۔ اس ضمن میں ہم تک پہنچنے والی کتب طبقات تین طرح کی ہیں:

اوّل: ایسی کتب طبقات جس میں تمام علاقوں کے رجال کا تذکرہ ملتا ہے۔ جیسے طبقات ابن سعد یا طبقات خلیفہ بن خیاط وغیرہ۔

دوم: ایسی کتب جس میں کسی خاص شہر یا ایک علاقہ کے محدثین کا ذکر کیا گیا ہو جیسے طبقات الشامیین لابی زرعہ الدمشقی، طبقات المحدثین باصبهان لابی الشیخ الاصبهانی۔

سوم: ایسی کتب جس میں بعض مشہور محدثین کے شیوخ یا رجال یا معرفۃ الاخوۃ والاخوات کا تذکرہ کیا گیا ہو جیسے شیوخ مالك لمسلم بن حجاج یا رواۃ عن مالک" خطیب بغدادی وغیرہ (۶۳۷)۔ چند اہم کتب طبقات کا تعارف پیش خدمت ہے۔

i۔ طبقات الفقهاء والمحدثین: الهیثم بن عدی بن عبدالرحمٰن الطائی الثعلی الکوفی (۱۱۴-۲۰۷ھ)

اسے علم الطبقات میں خصوصاً اور علم الرجال میں عمومی طور پر ابتدائی کتب میں شمار کیا جاتا ہے (۶۳۸)۔ اب اس مفقود کتاب کا تذکرہ صرف کتابوں میں ہی ملتا ہے۔ اس میں سے صرف ابو بکر الخطیب کی "تاریخ بغداد" میں منقول ۲۳ نصوص اس کتاب کے ایک حصّہ کو زندہ رکھے ہوئے ہے (۶۳۹)۔

۔ الهیثم بن عدی کی طبقات الصحابہ میں بھی ایک کتاب ہے (۶۴۰)۔

کتاب الطبقات

محمد بن عمر بن واقد الواقدی (۱۳۰-۲۰۷ھ)۔ مغازی اور حدیث کے کبار علماء میں شمار کیے جانے والے الواقدی نے رجال میں کئی ایک کتب تصنیف کی ہیں۔ اس میں اس کی کتاب الطبقات بھی ہے (۶۴۱) جو کہ اپنے فن میں ایک ممیز تصنیف گردانی جاتی ہے جس سے بہت سے اہل علم مستفید ہوئے۔

الطبقات الکبریٰ

محمد بن سعد بن منیع البغدادی کاتب الواقدی (۱۶۸-۲۳۰ھ) طبقات ابن سعد کے نام سے معروف اس جامع کتاب نے اہل علم کے ہاں بہت شہرت ومقام حاصل کیا ہے۔ ابن سعد بصرہ میں

پیدا ہوئے۔ مدینہ منورہ میں الواقدی کی صحبت سے بہت زیادہ مستفید ہونے پر ''کاتب الواقدی'' سے ملقب ہوئے۔ ابن سعد سے واقدی سے مغازی، سیر اور رجال میں بہت زیادہ اخذ کیا ہے۔ واقدی کے علاوہ دیگر اہل انساب اور مؤرخین جیسے ہشام بن الکلبی، الہیثم بن عدی سے بھی روایت کیا ہے، تین ہزار سے زائد صحابہ و تابعین کے تذکرہ کا احاطہ کرنے والی طبقات الکبریٰ کی پہلی جلد سیرت الرسول پر مشتمل ہے۔ کتاب کی ایک خاص بات اس کی آخری جلد تذکرہ خواتین کے لیے مختص ہے۔ سب سے پہلے یہ کتاب ۱۹۰۳-۱۹۰۷ء میں مستشرق سخاؤ اور دیگر مستشرقین کی کاوشوں سے منظر عام پر آئی۔ بعد میں مصر اور بیروت سے چھپی ہے (۶۴۲)۔

کتاب الطبقات

ابو عمرو خلیفہ بن خیاط العصری (۱۶۰ھ-۲۴۰ھ) آٹھ اجزاء پر مشتمل کتاب الطبقات، ابو عمرو خلیفہ بن خیاط المعروف بشباب کی بہت اہم اور وقیع تصنیف ہے۔ علم الطبقات میں اسے ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اس کتاب کی سب سے اہم خوبی انساب کا خاص طور پر اہتمام ہے۔ مؤلف نے کتاب کی ابتداء میں ان شیوخ کا تذکرہ کیا ہے جن سے اس نے اخذ کیا تھا۔ علم الانساب پر بعض احادیث اور روایات ذکر کرنے کے بعد سب سے پہلے رسول اکرمؐ کے نسب کو ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد مدینہ کے صحابہ کرام کا تذکرہ ہے۔ ان کے بعد وہ صحابہ جو کوفہ میں آباد ہوئے ان کے نسب کا ذکر کیا ہے۔ بعد ازاں تابعین کو گیارہ طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ طبقات کوفہ کے تذکرہ کے بعد طبقات بصرہ پھر اہل مدینہ (جس میں صحابہ کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ ان کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے) بعد ازاں اہل مکہ، پھر اہل طائف، پھر اہل یمن، اہل یمامہ، مصر، شام پھر اہل موصل و خراسان اور رَے اور واسط اور بغداد کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب پہلے دمشق ۔ ۱۹۶۶ء میں ڈاکٹر سہیل زکا کی تحقیق سے شائع ہوئی پھر بغداد سے ۱۹۶۷ء میں ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری کی تحقیق انیق سے چھپی ہے (۶۴۳)۔

الطبقات امام مسلم بن حجاج نیشاپوری (م ۲۶۱ھ)۔

الطبقات، امام مسلم بن حجاج کی ایک چھوٹی سی کتاب ہے جسے مصنف نے صرف صحابہ اور

تابعین کے تذکرہ تک ہی محدود رکھا ہے۔ اس میں انہوں نے صحابہ کا ایک طبقہ جبکہ تابعین کے تین طبقات بنائے ہیں۔ امام مسلم نے صحابی کا تابعین سے امتیاز کیا ہے اور ان کے بلاد کی تحدید کی ہے۔ جس سے علم طبقات میں کسی راوی کے تذکرہ کے تعیین میں بہت مدد ملتی ہے (۶۴۴)۔

مشاہیر علماء الامصار ابوحاتم ابن حبان

اس میں ابن حبان نے مشہور معروف اہل علم کے بلاد اور طبقات کے لحاظ سے تراجم قلم بند کیے ہیں۔ مصنف نے رواۃ احادیث کو چار طبقات میں منقسم کیا ہے۔ صحابہ، تابعین، تبع تابعین سے روایت کرنے والے اس طرح بلاد اسلام کو چھ اقالیم میں تقسیم کیا ہے۔ اس کتاب میں بہت سے اوہام و تاریخی اغلاط پائے جاتے ہیں (۶۴۵)۔ خاص شہر یا علاقہ کے لحاظ سے لکھی جانے والی بعض کتب طبقات کا تعارف پیش خدمت ہے۔

طبقات الشامیین

حافظ ابوالقاسم محمود بن ابراہیم بن محمد بن عیسی بن القاسم بن سمیع الدمشقی (م ۲۵۹ھ)۔

ابن سمیع کی یہ بہت معروف کتاب ہے جس کا امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ذکر کیا ہے (۶۴۶)۔ تاریخ دمشق میں اس کی بہت سی نصوص نقل کی گئی ہیں۔

طبقات علماء افریقیہ

حافظ ابوالعرب محمد بن احمد بن تمیم التمیمی القیروانی۔ طبقات افریقہ کے بارے لکھی جانے والی کتب میں سے سب سے زیادہ وقیع اور پہلے لکھی جانے والی کتاب ابوالعرب کی ''طبقات علماء افریقیہ'' ہے۔ یہ حافظ ابوعبداللہ محمد بن حارث بن اسد الخشنی القروی نزیل اندلس کی روایت سے ہم تک پہنچی ہے۔ جس پر اس کے حواشی اور زیادات بھی ہیں۔

طبقات علماء افریقیہ سات اجزاء پر مشتمل ہے۔ اہل قیروان کے حالات پر مشتمل ہے تین اجزاء ابوالعرب کے جبکہ اگلے تین اجزاء ابن حارث کی تالیف ہیں۔ ساتواں جزء پھر ابوالعرب کا تحریر کردہ ہے۔ جس میں علماء تونس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں افریقہ کے فضائل کے بارے باطل

اور موضوع روایات نے بھی جگہ پائی ہے۔سب سے پہلے ۱۹۱۴ء میں علامہ محمد العربی بن ابی نشتب الجزائری (م ۱۳۴۷ھ) کی تحقیق سے شائع ہوئی (۶۴۷)۔

طبقات اہل کوفہ ابو جعفر محمد بن عثمان بن ابی شیبۃ العبسی (م ۲۹۷ھ)۔

حافظ المزی نے سلیمان بن عبدالرحمٰن مولی بن اسد کے ترجمہ میں اس کتاب سے نقل کیا ہے (۶۴۸)۔

طبقات المحدثین باصبہان والواردین علیہا

حافظ ابو الشیخ عبداللہ بن محمد بن جعفر بن حیان الاصبہانی (۲۷۴ھ-۳۶۹ھ)۔۱۶۵ صفحات پر مشتمل اس کا ایک نسخہ مکتبہ الظاہریہ دمشق میں موجود ہے جو ابو صالح عبیداللہ بن عمر بن عبدالرحیم العجمی الحلبی کے خط سے ہے۔

مقدمہ میں اصبہان کی فضیلت اور اس کو دوسرے علاقوں سے ممتاز کرنے والی باتوں کا تذکرہ ہے۔۔ پھر پہلے طبقہ میں ان صحابہ کا تذکرہ ہے جنہوں نے اصبہان کی فتح میں حصہ لیا۔ دوسرے طبقہ میں ان کبار تابعین کا تعارف کروایا گیا ہے جو یہاں داخل ہوئے ان میں سب سے پہلے احنف بن قیس کا تذکرہ ہے۔ پھر درجہ بدرجہ ذکر کرتے ہوئے گیارہ طبقات قلم بند کیے گئے ہیں۔

مصنف نے بعض جگہ پر مقدم اور متاخر کا خیال نہیں رکھا جیسے بشر بن الحسین کو تیسرے طبقہ میں ذکر کیا جبکہ مبارک بن فضالہ اور اللیث بن سعد کو چوتھے طبقہ میں ذکر کیا ہے جبکہ دونوں اس سے بڑے اور سماع میں مقدم ہیں۔ یہ کتاب بیروت سے دو دفعہ طبع ہو چکی ہے (۶۴۹)۔ یہ مضمون درج ذیل کتب سے اخذ کیا گیا ہے۔ تفصیلات اور مصادر و مراجع کے لیے ملاحظہ ہو:

i۔ المھندس اسعد سالم تیم، علم طبقات المحدثین، اھمیتہ وفوائدہ، مکتبہ الرشد، الریاض ۱۹۹۴ء۔

ii۔ ابو ابراہیم محمد الیاس عبدالرحمٰن الفالوذہ، مدخل الی علم الطبقات، مکتبہ ندارد، ۲۰۰۱ء۔

نقدحدیث

لغوی معنی

نقد کا لغوی مفہوم ہے:"تمیز الدراهم واخراج الزیف منها"(٦٥٠)(دراہم کی تمیز کرنا اور ردی دراہم کو الگ کرنا) یعنی اس میں صحیح اور درست کو سقیم اور غیر معیاری سے الگ کرنا کے معنی پائے جاتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف

نقد حدیث کی اصطلاحی تعریف یوں کی گئی ہے:"هو تمیز الاحادیث الصحیحة من السقیمة، والحکم علی رواتها تجریحا أو تعدیلا بالفاظ مخصوصة ودلائل معلومة "(٦٥١)(صحیح احادیث کو سقیم (ضعیف) احادیث سے ممتاز کرنا اور اس کے رواۃ پر مخصوص اور علمی دلائل سے جرح وتعدیل کرنا نقد حدیث کہلاتا ہے)۔

نقد حدیث کی ضرورت وتاریخی پس منظر

خطاونسیان انسانی فطرت کا خاصا ہے۔انسان سے غلطی کا صدور بھول چوک سے یا پھر دانستہ ہوسکتا ہے لیکن احادیث کے معاملہ میں کسی قسم کی بھی غلطی قطعاً قابل قبول نہیں کیونکہ احادیث کی حیثیت دین کے مصادر واساس کی ہے لہذا ضروری ہے کہ احادیث کو بشری خطا اور غلطیوں کی تمام آلائشوں سے پاک کیا جائے۔ دین وشریعت میں اسی مرکزی حیثیت کے پیش نظر مسلمانوں نے ابتداء سے خدمت حدیث کی طرف بھر پور توجہ دی اور حدیث کو قرآن مجید کے ساتھ ساتھ بقیہ علوم کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت دی۔ اخذ وقبول، جمع وتدوین، تصحیح وتنقیح کے لیے بیسیوں انواع پر مشتمل علوم الحدیث کا فن سائنٹفک بنیادوں پر تشکیل دیا(٦٥٢) اور اس میدان میں ایسی روایات قائم کیں کہ دنیا کی کوئی قوم ایسی مثال پیش نہیں کرسکتی۔

محدثین کی ان مساعی جلیلہ میں سے نقد حدیث کا پہلو بہت نمایاں ہے جس میں یہ جانچنے کی بھر پور کوشش ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب یہ بات درست ہے یا نہیں تاکہ اسے قبول

کرتے ہوئے اس میں مذکور حکم کو فرض سمجھتے ہوئے اس پر عمل کیا جائے یا پھر نسبت غلط ہونے کی صورت میں اس سے احتراز کیا جائے۔ اس جذبہ کے تحت بالکل ابتداء سے ہی روایتوں کی جانچ پڑتال کا کام بڑی جانفشانی سے شروع ہو گیا تھا اگر چہ اخذ ورد کے لیے نقد کے اصول ومعیار کا رنگ وہ نہیں تھا جو بعد کے ادوار میں ٹھہرا۔ اسلامی فتوحات کے ساتھ ساتھ احادیث کی نشر واشاعت کا دائرہ مکانی طور پر وسیع ہوتا چلا گیا۔ چنانچہ احوال وظروف کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ احادیث کے پرکھنے کے معیار بھی سخت اور کڑے ہوتے چلے گئے۔ محدثین عظام نے ہر دور میں اس کی طرف خاص توجہ دی ہے۔ ثقہ تابعی ربیع بن خثیم (م ۶۳ھ)، خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ)، ابن عساکر (م ۵۷۱ھ) ابن جوزی (م ۵۹۷ھ)، امام ابن الصلاح (م ۶۴۳ھ)، امام صغانی (م ۶۵۰ھ)، ابن دقیق العید (م ۷۰۲ھ) امام ذہبی (م ۷۴۸ھ) امام ابن قیم (م ۷۵۱ھ)، ابن ملقن (م ۸۰۴ھ)، امام بلقینی (۸۰۷ھ)، ابو الحسن علی الحنبلی (۸۳۷ھ)، امام سخاوی (۹۰۲ھ) امام سیوطی (م ۹۱۱ھ) ابن عراق الکنانی (م ۹۶۳ھ) علامہ عبدالحئی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ) علامہ قاسمی (م ۱۳۳۲ھ) وغیرہ چند ایک نام ہیں جنہوں نے نقد حدیث کے حوالے سے قلم اٹھایا اور اس کے اصول ومعیارات مقرر کیے۔ صدیوں پر محیط تاریخ علوم الحدیث میں سے صدی وار چند ایک حوالہ جات داخلی نقد حدیث کی فکر کا تسلسل ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں (۶۵۳)۔

امام ابن قیم (م ۷۵۱ھ) سے جب اس نوعیت کا سوال ہوا کہ کیا نقد سند کے بغیر محض متن پر غور وفکر سے حدیث نبوی کی پہچان ممکن ہے؟ تو آپ نے نہ صرف ہاں میں جواب دیا بلکہ اپنی کتاب ''المنار المنیف'' میں پچاس کے قریب نقد کے حوالے سے درایتی معیاروں کی نشان دہی فرما دی۔ ان سے پہلے امام صغانی (م ۶۵۰ھ) اپنی موضوعات میں ان سے متقدم امام ابن جوزی (م ۵۹۷ھ) موضوعات میں اور ان کے پیش رو جوزقانی (م ۵۴۳ھ) ''کتاب الاباطیل والمناکیر'' میں درایتی معیاروں پر نقد حدیث کی راہ اختیار کر چکے ہیں۔ عقلی ودرایتی معیاروں پر نقد حدیث کے رویہ کا تسلسل صحابہ کرام تک جا پہنچتا ہے (۶۵۴)۔

نقد حدیث کی ماہیت

ترکیب وہیئت کے لحاظ سے حدیث دو اجزاء پر مشتمل ہوتی ہے:

i۔ سند (خارجی جزء) ii۔ متن (داخلی جزء)

سند پر ہونے والا نقد خارجی نقد جبکہ متن پر ہونے والی تحقیق و تنقیح داخلی نقد کے طور پر معروف ہے (۶۵۵)۔ خارجی نقد میں سند، سلسلہ سند، رواۃ اور احوال رواۃ کی تحقیق اور درجہ بندی کی جاتی ہے۔ راوی کے ذاتی احوال، کردار، قوت حافظہ، بصیرت، ذہنی وعلمی استعداد، اخلاق و کردار، ذریعہ معاش اور اس کے مشاغل کو کھنگالا جاتا ہے اور یہ تحقیق کی جاتی ہے کہ اس نے روایت حدیث کی شرائط کا کس قدر لحاظ کیا ہے۔

داخلی نقد میں متن حدیث کو دیکھنا ہوتا ہے کہ اس کے الفاظ اور جملوں کی ساخت، اس کے معانی اور مفہوم زمانے کے عقلی، تجرباتی اور طبعی تقاضوں، مسلمہ اصولوں اور شرعی اصولوں کے موافق ہیں یا نہیں۔ خارجی اور داخلی نقد کو الگ الگ زیر بحث لایا جاتا ہے۔

خارجی نقد حدیث

محدثین نے دینی فریضہ سمجھ کر شک وشبہ سے پاک احادیث کو آگے روایت کرنے کے لیے بڑی جانفشانی اور عرق ریزی سے کام لیا کیونکہ ان کے ہاں "الاسناد من الدین" (۶۵۶) کی سوچ پائی جاتی ہے۔ محدثین نے سند کے مختلف پہلوؤں کے حوالے سے بہت سی اصطلاحات وضع کی ہیں۔ یہ تمام تر معرفت سند اور تحقیق سند کی غرض سے وضع کی گئی ہیں۔ سند پر نقد و جرح میں محدثین انہیں اصطلاحات کے پیش نظر حدیث پر حکم لگاتے ہیں۔ ان میں سے چند ایک کی تعریف ذکر کی جاتی ہے:

۱۔ مرفوع

اس قول (بات)، فعل (کام) اور تقریر (تائید) کو کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی جانب منسوب ہو۔ خواہ اس کی نسبت آپ کی طرف صحابی نے کی ہو یا تابعی نے یا کسی اور نے اور خواہ اس کی سند متصل ہو یا نہ ہو۔

۲۔ موقوف

وہ حدیث ہے جو صحابی کی طرف منسوب ہو خواہ قول ہو یا فعل ہو، خواہ اس کی سند متصل ہو یا منقطع۔

۳۔ مقطوع

وہ قول و فعل ہے، جس کی کسی تابعی کی طرف نسبت کی جائے۔

۴۔ صحیح

اس مسند حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند متصل ہو جس کو صاحب عدالت اور ضابط راوی دوسرے عادل اور ضابط راوی سے روایت کرے۔ یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ یا صحابی و تابعی تک پہنچ جائے اور وہ معلل اور شاذ بھی نہ ہو۔

۵۔ حسن

وہ حدیث ہے، جس کا کوئی راوی خفیف الضبط ہو، یعنی اس کی یادداشت ناقص ہو، اور صحیح لذاتہ کی باقی سب شرطیں اس میں موجود ہوں یعنی: سند کا اتصال، روایت کی عدالت، روایت کا شاذ نہ ہونا اور اسناد کا علت خفیہ سے پاک ہونا۔

۶۔ ضعیف

ایسی روایت جس میں نہ صحیح اور نہ حسن کی صفات پائی جائیں۔

۷۔ موضوع

موضوع اس روایت کو کہتے ہیں جس کو کوئی کذاب گھڑ کر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دے۔

۸۔ شاذ

وہ حدیث ہے جسے کوئی مقبول راوی ایسے راوی کے خلاف روایت کرے جو مرتبہ میں اس سے فائق ہو۔

۹۔ منکر

وہ حدیث ہے جو کسی ایسے راوی سے مروی ہو جو فسق یا فحش غلط یا کثرت غفلت کے ساتھ

مطعون ہو یا جس روایت میں ضعیف راوی ثقہ راوی کی مخالفت کرے۔

۱۰۔ مسند

وہ حدیث ہے جو کسی صحابی نے مرفوعاً بیان کی ہو اور ایسی سند سے مروی ہو جو بظاہر متصل ہو، پس وہ حدیث جس میں انقطاع خفی ہو وہ بھی مسند کہلائے گی۔

۱۱۔ معلق

وہ حدیث ہے جس کی سند کا ابتدائی حصہ حذف کر دیا ہو، یا تمام سند حذف کر دی ہو یا صحابی اور تابعی کے علاوہ باقی سند حذف کی ہو، یا مصنف نے اپنی جانب سے ابتدائے سند سے صرف ایک یا چند راویوں کو حذف کیا ہو، سب کو معلق کہا جاتا ہے۔

۱۲۔ معضل

وہ حدیث ہے جس کی سند کے درمیان میں سے دو یا زیادہ راوی مسلسل حذف ہو گئے ہوں۔

۱۳۔ مرسل

وہ حدیث ہے جس کی سند کا آخری حصہ تابعی کے بعد بیان کیا گیا ہو۔ یعنی تابعی قال رسول اللہ کہے اور حدیث بیان کرے۔

۱۴۔ مدلس

وہ حدیث ہے جس میں سقط خفی ہو، یعنی راوی اپنے استاد کو (جس سے یہ حدیث سنی ہے) حذف کر کے مافوق سے (جس سے لقاء تو ہو مگر اس سے یہ حدیث نہ سنی ہو) اس طرح روایت کرے کہ استاد کا محذوف ہونا معلوم نہ ہو بلکہ یہ محسوس ہو کہ مافوق ہی سے سنا ہو (۶۵۷)۔

داخلی نقد حدیث

لم یقف العلماء عند نقد الحدیث من حیث سندہ بل تعدوا الی النظر فی متنہ (۶۵۸) (علماء نے نقد حدیث کے معاملہ میں صرف سند پر ہی اکتفاء کیا بلکہ متن کی طرف بھی توجہ دی)۔ محدثین نے متن حدیث پر نقد کے بہت سے معیار اور اصول مقرر کیے ہیں جن میں سے بعض کا

بیان ذیل میں کیا جا رہا ہے۔ جن کا ذکر مولانا تقی امینی نے ”حدیث کا درایتی معیار“ میں کیا ہے۔ ان کا اختصار پیش خدمت ہے۔

۱۔ حدیث میں رکاکت کا پایا جانا

آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب روایت میں کسی قسم کی لفظی یا معنوی رکاکت (سطحیت) پائی جائے۔ ملا علی قاری کہتے ہیں ”وضعی ہونے کی پہچان حدیث کے الفاظ کی رکاکت اور خرابی ہے جو سننے والے کو ناگوار گزرے اور طبیعت اس کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو“۔ یہ رکاکت دو طرح کی ہو سکتی ہے:

(۱) لفظی رکاکت (۲) معنوی رکاکت

i۔ لفظی رکاکت

لفظی رکاکت یہ ہے کہ الفاظ و جملوں میں وضاحت و بلاغت کے معیار اور قواعد عربیہ کی خلاف ورزی ہو جسے دیکھ کر ”عربی زبان کا ماہر جان لے کہ اس قسم کا کلام کسی فصیح اللسان کا نہیں ہو سکتا چہ جائے کہ رسول اللہ ﷺ کا کلام ہو، جو افصح ترین تھے“۔

ii۔ معنوی رکاکت

معنوی رکاکت یہ ہے کہ معنی و مفہوم میں نادانی و کم عقلی کی بات پائی جائے جو شان نبوت سے فروتر ہو اور کلام معیار نبوت سے گر جائے۔ بقول د۔ مصطفیٰ السباعی ”حدیث کم عقلی و بھونڈے پن پر مشتمل ہو کہ جس سے عقلا محفوظ رہتے ہیں“۔ مثلاً أربع لا يشبعن من أربع، أرض من مطر، وأنثى من ذكر، وعين من نظر، وعالم من علم (چار کو چار سے شکم سیری نہیں ہوتی، زمین کو بارش سے، عورت کو مرد سے، آنکھ کو دیکھنے سے اور عالم کو علم سے)۔

۲۔ حدیث میں مختلف پیشے اختیار کرنے کی برائی ہو

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث میں مختلف پیشوں اور ان کے اختیار کرنے والوں کی برائی بیان کی گئی ہو۔ وحديث ذم الحاكة والاصاكفة والصواغين او صنعة من الصنائع المباحة كذب على رسول الله ﷺ اذ لا بذم الله ورسوله الصنائع

المباحة (پارچہ باقوں، موچیوں، سناروں یا مباح دستکاریوں سے کسی دستکاری کی برائی کرنے والی حدیث رسول اللہ پر جھوٹ ہے۔ اللہ اور اس کا رسول مباح دستکاریوں کی برائی نہیں کرتا) مثلاً "شرار امتی الصانعون والصائغون" (میری امت کے بدترین لوگ دستکار اور سنار ہیں)۔

۳۔ کسی خاندان قوم یا شہر کی برائی ہو

آنحضرتؐ کی طرف منسوب حدیث میں کسی خاندان، قوم یا شہر کی برائی ہو: "احادیث ذم الحبشة والسودان کلھا کذب ومنھا احادیث ذم الترك واحادیث ذم الخصیان واحادیث ذم الممالیك" (حبشہ اور سوڈان کی برائی سے متعلق احادیث سب جھوٹی ہیں۔ اسی طرح ترک، خصی اور غلاموں کی برائی سے متعلق حدیثیں بھی جھوٹی ہیں)۔ مثلاً زنجی إذا شبع زنی وإذا جاع سرق (حبشی جب شکم سیر ہوتا ہے تو زنا کرتا ہے اور جب بھوکا ہوتا ہے تو چوری کرتا ہے)۔

- اربع مدائن من مدن النار فی الدنیا القسطنطینیة والطبریة وانطاکیه المحترقة وصنعاء (چار شہر دوزخ کے شہروں میں سے ہیں قسطنطنیہ، طبریہ، جلا ہوا انطاکیہ اور صنعاء)
- شر المال فی آخر الزمان الممالیك (آخری زمانہ میں بدترین مال غلام ہوں گے)

۴۔ بے ڈھنگی اور اوٹ پٹانگ باتیں پائی جائیں

آپ ﷺ سے منسوب حدیث میں بے ڈھنگی اور اوٹ پٹانگ باتیں پائی جائیں جو رسول اللہ کی شان سے بعید ہوں۔ اشتماله علی أمثال ھذه المجازفات التی لا یقول مثلھا رسول اللہ ﷺ (رسول اللہ ﷺ کی حدیث ایسی بے ڈھنگی باتوں پر مشتمل ہو جو آپ کی زبان سے نہیں نکل سکتی ہیں) مثلاً: اعتبروا عقل الرجل فی طول لحیته ونقش خاتمه وکنیته (داڑھی کی لمبائی انگوٹھی کے نقش اور کنیت سے آدمی کی عقل کا اندازہ کرو)۔

۵۔ لغویت، تمسخر اور کم عقلی و بے وقوفی کی بات پائی جائے

جس حدیث میں ایسی لغویت و تمسخر اور کم عقلی و بیوقوفی کی بات پائی جائے جس سے ذمہ دار لوگ پرہیز کرتے ہیں۔ سماجة الحدیث وکونه مما یسخر منه (حدیث میں لغوپن اور اس کی

بات ہو جس سے تمسخر کیا جا سکتا ہو) مثلاً: لو كان الأرز رجلا لكان حليما ما أكله جائع إلا شبعه (اگر چاول مرد ہوتا تو وہ بردبار ہوتا جو بھوکا بھی اسے کھاتا شکم سیر ہو جاتا)۔

۶۔ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کے واقعہ میں شان نبوت پر حرف آئے اور معیار نبوت برقرار نہ رہے

رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کے واقعہ کی تشریح اس انداز میں ہو کہ نبوت پر حرف آئے اور معیار نبوت برقرار نہ رہے۔ مثلاً حضرت آمنہ سے منقول ہے پیدائش کے بعد آپ ﷺ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور آپؐ کے ساتھ ایک نور نکلا جس نے مشرق و مغرب کو روشن کر دیا۔ میں نے اس کے ذریعہ شام کے محلات دیکھے یہاں تک کہ بصریٰ میں اونٹوں کو سر اٹھائے دیکھا۔

۷۔ کلام انبیاء کے مشابہ نہ ہو

رسول اللہ کی طرف منسوب حدیث کلام انبیاء کے مشابہ نہ ہو۔ چہ جائیکہ رسول اللہ ﷺ کا کلام جس کو مختلف وجوہ سے فوقیت حاصل ہے۔ ان يكون كلامه لا يشبه كلام الأنبياء فضلا عن كلام رسول الله ﷺ (آپ کی طرف منسوب کلام نبیوں کے کلام سے مشابہ نہ ہو چہ جائیکہ رسول اللہ ﷺ کا کلام) مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کے رونے سے متعلق روایتیں کہ تمام آدمیوں کا رونا جمع کیا جائے تو بھی اس کے برابر نہیں ہو سکتا یا ان کے آنسوؤں کو اولاد آدم کے آنسوؤں سے وزن کیا جائے تو آدم کے آنسو کا پلہ چھلک جائے وغیرہ۔

۸۔ عرش معلّیٰ پر جانے کی روایت

واقعہ معراج میں آنحضرتؐ کا عرش معلّیٰ پر پہنچ کر جوتے اتارنے کا ارادہ کرنے کی روایت کہ "يا محمد لا تخلع نعليك فان العرش يتشرف بقدومك متنعلا" (اے محمدؐ! اپنے نعلین نہ اتاریے عرش آپؐ کے نعلین پہن کر آنے سے شرف حاصل کرے گا)۔

۹۔ خرقہ صوفیاء کی نسبت آپ کی طرف صحیح نہیں ہے

آنحضرتؐ کی طرف خرقہ صوفیہ کی روایات کا کوئی اصل نہیں ہے۔ امام سخاویؒ کہتے ہیں:

انہ لیس فی شیء من طرقها ما یثبت ولم یرو فی خبر صحیح ولا حسن ولا ضعیف أن النبیﷺ ألبس خرقة علی الصور المتعارفة بین الصوفیة لأحد من أصحابه ولا أمر احدًا من أصحابه یفعل ذلك وكل ما یروی فی ذلك صریحا فباطل (صوفیہ میں خرقہ پہنانے کی جو صورتیں متعارف ہیں ان کے مطابق رسول اللہﷺ کا کسی صحابی کو خرقہ پہنانا، ان کو ایسا کرنے کا حکم دینا کسی صحیح، حسن اور ضعیف روایت سے ثابت نہیں ہے جو کچھ اس سلسلہ میں روایت کیا جاتا ہے وہ سب صراحتہً باطل ہے)۔

۱۰۔ فقراء صوفیاء کے متعلق روایتیں

صوفیہ فقراء سے متعلق احادیث بھی اس زمرے میں آتی ہیں۔ مثلاً حضر رسول اللہﷺ مجلسا للفقراء ورقص حتی شق قمیصه (رسول اللہﷺ فقراء کی مجلس میں تشریف لے گئے رقص کیا یہاں تک کہ اپنی قمیص پھاڑ ڈالی) نعوذ باللّٰه من ذلك۔

۱۱۔ رسول اللہ کی طرف منسوب حدیث فی نفسہ باطل ہو

رسول اللہ کی طرف منسوب حدیث ایسی کھلی ہوئی باطل ہو کہ اس کا بطلان خود ثابت کرتا ہو کہ یہ اللہ کے رسول کا کلام نہیں ہوسکتا۔ ان یكون الحدیث باطلا فی نفسه فیدل بطلانه علی انه لیس من كلام الرسول ﷺ (حدیث فی نفسہ ایسی باطل ہو جس کا بطلان دلالت کرتا ہو کہ رسول اللہ کا کلام نہیں ہوسکتا) مثلاً ابغض الكلام الی اللّٰه تعالیٰ الفارسیة وكلام الشیطن الخوزیة وكلام اهل النار النجاریه (اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ کلام فارسی ہے اور شیطان کا کلام خوزیوں (ایک قبیلہ) کا کلام ہے اور دوزخیوں کا کلام نجاریوں کا کلام ہے)۔

۱۲۔ حدیث محسوس عام مشاہدہ اور عادت کے خلاف ہو

رسول اللہﷺ کی طرف منسوب حدیث محسوس عام، مشاہدہ اور عادت کے خلاف ہو۔ ابو الحسن علی کنانی کہتے ہیں: ویلحق به ما یدفعه الحس والمشاهدة أو العادة (رکاکت میں وہ حدیثیں بھی آتی ہیں جو حس، مشاہدہ اور عادت کے خلاف ہو) مثلاً السواك یزید الرجل

فصاحة (مسواک سے فصاحت میں زیادتی ہوتی ہے)۔ان یمن المراة تبکیر بالانثی (عورت کی برکت پہلے لڑکی جننا ہے)۔

۱۳۔ حدیث عقل عام کے خلاف ہو

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث عقل عام کے خلاف ہو یعنی فرد واحد یا کسی طبقہ کی عقل کے خلاف نہیں بلکہ عام طور پر لوگ اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوں۔

ابن جوزی کہتے ہیں: ''کل حدیث رایته یخالف المعقول..... فاعلم أنه موضوع فلا تتكلف اعتباره '' (ہر وہ حدیث جس کو تم معقول (عقل) کے مخالف دیکھو۔۔۔۔تو سمجھ لو کہ وہ موضوع ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا)۔ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی کہتے ہیں: ان یکون الحدیث مخالفا لبدیهات العقول من غیر ان یمکن تاویله (حدیث عقل کی بدیہات کے خلاف ہو جس کی تاویل ممکن نہ ہو) مثلاً: ان سفینة نوح طافت بالبیت سبعا وصلت عند المقام رکعتین (حضرت نوحؑ کی کشتی نے بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھی)۔ طول اللحیة دلیل قلة العقل (داڑھی کی درازی کم عقلی کی دلیل ہے)۔

۱۴۔ حدیث حکمت واخلاق کے اصول کے خلاف ہو

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث حکمت واخلاق کے عام اصول کے خلاف ہو۔ ان یکون مخالفا للقواعد العامة فی الحکم والأخلاق (حدیث حکمت واخلاق کے عام قواعد کے خلاف ہو) مثلاً شرارکم معلمو صبیانکم أقلهم رحمة علی الیتیم وأغلظهم علی المساکین (تم میں سے سب سے زیادہ برے بچوں کے معلم ہیں وہ یتیموں پر بہت کم مہربان اور مسکینوں پر زیادہ سخت ہوتے ہیں) النظرة الی المرء ة الحسناء یزید فی البصر (خوبصورت عورت کی طرف دیکھنے سے بصارت بڑھتی ہے)۔

۱۵۔ حدیث شہوت وفساد کی داعی ہو

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث شہوت وفساد کی رغبت دلاتی ہو۔أو داعیا إلی

الشهوة والمفسدة (یا حدیث شہوت وفساد کی داعی ہو) مثلاً شهوة النساء تضاعف على شهوة الرجال (عورتوں کی شہوت مردوں کی شہوت سے کئی گنا ہوتی ہے)شكوت إلى جبريل ضعفي من الوقاع فأمرني بأكل الهريسة (میں نے جبریل سے نفسانی کمزوری کی شکایت کی تو انہوں نے حریرہ کھانے کا حکم دیا)۔

۱۶۔ حدیث قواعد طب کے خلاف ہو

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث قواعد طب کے خلاف ہو۔ أو يكون مخالفا لقواعد الطب المتفق عليها (یا حدیث طب کے متفقہ قواعد کے خلاف ہو) مثلاً الباذ نجان شفاء من كل داء (بیگن میں ہر بیماری کی شفاء ہے)۔ يا على: عليك بالملح فانه شفاء من سبعين داء الجذام والبرص والجنون (اے علی! نمک استعمال کرو اس میں ستر بیماریوں کی شفاء ہے جذام، برص اور جنون سے)۔

۱۷۔ حدیث تاریخی حقائق کے خلاف ہو

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث تاریخی حقائق کے خلاف ہو۔ مخالفة لحقائق التاريخ المعروفة فى عصر النبیؐ (یا حدیث ان تاریخی حقائق کے خلاف ہو جو رسول اللہؐ کے زمانہ میں مشہور تھے) مثلاً: ان النبیؐ وضع الجزية على أهل خيبر ورفع عنهم الكلة والسخرة بشهادة سعد بن معاذ وكتابة معاوية۔ یہ روایت ان وجوہ سے باطل ہے۔

i۔ جس وقت اہل خیبر سے سنہ ۷ ہجری میں معاہدہ ہوا تو اس وقت تک جزیہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ یہ حکم غزوہ تبوک کے بعد نازل ہوا۔

ii۔ اس میں حضرت سعدؓ بن معاذ کی گواہی ہے حالانکہ ان کی وفات غزوہ خندق (۵ ہجری) کے ایک ماہ بعد ہوگئی تھی۔

iii۔ اس کے کاتب حضرت معاویہؓ ہیں حالانکہ اس وقت تک وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ وہ فتح مکہ کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔

۱۷۔ اس میں بطور نشان کلہ (سر پر پٹی باندھنے) اور بیگار کا ذکر ہے۔ حالانکہ اس زمانہ میں یہ دونوں چیزیں نہیں تھیں۔

۱۸۔ حدیث کے خلاف صحیح شواہد موجود ہوں

رسول اللہ کی طرف منسوب حدیث کے خلاف ایسے شواہد موجود ہوں جن سے اس کا باطل ہونا ظاہر ہوتا ہو۔ أن يكون الحديث ما تقوم الشواهد الصحيحه على بطلا نه (حدیث ایسی ہو کہ اس کے بطلان پر صحیح شواہد موجود ہوں) مثلاً: عوج بن عنق کے بارے میں ہے۔ ان طوله ثلاثة الاف ذراع وثلاث مائة وثلاثة وثلثين وثلثا (عوج بن عنق (جسے حضرت موسیٰ نے قتل کیا تھا) کا قد تین ہزار تین سو تینتیس اور ثلث ذراع تھا)۔

رتن ہندی کے متعلق ہے: عاش ست مائة سنة وثلاثين سنة (وہ چھ سو تیس سال تک زندہ رہا)۔

۱۹۔ حدیث اللہ کی تنزیہہ وکمال کے خلاف ہو

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ وکمال کے خلاف ہو۔ او مخالفا لما يوجبه العقل لله من تنزيه وكمال (حدیث اس کے مخالف ہو جو انسانی عقل اللہ کے لیے تنزیہہ وکمال واجب کرتی ہو) مثلاً: ان الله خلق الفرس فاجراها فعرقت فخلق نفسه منها (اللہ نے گھوڑا پیدا کیا اس کو دوڑایا، وہ پسینہ پسینہ ہو گیا اس سے اپنی ذات کو پیدا کیا) نعوذ بالله من ذلك۔

۲۰۔ حدیث صراحتِ قرآن کے خلاف ہو

رسول اللہ کی طرف منسوب حدیث صراحت قرآن کے مخالف ہو۔ مخالفة الحديث صريح القرآن (حدیث صریح قرآن کے خلاف ہو) مثلاً يحشر اولاد الزنا فی صورة القردة والخنازير (قیامت کے دن ولد الزنا بندر اور خنزیر کی شکل میں جمع کیے جائیں گے)۔ لا يدخل الجنة ولد الزنا ولا بشيء من نسله الى سبعة آباء الجنة (ولد الزنا اور اس کی

نسل سے سات پشت تک کوئی شخص جنت میں نہیں جائے گا) جبکہ قرآن صراحتاً بیان کرتا ہے: ولا تزر وازرة وزر اخری (کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا)۔

۲۱۔ حدیث سنت صریحہ کو توڑنے والی ہو

رسول اللہ کی طرف منسوب حدیث سنت صریحہ کو کھلم کھلا توڑنے والی ہو۔ مناقضة الحديث لما جاءت به السنة الصريحة مناقضة بينة (حدیث ان باتوں کو کھلم کھلا توڑنے والی ہو جو سنت صریحہ سے ثابت ہوں)۔ اس اصول کے تحت ہر وہ حدیث موضوع قرار پائی گئی جو:

i۔ فساد، ظلم، فعل عبث، باطل کی تعریف اور حق کی برائی پر مشتمل ہو۔

ii۔ جن میں نام والقاب کی اس قدر اہمیت بیان کی گئی ہو کہ اس سے ایمان و عمل صالح کی اہمیت مجروح ہوتی ہو۔ مثلاً إذا أتت من امتی ثلاث مائة وثمانون سنة فقد حلت لهم العزبة والترهب على رؤوس الجبال (جب میری امت پر تین سو اسی سال گزر جائیں گے تو ان کے مجرد رہنا اور پہاڑوں کی چوٹی پر رہبانیت اختیار کرنا حلال ہے)۔

۲۲۔ حدیث قرآن و سنت کے قواعد خلاف ہو

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث ان عام قواعد کے خلاف ہو جو قرآن و سنت سے مستنبط کیے گئے ہوں۔ او یکون مخالفا للقواعد العامة الماخوذة من القرآن والسنة (یا حدیث قواعد عامہ کے مخالف ہو جو قرآن و سنت سے نکالے گئے ہیں) مثلاً الصلوة خلف العالم باربعة آلاف واربعمائة و اربعين صلوة (عالم کے پیچھے نماز چار ہزار چار سو چالیس نمازوں کے برابر ہے)۔

۲۳۔ حدیث میں پیشین گوئی ماہ و سن کے تعین کے ساتھ ہو

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث میں آئندہ واقعات کی ایسی پیشین گوئی ہو جو ماہ و سال کے تعین کے ساتھ ہو۔ محدثین نے اسے قابل اعتبار نہیں گردانا ہے۔ أو يكون فى الحديث تاريخ كذا وكذا (یا ایسی حدیث جس میں فلاں فلاں تاریخ ہو) مثلاً إذا كانت سنة ستين

ومائة كان الغرباء اربعة قرآن فی جوف ظالم ومصحف فی بیت قوم لا یقرؤن فیه ومسجد فی نادی قوم لا یصلون ورجل صالح بین قوم سوء (سن ایک سو ساٹھ میں چار چیزیں اجنبی ہو جائیں گی قرآن ظالم کے پیٹ (سینہ) میں، مصحف ایسے لوگوں کے گھر جو اس سے تلاوت نہ کریں گے، مسجد قوم کی مجلس میں کہ وہ نماز نہ پڑھیں گے اور صالح آدمی برے لوگوں میں)۔

۲۴۔ چھوٹے کام پر بھاری ثواب کی بشارت ہو

رسول اللہﷺ کی طرف منسوب ایسی حدیث جس میں چھوٹے کام پر بھاری ثواب کی بشارت دی گئی ہو۔ اشتمال الحدیث علی افراط فی الثواب العظیم علی الفعل الصغیر (حدیث میں چھوٹے کام پر عظیم ثواب کی افراط ہو) مثلاً من اغتسل یوم الجمعة نبیة وحسبتة کتب اللہ لہ بکل شعرة نورا یوم القیامة ورفع اللہ لہ بکل قطرة درجة فی الجنة من الدر والیاقوت والزبر جد بین کل درجتین مسیرة مائة عام (جس نے جمعہ کے دن طلب ثواب کی نیت سے غسل کیا، اللہ تعالیٰ ہر بال کے بدلے قیامت کے دن نور لکھے گا اور ہر قطرہ کے بدلے جنت میں موتی یاقوت اور زمرد کے درجات بلند کرے گا جس کے ہر دو درجوں میں دو سو سال کی مسافت ہو گی)۔

۲۵۔ حدیث میں چھوٹی بات پر سخت وعید کا مبالغہ ہو

رسول اللہﷺ کی طرف منسوب حدیث میں چھوٹی بات پر سخت وعید کا مبالغہ ہو۔ اشتمال الحدیث علی المبالغة بالوعید الشدید علی الامر الحقیر (حدیث امر حقیر پر مبالغہ آمیز سخت وعید پر مشتمل ہو)۔ مثلاً من قرض بین شعر بعد العشاء الاخر لم تقبل لہ صلوة تلك اللیلة (جس نے عشاء کی نماز کے بعد شعر کہا تو اس کی اس رات کی کوئی نماز قبول نہ ہو گی)۔

۲۶۔ حدیث میں مفاد، عصبیت اور اختلاف کو دخل ہو

حدیث روایت کرنے میں ذاتی مفاد، گروہی عصبیت دین و مسلک کے اختلاف کو دخل ہو۔

محدثین کے نزدیک اس ضمن میں اصول بیان ہوئے ہیں: الا یکون ناشیا عن باعث نفسی حمل الراوی علی روایته (کوئی ذاتی محرک راوی کو روایت پر ابھارنے والا نہ ہو) نیز موافقة الحدیث لمذهب الراوی وهو متعصب فقال فی تعصبه (حدیث راوی کے مسلک کے موافق ہو اور وہ مسلک میں انتہائی درجہ کا متعصب ہو)۔ مثلاً ایک حریرہ کی تجارت کرنے والے نے اپنے کاروبار کو فروغ کے لیے حدیث وضع کی۔ الهریسة تشد الظهر (حریرہ کمر کو مضبوط کرتا ہے)۔

گروہی عصبیت کے تحت امام ابوحنیفہ کی تعریف میں روایت بیان کی گئی۔ ابو حنیفه سراج امتی (ابوحنیفہ میری امت کا چراغ ہے)۔ اور امام شافعی کی مذمت میں کہا گیا: سیکون فی امتی رجل یقال له محمد بن ادریس هو أضرّ علی امتی من ابلیس (میری امت میں ایک آدمی ہوگا جس کا نام محمد بن ادریس ہے وہ میری امت کے لیے ابلیس سے زیادہ ضرر رساں ہے)۔

مسلکی اختلاف کے تحت بہت سی روایات بنائی گئیں جیسے: من رفع یدیه فی الصلوة فلا صلوة له (جس شخص نے نماز میں اپنے ہاتھ اٹھائے اس کی نماز نہ ہوگی)(۶۵۹)۔

نقد حدیث کے بارے میں رویہ

مقاصد و نتائج کے حوالے سے تین مختلف رویے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ان تینوں کی تہہ میں خلوص، جہل و فرار اور تعصب کا الگ الگ جذبہ کارفرما ہے:

۱۔ محدثین کا نقد حدث کے بارے رویہ۔

۲۔ منکرین حدیث کا نقد حدیث کے بارے رویہ۔

۳۔ مستشرقین کا نقد حدیث کے بارے رویہ۔

ان تینوں کا مختصراً جائزہ پیش خدمت ہے۔

محدثین کا نقد حدیث کا اہتمام

کہا گیا ہے کہ الملائکه حراس السماء واصحاب الحدیث حراس الأرض (۶۶۰) خلوص پر مبنی صحیح اہداف اور مثبت نتائج کا حامل رویہ اختیار کرنے والا پہلا گروہ محافظین روایات امت محدثین عظام کا ہے۔ انہوں نے بڑی حزم و احتیاط سے احادیث کو تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر

پرکھا۔ اصول تنقید، علم جرح، علم تعدیل اور علم اسماء الرجال وغیرہ ترتیب دے کر نہایت جانفشانی اور محنت شاقہ سے صحیح اور ضعیف احادیث میں تمیز کی کوشش کی۔ اس ضمن میں انتہائی باریک بینی اور دقت نظر سے جہاں راوی اور سلسلہ حدیث پر بڑی غیر جانبداری سے بحث کی وہیں متن حدیث کا عقلی اور درایتی معیاروں کے ذریعے تصحیح و تنقیح کا فریضہ بڑی ذمہ داری سے انجام دیا اور وہ اس سلسلہ میں کسی تسامح و تساہل کو قبول کرنے کے روادار نہیں ہیں۔ دراصل اس کی تہہ میں محدثین کے پیش نظر مقام نبوت تھا اور اس کے ساتھ اپنے پختہ ایمان اور دینی حمیت کا مظاہرہ تھا کہ دین کے اس چشمۂ صافی کو کوئی چیز گدلا نہ دے۔

بقول گولڈ زیہر محدثین عظام کا اسلامی دنیا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک، اندلس سے وسط ایشیاء تک شہر شہر، قریہ قریہ اور بستی بستی، رحّال (بہت زیادہ سفر کرنے والے) جوّال (بہت زیادہ سیاحت کرنے والے) اور طوّاف الاقالیم (ملکوں کا طواف کرنے والے) جیسے قابل فخر القاب حاصل کرنا کوئی استعارہ نہیں تھا نہ ہی مبالغہ تھا اور نہ ہی یہ صرف محض سیر و سیاحت یا تجربہ حاصل کرنے کے لیے تھا۔ بلکہ ان کا مقصد صرف احادیث کو جاننے والوں کو ملنا اور ان سے صحیح احادیث حاصل کرنا تھا(٦٦١)۔

سہولیات کے فقدان اور مصائب و آلام پر مبنی سفر کر کے کیا محدثین ہر رطب و یابس اور غیر ثقہ بات کو حدیث مان کر بیٹھ رہے۔ یقیناً نہیں۔ انہوں نے اس ضمن میں بہت عرق ریزی سے کام لے کر صحیح اور سقیم کی پہچان کے بعد صحیح روایات کو ہی اپنے دفاتر کی زینت بنایا۔ اس نقد حدیث کا رویہ شروع سے ہی محدثین کے ہاں موجود ہے اور احادیث نبوی انتہائی سخت جانچ پڑتال کے بعد ہی نسل در نسل آگے منتقل ہوتی رہی ہیں۔ یہ تاریخی تسلسل ہر دور میں نظر آتا ہے۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ محدثین کا نقد حدیث کا مقصد وحید احادیث کی رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کی صحیح پرکھ کرنا ہے۔ اس میں ان کا خلوص اور تیقن ایمان بالرسالت کا اظہار ہوتا ہے اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ محدثین کے ایمان کا ایک جزیہ بھی تھا۔ ''قال رسول اللہ ﷺ ایک ایسا کلمہ ہے جسے صحیح حدیث کے سوا کسی بھی صورت میں استعمال نہیں کیا جانا چاہیے''(٦٦٢)۔

منکرین حدیث کا نقد حدیث کے بارے میں رویہ

جہالت کا شکار منکرین حدیث کے رویے کا تحلیلی جائزہ لینے سے ان کی فکر کی تہہ میں درج ذیل بعض عوامل کارفرما نظر آتے ہیں:

i۔ احکام شریعت کی پابندی سے فرار

ii۔ رسالت پر ایمان میں جھول۔

iii۔ اپنی انفرادی ناقص عقل کو بزعم خویش عقل کل گردان کر اسے کسوٹی قرار دینا۔

iv۔ مرعوبیت کا شکار ہو کر دشمنانِ دین کے اعتراضات وشبہات سے متاثر ہونا۔

v۔ علوم الحدیث کا سطحی علم (۶۶۳)۔

بنظر عمیق مطالعہ سے آشکار ہوتا ہے کہ منکرین حدیث کی احادیث پر تنقید انہی عوامل کا نتیجہ ہے مزید برآں بعض جگہ وہ مخصوص احوال کے ردعمل کا شکار ہو گئے، کج فکری کا شکار اور جہل مرکب میں مبتلا یہ گروہ حق سے کوسوں دور جا نکلا اور اندھیرے میں ٹامک ٹویاں مارتے ہوئے دین اسلام کی خود ساختہ تعبیر وتشریح کرنے لگا جو کہ عقلاً وعملاً حماقت کے سوا کچھ نہیں (۶۶۴) انکار حدیث میں ان کے علم حدیث کا سطحی علم ایک اہم عنصر ہے اس ضمن میں حقائق پر مبنی تبصرہ ملاحظہ ہو" انکار حدیث کا سب سے پہلا اور بنیادی سبب یہ ہے کہ منکرین حدیث راسخ فی علم القرآن ہی نہیں وہ علم حدیث میں بھی مکمل عبور نہیں رکھتے اور حدیث کی مختلف انواع واقسام اور راویوں سے متعلق فن تنقید وتحقیق سے بے خبر واقع ہوئے ہیں (۶۶۵)۔

منکرین حدیث کے مختلف گروہوں کے ہاں نقد حدیث کے حوالے سے یکسانیت نظر نہیں آتی بلکہ بھانت بھانت کی بولیاں بولتے ہوئے نقد حدیث کے حوالے سے اپنے اپنے اصول ومعیارات وضع کیے ہیں۔ نقد حدیث کے ضمن میں دوراز کار ظن وتخمین اور الکل پچو کو علمی اصولوں پر ترجیح دی۔ حدیث کے ٹھکرانے اور رد وقبول کا معیار اپنی عقل، مشاہدہ اور ذہنی approach کو رکھا (۶۶۶)۔ حدیث خواہ کتنی ہی صحیح اور بے نقص ہو، سند کتنی ہی عالی ہو، رواۃ کی عدالت جتنی بھی بے عیب ہو نیز امت نے اسے قبول کا درجہ دے رکھا ہو ان کی بلا سے وہ اسے قبول نہیں کرتے (۶۶۷)۔ بلکہ اکثر الگ الگ وادی

میں سرگرداں ہونے کے باوجود منکرین حدیث اور مستشرقین کے الزامات، شبہات اور اعتراضات میں ایک گونا مماثلث پائی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ منکرین حدیث کے بارے یہ عموی تاثر پایا جاتا ہے کہ ان لوگوں کے اعتراضات مستشرقین کے اعتراضات سے براہ راست ماخوذ ہیں (۶۶۸)۔ گولڈ زیہر، شاخت، ڈوزی اور اسپرنگر وغیرہ کے افکار کا جائزہ لیں تو فوراً یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ منکرین حدیث کی طرف سے کیے جانے والے بڑے بڑے اعتراضات من وعن وہی ہیں جو ان معاندین اسلام نے کیے ہیں (۶۶۹)۔ مستشرقین کی متعصبانہ تحقیق وتنقید سے متاثر ہونا دراصل اپنی علمی سطحیت، ذہنی مرعوبیت اور فکری کج روی کا نتیجہ تھا۔ میدان جنگ میں مغلوب ہونے والی قوم ذہنی شکست کا شکار ہو جاتی ہے۔ دنیائے اسلام پر مغرب کے سیاسی وتہذیبی تسلط کے دوران یہاں کے مختلف خطوں میں مصلحین اور دانشوروں کے ایسے گروہ منظر عام پر آئے جو مغربی تہذیب وتمدن سے مرعوب اور مستشرقین کی تحقیقات و تصانیف سے متاثر تھے۔ انہوں نے حدیث وسنت کی روایت وحفاظت اور اس کی حجیت کے بارے ایسا نقطہ نظر اپنایا جو مستشرقین کے خیالات سے ہم آہنگ تھا احساس کمتری کا شکار ہو کر یہ ان کے دام میں پھنس گئے (۶۷۰) احادیث میں عیب نکالتے ہوئے بے بنیاد شبہات و اعتراضات کا دفتر کھول کر ان کی استنادی وتشریعی حیثیت کو مشکوک ٹھہرانے لگتے ہیں۔ چہ جائیکہ اسلام کے استدلالی طریق کار سے حدیث نبوی کی استنادی حیثیت کو محدثین کے مسلمہ اصولوں پر پرکھ کر تسلیم کر لیتے۔

مستشرقین کا نقد حدیث کے بارے رویہ

تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ جب نشاۃ ثانیہ اور احیائے علوم کی تحریک سے مغرب کا علمی و فکری، تہذیبی ومعاشی اور سیاسی غلبہ کی جانب سفر کا آغاز ہوا تو بالخصوص عالم اسلام کے حوالے سے اس کے ہراول دستے کے فرائض مستشرقین نے ہی انجام دیئے (۶۷۱)۔ انہوں نے جہاں دین اسلام کی حقانیت اور پیغمبر اسلام کی نبوت ورسالت کو محور تنقید بنایا وہیں اسلام کی ایک اہم اساس احادیث وسنن کو ساقط الاعتبار اور بے وقعت ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ انہوں نے احادیث کی حجیت اور تاریخی حیثیت کو پوری قوت سے چیلنج کرنے کی کوشش کی۔ احادیث رسول کو نشانہ تنقید بنانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ اسلام کو ایک مشکوک، باہم متعارض، غیر عقلی اور نیم مہذب ومتمدن دین کی شکل میں پیش

کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے مختلف جہات اور زاویوں سے احادیث رسول کو نقد و تحلیل کا نشانہ بنانے کی کوشش کی۔ احادیث کے اخذ و قبول اور جرح و تعدیل کے جامع اور منظم علوم الحدیث پر جہاں محدثین عظام تعریف و توصیف کے مستحق تھے ان ''سکالرز'' نے محض ضد و عناد کی بناء پر اس سائنٹفک علم کو ناقابل اعتبار گردانا۔ حالانکہ محدثین عظام کے اخذ حدیث کے بارے متعین کردہ اصول و معیارات بہرحال ان یورپین محققین کے وضع کردہ اصولوں سے زیادہ سخت اور بہتر تھے جو انہوں نے خود قدیم تاریخ کے ماخذ کی جانچ پڑتال کے لیے اختیار کیے تھے۔ احادیث کی صحت کی جانچ و پڑتال کے بارے ان مستشرقین کا انداز تحقیق اور نقد تاریخی دیانت کے اصولوں سے بھی میل نہیں کھاتا بلکہ یہ صرف ان کا اسلام کے بارے تعصب و عناد کا مظہر ہے(۶۷۲) اگر ہم مستشرقین کے اس رویہ کا نفسیاتی جائزہ لیں تو اس کا ایک ذہنی پس منظر سامنے آتا ہے۔ یورپ میں جب مذہبی اداروں کے گھناؤنے کردار کے ردعمل میں اصلاح اور مذہب بیزار قسم کی تحریکیں چل رہی تھیں تو انتقاد عالیہ (Hi-criticism) کے حوالے سے مسلم مذہبی حقائق کو عقلی معیار اور تاریخی اصولوں پر پرکھنے کا رجحان بڑھا۔ جس کا نتیجہ محدود مشاہدے اور دستیاب ناکافی تاریخی مواد کی بناء پر مذہبی اساسوں کا سرے سے انکار ہوتا چلا گیا(۶۷۳)۔ نوبت بایں جارسید رابرٹسن ممبر پریوی کونسل نے ثابت کیا کہ تاریخ میں یسوع ناصری نام کا کوئی شخص موجود ہی نہیں(۶۷۴)۔ اس سے ہم نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ تابناک اور درخشندہ روایات کے حامل علم حدیث سے تہی دامن اقوام کے نمائندہ سکالرز کا اصول حدیث کو غیر مفید گردانا دراصل اپنی بے بسی پر پردہ ڈالنے کی سعی لاحاصل ہے۔

حدیث پر مستشرقین کی نقد و جرح کی تحقیق کو ڈاکٹر خالد علوی صاحب نے یوں بیان کیا ہے:

۱۔ حدیث لٹریچر زیادہ تر زبانی روایت پر مبنی ہے جو ایک صدی سے زیادہ عرصہ تک زبانی روایت سے منتقل ہوتا رہا۔

۲۔ اسناد کا طریقہ پہلی صدی ہجری کے آخر سے استعمال کیا گیا لہذا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جن احادیث کو ان اسناد سے بیان کیا گیا ہے وہ صحیح معنوں میں حدیث ہے۔

۳۔ کم عمر صحابہ کی روایات بڑی عمر کے صحابہ کی مرویات سے کہیں زیادہ ہیں اس لیے ان

کے ساتھ جو مسند ملحق کی گئی ہے وہ قابل اعتماد نہیں۔

۴۔ بہت سی احادیث آپس میں متضاد ہیں۔

۵۔ ایسے یقینی ثبوت موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر اسناد اور متن حدیث موضوع ہیں۔

۶۔ مسلم نقادوں نے اپنے تنقیدی اصولوں کو سند تک محدود رکھا ہے اور متن حدیث پر کبھی تنقیدی نظر نہیں ڈالی (۶۷۵)۔

ان پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان محققین نے ایک طرف شعوری طور پر تاریخی حقائق کو جھٹلانے کی کوشش کی ہے اور بد نیتی کے ساتھ ساتھ ان کی جہالت بھی آشکار ہوتی ہے (۶۷۶)۔ احادیث کے تحریری سرمایہ کا حیات نبوی میں ہی ثبوت ملتا ہے کہ ۵۲ کے قریب صحابہ کرام کا احادیث کو زینت قرطاس بنانا on the record تاریخی حقیقت ہے (۶۷۷) نیز ابتداء سے ہی سند حدیث کا اہتمام کرنے پر تفصیلی روشنی کتاب کے دوسرے اوراق میں ڈالی گئی ہے۔ اسی طرح یہ دعویٰ بھی انتہائی مضحکہ خیز ہے کہ مسلم نقادوں نے تنقیدی اصولوں کو سند تک ہی محدود رکھا ہے متن پر تنقیدی نگاہ نہیں ڈالی۔ نقد حدیث پر ہماری یہ ساری بحث اس پر دال ہے۔

محدثین نے مستشرقین اور ان کے ساتھ ساتھ ان کے خوشہ چین منکرین حدیث کے پیدا کردہ شکوک وشبہات کو رفع کرنے اور ذہنی اور فکری انتشار کو خالص علمی انداز میں دور کرنے کے لیے بھرپور کوشش کی ہے۔ اس مسلم میراث پر امت مسلمہ کا اعتماد بحال کرنے کے لیے اہم کردار ادا کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ د۔احمد محمد نور، من ادب المحدثین فی التربیۃ والتعلیم (دار البحوث للخدمات الاسلامیہ واحیاء التراث دبئی، الطبعۃ الثانیہ، ۱۹۹۸) ص ۱۱۔

۲۔ ترمذی، السنن، (دارالسلام، الریاض)، حدیث نمبر ۱۹۵۲، ص ۳۲۸۔

۳۔ عجلونی، کشف الخفاء (طبعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، طبع ثالث ۱۹۸۳ء) ۲/۱/۲۷۔

۴۔ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضلہ (دار الفکر، بیروت) ۱/ ۱۵۱۔

۵۔ ایضاً، ۱/۱۵۳۔

۶۔ ایضاً، ۲/۱۴۔

۷۔ خطیب بغدادی، الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع (مکتبہ المعارف الریاض، ۱۹۸۳ء) ۱/ ۱۳۲۔

۸۔ ایضاً۔

۹۔ الہیثمی، نورالدین، مجمع الزوائد (طبعہ مؤسسۃ المعارف بیروت، ۱۹۸۶ء) ۸/ ۹۲۔

۱۰۔ من ادب المحدثین فی التربیۃ والتعلیم، ص ۱۶۔

۱۱۔ قاسمی، جمال الدین، قواعد التحدیث (دار الکتب العلمیۃ بیروت)، ص ۳۹۳۔

۱۲۔ البینۃ (۹۸) ۵۔

۱۲-۱۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۱، ص ۱۔

۱۳۔ حبیب اللہ بن عطا السجستانی، آداب الطالب والعالم والمحدث (مکتبۃ محمود سلام، کراچی) ص ۲۱۔

۱۴۔ ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۳۶۶۴، ص ۵۲۵-۵۲۶؛ ابن ماجہ، السنن، حدیث نمبر ۲۵۲، ص ۳۸-۳۹۔

۱۵۔ آداب الطالب والعالم والمحدث، ص ۲۱۔

۱۶۔ الذاریات (۵۱) ۵۶۔

۱۷۔ ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۳۶۴۱، ص ۵۲۳۔

ترمذی، السنن (دارالسلام الریاض، الطبعۃ الاولی، ۱۹۹۹ء) حدیث نمبر ۲۶۸۲، ص ۶۰۸-۶۰۹۔

۱۸۔ ترمذی، السنن، حدیث نمبر ۲۶۵۴، ص ۶۰۲-۶۰۳۔

۱۹۔ ترمذی، السنن، حدیث نمبر ۱۲۱۲، ص ۲۹۵-۲۹۶۔

۲۰۔ الجامع الاخلاق الراوی، ۱/ ۱۵۰۔

۲۱۔ ایضاً، ۱/ ۱۵۰۔

۲۲۔ الرامهرمزی، المحدث الفاصل (دار الفکر، ۱۹۷۱ء) ص ۲۰۲؛ الجامع لاخلاق الراوی، ۱/۱۵۰۔

۲۳۔ ابن عساکر، تاریخ دمشق، ۱۰/۱/ل ۱۶۳؛ من ادب المحدثین فی التربیۃ الاسلامیۃ، ص ۳۷۔

۲۴۔ الخطیب البغدادی، الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع، ۲/۲۶۵۔

۲۵۔ ایضاً۔

۲۶۔ ایضاً، ۲/۲۶۴۔

۲۷۔ من ادب المحدثین فی تربیۃ الاسلامیۃ، ص ۳۹۔

۲۸۔ من ادب المحدثین فی تربیۃ الاسلامیۃ، ص ۳۹ بحوالہ حلیۃ لابن ابی نعیم، ۱/۱۳۰۔

۲۹۔ ابن ابی شیبہ، المصنف (دار الفکر بیروت ۱۴۰۹ھ-۱۹۸۹ء، الطبعہ الاولیٰ) ۸/۱۴۵۔

۳۰۔ القمی، غرائب القرآن ورغائب الفرقان (منشورات الرضی قم ایران) سورہ العصر۔

۳۰۔ا۔ الرازی، تفسیر کبیر، ۳۲/۸۵-۸۶۔

۳۱۔ ترمذی، السنن، حدیث نمبر ۲۴۱۷، ص ۵۵۰-۵۵۱۔

۳۲۔ مقدمہ صحیح مسلم (دار السلام الریاض) ۱/۳۵؛ التمہید لابن عبد البر (مکہ المکرمہ) ۱/۴۶۔

۳۳۔ عجاج الخطیب، اصول حدیث، ص ۴۴۱۔

۳۴۔ ابن عبد البر، التمہید، ۱/۴۵؛ خطیب بغدادی، الکفایہ، (المکتبہ العلمیہ بیروت) ص ۳۱۔

۳۵۔ التمہید، ۱/۴۶۔

۳۶۔ الخطیب البغدادی، الکفایہ (المکتبۃ العلمیۃ المدینہ المنورہ) ص ۳۳۔

۳۷۔ ڈاکٹر خالد محمود، آثار الحدیث، ۲/۵۷ بحوالہ شرح الجامع الصغیر للمناوی، ص ۵۵۔

۳۸۔ الجامع لاخلاق الراوی، ۱/۱۱۸۔

۳۹۔ الحجرات (۴۹) ۵؛ الجامع لاخلاق الراوی، ۱/۱۵۸۔

۴۰۔ الذہبی، سیر اعلام النبلاء (مؤسسۃ الرسالہ، بیروت ۱۹۸۶ء) ۳/۳۴۳؛ الجامع لاخلاق الراوی، ۱/۱۵۸۔

۴۱۔ تذکرۃ الحفاظ (دار احیاء التراث العربی بیروت)، ذکر شیخ عبید اللہ بن عبد اللہ، ۱/۷۹۔

۴۲۔ نووی، محی الدین یحییٰ بن شرف، تہذیب الاسماء واللغات (دار الفکر بیروت، ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء) ۲/۵۰۴۔

۴۳۔ ایضاً۔

۴۴۔ تہذیب الاسماء، ۱/۸۰۔

۴۵۔ ایضاً، ۱/۲۱۷۔

۴۶۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان (منشورات الرضی قم، ایران، الطبعۃ الثانیہ)۔

۴۷۔ ابن حجر، الدرر الکامنہ (دار الجیل بیروت، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء) ۱/ ۲۸۷۔
۴۸۔ ہفتہ وار ہند کلکتہ، ۱۶ دسمبر ۱۹۳۵ء۔
۴۹۔ عیون الانباء، ۲/ ۲۳۔
۵۰۔ شبلی، سفرنامہ، ص ۱۶۔
۵۱۔ الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع، ص ۲۷۸۔
۵۲۔ تھذیب الاسماء، ۲/ ۴۶۵۔
۵۳۔ الجامع لاخلاق الراوی، ۱/ ۲۳۷۔
۵۴۔ ایضاً، ص ۲۷۸۔
۵۵۔ ایضاً، ۱/ ۲۳۶۔
۵۶۔ ایضاً، ۱/ ۲۳۷۔
۵۷۔ ایضاً، ۱/ ۲۳۸۔
۵۸۔ ایضاً۔
۵۹۔ ایضاً، ۲/ ۲۷۸۔
۶۰۔ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضلہ، ۲/ ۱۴۔
۶۱۔ ایضاً، ۲/ ۱۱۔
۶۲۔ ایضاً۔
۶۳۔ ایضاً، ۲/ ۸۔
۶۴۔ جھنڈانگری، عبدالرؤف، العلم والعلماء (مکتبہ قدوسیہ لاہور) ص ۶۴۔
۶۵۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ (داراحیاء التراث العربی، بیروت) ۱/ ۱۱۰۔
۶۶۔ ابن حجر ہدی الساری المعروف مقدمۃ فتح الباری (ادارۃ البحوث العلمیۃ الریاض) ص ۴۸۶۔
۶۷۔ ایضاً، ص ۴۸۷۔
۶۸۔ ایضاً، ص ۴۸۶۔
۶۹۔ جامع بیان العلم وفضلہ، ۱/ ۱۰۹۔
۷۰۔ ایضاً، ۱/ ۱۱۵۔
۷۱۔ ایضاً، ۱/ ۱۱۱-۱۱۲؛ البغدادی، الرحلۃ فی طلب الحدیث (دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۷۵ء) ص ۱۱۰۔
۷۲۔ بخاری، الجامع الصحیح (باب الخروج فی طلب العلم، تعلیقاً) ص ۱۸۔

۷۳۔ خطیب بغدادی، الرحلۃ فی طلب الحدیث، ص ۱۱۰۔

۷۴۔ جامع بیان العلم وفضلہ، ص ۱۲۱۔

۷۵۔ الترمذی، السنن، حدیث نمبر ۲۶۸۲، ص ۶۰۸-۶۰۹۔

۷۶۔ شاہ عبدالعزیز، بستان المحدثین (ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، طبع سوم، ۱۹۸۴ء) ص ۱۱۷۔

۷۷۔ جامع بیان العلم، ۱/۱۱۳۔

۷۸۔ العلم والعلماء، ص ۵۵ بحوالہ معجم الادباء، ۱/۲۵۵۔

۷۹۔ ایضاً، ص ۵۵ بحوالہ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۱۱۹۔

۸۰۔ العلم والعلماء، ص ۵۵ بحوالہ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۴۵۲۔

۸۱۔ تہذیب الاسماء، ۲/۲۵۲۔

۸۲۔ العلم والعلماء، ص ۵۵ بحوالہ تذکرۃ الحفاظ۔

۸۳۔ ایضاً، ص ۳۸ بحوالہ تذکرۃ الحفاظ، ۳/۱۲۸۔

۸۴۔ ایضاً، ص ۳۷-۳۸ بحوالہ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۴۷۔

۸۵۔ جامع بیان العلم وفضلہ، ۱/۱۱۶۔

۸۶۔ ایضاً، ۱/۱۵۰۔

۸۷۔ ایضاً، ۱/۱۵۰؛ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۱۰۹۔

۸۸۔ ایضاً، ۱/۱۴۷۔

۸۹۔ ایضاً، ۱/۱۴۸۔

۹۰۔ ترمذی، السنن، حدیث نمبر ۲۶۴۹، ص ۶۰۱۔

۹۱۔ جامع بیان العلم وفضلہ، ۱/۱۴۸۔

۹۲۔ ایضاً، ۱/۱۴۹۔

۹۳۔ الجامع لاخلاق الراوی، ۱/۲۰۳۔

۹۴۔ ایضاً، ۱/۲۰۳۔

۹۵۔ سیوطی، الجامع الصغیر (دار الفکر بیروت ۱۹۹۴ء) ۶/۵۵۹۔

۹۶۔ ابوداود، السنن، حدیث نمبر ۳۸۷۸، ص ۵۵۱۔

۹۷۔ ایضاً، حدیث نمبر ۴۲۲۶، ص ۵۹۲۔

۹۸۔ جامع الصغیر، ۵/۲۳۳۔

۹۹۔ الجامع لاخلاق الراوی، ۱/۳۸۱۔

۱۰۰۔ غزنوی، سید ابوبکر، حضرت مولانا داؤد غزنویؒ (مکتبہ غزنویہ، لاہور) ص ۲۹۰۔

۱۰۱۔ ندوی، سید سلیمان، حیات امام مالک (مجلس نشریات اسلام، کراچی) ص ۳۵۔

۱۰۲۔ مواردالظمان، کتاب المناقب باب بنی عامر، حدیث ۲۳۰۰۔

۱۰۳۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۴۸۳۸، ص ۸۵۶۔

۱۰۴۔ احیاء العلوم الدین، ۱/۴۶۔

۱۰۵۔ ایضاً۔

۱۰۶۔ ایضاً۔

۱۰۷۔ ایضاً، ۱/۴۷۔

۱۰۸۔ ایضاً، ۳/۵۸۔

۱۰۹۔ بخاری، الجامع الصحیح، ص ۲۱۔

۱۱۰۔ ایضاً، حدیث نمبر ۹۳، ص ۲۱۔

۱۱۱۔ ایضاً، ص ۱۴۔

۱۱۲۔ بخاری، الجامع الصحیح ۔۔۔ حدیث نمبر ۵۹، ص ۱۴۔

۱۱۳۔ محدث دہلوی، عبدالحق، مدارج النبوۃ (مکتبہ اسلامیہ، اردو بازار لاہور)، ۱/۴۶۲۔

۱۱۴۔ ڈاکٹر خالد محمود، آثار الحدیث، ۲/ ۶۹ بحوالہ کتاب التاریخ لیحیی بن معین، ۲/۲۱۳۔

۱۱۵۔ آثار الحدیث، ۲/ ۶۹ بحوالہ مصنف لعبد الرزاق، ۱/۳۶۴۔

۱۱۶۔ مدارج النبوۃ، ۱/۴۶۳۔

۱۱۷۔ ایضاً۔

۱۱۸۔ آثار الحدیث، ۲/ ۶۹۔۷۰۔

۱۱۹۔ داری، السنن (سلسلہ مطبوعات کتب السنۃ النبویۃ، مدینۃ المنورہ) ۱/ ۶۶، عن ابی الدرداء۔

۱۲۰۔ جوہری، ابوالفداء اسماعیل بن حماد، الصحاح (مقدمہ) ۱/ ۱۶۱۔

۱۲۱۔ فیروز آبادی مجدالدین محمد بن یعقوب، القاموس المحیط (دارالفکر، بیروت ۱۳۹۸ھ)، ۱/ ۹۱۔

۱۲۲۔ ابن منظور، لسان العرب (دار صادر بیروت) ۱/ ۵۱۹۔

۱۲۳۔ خطیب بغدادی، الکفایہ، ص ۱۵۱۔

۱۲۴۔ بخاری، الجامع الصحیح، دارالسلام الریاض، ۱۹۹۹ء (کتاب فضائل اصحاب النبی) ص ۶۱۲۔

۱۲۵۔ ابن حجر العسقلانی، الاصابۃ، ۱/ ۷۔

۱۲۶۔ المنجد، ۳۳۔

۱۲۷۔ لسان العرب، ۱/ ۴۳۔

۱۲۸۔ مقدمہ ابن الصلاح، ص ۹۶۔

۱۲۹۔ امام غزالی، المستصفیٰ، ۱/ ۱۵۷۔

۱۳۰۔ الکفایہ: ص ۹۷۔

۱۳۱۔ سورہ البینہ (۹۸) ۷-۸۔

۱۳۲۔ التوبہ (۹) ۸۸۔

۱۳۳۔ التوبہ (۹) ۱۰۰۔

۱۳۴۔ الفتح (۴۸) ۱۸۔

۱۳۵۔ الحشر (۵۹) ۸۔

۱۳۶۔ الفتح (۴۸) ۲۹۔

۱۳۷۔ التحریم (۶۶) ۸۔

۱۳۸۔ الحجرات (۴۹) ۷-۸۔

۱۳۹۔ البقرۃ (۲) ۱۳۷۔

۱۴۰۔ البقرۃ (۲) ۲۱۸۔

۱۴۱۔ الانفال (۸) ۷۴۔

۱۴۲۔ التوبہ (۹) ۱۱۲۔

۱۴۳۔ مسلم الجامع الصحیح ۲/ ۳۰۸۔

۱۴۴۔ الترمذی، السنن، حدیث نمبر ۳۸۶۵، ص ۸۷۳۔

۱۴۵۔ خطیب تبریزی مشکاۃ المصابیح حدیث نمبر ۶۰۱۵، ص ۳۳۵۔

۱۴۶۔ البخاری، الجامع الصحیح، حدیث ۳۶۵۱، ص ۶۱۲۔

۱۴۷۔ ایضاً، حدیث ۳۶۵۰، ص ۶۱۲۔

۱۴۸۔ ایضاً، حدیث ۳۶۴۹۔ ص ۶۱۲؛ مسلم، الجامع الصحیح ۲/ ۳۰۸۔

۱۴۹۔ ترمذی، السنن، حدیث نمبر ۳۸۵۸، ص ۸۷۱-۸۷۲۔

۱۵۰۔ ایضاً حدیث نمبر ۳۸۶۰، ص ۸۷۲۔

۱۵۱۔ ایضا، حدیث نمبر ۳۸۶۱، ص ۸۷۲۔

۱۵۲۔ ایضا حدیث نمبر ۳۸۶۶، ص ۸۷۳۔

۱۵۳۔ ایضا حدیث نمبر ۳۸۶۲، ص ۸۷۲۔

۱۵۴۔ البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۳۶۵۶، ص ۶۱۴۔

۱۵۵۔ ایضا، حدیث نمبر ۳۶۶۶، ص ۶۱۵۔

۱۵۶۔ ایضا، حدیث نمبر ۳۶۶۲، ص ۶۱۴-۶۱۵۔

۱۵۷۔ ایضا حدیث نمبر ۳۶۷۱، ص ۶۱۶۔

۱۵۸۔ ایضا حدیث نمبر ۳۶۷۵، ص ۶۱۷۔

۱۵۹۔ ایضا حدیث نمبر ۳۶۸۱، ص ۶۱۸؛ ترمذی، السنن ۳۶۸۷، ص ۸۳۹۔

۱۶۰۔ ترمذی، السنن حدیث نمبر ۳۶۸۲، ص ۸۳۸۔

۱۶۱۔ ایضا، حدیث ۳۶۸۴، ص ۸۳۸۔

۱۶۲۔ احمد، المسند، ۱/ ۳۳۹؛ علی المتقی، کنز العمال، ۲/ ۳۱۱۔

۱۶۳۔ ابن أبی العز، شرح العقیدة الطحاویہ، ۴۶۹۔

۱۶۴۔ یوسف (۱۲) ۱۰۸۔

۱۶۵۔ البغوی، معالم التنزیل، ۳/ ۳۲۱۔

۱۶۶۔ الکفایہ، ص ۴۹؛ الإصابۃ، ۱/ ۱۰؛ روى الخطيب البغدادي في تاريخ بغداد، ۱۰ / ۱۷٤ في ترجمة عبدالله بن مصعب الزبيري سنده إلى الزبير بن أبي بكر وهي كنية بكار قال: حدثني عمي مصعب بن عبدالله قال حدثني أبي عبدالله بن مصعب قال قال لي أمير المؤمنين المهدي: يا أبا بكر ما تقول فيمن يتنقص أصحاب رسول الله ﷺ قال قلت: زنادقة: قال: ما سمعت أحدًا قال هذا قبلك. قال: هم قوم أرادوا رسول الله ﷺ بنقص لم يجدوا أحدًا من الأمة يتابعهم على ذلك فتنقصوا هؤلاء عند أبناء هؤلاء، وهؤلاء عند أبناء هؤلاء. فكأنهم قالوا: رسول الله ﷺ يصحبه صحابة السوء فقال: ما أراه إلا كما قلت.

۱۶۷۔ الحشر (۵۹) ۷-۱۰؛ ابن تیمیہ، الصارم المسلول (المکتب الاسلامی بیروت ۱۹۹۴ء) ص ۵۶۸۔

۱۶۸۔ ابن تیمیہ، الصارم المسلول علی شاتم الرسول، ص ۵۶۸۔

۱۶۹۔ ابن حجر، الإصابۃ، ۱/ ۱۰۔

۱۷۰۔ أحمد، فضائل الصحابۃ (مقدمہ)، ۱/ ۱۵۔

۱۷۱۔ ابن الصلاح، علوم الحدیث مع التقیید والایضاح، ص ۳۰۱۔
۱۷۲۔ ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ۱/۲ (علی هامش الاصابۃ)۔
۱۷۳۔ الکفایہ، ص ۴۶-۴۷۔
۱۷۴۔ النووی، التقریب والتیسیر، ص ۹۲۔
۱۷۵۔ سیوطی، تدریب الراوی، ۲/۲۱۶۔
۱۷۶۔ ابن تیمیہ، شرح العقیدہ الواسطیہ، ص ۱۶۶۔
۱۷۷۔ ابوالحسن الاشعری، الابانہ من اصول الدیانہ، ص ۱۹۰-۱۹۱۔
۱۷۸۔ ابن کثیر، اختصار علوم الحدیث، ص ۱۷۶-۱۷۷۔
۱۷۹۔ الصابونی، عقیدۃ السلف واصحاب الحدیث، ص ۹۳۔
۱۸۰۔ الکتانی، الرسالۃ المستطرفۃ، ۱۲۷، فتح المغیث، ۳/۹۲۔
۱۸۱۔ مطبوع جامعۃ ام القری مکۃ المکرمہ (انظر ایضاً الندوی المظاهری: اسماء الرجال، ص ۸۳)۔
۱۸۲۔ الاصابۃ، ۱/۲۔
۱۸۳۔ مجلۃ البحث العلمی، والتراث الاسلامی العربی، ص ۳۵۳۔
۱۸۴۔ النسائی، فضائل الصحابۃ، ۲۹، الذهبی، تذکرۃ الحفاظ، ص ۲-۵۹۰۔
۱۸۵۔ مجلۃ البحث العلمی، ص ۳۵۳۔
۱۸۶۔ ایضاً، ص ۳۵۳۔
۱۸۷۔ فؤاد سیزگین، تاریخ التراث العربی، ۱/۲۹۷۔
۱۸۸۔ مطبوع من مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت، ۱۹۸۶ء، الطبعۃ الاولی۔
۱۸۹۔ مجلۃ البحث العلمی، ص ۳۵۳۔
۱۹۰۔ النسائی، فضائل الصحابۃ، ص ۲۷۔
۱۹۱۔ الرسالۃ المستطرفۃ، ص ۱۲۶۔
۱۹۲۔ الاصابۃ، ۱/۹؛ النسائی، فضائل الصحابۃ، ص ۲۷۔
۱۹۳۔ مجلۃ البحث العلمی، ص ۳۵۳۔
۱۹۴۔ النسائی، فضائل الصحابۃ، ص ۲۷۔
۱۹۵۔ ابونعیم، معرفۃ الصحابۃ، ۱/۲۸ (المقدمۃ)۔
۱۹۶۔ مطبوع من دار البیضاء، مغرب ۱۹۸۴ء۔

۱۹۷۔ السخاوی، فتح المغیث ۳/۹۲۔

۱۹۸۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون، ۲/۱۷۳۶۔

۱۹۹۔ ابن الخیر اشبیلی، الفہرسہ ص ۲۱۵؛ السخاوی، الاعلان بالتوبیخ ص ۹۲۔

۲۰۰۔ الاصابہ، ۱/۲؛ السخاوی، فتح المغیث، ۳/۹۲۔

۲۰۱۔ الاصابہ، ۱/۲-۳۔

۲۰۲۔ مجلۃ المجمع العلمی، ص ۳۵۴۔

۲۰۳۔ النسائی، فضائل الصحابہ، ص ۲۸۔

۲۰۴۔ مجلۃ المجمع العلمی، ص ۳۵۳۔

۲۰۵۔ فتح المغیث، ۳/۹۲۔

۲۰۶۔ مجلۃ المجمع العلمی، ص ۳۵۴۔

۲۰۷۔ کشف الظنون، ۲/۲۷۵۔

۲۰۸۔ مطبوع دار الکتب العربی، بیروت ۱۹۸۰ء۔

۲۰۹۔ تاریخ التراث العربی، ۱/۳۶۹۔

۲۱۰۔ مجلۃ المجمع العلمی، ص ۳۵۴۔

۲۱۱۔ فہرسۃ ۲۱۵، تاریخ التراث العربی، ۱/۳۰۵۔

۲۱۲۔ الاصابۃ، ۱/۳؛ السنۃ قبل التدوین، ص ۲۶۲۔

۲۱۳۔ الاصابۃ، ۱/۳؛ الفہرسۃ، ص ۲۱۵۔

۲۱۴۔ مجلۃ المجمع العلمی، ص ۳۵۵۔

۲۱۵۔ تاریخ التراث العربی، ۱/۳۹۹۔

۲۱۶۔ مجلۃ المجمع العلمی، ص ۳۵۵۔

۲۱۷۔ الاصابۃ، ۱/۳؛ تاریخ التراث العربی، ۱/۳۹۳، مطبوع متداول۔

۲۱۸۔ تاریخ التراث العربی، ۱/۴۰۳۔

۲۱۹۔ ایضاً۔

۲۲۰۔ کشف الظنون، ۲/۱۷۳۶؛ التراث، ۱/۴۰۷-۴۰۸۔

۲۲۱۔ مجلۃ المجمع العلمی، ص ۳۵۵۔

۲۲۲۔ احمد، فضائل الصحابۃ، ۱/۱۸۔

۲۲۳۔ الاصابۃ،۱/۳، فتح المغیث،۳/۹۲۔

۲۲۴۔ تاریخ التراث العربی،۱/۴۲۴۔

۲۲۵۔ ایضاً،۱/۴۳۹۔

۲۲۶۔ کشف الظنون،۲/۱۷۳۶۔

۲۲۷۔ تذکرۃ الحفاظ،۳/۲۴۸۔

۲۲۸۔ کشف الظنون،۲/۱۲۱۶۔

۲۲۹۔ فہرستہ،ص۲۹۱۔

۲۳۰۔ فتح المغیث،۳/۹۲؛ النسائی،فضائل الصحابۃ،ص۳۷۔

۲۳۱۔ ایضاً،۳/۹۲۔

۲۳۲۔ مجلۃ البحث العلمی،ص۳۵۷۔

۲۳۳۔ النسائی،فضائل الصحابۃ،ص۳۰۔

۲۳۴۔ احمد،فضائل الصحابۃ،۱/۱۹۔

۲۳۵۔ مطبوع داراحیاء التراث العربی، بیروت فی ۱۳۲۸ھ علی حاشی الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ لابن حجر۔

۲۳۶۔ الاصابۃ،۱/۳۔

۲۳۷۔ مجلۃ البحث العلمی،ص۳۵۸۔

۲۳۸۔ النسائی،فضائل الصحابۃ،ص۳۱۔

۲۳۹۔ مجلۃ البحث العلمی،ص۳۵۸۔

۲۴۰۔ النسائی،فضائل الصحابۃ،ص۳۱۔

۲۴۱۔ مجلۃ البحث العلمی،ص۳۵۸۔

۲۴۲۔ النسائی،فضائل الصحابۃ،ص۳۰۔

۲۴۳۔ مطبوع المؤسسۃ العامۃ للصحافۃ والطباعۃ، بغداد ۱۹۶۱ء۔

۲۴۴۔ النسائی،فضائل الصحابۃ،ص۳۱۔۱۱۵۔

۲۴۵۔ ایضاً،ص۳۷۔

۲۴۶۔ ایضاً۔

۲۴۷۔ ایضاً۔

۲۴۸۔ ایضاً۔

۲۴۹۔ احمد، فضائل الصحابۃ، ص ۳۷۔

۲۵۰۔ النسائی، فضائل الصحابۃ، ص ۳۷۔

۲۵۱۔ مطبوع داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۷۳ء۔

۲۵۲۔ مطبوع داراحیاء التراث العربی، بیروت۔

۲۵۳۔ مجلۃ الجمعۃ العلمی، ص ۳۵۹۔

۲۵۴۔ النسائی، فضائل الصحابۃ، ص ۳۱۔

۲۵۵۔ ایضاً، ص ۳۷۔

۲۵۶۔ ایضاً، وھو مطبوع دارالکتب العلمیۃ بیروت فی ۱۹۸۴۔

۲۵۷۔ النسائی، فضائل الصحابۃ، ص ۳۷۔

۲۵۸۔ ایضاً۔

۲۵۹۔ کشف الظنون، ۱۲۷۶/۲۔

۲۶۰۔ مجلۃ الجمعۃ العلمی، ص ۳۵۹۔

۲۶۱۔ مجلۃ الجمعۃ العلمی، ۳۵۹ وھو مطبوع۔

۲۶۲۔ مخطوط فی مکتبۃ عثمانیۃ بحلب ورقمہ ۲۵۱، وھو مطبوع من الجامعۃ الاسلامیۃ بھاولپور فی قسم السیرۃ تحقیق راقم السطور۔

۲۶۳۔ مطبوع داراحیاء التراث العربی، بیروت۔

۲۶۴۔ مطبوع مکتبۃ المعارف بیروت، ۱۹۸۴ء۔

۲۶۵۔ الندوی، فن اسماء الرجال، ص ۸۵۔

۲۶۶۔ ایضاً۔

۲۶۷۔ النسائی، فضائل الصحابۃ، ص ۳۲۔

۲۶۸۔ ایضاً۔

۲۶۹۔ ایضاً۔

۲۷۰۔ ابن الاثیر، مقدمہ النھایۃ، ص ۱۲۔

۲۷۱۔ بھٹی، محمد اسحاق، برصغیر میں اہل حدیث کی آمد (مکتبہ قدوسیہ لاہور) ص ۳۰۰۔

۲۷۲۔ صبحی صالح، علوم الحدیث (مکتبہ کشمیر فیصل آباد، ۱۹۹۷ء، طبع پنجم) ص ۱۲۵۔

۲۷۳۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی (الفیصل ناشران، اردو بازار لاہور، ۱۹۹۱ء) ۲۵/۱۔

۲۷۴۔ ابن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، مقدمہ سپرنگر (مطبوع کلکتہ)

۲۷۵۔ مزی، تھذیب الکمال (مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، الطبع الثانیہ ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء) ۱/۱۶۵۔

۲۷۶۔ خطیب بغدادی، تلخیص المتشابہ فی الرسم، المقدمہ تحقیق سکینہ شہانی۔

۲۷۷۔ قاضی عیاض، الالماع (تحقیق احمد صقر، قاہرہ) ص ۱۵۵۔

۲۷۸۔ ابن عبدالبر، الاستذکار، عبدالحی کتانی، فہرس الفہارس والاثبات۔

۲۷۹۔ المرعشلی، محمد عبدالرحمٰن، فتح المنان مقدمہ لسان المیزان (احیاء التراث العربی بیروت، ۱۹۹۵ء) ص ۱۶۳۔

۲۸۰۔ ایضاً، ص ۱۶۳-۱۶۴۔

۲۸۱۔ ایضاً، ص ۱۶۸۔

۲۸۲۔ تہذیب الکمال، ۱/۱۶۵۔

۲۸۳۔ ایضاً، ۱/۱۶۵۔

۲۸۴۔ ایضاً۔

۲۸۵۔ ایضاً، ۱۶۳-۱۶۴۔

۲۸۶۔ محمد عبدالرحمان، فتح المنان مقدمہ لسان المیزان، ص ۱۶۱۔

۲۸۷۔ ایضاً، ص ۱۵۹-۱۶۰۔

۲۸۸۔ نجم الدین اصلاحی، دلائل السنن والآثار (ادارہ معارف اسلامیہ منصورہ لاہور، طبع اول ۱۹۸۷ء، بحوالہ سنن دارمی) ص ۱۶۱۔

۲۸۹۔ الاحقاف (۴۶) ۴۔

۲۹۰۔ قاضی شوکانی، فتح القدیر، (مصطفٰے البابی الحلبی واولادہ بمصر، ۱۳۵۱ھ) ۱۳/۵۔

۲۹۱۔ فیروز آبادی، القاموس المحیط، تحت مادہ۔

۲۹۲۔ عبدالغفار حسن رحمانی، عظمت حدیث (دار العلم، آب پارہ مارکیٹ، اسلام آباد) ص ۳۱۷-۳۱۸۔

۲۹۳۔ مسلم، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۶۵۹۶، ص ۱۱۳۲۔

۲۹۴۔ خطیب تبریزی، المشکوٰۃ، ۲/۹۸۸۔

۲۹۵۔ مسلم، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۳۷۱۰۔

۲۹۶۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۱۷/۴۵۳-۴۵۴۔

۲۹۷۔ ایضاً، ۱۷/۴۵۴-۴۵۵۔

۲۹۸۔ ایضاً، ۱۷/۴۵۸۔

۲۹۹۔ ذہبی، العبر فی خبر من غبر (دارالکتب العلمیہ بیروت) ۲/۲۶۲۔

۳۰۰۔ ابونعیم، معرفۃ الصحابہ، (مکتبہ الحرمین الریاض ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء الطبعہ الاولیٰ) ۱/۱۰۷۔

۳۰۱۔ ایضاً، ۱/۱۴۹۔

۳۰۲۔ ایضاً، ۱/۱۵۳۔

۳۰۳۔ ایضاً، ۳/۲۱۹۔

۳۰۴۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، (منشورات الشریف الرضی، قم) ۷/۶۷۔

۳۰۵۔ الذہبی، العبر ۲/۳۱۶۔

۳۰۶۔ ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (یہ کتاب الاصابۃ کے حاشیہ پر احیاء التراث العربی بیروت نے ۱۳۲۸ھ میں پہلی مرتبہ شائع کی)۔

۳۰۷۔ ڈاکٹر محمود طحان، اصول التخریج۔۔۔(دارالقرآن الکریم بیروت طبع ثالث ۱۹۸۱ء) ص ۱۷۰۔

۳۰۸۔ ایضاً۔

۳۰۹۔ ایضاً۔

۳۱۰۔ یہ کتاب مطبوع ہے۔

۳۱۱۔ الاستیعاب کے ساتھ داراحیاء التراث بیروت سے ۱۳۲۸ھ میں چار جلدوں میں طبع ہوئی ہے۔

۳۱۲۔ ابن حجر، الاصابہ، مقدمہ (داراحیاء التراث العربی بیروت، طبع اول ۱۳۲۸ھ) ۱/۲۔

۳۱۳۔ ایضاً، ۱/۲-۷۔

۳۱۴۔ اصول التخریج ودراسۃ الاسانید، ص ۱۸۲-۱۸۳۔

۳۱۵۔ وفیات الاعیان، ۲/۳۵۱۔

۳۱۶۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد (دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۹۹۷ء) ۵/۳۲۱۔

۳۱۷۔ الذھبی، العبر فی خبر من غبر، ۱/۳۲۰۔

۳۱۸۔ طبقات ابن سعد، دارصادر بیروت، ۱۹۸۵ء میں طبع ہوئی۔ (پہلی مرتبہ ۱۹۶۸ء میں شائع ہوئی)۔

۳۱۹۔ ابن العماد، شذرات الذھب، (المکتب التجاری بیروت) ۶/۱۵۴۔

۳۲۰۔ شذرات الذھب، ۶/۱۵۵۔

۳۲۱۔ ایک ایڈیشن شیخ زکریا عمیرات کے حاشیہ کے ساتھ ۱۹۹۸ء میں دار الکتب العلمیہ بیروت (پانچ اجزاء) تین جلدوں میں شائع ہوا ہے۔

۳۲۲۔ اردو ترجمہ چار اجزاء دو جلدوں میں اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور سے شائع ہوا ہے۔

۳۲۳۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ (دارالکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء) ۱/ ۴۴۔

۳۲۴۔ ایضاً، ۱/ ۴۴۔

۳۲۵۔ ایضاً، ۱/ ۴۴۔

۳۲۶۔ ایضاً، ۱/ ۱۷۴۔

۳۲۷۔ شذرات الذھب، ۸/ ۵۳۔

۳۲۸۔ ایک ایڈیشن دارالکتب العلمیہ بیروت سے ۱۹۹۳ء میں طبع ہوئی ہے۔

۳۲۹۔ سیوطی، طبقات الحفاظ، ص ۵۲۱۔

۳۳۰۔ ایضاً، ص ۵۲۱۔

۳۳۱۔ ایضاً، ص ۱۸۔

۳۳۲۔ ایضاً، ص ۸۵۔

۳۳۳۔ ایضاً، ص ۱۷۔

۳۳۴۔ ایضاً، ص ۳۰۵۔

۳۳۵۔ تذکرۃ الحفاظ، ۲/ ۱۵۔

۳۳۶۔ وفیات الاعیان، ۶/ ۱۳۹۔

۳۳۷۔ تذکرۃ الحفاظ، ۲/ ۱۵۔

۳۳۸۔ عبداللہ احمد حسن کی تحقیق سے دار القلم بیروت سے دو جلدوں میں ''تاریخ یحییٰ بن معین'' کے نام سے شائع ہوئی ہے۔

۳۳۹۔ تاریخ بغداد، ۲/ ۶۰۵۔

۳۴۰۔ ایضاً، ۲/ ۶۔

۳۴۱۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۲/ ۳۳۲۔

۳۴۲۔ تاریخ بغداد، ۲/ ۲۸۔

۳۴۳۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۲/ ۴۳۹-۴۴۱۔

۳۴۴۔ العبر فی خبر من غبر، ۱/ ۳۶۸۔

۳۴۵۔ ایک ایڈیشن مصطفیٰ عبدالقادر احمد عطا کی تحقیق سے دارالکتب العلمیہ بیروت سے ۲۰۰۱ء میں نو جلدوں میں شائع ہوا ہے آخری جلد فہارس پر مشتمل ہے۔

۳۴۶۔ تاریخ بغداد، ۵/ ۷۔

۳۴۷۔ بخاری، مقدمہ التاریخ الاوسط، (دار الصمیعی، الریاض الطبعہ الاولی ۱۹۹۸ء) ۱/ ۵۸۔

۳۴۸۔ تاریخ الاوسط، ۱/ ۶۸۔

۳۴۹۔ جس کا ایک ایڈیشن محمود ابراہیم زاید کی تحقیق سے دار المعرفۃ بیروت سے ۱۹۸۶ء میں دو جلدوں میں شائع ہوا ہے۔

۳۵۰۔ ابن حجر، الدرر الکامنہ، (دار الجیل بیروت، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء)، ۶/ ۴۵۷۔

۳۵۱۔ یاقوت، معجم البلدان، (داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء)، ۵/ ۱۲۲۔

۳۵۲۔ تھذیب الکمال، مقدمہ فصل اوّل، ۱/ ۱۶۔

۳۵۳۔ الدرر الکامنہ، ۶/ ۴۵۹۔

۳۵۴۔ یہ کتاب بغداد یونیورسٹی کے ڈاکٹر ''بشار عواد معروف'' کی تحقیق سے ۳۵ جلدوں میں ''مؤسسۃ الرسالہ'' بیروت نے ۱۹۸۳ء میں شائع کی ہے۔ یہ دوسرا ایڈیشن تھا۔

۳۵۵۔ تھذیب الکمال، مقدمہ، ۱/ ۱۴۹-۱۵۰۔

۳۵۶۔ ابن فہد مکی، لحظ الالحاظ ذیل طبقات الحفاظ مع تذکرۃ الحفاظ، ۵/ ۹۱؛ سیوطی، ذیل طبقات الحفاظ، (دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۱۹۹۸ء) ۵/ ۳۳۱۔

۳۵۷۔ ایضاً، ۵/ ۹۱۔

۳۵۸۔ ابن حجر، لسان المیزان، (منشورات مؤسسۃ الاعلمی، بیروت، ۱۴۰۶ھ-۱۹۸۶ء) ۲/ ۷۲-۷۳۔

۳۵۹۔ طبقات الحفاظ، ص ۵۳۸۔

۳۶۰۔ عادل بن محمد اور اسامہ بن ابراہیم کی تحقیق سے ۱۲ جلدوں میں الفاروق الحدیثہ قاہرہ سے ۲۰۰۱ء میں چھپ چکی ہے۔

۳۶۱۔ مغلطائی، علاء الدین بن قلیج، اکمال تھذیب الکمال فی اسماء الرجال، مقدمہ، (الفاروق الحدیثۃ، القاھرۃ، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء، الطبعہ الاولی) ۱/ ۳۔

۳۶۲۔ ایضاً، ۱/ ۴۔

۳۶۳۔ مقدمہ المحقق علی اکمال تھذیب الکمال، ۱/ ۳۲-۳۴۔

۳۶۴۔ متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ ایک ایڈیشن مصطفیٰ عبدالقادر کی تحقیق سے دار الکتب العلمیہ بیروت سے ۱۹۹۴ء میں بارہ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

۳۶۵۔ متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ ایک ایڈیشن دار الفکر بیروت سے ۱۹۹۵ء میں دو جلدوں میں شائع ہوا ہے۔

۳۶۶۔ ابن حجر، مقدمہ تقریب التھذیب (دار الفکر بیروت ۱۹۹۵ء) ۱/ ۸-۹۔

۳۶۷۔ مقدمہ التحقیق، تعجیل المنفعۃ، ص۴۔ ایمن صالح شعبان کی تحقیق سے ۱۹۹۶ء میں ''دارالکتب العلمیہ'' بیروت سے شائع ہوا ہے۔

۳۶۸۔ سیر اعلام النبلاء ۱۱/۱۷۹۔

۳۶۹۔ ابونعیم اصفہانی، حلیۃ الاولیاء (دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۹۸۸ء) ۹/۱۶۳۔

۳۷۰۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۰/۱۸۳-۱۸۴۔

۳۷۱۔ بخاری، التاریخ الکبیر، ۲/۵۔

۳۷۲۔ ڈاکٹر طلعت بکیت اور ڈاکٹر اسماعیل اوغلو کی تحقیق سے ۱۹۸۷ء میں المکتبۃ الاسلامیہ، استنبول سے دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

۳۷۳۔ سیر اعلام النبلاء، ۲/۵۰۵۔

۳۷۴۔ تاریخ بغداد، ۴/۴۳۶۔

۳۷۵۔ العبر فی خبر من غبر، ۱/۳۷۴۔
امام عجلی کی یہ کتاب ڈاکٹر عبدالمعطی امین قلعجی کی تحقیق سے دار الکتب العلمیہ بیروت سے ۱۹۸۴ء میں شائع ہوئی ہے۔ کتاب کے آخر میں آیات، احادیث اور کتاب کے مضامین کی فہارس دی گئی ہیں۔

۳۷۶۔ عجلی، تاریخ الثقات (دارالکتب العلمیہ بیروت) ص۴۵ (مقدمہ)۔

۳۷۷۔ ایضاً، ص۲۵۴۔

۳۷۸۔ ایضاً۔

۳۷۹۔ ایضاً، ص۶۲۔

۳۸۰۔ ایضاً، ص۲۵۶۔

۳۸۱۔ ایضاً، ص۲۷۲-۲۷۳۔

۳۸۲۔ ایضاً، ص۵۱۔

۳۸۳۔ ایضاً، ص۶۴۔

۳۸۴۔ ایضاً، ص۳۸۶۔

۳۸۵۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۶/۹۳-۹۴۔

۳۸۶۔ ایضاً، ۱۶/۹۴۔

۳۸۷۔ ایضاً، ۱۶/۱۰۲۔

۳۸۸۔ کتاب الثقات ''دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد'' ہند سے ۱۳۹۵ھ-۱۹۷۵م میں ۹ جلدوں میں

شائع ہوا ہے۔

۳۸۹۔ العبر فی خبر من غبر، ۳/۱۱۹۔

۳۹۰۔ ذہبی، میزان الاعتدال، (دارالکتب العلمیۃ بیروت، ۱۹۹۵ء)، ۷/۴۸۱۔

۳۹۱۔ میزان الاعتدال، ۷/۴۸۰۔

۳۹۲۔ میزان الاعتدال، ۱/۱۱۴۔

۳۹۳۔ متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ ایک ایڈیشن الشیخ علی محمد معوض اور الشیخ عادل احمد عبدالموجود کی تحقیق سے ''دارالکتب العلمیۃ'' بیروت سے ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء میں سات جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔

۳۹۴۔ لسان المیزان (منشورات مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت)، ۷/۵۳۵۔

۳۹۵۔ ابن الاثیر، النہایہ فی غریب الحدیث، ۱/۲۵۵۔

۳۹۶۔ صبحی صالح، اصول الحدیث، ص ۲۶۰۔

۳۹۷۔ فیومی، المصباح المنیر، ۲/۴۴۔

۳۹۸۔ القاموس المحیط، ۴/۱۳۔

۳۹۹۔ ابن حزم، الاحکام فی اصول الاحکام، ۱/۱۳۵۔

۴۰۰۔ صبحی صالح، اصول الحدیث علومہ و مصطلحہ، ص ۲۶۱؛ کشف الظنون، ۱/۵۸۲؛ الحطہ بذکر الصحاح الستہ، ص ۳۸؛ ابجد العلوم، ۲/۲۱۱۔

۴۰۱۔ ابن عبدالبر، التمہید، ۱/۳۶۔

۴۰۲۔ صالح الجزائری، توجیہ النظر، ص ۲۲۵۔

۴۰۳۔ الذھبی، میزان الاعتدال (دارالمعرفۃ بیروت، الطبعۃ الاولی) ۱/۳۰۴۔

۴۰۴۔ الحجرات (۴۹) ۶۔

۴۰۵۔ علاء الدین علی بن محمد البغدادی، تفسیر الخازن المسمی، لباب التاویل ومعانی التنزیل (دار الفکر بیروت، ۱۹۷۹ء) ۶/۲۲۲۔

۴۰۶۔ ابوداؤد، السنن (القاھرۃ) ۲/۲۰۳-۲۰۴۔

۴۰۷۔ النساء (۴) ۸۳۔

۴۰۸۔ الترمذی، السنن، حدیث نمبر ۳۸۲۵، کتاب المناقب، مناقب عبداللہ بن عمر۔

۴۰۹۔ بخاری، الجامع الصحیح، (دارالسلام الریاض الطبعہ الثانیہ) ص ۱۰۵۲۔

۴۱۰۔ علوم الحدیث، ص ۲۱۷؛ مقدمہ مسلم، ۱/۱۰؛ فن اسماء الرجال، ص ۶۵۔

۴۱۱۔ آل عمران (۳) ۱۱۰۔

۴۱۲۔ الترمذی، السنن، ۲/ ۲۲۶۔

۴۱۳۔ آل عمران (۳) ۱۱۰۔

۴۱۴۔ الحجرات (۴۹) ۶۔

۴۱۵۔ البقرہ (۱) ۱۴۳۔

۴۱۶۔ البخاری الجامع الصحیح، ۷/ ۱۰۔

۴۱۷۔ نواب صدیق حسن خان، المنہاج شرح صحیح مسلم، ۱/ ۱۴۳۔

۴۱۸۔ حاکم، معرفۃ علوم الحدیث، (دار الآفاق الجدیدۃ الرابعۃ بیروت ۱۹۸۰/ ۱۴۰۰ھ) ص ۵۲۔

۴۱۹۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ۱/ ۳۔

۴۲۰۔ ایضاً۔

۴۲۱۔ ایضاً ص ۱۰، محمد بن ابراہیم الوزیر الیمانی، الروض الباسم (دار البشیر عمان ۱۹۸۵ء) ۱/ ۱۰۲۔

۴۲۲۔ الوزیر الیمانی، الروض الباسم، ۱/ ۵۲۔

۴۲۳۔ ابن الصلاح، المقدمہ مع التقیید والایضاح ص ۴۴۰۔

۴۲۴۔ سیوطی، تدریب الراوی (الجرح والتعدیل)۔

۴۲۵۔ عبد العزیز، ڈاکٹر ضوابط الجرح والتعدیل (الجامعۃ الاسلامیۃ المدینۃ المنورۃ ۱۴۱۲ھ) ص ۳۷۔

۴۲۶۔ اثری، ابو معاذ عبد الجلیل، تحفۃ اہل النظر۔۔۔(عبد المجید کھوکھر لائبریری، گوجرانوالہ ۱۹۹۸ء)، ص ۱۷۹۔

۴۲۷۔ اثری تحفۃ اہل النظر فی مصطلح اہل الاثر ص ۱۸۱-۱۸۴۔

۴۲۸۔ ڈاکٹر محمود طحان، تیسیر مصطلح الحدیث، (معارف اسلامی، لاہور، ترجمہ بنام اصطلاحات الحدیث، منظور حسین ندوی، ۱۹۹۰، طبع اوّل) ص ۸۴-۸۵۔

۴۲۹۔ عبد الموجود، علم الجرح والتعدیل، (جامعۃ القاہرۃ) ص ۴۹۔

۴۳۰۔ السخاوی، فتح المغیث (المدینۃ المنورہ) ص ۳۳۷۔

۴۳۱۔ السیوطی، تدریب الراوی (المکتبۃ العلمیۃ بالمدینۃ المنورہ، الطبعہ الاولی ۱۹۵۹م) ص ۳۶۶۔

۴۳۲۔ محمود طحان، تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۱۵۰-۱۵۱۔

۴۳۳۔ تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۱۴۹-۱۵۰۔

۴۳۴۔ امین ابو لاوی، اصول الجرح والتعدیل (دار ابن عفان، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ) ص ۲۰۲-۲۱۰۔

عبد الروف ظفر، مولانا سراج الاسلام حنیف، التحدیث فی علوم الحدیث (مکتبہ قدوسیہ اردو بازار

لاہور) ص ۲۷۹-۲۸۴ (دونوں کتابوں میں تمام کتب ہیں)۔

۴۳۵۔ فیروز آبادی، القاموس المحیط (مادہ) ۱/۱۹۱-۱۹۲۔

۴۳۶۔ احمد بن فارس، معجم مقاییس اللغہ (تحت مادہ، تحقیق عبدالسلام، دار احیاء التراث الکتب العربیہ القاہرہ، ۱۳۶۶ھ) ۲/۱۷۵۔

۴۳۷۔ ابن منظور، لسان العرب، (دار صادر بیروت) ۲/۲۴۹-۲۵۴۔

۴۳۸۔ سورۃ النازعات (۷۹) ۲۹، البغوی، معالم التنزیل (مصطفیٰ البابی واولادہ بمصر الطبعۃ الثانیۃ ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵م) ۴/۷۔

۴۳۹۔ ابراہیم مصطفیٰ، احمد حسن زیات وغیرہ، المعجم الوسیط، (المکتبۃ الاسلامیہ استانبول، ترکیا) ۲۲۴۔

۴۴۰۔ بلیاوی، ابوالفضل عبدالحفیظ، مصباح اللغات (سعید اینڈ کمپنی کراچی، ۱۹۷۳ء) ۱۹۵۔

۴۴۱۔ محمود الطحان، اصول التخریج ودراسات الاسانید ص ۱۲-۱۳۔

۴۴۲۔ احمد بن محمد الغماری، حصول التفریج باصول التخریج (مکتبۃ طبریۃ، الریاض، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴م) ۱۳۔

۴۴۳۔ ایضاً ص ۱۴۔

۴۴۴۔ مقدمہ ابن الصلاح، ص ۲۲۸۔

۴۴۵۔ السخاوی، محمد بن عبدالرحمٰن، فتح المغیث شرح الفیہ الحدیث (دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۹۸۰ء) ۲/۳۳۸۔

۴۴۶۔ عبدالرؤف المناوی، فیض القدیر، ۱/۲۰۔

۴۴۷۔ ابومحمد عبدالمہدی بن عبدالقادر بن عبدالهادی، طرق تخریج حدیث (دارالاعتصام قاہرہ) ۱۱-۱۴۔

۴۴۸۔ ان کتب کا ذکر تفصیل سے آرہا ہے۔ بطور مثال: تخریج احادیث تفسیر بیضاوی، اور نصب الرایہ تخریج احادیث ہدایہ۔

۴۴۹۔ الحاکم، معرفۃ علوم الحدیث، ص ۱۴۔

۴۵۰۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ (حیدرآباد ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء، الطبعۃ الثالثہ) ۱/۶۔

۴۵۱۔ بخاری، الجامع الصحیح، ص ۱۱۹۰، حدیث نمبر ۶۹۰۵-۶۹۰۶۔

۴۵۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۱۰؛ محمد بن ابراہیم الوزیر الیمانی، العواصم والقواصم فی الذب عن سنۃ ابی القاسم (دار البشیر، عمان ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء الطبعۃ الاولی) ص ۱۰۲۔

۴۵۳۔ مسلم، الجامع الصحیح (نور محمد، اصح المطابع کراچی) ۱/۴۳۔

۴۵۴۔ غماری، حصول التفریج باصول التخریج مکمل تفصیل۔

۴۵۵۔ عبداللہ اسعدی، علم الحدیث (مجلس نشریات اسلام، ا کے ۳ ناظم آباد مینشن کراچی) ص ۴۷۷۔

۴۵۶۔ اس کتاب کو سیرت چیئر، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور نے ۲۰۰۳ شائع کیا ہے۔

۴۵۷۔ یہ کتاب النور انٹرنیشنل بہاولپور کی طرف سے ۲۰۰۰ء میں شائع ہوئی۔

۴۵۸۔ ڈاکٹر محمود الطحان، اصول التخریج ودراسات الاسانید، ص ۳۵۔

۴۵۹۔ ابوداؤد طیالسی، المسند (دار المعرفہ بیروت) ص ۲۔

۴۶۰۔ احمد، المسند (دار الفکر القاہرہ) ۱/۱۴، مسند احمد کی پہلی جلد کے ص ۱۹۶ تک عشرہ مبشرہ کی مسانید ہیں بعد ازاں دیگر صحابہ کرامؓ کی مسانید ہیں۔

۴۶۱۔ الطبرانی، المعجم الصغیر (مؤسسۃ الکتب الثقافۃ بیروت ۱۹۸۶ء، الطبعۃ الاولی) ص ۴۱۔

۴۶۲۔ المزی، ابوالحجاج، تحفۃ الاشراف (المکتب الاسلامی، بیروت ۱۹۸۳م الطبعہ الثانیہ) ۱/۷-۸۔

۴۶۳۔ سیوطی، عبدالرحمٰن، الدرر المنتثرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ (المکتب الاسلامی، بیروت ۱۹۸۴م) ۳۹۔

۴۶۴۔ ایضاً ۱۹۱۔

۴۶۵۔ سیوطی، عبدالرحمٰن، الجامع الصغیر (المکتبہ الاسلامیہ سمندری ۱۳۹۴ھ) ۱/۲-۳۔

۴۶۶۔ ابن ابی حاتم، عبدالرحمٰن، علل الحدیث (دار المعرفہ بیروت ۱۹۸۵م) ۱/۹۔

۴۶۷۔ ونسنک، المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی (مکتبہ ای۔ جے۔ برل، لیڈن ۱۹۳۶م) ۱/۲۔

۴۶۸۔ ایضاً، ۱/۳۵۹۔

۴۶۹۔ ایضاً، ۳/۵۴۳۔

۴۷۰۔ بیہقی، دلائل النبوۃ (مطابع الاہرام التجاریۃ القاہرہ، ۱۹۶۹ء) ۱/۱۲، مقدمۃ التحقیق۔

۴۷۱۔ بیہقی، دلائل النبوۃ، ۱/۳۳۔

۴۷۲۔ ایضاً۔

۴۷۳۔ احمد، المسند، تحقیق احمد محمد شاکر (تحقیق احمد شاکر، دار المعارف بمصر ۱۳۶۹ھ/۱۹۵۰م) ۲/۱۳۱۵۔

۴۷۴۔ احمد، المسند ۲/۱۶۶۷۔

۴۷۵۔ ناصر الدین الالبانی، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (المکتب الاسلامی بیروت) ۱/۶۷۔

۴۷۶۔ ناصر الدین الالبانی، سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (المکتب المعارف الریاض ۱۹۹۲) ۱/۴۵۶۔

۴۷۷۔ بغوی، ابو محمد حسین بن مسعود، مصابیح السنہ، (دار المعرفہ بیروت ۱۹۸۷م الطبعہ الاولی) ۱/۱۵۹۔

۴۷۷-۱ حاجی خلیفہ، کشف الظنون (دار الفکر بیروت، ۱۹۹۶ء) ۱/۱۹۱۔

۴۷۸۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ مترجم (اسلامک پبلشنگ ہاؤس، اردو بازار لاہور، ۱۹۹۹ء) ۳-۴/۸۳۳۔

۴۷۹۔ ایضاً ۳-۴/۸۳۳-۸۳۴۔

۴۸۰۔ ابن حجر،لسان المیزان،(منشورات مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت،۱۹۸۶ء)۵/۲۰۸۔

۴۸۱۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم،۳-۴/۸۳۳۔

۴۸۲۔ ایضاً،۳-۴/۸۳۳۔

۴۸۳۔ ایضاً،۳-۴/۸۳۳۔

۴۸۴۔ ایضاً،۳-۴/۸۳۳۔

۴۸۵۔ ابن العماد،شذرات الذھب(المکتب التجاری،بیروت)۴/۱۸۔

۴۸۶۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم،۳-۴/۸۳۳۔

۴۸۷۔ لسان المیزان،۵/۲۰۹۔

۴۸۸۔ تذکرۃ الحفاظ،۳-۴/۸۳۴۔

۴۸۹۔ ایضاً،۳-۴/۸۳۵۔

۴۹۰۔ ایضاً،۳-۴/۴۳۵۔

۴۹۱۔ ایضاً،۳-۴/۸۳۵۔

۴۹۲۔ ایضاً۔

۴۹۳۔ تذکرۃ الحفاظ،۳-۴/۸۸۰۔

۴۹۴۔ ایضاً،۳-۴/۸۸۰۔

۴۹۵۔ ایضاً،۳-۴/۸۸۰۔

۴۹۶۔ ایضاً،۳-۴/۸۸۰۔

۴۹۷۔ ایضاً،۳-۴/۸۸۰۔

۴۹۸۔ ایضاً،۴/۸۸۰۔

۴۹۹۔ ایضاً،۳-۴/۹۵۰۔

۵۰۰۔ ایضاً،۳-۴/۹۵۰۔

۵۰۱۔ ایضاً،۳-۴/۹۵۰۔

۵۰۲۔ ایضاً،۳-۴/۹۵۰۔

۵۰۳۔ ایضاً،۳-۴/۹۵۰۔

۵۰۴۔ ایضاً،۳-۴/۸۸۶۔

۵۰۵۔ ایضاً،۳-۴/۸۸۶۔

۵۰۶۔ ایضاً،۳-۴/۸۸۶۔

۵۰۷۔ ایضاً،۳-۴/۸۸۶۔

۵۰۸۔ سیوطی، طبقات الحفاظ (دارالکتب العلمیہ بیروت) ص۴۷۳۔

۵۰۹۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم،۳-۴/۸۸۶۔

۵۱۰۔ ایضاً،۳-۴/۸۸۶۔

۵۱۱۔ ایضاً،۳-۴/۸۸۶۔

۵۱۲۔ ایضاً،۳-۴/۸۸۶۔

۵۱۳۔ ایضاً،۳-۴/۸۸۶۔

۵۱۴۔ ایضاً،۳-۴/۸۸۶۔

۵۱۵۔ ایضاً،۳۴/۸۸۶-۸۸۷۔

۵۱۶۔ ایضاً،۳-۴/۸۸۷۔

۵۱۷۔ ایضاً،۳-۴/۸۸۷۔

۵۱۸۔ ایضاً،۳-۴/۸۸۷۔

۵۱۹۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم،۳-۴/۵۸۔

۵۲۰۔ طبقات الحفاظ، ص۴۳۴۔

۵۲۱۔ تذکرۃ الحفاظ،۳-۴/۷۵۸۔

۵۲۲۔ طبقات الحفاظ، ص۳۴۳۔

۵۲۳۔ تذکرۃ الحفاظ،۳-۴/۷۵۸۔

۵۲۴۔ ایضاً،۳-۴/۷۵۸۔

۵۲۵۔ ایضاً،۳-۴/۷۵۸۔

۵۲۶۔ ایضاً،۳-۴/۷۵۸۔

۵۲۷۔ ابن العماد، شذرات الذھب،۳/۳۱۲۔

۵۲۸۔ تذکرۃ الحفاظ،۳-۴/۷۵۹۔

۵۲۹۔ شذرات الذھب،۳/۳۱۲۔

۵۳۰۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم،۳-۳/۷۵۹۔

۵۳۱۔ ایضاً،۳-۴/۷۶۰-۷۶۱۔

۵۳۲۔ طبقات الحفاظ، ص۴۳۵۔

۵۳۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ۳-۴/۷۶۲۔

۵۳۴۔ المرجع السابق، ۳-۴/۷۶۳۔

۵۳۵۔ ایضاً، ۳-۴/۷۶۴۔

۵۳۶۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون، ۱/۱۹۱ (سمعانی کی کتاب الانساب دار الجنان بیروت سے ۱۹۸۸ء میں عبداللہ عمر البارودی کی تحقیق کے ساتھ پانچ جلدوں میں چھپی ہے)۔

۵۳۷۔ السمعانی، الانساب (دارالجنان ۱۹۸۸) ۱/۵۶۔

۵۳۸۔ ایضاً، ۴/۲۰۷۔

۵۳۹۔ مطبوع دارالفکر بیروت، ۱۹۸۹ء۔

۵۴۰۔ ابوعبید قاسم بن سلام، کتاب النسب (دارالفکر بیروت) ۱۹۸۹ء۔

۵۴۱۔ اللخمی، ابومحمد عبداللہ، اقتباس الانوار (مقدمہ) (دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۹۹ء)، ص۳۔

۵۴۲۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ۳/۱۰۷۔

۵۴۳۔ دارالکتب العلمیہ بیروت سے محمد سالم ھاشم کے حاشیہ کے ساتھ ۱۹۹۹ء میں چھپ چکی ہے۔ ساتھ اس کتاب کا اختصار بھی جو کہ محمد عبدالحق بن عبدالرحمٰن الاشبیلی ابن الخراط نے ترتیب دی ہے۔

۵۴۴۔ اللخمی، اقتباس الانوار، ص۱۳۔

۵۴۵۔ ایضاً، ص۱۳۔

۵۴۶۔ معزالدین محمد المھدی قزوینی، اسماء القبائل وانسابھا (مقدمہ) (دارالکتب العلمیۃ، ۲۰۰۰ء) ص ۸-۹۔

۵۴۷۔ ایضاً، ص۳۵۔

۵۴۸۔ ایضاً، ص۲۵۰۔

۵۴۹۔ ایضاً، ص۲۷۶۔

۵۵۰۔ قاری روح اللہ محمد عمر المدنی، علم حدیث اور اس کا ارتقاء (نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن پشاور، ۱۹۸۹ء) ص۱۳۱۔

۵۵۱۔ ایضاً، ص۱۳۱-۱۳۲۔

۵۵۲۔ ڈاکٹر محمود طحان، تیسیر مصطلح الحدیث (مکتبۃ المعارف الریاض الطبعۃ التاسعۃ ۱۹۹۶ء) ص ۲۱۹؛ قاری روح اللہ، علم حدیث اور اس کا ارتقاء، ص۱۳۳-۱۳۶۔

۵۵۳۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء (مؤسسۃ الرسالہ بیروت) ۱۱/۲۱۳۔

۵۵۴۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ (دارالکتب العلمیۃ، بیروت ۱۹۹۸ء) ۲/۱۶۔

۵۵۵۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۱۱/۱۹۶۔

۵۵۶۔ محمد محمد ابوزہو، تاریخ حدیث ومحدثین (قرآن لمیٹڈ لاہور) ص ۴۷۳-۴۷۵۔

۵۵۷۔ احمد بن حنبل، کتاب الاسامی والکنی (دارالاقصی الکویت ۱۹۸۵ء، تحقیق عبداللہ بن سیف) ص ۲۴۔

۵۵۸۔ ایضاً۔

۵۵۹۔ ایضاً، ص ۲۵۔

۵۶۰۔ اللیل (۹۲) ۵-۷۔

۵۶۱۔ الاسامی والکنی، ص ۲۶۔

۵۶۲۔ ایضاً، ص ۲۷۔

۵۶۳۔ ایضاً، ص ۳۲۔

۵۶۴۔ ایضاً، ص ۳۲-۳۳۔

۵۶۵۔ ایضاً، ص ۲۷۔

۵۶۶۔ ایضاً، ص ۲۹۔

۵۶۷۔ ایضاً، ص ۳۲۔

۵۶۸۔ ایضاً، ص ۵۳۔

۵۶۹۔ ایضاً، ص ۱۰۲۔

۵۷۰۔ محمد محمد ابوزھو، تاریخ حدیث ومحدثین، ص ۴۷۵-۴۷۹۔

۵۷۱۔ اس کتاب کو دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد میں ۱۳۶۰ھ میں کتاب کی صورت میں شائع کیا۔

۵۷۲۔ بخاری، الکنی (دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد، ۱۳۶۰ھ)، ص ۳۔

۵۷۳۔ ایضاً، ص ۳۔

۵۷۴۔ ایضاً، ص ۴۔

۵۷۵۔ ایضاً۔

۵۷۶۔ ایضاً۔

۵۷۷۔ بخاری، کتاب الکنی جزء من التاریخ الکبیر (دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد، دکن ۱۳۶۰ھ) ص ۵۔

۵۷۸۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ۲/۱۴۔

۵۷۹۔ ایضاً، ۲/۱۴۔

۵۸۰۔ ایضاً،۲/۱۳۔

۵۸۱۔ محمد محمد ابو زہرہ، تاریخ حدیث والمحدثین،ص ۲۲۴۔

۵۸۲۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ (دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۸ء) ۳/۱۲۳۔

۵۸۳۔ ایضاً،۳/۱۲۳۔

۵۸۴۔ ایضاً۔

۵۸۵۔ ایضاً۔

۵۸۶۔ مولانا تقی الدین ندوی، فن اسماء الرجال (مکتبہ فلاح دارین گجرات، ۱۹۶۹ء) ص ۹۴-۹۶۔

۵۸۷۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ۲/۱۲۵۔

۵۸۸۔ ایضاً،۲/۱۲۶۔

۵۸۹۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ۲/۲۳۰۔

۵۹۰۔ دولابی، محمد بن احمد، کتاب الکنی والاسماء (المکتبۃ الاثریۃ سانگلہ ہل شیخوپورہ، طبع ثانیہ) ۱/۱۱۔

۵۹۱۔ ایضاً،۱/۶۵۔

۵۹۲۔ ایضاً،۲/۷۶۔

۵۹۳۔ یہ دوسرا ایڈیشن ہے۔ پہلا ایڈیشن ۱۳۲۲ھ کو حیدر آباد دکن سے شائع ہوا۔ اسے اور دونوں اجزاء کو ایک ہی جلد میں المکتبہ الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ نے شائع کیا ہے۔

۵۹۴۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ۳/۹۰۔

۵۹۵۔ ایضاً۔

۵۹۶۔ ایضاً۔

۵۹۷۔ ایضاً۔

۵۹۸۔ ایضاً۔

۵۹۹۔ ایضاً،۳/۸۹-۹۰۔

۶۰۰۔ محمد محمد ابوزھو، تاریخ حدیث والمحدثین،ص ۲۲۴۔

۶۰۱۔ دار الکتب العلمیہ بیروت نے ۱۹۹۰ء میں سات جلدوں میں شائع کی ہے۔

۶۰۲۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ۳/۳۰۵۔

۶۰۳۔ ابن ماکولا، الاکمال (دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۹۹۰ء) ۱/۱-۲۔

۶۰۴۔ ایضاً، ۱/۲۔

۶۰۵۔ ایضاً،۱/۲۔

۶۰۶۔ ایضاً،۷/۳۵۷۔

۶۰۷۔ لندن سے ۱۹۰۵ء میں البانی زبان کے مقدمہ کے ساتھ طبع ہو چکی ہے۔

۶۰۸۔ مولانا تقی الدین ندوی، فن اسماء الرجال، ص ۹۴-۹۶۔

۶۰۹۔ تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۲۲۱۔

۶۱۰۔ ایضاً، ص ۲۲۱۔

۶۱۱۔ سعد فھمی، السراج المنیر فی القاب المحدثین (دار ابن حزم، بیروت الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۹۶ء) ص ۱۲۔

۶۱۲۔ ایضاً، ص ۱۳۔

۶۱۳۔ ایضاً۔

۶۱۴۔ ایضاً۔

۶۱۵۔ ایضاً، ص ۱۵۔

۶۱۶۔ ابن ماکولا، الاکمال، ۷/۲۰۱۔

۶۱۷۔ تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۲۲۲۔

۶۱۸۔ ابن حجر، بلوغ المرام (مقدمہ) ص ۷-۸۔

۶۱۹۔ (اس کا قلمی نسخہ دار الکتب المصریہ میں موجود ہے)۔

۶۲۰۔ محمد محمد ابوزھو، تاریخ حدیث والمحدثین، ص ۶۲۵۔

۶۲۱۔ سعد فہمی، سراج المنیر، ص ۱۴-۱۵۔

۶۲۲۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ المعجم الوسیط ۲/۵۵، تحت مادہ ط ب ق۔

۶۲۳۔ الفالوذہ، ابوابراہیم محمد الیاس، مدخل الی علم الطبقات (مکتبہ نذار د الطبعۃ الثانیہ ۲۰۰۱ء) ص ۱۰۔

۶۲۴۔ ایضاً، ص ۱۰-۱۱۔

۶۲۵۔ امام بخاری نے تاریخ الاوسط میں ۵۰ھ سے ۲۳۰ھ تک ۱۸۰ سال کے ۱۰ طبقے بنائے ہیں۔ اس طرح امام ذہبی نے تاریخ اسلام میں سن ۱ھ سے لیکر ۷۰۰ تک کے ۷۰ طبقے بنائے ہیں۔

۶۲۶۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص ۶۴-۶۵ (النوع السابع)۔

۶۲۷۔ ابن سعد، الطبقات، ۳/۶-۳۱۹ (ملاحظہ)۔

۶۲۸۔ بحوالہ مدخل الی علم الطبقات، ص ۱۲-۱۳۔

۶۲۹۔ ابن حجر، تقریب التہذیب، ۱/۷-۹۔

۶۳۰۔ ابن حجر کی کتب اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ وہ واقعتاً اس خطاب کے اہل ہیں۔

۶۳۱۔ ان دونوں کے حالات اور ان پر جرح و تعدیل کے لیے دیکھیے، المزی، تہذیب الکمال (بیروت ۱۴۰۰ھ-۱۴۰۸ھ) ۵/۱۳-۱۳۔

۶۳۲۔ الطبرانی، المعجم الصغیر (قاہرہ، ۱۳۸۸ھ) ۴۸/۱۔

۶۳۳۔ الرامہرمزی، المحدث الفاصل، ص ۲۸۵، العراقی، التقیید والایضاح، شرح مقدمہ ابن الصلاح (قاہرہ ۱۳۸۹ھ) ص ۴۱۶۔

۶۳۴۔ السمعانی، الانساب (بیروت ۱۴۰۸ھ) ۲۲۲/۲؛ الذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۵۴۸/۱۵؛ ابن حجر، لسان المیزان (بیروت، ۲۲۳/۱)۔

۶۳۵۔ نور الدین عتر، منہج النقد فی علوم الحدیث،

۶۳۶۔ المزی، تہذیب الکمال، ۷۷/۱۲۔

۶۳۷۔ المہندس اسعد سالم قیم، علم الطبقات المحدثین (مکتبۃ الرشد، الریاض ۱۹۹۴) ص ۱۴۷-۱۴۸۔

۶۳۸۔ ایضاً، ص ۱۴۹۔

۶۳۹۔ د، اکرم ضیاء العمری، موارد الخطیب البغدادی (دمشق ۱۳۹۵ھ) ص ۳۸۶-۳۸۷، ۵۷۳۔

۶۴۰۔ دارقطنی سے المؤتلف والمختلف میں اس سے دو روایتیں نقل کی ہیں، المؤتلف والمختلف ص ۱۸۶، ۵۵۷، ۵۹۸۔

۶۴۱۔ ابن الندیم، الفہرست (طہران ۱۹۷۱) ص ۱۱۱۔

۶۴۲۔ علم طبقات المحدثین، ص ۱۵۵-۱۵۶۔

۶۴۳۔ ایضاً، ص ۱۵۲-۱۵۳۔

۶۴۴۔ ایضاً، ص ۱۵۸۔

۶۴۵۔ ایضاً، ص ۱۶۱-۱۶۲۔

۶۴۶۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ (حیدر آباد ۱۳۷۸ھ) ۶۱۴/۱۔

۶۴۷۔ علم الطبقات المحدثین، ص ۱۷۶-۱۸۰۔

۶۴۸۔ تہذیب الکمال، ۳۴/۱۲۔

۶۴۹۔ علم الطبقات المحدثین، ص ۱۸۷-۱۸۹۔

۶۵۰۔ ابن منظور، لسان العرب، ۴۱۵/۳؛ الزبیدی، تاج العروس (القاہرہ ۱۳۰۶ھ) ص ۵۱۶/۲-۵۱۷۔

۶۵۱۔ عصام احمد البشیر، اصول منہج النقد عند اہل الحدیث (مؤسسۃ الریان، بیروت ۱۹۸۹) ص ۷۔

۶۵۲۔ تفصیلی معلومات کے لیے ملاحظہ ہو۔ ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر، مولانا سراج الاسلام حنیف، التحدیث فی علوم الحدیث (مکتبہ قدوسیہ لاہور ۲۰۰۴ء)؛ ڈاکٹر خالد علوی، اصول حدیث (الفیصل ناشران کتب لاہور)؛ ابن الصلاح، مقدمہ ابن الصلاح؛ ابن حجر، شرح نخبۃ الفکر؛ جمال الدین قاسمی، قواعد التحدیث وغیرہ۔

۶۵۳۔ ڈاکٹر خالد ظفر اللہ، نقد حدیث (تحقیقات اسلامی علیگڑھ، اپریل، جون ۲۰۰۰ء) ص ۲۸ تا ۳۷۔

۶۵۴۔ ایضاً ص ۲۷۔

۶۵۵۔ محمد تقی امینی، حدیث کا درایتی معیار (قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱۹۸۶ء) ص ۱۹۸۔

۶۵۶۔ مقدمۃ ابن الصلاح، ص ۲۵۷۔

۶۵۷۔ یہ تمام تعریفات ''التحدیث فی علوم الحدیث''، مکتبہ قدوسیہ لاہور ۲۰۰۴ء سے لی گئی ہیں۔

۶۵۸۔ حدیث کا درایتی معیار، ص ۱۸۰ بحوالہ ابو حفص عمر بن بدر الموصلی، المغنی عن الحفظ والکتاب (مقدمۃ خضر تونسی) ص ۱۰۔

۶۵۹۔ حدیث کا درایتی معیار، ص ۱۹۱ تا ۲۵۹؛ مزید تفصیلات کے لیے امام ابن قیم کی ''المنار المنیف فی الصحیح والضعیف'' اور موضوع احادیث کے بارے لکھی جانے والی کتب ملاحظہ ہوں۔ مثلاً الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ المعروف بالموضوعات الکبریٰ۔ کتاب الاباطیل والمناکیر للجوزقانی، الموضوعات لابن جوزی، تذکرۃ الموضوعات، طاہر پٹنی۔

۶۶۰۔ عتر، منہج نقد فی علوم الحدیث (القاھرۃ) ص ۴۸۵۔

۶۶۱۔ حدیث کا درایتی معیار، ص ۱۸۶-۱۸۷۔

۶۶۲۔ ابن خیر الاشبیلی، ابوبکر کا قول ملا علی قاری نقل کرتے ہیں، ''اتفق العلماء علی انہ لا یصح لمسلم ان یقول: قال رسول اللہ ﷺ کذا، حتی یکون عندہ ذلک القول مرویاً''۔ ملا علی قاری، الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ (المکتب الاسلامی، بیروت، طبع ثانی ۱۹۸۶ء) ص ۷۴-۷۵۔

۶۶۳۔ تفصیل کے لیے کتاب ہذا میں دیکھیں مقالہ ''فتنہ انکار حدیث''۔

۶۶۴۔ بطور مثال پاکستان میں منکرین حدیث کے سرخیل مسٹر غلام احمد پرویز کا عقیدہ ملاحظہ ہو ''قرآن کریم میں مرکز ملت کو اللہ اور رسول کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے (غلام احمد پرویز، معراج انسانیت، طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور، ص ۳۲۲-۳۲۳)۔ جہنم کے متعلق فرماتے ہیں ''جہنم انسان کی قلبی کیفیت کا نام ہے لیکن قرآن کریم کا انداز یہ ہے کہ وہ غیر محسوس، مجرد حقائق کو محسوس مثالوں سے سمجھاتا ہے۔ (پرویز، جہان فردا، طلوع اسلام ٹرسٹ، لاہور، ص ۲۳۵)۔

۶۶۵۔ مولانا قطب الدین، مظاہر حق شرح مشکوۃ شریف (لاہور ۱۹۶۶) ص۔ج (دیباچہ کتاب)۔

۶۶۶۔ جیراج پوری، محمد اسلم؛ غلام احمد پرویز، مقام حدیث (طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور، پانچواں ایڈیشن ۱۹۹۲ء) ص ۸۸-۸۹۔

۶۶۷۔ محمد ادریس فاروقی، مقام رسالت (لاہور، ۱۹۷۰ء) ص ۱۶۔

۶۶۸۔ سلفی، ڈاکٹر محمد لقمان، اہتمام المحدثین بنقد الحدیث (الریاض، الطبعۃ الاولی، ۱۹۸۷ء) ص ۴۵۸۔

۶۶۹۔ قادری، عبدالغنی، ریاض الحدیث (لاہور، ۱۹۶۹ء) ص ۱۵۹۔

۶۷۰۔ ابوالاعلیٰ مودودی، سنت کی آئینی حیثیت (اسلامک پبلی کیشنز لاہور ۱۹۶۳ء) ص ۱۷۔

۶۷۱۔ سلفی، اہتمام المحدثین بنقد الحدیث ص ۳۲۴-۳۲۵۔

۶۷۲۔ مستشرقین کے اہداف اور حدیث کے بارے ان کے نظریات و آراء کے درج ذیل کتب سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

المستشرقون والاسلام از ڈاکٹر عرفان عبدالحمید، دمشق ۱۹۸۰؛ مجلہ البعث الاسلامی، انڈیا (اسلام اور مستشرقین خاص اشاعت)؛ اضواء علی الاستشراق از ڈاکٹر محمد عبدالفتاح علیان، کویت ۱۴۰۰ھ؛ اسالیب الغزو الفکری از ڈاکٹر علی جریشہ و محمد شریف زیبق، مصر؛ الاستشراق والتبشیر از ابراہیم خلیل؛ الاستشراق والمستشرقون از ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی، التبشیر والاستشراق از محمد عزت الطھطاوی قاہرہ ۱۳۹۷ھ۔

۶۷۳۔ اس ضمن میں صرف ایک شہادت ہی کافی ہے۔ محدثین کی کوششوں سے حیات نبوی کا ایک ایک گوشہ یوں محفوظ ہوگیا کہ لیلھا کنھارھا، لیکن اس کے برعکس حیات مسیح پر کتنا ناکافی مواد ہے ملاحظہ ہو۔ ''صاف اور درست بات یہ ہے کہ حیات مسیح پر لکھنے کی کوشش ترک کردینی چاہیے اس کے لیے یقینا مواد موجود نہیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ہمارے پاس ان کی زندگی کا ریکارڈ پچاس دنوں سے زیادہ نہیں''۔ Encyclopaedia, Britannica(1958)vol.13, p,16-17.

۶۷۴۔ نیاز فتح پوری، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، آواز اشاعت گھر، لاہور، س ن ص، ۲۷۔

۶۷۵۔ ڈاکٹر خالد علوی، حفاظت حدیث (الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور، ۱۹۹۰ء) ص ۱۷-۱۸۔

۶۷۶۔ ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی، حدیث رسول کا تشریعی مقام (مترجم: پروفیسر غلام احمد حریری، ملک سنز پبلشرز، فیصل آباد ۱۹۹۴ء) ص ۲۹ تا ۳۰۔

۶۷۷۔ ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی، الدراسات فی الحدیث النبوی (مطابع جامعۃ الریاض ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء)، ۱/۹۲-۱۴۲۔

باب چہارم

کتب حدیث

انواع کتب حدیث

۱۔ الجامع

احادیث کا وہ مجموعہ جس میں زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق احادیث ہوتی ہیں۔ ماہرین فن کے نزدیک کتب حدیث کی تصنیف کا وہ طریقہ جس میں حسب ذیل آٹھ ابواب شامل ہوں:

i۔	عقائد	ii۔	احکام
iii۔	سیر	iv۔	آداب
v۔	تفسیر	vi۔	مغازی
vii۔	فتن	viii۔	مناقب

مشہور جامع کتب یہ ہیں: امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) کی الجامع الصحیح۔ امام مسلمؒ (م ۲۶۱ھ) کی الجامع الصحیح (۱)۔

۲۔ السنن

محدثین کی اصطلاح میں سنن، حدیث کی ایسی کتب کو کہتے ہیں جو ابواب فقہ کے مطابق

مرتب کی گئی ہوں اور صرف احادیث مرفوعہ پر مشتمل ہوں۔ ان کتب میں موقوف یا مقطوع روایات سے اجتناب کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن بعض کتب سنن میں غیر مرفوع احادیث بھی پائی جاتی ہیں اور یہ صرف استشہاد کے طور پر ہوتا ہے۔

مشہور کتب سنن: سنن اربعہ یعنی سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ اور السنن الکبریٰ امام نسائی، سنن مجتبی امام نسائی، سنن دارمی، السنن الکبریٰ امام بیہقی اور السنن سعید بن منصور وغیرہ (۲)۔

۳۔ المعجم

"جس کتاب میں احادیث کو شیوخ یعنی اساتذہ حدیث کو مدنظر رکھ کر ترتیب دیا گیا ہو"۔

معجم علم حدیث میں تصنیف کا ایک طریقہ ہے۔ معجم میں مؤلف اپنے اساتذہ کے ناموں کی ترتیب ہجائی سے احادیث جمع کرتا ہے۔ مشہور معجم کتب: امام طبرانی (م ۳۶۰ھ) کی تین معاجم، المعجم الکبیر، المعجم الاوسط اور المعجم الصغیر (۳)۔

۴۔ المستدرک

مستدرک سے مراد وہ کتاب ہے جس میں مؤلف نے کسی دوسری کتاب کی ترک کردہ ان احادیث کو جمع کیا ہو، جو اس کی رائے میں پہلی کتاب کے مصنف کی شرط کے مطابق تھیں، مگر اس نے ذکر نہیں کیں۔ استدراک کی شرط یہ ہے کہ ان احادیث کے رجال کی اسناد وہی ہوں جن سے اصل کتاب کا مؤلف روایت کرتا ہے۔ اس فن کی مشہور کتاب امام حاکم ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ النیسابوری (م ۴۰۵ھ) کی المستدرك على الصحيحين ہے، جس میں انہوں نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم پر استدراک کرتے ہوئے احادیث جمع کی ہیں اور یہ کہتے ہیں: صحيح على شرطهما ولم يخرجاه، صحيح على شرط البخاری ولم يخرجه، یا صحيح على شرط مسلم ولم يخرجه۔

امام حاکم تصحیح حدیث میں بہت تساہل واقع ہوئے ہیں، اس لیے محدثین ان کی تصحیح پر اعتماد نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں بہت سی ضعیف، بلکہ منکر اور موضوع

احادیث کو صحیح قرار دے دیا ہے، جیسا کہ حافظ ذہبی نے اپنی تلخیص میں واضح کیا ہے۔

۵۔ المستخرج

مستخرج سے مراد وہ کتاب ہے جس میں کسی مؤلف نے کسی دوسرے محدث کی احادیث کو اپنی اسانید سے روایت کیا ہو۔ اس میں دوسرے مصنف کی اسانید پہلے سے مختلف ہوتی ہیں، مثلاً کوئی مؤلف صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی احادیث اپنی اسانید سے بیان کرے، لیکن بخاری اور مسلم کی سند کے علاوہ، اس امکان کے ساتھ کہ یہ مؤلف بخاری یا مسلم کے استاذ، یا اس سے اوپر کسی بھی کڑی میں جا ملے، یہ دیکھے بغیر کہ الفاظ حدیث متفق ہیں یا مختلف، لیکن اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ مصنف اصل محدث کی سند میں بہت دور نہ چلا جائے، الا یہ کہ بہت اہم فائدہ مقصود ہو۔ مستخرج سے روایت کرتے ہوئے اصل کتاب کا حوالہ نہیں دیا جاتا، بلکہ مستخرج کا حوالہ دیا جائے گا۔ جیسے مستخرج اسماعیلی علی البخاری (۵)۔

۶۔ المسند

اس سے مراد حدیث کی وہ کتاب ہے جس میں احادیث، صحابہ کے اسمائے گرامی کی ترتیب سے مرتب کی جاتی ہیں اور احادیث کے موضوع کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔

(i) وہ کتاب جس میں ہر صحابی کی روایات علیحدہ علیحدہ جمع کر دی گئی ہوں۔

(ii) وہ حدیث جس کی سند مرفوع اور ظاہری طور پر متصل ہو۔ بعض اہل علم کے نزدیک کسی بھی حدیث کا رسول اللہ ﷺ کی طرف ہونا کافی ہے چاہے وہ منقطع ہی کیوں نہ ہو۔

(iii) سند کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کی مثال مسند امام احمد بن حنبل۔

مسند میں صحابہ کے درمیان ترتیب افضلیت کی بنیاد پر ہو سکتی ہے جیسے پہلے خلفائے راشدین اور ان کے بعد عشرہ مبشرہ باقی صحابہ یا سبقت اسلام کی بنیاد پر یا حسب ونسب کی بنیاد پر یا حروف ہجائی کی ترتیب پر۔ سب سے پہلی مرتبہ مسند، امام ابوداؤد الطیالسی (ت ۲۰۴ھ) کی ہے اور سب سے عظیم اور مشہور مسند امام احمد بن حنبل (ت ۲۴۱ھ) کی ہے (۶)۔

۷۔ الموطا

لغت میں مؤطا کے معنی نکالا ہوا، روندا ہوا، ایسا راستہ جس پر لوگ چلتے رہے ہوں، آسان اور تیار کی ہوئی چیز کو کہتے ہیں اور محدثین کی اصطلاح میں مؤطا حدیث کی اُس کتاب کو کہتے ہیں جو ابواب فقہ کے مطابق مرتب کی گئی ہو اور وہ احادیث مرفوعہ، موقوفہ اور مقطوعہ پر مشتمل ہوتی ہے یعنی وہ بالکل المصنف کی طرح ہوتی ہے(۷)۔ اس فن کی سب سے ابتدائی اور معروف کتاب مؤطا امام مالک ہے۔ اس کے سبب تالیف کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ ابو جعفر منصور کی فرمائش پر امام مالک بن انس نے یہ کتاب مرتب کی تھی۔ مؤطا کی احادیث میں مرفوع، مرسل اور بلاغات شامل ہیں اور کل احادیث کی تعداد ۱۷۲۰ ہے۔ ان میں سے مسند احادیث ۶۰۰، مرسل احادیث ۲۲۲، موقوف احادیث ۶۱۳ اور اقوال تابعین کی تعداد ۲۸۵ ہے(۸)۔

۸۔ المصنف

محدثین کی اصطلاح میں ''مصنف'' ایسی کتاب کو کہتے ہیں جو فقہی ابواب پر مرتب کی گئی ہو اور احادیث مرفوعہ و موقوفہ و مقطوعہ پر مشتمل ہو یعنی اس میں حضور اکرم ﷺ کی احادیث اور اقوال صحابہ اور تابعین کے فتاوٰی اور بعض اوقات تبع تابعین کے فتاوٰی بھی مذکور ہوں۔ جن سے کوئی بھی محدث اور فقیہ بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ چند مشہور مصنفات یہ ہیں:

ا۔ مصنف عبدالرزاق الصنعانی (م۲۱۱ھ)۔

ب۔ مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ (م۲۳۵ھ)۔

ج۔ مصنف سلیمان بن داؤد الربیع العتکی (م۲۳۴ھ)(۹)

۹۔ شروح الحدیث

شرح کی جمع شروح ہے۔ ایسی کتابیں جن میں کتب احادیث کو بنیاد بنا کر ان کی روایات کی شرح بیان کی گئی ہو۔ چند معروف شروحات درج ذیل ہیں:

ا۔ صحیح بخاری کی شرح فتح الباری۔ اردو زبان میں مولانا داؤد راز کی شرح بخاری

ب۔ صحیح مسلم کی شرح شرح نووی۔

ج۔ سنن ابوداؤد کی شرح عون المعبود اور بذل المجهود۔

د۔ سنن ترمذی کی شرح تحفة الاحوذی۔

ھ۔ سنن نسائی کی شرح التعليقات السلفيه۔

و۔ سنن ابن ماجہ کی شرح مفتاح الحاجه اور انجاح الحاجة وغیرہ۔

ز۔ مشکوۃ المصابیح کی شرح مرعاۃ المفاتیح۔

۱۰۔ تلخیص و تجرید

تلخیص سے مراد کسی کتاب کو مختصر کرنا ہے اور تجرید کا مفہوم کسی مجموعہ احادیث کی اسانید اور مکرر روایات کو حذف کرنا ہے (۱۰) جیسے زبیدی کی تجرید بخاری، منذری کی اختصار سنن ابی داؤد، ابن عساکر کی مختصر مسند امام احمد۔

۱۱۔ الموضوعات

موضوع سے مراد ایسی احادیث ہیں جو خود وضع کر کے آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کی گئی ہوں۔ محدثین کرام نے موضوع احادیث پر مستقل تصانیف میں لکھی ہیں۔ ایسی چند اہم تصانیف یہ ہیں:

ا۔ ابن الجوزی، كتاب الموضوعات.

ب۔ جلال الدین السیوطی، اللآلی المصنوعة فی الاحاديث الموضوعة۔

ج۔ ابن عراق الکنانی، تنزية الشريعة المرفوعة عن الاحاديث الشنيعة الموضوعة۔

د۔ حافظ ابوعبداللہ الحسین بن ابراہیم الجوزقانی (م۵۴۳ھ) كتاب الاباطيل۔

ھ۔ حافظ الذہبی، ترتيب الموضوعات۔

و۔ محمد بن طاہر الصدیقی پٹنی (م۹۸۶ھ) قانون الموضوعات، تذكرة الموضوعات۔

ز۔ محمد بن علی الشوکانی، الفوائد المجموعه فی الاحاديث الموضوعه.

ح۔ ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) الموضوعات الکبریٰ (۱۱)۔

۱۲۔ المنتخبات

منتخب، احادیث کی ایسی کتاب ہوتی ہے جس میں کتب حدیث سے اور احادیث لے کر کتاب مرتب کی جائے۔ جب تدوین حدیث کی ابتدائی صدیوں میں متلاشیان حدیث نے صحاح، سنن، مسانید، معاجم اور ایسی نوعیت کے دیگر مجموعے تیار کر لیے تو پھر انتخاب، تلخیص، تخریج اور تجرید کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ منتخبین نے مختلف مقاصد کے پیش نظر مختلف طریقے استعمال کیے (۱۲)۔ مثلاً مصابیح السنہ، مشکاۃ المصابیح، ریاض الصالحین وغیرہ۔

۱۳۔ کتب تخریج

تخریج کا مادہ خرج یخرج ہے۔ یہ اخراج سے لیا گیا ہے جس کے معنی خارج کرنے کے ہوتے ہیں۔ یعنی حدیث کی کتاب سے حدیث کو نکالنا اور اسکے متعلق گفتگو کرنا (۱۳)۔ اس کے متعلق کئی کتب ہیں مثلاً تخریج احادیث بیضاوی، اس کی مزید تفصیل مقالہ ''فن تخریج حدیث'' میں ملاحظہ کریں۔

۱۴۔ کتب احکام وفقہ الحدیث

کتب احکام ان کتب کو کہا جاتا ہے جو صرف احادیث احکام پر مشتمل ہوں۔ ان احادیث کو دیگر کتب حدیث سے منتخب کر کے ابواب فقہ کے مطابق مرتب کیا گیا ہو۔ ان کتب کی کافی تعداد ہے بعض اُن میں بڑی، بعض متوسط اور بعض چھوٹی ہیں (۱۴)۔ احادیث الاحکام سے مراد وہ احادیث ہیں جن کا تعلق عبادات اور معاملات سے ہے، یعنی وہ احادیث جن کا تعلق مکلف کے عمل سے ہے۔ ان میں سے چند مشہور کتابیں درج ذیل ہیں:

ا۔ عبدالغنی المقدسی (م ۶۰۰ھ) عمدۃ الاحکام فی معالم الحلال والحرام عن خیر الانام۔ اس کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے۔

ب۔ ابن دقیق العید (م ۷۰۲ھ) الالمام باحادیث الاحکام۔

ج۔ عبدالسلام بن عبداللہ ابن تیمیہ، المنتقی الاخبار، جس کی شرح امام شوکانی نے

''نیل الاوطار'' کے نام سے کی ہے۔

د۔ حافظ ابن حجر العسقلانی کی کتاب'' بلوغ المرام من احادیث الاحکام" جس کی شرح امام صنعانی نے" سبل السلام " کے نام سے لکھی ہے اور مطبوع ہے۔اس شرح کی دو جلدوں کا ترجمہ مولانا عبدالرحمٰن کیلانی نے کیا تھا جو شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد نے شائع کروایا ہے۔باقی نامکمل ہے۔

۱۵۔ ترغیب وترہیب

ایسی کتب حدیث جو ان احادیث پر مشتمل ہوتی ہیں جن میں کسی مطلوب چیز کی ترغیب یا کسی ممنوع چیز سے ڈرایا گیا ہو(۱۵) مثلاً والدین کے ساتھ نیکی اور ان کی نافرمانی سے ڈرانا۔ اس میں منذری کی الترغیب والترهیب سب سے زیادہ معروف ہے۔اسی طرح مولانا عبدالقادر حصارویؒ کی "نبوی جواهر در ذکرِ کبائر" ہے۔یہ کتاب راقم کی تحقیق کے ساتھ فاروقی کتب خانہ ملتان سے ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئی ہے۔

۱۶۔ الزهد والفضائل والآداب والأخلاق

ایسی کتابیں جو مذکورہ بالا موضوعات میں سے کسی ایک موضوع پر لکھی گئی ہیں اور ان میں سے کسی موضوع سے متعلق احادیث وآثار کی خاص تعداد جمع کر دی گئی ہے(۱۶) مثلاً امام احمد کی ''کتاب الزهد" عبداللہ بن مبارک کی "کتاب الزهد" اور ابوالشیخ کی کتاب ''فضائل اخلاق"۔

۱۷۔ خاص موضوع سے متعلق کتب حدیث

ایسی کتابیں جو صرف کسی خاص موضوع سے متعلق ہیں۔ان کے مؤلفین نے اس کتاب میں صرف ایک موضوع پر بحث وتحقیق کی ہے اور اس سلسلے کی تمام چیزوں کا احاطہ کیا ہے اور موضوع سے متعلق اکثر وبیشتر احادیث کو اپنی کتاب میں جمع کر دیا ہے(۱۷)۔مثلاً ابن المبارک کی کتاب ''الجهاد''، امام احمد کی کتاب ''الورع''۔

۱۸۔ المسلسلات

مسلسل وہ حدیث ہے جس کی سند میں تمام راوی ایک ہی قسم کے الفاظ مثلاً حدثنا، حدثنی، اخبرنا وغیرہ استعمال کریں۔ یا کسی کی قولی یا فعلی حالت کی روایت میں بھی سب متفق ہوں (۱۸)۔ مسلسلات کی معروف کتب حدیث یہ ہیں:

ا۔ امام سیوطی کی المسلسلات الکبریٰ۔

ب۔ محمد عبدالباقی الایوبی کی المناھل السلسلة فی الاحادیث المسلسلة۔

۱۹۔ وحدانیات تا عشاریات

سند میں علو و نزول کا مسئلہ محدثین کے ہاں ہمیشہ بہت اہم رہا ہے۔ اس لیے وہ اپنے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان کم سے کم واسطوں کو ترجیح دیتے تھے اور اس مقدس قرب کے متمنی رہتے تھے۔ اسی سوچ کے پیش نظر یہ علم وجود میں آیا کہ اس قسم کی احادیث مرتب کی جائیں جن میں کم سے کم واسطے ملتے ہوں، چنانچہ وحدانیات سے لے کر عشاریات تک کی کتب تصنیف کی گئیں۔ اسناد کے طول و اختصار کے لحاظ سے احادیث کی دس اقسام ہیں:

(i)۔ وحدانیات

سند عالی کے حصول کے غرض سے محدثین کرام ایسی اسانید کی تلاش میں رہتے ہیں جن میں کم سے کم راوی ہوں۔ وحدانیات سے مراد ایسی کتب حدیث ہیں جن میں راوی اوّل اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ایک واسطہ ہو۔ جیسے امام ابوحنیفہ کی وحدانیات جنہیں ابو معشر عبدالکریم بن عبدالصمد المقری الشافعی نے جمع کیا تھا لیکن ان تمام احادیث کی سندیں ضعیف ہیں جو کہ غیر مقبول ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے کسی صحابہ سے روایت نہیں کی۔ یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ وحدانیات کے ساتھ ساتھ وحدان ایک الگ صنف علم حدیث ہے۔ جس سے مراد ایک ایسا راوی ہے جس سے روایت کرنے والا بھی ایک شخص ہو۔ صحابہ کرامؓ میں کئی ایسے صحابہ ہیں جن سے صرف ان کے بیٹوں نے روایت کی ہے جیسے المسیب بن حزن بن وہب المخزومی بمسیّب اور ان کے والد صحابی ہیں، ان

سے صرف ان کے بیٹے سعید کے واسطہ سے روایات ہیں وغیرہ۔

اس موضوع کی مشہور کتب درج ذیل ہیں:

ا۔ امام مسلم الحجاج (م ۲۶۱ھ) کی المنفردات والوحدان۔

ب۔ امام نسائی (م ۳۰۳ھ) کی تسمیه من لم یرو عنه غیر رجل واحد۔

ج۔ حافظ ابوالفتح الازدی (م ۳۷۴ھ) کی المخزون فی علم الحدیث۔

آخر الذکر کتاب میں مؤلف نے صرف صحابہ میں سے ۲۶۳ ایسے اشخاص جمع کیے ہیں جن سے صرف ایک واسطہ سے روایت کی گئی ہے۔ تینوں کتابیں تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکی ہیں (۱۹)۔

(ii)۔ ثنائیات

وہ کتب جن میں ایسی احادیث ہوں جن کے راوی اوّل اور حضورﷺ کے درمیان صرف دو واسطے ہوں۔ مؤطا امام مالک میں موجود ثنائیات ان کی کتاب میں اعلیٰ ترین شمار کی جاتی ہے (۲۰)۔

(iii)۔ ثلاثیات

وہ کتب جن میں ایسی احادیث ہوں جس کے راوی اوّل اور رسول اللہﷺ کے درمیان تین واسطے ہوں۔ مثلاً

ا۔ الثلاثیات للبخاری: حافظ ابن حجر نے امام بخاری کی ۲۲ ثلاثی روایات جمع کی ہیں۔

ب۔ الثلاثیات لامام احمد: محمد بن احمد بن سلیمان السفارینی نے اپنی کتاب میں ۳۳۲ روایات جمع کی ہیں۔

امام ترمذی کے ہاں صرف ایک حدیث ثلاثی پائی جاتی ہے، ابن ماجہ کے ہاں پانچ احادیث اور دارمی کے ہاں پندرہ احادیث ہیں۔ امام احمد کی مسند میں ۳۳۷ احادیث ثلاثیات میں سے ہیں (۲۱)۔

بخاری کی ثلاثیات ہیں۔ ان کی تعداد بائیس ہے۔ جن کو حافظ ابن حجر نے جمع کیا ہے۔ کئی لوگوں نے اسکی شرح کی اور یہ امام مسلم کی صحیح مسلم سے خارج ثلاثیات ہیں وہ ان کی جامع کی شرط کے مطابق نہیں۔ اس لیے اس میں داخل نہیں کیا۔

مسند احمد میں تین سوپینتیس ثلاثی احادیث ہیں اور اسکی شرح شیخ محمد بن احمد بن سالم نابلسی نے لکھی ہے۔اس کی وفات ۱۱۸۸ھ میں ہوئی۔شرح کا نام "فی نفثات الصدر المکد بشرح ثلاثیات المسند" ہے۔

عبد بن حُمید کی مسند میں پندرہ احادیث ہیں۔طبرانی کی معجم الصغیر کے اندر بھی ثلاثیات ہیں۔ امام شافعی کی مسند کے اندر بھی ثلاثیات ہیں۔دارمی کی سنن میں ثلاثیات کی احادیث ہیں۔

ثلاثیات بخاری امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل،الحافظ (م۲۵۶ھ)(۲۱-۱)

ثلاثیات دارمی حافظ ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن السمر قندی (م۲۵۵ھ)(۲۱-۲)

ثلاثیات الشیخ ابی اسحاق ابراہیم بن محمد بن محمود الناجی (م۹۰۰ھ)۔

ثلاثیات عبد بن حمید الکنیثی (م۲۴۹ھ)تسع واربعین ومائتین۔

(iv) رباعیات

وہ کتب حدیث جن میں ایسی احادیث ہوں جن کے راوی اوّل اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان چار واسطے ہوں۔رباعیات کے چند اہم مجموعے یہ ہیں:

ا۔ امام شافعی، رباعیات۔۔۔دارقطنی نے تخریج کی ہے۔

ب۔ امام بخاری، رباعیات۔۔اس کی شرح ور الدراری فی شرح رباعیات البخاری کے نام سے ہے۔

ج۔ امام مسلم، رباعیات۔

د۔ امام نسائی، رباعیات۔

ھ۔ امام طبرانی، رباعیات۔

و۔ امام ترمذی، رباعیات۔احادیث کی تعداد ۱۷۰ ہے۔

ز۔ محمد عبدالغنی بن سعید الأزدی، رباعیات الصحابۃ۔

ح۔ ابوالحاج شمس الدین یوسف بن خلیل الدمشقی (م۶۴۸ھ)، رباعیات الصحابۃ۔

ط۔ ابوالمواھب الحسن بن العظائم الدمشقی (م۵۸۶ھ)، رباعیات التابعین (۲۲)۔

ع۔ اعلی شیرازی (م۹۴۳ھ)، رباعیات گنجنہ

(v) الخماسیات

ایسی روایات پر مشتمل کتب جن میں راوی اوّل اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان پانچ واسطے ہوں۔ ابوالحسین احمد بن محمد بن احمد ابن النقور البغدادی (م۴۷۰ھ) کی تالیف الخماسیات ہے، اسی طرح دارقطنی کی سنن سے بھی خماسیات تلاش کی گئی ہیں (۲۳)۔

(vi) السداسیات

وہ کتب جن میں ایسی روایات ہوں جو اصل راوی اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان چھ واسطوں پر مشتمل ہوں۔ اس فن میں لکھنے والے مشہور مصنفین یہ ہیں:

ا۔ ابن الخطاب ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابراہیم الرازی (م۵۲۵ھ)۔

ب۔ ابوالقاسم زہر بن طاہر محمد النیسابوری الشحامی (م۵۳۳ھ)۔

ج۔ ابوموسیٰ محمد بن عمر بن احمد بن عمر المدینی الاصبہانی (م۵۸۱ھ)۔

د۔ سداسیات التابعین (۲۴)۔

(vii) السباعیات

وہ کتب حدیث جن کی روایات میں اصل راوی اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان سات واسطے ہوں۔ اس موضوع پر لکھنے والے مشہور مصنفین درج ذیل ہیں:

ا۔ ابوموسیٰ المدینی (م۵۸۱ھ)۔

ب۔ ابوجعفر الصیدلانی۔

ج۔ ابوالقاسم ابن عساکر (م۵۷۱ھ)۔

د۔ ابوالفرج عبداللطیف بن عبدالمنعم بن الصیقل الحرانی (م۶۷۲ھ) (۲۵)۔

(viii) الثمانیات

وہ کتب حدیث جن کی روایات میں راوی اوّل اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان آٹھ واسطے ہوں۔

تصانیف

ا۔ عبداللطیف بن عبدالمنعم الصیقل الحرانی (م۶۷۲ھ) کی چار اجزاء میں الثمانیات۔

ب۔ یحییٰ بن علی بن عبداللہ العطار، تحفة المستفید فی الاحادیث الثمانیة الاسانید.

ج۔ الضیاء القدسی، الثمانیات (۲۶)۔

(ix) التساعیات

تساعیات سے مراد وہ کتب ہیں جن میں راوی وہ احادیث نقل کرتا ہے جن میں اس کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان نو واسطے ہوں۔ تساعیات کے مصنفین:

ا۔ ابراہیم بن محمد الطبری المکی (م۷۲۲ھ)۔

ب۔ عبدالعزیز بن محمد بن ابراہیم بن سعد اللہ الکنانی ابن جماعۃ (م۷۶۷ھ)۔

ج۔ محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان الاندلسی (م۷۴۵ھ)(۲۷)۔

(x) العشاریات

ایسی کتب حدیث جس میں مصنف وہ احادیث جمع کرتا ہے جن میں راوی اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان دس واسطے ہوں۔ اس طریقے پر امام ترمذی اور امام نسائی نے احادیث مرتب کی ہیں اور یہ ان کے ہاں نازل حدیثیں ہیں۔ عشاریات کے مصنفین:

ا۔ برہان الدین ابواسحٰق ابراہیم بن احمد بن عبدالواحد التنوخی (م۸۰۰ھ)۔

ب۔ الزین العراقی۔

ج۔ السخاوی (م۹۰۲ھ)۔

د۔ امام سیوطی (م۹۱۱ھ)(۲۸)۔

۲۰۔ غریب الحدیث

غریب سے مراد مشکل اور فہم سے بالاتر کے ہیں یعنی وہ حدیث جس کے بعض الفاظ یا مفہوم عام آدمی نہ سمجھ سکتا ہو چونکہ حضور ﷺ قریش کی زبان بولتے تھے اس لیے بعض دور افتادہ عربی قبائل ان کی بات کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔ غریب الحدیث بھی ایک اہم فن ہے(۲۹)۔ اس پر لکھی گئی چند معروف کتب درج ذیل ہیں:

ا۔ خطابی، غریب الحدیث۔ ب۔ زمخشری، الفائق۔

ج۔ ابن قتیبہ، غریب الحدیث۔ د۔ علامہ طاہر پٹنی، مجمع البحار۔

ہ۔ علامہ وحید الزمان، لغات الحدیث (اردو)

۲۱۔ الناسخ والمنسوخ

ایسی کتب جن میں وہ احادیث ہیں جنہوں نے بعض دیگر احادیث کو منسوخ کر دیا ہو(۳۰)۔

ناسخ ومنسوخ پر چند کتابیں یہ ہیں:

ا۔ ابن شاہین (م۳۸۵ھ) الناسخ والمنسوخ فی الحدیث۔

ب۔ الحازمی (م۵۸۴ھ) الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار۔

ج۔ ابن الجوزی (م۵۹۷ھ) تجرید الاحادیث المنسوخه۔

۲۲۔ الامالی

امالی، املا کی جمع ہے اس کے معنی لکھوانا ہے۔ محدثین کا یہ دستور تھا کہ ہفتے میں ایک یا دو دن (جمعہ، ہفتہ) یا ہر روز اپنے طلباء کو احادیث کی املا کراتے تھے۔ اُن احادیث کو امالی کہا جاتا ہے(۳۱)۔

املا لینے والا سب سے پہلے یا سب سے آخر میں یہ لکھتا ہے: یہ مجلس فلاں شیخ نے فلاں مسجد میں فلاں دن اور تاریخ کو املا کرائی، پھر املا کرانے والا اپنی اسانید سے احادیث اور آثار لکھا تا ہے۔ مشکل الفاظ کی شرح اور اسناد سے متعلق فوائد و نکات بیان کرتا ہے۔ مختلف محدثین کرام کے امالی مخطوطہ اور مطبوعہ شکل میں موجود ہیں۔ جیسے ابوالمظفر منصور بن محمد بن عبدالجبار تمیمی پر لکھی گئی کتاب ''ابوعلی القالی کی

امالی'، جس میں سَو شیوخ سے ایک ہزار احادیث روایت کیں۔

۲۳۔ الاجزا

جز کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ کتابچہ ہے جس میں کسی ایک راوی کی احادیث جمع کردی گئی ہوں، جیسے جزء حدیث ابی بکر، وجزء حدیث مالک، یا کسی خاص حدیث کی اسانید پر بحث کی گئی ہو، جیسے حافظ ابن رجب کی اختیار الاولی فی حدیث اختصام الملاء الاعلی، یا کسی خاص موضوع سے متعلق احادیث جمع کی گئی ہوں، جیسے امام بخاری کی جزء القراء ۃ خلف الامام اور جزء رفع الیدین فی الصلاۃ، نیز مروزی کا جزء قیام اللیل، یا احادیث سے متعلق فوائد جمع کیے گئے ہوں، جیسے الواحدانیات، الثنائیات، امام مسلم کی کتاب الوحدان اسی قسم میں شامل ہے (۳۲)۔

۲۴۔ الأربعون، الأربعینیات

الاربعون سے مراد حدیث کی وہ کتاب ہے جس میں کسی ایک باب سے متعلق احادیث، یا مختلف ابواب سے، یا مختلف اسانید سے چالیس احادیث جمع کی جائیں۔ اس طرح کی تصنیفات کا اصل سبب وہ احادیث ہیں جن میں چالیس احادیث جمع کرنے والے کے لیے بہت فضیلت بیان کی گئی ہے اور اسے بشارت دی گئی ہے۔ حالانکہ یہ روایات عام طور پر ضعیف بلکہ منکر اور موضوع ہیں۔ امام نووی اور حافظ ابن حجر نے تحقیق کرنے کے بعد واضح کیا ہے کہ ان تمام احادیث کی جملہ روایات انتہائی ضعیف اور ناقابل قبول ہیں، اور ان کا ضعف بھی ایسا ہے، جسے تقویت نہیں ہو سکتی (۳۳)۔

اس طرز پر تصنیف کرنے والوں میں اوّلین کتاب حافظ امام عبداللہ بن المبارک (م ۱۸۱ھ) کی ہے۔ اسی طرح حافظ ابونعیم (م ۴۳۹ھ) اور حافظ ابوبکر آجری (م ۳۶۰ھ) محمد بن محمد الطائی (م ۵۵۵ھ) کی الاربعین فی ارشاد السائرین الی منازل المتقین نے بھی اربعین تحریر فرمائیں۔ اربعین میں سب سے زیادہ متداول اربعین نووی ہے (۳۴)۔

۲۵۔ اسباب ورود الحدیث

اسباب الحدیث سے مراد وہ علم ہے جس میں ان اسباب کا ذکر کیا جاتا ہے جن کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے حدیث بیان فرمائی ہے۔ ان اسباب میں کوئی سوال، واقعہ یا حادثہ ہوسکتا ہے جس کی بنا پر آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا۔ یہ علم، علوم القرآن میں اسباب نزول کے علم کی مانند ہے۔

اقسام

ا۔ وہ سبب جو حدیث ہی میں مذکور ہو، مثلاً "حدیث جبریل" میں رسول اللہ ﷺ کے فرامین کا سبب حضرت جبریل کا آنا اور سوال کرنا تھا۔

ب۔ جو اس حدیث میں تو مذکور نہیں ہوتا، لیکن اس حدیث کی دوسری روایات میں اس کا ذکر پایا جاتا ہے۔ اس قسم کے اسباب خصوصی تحقیق کے بعد ملتے ہیں کیونکہ ان کے ذریعے سے حدیث سے مسائل معلوم کرنے میں آسانی ہوجاتی ہے۔ مثال کے طور پر حدیث انما الاعمال بالنیات میں آپ کا ارشاد او امراۃ ینکحھا کا سبب وہ روایت ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ایک شخص نے اس لیے مدینہ ہجرت کی تھی کہ وہ اُم قیس نامی ایک عورت سے نکاح کرنا چاہتا تھا (۳۵)۔

تصانیف

اسباب ورود الحدیث کے بارے میں سب سے اہم کتاب ابراہیم بن محمد المعروف ابن حمزۃ الحسینی (م ۱۱۲۰ھ) کی "البیان والتعریف فی اسباب ورود الحدیث الشریف" ہے (۳۶)

اس کتاب کے علاوہ درج ذیل مصنفین نے اس فن پر کتابیں لکھی ہیں:

ا۔ ابوحفص العکبری ابن مسلم الفقیہ (م ۳۹۹ھ)۔

ب۔ ابوحامد بن کوتاہ الجوباری۔

ج۔ سیوطی (ت ۹۱۱ھ) کی اللمع فی اسباب ورود الحدیث (۳۷)۔

۲۶۔ الاستملاء

الاستملاء سے مراد محدث کی روایات کی املا کو تلامذہ تک پہنچانا ہے۔ اس مقصد کے لیے

محدثین بعض افراد کو مقرر کرتے تھے جو محدث کی آواز کو سننے والوں تک پہنچاتے تھے، ایسے افراد کو مستملی کہا جاتا تھا(۳۸)۔

۲۷۔ الاطراف

اطراف طرف کی جمع ہے اور طرف کے معنی کونا اور کنارہ کے ہیں مگر اصطلاحاً طرف سے مراد حدیث کا ابتدائی ٹکڑا ہے جس کے ذریعے سے بقیہ حدیث معلوم کی جاسکتی ہے۔ وہ کتب جن میں حدیث کے پہلے حصہ کو ذکر کیا جاتا ہے اس سے پوری حدیث کی پہچان ہوتی ہے۔ آخر میں ان کتب کا حوالہ ہوتا ہے جن میں یہ حدیث ہو۔ یہ تصنیفِ حدیث کا ایک طریقہ ہے جس میں کسی حدیث کا ابتدائی حصہ بیان کرنے کے ساتھ اس کی تمام اسانید مجموعی طور پر یا مخصوص کتب کے حوالے سے بیان کی جاتی ہیں۔

یہ فن اس وقت وجود میں آیا جب چوتھی صدی ہجری کے آخر اور پانچویں صدی ہجری کے شروع میں تمام احادیث کی تدوین مکمل ہوگئی۔ اور اس کے بعد ان کی تلاش کا مسئلہ پیش آیا۔ اطراف کے حوالے سے متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں۔ چند مشہور کتب اطراف یہ ہیں:

ا۔ ابو مسعود ثقفی (م۴۰۱ھ) اطراف الصحیحین۔

ب۔ ابو العباس الازدی، اطراف الکتب الخمسہ۔

ج۔ ابو الفضل محمد بن طاہر المقدسی (م۵۰۷ھ) اطراف الکتب الستة

حافظ المزی (م۷۴۲ھ) تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف۔ اس میں کتب ستہ کے علاوہ مراسیل ابی داؤد، ترمذی کی شمائل اور ان کی علل صغیر اور نسائی کی عمل الیوم واللیلہ شامل ہیں(۳۹)۔

ھ۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (م۸۵۲ھ)، اتحاف المھرة باطراف العشرة۔ اس کتاب میں مؤطا مالک، مسند شافعی، مسند أحمد، سنن دارمی، صحیح ابن خزیمہ، منتقی ابن الجارود، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم، مستخرج أبی عوانہ، شرح معانی الآثار طحاوی اور سنن دارقطنی شامل ہیں۔ ابن خزیمہ کی نامکمل کتاب کی وجہ سے حافظ ابن حجر نے سنن دارقطنی کا اضافہ کردیا اور گیارہ کتابوں کا انڈکس مرتب کردیا۔ یہ کتاب جامعہ

اسلامیہ مدینہ منورہ کے مرکز خدمۃ السنۃ والسیرۃ کی طرف سے تحقیق سے شائع ہو چکی ہے(۴۰)۔

۲۸۔ امثال الحدیث

وہ مؤلفات جن میں احادیث میں مذکور امثال بیان کی گئی ہیں۔ احادیث میں کثرت سے ضرب الامثال کا ذکر ملتا ہے، جن کے ذریعے کسی مخصوص بات کو واضح کیا جاتا ہے۔ اس قسم کی امثال مندرجہ ذیل کتب میں تلاش کی جاسکتی ہیں:

ا۔ امام ترمذی نے اپنی کتاب (السنن) میں امثال الحدیث کا باب تحریر کیا ہے: ابواب الامثال عن رسول اللہ ﷺ اور سات ابواب میں چودہ احادیث ذکر کی ہیں۔

ب۔ ابوعبداللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی (م ۲۵۵ھ)، الامثال من الکتاب والسنۃ (مطبوع)

ج۔ حسن بن عبدالرحمٰن بن خلاد الرامھر مزی (م ۳۶۰ھ) امثال الحدیث۔ اس موضوع پر یہ مستقل کتاب ہے۔ تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکی ہے اور راقم کے پاس موجود ہے۔

د۔ ابواحمد الحسن بن عبداللہ بن سعید البغدادی العسکری (م ۳۸۲ھ)، امثال الحدیث۔

ہ جاحظ (م ۲۵۵ھ)، کتاب البیان والتبیین میں موجود امثال الحدیث۔

و محمد القضاعی (م ۴۵۴ھ)، شھاب الاخبار میں مذکور امثال الحدیث۔

ز۔ محمد بن ابراہیم الخازنی، الاخبار (مخطوط)۔

ح۔ عبدالمجید محمود، امثال الحدیث (مطبوع)۔

ط۔ محمد جابر فیاض العلوانی، الامثال فی الحدیث النبوی الشریف (مطبوع)(۴۱)۔

۲۹۔ الانساب

اس عنوان کے تحت راویوں کے آباؤ اجداد کی تفصیلات اور ان کی طرف نسبتوں کی معلومات جمع کی جاتی ہیں، مثلاً غیر آباء کی طرف منسوب راویان حدیث، یا حقیقت کے برعکس منسوب رجال حدیث وغیرہ۔

اس موضوع پر سب سے زیادہ مشہور تصنیف امام سمعانی کی کتاب ''الانساب'' ہے، ابن الاثیر نے ''اللباب فی تھذیب الانساب'' کے نام سے اس کی تلخیص کی ہے۔ امام سیوطی نے ''لب

اللباب" کے نام سے اسے مزید مختصر کر دیا ہے۔ یہ تینوں کتب مطبوع ہیں (۴۲)۔

۳۰۔ الخلعیات

اجزاء حدیثیہ کی ایک قسم ہے جس کے مؤلف ابوالحسن علی بن الحسن بن الحسین الموصلی المصری الشافعی الخلعی (م۴۹۲ھ) ہیں۔ خلعی اس لیے مشہور ہوئے کہ وہ شہزادوں کے لیے خلعتیں بیچا کرتے تھے۔ ابونصر احمد بن الحسین الشیرازی نے یہ احادیث ان سے روایت کی ہیں اور انہیں جمع کیا ہے۔ یہ روایت علو سند کی وجہ سے مشہور ہیں (۴۳)۔

۳۱۔ الزوائد

کتب حدیث کی تصنیف کا ایک طریقہ جس میں مخصوص کتب میں زائد احادیث ذکر کی جاتی ہیں، مثلاً صحاح ستہ میں مشترک احادیث چھوڑ کر ان کی زائد احادیث الگ جمع کر لی جائیں تو وہ زوائد کہلائیں گی۔ اس میں اصل دارومدار اختلاف صحابی پر ہوتا ہے۔ صرف الفاظ کے اختلاف سے فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ احادیث مختلف الفاظ سے روایت کی جاتی ہیں اور وہ ایک حدیث ہی شمار کی جاتی ہیں۔ اصل فرق اختلاف صحابی سے واقع ہوتا ہے۔

زوائد کی مشہور کتب

ا۔ حافظ نور الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر الہیثمی (م ۸۰۷ھ)، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، اس کتاب میں مسند احمد، مسند البزار، مسند ابی یعلی الموصلی اور طبرانی کی معاجم ثلاثہ کے زوائد صحاح ستہ پر جمع کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ حافظ ہیثمی نے الگ الگ بھی مختلف کتابوں کے زوائد جمع کیے ہیں:

ب۔ غاية المقصد فى زوائد المسند (مسند احمد کے زوائد)۔

۳۲۔ الفهرس

فارسی زبان کا لفظ اصل میں فہرست ہے جسے عربی میں فہرس کہا گیا اور فہارس اس کی جمع ہے۔ محدثین کے نزدیک اس سے مراد وہ کتاب ہے جس میں کوئی محدث اپنے اساتذہ اور ان کی اسانید، اور ان سے متعلق دیگر معلومات جمع کرتا ہے۔ اسے اثبات بھی کہا جاتا ہے۔ مشہور کتب فہارس یہ ہیں:

ا۔ ابن عطیہ: ابوبکر بن عطیہ المحاربی الاندلسی (م ۵۱۸ھ) کی الفہرس۔

ب۔ قاضی عیاض (م ۵۴۴ھ) کے شیوخ کی الفہرس۔

ج۔ ابن خیر الاشبیلی (م ۵۷۵ھ) کی الفہرست (۴۴)۔

۳۳۔ البلدانیة

علم حدیث کی تالیف کا وہ طریقہ جس میں محدث شہروں کی نسبت سے احادیث جمع کرتا ہے۔ مثلاً الأربعون البلدانیة۔ اس طریقے سے مصنف اپنی وہ روایات ذکر کرتا ہے جو اس نے کسی مخصوص شہر میں اپنے اساتذہ سے سنی تھیں (۴۵)۔

۳۴۔ المشیخات

مشیخہ سے مراد وہ کتابیں ہے جس میں کوئی مؤلف اپنے اساتذہ کو بیان کرے جن سے اس نے حدیث لی ہے یا جن سے اس نے روایت حدیث کی اجازت لی ہے اگرچہ ملاقات نہ کی ہو (۴۶)۔

مشہور کتب مشیخات یہ ہیں:

ا: مشیخہ، حافظ ابویعلی الخلیلی (م ۴۴۶ھ)۔

ب: مشیخہ، ابو یوسف یعقوب بن سفیان الفسوی (م ۲۷۷ھ)۔

ج: مشیخہ، ابن شاذان (۴۷)۔

نوٹ: اس مقالہ کا اکثر مواد "معجم اصطلاحات حدیث" از ڈاکٹر سہیل حسن سے ماخوذ ہے۔

المسانید

تعریف

حاجی خلیفہ کہتے ہیں: ''مسانید وہ کتابیں ہیں جن میں ہر ایک صحابی کی احادیث علیحدہ لکھی جائیں اور ابواب کا خیال نہ رکھا جائے'' (۴۸)۔

عبدالحیٔ کتانی کہتے ہیں: ''مسانید مسند کی جمع ہے وہ ایسی کتابیں ہوتی ہیں جن کا موضوع ہر صحابی کی احادیث کو الگ کرنا ہے خواہ وہ صحیح ہوں یا حسن یا ضعیف۔ اُن احادیث کو صحابہؓ کے نام سے حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا جاتا ہے'' (۴۹)۔

ڈاکٹر محمود طحان کہتے ہیں: ''مسانید حدیث کی ایسی کتب ہوتی ہیں جن کو اُن کے مؤلفین نے صحابہ کے نام پر ترتیب دیا ہوتا ہے۔ یعنی ہر صحابی کی احادیث کو الگ جمع کیا جاتا ہے'' (۵۰)۔

خصائص مسانید

ڈاکٹر عبدالمہدی کہتے ہیں کہ مسانید کے درج ذیل خصائص ہیں:

۱۔ ان کو صحابہ کے نام پر ترتیب دیا جاتا ہے۔ بعض اماموں نے حروف تہجی کے لحاظ سے صحابہ کو ترتیب دیا ہے اور بعض نے سبقتِ اسلام کی بنا پر بعض نے شرافت نسبی کی بنا پر اور بعض نے قبائل کی بنا پر۔

۲۔ ان کو راوی اعلیٰ کے نام پر ترتیب دیا جاتا ہے یا تابعی کے نام پر جبکہ حدیث مُرسل ہو۔

۳۔ صحابی کے نام پر احادیث کو جمع کر دیا جاتا ہے اور اس پر کوئی ترتیب نہ لگائی ہو کیونکہ بعض صرف یاد کرنے کے لیے لکھتے تھے (۵۱)۔

۴۔ ان مسانید میں احادیث کی صحت کے لحاظ سے درجہ بندی نہیں کی جاتی بلکہ صحیح، حسن اور ضعیف تمام قسم کی احادیث آ جاتی ہیں۔

۵۔ اس میں تمام راویوں کو نہیں لیا جاتا بلکہ صحابہ کی کافی تعداد کو لیا جاتا ہے۔ بعض اوقات ایک ہی صفت کے صحابہ کی روایات لی جاتی ہیں جیسے مسند المقلین یا مسند العشرۃ المبشرہ۔ بعض

اوقات کسی ایک صحابی کی مسند ہوتی ہے۔ جیسے مسند ابی بکر الصدیقؓ، مسند عائشہؓ (۵۲)۔

فوائد مسانید

ڈاکٹر عبد المھدی کہتے ہیں، مسانید کے بہت سے فوائد ہیں۔ مثلاً:

۱۔ یہ بہت سی احادیث کو جمع کر دیتے ہیں جس میں بہت سی روایات اور اسناد ہوتی ہیں۔

۲۔ اس طریقے سے احادیث کو حفظ کرنا آسان ہوتا ہے کیونکہ ایک صحابی کی روایات ایک ہی جگہ ہوتی ہیں۔

۳۔ حدیث کو تلاش کرنا آسان ہوتا ہے اور ان کی آسانی سے تخریج کر لی جاتی ہے لیکن بعض اوقات تلاش کرنے میں تھوڑی سی دقت پیش آتی ہے۔ اگر ایسے صحابی کی مسند ہو جو مکثرین میں سے ہو (۵۳)۔

احادیث مسند کا مرتبہ

مسند میں ایک صحابی کی روایات کو ایک مقام پر جمع کیا جاتا ہے۔ ان روایات میں صحیح اور ضعیف تمام قسم کی روایات ہوتی ہیں۔ ابن الصلاح کہتے ہیں: ''مسانید لکھنے والوں کی عادت ہے کہ وہ ہر صحابی کی روایات کو درج کر دیتے ہیں لیکن اس بات کا خیال نہیں رکھتے کہ وہ صرف صحیح احادیث ہوں'' (۵۴)۔ شیخ طاہر الجزائری فرماتے ہیں: ''مسانید کی کتب میں احادیث کا درجہ سنن کی کتب سے کم ہوتا ہے'' (۵۵)۔

کتب مسانید

حدیث رسول ﷺ سے والہانہ محبت ابتدا سے ہی مسلمانوں کو تھی۔ صحابہ کرام نے اس معاملے میں کمال درجہ کا مظاہرہ فرمایا پھر ان کے شاگردوں نے اس شمع کو روشن رکھا۔ بعد ازاں امام مالک کے علاوہ ان کے شاگردوں نے بھی تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھا۔ ان کے بعد تیسری صدی میں حدیث پر بہترین کتابیں مرتب کی گئیں۔ بعض علماء نے مخصوص مؤلفات ترتیب دیں۔ ان میں احادیث رسول ﷺ کو اسانید کے ساتھ ہر صحابی کی احادیث کو یکجا کیا گیا اور ان کو مسند کے نام سے تعبیر کیا گیا۔

ان مسانید میں اوّلیت کا مرتبہ امام حاکم کے بقول جن دو بزرگوں کو حاصل ہے ان کے بارے میں کتانی لکھتے ہیں: ''اسلام میں تراجم رجال پر جنہوں نے سب سے پہلے مسند لکھی وہ عبداللہ بن موسیٰ العبسی اور ابوداؤد طیالسی ہیں'' (۵۶)۔

جن اہل علم نے ان مسانید کو مرتب کیا اُنکی فہرست طویل ہے۔ یہاں کچھ مسانید کا ذکر کریں گے ان میں بعض مسانید زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں:

۱۔ مسند زید بن علی ابوالحسین (م ۱۲۲ھ)

۲۔ مسند جعفر بن محمد الصادق العلوی المدنی (م ۱۴۸ھ)

۳۔ مسند موسیٰ بن جعفر کاظم المدنی (م ۱۸۳ھ)

۴۔ مسند ابوداؤد طیالسی (م ۲۰۴ھ)

۵۔ مسند عبیداللہ بن موسیٰ ابومحمد العبسی (م ۲۱۳ھ)

۶۔ مسند حسین بن داؤد ابوعلی المصیصی (م ۲۲۶ھ)

۷۔ مسند مسدد بن مسرھد ابوالحسن الاسدی البصری (م ۲۲۸ھ)

۸۔ مسند یحیٰی بن عبدالحمید الیمانی ابوزکریا الکوفی (م ۲۲۸ھ)

۹۔ مسند نعیم بن حماد ابوعبداللہ الخزاعی المروزی (م ۲۲۸ھ)

۱۰۔ مسند علی بن جعد بن عبید ابوالحسین الجوہری البغدادی (م ۲۳۰ھ)

۱۱۔ مسند علی بن عبداللہ بن جعفر المشہور ابن المدینی (م ۲۳۴ھ)

۱۲۔ مسند ابی بکر بن ابی شیبہ (م ۲۳۵ھ)

۱۳۔ مسند عثمان بن محمد بن ابی شیبہ الواسطی الکوفی (م ۲۳۷ھ)

۱۴۔ مسند اسحٰق بن ابراہیم الحنظلی الخراسانی المعروف ابن راہویہ (م ۲۳۸ھ)

۱۵۔ مسند خلیفہ بن خیاط ابوعمر التمیمی (م ۲۴۰ھ)

۱۶۔ مسند محمد بن اسلم ابوالحسن الطوسی (م ۲۴۲ھ)

۱۷۔ مسند احمد بن حنبل الشیبانی (م ۲۴۱ھ)

۱۸۔ مسند احمد بن ابراھیم ابوعبداللہ الدورقی البغدادی (م۲۴۶ھ)

۱۹۔ مسند عبد بن حمید ابومحمد الکشی (م۲۴۹ھ)

۲۰۔ مسند اسحٰق بن منصور ابو یعقوب الکوسج المروزی (م۲۵۷ھ)

۲۱۔ مسند عبداللہ بن عبدالرحمٰن ابومحمد الدارمی (م۲۵۵ھ)

۲۲۔ مسند احمد بن سنان ابوجعفر القطان الواسطی (م۲۵۸ھ)

۲۳۔ مسند یعقوب بن شیبہ ابو یوسف السدوسی البصری (م۲۶۲ھ)

۲۴۔ مسند احمد بن منصور ابوبکر الرمدی البغدادی (م۲۶۵ھ)

۲۵۔ مسند محمد بن ابراھیم بن مسلم الطرسوسی البغدادی (م۲۷۳ھ)

۲۶۔ مسند بقی بن مخلد ابوعبدالرحمٰن القرطبی (م۲۷۶ھ)

۲۷۔ مسند عثمان بن سعید ابوعثمان الدارمی (م۲۸۲ھ)

۲۸۔ مسند ابراھیم بن اسحاق ابواسحاق الحربی (م۲۸۵ھ)

۲۹۔ مسند ابن ابی عاصم ابوبکر احمد بن عمرو الشیبانی (م۲۸۷ھ)

۳۰۔ مسند احمد بن عمرو بن عبدالخالق ابوبکر البزار (م۲۹۲ھ)

۳۱۔ مسند ابراھیم بن معقل ابواسحاق (م۲۹۵ھ)

۳۲۔ مسند اسماعیل بن اسحاق ابواسحاق القاضی (م۲۹۹ھ)

اصحاب مسانید میں سے چار محدثین کے حالات زندگی بیان کئے جاتے ہیں۔

۱۔ امام ابوداؤد طیالسی (م۲۰۴ھ)

نام ونسب: سلیمان نام، ابوداؤد کنیت اور نسب نامہ یہ ہے۔ سلیمان بن داؤد بن جارود (۵۷)۔

پیدائش: ۱۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔

خاندان و وطن

آبائی وطن فارس ہے۔ بصرہ میں مستقل بودوباش اختیار کر لی تھی۔ اصلاً غلام زادہ تھے۔ ان

کے والدین قبیلہ قریش کے موالی تھے۔ فارسی، بصری، قریشی، اور طیالسی کی نسبتوں سے منسوب کیے جاتے ہیں۔ان میں سب سے زیادہ مشہور نسبت طیالسی ہے۔ جو طیالسہ کی جانب ہے۔ طیالسہ طیلسان کی جمع ہے۔ یہ ایک قسم کی چادر ہوتی ہے جس کو اہل عرب عماموں کے اوپر اوڑھتے تھے۔ اس نسبت سے جو لوگ منسوب ہیں ان میں ابوداؤد سب سے زیادہ مشہور اور ممتاز ہیں۔ طیلسان فارسی زبان کا لفظ ہے۔ اصمعی کے نزدیک وہ اصل میں تالشان (تالسان) تھا اور معرب ہو کر طیلسان ہو گیا ہے۔

اساتذہ و شیوخ

حافظ ابوداود الطیالسی کو دوسری صدی ہجری کا مبارک زمانہ ملا جو علم و فضل اور خیر و برکت کے لحاظ سے خیر القرون میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس لیے ان کو مقدس اور برگزیدہ علمائے اسلام کی صحبت میسر آئی اور بڑے بڑے محدث علماء سے استفادہ کیا۔ ان کے اساتذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک ہزار شیوخ سے حدیثیں لکھیں۔ ان میں ابن عون اور ان کے مرتبہ کے متعدد لوگ تھے۔ بعض شیوخ کے نام حسب ذیل ہیں۔

ابان بن یزید عطار، ابراہیم بن سعد، ایمن بن نابل، جریر بن حازم، جریر بن عبدالحمید، حبیب بن یزید، حرب بن شداد، حماد بن درہم، حماد بن سلمہ، زائدہ بن قدامہ، زہیر بن معاویہ، سفیان بن سعید ثوری وغیرہ (۵۸)۔ جس طرح انہوں نے بے شمار مشائخ سے اکتساب فیض کیا تھا۔ اسی طرح ان کے دامن سے بھی بکثرت طلبہ اور محدثین وابستہ ہوئے۔ ان میں سے بعض مشہور لوگوں کے نام یہ ہیں:

احمد بن ابراہیم دورقی، احمد بن حنبل، اسحاق بن منظور کوسج، ابومسعود رازی، ابن فرات، حجاج بن یوسف الشاعر، عباس دوری، عبداللہ بن محمد مسندی، عثمان بن ابی شیبہ، علی بن مدینی، علی بن مسلم طوسی، محمد بن رافع، ہارون جمال، یعقوب بن ابراہیم دورقی اور یونس بن حبیب اصبہانی وغیرہ۔

آپ کے استاد جریر بن عبدالحمید نے بھی آپ سے روایت کیا ہے۔ مؤلفین صحاح ستہ اور امام طیالسی کے زمانہ میں کافی تفاوت ہے۔ اس لیے ان میں سے تین نے آپ سے بالواسطہ روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے امام بخاری اور مولانا عبدالرحمن مبارکپوری نے امام ترمذی کے سلسلہ رواۃ میں ان کا نام گنوایا ہے (۵۹)۔

رحلت وسفر

ابوداؤد کے مشائخ کے ناموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے حدیث کی طلب وجستجو کیلئے مختلف مقامات کا سفر کیا ہوگا۔ لیکن کتابوں میں صرف بغداداور اصبہان کے سفر کا ذکر کیا ہے۔

فضل وکمال

حدیث کے علاوہ ان کے دوسرے علمی کمالات پردہ خفا میں ہیں اس لیے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کن کن علوم وفنون میں جامعیت رکھتے تھے۔ صرف فن حدیث میں ان کی مہارت وشرف نگاہی معلوم ہوتی ہے جس نے ان کو مرتبہ امامت پر فائز کیا۔

حفظ وضبط

ان کا حافظہ غیر معمولی تھا۔ علمائے فن اوران کے معاصرین نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ بعض علما کا بیان ہے کہ "ان کو تیس اور بعض نے کہا ہے کہ چالیس ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں"۔ یونس بن حبیب اصبہانی فرماتے ہیں کہ انہوں نے اصبہان میں ایک لاکھ حدیثیں محض اپنی یادداشت سے املا کرائیں۔ عمرو بن علی فلاس کہتے ہیں۔ "محدثین کے زمرہ میں مجھ کو کوئی شخص ابوداؤد سے بڑا حافظ نظر نہیں آیا۔ میں نے ان کو خود فرماتے ہوئے سنا کہ میں تیس ہزار حدیثیں زبانی بیان کرسکتا ہوں۔ علی بن مدینی کا بیان ہے کہ میری نظر سے کوئی ان سے زیادہ حدیثوں کا حافظ نہیں گزرا۔ محمد بن بشار کا قول ہے کہ جتنی حدیثیں ابوداؤد سے لکھی گئیں اتنی کسی اور محدث سے نہیں لکھی گئیں اور وکیع کا بیان ہے کہ "طویل حدیثوں کا ان سے بڑا کوئی حافظ نہیں رہا"۔ شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں: "ابوداؤد طویل حدیثوں کو اچھی طرح محفوظ کرتے تھے اوراس وصف میں اپنے معاصرین سے ممتاز تھے" (۶۰)۔

عدالت وثقاہت

ثقاہت میں بھی ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ علمائے جرح وتعدیل نے ان کی توثیق کی ہے۔ عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں۔ "وہ لوگوں میں سب سے زیادہ سچے تھے"۔ ابوالمنذر نعمان کا ارشاد ہے کہ "وہ ثقہ اور معتبر تھے"۔ ابن معین سے شعبہ کے تلامذہ کے متعلق دریافت کیا گیا کہ ابوداؤد طیالسی اور

حرمی میں آپ کے نزدیک کون زیادہ بہتر ہے تو انہوں نے فرمایا کہ ابوداؤد صدوق ہیں اس لیے وہ مجھ کو زیادہ پسند ہیں۔ ابن عدی عمرو کی رائے کی تصدیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ میرے اور دوسروں کے نزدیک متیقظ اور ثابت تھے۔ ابوحاتم ان کو صدوق محدث قرار دیتے ہیں۔ امام نسائی کا ارشاد ہے کہ "ابوداؤد ثقہ اور لوگوں میں سب سے زیادہ سچے تھے"۔ شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں یحیٰی بن معین وابن المدینی وفلاس ووکیع ودیگر علمائے رجال التعدیل وتوثیق مفرط نمودہ اند (۶۱)۔

معرفتِ حدیث

وہ حدیثوں کے صرف ناقل وحافظ ہی نہ تھے بلکہ ان کی پرکھ میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ بندار کا بیان ہے کہ وہ حدیث اور معرفتِ حدیث کے لحاظ سے نہایت برتر تھے۔

وکیع جیسے نامور محدث، حدیث میں ان کی غیر معمولی واقفیت اور تمیز کی بنا پر ان کو "جبل العلم" کہتے تھے۔ یحیٰی بن معین ان کو عبدالرحمٰن بن مہدی سے بھی زیادہ صاحب علم اور حدیثوں کا واقفِ کار بتاتے ہیں۔ ان کے استاد شعبہ کو ان کے علم وتمیز پر اتنا اعتماد تھا کہ اپنی عدم موجودگی میں ان کو مسندِ درس پر رونق افروز ہونے کی اجازت دیتے تھے۔ ابوحاتم کا بیان ہے کہ معرفت حدیث میں ان کا مقام اتنا بلند تھا کہ وہ شعبہ سے مذاکرہ کرسکتے تھے۔ اس سلسلے میں ابوداؤد کی یہ خصوصیت قابلِ ذکر ہے کہ بعض محدثین اور شیوخ کی روایات سے ان سے زیادہ کوئی واقف کار نہ تھا۔ عثمان بری کے متعلق وہ خود فرماتے ہیں کہ میرے سینہ میں ان کی بارہ ہزار حدیثیں محفوظ ہیں۔ مشہور محدث شعبہ کی رواتیوں کے لیے تو وہ سند کی حیثیت رکھتے تھے۔ ابومسعود رازی کا بیان ہے کہ شعبہ کی رواتیوں کے معاملہ میں ابوداؤد سے زیادہ کوئی واقف کار مجھ کو نہ ملا (۶۲)۔

اخلاق وعادات

ابوداؤد طیالسی کے اخلاق وعادات اور اعمال وعبادات وغیرہ کی تفصیل معلوم نہیں ہوسکی۔ بعض اوقات ضمناً ان کے بعض اوصاف کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً اصبہان میں ایک لاکھ احادیث املا کرانے کے بعد جب ان کو اپنی غلطیوں کا پتہ چلا تو انہوں نے ان کو تسلیم کرلیا اور اپنے شاگردوں کو بھی ہدایت کی کہ وہ بھی ان کی تصحیح کرلیں۔ امام احمد نے بھی ان کی اس خوبی کا ذکر کیا ہے کہ وہ اپنی غلطی پر اصرار نہیں

کرتے تھے۔

وفات

مشہور روایت کے مطابق ۷۲ سال کی عمر میں سنہ ۲۰۳ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ بعض لوگوں نے صفر اور بعض نے ربیع الاوّل سنہ ۲۰۴ھ بتایا ہے۔ حاکم بصرہ یحییٰ بن عبداللہ بن عمر نے نماز جنازہ پڑھائی (۶۳)۔

مسند ابی داؤد طیالسی

مسانید کے جو مجموعے مشہور و متداول ہیں۔ ان میں ایک ابوداؤد طیالسی کی مسند بھی ہے۔ اس کی اہمیت اس لیے زیادہ ہے کہ وہ دوسرے مسانید کے مقابلہ میں زیادہ قدیم ہے۔ بعض علما نے اس کو سب سے قدیم مسند بتایا ہے۔ حاکم صاحب مستدرک فرماتے ہیں کہ علمائے اسلام میں عبیداللہ بن موسیٰ اور ابوداؤد طیالسی نے سب سے پہلے تراجم رجال پر مسانید مرتب کیں۔ لیکن علمائے محققین کی ایک جماعت کو اس رائے سے اتفاق نہیں ہے کہ وہ کہتے ہیں ''عام مصنفین مسانید کے مقابلہ میں ابوداؤد کا زمانہ قدیم ہے۔ اس لیے لوگوں نے ان کی سند کو بھی سب سے قدیم سمجھ لیا۔ حالانکہ اس کی جمع و ترتیب ان کے بعد بعض متاخرین خراسانی حفاظ نے کی ہے۔ بہرحال اس کی قدامت سے انکار نہیں کیا جاسکتا گو بعض مشہور کتب حدیث کی طرح ان کی مسند کو زیادہ شہرت نصیب نہیں ہوئی لیکن اس کو مسانید میں یک گونہ خصوصیت حاصل ہے (۶۴)۔

ترتیب وتبویب

یہ مسند گیارہ اجزا پر مشتمل ہے۔ اس کی ترتیب میں بڑی حد تک مسانید کے عام اصول کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ یعنی صحابہؓ کے شرف وتقدم اور سبقت فی الاسلام کے لحاظ سے روایتیں نقل کی گئی ہیں۔ پہلے خلفائے راشدین، عشرہ مبشرہ اور کبار صحابہؓ کی حدیثیں ہیں۔ چھٹے جز کے آخر سے صحابیات کی مرویات کا سلسلہ شروع ہوکر ساتویں جز میں ختم ہوتا ہے۔ سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ اور اس کے بعد حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کی روایات ہیں۔ ہر صحابی کی حدیثیں الگ الگ عنوان سے ہیں۔ بعض صحابہ کی حدیثیں

دو جگہ بھی نقل ہوگئی ہیں۔ بعض مقامات پر ایک صحابی کی روایتوں میں دوسرے صحابی کی روایتیں بھی خلط ملط ہوگئی ہیں۔ مسند کی باقاعدہ جمع وترتیب کا کام بعض اہلِ خراسان نے کیا اور زیادہ تر روایتیں یوسف بن حبیب کے واسطہ سے مروی ہیں (۶۵)۔

خصوصیات

۱۔ اس کی سب سے اہم خصوصیت اس کی قدامت ہے۔

۲۔ مسند کی اکثر روایتیں دوسری مشہور کتب حدیث میں موجود ہیں۔

۳۔ کہیں کہیں آثار صحابہ بھی نقل کیے گئے ہیں۔

۴۔ حدیث کی کتابوں کی عام خصوصیات مثلاً رواۃ کے ناموں کے متعلق مختلف قسم کی وضاحتیں، کثرت طرق، تعداد اسناد، اختلاف الفاظ ومعانی یا خاص اضافہ وکمی کا ذکر، روایتوں کے باہمی فرق، رواۃ کے سہو ونسیان، روایات کے درجہ وحیثیت کی تشریح، روایتوں کے درمیان باہمی ترجیح، روایات کی تصویب، ان کے یا راویوں کے متعلق اپنے یا اپنے شیوخ کے شک وتردد کا اظہار، مشکل الفاظ، روایات کے ابہام اور مفہوم کی وضاحت اور ان کے بعض خاص پہلوؤں اور نکتوں کی تشریح وغیرہ اس میں بھی موجود ہیں۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ساتویں صدی ہجری سے قبل کا خدا بخش خاں لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔

یہ مسند پہلی مرتبہ مطبع دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد سے ۱۳۲۱ھ میں شائع ہوئی ہے۔ صفحات کی تعداد ۳۹۲ ہے۔ ارکان دائرہ نے حاشیے میں متعدد کتب حدیث خصوصاً مسند احمد، سنن ترمذی اور سنن ابی داؤد سے اس کی حدیثوں کی مطابقت یا اختلاف کو دکھایا ہے۔ اور کہیں لغات اور بلاد واماکن وغیرہ کی بھی مختصر تشریح کی ہے۔ خاتمہ میں مسند کے قدیم نسخہ سے اس نسخہ کے اختلاف کا مقابلہ کیا گیا ہے اس کے بعد اور اداروں نے بھی اس کو شائع کیا ہے۔

بعض اعتراضات اور ان کا جواب

ابوداؤد طیالسی پر سہو وخطا اور تدلیس کے اعتراضات بھی ملتے ہیں۔

خطا ابو حاتم، ابراہیم جوہری، ابن سعد اور علامہ ذہبی وغیرہ نے ان کی بھول چوک اور خطا و نسیان کا ذکر کیا ہے مگر ان سے ابوداؤد کے حفظ و ضبط، علم و فضل اور ثقاہت میں فرق نہیں آتا۔ خطا و نسیان تو بشریت کا خاصہ ہے جس سے کوئی بھی محدث بری نہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے اعتراض کیا ہے وہ بھی ان کو ثقہ اور ضابط مانتے ہیں۔ فلاس کا بیان ہے کہ "میں جانتا ہوں کہ علامت منافق والی حدیث میں کسی نے ان کی متابعت نہیں کی ہے تاہم اس کے باوجود وہ ثقہ و ضابط ہیں"۔

دوسری چیز یہ ہے کہ محدثین اور علمائے فن کے نزدیک سہو و خطا کرنے والا متروک الحدیث نہیں سمجھا جاتا۔ آئمہ صحاح کی کتابوں میں بھی ایسے رواۃ کی روایتیں موجود ہیں۔ اس لیے یہ الزام خواہ صحیح ہو یا غلط اس سے ابوداؤد کی عظمت میں کوئی فرق نہیں۔ یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ ابوداؤد طیالسی کے حافظہ میں حدیثوں کا بڑا ذخیرہ محفوظ تھا اور وہ اپنی یادداشت سے حدیثیں بیان کرتے تھے۔ اس لیے ان سے بھول چوک کا ہونا تعجب انگیز نہیں ہے۔ ایک مرتبہ کسی نے امام احمد سے ان کی غلطیوں کا ذکر کیا تو فرمایا اُن کی غلطی کو غلطی نہیں کہنا چاہیے۔ خطا کا یہ الزام اس وقت درست ہوسکتا ہے۔ جب ان سے ان کی غلطی کا تذکرہ کیا جائے اور وہ متنبہ نہ ہوں۔ لیکن ان کا حال یہ ہے کہ ان سے جس وقت ان کی غلطی کا تذکرہ کیا جاتا ہے وہ فوراً متنبہ ہو جاتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں۔ دوسرے مؤرخین نے اور آئمہ تعدیل نے بھی اس قسم کی توجیہ بیان کی ہے (۶۶)۔

تدلیس

دوسرا اعتراض تدلیس کا ہے یعنی وہ ایک راوی کی روایت کو دوسرے کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ "ابوداؤد نے ہم سے ابن عون کے واسطے سے بیس سے کچھ زیادہ حدیثیں بیان کیں مگر ان میں سے ایک کے علاوہ جس کو میں نہیں جانتا تھا باقی حدیثیں یزید بن ذریع کی تھیں"۔

حافظ ابن حجر نے دو اور واقعات نقل کیے ہیں۔ ان میں سے ایک محمد ابن منہال کے واسطہ سے اور دوسرا امام دارقطنی کی کتاب الجرح و تعدیل سے ماخوذ ہے۔ ان تینوں واقعات سے خود ظاہر ہے کہ ابوداؤد نے غلطی سے روایت کا انتساب اصل راوی کی بجائے دوسرے کی جانب کر دیا ہے۔ خود حافظ

ابن حجر نے جو ان واقعات کے ناقل ہیں انہیں تحریف و تدلیس کے بجائے سہو و نسیان پر محمول کرنے کی کوشش کی ہے اور بجز ایک قلیل جماعت کے جمہور کا فیصلہ یہی ہے کہ تدلیس میں کوئی عیب نہیں ہے۔ سفیان ثوری جیسے بزرگ جو امیر المؤمنین فی الحدیث کہلاتے ہیں تدلیس کرتے ہیں اور بہت سے اہلِ کوفہ بھی تدلیس کرتے تھے۔ ابن الصلاح لکھتے ہیں۔

صحیح یہ ہے کہ مدلس جس چیز کو لفظ محتمل سے روایت کرے اور سماع و اتصال کی وضاحت نہ کرے تو اس کا حکم مرسل اور اس کی قسموں جیسا ہے لیکن جس روایت کو ایسے الفاظ سے بیان کیا جائے جن سے اتصال کی صراحت ہوتی ہے جیسے سمعت حدثنا، اخبرنا وغیرہ تو وہ مقبول اور قابلِ حجت ہے۔ صحیحین وغیرہ کتب معتبرہ میں بھی اس قسم کی بے شمار روایتیں ہیں۔ جیسے قتادہ، اعمش، سفیانین اور ہشام بن بشر وغیرہ کے واسطہ سے اور یہ اس بنا پر کہ تدلیس دراصل کذب نہیں بلکہ ایک طرح کا ابہام ہے جو لفظ محتمل کی بنا پر ہوتا ہے (٦٧)۔

۲۔ امام عبداللہ بن زبیر حمیدی (م ۲۱۹ھ)

عبداللہ نام، ابوبکر کنیت اور نسب نامہ یہ ہے۔ عبداللہ بن زبیر بن عیسیٰ بن عبیداللہ۔ ان کا خاندان عربی النسل اور وطن مکہ معظمہ تھا۔ وہ حمیدی، اسدی، زبیری، قریشی اور مکی کی نسبتوں سے مشہور ہیں۔ سب سے مشہور نسبت قریش کے مشہور قبیلہ اسد کے ایک معزز فرد حمید کی جانب ہے۔ سال ولادت کا پتہ نہیں چلتا (٦٨)۔

اساتذہ

ان کے بعض مشہور شیوخ کے نام حسب ذیل ہیں:

ابراہیم بن سعد، سفیان بن عیینہ، عبدالعزیز بن حازم، فضیل بن عیاض، محمد بن ادریس شافعی، مروان بن معاویہ، وکیع اور ولید بن مسلم وغیرہ ان بزرگوں میں سفیان بن عیینہ اور امام شافعی سے ان کو بڑا خاص تعلق تھا۔ ۱۹، ۲۰ سال تک سفیان کی خدمت میں رہنے اور استفادہ کرنے کا موقع ملا ان کی دس ہزار حدیثیں حمیدی کو زبانی یاد تھیں۔ ان کی مرویات کے سب سے زیادہ معتبر اور قابلِ وثوق راوی سمجھے جاتے تھے۔ امام شافعی کی صحبت میں بھی ایک عرصہ تک رہے۔ ان کے ہمراہ مصر تشریف لے گئے اور فقہ کی تکمیل

وتخریج کی۔

تلامذہ

ان کے اکثر تلامذہ فن حدیث کے ممتاز ماہرین تھے۔بعض کے نام یہ ہیں:

احمد بن ازہر نیشاپوری، اسماعیل بن عبداللہ ، بشر بن موسیٰ، سلمٰی بن شبیب ،محمد بن احمد قریشی، ہارون جمال، یعقوب ابن ابی شیبہ، یعقوب بن سفیان اور یوسف بن موسیٰ قطان، امام بخاری ان کے خاص فیض یافتہ لوگوں میں تھے اپنی صحیح میں پچھتر حدیثیں ان کے واسطہ سے روایت کی ہیں (۶۹)۔

فضل وکمال

ان کے علم وفضل اور امامت پر محدثین اور ارباب فن کا اتفاق ہے۔امام احمد اور امام بخاری نے ان کو امام کہا ہے۔اسحاق بن راہویہ کا بیان ہے کہ"ابو عبیدہ، شافعی اور حمیدی ہمارے زمانہ میں امام ہیں"۔ذہبی فرماتے ہیں کہ:"حمیدی مشہور اور کبار آئمہ دین میں سے تھے"۔خود حمیدی کا بیان ہے "عراق میں احمد، خراسان میں اسحاق اور حجاز میں مجھ سے سبقت لے جانے والا کوئی نہیں"۔

ضبط وثقاہت

ان کی قوت حافظہ اور ثقاہت مسلم ہے۔امام شافعی کو ان کے غیر معمولی حافظہ کا اعتراف تھا۔ مؤرخین نے ان کو کثیر الحدیث لکھا ہے۔ان کے علم وحافظہ میں احادیث کا وافر ذخیرہ اور وسیع سرمایہ محفوظ تھا۔امام بخاری کو ان پر اتنا اعتماد تھا کہ ان کی روایت ملنے کے بعد وہ دوسروں کی مرویات کی پرواہ نہیں کرتے تھے (۷۰)۔

فقہ واجتہاد

فقہ واجتہاد میں بھی ان کا پایہ نہایت بلند تھا۔امام شافعی سے اس کی تحصیل کی تھی اور امام بخاری حدیث کی طرح فقہ میں بھی ان کے شاگرد تھے اور ان سے اسی کی تحصیل کی تھی۔مکہ کے فقیہہ ومفتی کی حیثیت سے حمیدی کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔مصر سے واپسی کے بعد وہ یہاں فقہ وافتاء کا کام عمر بھر انجام دیتے رہے۔صاحب مستدرک لکھتے ہیں:"وہ مکہ کے مشہور عالم ومحدث اور مفتی تھے"۔حدیث و

فقہ میں ان کا وہی درجہ اور مرتبہ تھا جو امام احمد کا عراق میں تھا۔

زہد و ورع

ورع وتقوٰی اور دیانت و پاکبازی میں بھی ممتاز تھے۔ ابن عدی نے ان کی نیکی اور پاکبازی کا ذکر کیا ہے۔ ابن حبان نے ان کو صاحب سنت بتایا ہے۔ احادیث وآثار سے شدت تمسک کی بنا پر وہ اہل رائے کو ناپسند کرتے تھے۔ اس کا اندازہ ان کے رسالہ اصول السنۃ سے ہوتا ہے(۷۱)۔

عقیدہ ومسلک

عقیدہ وعمل کے لحاظ سے وہ محدثین اور سلف کے مسلک پر عامل تھے۔ وہ اس عقیدہ کے حامل تھے کہ ایمان قول وعمل دونوں کا نام ہے اس میں کمی وبیشی ہوتی ہے۔ سفیان بن عیینہ کے سامنے ان کے بھائی ابراہیم نے کہا کہ ''ایمان کم نہیں ہوتا''۔ تو وہ غضب ناک ہوگئے اور فرمایا: ''تم بچے ہو، ان مسائل کے بارے میں لب کشائی نہ کرو۔ ایمان کم بھی ہوتا ہے اور سلب بھی ہو جاتا ہے۔ ایمان وعمل کا اعتبار نیت پر موقوف ہے''۔

تقدیر

تقدیر کے خیر وشر ہونے پر ایمان لانا ضروری ہے یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ جو کچھ ہوا ہے اس کا ہونا ضروری تھا اور نہ ہونا ناممکن تھا۔ اور جو کچھ نہیں ہوا ہے اس کا نہ ہونا ممکن نہیں تھا۔

قرآن

قرآن اللہ کا کلام ہے جو لوگ اس کو مخلوق کہتے ہیں وہ مبتدع اور سلف صالحین کے مسلک سے منحرف ہیں۔

رؤیت موت کے بعد مومنین دیدار الٰہی سے مشرف ہوں گے۔

صفات الٰہی

قرآن کی وہ آیتیں جن میں اللہ کے ید ویمین اور استواء وتمکن وغیرہ کا ذکر ہے یا اس قسم کی

جو حدیثیں ہیں ان کے مجرد بیان پر اکتفا اور توقف کرنا چاہیے نہ ان میں کسی اضافہ کا ہم کو حق ہے اور نہ تشریح و تفسیر کا اس قسم کی آیات واحادیث میں بحث وکلام کرنے والے اہل باطل اور فرقہ جہمیہ ومعطلہ میں شامل ہیں۔

مرتکبین کبائر

کبائر کے مرتکبین کو کافر سمجھنا خوارج کا عقیدہ ہے۔ گناہ کرنے سے انسان کافر نہیں ہوتا۔

احترام صحابہؓ

مسلمانوں کو صحابہ کرامؓ کے لیے دعا واستغفار کرنی چاہیے۔ قرآن مجید میں ہے۔

"رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِىْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" (۷۲) (اے رب بخش دے ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں بغض ایمان والوں کا)۔ اگر کوئی شخص ایک صحابی کو بھی بُرا بھلا کہے تو وہ جادہ سنت سے منحرف ہے (۷۳)۔

وفات

اپنے وطن مکہ میں ربیع الاول ۲۱۹ھ میں وفات پائی۔ ۲۲۰ھ بھی وفات بتایا جاتا ہے۔

تصنیفات

رسالہ اصول السنہ کے علاوہ ان کی دوسری کتابوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ کتاب الرد علی النعمان۔ ۲۔ کتاب التفسیر۔

۳۔ مسند حمیدی۔ یہ سب سے زیادہ مشہور کتاب ہے جو ۱۱ اجزاء اور ۱۲۹۳ حدیثوں پر مشتمل ہے۔ اس کی اہم خصوصیات حسب ذیل ہیں:

۱۔ اس کا شمار قدیم ترین کتب مسانید میں ہوتا ہے۔ اور اغلب یہ ہے کہ مکہ میں سب سے پہلے یہی مسند مرتب کی گئی تھی۔

۲۔ اکثر روایات مرفوع ہیں۔ موقوف روایتیں کم ہیں۔

۳۔ صحابہ وتابعین کے آثار کا حصہ بھی اس میں شامل ہے۔

۴۔ احادیث کے نقل وروایت ہی پر اکتفانہیں کیا گیا بلکہ ایک ماہر فن کی طرح ان کے متعلق مختلف النوع معلومات بھی درج ہیں:

مسند کے مخطوطے دارالعلوم دیوبند، حیدرآباد (سندھ) کے قریب نیو سعید آباد مکتبہ الراشدیہ للشیخ شاہ بدیع الدینؒ الراشدی، و جامعہ عثمانیہ حیدرآباد (دکن) اور دمشق کے دار الکتب الظاہریہ میں موجود ہیں۔ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے ان نسخوں کی مدد سے مسند کو پہلی مرتبہ ۱۹۶۳ء میں دوجلدوں میں شائع کیا ہے۔ حواشی میں مشکل الفاظ کی تشریح، اختلاف نسخ اور مختلف کتب حدیث سے اس کی حدیثوں کے باہمی اختلاف ومطابقت وغیرہ کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔ حافظ ابن حجر نے مطالب عالیہ میں مسند کے زوائد بیان کیے ہیں (۷۴)۔

۳۔ امام اسحاق بن راہویہ (م ۲۳۸ھ)

اسحاق نام، ابویعقوب کنیت اور ابن راہویہ لقب تھا۔ اسحاق کے والد ابراہیم بطن مادر ہی میں تھے کہ انکی والدہ نے مکہ معظمہ کا سفر کیا۔ اسی سفر میں کسی مقام پر ان کی ولادت ۱۶۱ھ میں ہوئی۔ اس لیے اہل مرو انہیں راہوی یا راہویہ یعنی راستہ والا کہتے تھے۔ اسحاق کا بیان ہے کہ میرے والد کو جب لوگ راہویہ کہتے تھے تو ان کو ناگوار ہوتا تھا لیکن مجھے ابن راہویہ کہا جاتا ہے تو کوئی ناگواری نہیں ہوتی (۷۵)۔

خاندان ووطن

ان کا وطن خراسان کا مشہور شہر مرو تھا۔ لیکن انہوں نے نیشاپور میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔ اس لیے مروزی اور نیشاپوری کہلاتے ہیں۔ تمیمی اور حنظلی کی نسبتوں سے ان کا عربی النسل ہونا ظاہر ہوتا ہے (۷۶)۔

اساتذہ

ان کے مشہور اساتذہ کے نام یہ ہیں: ابن اسامہ، ابوبکر بن عیاش، ابومعاویہ، اسباط بن محمد،

اسماعیل بن علیہ، بشر بن مفضل، بقیہ بن ولید، جریر بن عبدالحمید رازی، حاتم بن اسماعیل، عبدالرحمٰن بن مہدی، عبدالرزاق بن ہمام، عبداللہ بن مبارک، عبدہ بن سلیمان، عبدالوہاب ثقفی، عمر بن ہارون، عیسیٰ بن یونس، معاذ بن ہشام، وکیع بن جراح، ولید بن مسلم اور یحییٰ بن واضح وغیرہ۔

تلامذہ

ابن راہویہ کے تلامذہ کے مختلف طبقے ہیں۔ ان کے بعض اساتذہ بقیہ بن ولید، محمد بن یحییٰ ذہلی اور یحییٰ بن آدم وغیرہ اور معاصرین میں احمد بن حنبل، اسحاق بن منصور کوسج، محمد بن رافع اور یحییٰ بن معین اور عزیزوں میں فرزند محمد نے بھی استفادہ کیا ہے۔ اور صحاح ستہ کے مصنفین میں امام ابن ماجہ کے علاوہ سب کو ان سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ بعض اور ممتاز تلامذہ کے نام حسب ذیل ہیں۔

ابراہیم بن ابی طالب، احمد بن سلمہ، اسحاق بن ابراہیم نیشاپوری، حسن بن سفیان، اور موسیٰ بن ہارون وغیرہ (۷۷)۔

طلب حدیث کے لیے سفر

علامہ ابن عساکر اور حافظ ابن حجر نے ان کو کثرت سے سفر کرنے والے حدیث کی طلب و تحصیل کے لیے مختلف شہروں میں کہہ کر ذکر کیا ہے اور خطیب نے لکھا ہے کہ حجاز، عراق، یمن اور شام وغیرہ مراکز حدیث کا سفر کیا اور بغداد کئی بار تشریف لائے۔ عراق کا سفر ۲۳ سال کی عمر میں ۱۸۴ھ میں کیا تھا (۷۸)۔

علم و فضل کا اعتراف

اسحاق بن راہویہ بلند پایہ علمائے اسلام میں سے تھے۔ معاصرین علماء اور اساطین فن نے ان کے فضل و کمال اور علمی عظمت و بلند پائیگی کا اعتراف کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل جو ان کے بڑے مداح اور قدر دان تھے۔ فرماتے ہیں: ''خراسان و عراق میں ان کا کوئی ہمسر نہیں۔ بغداد کے اس پل کو ان سے زیادہ عظیم و برتر کسی آدمی نے عبور نہیں کیا۔ گو بعض مسائل میں ہمارا اور ان کا اختلاف ہے اور اہل علم میں اختلافات تو ہوا کرتے ہیں''۔

ایک مرتبہ اسحاق کے صاحبزادے محمد امام احمد کی خدمت میں حصول علم کے لیے حاضر ہوئے تو ارشاد ہوا کہ تمہارا اپنے والد سے وابستہ رہنا زیادہ مفید اور بہتر ہے۔ ان سے زیادہ پر عظمت آدمی تمہاری آنکھوں نے نہ دیکھا ہوگا۔ امام احمد ان کی عظمت کے اس حد تک قائل تھے کہ اگر ان کے سامنے کوئی انہیں ابن راہویہ کہتا تو ناگواری کا اظہار کرتے اور فرماتے کہ اسحاق بن ابراہیم حنظلی کہا کرو!

محمد بن اسلم کہتے ہیں کہ اگر امام ثوری زندہ ہوتے تو اسحاق کے علم و فضل سے بے نیاز نہ رہتے۔ احمد بن سعید رباطی کا قول ہے کہ ابن عیینہ اور حماد بھی ان کے محتاج ہوتے۔ محمد بن یحییٰ صفار نے سنا تو کہا کہ اگر حسن بصری زندہ ہوتے تو اکثر چیزوں میں ان کو اسحاق کی طرف رجوع کرنا پڑتا۔ ابن خزیمہ کا بیان ہے کہ اگر وہ تابعین کے زمانہ میں ہوتے تو وہ لوگ بھی ان کے علم و فضل کے معترف ہوتے۔ یحییٰ بن یحییٰ کا بیان ہے کہ خراسان میں علم کے دو خزانے تھے۔ ایک محمد بن سلام بیکندی کے پاس دوسرا اسحاق بن راہویہ کے پاس ہے۔ حسین بن منصور بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں یحییٰ اور اسحاق کے ہمراہ ایک شخص کی عیادت کرنے گیا۔ جب ہم لوگ ان کے گھر گئے تو اسحاق پیچھے ہوگئے اور یحییٰ سے کہا آپ پہلے داخل ہوں کیونکہ آپ ہم سے عمر میں بڑے ہیں۔ انہوں نے کہا بے شک میں عمر میں بڑا ہوں لیکن علم و فضل میں آپ فائق ہیں اس لیے آپ ہی پہلے چلیں۔ حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں "وہ جلیل القدر علمائے اسلام اور نامور محدثین حفاظ میں سے تھے" (۷۹)۔

شرف امامت

اسحاق بن راہویہ کا شمار ان آئمہ میں ہوتا ہے جو صاحب مذہب فقیہ و مجتہد تھے۔ مگر اب ان کا فقہی اور اجتہادی مذہب مٹ چکا ہے۔ لیکن ایک زمانہ میں یہ بھی مسلمانوں کا معمول بہ مسلک رہا ہے۔ امام احمد اور امام نسائی ان کے متعلق فرماتے ہیں مسلمانوں کے ایک امام یہ بھی ہیں۔ ایک دن امام احمد سے ان کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا وہ مسلمانوں کے امام ہیں۔ ہمارے نزدیک شافعی، حمیدی اور اسحاق تینوں امام ہیں۔ محمد بن نصر فرماتے ہیں۔ وہ ہمارے اور ہمارے مشائخ کے شیخ و بزرگ تھے۔ فضل شعرانی فرماتے ہیں۔ وہ بلاشک و شبہ خراسان کے امام تھے (۸۰)۔

علم حدیث میں کمال و امتیاز

علم حدیث سے ان کو خاص تعلق تھا اور وہ اکابر محدثین اور نامور حفاظ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ خلیلی کا بیان ہے کہ وہ شہنشاہ حدیث تھے۔ حدیثوں کی نشرواشاعت، درس و مذاکرہ، حفظ وضبط اور حزم و احتیاط کے لیے ان کی ذات بڑی اہمیت اور شہرت رکھتی ہے۔ ذیل میں ان کی خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حفظ وضبط

اسحاق بن راہویہ کا حافظہ غیر معمولی تھا اور یاداشت حیرت انگیز تھی۔ ابن حبان، خطیب بغدادی اور ابن عساکر وغیرہ نے حافظہ میں ان کی جامعیت کا اعتراف کیا ہے۔ علامہ ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ اگر اسحاق تابعین کے عہد میں ہوتے تو وہ لوگ بھی ان کے حافظہ کے معترف ہوتے۔ ابو یحیٰی شعرانی کہتے ہیں کہ میں نے ان کے ہاتھ میں کبھی کتاب نہیں دیکھی۔ وہ ہمیشہ یادداشت سے حدیثیں بیان کرتے تھے۔ ان کا خود بیان ہے کہ میں نے کبھی کوئی چیز قلم بند نہیں کی جب بھی مجھ سے کوئی حدیث بیان کی گئی میں نے اسے یاد کیا۔ میں نے کسی محدث سے کوئی حدیث بھی دوبارہ بیان کرنے کے لیے نہیں کہا۔ یہ کہنے کے بعد انہوں نے پوچھا کہ کیا تم لوگوں کو اس پر تعجب ہے؟ لوگوں نے کہا جی ہاں؟ یہ حیرت کی بات کی ہے۔ انہوں نے کہا جس چیز کو میں ایک مرتبہ سن لیتا ہوں وہ مجھے یاد رہتی ہے۔ ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں ہر وقت میری نگاہ کے سامنے رہتی ہیں اور میں ان کے متعلق بتا سکتا ہوں کہ وہ کتاب میں کس جگہ پر ہیں؟ ابو داؤد خفاف کی روایت کے مطابق انہوں نے ایک لاکھ حدیثوں کے متعلق کہا کہ وہ میری نظر کے سامنے ہیں۔ میں ان کا مذاکرہ کر سکتا ہوں۔ ایک دفعہ انہوں نے گیارہ ہزار حدیثیں زبانی املا کرائیں۔ اور پھر دوبارہ کتاب سے ان کی قراءت کی تو ایک لفظ کی بھی کمی بیشی نہیں تھی (۸۱)۔

صدق وثقاہت

اس غیر معمولی حفظ کے ساتھ اسی درجہ کی صدق اور ثقاہت بھی تھی۔ ابو حاتم فرماتے ہیں کہ کثیر الحفظ ہونے کے باوجود اسحاق کا ضبط و اتقان اور غلطیوں سے محفوظ رہنا حیرت انگیز ہے۔ خطیب

بغدادی وغیرہ لکھتے ہیں کہ وہ حفظ وثقاہت دونوں کے جامع تھے۔ ذہبی نے ان کو ثقہ و مامون کہا ہے اور ابن حبان نے ان کو اپنی کتاب ثقات میں لکھا ہے۔ امام نسائی فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ و مامون تھے۔ امام دارمی کا بیان ہے کہ اسحاق اپنے صدق کی وجہ سے اہلِ مغرب ومشرق کے سردار بن گئے تھے امام احمد کو ان کے صدق وثقاہت پر اتنا اعتماد تھا کہ ایک دفعہ انہوں نے ان سے کوئی حدیث پوچھی، جب اسحاق نے اسے بیان کیا تو ایک شخص نے اعتراضا کہا کہ وکیع نے یہی روایت اس سے مختلف طریقہ پر بیان کی ہے۔ امام احمد نے برافروختہ ہوکر کہا کہ خاموش رہو جب ابو یعقوب جو امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں کوئی روایت بیان کریں تو اسے بلا تامل قبول کر لینا چاہیئے (۸۲)۔

حزم واحتیاط

حفظ حدیث کے ساتھ اتنے محتاط تھے کہ بچپن میں انہوں نے عبداللہ بن مبارک سے حدیثیں سُنی تھیں مگر ان کو روایت نہیں کرتے تھے کہ احتیاط کے خلاف ہے (۸۳)۔

حفاظت واشاعت حدیث

ان کی ذات سے حدیثِ نبوی کی بڑی اشاعت اور سنتِ نبوی کا بڑا احیا ہوا۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ اسحاق بن راہویہ نے سنتوں کا دفاع اور مخالفین حدیث کا قلع قمع کیا۔ وہب بن جریر کا بیان ہے کہ اللہ تعالٰی نے اسحاق، صدقہ بن الفضل اور یعمر کو ان کی اسلامی خدمات کا صلہ عطا فرمائے۔ ان لوگوں نے مشرق کی سرزمین میں حدیثوں کی اشاعت اور سنتِ نبوی کا احیا کیا (۸۴)۔

فقہ واجتہاد

حدیث کی طرح فقہ واجتہاد کے ماہر بھی تھے۔ ابو اسحاق شیرازی، حاکم صاحب مستدرک اور خطیب نے ان کو فقہ واجتہاد میں جامع اور اکابر فقہا میں شمار کیا ہے۔ فقہی حیثیت سے بھی ان کا پایہ بہت بلند تھا اور وہ مسلمہ امام اور صاحب مذہب فقہا میں سے ہیں۔ اور متعدد علما نے ان کا محدث کے بجائے فقیہہ ومجتہد ہی کی حیثیت سے ذکر کیا ہے (۸۵)۔

ابن راہویہ کے فقہی اصول اور بنیادیں

فقہ و حدیث میں امام احمد بن حنبل اور اسحاق کا نام ساتھ ساتھ لیا جاتا ہے۔ دونوں بزرگوں کی فقہ و اجتہاد کا دارومدار حدیث پر ہے۔ شاہ ولی اللہ نے رسالہ "الانصاف" میں لکھا ہے کہ ان کے مسائل کی بنیاد احادیث اور اقوال صحابہ پر زیادہ ہے۔ ابو حاتم سے پوچھا گیا کہ آپ کا میلان دونوں کی جانب زیادہ ہے۔ فرمایا مجھے ان سے زیادہ پر عظمت شخص نظر نہیں آتا۔ ان دونوں نے احادیث قلم بند کیں ان کا مذاکرہ کیا اور ان پر تصنیفات لکھیں۔

فقہ و اجتہاد میں ان کے کمال کا بھی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے امام شافعی جیسے عظیم المرتبت امام و مجتہد سے دو مرتبہ مناظرہ کیا اور صالح بن احمد روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مناظرہ کے موقع پر میرے والد بھی موجود تھے ان کا بیان ہے کہ اسحاق امام شافعی کے مقابلہ میں غالب نظر آ رہے تھے (۸۶)۔

پہلا مناظرہ

پہلی مرتبہ جب وہ امام احمد کے اصرار پر امام شافعی سے ملے تو انہوں نے مکہ کے مکانات کو کرایہ پر دیئے جانے کے متعلق ان سے مناظرہ کیا اور اسحاق کرایہ پر یہ دینا جائز نہیں سمجھتے تھے اور امام شافعی جائز سمجھتے تھے۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم** (۸۷) (واسطے ان مفلسوں، وطن چھوڑنے والوں کے جو نکالے ہوئے آئے ہیں اپنے گھروں سے)۔

دیار کی نسبت مالکوں کی طرف کی گئی ہے یا غیر مالکوں کی طرف۔ فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**من اغلق بابه فهو آمن ومن دخل دار ابی سفيان فهو آمن**" (جس نے اپنا دروازہ بند کر لیا اور جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو گیا اس کو امان ہے)۔

یہاں دار و باب کی نسبت جس کی جانب کی گئی ہے کیا وہ اس کا مالک تھا یا نہیں؟ حضرت عمرؓ نے قید خانہ کے لیے جو مکان خریدا تھا وہ اس کے مالک یا غیر مالک سے خریدا تھا۔ اسی طرح رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "**وهل ترك لنا عقيل من دار**" (کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی گھر چھوڑا

بھی ہے)۔

اسحاق کی دلیل یہ تھی کہ ان کی رائے کی تائید بعض تابعین سے منقول ہے۔ امام شافعی کا جواب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں کسی شخص کی رائے حجت نہیں ہوسکتی۔ اسحاق کی دوسری دلیل یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "سواء العاكف فيه والباد" (مسجد حرام میں مکہ کے باشندوں اور باہر کے لوگوں پر دونوں کا برابر حق ہے)۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ حکم مسجد حرام کے ساتھ خاص تھا۔ امام شافعیؒ کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مکہ کی زمین لوگوں کے لیے مباح ہوتی تو رسول اللہ ﷺ "لم يترك لنا عقيل" کہنے کے بجائے یہ فرماتے کہ جو جگہ ہم کو مل جائے یا جس شخص کے گھر میں بھی ہم لوگ اتر پڑیں وہ گھر اور جگہ ہمارے لیے مباح ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکہ کی زمین لوگوں کی ملکیت بن سکتی ہے۔ اس لیے یہ کرایہ پر دی جاسکتی ہے آخر میں اسحاق کو امام شافعی کی اصابت رائے کا اعتراف کرنا پڑا اور وہ امام شافعی کی عظمت اور علم وفضل کے معترف ہوگئے اور جب بھی ان کا ذکر کرتے تو تعریف وتوصیف کرتے اور اپنی بات پر نادم بھی ہوتے (۸۸)۔

دوسرا مناظرہ

دوسرے مناظرہ میں امام احمد بن حنبل شریک تھے اور غالباً اسی کے متعلق ان سے روایت ہے کہ اس میں امام شافعیؒ کے مقابلہ میں اسحاق کی رائے وزنی معلوم ہوتی تھی۔ چنانچہ وہ اس مسئلہ میں اسحاق کے ہم نوا بھی ہوگئے تھے۔ اس مناظرہ کا موضوع بحث مردار کی کھال تھی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک وہ دباغت کے بعد پاک ہوجاتی ہے۔ اسحاق نے دلیل طلب کی تو انہوں نے حضرت میمونہ کی یہ حدیث بیان کی "انّ النبی مر بشلة میتة فقال هلا انتفعتم بجلدها" (آپ ﷺ نے ایک مردہ بکری دیکھ کر فرمایا کیوں نہیں تم لوگوں نے اس کی کھال سے فائدہ اٹھایا)۔ اسحاق نے اس کے جواب میں ابن حکیم کی یہ حدیث بیان کی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں یہ لکھایا "غیر مدبوغ کسی قسم کے چمڑے سے انتفاع نہ کرو)۔ یہ تحریر آپ کی وفات سے صرف ایک ماہ پہلے کی بات ہے اس لیے میمونہ کی روایت اس سے منسوخ ہوجاتی ہے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ میں تو سماعی حدیث بیان کرتا ہوں اور آپ تحریر کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اسحاق نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے قیصر وکسریٰ کے نام جو خطوط لکھے تھے وہ

تحریری تھے۔ اللہ کے ہاں ان کے خلاف حجت ہوں گے۔ اس جواب پر امام شافعیؒ خاموش ہو گئے(۸۹)۔

مذہب ومسلک

اسحاق بن راہویہ خود صاحب مذہب مجتہد تھے۔ اس لیے چاروں مشہور اجتہادی مذاہب میں وہ کسی مذہب سے وابستہ نہ تھے البتہ ان کا رجحان امام احمدؒ کی طرح حدیث واتباع سنت کی جانب زیادہ تھا(۹۰)۔

عقیدہ

اسحاق بن راہویہ اتباع سنت اور طریقہ سلف کی پیروی میں نہایت متشدد تھے۔ اس لیے کلام و عقائد کے غیر ضروری مسائل میں بحث وتدقیق اور غور وخوض ناپسند کرتے تھے۔ ان کے زمانہ میں خلق قرآن کا معرکتہ الآراء مسئلہ پیش آیا۔ گوانہوں نے امام احمد کی طرح اس میں اولوالعزی اور ثابت قدمی نہیں دکھائی مگر وہ بھی قرآن کو خدا کا کلام اور غیر مخلوق سمجھتے تھے(۹۱)۔

زہد واتقا

امام ابن راہویہ کے زہد واتقا کے متعلق مؤرخین نے لکھا ہے کہ وہ حدیث وفقہ اور حفظ وصدق کی طرح ورع وتقویٰ کے بھی جامع تھے۔ محمد بن اسلم طوسی نے ان کی وفات کے وقت فرمایا۔ ''میں نے ان سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں'' (۹۲)۔

وفات

مشہور روایت کے مطابق انہوں نے ستر سال کی عمر میں ۱۴ یا ۱۵ شعبان سنہ ۲۳۸ھ کو انتقال کیا۔ بعض بزرگوں نے آپ کی بخشش ومغفرت کے خواب بھی دیکھے(۹۳)۔

اولاد آپ کی اولاد میں تین صاحبزادوں کا نام ضمناً ملتا ہے۔ ابوالحسن علی، محمد اور یعقوب (۹۴)۔

تصنیفات

علمائے طبقات وتراجم نے ان کو صاحب تصانیف کثیرہ لکھا ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب ضائع ہوگئیں جن تصنیفات کے نام معلوم ہوسکے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) کتاب السنن فی الفقہ: اس کے نام سے موضوع ظاہر ہے۔

(۲) کتاب التفسیر: علامہ سیوطی نے عہد تابعین کے بعد کی جن تفسیروں کو اہم اور اقوال صحابہ و تابعین کی جامع قرار دیا ہے۔ ان میں سفیان بن عیینہ اور وکیع بن جراح وغیرہ کی تفسیروں کے ساتھ اس کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کو وہ خود باقاعدہ مرتب ومکمل کر چکے تھے اور اس کی املاء بھی کرائی تھی (۹۵)۔

(۳) مسند: یہ ان کی سب سے اہم اور مشہور تصنیف ہے۔ حاکم نیشاپوری نے دوسرے دور کی مسانید میں امام احمد کی مسند کے ساتھ اس کا نام بھی گنوایا ہے۔ اس کی ترتیب وتکمیل سے بھی وہ اپنی زندگی میں فارغ ہوچکے تھے اور اپنے شاگردوں کو زبانی اور پڑھ کر اس کی املاء بھی کرائی تھی۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں: ''ابوزرعہ رازی کا بیان ہے کہ اسحاق ان ہی روایتوں کی تخریج کرتے تھے جو اس صحابی کی سب سے بہتر اور اچھی روایت ہوتی تھی۔ اس مسند کا ایک قلمی نسخہ علامہ سیوطی کے قلم کا لکھا ہوا جرمنی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ علامہ ذہبی نے اس کے رجال کے نقد میں ایک مستقل کتاب لکھی تھی۔ اس کو بھی سیوطی نے اس نسخہ کے حاشیے میں درج کیا ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر عبدالغفور عبدالحق حسین البلوشی کی تحقیق کے ساتھ، مکتبہ الایمان مدینہ منورہ سے ۳ جلدوں میں ۱۹۹۱ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی (۹۶)۔

۴۔ امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ)

نام ونسب

نام ہے احمد بن حنبل شیبانی مروزی، کنیت ابوعبداللہ وہ خالص عربی النسل اور قبیلہ شیبان سے تھے۔ ربیع الاول سنہ ۱۶۴ھ کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ تین سال کی عمر میں والد کا انتقال ہوگیا تھا اور والدہ نے ان کی بہترین تربیت کی (۹۷)۔

ابتدائی حالات

بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا اور زبان کی تعلیم حاصل کی۔ تقوی و طہارت نجابت و صلاحیت کے آثار ابتدا ہی سے نمایاں تھے۔ انہیں آثار کو دیکھ کر ان کے زمانے کے صاحب نظر ہشیم بن جمیل نے کہا تھا کہ اگر یہ نوجوان زندہ رہا تو اہل زمانہ پر حجت ہوگا۔

بغداد جسے امام صاحب کے مولد و مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے خلافت عباسیہ میں علم وفن کا بہت بڑا مرکز تھا۔ جس کو محدث حاکم نیشاپوری مدینۃ العلم اور موسم العلماء الافاضل فرماتے ہیں (۹۸)۔

تحصیل علم

سب سے پہلے بغداد میں علم حاصل کیا۔ بغداد سے فارغ ہو کر کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ، یمن، شام اور جزیرہ کا سفر کیا اور ہر جگہ کے نامور محدثین سے استفادہ کیا۔ سنہ ۱۸۷ھ میں حجاز کے پہلے سفر میں ان کی ملاقات امام شافعیؒ سے ہوئی پھر بغداد میں دوبارہ ہوئی۔ امام احمد اس وقت پختہ کار ہو چکے تھے۔ امام شافعیؒ حدیث کے صحت و سقم کے بارے میں ان پر اکثر اعتماد کرتے تھے اور فرماتے کہ اگر محدثین کے یہاں حدیثیں صحیح ہوں تو مجھے بتلا دیا کرو میں اسی کو اختیار کروں گا۔ حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ''امام احمد کے مجتہد اور فقیہ ہونے میں کوئی شک نہیں مگر اُن پر حدیث کا رنگ غالب تھا''۔

انہوں نے جریر بن عبدالحمید محدث سے حدیث سننے کے لیے (ایران) جانے کا بھی قصد کیا لیکن خرچ نہ ہونے کی وجہ سے جا نہ سکے۔ اس بلند ہمتی، کثرت اسفار اور غیر معمولی حافظے کا نتیجہ تھا کہ ان کو دس لاکھ احادیث زبانی یاد تھیں۔

امام شافعی بھی ان کے بڑے معترف اور قدردان تھے۔ بغداد سے جاتے ہوئے انہوں نے فرمایا ''خرجت من بغداد وما خلفت بها اتقی ولا افقه من احمدبن حنبلؒ'' (۹۹) (میں بغداد چھوڑ کر جا رہا ہوں اس حالت میں کہ وہاں احمد بن حنبلؒ سے بڑھ کر نہ کوئی متقی ہے اور نہ کوئی فقیہ'')۔

مجلس درس

چالیس سال کی عمر میں غالباً سنہ ۲۰۴ھ میں انہوں نے حدیث کا درس دینا شروع کیا یہ بھی اُن کا کمال اتباع سنت تھا کہ انہوں نے عمر کے چالیسویں سال جو سنِ نبوت ہے علوم نبوت کی اشاعت شروع کی (۱۰۰)۔ ابتداء ہی سے ان کے درس میں سامعین و طالبین کا ازدحام ہوتا تھا۔ بعض راویوں کا بیان ہے کہ ان کے درس کے سامعین کی تعداد پانچ پانچ ہزار ہوتی تھی۔ جن میں سے پانچ پانچ سو صرف لکھنے والے ہوتے تھے۔ ان کی مجلس بہت سنجیدہ اور باوقار ہوتی تھی (۱۰۱)۔

تواضع ومسکنت

مسئلہ خلق قرآن میں ان کی ثابت قدمی کی وجہ سے تمام عالمِ اسلام ان کی شہرت سے معمور تھا اور ہر طرف ان کی تعریف اور دعا کا غلغلہ تھا۔ ان کو جو ذاتی کمالات اور اوصاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیے گئے تھے اس کی بنا پر کبھی اپنی عظمت کا احساس نہیں ہوا۔ ان کے ساتھی یحییٰ بن معین کہتے ہیں: ما رایت مثل احمد بن حنبل صحبته خمسین سنة ما افتخر علینا بشیء مما کان فیه من الصلاح والخیر" (۱۰۲) (میں نے امام احمد جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ میں پچاس برس ان کے ساتھ رہا انہوں نے کبھی ہمارے سامنے اپنی صلاح و خیر پر فخر نہیں کیا)۔

شیوخ وتلامذہ

حافظ ابن جوزی نے ان کے شیوخ کی تعداد سو سے زائد بتائی ہے جیسے ہشیم بن بشیر بن حازم، وکیع، یحییٰ بن سعید قطان، سفیان بن عیینہ اور امام شافعیؒ وغیرہ۔ تلامذہ کے متعلق حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں: بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابوزرعہ، مطین عبداللہ بن احمد اور ایک بہت بڑی خلقت۔ خلق عظیم کے لفظ سے معلوم ہوا کہ تلامذہ کی تعداد بے شمار ہے جس میں بڑے بڑے آئمہ فن داخل ہیں (۱۰۳)۔

تصنیفات امام صاحب کی تصنیفات درج ذیل ہیں:

۱۔ کتاب الزھد ۲۔ کتاب الناسخ والمنسوخ

۳۔ کتاب المنسک الکبیر ۴۔ کتاب المنسک الصغیر

۵۔ کتاب حدیث شعبہ ۶۔ کتاب فضائل صحابہؓ

۷۔ مناقب صدیق اکبرؓ وحسنین ۸۔ کتاب الاشربۃ

۹۔ تاریخ ۱۰۔ تفسیر

۱۱۔ مُسند احمد بن حنبل ۱۲۔ کتاب الصلاۃ وغیرہ (۱۰۴)

ابتلا وامتحان

جب معتزلہ نے عقیدہ خلق قرآن کو کفر وایمان کا معیار بنا دیا، اتفاقاً مذہب اعتزال کو حکومت وقت کی سرپرستی حاصل ہوگئی تھی۔ آپ نے خلق قرآن کے عقیدہ کی مخالفت کی تو انہیں سخت آزمائش و ابتلاء سے گزرنا پڑا۔ قید کے پابہ زنجیر رقّہ لائے گئے پھر واپس بغداد پابند سلاسل کر دیا گیا وہاں اس موضوع پر آپ سے مناظرہ ہوتا رہا ہر طرح ڈرایا دھمکایا گیا۔ اس کے بعد امام صاحب کو معتصم کے سامنے پیش کیا گیا۔ اور ان پر ۲۸ کوڑے لگائے گئے۔ ایک تازہ دم جلاد صرف دو کوڑے لگاتا پھر دوسرا جلاد بلایا جاتا۔ امام احمدؒ ہر کوڑے پر فرماتے: "اعطونی شیئًا من کتاب اللّٰہ او من سنۃ رسولہ حتی اقولہ بہ" (۱۰۵) (میرے سامنے اللّٰہ کی کتاب یا سنت رسول سے کوئی دلیل پیش کرو تا کہ میں اس کو مان لوں)۔

امام محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سُنا کہ امام احمدؒ کو ایسے کوڑے لگائے گئے کہ اگر ہاتھی کو لگتا تو چیخ مار کر بھاگتا۔ امام احمد کی بے نظیر ثابت قدمی اور استقامت سے یہ مسئلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا اور امت مسلمہ ایک بڑے دینی خطرے سے محفوظ ہوگئی۔ علی بن مدینی جو مشہور محدث اور امام بخاری کے اُستاد ہیں فرماتے ہیں: "اللّٰہ تعالیٰ نے اس دین کے غلبے کا کام دو شخصوں سے لیا۔ جن کا تیسرا ہمسر نظر نہیں آتا، ارتداد کے موقع پر حضرت ابو بکر صدیقؓ، اور فتنہ خلق قرآن کے سلسلے میں امام احمد بن حنبلؒ "(۱۰۶)۔

وفات

امام صاحبؒ نے ۷۷ سال کی عمر میں ۱۲ ربیع الاوّل ۲۴۱ھ کو انتقال فرمایا: اس پر سارا شہر اُمنڈ

آیا۔ کسی کے جنازے پر خلقت کا ایسا ہجوم دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد کا اندازہ یہ ہے کہ تیرہ لاکھ مرد اور ساٹھ ہزار خواتین تھیں (۱۰۷)۔

امام احمد بن حنبل کے پڑوسی الورکانی نے بیان کیا ہے کہ جس دن امام احمد فوت ہوئے تو (ان کے جنازہ کو دیکھ کر) ۲۰ ہزار لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے (۱۰۸)۔ یوں ابن کثیر کے مطابق امام صاحب کا یہ قول اللہ تعالیٰ نے برحق ثابت کر دیا کہ "قولوا لاهل البدع بيننا وبينكم يوم الجنائز" (ان اہل بدع 'مخالفین' سے کہہ دو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان فرق جنازے کے دن کا ہے) (۱۰۹)۔

مسند کی تالیف

امام صاحب سولہ سال کی عمر میں علم حدیث کی تحصیل میں مشغول ہو گئے تھے اسی زمانے سے جمع روایات کی ابتدا کر دی تھی۔ گویا ۱۸۰ھ سے تصنیف کا آغاز کیا اور اخیر زندگی تک اس میں مشغول رہے۔ اس کی روایات کو متفرق اوراق میں جمع کیا یہاں تک کہ جب زندگی کا وقت قریب الاختتام ہوا تو اس مسودے کو اسی حالت میں اپنے عزیزوں کو سُنایا۔

آپ کے برادرزادہ حنبل بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ عم محترم نے مجھے اور اپنے دونوں صاحبزادگان صالح و عبداللہ کو جمع کر کے ہمارے سامنے مسند کی قرأت کی۔ ہمارے سوا اور کسی نے آپ سے اس کتاب کو بہ تمام و کمال نہیں سُنا۔ پھر ہم سے فرمایا کہ میں نے اسے ساڑھے سات لاکھ سے زائد احادیث سے جمع و انتخاب کیا ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ کی جس حدیث میں مسلمانوں کا اختلاف ہو تو اس کتاب کی طرف رجوع کرو اگر وہ حدیث اس میں مل گئی توفبها ورنہ حجت نہیں (۱۱۰)۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

امام ممدوح کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی حدیث مسند میں موجود نہ ہو تو وہ حجت نہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ احادیثِ صحیحہ کی ایک بڑی تعداد اس میں درج ہونے سے رہ گئی ہے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: "کہا گیا ہے کہ قریبا دو سو صحابہؓ کی روایات اس میں درج ہونے سے رہ گئی ہیں جن سے صحیحین میں حدیثیں منقول ہیں"۔

حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ امام صاحبؒ کا یہ ارشاد غالب حال کے لحاظ سے ہوسکتا ہے۔

مسند کی ترتیب

امام احمدؒ اپنی زندگی میں اس کی ترتیب وتبویب نہیں کر سکے۔ حافظ شمس الدین جزری فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ نے مسند کو متفرق اوراق میں لکھا تھا اور مختلف اجزا میں پھیلا رکھا تھا جیسے کہ مسودہ ہوتا ہے اس کی تنقیح وتہذیب سے پہلے انتقال ہوگیا اور کتاب اسی حال میں رہ گئی (۱۱۱)۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں کہ مسند کی موجودہ ترتیب امام صاحب کے صاحبزادے عبداللہ کی ہے۔ لیکن اس میں بہت سی غلطیاں ہیں۔ مدنیوں کو شامیوں میں اور کبھی اس کے برعکس درج کردیا ہے (۱۱۲)۔

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ اگر امام صاحب نے اس کو مرتب کیا ہوتا تو یہ کام بہت اعلیٰ پیمانے پر انجام پاتا۔ بعد کے بہت سے علماء نے اس کی ترتیب وتبویب کرنے کی کوشش کی۔ بعض کا کام مکمل ہوا اور بعض کا ناقص رہ گیا۔ مگر افسوس کہ وہ سب کتابیں نایاب ہیں۔ حافظ ابوالحسن ہیثمی نے مسند کی ان روایات کو جو صحاح ستہ سے زائد ہیں منتخب کر کے ابواب پر مرتب کیا ہے (۱۱۳)۔

تعدادِ روایات

مسند میں تقریباً سات سو صحابہؓ کی روایات ہیں۔ روایات کی تعداد تیس ہزار بتائی گئی ہے۔ اور عبداللہ کی زوائد کا شمار کر کے چالیس ہزار تعداد بتائی گئی ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ مکررات کے ساتھ یہ تعداد مُراد ہو (۱۱۴)۔

زوائد مسند

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مسند میں امام صاحبؒ کے صاحبزادے عبداللہ نے اضافے بھی کیے ہیں۔ اسی طرح عبداللہ سے روایت کرنے والے ابوبکر قطیعی نے بھی اضافہ کیا ہے (۱۱۵)۔ عبداللہ نے اکثر اضافے امام صاحبؒ سے سُنی ہوئی روایات کے کیے ہیں یہی اصل مسند ہے، کچھ دیگر شیوخ کی تعداد کا اضافہ بھی کیا ہے مگر ان کی تعداد کم ہے (۱۱۶)۔

مسند میں تخریج روایت کی شرط

صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں "لوگوں نے بیان کیا ہے کہ امام احمدؒ نے اپنی مسند میں صرف صحیح حدیثوں کی تخریج کو شرط قرار دے رکھا ہے"۔ لیکن امام صاحب نے اپنے صاحبزادے عبداللہ سے فرمایا کہ میں نے مسند میں حدیث مشہور کا قصد کیا ہے اور لوگوں کو اللہ کے پردے کے تحت چھوڑ دیا ہے۔ اگر میں صرف احادیث صحیحہ جو میرے پاس ہیں انہیں کو درج کرتا تو مسند میں روایات کی تعداد بہت کم ہوتی۔ میرے بیٹے تم حدیث میں میرے طریقے سے واقف ہو کہ میں حدیث ضعیف کی مخالفت نہیں کرتا الا یہ کہ اس باب میں اس سے قوی روایت متعارض ہو۔

حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ مسند کی شرط ابوداؤد کی شرط سے قوی ہے جو انہوں نے اپنی سنن میں اختیار کی ہے۔ چنانچہ ابوداؤد نے اپنی سنن میں ایسے لوگوں سے روایت کی ہے جن سے مسند میں اعراض کیا گیا ہے (۱۱۷)۔

مسند میں کسی راوی کی روایت درج ہونے کے بعد اگر راوی یا روایت کا غیر معتبر ہونا معلوم ہوتا ہے تو اس کو امام صاحبؒ چھانٹ دیتے تھے۔ تادم زیست مسودہ میں حذف و ترمیم کرتے رہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے مسند کو طبقہ ثانیہ کی کتب کے قریب قریب بتایا ہے۔

قاضی شوکانی فرماتے ہیں، امام احمدؒ نے مسند میں جن روایات کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے وہ قابل احتجاج ہیں (۱۱۸)۔

مسند احمد کی بعض خصوصیات

۱۔ حدیث کا اتنا بڑا اور کوئی مجموعہ نہیں ہے۔

۲۔ اس میں تقریباً تین سو ثلاثی روایات ہیں۔

۳۔ حافظ شمس الدین جزری لکھتے ہیں: کوئی حدیث غالباً ایسی نہیں ہے جس کی اصل اس مسند میں نہ ہو (واللہ اعلم)۔

۴۔ دیگر مسانید سے صحیح تر ہے (۱۱۹)۔

مسند پر ابن جوزی وغیرہ کے اعتراضات

علامہ ابن الجوزی و حافظ عراقی نے مجموعی طور پر مسند کی ۳۸ روایات کو موضوع قرار دیا ہے جیسا کہ حافظ سیوطی نے "التعقبات علی الموضوعات" کے آخر میں تحریر فرمایا ہے اور ان سب کا جواب بھی دیا ہے۔ حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ اصل مسند میں بھی چند روایات موضوع درج ہو گئی ہیں البتہ امام صاحب کے صاحبزادے عبداللہ کے زوائد میں ضعیف و موضوع دونوں طرح کی روایات شامل ہیں (۱۲۰)۔ حافظ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں وضاحت کی ہے کہ مسند اور عبداللہ کی زوائد کی کوئی حدیث موضوع نہیں ہے۔ البتہ ابو بکر قطیعی کی زیادات میں بعض حدیثیں موضوع آ گئی ہیں (۱۲۱)۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے حافظ عراقی و ابن جوزی کے اعتراضات کے جواب میں مستقل ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام رکھا "القول المسدد فی الذب عن المسند"۔ کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں: "اس تصنیف عظیم کا دفاع ضروری معلوم ہوا جس کی اُمت میں مقبولیت و تعظیم ہے۔ اس کتاب میں ان نو روایات کا جواب ہے۔ جن کو حافظ عراقی نے موضوع قرار دیا ہے اور پندرہ وہ ہیں جن کو ابن الجوزی نے کتاب الموضوعات میں داخل کیا ہے مگر چودہ حدیثیں رہ گئی تھیں، اس لیے اس کے جواب میں نے "الذیل الممہد" میں لکھ دیا ہے"۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں مسند میں کوئی حدیث بے اصل نہیں سوائے تین یا چار کے۔ مگر احتمال ہے کہ امام احمد نے کاٹ کر نکالنے کی وصیت کی ہو وہ سہواً رہ گئی ہوں یا کاٹ کر نیچے لکھ دیا ہو، بہرحال اصل کتاب سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

مسند احمد پر کیے گئے کام کا ایک جائزہ

بہت سے علماء نے مسند احمد کی احادیث کی شرح لکھی بعض نے اختصار کیا بعض نے اس کی غریب احادیث پر کام کیا۔ بعض نے اس کے خصائص پر لکھا۔ اس کے بارے میں ابوموسیٰ المدینی (م ۵۸۱ھ) کہتے ہیں۔ یہ بہت بڑی کتاب ہے اور اصحاب الحدیث کے لیے یہ ایک ثقہ مصدر ہے اور اس سے بہت سے مسائل حل ہو جاتے ہیں (۱۲۲)۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں فرماتے

ہیں۔مسند امام احمد کتب احادیث کے دوسرے طبقہ میں ہیں (۱۲۳)۔

مسند پر کام کرنے والے علما کے نام

۱۔ حافظ ابوبکر محمد بن عبداللہ المحب الصامت (م ۷۷۹ھ) معجم الصحابہ کے لحاظ سے اس کو مرتب کیا جیسے اطراف کی کتب ہوتی ہیں (۱۲۴)۔

۲۔ حافظ اسماعیل بن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے محبّ الصامت کی ترتیب سے مسند کو لکھا اور اس کے ساتھ کتب صحاح ستۃ، مسند البزار، مسند ابی یعلی، معجم الطبرانی الکبیر کا اضافہ کیا اور اسے ترتیب دیا اور اس کا نام "جامع المسانید والسنن" رکھا (۱۲۵)۔

۳۔ محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد المقدسی المعروف ابن زریق (م ۸۰۳ھ) ترتیب المسند (۱۲۶)

۴۔ ابوالحسن علی بن حسین المعروف ابن زکنون (م ۸۳۷ھ) ترتیب المسند (۱۲۷)۔

۵۔ ابوالعباس احمد بن ابی بکر البوصیری (م ۸۴۰ھ)، زوائد المسانید۔ یہ قصیدہ بردہ والے بوصیری نہیں ہیں (۱۲۸)۔

۶۔ ابوالقاسم علی بن حسن، المعروف ابن عساکر (م ۵۷۱ھ)، ترتیب اسماء الصحابہ الذین اخرج حدیثهم احمد بن حنبل فی المسند (۱۲۹)۔

۷۔ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) اطراف المسند۔ اس کے ساتھ انہوں نے دس کتابیں بھی ملائیں (۱۳۰)

۸۔ حافظ شمس الدین محمد بن علی بن حسن بن حمزہ الحسینی (م ۷۶۵ھ)، الاکمال بمن فی مسند احمد من الرجال ممن لیس فی تهذیب الکمال (۱۳۱)۔

۹۔ عمر بن علی بن احمد المعروف ابن ملقن (م ۸۰۴ھ)، اکمال فی تهذیب الکمال فی اسماء الرجال (۱۳۲)۔

۱۰۔ احمد بن عبدالرحمٰن الساعاتی، الفتح الربانی بترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی (۱۳۳)۔

۱۱۔ احمد بن عبدالرحمٰن الساعاتی، بلوغ الامانی من اسرار الفتح الربانی (۱۳۴)۔

۱۲۔ احمد بن محمد شاکر، شرح مسند احمد (مع فہارس وغیرہ) (۱۳۵)۔

۱۳۔ ابو الحسن بن عبدالہادی السندی (م ۱۱۳۹ھ) نزیل مدینہ منورہ نے مسند کی شرح لکھی ہے (۱۳۶)۔

۱۴۔ زین الدین عمر بن احمد شجاع حلبی نے اس کا اختصار بنام "المعتقد من مسند الامام احمد" لکھا (۱۳۷)۔

۱۵۔ ابن حجر عسقلانی، المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمانیہ، (آٹھ مسانید) اس میں انہوں نے نو مسندوں کی مسند احمد اور کتب ستہ اور مسند احمد پر زائد احادیث لکھی ہیں (۱۳۸)۔

۱۶۔ ابن حجر عسقلانی، تعجیل المنفعه بزوائد رجال الائمه الاربعه (۱۳۹)۔

اس کی ابتدا میں لکھا ہے۔"ان هذا السفر العظیم، تعجیل المنفعه ا صله التذکرة فی رجال الکتب العشرة، لا بی المحاسن حافظ شمس الدین محمد بن علی بن حسن بن حمزه الحسینی (۷۱۵-۷۶۵ھ) (۱۴۰)

۱۷۔ نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر الہیثمی (م ۸۰۷ھ)، غایة المقصد فی زوائد المسند (۱۴۱) اس کتاب میں الہیثمی نے ان احادیث کو لکھا ہے جو مسند احمد میں ہیں لیکن صحاح ستہ میں نہیں ہیں۔ گویا مسند احمد میں صحاح ستہ سے زائد ہیں (۱۴۲)۔ اس کتاب کو فقہ کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہے۔ اس میں کل ۴۶ کتب ہیں اور ۵۱۵۳ احادیث ہیں (۱۴۳)۔

۱۸۔ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی (م ۹۱۱ھ) عقود الزبرجد علی مسند الامام احمد (۱۴۴)۔

اس میں مسند احمد کی بعض احادیث پر اعراب لگائے گئے ہیں۔ پہلی حدیث، مسند ابی بن کعب سے ہے: ففضت عرقا، فکانما انظر الی الله فرقا: منصوبان علی التمییز (۱۴۵)۔

۱۹۔ ابو موسیٰ المدینی (م ۵۸۱ھ) کتاب خصائص المسند (۱۴۶)۔ ان کے علاوہ کئی لوگوں نے مسند احمد پر کام کیا۔

المستدرک

تعریف

مستدرک کی جمع مستدرکات ہے۔مستدرک حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں۔"جس میں وہ احادیث جمع ہوں جو کسی مصنف کی شرائط کے مطابق ہوں مگر اس کی کتاب میں موجود نہ ہوں"(۱۴۷)۔

محدثین کے نزدیک استدراک کا مطلب یہ ہے کہ ان احادیث کو یک جا کر دیا جائے جو حدیث کی کسی کتاب کی شرائط کے مطابق ہوں مگر مصنف نے ان کو اپنی کتاب میں شامل نہ کیا ہو۔جس طرح شیخین نے تمام احادیث صحیحہ کو اپنی کتب میں جمع کرنے کا دعویٰ نہیں کیا۔اس لیے ایسی احادیث موجود ہیں جو بخاری و مسلم یا ان میں سے کسی ایک کی شرائط کے مطابق ہوں۔مگر ان کو دونوں کتابوں میں شامل نہیں کیا گیا۔یہی وجہ ہے کہ علماء نے بخاری و مسلم پر مستدرکات لکھنے کا اہتمام کیا ہے۔

کتب مستدرکات

۱۔ مستدرک علی الصحیحین: ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ بن حاکم نیشاپوری (م۴۰۵ھ) حافظ ذہبی (م۷۴۸ھ) نے مستدرک حاکم کا خلاصہ لکھا ہے۔

۲۔ مستدرک علی الصحیحین: حافظ ابوذر عبد بن احمد بن محمد بن عبداللہ ہروی (م۴۳۴ھ)(۱۴۸)۔

تعارف مؤلفین مستدرکات

امام حاکم نیشاپوری

امام حاکم کی کنیت ابوعبداللہ اور نام محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ بن نعیم ہے(۱۴۹)۔ابن البیع اور حاکم نیشاپوری کے نام سے مشہور ہیں(۱۵۰)۔نیشاپور(۱۵۱) کے رہنے والے بڑے حافظ حدیث اور بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں(۱۵۲)۔بروز سوموار ۱۳ ربیع الاول ۳۲۱ھ کو نیشاپور میں پیدا ہوئے(۱۵۳) لیکن ضبی اور طہمانی کی نسبتوں سے ان کا عربی قبائل سے خاندانی تعلق ظاہر ہوتا ہے۔

والد اور ماموں کی زیر نگرانی بچپن میں ہی پڑھنا شروع کر دیا(۱۵۴)۔ بیس سال کی عمر میں

عراق کا سفر اختیار کیا اور فریضہ حج ادا کیا۔ حج کرنے کے بعد خراسان اور ماوراء النہر کے علاقہ کے مختلف شہروں میں تقریباً دو ہزار سے زیادہ شیوخ سے کسب فیض کیا(۱۵۵)۔لیکن حافظ خلیل بن عبداللہ کے مطابق امام حاکم نے دو سفر کیے، ایک تحصیل علم کے لیے عراق کی طرف اور دوسرا حج کیلئے مکہ معظمہ کی طرف(۱۵۶)۔اس کی تائید ابن خلکان نے بھی کی ہے۔لکھتے ہیں:"وله الى الحجاز والعراق رحلتان، وكانت الرحلة الثانيه سنة ستين وثلث مائة" (۱۵۷)(امام حاکم نے عراق اور حجاز کی طرف دو سفر کیے۔دوسرا سفر ۳۶۰ھ میں کیا تھا)۔

آپ کی تصانیف ۵۰۰ اجزاء پر مشتمل ہیں(۱۵۸)۔ابن خلکان کے مطابق یہ تعداد ۱۵۰۰ اجزاء تک ہے(۱۵۹)۔ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ المدخل الی الصحیحین
۲۔ العلل
۳۔ الامالی
۴۔ فوائد الشیوخ
۵۔ امالی العشیات
۶۔ تراجم الشیوخ
۷۔ تاریخ نیساپور
۸۔ فضائل امام الشافعی
۹۔ مستدرک علی الصحیحین
۱۰۔ ماتفرد بہ کل من الامامین
۱۱۔ معرفۃ علوم الحدیث(۱۶۰)۔

امام ابوعبداللہ کا قول ہے کہ میں نے زم زم کا پانی پی کر خدا سے حسن تصنیف کی دعا کی تھی(۱۶۱)۔بعض علما نے امام حاکم پر اعتراض بھی کیے ہیں عام طور پر وہ درست نہیں ہیں۔ابن طاہر کہتے ہیں کہ میں نے ابواسماعیل انصاری سے حاکم کے متعلق پوچھا تو کہنے لگا"حدیث میں ثقہ اور قابل اعتماد ہیں لیکن رافضی ہیں"۔ابن طاہر کہتے ہیں"باطن میں متعصب شیعہ ہیں اور ظاہر میں شیخین کی فضیلت اور ان کی خلافت کے برحق ہونے میں اہل سنت کے ہمنوا ہیں۔حضرت معاویہ اور ان کے اخلاف سے سخت منحرف ہیں۔اس کا برملا اظہار کرتے تھے اور اس سلسلہ میں معذرت کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے"(۱۶۲)۔

امام ذہبی ان کے مؤقف کی تردید کرتے ہیں اور لکھتے ہیں"میں کہتا ہوں حضرت علیؓ کے مخالفین سے ان کا انحراف صحیح اور درست ہے۔شیخین کی ہر حالت میں تعظیم وتکریم کرتے تھے مائل بہ تشیع

ضرور ہیں مگر رافضی ہرگز نہیں ہیں" (۱۶۳)۔ امام حاکم صفر ۴۰۵ھ میں وفات پا گئے۔ قاضی ابو بکر حیری نے نماز جنازہ پڑھائی (۱۶۴)۔

المستدرك على الصحيحين

امام حاکم نے "المستدرك على الصحيحين" کے شروع میں اس کی جمع وتالیف کا سبب، غرض وغایت اور ان حالات کا ذکر کیا ہے جو اس کی ترتیب وتالیف کے باعث ہوئے تھے۔ آپ لکھتے ہیں: "ائمہ حدیث میں امام محمد بن اسماعیل البخاری اور امام مسلم بن حجاج القشیری نے صحیح حدیثوں کے دو نہایت عمدہ اور بیش قیمت مجموعے مرتب کیے ہیں۔ ان دونوں کتابوں کی پوری دنیا میں شہرت ہے لیکن دونوں بزرگوں میں سے کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ان کی جمع کردہ روایات کے علاوہ اور کوئی بھی روایت صحیح نہیں ہے۔ مگر ہمارے عہد کے بعض مبتدعین اور اہل اہواء جو محدثین پر سب وشتم کرنے میں بہت جری واقع ہوئے ہیں یہ کہتے ہیں کہ صحیح روایات کی تعداد دس ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ مجموعہ اسانید جو ایک ہزار یا اس سے کچھ کم وبیش اجزاء پر مشتمل ہے سب کے سب سقیم اور غیر صحیح ہیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر اس شہر کے کچھ اعیان ومشاہیر اہل علم نے مجھ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں ایک ایسی کتاب مدوّن کروں جو ان حدیثوں پر مشتمل ہو جن کی اسانید اسی طرح کی ہوں جس طرح کی اسانید کو محمد بن اسماعیل (البخاری) اور مسلم بن الحجاج نے صحیح اور قابل استدلال قرار دیا ہو۔ اس لیے کہ جو حدیث علت قادحہ سے خالی ہو اس کو صحیح سے خارج کرنے کے کوئی معنی نہیں" (۱۶۵)۔

مستدرک کی اہمیت

مستدرک کا شمار حدیث کے مشہور اور اہم مصادر میں ہوتا ہے اور بعض حیثیتوں سے اس کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے کتب حدیث کے تیسرے طبقہ میں اس کو شمار کیا ہے۔ اس طبقہ میں سنن دارمی، سنن دارقطنی، مسند ابی داؤد طیالسی اور مصنف ابن ابی شیبہ جیسی اہم اور بلند پایہ کتابیں ہیں۔ بعض محدثین نے اس کا رتبہ صحیح ابن حبان کے قریب قریب بتایا ہے اور اس کا نام صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان کے ساتھ لیا ہے۔ حافظ ابن الصلاح اور امام نووی نے صحاح کے بعد حدیث کے جن مصادر کو زیادہ اہم، قابل اعتماد اور مفید قرار دیا ہے۔ ان میں سنن دارقطنی کے بعد مستدرک امام حاکم

کا نام لیا ہے۔

مستدرک حاکم کی روایات کی نوعیت

امام حاکم کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مستدرک میں مندرجہ ذیل نوعیت کی روایات آئی ہیں:

۱۔ وہ روایات جو شیخین کے معیار و شرائط کے مطابق ہیں لیکن انہوں نے اپنی کتابوں میں انہیں درج نہیں کیا۔

۲۔ وہ روایات جو شیخین میں سے کسی ایک کی شرائط کے مطابق تھیں لیکن درج ہونے سے رہ گئیں۔

۳۔ وہ روایات جو شیخین میں سے کسی ایک کی شرائط کے مطابق نہیں تھیں لیکن امام حاکم کی تحقیق کے مطابق ان میں علت اور سقم نہیں تھا (۱۶۶)۔

۴۔ امام حاکم کے بیان کے مطابق بعض ایسی روایات بھی مستدرک میں آئی ہیں جن پر کلام کیا گیا ہے اور وہ آپ کے معیار اور شرائط کے مطابق بھی نہیں ہیں لیکن آپ نے ان کو شواہد و متابعات کی حیثیت سے نقل کیا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ کی وفات پر خضر علیہ السلام کی تعزیت کی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "هذا شاهد لما تقدم وان كان عباد بن عبدالصمد ليس من شروط هذا الكتاب" (۱۶۷) (یہ حدیث ماقبل حدیث کی شاہد ہے اگرچہ عباد بن عبدالصمد اس کتاب کے شروط پر نہیں ہیں)۔

امام حاکم نے مستدرک میں کہیں کہیں ایک مقدمہ کا حوالہ دیا ہے۔ جس میں آپ نے ان اصول و مبادی اور خصوصیات و شرائط کا مفصل ذکر کیا تھا جن کو مستدرک کی تالیف و ترتیب میں مدنظر رکھا تھا لیکن یہ مقدمہ مستدرک کے مطبوعہ نسخے میں شامل نہیں ہے۔ یا تو وہ محفوظ نہیں رہا یا حاکم اسے پوری طرح مرتب نہیں کر سکے۔ اگر یہ مقدمہ موجود ہوتا تو اس سے مستدرک کے اصول و شرائط اور اس کی روایات کی نوعیت اور خصوصیات معلوم کرنے میں بڑی آسانی ہوتی تاہم جہاں آپ نے اس کے حوالے دیئے ہیں ان سے بھی مستدرک کی روایات کی نوعیت و خصوصیت کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔ اس لیے ذیل

میں مستدرک کی روایات کی بعض نوعیتیں ان حوالوں کی مدد سے قلمبند کی جاتی ہیں:

۱۔ معروف تابعی کی روایت کو مستدرک میں لیا جائے گا اور اس کو صحیح کا درجہ دیا جائے گا۔ خواہ اس نے ایک ہی صحابی سے روایت کی ہو۔

۲۔ ثقہ رواۃ کے تفرد اور اضافات کی تخریج بھی کی جائے گی بشرطیکہ وہ مؤلف کی تحقیق کے مطابق علت سے خالی ہوں۔

۳۔ حلال و حرام کے متعلق روایات میں زیادہ احتیاط برتی جائے گی۔ فضائل اعمال کے سلسلہ کی حدیثوں میں زیادہ سختی سے کام نہ لیا جائے گا (۱۶۸)۔

مستدرک کی خصوصیات

۱۔ امام حاکم نے اس کی ترتیب، ابواب کی تبویب اور روایات کے نقل و انتخاب میں حسن و موزونیت کے علاوہ بعض مقامات میں جدت و اختراع سے کام لیا ہے۔ اس سے آپ کی محنت اور جانفشانی کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ اس ضمن میں آپ لکھتے ہیں: ''جہاں تک تلاش و اجتہاد میں میری رسائی ہے میں نے خلفائے اربعہ کے فضائل سے متعلق وہ تمام حدیثیں جمع کر دی ہیں جو صحیح اسناد سے مروی ہیں اور جن کو شیخین نے ترک کر دیا ہے۔ پھر میں نے اس کتاب کے نظم و ترتیب کے لحاظ سے یہ مناسب سمجھا کہ ان بزرگوں کے مناقب کے بعد دیگر صحابہ کرام کے فضائل، وفیات کی ترتیب کے مطابق جمع کروں'' (۱۶۹)۔

۲۔ عام محدثین کے برعکس امام حاکم نے کتاب الفتن والملاحم کے بعد کتاب الاھوال کا بھی ایک علیحدہ باب امام ابن خزیمہ کے طرز پر قائم کیا ہے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں: ''قد رویت ما انتهى اليه علمي من فتن آخر الزمان على لسان المصطفى ﷺ بالاسانيد اللائقة بهذا الكتاب: فاما الشيخانؒ فانهما ذكر أهوال القيامة والحشر مدرجا في الفتن وجريت انا في ذلك على اختيار الإمام أبي بكر محمد بن إسحاق بن خزيمة في أفراد ذلك عن الفتن النائبة والله الموفق لما اخترته'' (۱۷۰) (میرے علم کے مطابق آخری زمانہ کے فتن کے متعلق آپ ﷺ سے جو کچھ مروی تھا وہ سب میں نے اس کے اندر

بہترا سانید کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ شیخین نے احوال قیامت اور حشر نشر کی روایات کتاب الفتن ہی میں شامل کر دی ہیں۔ میں نے اس سلسلہ میں ابوبکر بن محمد بن اسحاق بن خزیمہ کے انداز میں اس کو باب الفتن سے علیحدہ ذکر کیا ہے)۔

۳۔ امام بخاری اور دیگر محدثین نے کتاب البیوع میں متعدد مباحث ذکر کیے ہیں مثلاً کتاب السلم، شفعہ اور اجارہ وغیرہ لیکن امام حاکم نے کتاب البیوع کے جامع عنوان ہی میں تمام ابواب کو بھی جمع کر دیا ہے۔ اس بارے میں لکھتے ہیں: ''میں نے کتاب البیوع کے ضمن میں ان کتب کو بھی درج کر دیا ہے جن کیلئے امام بخاری نے کتاب البیوع کے آخر میں مستقل عنوانات قائم کیے ہیں۔ یہ وضاحت اس لیے کر دی گئی ہے تاکہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ میں نے کتاب البیوع کو ان ابواب سے خالی رکھا ہے'' (۱۷۱)۔

۴۔ فضائل صحابہ میں صرف صحابہ کے مناقب و فضائل ہی بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ ان کے مختصر حالات بھی تحریر کیے ہیں۔

عمار بن یاسر کے بارے میں ابن عون کے حوالے سے لکھتے ہیں افبل عمار وهو ابن احدى وتسعين سنة وكان اقدم فى البلاد من رسول اللهﷺ وكان اقبل اليه ثلاثة نفر عقبة بن عامر الجهنى وعمر بن الحارث الخولانى وشريك بن سلمة، فانتهوا اليه جميعا وهو يقول لو ضربتمونا حتى تبلغوا بنا سعفات هجر لعلمنا انا على الحق وانتم على الباطل. فحملوا عليه جميعا فقتلوه وزعم بعض الناس ان عقبة بن عامر الذى قتله ويقال بل قتله عمرو بن الحارث الخولانى قال ابن عمر، والذى اجمع عليه فى عمار انه قتل مع علىؓ بن ابى طالب بصفين فى صفر سنه سبع وثلاثين وهو ابن ثلاث وتسعين سنه ودفن هناك بصفين(۱۷۲)۔

مستدرک میں فقہی مسائل سے کم تعرض کیا گیا ہے تاہم ان کے ذکر سے یکسر خالی بھی نہیں ہے اور امام حاکم نے بعض فقہی اختلافات میں راجح اور اولیٰ کی نشاندہی بھی کی ہے جس سے آپ کی اجتہادی بصیرت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

۵۔ مستدرک کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں بعض روایات کے مراجع و مصادر کی

نشاندہی بھی کی گئی ہے۔اس سلسلہ میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، مؤطا امام مالک اور صحیح ابن خزیمہ کے نام لیے ہیں۔لیکن بعض کتب مسانید اور وحدان کا نام لیے بغیر بھی ان کی روایات اخذ کی ہیں۔

۶۔ بعض ابواب اور مضامین کی روایات کو جمع کرنے میں بڑا اہتمام کیا ہے اور بعض حدیثوں کے اسناد و طرق کو جمع کرنے میں بڑے استقصا سے کام لیا ہے۔اس لیے مستدرک میں بکثرت ایسی روایات آئی ہیں جن سے دوسرے مصادر حدیث خالی ہیں۔

۷۔ روایات کی تصحیح و تبویب، ان کے قوی و عزیز، ضعیف و شاذ اور غریب ہونے کی نشان دہی، وقف و ارسال، رفع و اتصال اور علو اسناد کی تصریح، حفظ و ضبط اور اتقان کے لحاظ سے اس کے اولیٰ و احسن ہونے کے شک و وہم، اس کے تفرد، مخالفت، عدم متابعت اور سماع ولقاء کی توضیح اور بعض روایات کے بارے میں یہ بھی بتایا ہے کہ اس کو کس جگہ، کس وقت اور کس ماہ و سال میں انہوں نے روایت کیا ہے۔اسی طرح روایات کے شواہد و متابعات، فنی مباحث کے متعلق علمائے جرح و تعدیل کے اقوال، روایات و رواۃ کی صحت و قوت یا ضعف و جرح کو واضح کر کے اس کے دلائل بھی بیان کیے ہیں اور حدیث کے مفہوم وغیرہ کے سلسلے میں بھی مختلف النوع وضاحتیں کی ہیں۔

۸۔ مستدرک کی خصوصیات میں سے ایک اس کا طرز استدلال بھی ہے لیکن اکثر دلائل خالص فنی نوعیت کے ہیں۔

۹۔ امام حاکم کے اصول و شرائط اور بحث و استدلال سے مستدرک کی تالیف میں آپ کی احتیاط کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔آپ نے وہی احادیث و روایات درج کرنے کی کوشش کی ہے جو آپ کے اصول و معیار کے مطابق غیر معلل اور ضعف و سقم سے خالی ہیں۔اس لیے حدیث نقل کرنے کے بعد عموماً آپ نے اس کی صراحت بھی کر دی ہے کہ وہ قدح و علت اور سقم و عیب سے پاک ہے لیکن حاکم کا عام رجحان یہ ہے کہ کوئی صحیح اور غیر معلل حدیث چھوٹنے نہ پائے۔اس لیے احتیاط کے باوجود بھی مستدرک میں تساہل اور مداہنت کو راہ مل گئی ہے (۱۷۳)۔

روایات کے متعلق وضاحت

امام حاکم نے احادیث کے بارے میں مختلف النوع وضاحتیں کی ہیں۔ان سے احادیث کے متعلق مفید معلومات فراہم ہوتی ہیں۔یہ وضاحتیں مختلف طرح کی ہیں:

۱۔ کسی حدیث کے مشہور ومتداول ہونے یا کسی خاص مقام میں مروج ہونے کا ذکر۔

۲۔ بعض حدیثوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ کسی خاص مسئلہ میں اساس و بنیاد اور حجت و دلیل ہیں۔

۳۔ بعض روایات کے کسی باب میں نقل کرنے کی غرض وغایت بیان کی گئی ہے۔

۴۔ بعض روایات کی اپنے عہد کے حالات کے لحاظ سے خاص اہمیت وضرورت واضح کی ہے۔ مثلاً احتکار کے سلسلہ میں لکھتے ہیں: عسرت اور تنگی کے موقع پر مسلمانوں کا مواسات سے احتراز پر زجر و توبیخ کے بارے میں جو اخبار و آثار وارد ہیں ان کا بیان کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ اس وقت مسلمان انہی حالات سے دوچار ہیں۔اس کے بعد لکھتے ہیں: ''یہ چھ روایات نہایت تلاش وجستجو کے بعد یہاں نقل کی گئی ہیں گو یہ ہماری اس کتاب کی شرط کے موافق نہیں تاہم چونکہ لوگ اس ضیق (تنگی) میں مبتلا ہیں. اس لیے یہاں ہم نے ان کو نقل کر دیا ہے''(۱۷۴)۔

۵۔ امام حاکم نے کہیں کہیں ابواب کے شروع یا درمیان میں نوٹ لکھے ہیں جو بڑی اہمیت کے حامل ہیں مثلاً: فضائل کے ابواب کے تحت لکھتے ہیں: ''ہم نے صحابہ کرام کے ذکر میں پہلے ان کے نسب و وفات کا ذکر کیا ہے پھر ان کے مناقب میں وہ روایات درج کی ہیں جو شیخین کی شرائط کے مطابق ہیں لیکن انہوں نے انہیں روایت نہیں کیا۔ہم کو اعتراف ہے کہ ہم اس باب میں محمد بن عمر الواقدی اور ان جیسے رواۃ کی روایات سے صرف نظر نہیں کر سکے ہیں (۱۷۵)۔

۶۔ اصحاب صفہ کے بیان میں امام حاکم نے ان کے متعلق روایات کی مدد سے ان کے ناموں کی مفصل فہرست دی ہے۔ان کے طبقات وغیرہ کا ذکر کیا ہے اور ان کے اشغال، معمولات اور امتیازی خصوصیات کے سلسلہ میں ان سے اصحابِ تصوف کے پہلو کو خاص طور پر نمایاں کیا ہے(۱۷۶)۔

مستدرک کی تلخیصات

جن علماء نے مستدرک پر کام کیا ہے ان میں حافظ ذہبی (م ۷۴۸ھ) کا نام زیادہ مشہور ہے۔

حافظ ذہبی نے مستدرک کی تلخیص لکھی جو بہت مشہور ہے اور اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ خود ان کی اور بعض دیگر علماء کی رائے میں اس (تلخیص) کو دیکھے بغیر مستدرک کی صحت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں حافظ ذہبی نے طویل احادیث اور اسناد کا اختصار ہی نہیں کیا بلکہ جا بجا حاکم پر نقد و تعقب کر کے احادیث کی تصحیح میں ان کے تساہل، روایات میں ضعف و نکارت اور رواۃ میں جرح و سقم کو بھی واضح کیا ہے۔

حافظ ذہبی نے اپنی تلخیص میں بعض مواقع پر حاکم کی توثیق و تائید اور بعض مواقع پر سکوت اختیار کیا ہے یہ حاکم کی رائے سے اتفاق ہی ہے۔ رہا ان کا نقد و تعقب تو اس کی مختلف نوعیتیں ہیں:

۱۔ حاکم نے کسی حدیث کو شیخین یا ان میں سے کسی ایک کی شرائط کے مطابق بتایا ہے اور حافظ ذہبی نے اس کی تردید کی۔

۲۔ حاکم نے کسی حدیث کو شیخین کی شرائط کے مطابق قرار دیا لیکن حافظ ذہبی کی تحقیق میں وہ صرف ایک ہی کی شرائط کے مطابق ہے۔

۳۔ حاکم نے احادیث کی صحت اور رجال اسناد کی قوت کا ذکر کیا ہے اور حافظ ذہبی نے ان کا ضعف، جرح و تعدیل اور سقم ثابت کیا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ حافظ ذہبی نے بڑی دقت نظر سے مستدرک کی تلخیص کی تھی اور ان کے تعقب کا زیادہ حصہ صحیح ہے لیکن کہیں کہیں اس میں فروگزاشتیں بھی ہیں۔ مثلاً کسوف کے بیان میں ایک حدیث نقل کرنے کے بعد حاکم نے صرف اس قدر لکھا ہے: لم یخرجاه یعنی شیخین نے اس روایت کی تخریج نہیں کی ہے۔ حافظ ذہبی نے اس پر تنقید کی ہے: "واسناده حسن وما هو علی شرط واحد منهما (۱۷۷) (اس کی اسناد حسن ہیں لیکن یہ شیخین میں سے کسی کی شرط کے مطابق نہیں)۔ حالانکہ حاکم نے یہاں سرے سے حدیث کے شیخین کی شرط کے مطابق نہ ہونے کا ذکر ہی نہیں کیا۔ بلکہ صرف یہ لکھا ہے کہ شیخین نے اس روایت کی تخریج نہیں کی ہے (۱۷۸)۔

مستدرک اور امام حاکم پر بعض اعتراضات کا اجمالی جائزہ

امام حاکم اور ان کی مستدرک پر چند اعتراضات میں سے بعض تو غلط ہیں اور بعض غلط نہیں۔ اس لیے ان کا اجمالی جائزہ لینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ امام حاکم اور ان کی مستدرک پر سب سے مشہور الزام تساہل کا ہے۔ اس سلسلہ میں چند اور ضمنی الزامات بھی عائد کیے گئے ہیں لیکن ان کا اصل تعلق بھی تساہل ہی سے ہے۔

مستدرک اور صحیحین

مستدرک کی تالیف کا مقصد صحیحین کی ان متروک روایات کو جمع کرنا ہے جو امام حاکم کے خیال میں ان شرائط و معیار کے مطابق صحیح ہونے کے باوجود ان میں شامل نہیں کی گئیں۔ اس سلسلہ میں بحث طلب امر یہ ہے کہ امام حاکم نے جن روایات کے شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہونے کا دعوی کیا ہے وہ واقعتہً صحیح ہیں یا نہیں۔ حافظ ابوسعید مالینی کا بیان ہے ''طالعت كتاب المستدرك على الشيخين الذى صنفه الحاكم من اوله الى آخره، فلم أر فيه حديثا على شرطهما ''(۱۷۹) (میں نے مستدرک کا مطالعہ کیا تو مجھ کو اس کی ایک حدیث بھی شیخین کی شرائط کے مطابق نہیں ملی)۔

حافظ ابراہیم بن محمد ارموی کہتے ہیں: ''ابوعبداللہ حاکم نے مستدرک میں بہت سی ایسی روایات جمع کی ہیں جن کے بارے میں گو ان کا خیال ہے کہ وہ شیخین کی طرح صحیح ہیں۔ لیکن علمائے کبار نے اس سلسلہ میں حاکم کو غلط ٹھہرایا ہے اور ان پر سخت نکیر کی ہے(۱۸۰)۔

حافظ ابوسعید مالینی کی رائے کو عام طور پر حقیقت سے بعید اور زیادتی پر محمول کیا گیا ہے۔ حافظ ذہبی نے اس کی نہایت پرزور تردید کی۔ حافظ ذہبی کی تردید اس لیے زیادہ معتبر اور قابل لحاظ ہے کہ انہوں نے مستدرک کا دقت نظر سے مطالعہ کیا ہے اور اس کی تلخیص لکھی ہے۔ آپ لکھتے ہیں: ''هذه مكابرة وغلو وليست رتبة أبى سعيد أن يحكم بهذا، بل فى "المستدرك" شىء كثير على شرطهما، وشىء كثير على شرط أحدهما، ولعل مجموع ذلك ثلث الكتاب بل أقل، فإنّ فى كثير من ذلك أحاديث فى الظاهر على شرط أحدهما أو كليهما، وفى الباطن لها علل خفية مؤثّرة، وقطعة من الكتاب إسنادها صالح

وحسن وجيد، وذلك نحو رُبعه، وباقي الكتاب مناكير وعجائب ، وفي غضون ذلك احاديث نحو المئة يشهد القلب ببطلانها، كنت قد أفردت منها جزءًا وحديث الطير بالنسبة إليها سماء، وبكل حال فهوكتاب مفيد قد اختصرته (۱۸۱)

[(مستدرک کے متعلق حافظ ابوسعید مالینی کی) یہ رائے سراسر زیادتی اور صریح ناانصافی پر مبنی ہے اور ابو سعید کا یہ مقام نہیں کہ وہ اس پر حکم لگائے۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ مستدرک کا بہت سا حصہ ایسی روایات پر مشتمل ہے جو شیخین کی شرائط کے مطابق ہے اور بہت سا حصہ ان دونوں میں سے کسی ایک کی شرائط کے مطابق ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ کتاب کا ایک تہائی یا اس سے کم حصہ ہو۔ بلاشبہ ان میں سے بہت سی احادیث ظاہری طور پر ان دونوں میں سے کسی ایک کی شرط کے مطابق ہیں یا دونوں کی شرائط کے مطابق لیکن باطنی طور پر ان میں مؤثر مخفی علل ہیں اور کتاب کے ایک حصہ کی اسناد صالح، حسن اور جید ہیں اور ایک چوتھائی اسی قسم کا ہے۔ باقی کتاب منکر اور موضوع (عجائب) روایات پر مشتمل ہے۔ اسی طرح سَو کے قریب ایسی احادیث ہیں جن کے باطل ہونے کی دل گواہی دیتا ہے۔ میں نے اس میں سے ایک حصہ کو الگ کر دیا۔ ان کی نسبت "حدیث الطیر" آسمان ہے۔ بہرحال وہ مفید کتاب ہے اور میں نے اس کا اختصار کیا ہے]۔

امام ذہبی کی اس عبارت پر شعیب الارنووط اور محمد نعیم عرقوسی نے حاشیہ لکھا ہے: "اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ذہبی نے مختصر میں پوری طرح اہتمام سے کام نہیں لیا۔ حدیثوں پر باریک بینی سے غور نہ کیا۔ اس لیے امام حاکم کی غیر صحیح احادیث پر انہوں نے کلام نہیں کیا یا بعض اوقات بیان کیا کہ شیخین کی شرائط کے مطابق ہیں یا دونوں میں سے ایک کی شرط کے مطابق ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ امام حاکم کی اسانید پر غور و فکر سے معلوم ہوتا ہے" (۱۸۲)۔

ضعیف اور موضوع روایات

دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ مستدرک میں ضعیف اور موضوع روایات پائی جاتی ہیں۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں: "اس میں شک نہیں کہ مستدرک میں ایسی حدیثیں بھی ہیں جو شرائط صحت کے خلاف ہیں بلکہ موضوع حدیثیں بھی ہیں جو اس کے شایانِ شان نہیں" (۱۸۳)۔

مستدرک میں ضعیف و منکر بلکہ موضوع روایات کا بھی یقینی طور پر پایا جانا ثابت ہے۔ حافظ ابن الجوزی نے مستدرک کی ساٹھ حدیثوں کو موضوع قرار دیا ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر کو محدثین نے تسلیم نہیں کیا ہے۔ رہیں ضعیف روایات تو وہ موضوعات کے ساتھ شامل ہو کر چوتھے حصہ کے برابر ہوں گی۔ ضعیف احادیث سے (بخاری و مسلم کے علاوہ) کوئی کتاب بھی خالی نہیں ہے لیکن مستدرک میں ان کی تعداد اس لیے زائد معلوم ہوتی ہے کہ وہ خود ضخیم کتاب ہے اور اس کی ضخامت کے اعتبار سے یہ تعداد زیادہ نہیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ؒ نے مستدرک کا شمار حدیث کے تیسرے طبقہ کی کتب میں کیا ہے۔ اس طبقہ کے متعلق ان کا اور ان کے والد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا بیان ہے: "اگرچہ ان کتابوں کے مؤلفین علوم حدیث میں ماہر، ثقہ اور ضبط و عدالت کی صفات سے متصف تھے۔ لیکن ان میں صحیح، حسن اور ضعیف ہر قسم کی حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ بلکہ ان کی بعض حدیثیں موضوع بھی ہیں گو ان کے اکثر رواۃ عدالت کی صفت سے متصف ہیں تاہم بعض مستور اور مجہول الحال ہیں (۱۸۴)۔

مستدرک کی احادیث پر اعتراضات

المستدرک کی بعض احادیث پر اعتراض کیا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کچھ موضوع اور ضعیف روایات بھی آ گئی ہیں جیسا کہ امام ذہبی نے مستدرک کے متعلق ابو سعید مالینی کے موقف کے جواب میں لکھا ہے۔ ان احادیث کی بنا پر امام حاکم کو رافضی قرار دینا یا مستدرک پر تنقید کرنا درست نہیں ہے۔

۱۔ المستدرک کی "حدیث الطیر" پر سب سے زیادہ اعتراض کیا گیا ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک بھونا ہوا پرندہ ہدیہ ملا۔ تو آپؐ نے فرمایا "اے اللہ تیرا سب سے زیادہ محبوب بندہ آئے جو میرے ساتھ اس پرندہ کو کھائے"۔ حضرت انس نے دعا کی "کوئی انصاری بندہ ہو"۔ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں میں نے دروازہ کھولا تو حضرت علیؓ تھے۔ تو میں نے انہیں یہ کہہ کر ٹال دیا کہ رسول اللہ مصروف ہیں۔ دوسری مرتبہ رسول اللہ نے اسی طرح دعا کی۔ دروازہ پر دستک ہوئی تو میں نے دروازہ کھولا تو پھر حضرت علیؓ تھے۔

انہیں پہلے کی طرح کہا کہ رسول اللہ مصروف ہیں۔اس طرح تیسری اور چوتھی مرتبہ دعا کی۔حضرت علیؓ ہی آتے رہے۔چوتھی مرتبہ حضرت علیؓ نے مجھے دھکا دے کر اندر داخل ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے علی ایسا کیوں کیا؟ تو حضرت علیؓ نے فرمایا یہ تیسری یا چوتھی مرتبہ تھا۔انس مجھے لوٹاتے رہے تو رسول اللہؐ نے حضرت انس سے پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا؟۔تو حضرت انسؓ نے جواب دیا اے اللہ کے رسولؐ! آپ کی دعا کے لیے میں نے بھی دعا کی تھی اور امید بھی رکھی کہ اس دعا کے مستحق انصاری شخص ٹھہرے۔تو نبی ﷺ نے حضرت انسؓ کو حضرت علیؓ سے معذرت کرنے کا حکم دیا(۱۸۵)۔

اس حدیث کے متعلق امام ذہبی نے لکھا ہے"ابن عیاض لا أعرفه، ولقد كنت زمانا طويلا اظن ان حديث الطير لم يجسر الحاكم ان يودعه فی مستدركه فلما علقت هذا الكتاب رأيت الهول من الموضوعات التی فيه فاذا حديث الطير بالنسبة إليها سماء قال وقد رواه عن انس جماعة اكثر من ثلاثين نفسا، ثم صحت الرواية عن علی وأبی سعيد وسفينة "(۱۸۶)[ابن عیاض(راوی)کو میں نہیں جانتا ہوں۔میں عرصے سے حدیث الطیر کے بارے سوچ رہا تھا کہ امام حاکم نے مستدرک میں کیوں نقل کیا ہے جب میں نے اس کتاب پر حاشیہ لکھا اور اس کتاب کی تمام موضوع حدیثوں کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ ان احادیث کی بہ نسبت، حدیث الطیر کا درجہ بلند ہے۔اس حدیث کو حضرت انسؓ سے تیس سے زیادہ لوگوں نے روایت کیا ہے پھر یہ روایت حضرت علی، ابوسعید اور سفینہ سے صحیح مروی ہے]۔ابن جریر نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور ان کی حدیث الطیر پر مستقل کتاب ہے(۱۸۷)۔

۲۔ اس حدیث پر اعتراض ہے: انا الشجرة، وفاطمة فرعها، وعلی لقاحها، والحسن والحسين ثمرتها وشيعتنا ورقها، واصل الشجرة فی جنة عدن، وسائر ذلك فی سائر الجنة(۱۸۸)۔

اس حدیث کی وضاحت امام حاکم نے"هذا متن شاذ "کہہ کر کی ہے۔امام ذہبی لکھتے ہیں یہ بات امام حاکم کے سوا کسی نے بیان نہیں کی ہے۔اس میں میناء تابعی ہے وہ ساقط ہے۔امام ابو حاتم نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے۔ابن معین نے غیر ثقہ قرار دیا ہے۔لیکن میرا گمان ہے کہ یہ اسحاق دبری

پر موضوع ہے کیونکہ حیوۃ متھم بالکذب ہے اور مؤلف سے مخاطب ہو کر کہتا ہے افما استحییت ایھا المؤلف أن تورد ھذہ الأخلوقات من أقوال الطرقیۃ فیما یستدرك علی الشیخین (۱۸۹)۔ اس حدیث میں امام حاکم نے مینا٫ بن ابی میناء کو صحابی قرار دیا ہے لیکن یہ تابعی ہے اور ساقط ہے محدثین اس سے حدیث نہیں لیتے تھے۔

۳۔ امام حاکم اور مستدرک پر حضرت علیؓ کے فضائل میں حدیث ''من کنت مولا فعلی مولا'' کی بنا پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے اور اسے شیعہ قرار دیتے ہیں۔ یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کیونکہ انہوں نے مستدرک میں حضرت علی کے فضائل سے زیادہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے فضائل بیان کیے ہیں (۱۹۰)۔

۴۔ ایک یہ اعتراض اس حدیث پر ہے ''انا مدینۃ العلم وعلی بابھا فمن اراد المدینۃ فلیأت الباب ''۔ اس حدیث میں ابو الصلت راوی ہے جس کو امام حاکم نے ثقہ مامون کہا ہے (۱۹۱)۔ امام ذہبی نے اس کی تردید کی ہے اور اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے اور ابو الصلت کے بارے میں قسم کھاتے ہیں کہ نہ وہ ثقہ تھے نہ مامون (۱۹۲)۔

مستدرک میں ضعیف اور موضوع روایات درج ہونے کا اسباب

اس کے دو اسباب ہیں:

۱۔ ضعیف اور موضوع روایات درج ہونے کا ایک سبب امام حاکم کا بڑھاپا۔

امام سخاوی لکھتے ہیں: کہا جاتا ہے ''ان السبب فی ادخال الحاکم الموضوعات والضعیفات فی المستدرك أنہ صنفہ فی أواخر عمرہ، وقد حصلت لہ غفلۃ وتغیر، أو أنہ لم یتیسر لہ تحریرہ وتنقیحہ، ویدل علی ذلك أن تساھلہ فی قدر الخمس الاول منہ قلیل جدا بالنسبۃ لباقیہ ''(۱۹۳) (امام حاکم کی مستدرک میں موضوع اور ضعیف احادیث داخل ہونے کا سبب ان کا بڑھاپا ہے۔ آخری عمر میں وہ کمزور ہوئے، سستی اور حافظہ بھی بدل گیا۔ یا اسے اپنی تحریر اور تنقیح میسر نہیں ہوئی۔ اس بات کی دلالت پہلے پانچ حصوں پر کرتے ہیں اس میں باقی حصے کی نسبت ضعیف و موضوع بہت کم ہے)۔

۲۔ دوسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ امام حافظ ابن حجر کے مطابق حاکم نے مستدرک کا مسودہ

تیار کیا تھا۔ جب کوئی شخص مسودہ تیار کرتا ہے تو اس میں غلطی رہ جاتی ہے۔ اس کے بعد مسودہ کی دوبارہ کانٹ چھانٹ کی جاتی ہے۔ اس کے بعد ہی کتاب درست ہو سکتی ہے۔ اس کتاب کے مصنف (حاکم) کو مسودہ کی تصحیح کرنے موقع نہیں ملا (۱۹۴)۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امام حاکم نے مسودہ کے چوتھائی حصہ کی تصحیح کی تھی۔ اس کے بعد موت آئی (۱۹۵)۔

امام حاکم کی دوسرے مؤلفات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ واقعی ایسا ہی ہے۔ مثلاً تاریخ نیشاپور میں سہل بن عمار العتکی کے بارے میں "انہ کذاب یضع الحدیث" لکھا ہے۔ اس کے باوجود مستدرک میں اس سے حدیث نقل کی ہے اور اس کو شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے (۱۹۶)۔

المستخرج

تعریف

المستخرج ،خرج یخرج سے نکلا ہے۔اس کے معنی نکلنا کے ہیں۔مستخرج اس کتاب کو کہتے ہیں۔جس میں کوئی مصنف کسی اور کتاب کی احادیث اپنی سند کے ساتھ روایت کرے اور پہلے کتاب کے مصنف کے شیخ یا اس سے بھی اوپر کسی اور راوی کے ساتھ سند مل جائے۔

مستخرج کی جمع مستخرجات ہے۔حافظ عراقی کے قول کے مطابق ''مستخرج'' کا مطلب مصنف کسی کتاب مثلاً بخاری شریف کی احادیث کو کتاب کے مؤلف کے علاوہ اپنی سند سے روایت کرے اور اس کی سند مؤلف کی کتاب کے شیخ کے ساتھ یا اس سے اوپر جا کر مل جائے خواہ صحابی پر ملے(۱۹۷)۔

استخراج کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی محدث حدیث کی کسی کتاب مثلاً صحیح بخاری وصحیح مسلم کی احادیث کو اپنی سند سے اس طرح روایت کرے کہ اس کی سند میں صاحب کتاب مثلاً بخاری ومسلم کا نام نہ لائے۔آگے چل کر اس محدث کی سند صاحب کتاب مثلاً بخاری ومسلم کے استاد پر پہنچ کر یا اس سے اوپر جا کر مل جاتی ہے۔بعض اوقات صحابی پر پہنچ کر دونوں سندیں متحد ہو جاتی ہیں۔دونوں کی ترتیب اور متون واسانید میں کوئی فرق نہیں ہوتا(۱۹۸)۔

استخراج کی شرط یہ ہے کہ سند دور کے شیخ تک نہ جاتی ہو۔مگر بجز ایسی سند کے موجود نہ ہونے کی صورت میں جو شیخ اقرب تک پہنچادے۔البتہ کوئی عذر پایا جاتا ہو مثلاً: سند عالی ہو یا متن حدیث میں بہت اہم اضافہ ہو تو ایسا ممکن ہے۔

استخراج کرنے والا بعض اوقات ایسی احادیث کو ترک کر دیتا ہے جن کی کوئی عمدہ سند نہیں ہوتی۔بعض اوقات صاحب کتاب کی سند کے ساتھ بھی وہ ان احادیث کو ذکر کرتا ہے(۱۹۹)۔

آغاز وارتقاء

حدیث نبویؐ اسلامی قانون کا دوسرا ماخذ ہے۔اس پر کام ابتدائی دور سے ہی مختلف صورتوں

میں ہوتا رہا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے احادیث کو سنا ان پر عمل کیا۔ بعض نے یاد کر کے آگے پہنچایا اور بعض نے لکھ کر آگے پہنچایا۔ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں احادیث لکھی گئیں۔ بعض آپ کے حکم سے لکھی گئیں اور بعض صحابہ کرام نے اپنی مرضی سے لکھیں۔ بعض صحابہ کرام لکھ کر رسول اللہ ﷺ کو دکھالیا کرتے مثلاً حضرت انسؓ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی دس سال تک خدمت کی۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ سے تابعین نے احادیث کو نقل کیا اور پھر آگے پہنچانے کے لیے کوئی کسر نہ چھوڑی۔ رسول اللہ ﷺ نے خود احادیث کو آگے پہنچانے کی ترغیب دی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا جو موجود ہے وہ اس کو پہنچا دے جو موجود نہیں ہے (۲۰۰)۔ ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز و شاداب رکھے۔ جس نے میری حدیث کو سنا اس کو یاد کیا اور پھر اس کو آگے پہنچایا (۲۰۱)۔

رسول اللہ ﷺ کے اس قول پر صحابہ کرام نے عمل فرمایا۔ بعد ازاں تابعین نے اس شمع کو روشن رکھا۔ اس طرح یہ سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ چلتا رہا۔ ابتدائی طور پر الگ الگ صحائف تھے۔ کتابت کے بعد تدوینِ حدیث کا کام شروع ہوا۔ امام زہریؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حدیث کی تدوین کا کام شروع کیا۔ پھر ان کے شاگردوں جن میں امام مالکؒ کا نام سرِ فہرست ہے جنہوں نے حدیث پر کام کیا زمانہ کے ساتھ ساتھ اس علم نے بہت ترقی کی اور کتبِ احادیث کی مختلف اقسام سامنے آئیں۔ ان قسموں میں صحائف، مسانید، مصنفات، مؤطا، الجامع، السنن اور الاجزاء وغیرہ قسم کی کتابوں پر کام کیا گیا۔ پھر اس قسموں کی مزید تقسیم ہوگئی اور ان کتابوں کی شروحات اور اختصارات وغیرہ کی صورت میں کتب لکھیں۔ انہیں قسموں میں سے ایک قسم "مستخرج" کی ہے۔ صحیح بخاری کی مستخرج پر حافظ ابوبکر اسماعیلی جرجانی (م۳۷۱ھ) نے کتاب لکھی۔ اسی طرح حافظ ابواحمد محمد بن علی حامد احمد بن الحسین بن قاسم بن غطریف (م۳۷۷ھ) نے بھی صحیح بخاری کی مستخرج لکھی۔

صحیح مسلم پر حافظ ابوبکر محمد بن محمد بن رجاء نیشاپوری (م۲۸۶ھ) نے کتاب لکھی۔ اس طرح اور کئی لوگوں نے بھی کام کیا۔ صحیحین پر محمد بن یعقوب شیبانی (م۳۴۴ھ) نے مستخرج لکھی۔ سنن ابی داؤد پر پہلی مستخرج قاسم بن اصبغ (م۳۰۴ھ) نے لکھی۔ اسی طرح سنن ترمذی پر ابوعلی الحسن بن علی خراسانی (م۳۱۲ھ) نے مستخرج لکھی (۲۰۲)۔

کتب مستخرجہ سے روایت کا حکم

مستخرجین میں سے کسی نے بھی یہ التزام نہیں کیا کہ ان کی روایت کردہ احادیث کے الفاظ ان اصلی کتب کے بالکل مطابق ہونگے جن کی تخریج وہ کررہے ہیں۔ اس لیے کہ وہ ان الفاظ کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ جوانہوں نے اپنے اساتذہ سے سنے۔ اس وجہ سے ان کی روایت کردہ احادیث اور اصلی کتب کے الفاظ میں تھوڑا بہت فرق آجاتا ہے۔ لہذا جو شخص ان کتب مستخرجات سے روایت کرے وہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے یہ روایت صحیحین سے لی ہے۔ یا یہ کہے کہ بخاری اور مسلم میں بھی اسی طرح ہے جیسے میں نے روایت کیا۔

البتہ اگر اس نے کتاب مستخرج کا تقابل بخاری ومسلم سے کرلیا ہو تو پھر یوں کہہ سکتا ہے اور اگر مستخرج کا مصنف اس بات کی صراحت کرے کہ بخاری ومسلم کے یہی الفاظ ہیں تو پھر وہ اس بات کا دعوٰی کرسکتا ہے مثلاً یوں کہے کہ بخاری نے انہی الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

مستخرجات کے فوائد

مستخرجات کے فوائد حسب ذیل ہیں:

۱۔ مستخرجات کی احادیث بعض ایسے زوائد پر مشتمل ہوتی ہیں جو اصل کتب میں نہیں ہوتے۔ ان زوائد کے حاصل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اصل کتب کے الفاظ نقل نہیں کرتے بلکہ وہ الفاظ لاتے ہیں جوانہوں نے اپنے اساتذہ سے سنے ہوتے ہیں۔

۲۔ مستخرج کی اسناد بعض اوقات عالی ہوتی ہیں۔ اس لیے کہ اگر مستخرج کا مصنف حدیث کو اصل کتاب کے مصنف کی سند کے ساتھ روایت کرے تو وہ نازل ہوگی اور جب وہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرے گا تو وہ اصل کتاب کی سند سے عالی ہوگی۔

۳۔ مستخرج میں کثرت طرق کی بنا پر حدیث قوی تر ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات مستخرج کا مصنف صحابی تک پہنچنے والی مختلف سندیں ذکر کرتا ہے جیسا کہ ابو عوانہ کرتے ہیں۔ اس تعدد طرق کی بناء پر حدیث قوی تر ہوجاتی ہے۔

۴۔ اصل کتاب کے مصنف نے ایسے راوی سے روایت کی ہو جس کا حافظہ عمر کے کسی حصہ میں

خراب ہو گیا تھا۔ مگر اس نے نہیں بتایا کہ موصوف نے روایت اس سے قبل کی یا بعد۔ اندریں صورت مستخرج کا مصنف اس بات کی تصریح کرتا ہے کہ روایت حافظہ کی خرابی سے پہلے کی ہے یا بعد کی۔

۵۔ اصل مصنف کسی حدیث کی روایت مدلس راوی سے عَن عَن کے ساتھ کرتا ہے اور سماع کی تصریح نہیں کرتا۔ بخلاف ازیں مستخرج کا مصنف اپنی روایت میں سماع کی تصریح کرتا ہے۔

۶۔ صاحب الاصل کوئی حدیث مبہم راوی سے ذکر کرتا ہے اور اس کا نام نہیں لیتا بلکہ "حدثنا رجل" کہتا ہے۔ مستخرج لکھنے والا اس شخص کے نام کی تصریح کرے گا۔

۷۔ بعض اوقات اصل کتاب کا مؤلف ایک مہمل شخص سے روایت کرتا ہے مثلاً کہتا ہے "حدثنا محمد" حالانکہ محمد نامی راوی بہت سے ہیں۔ اس صورت میں مستخرج کا مصنف اس راوی کو ممیز و ممتاز کرتا ہے کہ اس حدیث کا راوی فلاں محمد ہے۔

۸۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اصل کتاب میں ایک حدیث ایسے الفاظ پر مشتمل ہوتی ہے جو نحوی قواعد کے خلاف ہوتے ہیں۔ اور ان کی توجیہ کے لیے تکلف سے کام لینا پڑتا ہے۔ مستخرج کا مصنف جو روایت ذکر کرتا ہے اس کے الفاظ نحوی قواعد کے مطابق ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مستخرج کے الفاظ صحیح ہیں اور اصل کتاب کی روایت راویوں کے وہم پر مبنی ہے۔

۹۔ علامہ ابن حجر کہتے ہیں کہ اگر بخاری و مسلم کی کسی حدیث میں کوئی علت پائی جاتی ہو اور مستخرج نے اس حدیث کی علت کو دور کر کے روایت کیا ہو تو یہ مستخرج کا فائدہ ہے (۲۰۳)۔

کتب مستخرجات

مستخرجات صحیح بخاری

۱۔ مستخرج حافظ ابوبکر احمد بن ابراہیم بن اسماعیل اسماعیلی جرجانی (م ۳۷۱ھ) (۲۰۴)۔

۲۔ مستخرج ابو احمد محمد بن احمد الغطریفی (م ۳۷۷ھ)۔

۳۔ مستخرج حافظ ابوعبداللہ محمد بن عباس المعروف بابن ابی ذہل الہروی (م ۳۷۸ھ)۔

۴۔ مستخرج حافظ ابوبکر بن مردویہ اصبہانی کبیر (مصنف تاریخ وتفسیر) (م ۴۱۶ھ)۔

۵۔ مستخرج حافظ ابوبکر برقانی (م ۴۲۵ھ) (۲۰۵)۔

مستخرجات صحیح مسلم

۱۔ مستخرج حافظ ابوبکر محمد بن محمد بن رجاء نیشاپوری (م ۲۸۶ھ)۔

۲۔ مستخرج حافظ احمد بن سلمہ نیشاپوری البزار (م ۲۸۶ھ)۔

۳۔ مستخرج ابی جعفر احمد بن احمد بن حمدان النیشاپوری (م ۳۱۱ھ)۔

۴۔ مستخرج حافظ ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق اسفرایئی (م ۳۱۶ھ) (۲۰۶)۔

۵۔ مستخرج ابی حامد الشاذلی الفقیہ الشافعی الہروی (م ۳۵۵ھ)۔

۶۔ مستخرج حافظ ابوبکر محمد بن عبداللہ جوزقی نیشاپوری (م ۳۸۸ھ)۔

۷۔ (المسند) المستخرج علی صحیح مسلم، ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی (م ۴۳۰ھ)۔

۸۔ المسند المستخرج علی صحیح مسلم، ابوالولید حسان بن محمد القرشی (۲۰۷)۔

مستخرجات صحیحین

۱۔ مستخرج حافظ محمد بن یعقوب شیبانی نیشاپوری المعروف ابن الاخرم (م ۳۴۴ھ)۔

۲۔ مستخرج حافظ ابوذر ہروی (م ۴۳۴ھ)۔

۳۔ مستخرج حافظ ابوعلی ماسرجسی نیشاپوری (م ۳۶۵ھ)۔

۴۔ مستخرج حافظ محمد بغدادی المعروف خلال (م ۴۳۹ھ)۔

۵۔ مستخرج حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی (م ۴۳۵ھ)۔

۶۔ مستخرج ابوبکر بن عبدان شیرازی (م ۳۸۸ھ)۔

۷۔ مستخرج ابی بکر بن منجویہ (م ۴۲۸ھ)۔

۸۔ مستخرج علی بن مسعود سلیمان بن ابراہیم (م ۴۲۸ھ)۔

۹۔ مستخرج حافظ ابوبکر البرقانی (م ۴۲۵ھ)۔

مستخرجات سنن ابی داؤد

۱۔ مستخرج قاسم بن اصبغ (م۳۰۴ھ)۔

۲۔ مستخرج ابوبکر ابن منجویہ (م۴۲۸ھ)۔

۳۔ مستخرج ابی عبداللہ محمد بن عبدالملک بن ایمن قرطبی (م۳۳۰ھ)۔

مستخرج السنن ترمذی

۱۔ مستخرج ابی بکر بن منجویہ (م۴۲۸ھ)۔

۲۔ مستخرج ابی علی الحسن بن علی بن بصر الخراسانی الطوسی (م۳۱۲ھ)(۲۰۸)۔

تعارف مؤلفین مستخرجات

چند مشہور مؤلفین مستخرجات کے تعارف درج ذیل ہیں:

۱۔ حافظ ابوبکر اسماعیلی جرجانی (م۳۷۱ھ)

نام احمد، کنیت ابوبکر، نسبت اسماعیلی اور سلسلہ نسب یہ ہے۔

"احمد بن ابراہیم بن اسماعیل بن عباس بن مرداس" وہ امام بخاری کی وفات کے اکیس سال بعد ۲۷۷ھ میں جرجان میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان علمی حیثیت سے ممتاز تھا۔ علم وفن سے فطری مناسبت رکھتے تھے۔ چھ(۶) سال کی عمر میں یعنی ۲۸۳ھ میں انہوں نے حدیث کی کتابت شروع کردی تھی۔ اور باقاعدہ اس فن میں مشغول ہوگئے۔ وہ پہلی مرتبہ ۲۹۴ھ میں ابوالحسن ابن سفیان کی خدمت میں حصول علم کے لیے گئے۔ ۲۹۶ھ میں بغداد پھر حجاز، عراق، فارس، کوفہ، بصرہ، موصل، جزیرہ اور نیشاپور وغیرہ تشریف لے گئے۔ حفظ وضبط میں وہ ممتاز اور مشہور حفاظ میں شمار کیے گئے ہیں۔ بہت ساری کتابیں ان کو زبانی یاد تھیں۔ حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ "میں ان کے کمال حفظ سے مبہوت ہوگیا اور میرا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ متقدمین کے علم وحفظ کا متاخرین مقابلہ نہیں کرسکتے"۔ حاکم نے ان کو شیخ المحدثین اور امام اہل جرجان کہا ہے۔

وفات

عام مؤرخین کے مطابق ۹۴ سال کی عمر میں رجب ۳۷۱ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ابن سبکی اور شاہ عبدالعزیزؒ نے لکھا ہے کہ صفر ۳۷۱ھ میں وفات پائی''۔ انتقال کے وقت تین بیٹیاں اور دو بیٹے تھے۔

تصنیفات

۱۔ مسند عمر: یہ دو جلدوں میں تھی اور حافظ ذہبی نے اس کی تعلیق لکھی ہے۔
۲۔ مسند کبیر: یہ نہایت ضخیم کتاب ہے اور تقریباً سو جلدوں پر مشتمل ہے۔
۳۔ مستخرج: اس کا نام صحیح اسماعیلی بھی ہے۔ یہ صحیح بخاری پر مستخرج ہے۔ یہ چار جلدوں پر مشتمل ہے۔
۴۔ معجم: اسماعیلی کی یہ ایک اہم تصنیف ہے (۲۰۹)۔

۲۔ حافظ ابوبکر برقانی (م ۴۲۵ھ)

نام احمد، کنیت ابوبکر، سلسلہ نسب یہ ہے۔ ''احمد بن محمد بن احمد بن غالب''۔

ولادت و وطن

امام ابوبکر برقانی سنہ ۳۳۶ھ میں خوارزم کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ اسی لیے برقانی اور خوارزمی کی نسبتوں سے مشہور ہیں۔ برقان دریائے جیحون کے مشرقی ساحل پر ایک زرخیز اور شاداب مقام تھا جو بعد میں ویران ہو گیا۔ امام برقانی نے بعد میں بغداد میں سکونت اختیار کر لی اور اسی جگہ انتقال فرمایا۔

اساتذہ

ان کے شیوخ کی تعداد بے شمار ہے۔ بعض کے نام یہ ہیں: ابن نحاس مصری، ابواحمد الحافظ، ابوبحر بن کوثر ابر بھاری، ابوبکر احمد بن ابراہیم اسماعیلی، احمد بن ابراہیم بن حباب، احمد بن جعفر بن سلمہ، ابو عباس احمد بن محمد بن حمدان نیشاپوری، ابوبکر بن ابی الحدید، ابوبکر بن مالک قطیعی، ابومحمد بن ماسی، ابومنصور ازہری، ابوسہیل بشر بن احمد، ابومحمد عبدالغنی بن سعید ازدی مصری، عبداللہ بن احمد بن صدیق، عبداللہ بن عمر

بن ملک، ابوالحسن علی بن عمر دار قطنی، ابوعلی محمد بن احمد بن حسین بن صواف، محمد بن جعفر بندار، ابوالفضل محمد بن عبداللہ بن عمیرویہ، محمد بن علی حسانی، ابوصخر محمد بن مالک السعدی، ابوحاتم محمد بن یعقوب۔

تلامذہ

ان کے تلامذہ میں ابواسحٰق شیرازی، امام بیہقی اور خطیب بغدادی جیسے مشاہیر شامل ہیں۔ چند اور شاگردوں کے نام یہ ہیں: ابوطاہر احمد بن حسن کربی، ابوعبداللہ صوری، ابوالفضل بن خیرون، ابوالقاسم بن ابوالعلاء، ابوالمعالی، ثابت بن بندار مقری، ابومسعود سلیمان بن ابراہیم الحافظ، ابوالعلی محمد بن احمد العبدی البصری، ابوالفضل محمد بن عبدالسلام شافعی انصاری۔

رحلت وسماع حدیث

۳۵۰ھ کے بعد انہوں نے حدیث کا سماع کیا اور اس کے بعد بغداد، جرجان، ہرات، دمشق، مصر، اسفرائین مرو اور نیشاپور وغیرہ تشریف لے گئے اور ان مقامات کے اکابر شیوخ سے کسب فیض کیا۔ علم حدیث کے اس قدر شوقین تھے کہ اس کے لیے ہر قسم کی صعوبت اور مشقت برداشت کرتے تھے۔ اسفرائن میں صرف ایک درہم ان کے پاس تھا۔ اسی پر پورا مہینہ گذار دیا۔ اور تیس اجزاء کے بقدر حدیثیں لکھیں۔

حفظ وثقاہت

امام برقانی حدیث کے حافظ اور نہایت عادل وضابط شخص تھے۔ خطیب کا بیان ہے کہ وہ ثقہ، متورع، متقن متثبت اور ذی فہم تھے۔ ہمارے شیوخ میں ان سے زیادہ ثقہ شخص کوئی اور نہیں تھا۔ میں نے ازہری سے دریافت کیا کہ آپ نے برقانی سے بڑھ کر متقن اور کسی اور شخص کو دیکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ ابوالولید باجی فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ حافظ تھے۔ ذہبی ابن عساکر، ابن سبکی، اسنوی اور ابن عماد وغیرہ نے ان کو الحافظ الکبیر اور الحافظ الامام وغیرہ لکھا ہے۔

فن حدیث میں امتیاز اور اشتیاق

امام برقانی نے اس فن کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا۔ ان کا خود بیان ہے کہ مجھ کو اس فن سے اس

قدر غیر معمولی لگاؤ ہو گیا تھا کہ اور چیزوں کی طرف دھیان دینے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا۔ اسی لیے ان کا کتب خانہ حدیث کی کتابوں کا دفتر بن گیا تھا۔ اور ان کو بے شمار حدیثیں بھی از بر تھیں۔ خطیب کا بیان ہے کہ وہ کثیر الحدیث تھے۔ اس سے اس فن میں ان کی عظمت اور بلند پائیگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ تمام مؤرخین نے حدیث میں ان کی فہم وبصیرت، ژرف نگاہی اور علم ونظر کی وسعت کا اعتراف کیا ہے۔

خطیب کا بیان ہے کہ برقانی حدیث کی اچھی فہم وبصیرت رکھتے تھے۔ ابن عساکر اور سمعانی کا بیان ہے کہ وہ حدیث کے فہم ومعرفت میں ممتاز تھے۔ ابو اسحاق شیرازی فرماتے ہیں: ''کہ جب وہ اس فن کی طرف متوجہ ہوئے تو اس کے امام بن گئے''۔ ذہبی نے ان کو شیخ بغداد اور شیخ المحدثین کا لقب دیا ہے۔ ازہری کا بیان ہے کہ برقانی امام حدیث ہیں۔ ان کی وفات کے بعد اس فن کی عظمت شان باقی نہیں رہے گی۔

تفسیر وقرآنیات قرآن مجید کے حافظ اور علم قرآنی کے واقف کار تھے۔

فقہ

فقہ کے ماہر اور ممتاز فقیہ تھے۔ حدیث سے پہلے اس فن کی تحصیل شروع کی تھی، اور اس موضوع پر بعض کتابیں بھی لکھیں۔ خطیب نے عارف بالفقہ ابن کثیر نے عالم بالفقہ اور ذہبی نے شیخ الفقہ لکھا ہے۔ ابوبکر اسماعیلی اپنے پاس آنے والے طلبہ کے سامنے ایک ورق خود پڑھنے کے بعد ان سے پڑھواتے تھے۔ لیکن برقانی کے سامنے دو ورق پڑھتے اور فرماتے کہ لوگوں پر ان کو اس لیے ترجیح دیتا ہوں کہ یہ فقیہ بھی ہیں۔ فقہ واجتہاد میں امام شافعی کے مذہب سے وابستہ تھے۔

نحو وعربیت وہ عربی ادب اور علم نحو میں اچھی دسترس رکھتے تھے۔

شعر وسخن

شعر وسخن کا ذوق تھا اور کبھی کبھار اشعار کہتے تھے۔ خطیب بغدادی نے ان کے آٹھ اشعار نقل کیے ہیں۔

ورع وتقویٰ

ان گوناگوں علمی کمالات کے ساتھ ہی وہ نہایت متدین اور بڑے عبادت گزار بھی تھے۔ خطیب کا بیان ہے کہ وہ صاحب ورع وتقویٰ تھے۔ میں نے محمد بن یحییٰ کرمانی فقیہ سے سُنا ہے کہ محدثین کی جماعت میں برقانی سے زیادہ عبادت کرنے والا نہیں دیکھا۔ ابن سبکی فرماتے ہیں کہ وہ مجموعہ فضائل اور عابد مخلص تھے۔

وفات یکم رجب ۴۲۵ھ میں بدھ کے دن انتقال ہوا۔ ابو علی بن ابی موسیٰ ہاشمی نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور بغداد کے مقبرہ جامع میں باب سکہ خرقی کے قریب دفن کیے گئے۔

محمد بن علی صوری کا بیان ہے کہ میں برقانی کی وفات سے چار روز پہلے ان کی عیادت کے لیے گیا تو انہوں نے کہا آج ۲۶ جمادی الاخری ہے۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ رجب کا چاند ہونے کے بعد میرا خاتمہ ہو۔ کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ (ان للّٰہ عتق من النّار) ممکن ہے۔ اللہ کی رحمت سے میں بھی اس زمرہ میں شامل ہو جاؤں۔ یہ بات انہوں نے ہفتہ کو کہی تھی اور اللہ کی شان دیکھئے کہ بدھ کو رجب کا چاند طلوع ہونے کے بعد ان کا انتقال ہوا۔

تصنیفات

برقانی نے علم حدیث میں کئی مفید کتابیں لکھیں۔ تذکرہ نگاروں نے ان کو کثیر التصانیف بتایا ہے اور لکھا ہے کہ وفات کے وقت تک وہ تصنیف وتالیف اور علمی اشغال میں منہمک رہے۔ ان کی تصنیفات میں مسند مشہور ہے۔ جو مسند خوارزمی کہلاتی ہے، مسند خوارزمی دراصل صحیحین کی حدیثوں پر مشتمل اور مستخرج ہے۔ حمیدی نے اپنی الجمع بین الصحیحین کے نقل میں اس کی حدیثوں پر اعتماد کیا ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ لکھا ہوا دار العلوم اسلامیہ پشاور کے مکتبہ میں اور ایک امام یحییٰ بن ناصر کے ہاتھ کا لکھا ہوا جرمنی کے کتب خانہ میں ہے۔

مسند کے علاوہ انہوں نے امام ثوری، شعبہ، ایوب، سعید، عبد اللّٰہ بن عمرو، عبد الملک بن عمیر، بیان بن بشیر اور مطر الوراق کی حدیثوں کے جمع وتالیف کا کام بھی سرانجام دیا (۲۱۰)۔

۴۔ ابن مردویہ الکبیر اصبہانی (م ۴۱۶ھ)

نام ونسب

احمد نام، کنیت اور نسب نامہ یہ ہے: "احمد بن موسیٰ بن مردویہ بن فورک اپنے دادا مردویہ کے نام پر ابن مردویہ کے لقب سے معروف ہیں۔ الکبیر بھی ان کے نام کا جزو ہے۔ کیونکہ ان کے پوتے ابو بکر احمد بن محمد بھی ابن مردویہ کے لقب سے مشہور ہیں اور ان کو ابن مردویہ الصغیر کہا جاتا ہے۔ ابن مردویہ صغیر کی اپنے دادا ابن مردویہ کبیر سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ان کا انتقال سنہ ۴۹۸ھ میں ہوا۔

ولادت ووطن آپ سنہ ۳۲۳ھ میں اصبہان میں پیدا ہوئے۔

اساتذہ بعض اساتذہ اور شیوخ کے نام یہ ہیں:

ابو سہل بن زیاد القطان، احمد بن عبداللہ بن دلیل، احمد بن عیسیٰ خفاف، احمد بن محمد بن عاصم کرمانی، اسحٰق بن محمد بن علی کوفی، اسماعیل خطبی، محمد بن احمد بن علی اسواری، محمد بن عبداللہ الصفار، محمد بن علی بن دحیم شیبانی اور میمون بن اسحٰق خراسانی۔

تلامذہ

ابن مردویہ کبیر کے ممتاز شاگردوں کے نام حسب ذیل ہیں:

ابوعبداللہ ثقفی، ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن مندہ، عبدالوہاب بن مندہ، ابوالخیر محمد بن احمد، ابوبکر محمد بن حسن، ابومنصور محمد بن سکرویہ، ابومطیع بن عبدالواحد مصری۔

سفر

حدیث کی تحصیل اور علوم وفنون کی تکمیل کے لیے ان کے عراق وغیرہ تشریف لے جانے کا ذکر ملتا ہے۔

حدیث میں درجہ

حدیث میں بلند مرتبت تھے۔ علامہ ذہبی کا بیان ہے کہ وہ اس فن کے ممتاز ماہر او رجال کی

اچھی پرکھ رکھتے تھے۔ ابن العماد کا بیان ہے کہ وہ حدیث میں امام تھے۔ ان کا حفظ واتقان اور ضبط و ثقاہت بھی مسلم ہے۔ حافظ ذہبی نے الحافظ الثبت لکھا ہے۔

وفات

مشہور روایت کے مطابق ۲۴ رمضان ۴۱۶ھ میں انتقال ہوا۔ لیکن ابن اثیر، ابن جوزی اور ابن کثیر نے ۴۱۰ھ سنہ وفات تحریر کیا ہے۔

تصنیفات: ابن مردویہ کی حسب ذیل تصنیفات کا علم ہو سکا ہے:

۱۔ المستخرج علی جامع الصحیح للبخاری۔

۲۔ تفسیر ابن مردویہ۔

۳۔ تاریخ اصبہان (۲۱۱)۔

۴۔ حافظ ابن ابی زہل الہروی (م ۳۷۸ھ)

نام محمد بن عباس بن احمد بن عصم، کنیت ابوعبداللہ، ہرات کے رہنے والے عالی قدر اور صاحب اتقان وحافظ حدیث ہیں۔ آپ نے محمد بن معاذ مالینی، یحییٰ بن صاعد، حاتم بن محبوب، ابوعمرو بن محمد، عبدالرحمان بن ابی حاتم اور اس طبقہ کے دوسرے اہل علم سے علم حدیث حاصل کیا۔ اور آپ سے امام دارقطنی، ابوالحسین حجاجی، حاکم، اسحاق بن ابی اسحاق اور اہل ہرات روایت کرتے ہیں۔ آپ ہرات کے نامی گرامی اور امیر کبیر رئیس اعظم تھے۔

حاکم فرماتے ہیں: ''میں نے ان سے اچھا وضو کرنے والا اور بہتر نماز پڑھنے والا کوئی نہیں دیکھا اور نہ ہی اپنے مشائخ میں ان سے بڑھ کر خشوع وخضوع اور عجز وانکساری کے ساتھ دعا کرتے کسی کو پایا ہے''۔ ابونصر تامی کہتے ہیں کہ آپ نے صحیح مسلم پر ایک مستخرج صحیح تصنیف کی۔

وفات: حاکم کہتے ہیں کہ آپ ۲۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور صفر ۳۷۸ھ میں جام شہادت نوش فرمایا (۲۱۲)۔

مستخرجات صحیح مسلم کے مؤلفین کا تعارف

۵۔ حافظ ابوعوانہ اسفرائنی (م ۳۱۶ھ)

آپ کا اسم گرامی یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہے۔ اسفرائن کے رہنے والے بہت بڑے حافظ حدیث ہیں۔ سب محدثین کے نزدیک قابل اعتماد ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد نیشاپور کے رہنے والے تھے: آپ ایک ''المسند الصحیح'' کے مصنف ہیں۔ جو دراصل صحیح مسلم پر استخراج ہے۔

اساتذہ

آپ نے طلب علم کے لئے دنیا کا کونہ کونہ چھان مارا۔ یونس بن الاعلی، احمد بن ازہر، زعفرانی، علی بن حرب، عمر بن شبہ، محمد بن یحیی ذہلی اور بعد کے اہل علم سے علم حاصل کیا۔

تلامذہ

ان سے حافظ احمد بن علی رازی، حافظ ابوعلی نیسابوری، قاضی یحیی بن منصور، ابن عدی، طبرانی، اسماعیلی اور دوسرے لوگ فیض یاب ہوئے۔ ان کے بیٹے ابومصعب محمد اور ان کے آخری شاگرد، ان کے بھانجے کے بیٹے ابونعیم عبدالملک بن حسن اسفرائینی نے ان سے استفادہ کیا۔

امام حاکم فرماتے ہیں: ''کہ ابوعوانہ فن حدیث کے عالم اور پختہ کار ہیں''۔ ان کا انتقال بقول ان کے بیٹے محمد کے ۳۱۶ھ میں ہوا۔ آپ کی قبر اسفرائن کے شہر کے اندر ہے۔ آپ پہلے شخص ہیں جن سے امام شافعی کا مذہب اسفرائن میں رائج ہوا۔ آپ جلیل القدر اور لائق اعتماد محدث ہیں (۲۱۳)۔

۶۔ حافظ ابوبکر جوزقی، نیشاپوری (م ۳۸۸ھ)

نام محمد بن عبداللہ بن محمد زکریا، کنیت ابوبکر، لقب محدث نیشابور ہے۔

آپ یکتائے زمانہ حافظ حدیث اور ایک صحیح کے مصنف ہیں۔ جو دراصل صحیح مسلم کی تخریج ہے۔ آپ مشہور محدث ابواسحاق ابراہیم بن محمد مزکی کے بھانجے ہیں۔ آپ نے ابوالعباس سراج، ابونعیم بن عدی جرجانی، ابوالعباس دعولی، مکی بن عبدان، ابوحامد بن شرقی، ابوسعید ابن الاعرابی، اسماعیل صفار اور دوسرے بہت سے لوگوں سے علم حدیث حاصل کیا۔

آپ نے مختلف ممالک کا سفر کیا علم میں کمال اور برتری حاصل کی اور بہت سی یادگار تصنیفات چھوڑیں۔ان سے ابوحاکم، ابوسعید کنجرودی، ابوعثمان سعید بن محمد بجیری، محمد بن علی خشاب، سعید بن ابوسعید عیار، احمد بن منصور اور دوسرے لوگ روایت کرتے ہیں۔

تصنیفات

۱۔ المتفق والمفترق

۲۔ المتفق الکبیر، یہ کتاب تین سو اجزاء پر مشتمل ہے۔

وفات

امام حاکم فرماتے ہیں: ''کہ آپ نے ۸۲ سال کی عمر پاکر شوال ۳۸۸ھ میں وفات پائی (۲۱۴)

مستخرجات صحیحین کے مؤلفین کا تعارف

۷۔ حافظ ابن الاخرم (م ۳۴۴ھ)

نام محمد بن یعقوب بن یوسف شیبانی، کنیت ابوعبداللہ، لقب ابن اخرم ہے۔نیشاپور کے رہنے والے تھے اور بہت بڑے حافظ حدیث تھے۔ابن اخرم ۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔انہوں نے علی بن حسن ہلالی، ابراہیم بن عبداللہ سعدی، محمد بن عبدالوہاب اور ان کے علاوہ بہت سے لوگوں سے حدیث کا سماع کیا۔ان سے ابوبکر اسحاق صبغی، حسان بن محمد فقیہہ، ابوعبداللہ حاکم، یحییٰ بن ابراہیم اور دوسرے بہت سے لوگ فیض یاب ہوئے۔

امام حاکم فرماتے ہیں کہ یہ ابن شرقی کے بعد ہمارے شہر میں اہل حدیث کے صدر اور پیشوا تھے۔ان کو حدیث حفظ تھی اور اس کو سمجھتے بھی تھے۔انہوں نے صحیح مسلم پر ایک مستخرج لکھی اور یہ کتاب انہوں نے ابوالعباس سراج کے کہنے پر لکھی تھی اس کا نام انہوں نے ''المختصر الصحیح المتفق علیہ'' رکھا۔وہ نحو کے بھی بہت ماہر تھے۔علل حدیث اور علم الرجال میں بھی بے حد درک حاصل تھا۔حافظ ابن اخرم نے ۳۴۴ھ میں وفات پائی (۲۱۵)۔

۸۔ حافظ ابوذر ہروی (م ۴۳۴ھ)

نام عبداللہ بن احمد بن محمد بن عبداللہ بن غفیر انصاری مالکی ہے اور آپ کی کنیت ابوذر ہروی اور ابوعیسٰی ہے۔ آپ ہرات کے رہنے والے اور بہت بڑے عالم اور نامور حافظ حدیث ہیں۔ آپ نے ہرات میں ابوالفضل بن خمیرویہ، بشر بن محمد اور سرخس میں ابومحمد بن حمویہ اور زاہر بن محمد سے، بلخ میں ابو اسحاق مستملی، بصرہ میں ابوبکر ہلال بن محمد، بغداد میں ابوالفضل زہری، اور ان کے علاوہ اور بہت سے علماء سے حدیث کا سماع کیا۔ مکہ معظمہ میں اقامت اختیار کی اور اپنے شیوخ کے حالات میں معجم لکھی اور صحیح کے علاوہ دوسری بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔

آپ سے آپ کے صاحبزادے عیسٰی، علی بن محمد بن ابی الہول، موسیٰ بن عیسٰی، عبداللہ بن حسن تیمیی اور دوسرے بہت سے لوگ روایت کرتے ہیں۔ آپ تقریباً ۳۵۵ھ میں پیدا ہوئے اور شوال ۴۳۴ھ میں وفات پائی۔ ان کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ کتاب کبیر مستخرج علی الصحیحین۔
۲۔ کتاب السنۃ والصفات۔
۳۔ کتاب الجامع۔
۴۔ کتاب الدعاء
۵۔ کتاب فضائل القرآن۔
۶۔ کتاب دلائل النبوۃ
۷۔ کتاب شہادۃ الزور۔
۸۔ کتاب فضائل مالک
۹۔ کتاب العیدین۔

عبدالغافر تاریخ نیسابور میں لکھتے ہیں کہ ابوذر، عابد و زاہد اور پرہیزگار عالم تھے۔ سخاوت کے دلدادہ تھے۔ حرم کے کبار مشائخ میں شمار ہوتے تھے اور تصوف کے بھی مشار الیہ تھے۔ انہوں نے صحیحین کی بڑی اچھی تخریج لکھی اور صحیحین پر ایک جلد میں لطیف مستدرک بھی لکھا ہے اس سے ان کے قوی حافظے کا پتہ چلتا ہے (۲۱۶)۔

۹۔ حافظ ابومحمد بغدادی المعروف خلال (م ۴۳۹ھ)

نام حسن بن محمد بن حسن بن علی، کنیت ابومحمد ہے۔ آپ بغداد کے رہنے والے قابل اعتماد حافظ حدیث ہیں۔ آپ کے والد کی کنیت ابوطالب ہے ۳۵۲ھ میں پیدا ہوئے۔

آپ نے ابوبکر قطیعی، ابوسعید حرفی، ابوالحسین بن مظفر، ابوبکر وراق، ابوعبداللہ بن عسکری، ابوعمر حیویہ، ابوبکر شاذان، ابوالحسن بن لؤلؤ وراق اور دوسرے آئمہ سے حدیث کا سماع کیا۔ آپ سے خطیب، ابوالحسین بن طیوری، ابوسعد، جعفر بن احمد سراج، معمر بن ابی عمارہ واعظ، جعفر بن محسن سلماسی، علی بن عبدالواحد دینوری اور دوسرے لوگ روایت کرتے ہیں۔

محمد بن علی صوری کہتے ہیں: ''میری آنکھوں نے عبدالغنی بن سعید کے بعد ابومحمد خلال بغدادی سے بڑا حافظ حدیث کوئی نہیں دیکھا''۔ ابوبکر خطیب کہتے ہیں: ''ثقہ ہیں اور معرفت تامہ کے حامل ہیں''۔ آپ نے صحیحین پر ایک مسند لکھی ہے اور احکام و مسائل اور تراجم رجال پر متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں۔ آپ نے جمادی اولی ۴۳۹ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا (۲۱۷)۔

۱۰۔ حافظ ابوعلی ماسرجسی نیشاپوری (م ۳۶۵ھ)

نام حسین بن محمد بن احمد، کنیت ابوعلی ہے۔ اپنے جد اعلی ماسرجس کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ماسرجسی کہلاتے ہیں۔ نیساپور کے رہنے والے باکمال حافظ حدیث اور مسند اکبر کے مصنف ہیں۔ تحصیل علم کے لیے خراسان، مصر، شام اور عراق کا سفر کیا اور اپنے دادا احمد بن محمد، ابوبکر ابن خزیمہ، ابوالعباس سراج، ابن الشرقی اور بعد کے لوگوں سے حدیث کا سماع کیا۔ بکثرت احادیث لکھنے کی وجہ سے ''سفینۃ العصر'' کہلاتے تھے۔

۳۲۱ھ میں عراق گئے اور وہاں سے فراغت کے بعد دیر تک مصر میں مقیم رہے۔ پوری چھان بین کے بعد ایک ہزار تین سو اجزاء میں مسند کبیر تصنیف کی۔ جس کی ہر حدیث کے اسباب و علل پر سیر حاصل بحث فرمائی۔ علاوہ ازیں مسائل واحکام، شیوخ، مغازی اور قبائل پر مشتمل کتابیں تصنیف کیں۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی الگ الگ تخریج کی۔ لیکن جب ان کی سند کی بشدت حاجت محسوس ہونے لگی تو اس سے پہلے ہی چل بسے اور ان کے دفن ہونے کے ساتھ ہی علم کثیر دفن ہو کر رہ گیا۔

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا تھا انہوں نے امام مسلم کو کہتے سنا تھا کہ میں نے اپنی مسند صحیح تین لاکھ مسموع احادیث سے تصنیف کی ہے۔ امام حاکم فرماتے ہیں ابوعلی نے زہری کی احادیث میں جو کتاب لکھی ہے اس میں ''ماہر زہریات'' امام محمد بن یحییٰ ذہلی کی کتاب پر اضافہ کیا ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ ان کی مسند عام ناسخین کے خط کے لحاظ سے تین ہزار اجزاء سے زیادہ ہوگی اور جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے۔ اسلام میں آج تک اس سے بڑی مسند نہیں لکھی گئی۔ آپ ۲۹۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۹ رجب ۳۶۵ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور ان کی نماز جنازہ ان کے بھتیجے ابوالحسن ماسرجسی نے پڑھائی (۲۱۸)۔

۱۱۔ حافظ ابونعیم اصفہانی (م ۴۳۰ھ)

نام ونسب

نام احمد، کنیت ابونعیم اور نسب نامہ یہ ہے: ''احمد بن عبداللہ بن احمد بن موسٰی بن وائل بن مہران''۔

ولادت رجب المرجب ۳۳۶ھ میں اصبہان میں پیدا ہوئے۔ ایک روایت ۳۳۴ھ کی بھی ہے۔

خاندان

گو عجم نژاد تھے۔ تاہم ان کے خاندان کو خانوادہ نبوت سے ولاء کا شرف حاصل ہے۔ ان کے جد اعلیٰ مہران کو اس خاندان میں سب سے پہلے مسلمان ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابوطالب کے موالی تھے۔ ابونعیم کے والد عبداللہ علم وفن کے بڑے دلدادہ تھے۔ انہوں نے اپنے فرزند کو نہایت کم سنی ہی میں تحصیل علم اور سماع حدیث کے مقدس اور بابرکت مشغلہ میں لگا دیا تھا۔ چنانچہ سنہ ۳۴۴ھ میں ابونعیم نے جب کہ سات یا آٹھ ہی سال کے تھے۔ احادیث کا باقاعدہ سماع شروع کر دیا تھا۔ ان کے نانا محمد بن یوسف بناء مشہور زاھد اور ممتاز صوفی تھے۔

ابونعیم کے اساتذہ اور تلامذہ دونوں کی فہرست بڑی طویل ہے۔ ارباب سیّر کا بیان ہے کہ انہوں نے بے شمار فضلاء سے اور بے شمار فضلا نے ان سے استفادہ کیا۔ حافظ ذہبی ان کے چند شیوخ کے نام گنوانے کے بعد لکھتے ہیں: انہوں نے خراسان وعراق کے بے شمار لوگوں سے کسب فیض کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کو جتنے اکابر شیوخ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اس سے دوسرے محدثین محروم ہیں۔

ابونعیم کو یہ خصوصیت بھی حاصل تھی کہ چھ سال کی عمر ہی میں بعض مشہور ومعتبر محدثین نے تبرکا

ان کو اجازت حدیث مرحمت کر دی تھی۔ حافظ ذہبی اور علامہ ابن سبکی نے لکھا ہے کہ شام کے خیثمہ بن سلیمان، بغداد کے جعفر خالدی اور ابو سہیل بن زیاد، واسط کے عبداللہ بن عمر بن شوذب اور نیشاپور کے ابو العباس اصم نے ان کو اجازت عطا کی تھی۔

ان حضرات کے علاوہ ابن نعیم نے مندرجہ ذیل شیوخ سے بھی روایت کی ہے۔ ابراہیم بن عبداللّٰہ ابن العریم کوفی، ابو احمد بن عسال، ابو بحر بن کوثر، ابو بکر آجری، ابو بکر جعانی، ابو بکر بن خلاد نصیبی، ابو بکر بن ہیثم بندار، ابو الشیخ بن حیان، ابو علی بن صواف، ابو القاسم طبرانی، ابو محمد بن فارس، احمد بن بندار عشار احمد بن حسن مکی، احمد بن محمد قصار، احمد بن معبد سمسار، حبیب قزاز عبداللہ بن جعفر جابری، عبداللہ بن حسن بن بندار فاروق بن عبدالکبیر خطابی۔

تلامذہ

معاصرین واقران کے علاوہ ان کے تلامذہ کی فہرست میں بے شمار ایسے لوگ بھی تھے جو سن و سال میں ان سے بڑے اور مدتوں پہلے فوت ہو چکے تھے۔ ابو عبدالرحمٰن سلمی نے جو اکابر صوفیہ میں اور ابو نعیم سے معمر تھے۔ طبقات الصوفیہ میں ایک شخص کے واسطہ سے ان سے روایت کی ہے۔ چند تلامذہ کے نام ملاحظہ ہوں۔ ابو بکر خطیب، ابو بکر علی دکوانی، ابو سعید مالینی، ابو صالح موذن، ابو علی المقری، ابو علی وخشی، ابو الفضل حمد الحداد، ابو علی حسن بن احمد جلاد، سلیمان بن ابراہیم، قاری عبدالسلام بن کوشیار، ابو سعد مطر، غانم، ابو بکر محمد بن ابراہیم عطار، ابو منصور محمد بن عبداللّٰہ شروطی، ابو سعید محمد بن محمد بن مطر زہبۃ اللہ بن محمد شیرازی، یوسف بن حسن تفکری۔

رحلت وسفر

ان کے شیوخ مختلف اسلامی ملکوں اور شہروں سے تعلق رکھتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے عراق، حجاز، خراسان، شام، بغداد، واسط، نیشاپور، مکہ، بصرہ اور کوفہ وغیرہ کا سفر کیا ہوگا۔

حفظ وضبط اور ثقاہت

ابو نعیم کے حفظ وضبط اور ثقاہت وعدالت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مؤرخین اور ارباب

سیر نے ان کو "الحافظ المشہور" اور الحافظ الکبیر اور من الحفاظ الثقات وغیرہ لکھا ہے۔ خطیب کا بیان ہے کہ ابو نعیم اور ابو حازم عبدوی ہی کے لیے حفظ کا لفظ مطلقاً بولا جا سکتا ہے۔ ابن مردویہ فرماتے ہیں: "اس وقت روئے زمین پر ابو نعیم سے بڑا حافظ و مسند کوئی نہیں، وہ حافظ الدنیا ہیں"۔ ابن سبکی تحریر فرماتے ہیں کہ وہ حفظ و ضبط میں مرتبہ کمال پر فائز تھے۔ ابو نعیم صدق و ثقاہت میں بھی بلند پایہ تھے۔

حدیث میں درجہ و مرتبہ

وہ فن حدیث میں بڑا درجہ رکھتے تھے۔ علمائے سیر نے ان کو محدث العصر اور اعلام المحدثین والرواۃ کے لقب سے موسوم کیا ہے۔ ابن نجار کا بیان ہے کہ وہ محدثین کے سرتاج اور اعلام دین میں تھے۔ حدیث کی جمع و روایت کی طرح اس کی معرفت و درایت میں بھی شہرت و امتیاز رکھتے تھے۔ ابن سبکی کا بیان ہے کہ "وہ ان ممتاز لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے روایت میں علو کے ساتھ درایت میں بھی حد کمال پر فائز کیا تھا"۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں "وہ علو اسناد، حفظ حدیث اور جملہ فنون حدیث میں تبحر کے لحاظ سے پوری دنیا میں ممتاز تھے"۔ ابن عساکر فرماتے ہیں کہ "ابو نعیم جمع و معرفت حدیث میں یکتا اور فضائل و کمالات کا مجموعہ تھے۔

فقہ و تصوف میں بلند پائیگی

حدیث کے علاوہ فقہ و تصوف میں بھی جامع کمالات تھے۔ تصوف و سلوک سے ان کی دلچسپی خاندانی تھی۔ ان کے نانا محمد بن یوسف مشہور اہل اللہ اور اکابر صوفیاء میں تھے۔ ابو نعیم کو بھی اس میں کمال حاصل تھا۔ اس پر ان کی شہرہ آفاق کتاب حلیۃ الاولیاء شاہد ہے۔

عقیدہ

عقائد میں اشاعرہ کے ہمنوا تھے۔ حافظ ابن عساکر نے تبیین میں دوسرے طبقہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ وہ اشعری مذہب کی جانب شدید میلان رکھتے تھے۔

وفات ۹۴ سال کی عمر میں محرم الحرام ۴۳۰ھ میں انتقال کیا۔

ابو نعیم نے بے شمار یادگار کتب چھوڑی ہیں جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ کتاب الاربعین
۲۔ مبشیت الرؤیا
۳۔ جزء فضل سورۃ الاخلاص
۴۔ کتاب حرمۃ المساجد
۵۔ رسائل مختصرہ
۶۔ ریاضۃ المتعلمین یا ریاض المتعلم
۷۔ کتاب الریاضۃ والادب
۸۔ کتاب صفۃ الصفوۃ۔
۹۔ کتاب الطب یا کتاب الطب النبوی
۱۰۔ طرق حدیث
۱۱۔ کتاب الفتن
۱۲۔ کتاب فضائل الصحابہ
۱۳۔ فضل السواک
۱۴۔ کتاب الفوائد
۱۵۔ کتاب المستخرج علی البخاری
۱۶۔ حلیۃ الاولیاء (۲۱۹)

غریب الحدیث

تعریف

لغوی

غریب بمعنی منفرد و اکیلا اور اجنبی و نامانوس، "غریب" کی جمع "غرائب" ہے۔لغت میں غریب اس مسافر کو کہتے ہیں جو اپنے اقارب سے دور ہو۔غریب بروزن کریم، غامض اور خفی کے ہم معنی ہے(۲۲۰)۔

اصطلاحی

اصول حدیث کی اصطلاح میں "غریب" اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں کوئی لفظ غامض واقع ہوا ہو اور ندرت استعمال کی وجہ سے اس کے معنی سمجھ سے بعید ہوں(۲۲۱)۔

غریب الحدیث سے حدیث کے وہ دقیق و عمیق کلمات مراد ہیں جن کے معنی ظاہری طور پر مخفی ہوں۔امام ابوسلیمان خطابی (۳۸۸ھ) فرماتے ہیں: "الغریب من الکلام انما هو الغامض، البعید من الفهم"(۲۲۲) (کلام میں غریب وہ بات ہوتی ہے جو غامض اور بعید عن الفہم ہو)۔

غریب الحدیث کی اہمیت

یہ بڑا اہم اور مشکل فن ہے۔محدثین کے ہاں اس سے بے خبری ایک بڑا نقص تصور ہوتی ہے۔لیکن اس میں غوطہ زنی بہت مشکل کام ہے۔اس لیے اس میدان میں قدم رکھنے والے کو بہت سوچ بچار سے کام لینا چاہیے اور خدا سے ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں محض اپنے وہم و گمان کے سہارے نبی ﷺ کے کلام کی تفسیر کا اقدام نہ کر بیٹھے۔اسی لیے محدثین ایسا قدم اٹھانے سے پہلے بہت زیادہ سوچ وبچار کیا کرتے تھے۔بعض محدثین کا ذوق ایسے مضامین اور الفاظ خاص کی تلاش رہا ہے جو اپنی ندرت اور غرابت میں ہر ایک کی رسائی میں نہ ہوں۔اس باب میں صرف وہی علمائے فن آگے بڑھ سکے جن کو طلب حدیث میں خصوصی شغف اور خاص انہماک رہا۔

رسول اکرم ﷺ افصح العرب تھے۔مختلف قبائل کے وفود جب آپ ﷺ کی خدمت میں

حاضر ہوتے تو آپ ﷺ ان سے خطاب فرماتے اور وہ آپ ﷺ کی باتوں کو اچھی طرح سے سمجھتے تھے۔ اصحاب رسول ﷺ بھی آپ ﷺ کے ارشادات کو بخوبی سمجھتے تھے۔ اگر کسی بات کو نہ سمجھ پاتے تو آپ ﷺ سے پوچھ لیتے۔ رسول اکرم ﷺ کی وفات تک معاملہ یونہی چلتا رہا۔ عصرِ صحابہؓ میں عربی زبان بالکل خالص اور غیر مخلوط تھی۔ اس میں عجمیت کا شائبہ تک نہ تھا۔ جب اسلامی فتوحات میں وسعت آئی اور عجمی اقوام جوق در جوق مشرف باسلام ہو کر عربوں میں گھل مل گئیں تو باہم شادیاں ہونے کی وجہ سے ایک نئی قوم معرض وجود میں آئی اس قوم کی زبان میں عجمیت کی ملاوٹ تھی۔ لہٰذا ان لوگوں کو خطاب کرنے کے لیے ایسی زبان کا سیکھنا ناگزیر ہو گیا جو ان کے مناسب حال ہو۔ بعدازاں تابعین بھی صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر رواں دواں رہے مگر عربی زبان رفتہ رفتہ عجمیت کی طرف بڑھتی چلی گئی اور عصر تابعین میں ہی یہ عربی سے عجمی میں تبدیل ہو گئی (۲۲۳)۔ اب حالت یہ ہو گئی کہ لوگوں کے لیے حدیث نبوی ﷺ کے بعض الفاظ کا سمجھنا دشوار ہو گیا۔

غریب الحدیث کے کام کا آغاز وارتقاء

تابعین نے غریب الحدیث کے موضوع پر کام کیا۔ ابتدائی محدثین میں امام مالک بن انسؒ، سفیان ثوریؒ اور شعبہ بن حجاجؒ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ پھر مسلسل اس موضوع پر کام کرنے کا سلسلہ جاری ہو گیا اور علما مشکل الفاظ کے معنی بیان کرتے رہے۔ اس ضمن میں انہوں نے بڑی بڑی کتابیں لکھیں جو بعد میں آنے والوں کے لیے بڑی کارآمد ثابت ہوئیں۔ اگر یہ آئمہ اعلام جانفشانی اور عرق ریزی سے کام نہ لیتے تو آج ہم احادیث نبویہ کے عظیم ذخیرہ سے استفادہ نہ کر سکتے۔ غریب الحدیث کی تلاش اور روایت کسی کمزوری کی بات نہیں بلکہ یہ وہ باب کمال ہے جو اس فن کے متوالوں کو ہی نصیب ہوتا ہے اور اس کا ذوق وہ شان علم ہے جو اس فن کے اونچے علما ہی کو میسر آتا ہے۔

مختصر تاریخ

اس فن کی اہمیت کی بنا پر وقتاً فوقتاً علمائے محدثین نے جو خدمات انجام دیں ہیں اس کا مختصر تاریخی جائزہ یہ ہے:

۱۔ ابوالحسن النضر بن شمیل المازنی نحوی (م ۲۰۳ھ)(۲۲۴) تقدم زمانہ کی وجہ سے بعض

لوگ اسے غریب الحدیث پر لکھنے والا پہلا مصنف شمار کرتے ہیں (۲۲۵)۔

۲۔ ابو علی محمد بن احمد المستنیر القطرب (م۲۰۶ھ) نے غریب الحدیث پر ایک کتاب ''غریب الآثار'' کے نام سے مرتب کی ہے(۲۲۶)۔

۳۔ ابو عبیدہ معمر بن مثنی التیمی (م۲۱۰ھ) نے بھی غریب الحدیث پر ایک مختصر کتاب لکھی بعض اصحاب السیر وسوانح نگار اسے فن غریب الحدیث کا مؤسس تصور کرتے ہیں (۲۲۷)۔

۴۔ عبدالملک بن قریب اصمعی (م۲۱۳ھ) نے اس موضوع پر عمدہ کتاب لکھی (۲۲۸)۔ بقول محمد عبدالعزیز الخولی ان کی کتاب اصلاً ابو عبیدہ معمر بن مثنی کی کتاب پر کچھ اضافہ ہے'' (۲۲۹)۔

۵۔ ابو عبید قاسم بن سلام (م۲۲۴ھ) نے اس موضوع پر عمدہ کتاب لکھی۔ جس کا نام ہی غریب الحدیث ہے۔

۶۔ عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری (م ۲۷۶ھ) نے بھی ابو عبید القاسم بن سلام کی تالیف غریب الحدیث پر حواشی لکھے (۲۳۰)۔

۷۔ امام ابراہیم بن اسحاق الحربی (م۲۸۵ھ) نے فن غریب الحدیث پر ایک کتاب پانچ جلدوں میں لکھی ہے۔ اس میں متون واسانید کے ذکر میں بڑی طوالت سے کام لیا ہے(۲۳۱)۔

۸۔ ابو سلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم بن خطاب الخطابی البستی (م۳۸۸ھ) نے غریب الحدیث کے نام سے مشہور کتاب تصنیف کی جو کہ کتب غرائب کی امہات میں شمار ہوتی ہے(۲۳۲)۔

۹۔ ابو عبید احمد بن محمد الھروی (م ۴۰۱ھ) نے بھی غریب الحدیث پر ''غریبین'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جسے حروف تہجی کے حساب سے مرتب کیا ہے(۲۳۳)۔

۱۰۔ الشریف الرضی محمد بن حسین (م ۴۰۶ھ) نے بھی ''المجازات النبویہ'' کے نام سے غریب الحدیث پر کتاب مرتب کی ہے(۲۳۴)۔

۱۱۔ ابوالقاسم جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری (م ۵۳۸ھ) نے ''الفائق فی غریب الحدیث'' کے نام سے ایک کتاب لکھی (۲۳۵)۔

۱۲۔ ابو موسیٰ محمد بن ابی بکر اشعری مدینی (م۵۸۱ھ) نے بھی ھروی کے انداز پر ایک کتاب مرتب

کر کے اسے (المجموع المغیث فی غریب القرآن والحدیث) کا نام دیا ہے جو کہ ہروی کی کتاب کے متممات و مکملات میں سے ہے (۲۳۶)۔ دار المدنی جدہ والوں نے عمدہ طریقے سے شائع کی ہے۔

۱۳۔ ابو الفرج عبد الرحمٰن بن الجوزی (م ۵۹۷ھ) صاحب التصانیف الکثیرہ نے بھی غریب الحدیث پر عمدہ کتاب مرتب کی ہے۔ کتاب کی ترتیب میں الھروی کا اسلوب و منہج اختیار کیا ہے۔

۱۴۔ ابو السعادات مبارک بن محمد بن شیبانی المعروف ابن الاثیر (م ۶۰۶ھ) نے بھی غریب الحدیث پر "النھایة فی غریب الحدیث" کے نام سے کتاب مرتب کی ہے (۲۳۷)۔

۱۵۔ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) کی کتاب "الدّر النثیر فی تلخیص نهایة ابن الاثیر" یہ نہایہ ابن اثیر کا خلاصہ ہے (۲۳۸)۔

۱۶۔ طاہر پٹنی گجراتی (م ۹۸۶ھ) نے بھی غریب القرآن والحدیث پر مشہور کتاب لکھی جس کا نام ''مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل ولطائف الاخبار'' ہے (۲۳۹)۔

۱۷۔ وحید الزمان بن مسیح الزمان (م ۱۳۳۸ھ) نے لغات الحدیث لکھی (۲۴۰)۔

مختصر حالات محدثین و کتب غریب الحدیث

۱۔ ابو الحسن النضر بن شمیل مازنی نحوی (م ۲۰۳ھ)

ابو الحسن النضر بن شمیل مازنی نحوی تقریباً ۱۲۲ھ کو پیدا ہوئے (۲۴۱)۔ تیسری صدی کے محدثین میں سے ہیں۔ آپ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ ممتاز حافظ حدیث ہیں لغت کے ماہر اور اہل مرو کے عالم ہیں (۲۴۲)۔

احمد بن سعید دارمی کہتے ہیں میں نے ان سے سنا فرماتے تھے: ''مجھے میرے والد ۵ یا ۶ برس کی عمر میں مرو روز سے بصرہ لے آئے تھے۔ یہ سنہ ۱۲۸ھ کا واقعہ ہے اور اس وقت ابو مسلم خراسانی کا فتنہ عروج پر تھا'' (۲۴۳)۔ آپ ہشام بن عروہ، حمید الطویل، اسماعیل بن ابی خالد، ابن عون، ہشام بن حسان، کوفہ اور بصرہ کے دوسرے بہت سے محدثین سے روایت کرتے ہیں اور ان سے یحییٰ بن معین،

اسحاق بن راھویہ، اسحاق الکوسج، محمد بن رافع، احمد بن سعید دارمی اور دوسرے بہت سے لوگوں نے روایت کی ہے(۲۴۴)۔

ابوحاتم کہتے ہیں آپ ثقہ اور متبع سنت ہیں (۲۴۵)۔عبداللہ بن مبارک سے ان کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا یکتائے زمانہ لوگوں میں سے ہے(۲۴۶)۔عباس بن مصعب کہتے ہیں آپ لغتِ عرب اور حدیث دانی میں امام تھے۔مرو اور خراسان میں سب سے پہلے علمِ حدیث کی بنیاد انہوں نے ڈالی(۲۴۷)۔امام شعبہ سے،سب سے زیادہ حدیث روایت کرنے والوں میں سے تھے(۲۴۸)۔انہوں نے اتنی کثیر تعداد میں مفید کتب لکھیں کہ ان سے پہلے کسی نے اتنی تعداد میں مفید کتابیں تصنیف نہیں کیں(۲۴۹)۔مرو کے منصب قضاء پر فائز رہے(۲۵۰)۔احمد دارمی کہتے ہیں میں نے نضر سے سنا ہے فرماتے تھے کتاب الحیل میں ایسے مسئلے ہیں جن پر کفر لازم آتا ہے(۲۵۱)۔

داؤد بن مخراق کہتے ہیں میں نے نضر بن شمیل سے سنا ہے فرماتے تھے جب تک آدمی طلب علم میں بھوکا ہو کر اپنی بھوک کو نہ بھولے علم کی لذت حاصل نہیں کر سکتا(۲۵۲)۔بعض کا خیال ہے کہ نضر بن شمیل فنِ حدیث کے محدثین میں سے ہیں۔ان کی کتاب ''غریب الحدیث'' بہت عمدہ طریقے سے لکھی گئی۔امام نضر بن شمیل خراسان کے شہر مرو میں ۲۰۳ھ میں فوت ہوئے(۲۵۳)۔

۲۔ محمد بن احمد المستنیر المعروف قُطرب (م۲۰۶ھ)

مشہور نحوی اور لغوی ابوعلی محمد بن احمد المستنیر قطرب کے نام سے معروف ہیں(۲۵۴)۔بصرہ میں پیدا ہوئے۔علم نحو کا درس مشہور نحوی سیبویہ سے حاصل کیا(۲۵۵)۔مسلک معتزلہ کے اصول مشہور و معروف معتزلی نظام سے سیکھے۔آپ کے علمی آثار و خدمات میں سے کتاب ''غریب الآثار'' ہے(۲۵۶) جو کہ حدیث کے مشکل الفاظ و غموضات کو حل کرنے کے لیے بہترین تحفہ سمجھا جاتا ہے۔

قطرب ابو دلف القاسم بن عیسیٰ کے بچوں کا اتالیق تھا۔وہ المامون اور المعتصم دونوں کے زمانے میں پڑھاتا رہا اور یوں اسے مسجد میں خطبہ و وعظ کی اجازت مل گئی۔جہاں وہ اپنے ملحدانہ عقائد کی تلقین و اشاعت کرتا۔وہ معتزلی عقیدے کے مطابق قرآن مجید کی اپنی تحریر کردہ تفسیر کو پڑھ کر سنایا کرتا تھا۔جہاں تک لغت کا تعلق ہے اس کی سند تسلیم کرنے میں اختلاف ہے پھر بھی ابن خلکان نے لکھا ہے

کہ قطرب پہلا شخص ہے جس نے لغت میں مثلث کو ایجاد کیا (۲۵۷)۔ ایسے ہم شکل عربی الفاظ جمع کیے ہیں جن کے شروع حرف کی حرکت بدل دینے سے معنی بدل جاتے ہیں۔ یہ کتاب ''مثلثات قطرب'' راقم الحروف کی تحقیق سے پنجاب یونیورسٹی کے مجلّہ میں شائع ہوئی ہے۔ ان میں تصنیفات میں سے جو اس سے منسوب ہیں ہمیں صرف مندرجہ ذیل کا علم ہے:

۱۔ کتاب المثلث (مثلثات قطرب)
۲۔ کتاب الاضداد
۳۔ کتاب ماخالف فیہ الانسان البھیمہ
۴۔ کتاب الازمنہ
۵۔ معانی القرآن
۶۔ کتاب القوافی
۷۔ کتاب فعل وافعل
۸۔ کتاب النوادر
۹۔ کتاب الھمو (وفیات الاعیان کے ولی الدین کے نسخہ میں ''کتاب الھمزہ'' ہے۔
۱۰۔ کتاب الاصوات
۱۱۔ کتاب الفرق
۱۲۔ کتاب الاشتقاق
۱۳۔ کتاب الصفات
۱۴۔ کتاب العلل
۱۵۔ کتاب خلق الفردوس
۱۶۔ کتاب الرد علی الملحدین (۲۵۸)

انہوں نے ۲۰۶ھ میں وفات پائی (۲۵۹)۔

۳۔ ابوعبیدہ معمر بن مثنّی تمیمی بصری (م ۲۱۰ھ)

(i) حالات زندگی

آپ بصرہ کے رہنے والے لغت کے امام ہیں آپ کا حافظہ بڑا قوی تھا، بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں (۲۶۰)۔ آپ ۱۱۰ھ میں جس رات پیدا ہوئے اسی رات حسن بصری کا انتقال ہوا۔ آپ کے اساتذہ میں ہشام بن عروہ، رؤبہ بن حجاج، ابوعمرو بن العلاء شامل تھے (۲۶۱)۔ شاگردوں میں علی بن المدینی، ابوعبیدہ قاسم بن سلام، ابوعثمان مازنی، عمر بن شبہ، علی بن المغیرہ الاثرم اور ابوالعینا شامل ہیں (۲۶۲)۔

یہ محدث نہیں ہیں سبقتِ قلم سے ان کا نام محدثین میں درج ہو گیا ہے (۲۶۳)۔ جاحظ کہتے

ہیں خوارج اور غیر خوارج میں تمام علوم پر ابوعبیدہ سے زیادہ عبور رکھنے والا کوئی نہیں (۲۶۵)۔ امام ذہبی کہتے ہیں مجھے اپنی سند سے ان کے ذریعے فرزدق کا یہ قول پہنچا ہے: ''میں حج کرنے جا رہا تھا کہ راستہ میں ذات عرق کے مقام پر بہت سے خیمے نظر آئے میں نے پوچھا یہ خیمے کس کے ہیں؟ لوگوں نے بتایا یہ جناب حسین بن علیؓ کے خیمے ہیں۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو پوچھنے لگے تم کوفہ سے آ رہے ہو بتاؤ وہاں کے حالات کیسے ہیں؟ میں نے عرض کیا: ''لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں اور ان کی تلواریں بنوامیہ کے ساتھ ہیں'' (۲۶۶)۔

یعقوب بن شیبہ محدث فرماتے ہیں: ''میں نے علی بن مدینی کو ابوعبیدہ کا ذکر اچھائی سے کرتے ہوئے سنا'' (۲۶۷)۔ یحیٰی بن معین ابوعبیدہ کی روایات کو قبول کرتے تھے (۲۶۸)۔ ان کی دو سو سے زائد کتب ہیں جن میں سے درج ذیل مشہور ہیں:

۱۔ مجاز القرآن   ۲۔ کتاب غریب الحدیث

۳۔ کتاب مقتل عثمان   ۴۔ کتاب اخبار الحجاج (۲۶۹)۔

آپ ۲۱۰ھ میں فوت ہوئے (۲۷۰)۔

(ii) کتاب غریب الحدیث

غریب الحدیث پر ابوعبیدہ معمر بن مثنی تیمی بصری نے ایک مختصر کتاب لکھی۔ اس کتاب کے مختصر ہونے کی وجہ یہ نہیں کہ اس سے زیادہ معلومات ان کے پاس موجود نہ تھیں بلکہ اس لیے کہ کسی کام کا آغاز کرنے والا پہلے معمولی پیمانے پر اس کام کو شروع کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ اس زمانے کے لوگ اکثر الفاظ کو جانتے تھے۔ اس لیے موصوف نے انہی الفاظ کی وضاحت کی جو لوگوں کو معلوم نہ تھے (۲۷۱)۔

۴۔ عبدالملک بن قریب اصمعی (م ۲۱۶ھ)

(i) حالات زندگی

ابوسعید عبدالملک بن قریب ادب میں حجت اور عربی زبان کے ماہر تھے (۲۷۲)۔ آپ ۱۲۲ یا

۱۲۳ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے۔آپ کی جائے پیدائش ''مرو'' بھی بیان کی گئی ہے(۲۷۳) آپ نے ابن عون سلیمان بن التیمی، ابوعمرو بن العلاء اور قرۃ بن خالد وغیرہ سے احادیث روایت کی ہیں اور آپ سے ابوعبید، یحییٰ بن معین اور سلمہ بن عاصم، زکریا بن یحییٰ المنقری اور عمر بن شبہ وغیرہ نے احادیث روایت کی ہیں (۲۷۴)۔اور عباس الدوری یحییٰ ابن معین سے اور یحییٰ ابن معین، اصمعی سے روایت کرتے ہیں آپ نے کہا مجھ سے مالک بن انس نے بھی روایت کیا ہے(۲۷۵) اور علم حدیث کے متعلق احمد بن حنبل نے اس کی تعریف کی ہے(۲۷۶) اصمعی کہتا ہے شعبہ نے مجھ سے کہا اگر میں فارغ ہوتا تو آپ کے پاس آتا(۲۷۷)۔آپ ۲۱۶ھ میں فوت ہوئے(۲۷۸)۔

عبدالملک بن قریب اصمعی نے غریب الحدیث پر کتاب لکھی۔ یہ ابوعبیدہ کے زمانے میں تھے۔انہوں نے اس کے بعد کتاب غریب الحدیث پر لکھی وہ بہت عمدہ کتاب ہے۔وہ بھی ابوعبیدہ معمر بن مثنی کی کتاب پر کچھ اضافہ ہے(۲۷۹)۔

۵۔ ابوعبیدالقاسم بن سلام (م۲۲۴ھ)

(i) حالات زندگی

آپ سمندر جیسا علم رکھنے والے فقیہہ اور مجتہد تھے۔لغت کے امام اور بہت سی کتابوں کے مصنف تھے(۲۸۰)۔آپ ۱۵۷ھ میں پیدا ہوئے(۲۸۱)۔اسماعیل بن جعفر، شریک قاضی، ہشیم، ابن عیینہ، عباد بن عوام اور ان کے طبقہ سے حدیث کا سماع کیا۔ان کے بعد ہشام بن عمار اور ان جیسے دوسرے نچلے طبقے کے لوگوں سے بھی روایت کرتے ہیں(۲۸۲) ان سے دارمی، ابوبکر بن ابی الدنیا، علی بن عبدالعزیز، حارث بن ابی اسامہ، محمد بن یحییٰ مروزی اور دوسرے لوگ مستفید ہوئے(۲۸۳)۔آپ ہرات میں پیدا ہوئے اور ان کے والد رومی تھے(۲۸۴)۔

امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں ''اللہ تعالیٰ صداقت کو دوست رکھتا ہے۔ابوعبید مجھ سے زیادہ عالم اور زیادہ فقیہہ ہیں''۔ یہ بھی فرمایا: ''ہم ابوعبید کے محتاج ہیں لیکن ابوعبید کو ہماری حاجت نہیں''(۲۸۵)۔امام احمد فرماتے ہیں ''ابوعبید استاد ہیں ان کی خیر و برکت میں ہر روز اضافہ ہو رہا ہے(۲۸۶)۔امام یحییٰ سے ان کے متعلق پوچھا گیا تو بولے تعجب ہے ابوعبید جیسے آدمی کے بارے میں

لوگوں سے پوچھا جاتا ہے(۲۸۷)۔ابوداؤد کہتے ہیں آپ ثقہ اور مامون ہیں (۲۸۸)۔

امام ذہبی فرماتے ہیں میں کہتا ہوں جو شخص ابوعبید کی کتابوں کا مطالعہ کرے گا اسے علم اور حفظ میں ان کے مقام کا اچھی طرح سے اندازہ ہو جائے گا۔ وہ حدیث کے حافظ اور اس کے علل کو جاننے والے تھے۔علم لغت کے ماہر اور علم تجوید کے امام تھے۔اس فن میں انہوں نے ایک تصنیف بھی یادگار چھوڑی ہے۔ دیر تک سرحدی علاقوں میں قاضی رہے۔آپ ۲۲۴ھ کو مکہ معظمہ میں فوت ہوئے۔آپ کی تصانیف میں ''کتاب الاموال'' اور ''کتاب الناسخ والمنسوخ'' ملتی ہیں (۲۸۹)۔

(ii) کتاب غریب الحدیث

ابوعبید نے مذکورہ علما کے بعد اس موضوع پر نہایت مفید کتاب لکھی۔ جس کو بعد میں آنے والے علما نے مرجع و ماخذ قرار دیا۔ کہا جاتا ہے کہ موصوف نے اس کتاب کی ترتیب میں اپنی ساری عمر کھپا دی۔ چالیس سال اس کی تالیف و ترتیب میں لگے رہے (۲۹۰)۔

مؤلف نے اس کتاب کو مسانید کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے اور احادیث کو سند کے ساتھ پیش کیا ہے اس کے بعد احادیث کے غوامض کی تشریح قرآن وسنت اور کلام العرب کے استشہاد کے ساتھ پیش کیا ہے (۲۹۱)۔ابوعبید لوگوں سے زبانی معلومات لیتے تھے پھر ان کو کتاب میں درج کرتے تھے (۲۹۲)۔اس کتاب کا مقدمہ نہیں ہے۔ مختصر خطبہ ہے اور شروع میں اس کتاب کی ابتدا میں سلسلہ سند مصنف تک ذکر کیا گیا ہے اور حدیث ''زویت لی الارض فأریت مشارقها ومغاربها وسيبلغ ملك امتي ما زوي لي منها" کے بعد لفظ ''زوی'' کے معنی اور اس لفظ کے متعلق اقوال، دوسری احادیث سے تشریح کی ہے۔ نیز الاعشیٰ کا ایک شعر بطور شاہد پیش کیا ہے (۲۹۳)۔ بعض جگہوں پر حدیث کے صرف لفظ کی تشریح کرنے پر اکتفا کیا ہے مثلاً فالعج: رفع الصوت بالتلبية، والثج: سيلان دماء الهدی (۲۹۴)۔ بعض مقام پر حدیث کی تشریح کرنے کے بعد آیت بھی پیش کرتے ہیں مثلاً

حدیث: انه كان يصلى ولجوفه أزيز كازيز المرجل من البكاء" قوله أزيز۔ يعني غليان جوفه بالبكاء والاصل فی الأزيز الالتهاب والحركة،

وكان قوله "انا ارسلنا الشياطين على الكافرين توزهم ازّا" ومن هذا۔ اى تدفعهم وتسوقهم وهو من التحريك(۲۹۵)۔

۶۔ عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری(م ۲۷۶ھ)

(i) حالات زندگی

مشہور محدث ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری ۲۱۳ھ میں پیدا ہوئے تھے(۲۹۶)۔ بعض علما آپ کو مرو کے شہر کی جانب منسوب کر کے مروزی کہتے ہیں۔ آپ کتاب المعارف اور کتاب ادب الکاتب کے مصنف ہیں (۲۹۷)۔ آپ بڑے فاضل اور ثقہ آدمی تھے(۲۹۸)۔ بغداد میں سکونت پذیر رہ کر اسحاق بن راہویہ وابو اسحاق ابراهیم زیادی وابو حاتم بجستانی اور اس طبقہ کے دیگر علما سے حدیث کا درس لیا(۲۹۹)۔ ابن قتیبہ سے ان کے بیٹے ابو جعفر احمد فقیہہ نے حدیثیں روایت کیں (۳۰۰) جو ۳۲۱ھ میں عازم مصر ہو کر منصب قضاء پر فائز ہوئے تھے۔ مذکورہ دو کتابوں کے علاوہ ابن قتیبہ نے مندرجہ ذیل کتب تصانیف کیں جو نہایت مفید ہیں۔

تصانیف

(۱)	غریب القرآن	(۲)	غریب الحدیث
(۳)	عیون الاخبار	(۴)	مشکل القرآن
(۵)	مشکل الحدیث	(۶)	طبقات الشعراء
(۷)	کتاب الاشربہ	(۸)	کتاب اصلاح الفاظ
(۹)	کتاب التقفیہ	(۱۰)	کتاب الخیل
(۱۱)	کتاب اعراب القرآن	(۱۲)	کتاب الانواء
(۱۳)	کتاب المسائل والجوابات	(۱۴)	کتاب المیسر والقداح وغیرہ(۳۰۱)

ابن قتیبہ تمام زندگی بغداد میں رہ کر اپنی تصانیف پڑھاتے رہے(۳۰۲)۔ بعض علما کے نزدیک ابن قتیبہ کے والد مرو کے رہنے والے تھے مگر ابن قتیبہ بغداد میں اور بعض کے قول کے مطابق

کوفہ میں پیدا ہوئے (۳۰۳)۔ چونکہ ابن قتیبہ دینور کے شہر میں عرصہ تک قاضی رہے تھے اس لیے دینوری مشہور ہوئے (۳۰۴)۔

ابن قتیبہ کا میلان احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کے فقہی مسلک کی طرف ہے۔ کتاب التحدیث کے مصنف ابن قتیبہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "وہ عظیم امام محدث اور فقیہہ تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ بہترین مصنف ومؤلف بھی تھے۔ ان کی تصانیف تین سو کے لگ بھگ ہیں۔ آپ امام احمد بن حنبل اور اسحاق کے فقہی مسلک کی جانب مائل تھے"۔

اہل مغرب آپ کی بہت تعظیم کرتے اور کہتے ہیں کہ "جو شخص ابن قتیبہ کی غیبت کو جائز سمجھتا ہے وہ زندیق ہے" وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ "جس گھر میں ابن قتیبہ کی کوئی تصنیف موجود نہیں وہ خیر و برکت سے محروم ہے"۔

خطیب بغدادی فرماتے ہیں: "ابن قتیبہ نہایت ثقہ دین دار اور فاضل تھے"۔ آپ نے راجح قول کے مطابق ماہ رجب ۲۷۶ھ میں وفات پائی (۳۰۵)۔

(ii) کتاب غریب الحدیث

ان کی کتاب کو غریب الحدیث میں ماخذ کی حیثیت حاصل رہی۔ ابن قتیبہ اس کتاب میں ابو عبید قاسم بن سلام کی ہموار کردہ راہ پر گامزن رہے (۳۰۶)۔ ابو عبید کی کتاب سے صرف وہی چیز اخذ کی جس کی شدید ضرورت تھی مثلاً کہیں شرح کا اضافہ کیا یا لفظ کی وضاحت کر دی۔ ابن قتیبہ کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں: "میرا خیال ہے کہ ان دو کتابوں کے بعد غریب الحدیث کے بارے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہے گی" (۳۰۷)۔

مصنف نے اس کتاب کو ابو عبید کی غریب الحدیث کے بعد تحریر کیا ہے اور جن الفاظ کو ابو عبید نے ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ جو انہوں نے چھوڑا ہے ان الفاظ کو جمع کیا ہے۔ ابن قتیبہ لکھتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے "میں عرصے سے ابو عبید کی غریب الحدیث کو اس فن میں کافی سمجھتا تھا۔ لیکن جب میں نے دقت نظر سے دیکھا اور پرکھا تو معلوم ہوا جتنا انہوں نے ذکر کیا ہے۔ اتنا یا اس سے زیادہ رہ گیا ہے۔ اس پر میں نے الفاظ کے مشتقات، مصادر اور اشعار سے شواہد کے ساتھ عرب کے واقعات اور

مثالوں، سلف صالحین کے اقوال اور ان کے الفاظ حدیث پر اعراب وغیرہ شامل کر کے اس کو جمع کیا ہے''(۳۰۸)۔

اور کتاب کا منہج یہ ہے۔

۱۔ مصنف نے اس کتاب کو پہلے فقہی ابواب الوضوء، الصلوۃ، الزکوۃ، الاذان، الصیام، العتاق اور الطلاق وغیرہ کی ترتیب سے لکھا ہے اور ان ابواب کے الفاظ کی تشریح کی ہے۔ تشریح میں اقوال، قرآنی آیات حدیث اور اشعار کو استشہاد میں بیان کیا ہے۔ مثلاً وضو کے بارے میں لکھتے ہیں یہ نماز کے لیے کیا جاتا ہے۔ لفظ وضؤ و وضاءۃ سے ہے جس کے معنی صفائی اور خوبصورتی کے ہیں۔ اسی سے کہا جاتا ہے''فلان وضیء الوجہ''(یعنی فلاں صاف، خوبصورت چہرہ والا ہے)۔ گویا منہ دھونے والا وضاءۃ سے ہے یعنی پانی سے چہرہ صاف کیا اور اس کو خوبصورت بنایا۔ جس نے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء سے کوئی عضو یا پراگندہ بالوں کو پانی سے ٹھیک کیا تو وہ بھی وضاء ہے(۳۰۹)۔

۲۔ پھر قرآن کی سورتوں اور حزبوں کے بارے میں وارد احادیث کی الفاظ کی تشریح کی ہے۔ فرقان کے بارے میں لکھا ہے۔ یہ قرآن حق و باطل اور مومن و کافر کے درمیان فرق کرنے والی ہے اور اسے قرآن اس لیے بھی کہا گیا ہے کیونکہ اس میں تمام سورتیں جمع ہیں(۳۱۰)۔

۳۔ قرآن میں وارد کافروں، ظالموں، فاسقوں، منافقوں، فاجروں اور ملحدوں کے بارے میں احادیث کے الفاظ کی تشریح کی ہے اور ان اسما کا ماخذ بیان کیا ہے۔ کافر کی لغوی تشریح میں لکھتے ہیں ''کفرت الشیء'' سے کسی چیز کو ڈھانپنا ہے۔ اسی سے کہا جاتا ہے''تکفر فلان فی السلاح''جب اسلحہ اٹھائے۔ رات کو بھی کافر کہتے ہیں کیونکہ رات ہر چیز کو چھپا لیتی ہے(۳۱۱)۔

۴۔ پھر باطل ادیان رافضی، مرجیہ، قدریہ اور خوارج کی لغوی تشریح کی ہے۔

مرجعہ کے بارے میں لکھتے ہیں:''مرجیہ ہمزہ اور بغیر ہمزہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ یہ ''رجیئت الشیء'' سے ہے اور''ارجاۃ''اس وقت بولا جاتا ہے جب آپ تاخیر کریں۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا فرمان''ترجی من تشاء منھن''(۳۱۲)۔ یہ نام اس لیے رکھا کہ ان کا خیال ہے ایمان صرف زبان سے اقرار کرنا ہے عمل کا کوئی دخل نہیں(۳۱۳)۔

۵۔ اس طرح ان احادیث رسول ﷺ کے الفاظ کی تشریح کی ہے جن میں صحابہ کرامؓ، تابعین یا ان کے بعد آنے والوں کے مطابق تناقص وتعارض ہے (۳۱۴)۔ کتاب کے آخر میں ان احادیث کو ذکر کیا ہے جو کسی کی طرف منسوب نہ تھیں انہیں اہل لغت نے ذکر کیا ہے لیکن اس کا مرجع معلوم نہیں (۳۱۵)۔

۷۔ امام ابراھیم الحربی (م ۲۸۵ھ)

(i) حالاتِ زندگی

ابو اسحاق ابراھیم بن اسحاق بغداد کے رہنے والے نامور حافظِ حدیث اور چوٹی کے عالم ہیں (۳۱۶)۔ آپ ۱۹۸ھ میں پیدا ہوئے (۳۱۷)۔ انہوں نے ابونعیم، ہوذہ بن خلیفہ، عفان، عبداللہ بن صالح عجلی، ابوعبید، مسدد اور ان کے طبقہ سے حدیث کا سماع کیا (۳۱۸)۔ امام احمد سے فقہ کا علم حاصل کیا (۳۱۹) بلکہ آپ ان کے کبار تلامذہ میں سے ہیں اور ان سے ابن صاعد، ابوبکر نجاد، ابوبکر شافعی، عمر بن جعفر ختلی، عبدالرحمٰن بن عباس اور دوسرے لوگ مستفید ہوئے (۳۲۰)۔

ابو خطیب کہتے ہیں: ''آپ علم میں امام اور زہد میں سرکردہ تھے فقہ کو جاننے والے اور احکام میں صاحبِ بصیرت تھے۔ حدیث کے بلند پایہ حافظ اور اس کی علل کے ماہر تھے۔ فنونِ ادب کو ضبط کرنے والے اور لغت کے جامع تھے'' (۳۲۱)۔ ثعلب کہتے ہیں: ''میں پچاس سال سے جانتا ہوں کہ ابراھیم حربی لغت اور نحو کی کسی مجلس سے غیر حاضر نہیں رہے'' (۳۲۲)۔ سلمی کہتے ہیں: میں نے ابراھیم حربی کے متعلق امام دارقطنی سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ان کو زہد وعلم میں امام احمد کے ہم پلہ سمجھا جاتا تھا (۳۲۳)۔ کہتے ہیں ایک دفعہ خلیفہ معتضد باللہ نے امام حربی کی خدمت میں دس ہزار درہم بھیجے مگر انہوں نے واپس کردیے۔ پھر ایک دفعہ ایک ہزار دینار بھیجے۔ وہ بھی واپس کر دیے اور لینے سے انکار کر دیا۔ خود ابراھیم کا اپنا بیان ہے کہ میں کبھی کوئی شعر نہیں پڑھتا مگر اس کے بعد تین دفعہ قل ھو اللہ احد پڑھتا ہوں (۳۲۴)۔ عبداللہ بن امام احمد کہتے ہیں: مجھ سے میرے والد نے کہا: ''ابراھیم حربی کی خدمت میں جاؤ تاکہ وہ تمہیں فرائض کی تعلیم دیں'' (۳۲۵)۔ امام حاکم کہتے ہیں: ''میں نے محمد بن صالح قاضی سے سنا ہے فرماتے تھے۔ بغداد نے فقہ، حدیث، ادب اور زہد میں ابراھیم حربی جیسا کوئی آدمی پیدا نہیں

کیا یعنی یہ ان تمام فنون میں ماہر تھے" (۳۲۶)۔ امام دار قطنی فرماتے ہیں: "یہ ہر علم میں ماہر اور راست گو امام ہیں (۳۲۷)۔ آپ نے ذی الحجہ ۲۸۵ھ میں وفات پائی۔ آپ کی متعدد تصانیف ہیں (۳۲۸)۔

امام ذہبی فرماتے ہیں: غیلانیات میں ان کی روایت کے مطابق اپنی سند سے مجھے حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث ملی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: حاصل نہ ہونے والی چیز کے ساتھ اپنے آپ کو بہرہ ور ظاہر کرنے والا جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والے کی طرح ہے (۳۲۹)۔

(ii) کتاب غریب الحدیث

آپ نے بھی اس فن پر ایک کتاب لکھی جس کا نام غریب الحدیث ہے۔ اس کتاب میں شرح وبسط کے ساتھ گفتگو کی ہے اور غریب الحدیث پر مشتمل احادیث کا استیعاب کیا ہے۔ متون واسانید کے ذکر وبیان میں بڑی طوالت سے کام لیا ہے (۳۳۰)۔

اس کتاب کے اصل نسخے کی پانچویں جلد جامعۃ ام القریٰ کو میسر آئی تو اس کی تحقیق ڈاکٹر سلیمان بن ابراہیم بن محمد العائد نے کی ہے۔ بقول محقق اس کتاب کی صرف پانچویں جلد میسر آئی ہے باقی اجزاء مفقود ہیں۔ اسی جلد سے محقق نے یہ معلوم کر لیا ہے کہ مصنف نے اس کی ترتیب وتنظیم میں کون سی منہج اور خطہ سازی اختیار کی ہے (۳۳۱)۔ یہ کتاب مؤرخین کے ہاں معروف ہے اور وہ اس بات کے بھی معترف ہیں کہ غریب الحدیث کے باب میں بے مثال کتاب ہے (۳۳۲)۔ ابن الاثیر اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں: "وجمع کتابه المشهور فی غریب الحدیث، وهو کتاب کبیر ذو مجلدات عدة، جمع فیه وبسط القول وشرح، واستقصی الاحادیث بطرق اسانیدها، واطاله بذکر متونها والفاظها، وان لم یکن فیها الا کلمة واحدة غریبة (۳۳۳) (ان کی مشہور تصنیف غریب الحدیث ہے۔ جو بہت بڑی کتاب ہے اور کئی جلدوں میں ہے۔ اس میں اقوال کو جمع کیا اور تشریح وتوضیح کی اور ان احادیث کی سندوں کے تمام طرق بیان کیے اور اس کتاب میں ایسے متون والفاظ بیان کر کے طویل کیا۔ اگر چہ اس حدیث میں صرف ایک ہی غریب لفظ ہو)۔

ابن الاثیر کی اس بات سے معلوم ہوا کہ اس کتاب کی کئی جلدیں ہیں۔ زیر بحث کتاب

اسی (غریب الحدیث) کی پانچویں جلد ہے۔ محقق ڈاکٹر سلیمان لکھتے ہیں: "وصل الینا من کتاب الحربي غریب الحدیث المجلدة الخامسة منه، ولم نطلع علی بقیة اجزائه ومقدمة التي درج المؤلفون علی بیان خطتهم ومنهجهم وطریقهم في التصنیف فیها، وقد حرمنا بهذا الفقد خیرا کثیرا (۳۳۴)(امام الحربی کی کتاب "غریب الحدیث" سے ہم تک صرف پانچویں جلد پہنچی ہے باقی اجزا اور وہ مقدمہ جس میں مؤلفین نے اس کتاب کے خطہ، منہج اور طریقہ تصنیف بیان کیا تھا ضائع ہو گیا۔ اس سے ہم بہت بڑی خیر سے محروم ہو گئے)۔ اس کتاب کے طریقہ تصنیف کے بارے میں محقق لکھتے ہیں "کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے محدثین کے طریقے پر کتاب کو جمع کیا اور لغویوں کے طریقے پر تصنیف کیا یا دونوں طریقوں کو جمع کیا ہے(۳۳۵)۔

محدثین کا طریقہ اپناتے ہوئے حدیث کو سندوں کے ساتھ جمع کیا ہے اور لغویوں کا طریقہ اپناتے ہوئے نظام تقالیب، حروف، ثلاثی و رباعی و خماسی وغیرہ کی ترتیب پر مرتب کیا ہے۔ مثلاً:

اس کتاب کا پہلا باب "سجر" ہے۔ اس لفظ کے متعلق حدیث کی پہلے سند پھر متن حدیث اور اقوال ذکر کیے ہیں۔ اس کے بعد اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے ان احادیث اور آیات کو پیش کیا جن میں یہ لفظ موجود ہے(۳۳۶)۔ اسی طرح سے باب ل میں طریقہ اپنایا ہے(۳۳۷)۔

۸۔ امام ابوسلیمان الخطابی، البُستی (م ۳۸۸ھ)

(i) حالات زندگی

آپ کی کنیت ابوسلیمان نام حمد بن محمد بن ابراھیم بن خطاب ہے آپ بست کے رہنے والے تھے اسی وجہ سے آپ کو بستی کہا جاتا ہے(۳۳۸)۔ نامور لغوی اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں(۳۳۹)۔ انہوں نے پہلے طلب علم کے لیے دور دراز ممالک کا سفر کیا اور مکہ مکرمہ میں ابوسعید ابن الاعرابی، بغداد میں اسماعیل بن محمد صفار اور اس طبقہ کے دوسرے علماء سے سماع کیا(۳۴۰)۔ بصرہ میں ابو بکر، ابن داسہ اور نیشاپور میں ابوالعباس الاصم اور دیگر محدثین سے حدیث کا سماع کیا(۳۴۱)۔ ان سے امام حاکم، ابو حامد اسفرائینی، ابونصر محمد بن احمد بلخی، ابومسعود حسین، محمد کرابیسی، ابوعمر و محمد بن عبداللہ، ابو عبید ہروی، ابوالحسین عبدالغافر فارسی اور دوسرے بہت سے لوگ روایت کرتے ہیں(۳۴۲)۔ ثعالبی

نے "یتیمہ الدھر" میں ان کا نام "احمد بن محمد" لکھا ہے جو کہ غلط ہے صحیح نام "حمد بن محمد" ہے(۳۴۳)۔

آپ نے نیشاپور میں عرصہ دراز تک قیام کیا اور تصنیف وتالیف میں بھی مصروف رہے آپ کے قلم سے مندرجہ ذیل کتابیں پایہ تکمیل کو پہنچیں۔غریب الحدیث، کتاب معالم السنن شرح سنن ابی داؤد، کتاب شرح الاسماالحسنٰی، کتاب العزلہ اور کتاب الغنیۃ عن الکلام واہلہ وغیرہ(۳۴۴)۔آپ ثقہ اور محدث تھے علم کا خزانہ تھے۔ بغداد میں علم لغت، ابوعمر زاہد سے اور علم فقہ ابوعلی بن ابی ہریرہ اور قفال سے حاصل کیا(۳۴۵)۔ بہت عمدہ شعر کہتے تھے۔خود فرماتے ہیں جب ہم ابوسعید بن الاعرابی سے سنن ابی داؤد کا سماع کر رہے تھے میں نے ان سے سنا ہے فرماتے تھے اگر کسی کے پاس کتاب اللہ اور سنن ابی داود کے علاوہ کوئی کتاب نہ ہو تو اس کو مزید کسی علم کی قطعاً ضرورت نہیں۔ مجھے ان کے واسطہ سے حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث ملی ہے "آنحضورﷺ نے فرمایا: ایمان نے کسی کو بے خبری میں قتل کرنے سے روک دیا ہے لہذا کوئی مومن کسی کو بے خبری میں قتل نہ کرے"(۳۴۶)۔

امام خطابی نے بست میں ربیع الآخر ۳۸۸ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا(۳۴۷)۔

(ii) کتاب غریب الحدیث

آپ نے اس کی کتابت میں ابوعبید القاسم بن سلام اور عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری کے مناہج اختیار کیے ہیں۔کوشش یہ کی ہے کہ ابن قتیبہ اور ابوعبید کے کتابوں میں جو احادیث موجود نہیں ان کو یکجا کیا جائے اس طرح یہ تینوں کتابیں غریب الحدیث کی امہات میں شمار ہوتی ہیں (۳۴۸)۔اس (کتاب) کے بارے میں صاحب النہایۃ ابن الاثیرؒ یوں کہتے ہیں: "خطابی نے اس کی تالیف میں عدل وانصاف اور حق گوئی وسچائی کا حق بہتر انداز سے ادا کیا ہے"(۳۴۹)۔

ابن الاثیر نے اپنی کتاب "النہایہ" میں بہت سا مواد خطابی کی غریب الحدیث سے لیا ہے اور امام بیہقی نے السنن الکبرٰی میں اسے نقل کیا ہے(۳۵۰)۔زمخشری نے اپنی کتاب "الفائق" میں اور ابن حجر نے "فتح الباری" میں بہت سا مواد اسی سے نقل کیا ہے(۳۵۱)۔

امام خطابی کی "غریب الحدیث" اپنے فن میں معروف کتاب ہے۔علماء نے اس کی بہت

تعریف کی ہے۔امام ثعالبی (م۴۲۹ھ) فرماتے ہیں: ''ولابی سلیمان کتب من تالیفه وأشهرها وایسرها: کتاب فی غریب الحدیث، وهو فی غایة الحسن والبلاغة'' (۳۵۲) (ابوسلیمان (خطابی) کی تالیف کردہ چند کتابیں ہیں ان میں زیادہ مشہور اور آسان کتاب غریب الحدیث پر ہے اور وہ نہایت ہی عمدہ اور بلیغ ہے)۔

ابوالحسن علی بن یوسف القفطی (م۶۴۶ھ) فرماتے ہیں ''ومن مشهور کتبه فی اللغة کتاب غریب الحدیث، وهو غایة فی بابه'' (۳۵۳) اس (خطابی) کی مشہور کتابوں میں سے کتاب غریب الحدیث، لغت پر ہے جو اپنے باب میں اعلیٰ درجہ کی ہے۔

مقدمہ کتاب میں غریب حدیث کی ضرورت اور تاریخ بیان کرنے کے بعد اپنی کتاب کے بارے میں لکھا ہے: ''اما کتابنا هذا فقد کان خرج لي بعضه وأنا إذ ذاك ببخاری في سنة تسع وخمسین وثلثمائة، فطلب إليّ اخواننا بها ان امکنهم من انتساخه وأحبوا أن یتعجلوا فائدته من غیر تعریج علی فی اتمامه وتلوّم فی النظرة لأن یبلغ اناه، فأخرجت لهم عنه ولما یات النّظر بعد علی استیفاء ملاحظته ولم یقع الاحتشاد منی لتهذیبه (۳۵۴)۔

مؤلف حدیث کا متن سند کے ساتھ لاتے ہیں اور بعض دفعہ دوسری روایت کے ساتھ کوئی اور سند بھی بیان کرتے ہیں اس کے بعد لغوی تفسیر بیان کرتے ہیں اور اس توضیح وتفسیر کی تائید میں ایک حدیث یا کئی احادیث بیان کر دیتے ہیں یا اس (غریب) کے معنی اور شواہد کے لیے قرآنی آیات اور عربی اشعار کا بھی سہارا لیا ہے اور شرح غریب کلمات کے بعد کوئی فقہی مسئلہ ہو تو اس کو بھی بیان کر دیتے ہیں۔

یہ کتاب کسی خاص ترتیب کے ساتھ مرتب نہیں کی گئی ہے۔ جیسا کہ مؤلف نے وضاحت کی ہے۔ مقدمہ کے بعد حدیث اور لغت عرب کے طالب علم کے فضائل وفرائض کا ذکر کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی فصاحت و بلاغت کی مثالیں، غریب الحدیث زیادہ ہونے کے سبب بیان کرنے کے بعد الفاظ کی تشریح شروع کی ہے۔

مثلاً حدیث:"انہ کان اذا مشی، مشی مجتمعا، یعرف فی مشیه انه غیر غرض ولا وکل"۔

سند یرویه ابن ابی السری عن یحییٰ بن راشد، عن داؤد بن ابی هند عن عکرمة عن ابن عباس۔

لغوی تشریح الغرضُ، الملول الضیق الصدر، والغَرَضُ: الملالة۔

تشریح کی تائید میں دوسری حدیث

ومنه حدیث عدي بن حاتم الطائي، حدثنا احمد بن ابراهیم بن مالك، نا بشر بن موسی، ثناعبدالصمد بن حسان، انا السری بن یحییٰ عن محمد بن سیرین قال: قال عدي بن حاتم: لما سمعت برسول الله کرهته أشد کراهیة، فسرت حتی نزلت اقصی جزیرة العرب، فأقمت بها حتی اشتد غرضي......" ثم ذکر قصه قدومه علی رسول الله واسلامه (۳۵۵)۔ بعض اوقات حدیث کے بعد سند اور پھر فقہی مسئلہ بیان کرنے کے بعد لغوی تشریح کرتے ہیں اور اس کی تائید میں قرآنی آیت، دوسری حدیث اور اقوال واشعار پیش کرتے ہیں۔ مثلاً حدیث"انه اسر ثمامة بن أثال، فأبی ان یسلم قصرا، فاعتقه فاسلم"۔

سند حدثناه محمد بن المالکي، أنا الصائغ، نا سعید بن منصور، نا یحیی بن زکریا بن أبی زائدة، عن عبدالملك بن أبي سلمان، عن عطاء بن أبي رباح

فقہی مسئلہ ففیه دلیل علی أن للإمام أن یمن علی الأسیر من غیر فداء ولا مال

لغوی تشریح

وقوله: قصرًا معناه: حبسًا علیه واجبارًا، یقال: قصرت نفسي علی الشیء إذا حبستها علیه ۔اس کی تائید میں آیت ومن هذا قوله تعالیٰ "حور مقصورات

في الخيام "أي محبوسات على أزواجهن مخدرات. اس کی تائید میں حدیث ومنه حديث أسماء بنت عبيد الأشهلية "أنها أتت رسول الله فقالت: يا رسول الله! إنا معشر النساء محصورات مقصورات، قواعد بيوتكم، وحوامل أولادكم، فهل نشاركم في الأجر؟ فقال النبیﷺ عليه: نعم، إذا أحسنتن تبعّل أزواجكن، وطلبتن مرضاتهم" يقال امرأة قصورة وقصيرة! أي مخدرة۔

تشریح کی تائید میں شعر أنشدني أبو عمر، انشدنا ثعلب، عن أبي الاعرابي:

وأنت التي حببت كل قصيرة إلىّ ولم تعلم بذاك القصائرُ

عنيت قصيرات الحجال ولم أرد قصار الخطاشر النساء البهاتر (۳۵۶)

۹۔ ابوعبید احمد بن محمد الھروی (م ۴۰۱ھ)

(i) حالات زندگی

آپ کا اسم گرامی احمد بن محمد کنیت ابوعبید ھروی کی طرف نسبت سے مشہور ہے (۳۵۷)۔ آپ نے علم اللسان ازھری سے حاصل کیا (۳۵۸) اور آپ سے حدیث حافظ بزار اور ابوعثمان الصابونی بیان کرتے ہیں (۳۵۹) آپ نے ۴۰۱ھ میں وفات پائی۔ علمی ورثہ میں چھوڑی ہوئی تصنیفات میں سے" غریبین" قرآن وسنت کی مشکل الفاظ حل کرنے کے لیے مشہور کتاب ہے (۳۶۰)۔

(ii) کتاب الغریبین

آپ ابوسلیمان الخطابی کے شاگرد تھے انہوں نے غریب القرآن والحدیث کے موضوع پر "کتاب الغریبین" لکھی۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر بہت معروف ہوئی۔ موصوف نے اس کتاب کو حروف تہجی پر ترتیب دیا۔ قبل ازیں کسی مصنف نے اپنی کتاب کو اس طرح مرتب نہیں کیا تھا۔ اس میں متون واسانید اور رواۃ ورجال کو جگہ نہیں دی تھی۔ سابقہ کتب میں غریب الحدیث سے متعلق جو مواد تھا اس کو یکجا کیا اور پھر اس پر اضافے کیے۔ اس طرح یہ کتاب نہایت بہترین ترتیب کی حامل اور بہت عمدہ کتاب بن گئی۔ البتہ اس میں یہ نقص باقی رہا کہ اس میں حدیثوں کو متفرق طور پر بترتیب حروف تہجی مرتب

کیا گیا ہے اس لیے احادیث میں کوئی ترتیب ان کے اعتبار سے موجود نہیں۔

غریب الحدیث معلوم کرنے کے سلسلے میں یہ کتاب متاخرین کے لیے اہم ترین ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ بہت سے لوگوں نے اس کی پیروی کی اور جو احادیث ان سے رہ گئیں تھیں ان کا اضافہ کیا(۳۶۱)۔اسی کتاب کے اصل نسخہ کا کوئی علم نہیں دیگر کتب سے معلومات ملتی ہیں۔

۱۰۔ الشریف الرضی محمد(م ۴۰۶ھ)

(i) حالات زندگی

آپ کا نام ابوالحسن محمد بن الطاہر ہے اور آپ کا حسب ونسب حضرت علیؓ تک جا پہنچتا ہے(۳۶۲)۔الشریف الرضی کے لقب سے معروف ہیں۔آپ بغداد میں ۳۵۹ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے باپ کی زیر نگرانی تربیت پائی۔بچپن ہی میں علم حاصل کیا(۳۶۳)بڑی عمر کے بعد قرآن کا علم سیکھنا شروع کیا اور کم مدت میں قرآن حفظ کرلیا۔آپ نے معانی القرآن پر ایک ایسی کتاب لکھی جس کی مثال لوگ پیش کرنے سے عاجز ہیں(۳۶۴)۔

فقہ وعلم الفرائض میں کمال اور علم وادب میں مہارت وتفوق سے سرفراز ہوئے۔ابھی عمر بیس برس سے زیادہ نہ ہوئی تھی کہ شاعری کرنے لگے۔۳۸۸ھ میں جب وہ انتیس برس کے ہوئے تو طالبیین کی نقابت میں اپنے باپ کی جانشینی کی اور بعدازاں باقی ماندہ امور بھی انہیں تفویض کر دیے گئے جو ان کا والد انجام دیتا تھا۔یعنی مقدمات کے فیصلے کرنا اور لوگوں کو حج کرانا وہ ایک مدت تک یہ فرائض انجام دیتے رہے(۳۶۵)۔آپ ایک بہترین شاعر بھی تھے اور آپ کا ایک دیوان بھی ہے جو کہ چار مجلدات میں ہے اور کئی بار چھپ چکا ہے۔امام ذہبی کا کہنا ہے آپ مذھبا شیعہ تھے۔محرم اور بعض کے نزدیک صفر ۴۰۶ھ کو وفات پا گئے(۳۶۶)۔

(ii) مجازات الآثار النبویۃ

آپ کے علمی آثار میں سے مجازات الآثار النبویہ ہے جو کہ چھپ چکی ہے اور فن غریب الحدیث کے لیے ایک بہترین اضافہ ہے(۳۶۷)۔

۱۱۔ ابوالقاسم محمود الزمخشری (م ۵۳۸ھ)

(i) حالات زندگی

محمود بن عمر بن محمد نام، کنیت ابوالقاسم اور زمخشر کی طرف آپ کی نسبت ہے(۳۶۸)۔ آپ زمخشر میں ۴۶۷ھ میں پیدا ہوئے جو خوارزم کی ایک بہت بڑی بستی ہے(۳۶۹)۔ نصر بن البطر اور دیگر نامور اساتذہ سے زانوئے تلمذ کا شرف حاصل ہے(۳۷۰)۔ لغت وادب اور تفسیر وغیرہ کا شہسوار سمجھا جاتا ہے۔ ان کو بلاغت، معانی اور بیان وغیرہ پر بھی دسترس حاصل ہے اور تالیف وتصنیف میں نامور شخصیت ہیں۔

تصانیف میں سے چند یہ ہیں: تفسیر الکشاف، الاحاجاۃ بالمسائل النحویہ، المفرد والمرکب، الفائق فی غریب الحدیث، اساس البلاغۃ، ربیع الابرار وخصوص الاخبار، متشابہ اسامی، النصائح الکبار، النصائح الصغار، ضالۃ الناشر والرائض فی علم الفرائض وغیرہ(۳۷۱)۔ آپ نے ۵۳۸ھ میں وفات پائی(۳۷۲)۔

(ii) الفائق فی غریب الحدیث

''الفائق فی غریب الحدیث'' انہیں کی شاہکار تصنیفات میں سے ہے۔ آپ نے اس کتاب کو حروف تہجی کے مطابق مرتب کیا ہے مگر کسی غریب لفظ کو اس کتاب میں تلاش کرنا بڑا دشوار ہے اگرچہ یہ دشواری سابقہ کتب کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔

آپ نے اس کتاب کی تالیف میں یہ اسلوب اختیار کیا ہے کہ پوری حدیث یا حدیث کا کچھ حصہ نقل کرتے ہیں اور پھر غریب الفاظ کی شرح کرتے ہیں اس طرح ایک حدیث کے تمام غریب الفاظ کی شرح ایک ہی لفظ کے زیر اثر آ جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک کلمہ کی شرح جہاں کرنا چاہیے اس کے بجائے دوسری جگہ اس کی وضاحت کر دی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے احمد بن محمد الھروی کی کتاب سے استفادہ الفائق کی نسبت آسان تر ہے(۳۷۳)۔ الفائق مطبوع ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے احادیث وآثار کے مشکل الفاظ کو حروف معجم پر مرتب کیا ہے۔ مثلاً ہمزہ مع الباء پھر ہمزہ مع التاء پھر ہمزہ مع الثاء آخر تک(۳۷۴) اور ان الفاظ کی تشریح کی ہے۔ ہر حرف کے تحت لفظ کا مادہ بیان کیا ہے پھر اس

میں حروف تہجی کا لحاظ نہیں رکھا ہے۔ مثلاً لفظ دال کے تحت "دبر" کے بعد "دباء" پھر "دنج" پھر "دبیب" کی تشریح کی ہے (۳۷۵)۔ بعض مقام پر ایک لفظ کا کسی جگہ ذکر کر کے پھر دوبارہ کسی اور لفظ کی تشریح کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً "حرف میم مع الذال" میں "جزم" کے بعد "جذع"، جذعم، جذر، جزیہ، جذر، جذل، کے بعد پھر دوبارہ جزم کی تشریح کی ہے (۳۷۶)۔

تفسیر کشاف انہیں کی تالیف ہے۔ علوم عربیہ میں امام فن سمجھے جاتے ہیں۔ فائق کے معنی ہیں فوقیت لے جانے والا۔ سو یہ کتاب واقعی اسم با مسمیٰ ہے۔ اس نے غریب الحدیث کی ہر مشکل آسان کر دی ہے۔ علامہ ابن اثیر جزری (م ۶۰۶ھ) جنہوں نے خود اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب لکھی ہے الفائق کے بارے میں لکھتے ہیں: "ولقد صادف هذا الاسم المسمى وكشف من غريب الحديث كل معنى" (۳۷۷)۔

۱۲۔ ابوموسیٰ اشعری المدینی الھروی (م ۵۸۱ھ)

(i) حالات زندگی

آپ کی کنیت ابوموسیٰ اور نام محمد بن ابی بکر بن عمر بن ابوعیسیٰ ہے (۳۷۸)۔ آپ اصفہان کے رہنے والے جلیل القدر حافظ حدیث اور بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں (۳۷۹)۔ آپ ذی قعدہ ۵۰۱ھ میں پیدا ہوئے (۳۸۰)۔ ان کے والد بچپن میں ہی ان کو اپنے ہمراہ حدیث کی مجالس میں سماع کے لیے جایا کرتے تھے چنانچہ دو سال کی عمر میں آپ کا ابوسعید مطرز کے حلقہ درس میں حاضر ہونا مشہور ہے (۳۸۱)۔ اس سے آپ کے دل میں علم کی لگن پیدا ہو گئی۔ حدیث کا بہت سماع کیا اور اعلیٰ تعلیم کے لیے مختلف ممالک کی طرف سفر کیا اور اس فن میں کمال پیدا کیا۔

آپ نے ابومنصور محمد بن عبداللہ بن مندویہ، غانم برجی، ابوعلی حداد، ابوالفتح محمد بن عبداللہ بن خوردست، ابوالرجاء محمد بن ابوزید، حافظ محمد بن طاہر مقدسی، ابوزکریا بن مندہ، ہبۃ اللہ بن حسن ابرقوہی اور اس طبقہ کے دوسرے اہلِ علم سے حدیث کا سماع کیا (۳۸۲)۔ ابوالقاسم تیمی وغیرہ سے سندِ فراغت حاصل کی (۳۸۳)۔ آپ نے بہت سی مفید اور نافع کتابیں تصنیف کیں (۳۸۴)۔ آپ کو فن غریب الحدیث میں معرفتِ تامہ اور روایت واسعہ حاصل تھی علوِ اسناد کے ساتھ ساتھ علم حدیث میں تفوق اور

برتری بھی آپ پر ختم تھی۔محدثین کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے بذریعہ اجازت روایت کی ہے(۳۸۵)۔

ابن دبیثی فرماتے ہیں: آپ اتنا عرصہ زندہ رہے کہ حفظ و اسناد میں اپنے عہد کے درّ یگانہ اور شیخ زمانہ بن گئے(۳۸۶)۔سمعانی کہتے ہیں میں نے ان سے سماع کیا ہے اور انہوں نے مجھ سے لکھا ہے(۳۸۷)۔امام عبدالقادر کہتے ہیں کہ آپ نے اصفہان میں حدیث کا اتنا سماع کیا کہ ان کے زمانے میں اتنا کسی کو حاصل نہیں ہوا۔آپ نے اس قدر کتابیں لکھیں کہ متقدمین میں سے شاید ہی کسی نے لکھی ہوں۔آپ نے ان میں قابل اعتماد مواد جمع کیا ہے۔آپ نے عسرت وتنگدستی میں زندگی بسر کی۔کسی سے نذرانہ یا ہدیہ قبول نہ کرتے تھے۔کئی دفعہ لوگوں نے بیش قیمت مال کی وصیت کی مگر آپ نے ہمیشہ اسے مسترد کر دیا۔تواضع اور فروتنی کا یہ حال تھا کہ بچوں اور بڑوں کو پڑھانے اور مبتدیوں کی رہنمائی کرنے میں امتیاز نہیں کرتے تھے۔میں نے دیکھا کہ آپ تختیوں پر لکھ کر بچوں کو قرآن مجید یاد کرایا کرتے تھے۔تنہا آتے جاتے تھے۔میں تقریباً ڈیڑھ سال آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا اس عرصے میں میں نے آپ سے کوئی ایسا فعل نہیں دیکھا اور نہ کوئی ایسی بات سنی جس کی وجہ سے آپ پر عیب لگ سکے(۳۸۸)۔آپ کی تصانیف میں سے چند قابل ذکر درج ذیل ہیں:

۱۔ کتاب ذیل معرفۃ الصحابہ
۲۔ کتاب الطوالات
۳۔ کتاب تتمۃ الغریبین
۴۔ کتاب اللطائف
۵۔ کتاب عوالی التابعین۔
۶۔ کتاب التصبیع العمر
۷۔ کتاب المغوث (۳۸۹)۔

ایک خواب: حسین بن یوحن ،وری کہتے ہیں ایک دفعہ شہر خان میں مجھ سے کسی نے خواب کی تعبیر پوچھی۔سائل نے خواب میں دیکھا ہے کہ رسول ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے میں نے کہا اگر تمہارا یہ خواب درست ہے تو اس کا مطلب ہے کہ کسی ایسے نامی گرامی امام کا انتقال ہو جائے گا جس کی زمانے میں نظیر نہیں کیونکہ اس قسم کے خواب امام شافعیؒ، امام ثوریؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی وفات کے وقت دیکھے گئے تھے۔کہتے ہیں کہ ابھی شام بھی نہیں ہوئی تھی کہ ہمیں حافظ ابوموسیٰ کی وفات کی خبر پہنچی (۳۹۰)۔

عبداللہ بن محمد جخندی کا بیان ہے کہ ان دنوں اصفہان میں قحط کی سی حالت اور پانی کی سخت قلت تھی ادھر لوگ حافظ ابوموسیٰ کے دفن سے فارغ ہوئے اور ادھر موسلا دھار بارش برسنے لگی جس سے سخت گرمی میں کافی حد تک کمی ہوگئی (۳۹۱)۔ محمد بن محمود دویدشتی کہتے ہیں حافظ ابوموسیٰ کا انتقال ۹ جمادی الاول سنہ ۵۸۱ھ میں ہوا (۳۹۲)۔

(ii) المجموع المغیث فی غریب القرآن والحدیث

ابوموسیٰ اشعری نے احمد بن محمد الھروی کے انداز پر ایک کتاب لکھی اور غریب القرآن والحدیث سے متعلق جو مواد اس میں شامل نہ تھا وہ اپنی کتاب میں درج کیا (۳۹۳)۔

مؤلف نے اس کتاب کی ترتیب وتہذیب کو حسن وکمال کے انتہا کو پہنچایا کسی غریب لفظ کی ضرورت پڑ جائے تو ان دونوں میں سے کسی ایک کتاب میں آپ ضرور پالیں گے۔ مشکل لفظ ڈھونڈ نے میں کسی قسم کی الجھن محسوس نہیں کریں گے (۳۹۴)۔ اس کتاب کی تعریف میں امام ابن الاثیر (م ۶۰۶ھ) یوں فرماتے ہے ''ابوموسیٰ المدینیؒ نے کتاب المغیث کو اس انداز میں تصنیف کیا ہے کہ ھروی سے غریب القرآن والحدیث میں جو قدر ومنزلت اور فائدے کی باتیں چھوٹ گئی تھیں ان سب کو جمع کردیا ہے اور اس تصنیف کے فوائد واسلوب بیان اور ترتیب وتنظیم کے لحاظ سے ھروی کے ہم مسلک اور مماثل نظر آتے ہیں'' (۳۹۵)۔ یہ کتاب قرآن اور احادیث کے مشکل الفاظ کی تشریح میں ہے۔ چونکہ مصنف نے یہ کتاب ابوعبید ھروی کی کتاب الغریبین کی منہج پر لکھی ہے اس لیے جو الفاظ اس سے رہ گئے تھے وہ جمع کرنے کی کوشش کی ہے لیکن بعض الفاظ کئی اور وجوہ کی بنا پر شامل کیے ہیں اس میں صرف حدیث نہیں بلکہ قرآن کو بھی لیا گیا ہے (۳۹۶)۔

کتاب کو حروف معجم پر ترتیب دیا ہے ''باب ہمزہ'' سے شروع کیا گیا ہے۔ اس طرح ہر حرف کے لیے الگ باب مقرر کیا ہے اور ہر باب میں بھی حروف تہجی کے لحاظ سے الفاظ کو جمع کیا ہے اور ان کی تشریح میں اختصار سے کام لیا ہے۔ ضرورت سے زیادہ تشریح کرنے سے گریز کیا ہے۔ مثلاً لفظ ''اسد'' کے بارے میں لکھتے ہیں: ''فی حدیث لقمان بن عاد: "خذ منی اخی ذا الاسد" کأنه وصفه بالشجاعة. یقال: اسد واستاسد اذا اجترأ. ومنه ما فی حدیث أم زرع: "إذا

خرج أسد" ويقال أسد الرجل إذا خزف وذهش عند رؤية الاسد(۳۹۷)۔

ابن خلکان لکھتے ہیں "وھو کتاب نافع" (۳۹۸)۔

۱۳۔ ابوالفرج ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ)

ابوالفرج، عبدالرحمٰن بن ابی الحسن علی بن محمد المعروف جمال الدین بغداد کے رہنے والے جلیل القدر حافظِ حدیث، عالمِ عراق اور واعظِ آفاق ہیں (۳۹۹)۔ آپ کے جدّ اعلیٰ نے شہر واسط میں اپنے گھر میں اخروٹ کا درخت لگایا ہوا تھا ان کے علاوہ پورے شہر میں یہ درخت کسی کے گھر میں نہیں تھا اس لیے جوزی (اخروٹ والا) کے نام سے مشہور ہو گئے اور آپ کی اولاد ابن الجوزی کہلائی۔ آپ ۵۱۰ھ میں یا اس سے کچھ پہلے پیدا ہوئے اور ۵۱۶ھ میں حدیث کا سماع شروع کیا (۴۰۰)۔ آپ تین سال کے تھے جب باپ کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا اور آپ کو یتیمی کا رنج سہنا پڑا۔ والد کی رحلت کے بعد آپ کی پھوپھی نے آپ کی تربیت کی۔ آپ کے عزیز و اقارب پیتل کی تجارت کرتے تھے اس لیے آپ اکثر اپنی تحریروں میں اپنا نام عبدالرحمٰن بن علی صفار لکھتے تھے۔ جب آپ نے ہوش سنبھالا اور لکھنے پڑھنے کے قابل ہو گئے۔ تو آپ کی پھوپھی نے آپ کو حافظ ابنِ ناصر کے حلقہ درس میں داخل کرا دیا انہوں نے آپ کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ مبذول فرمائی اور علم کا وسیع ذخیرہ آپ کے قلب و دماغ میں اتار دیا (۴۰۱)۔

آپ نے ابوالقاسم بن حصین، علی بن عبدالواحد دینوری، ابوعبداللہ حسین بن محمد بارع، ابو السعادات احمد بن احمد متوکلی، اسماعیل بن ابوصالح مؤذن اور دوسرے متعدد علماء سے حدیث کا سماع کیا۔ آپ کے اساتذہ کی تعداد ۸۶ تک پہنچتی ہے۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے اس قدر علم لکھا جو احاطہ شمار سے باہر ہے۔ ۵۲۰ھ سے وعظ کہنا شروع کیا اور یہ سلسلہ تادمِ واپس جاری رہا (۴۰۲)۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست بھی خاصی طویل ہے۔ چند قابلِ ذکر نام درج ذیل ہیں۔ آپ کے صاحبزادہ محی الدین، آپ کے پوتے مشہور واعظ شمس الدین یوسف بن فرغلی اور حافظ عبدالغنی وغیرہ ہیں (۴۰۳)۔

آپ کو پُر تاثیر وعظ کہنے کا وہ ملکہ حاصل تھا جو آپ سے پہلے کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ ملوک و سلاطین اور خلفا بھی آپ کے وعظ میں شرکت کو باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ کہتے ہیں آپ کی بعض مجالس میں

ایک ایک لاکھ کی حاضری ہوتی تھی مگر اس میں مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ تقریباً دس ہزار آدمی حاضر ہوتے تھے۔ اپنے قلم سے دو ہزار جلدیں لکھی ہیں (۴۰۴)۔ آپ نے اتنی کتابیں لکھی ہیں کہ اسلاف اور معاصرین میں سے کسی نے اتنی کتابیں نہیں لکھیں۔ ان میں سے چند قابلِ ذکر درج ذیل ہیں:

۱۔ المغنی فی علوم القرآن، بڑی ضخیم کتاب ہے۔ ۲۔ زاد المسیر ۴ جلد
۳۔ تذکرۃ الاریب فی اللغۃ ۴۔ الوجوہ والنظائر
۵۔ فنون الافنان ۶۔ جامع المسانید
۷۔ الحدائق ۸۔ نفی النقل
۹۔ عیون الحکایات
۱۰۔ التحقیق فی مسائل الخلاف وغیرہ (۴۰۵)

آپ کی کل تصانیف ۲۵۰ سے زیادہ ہیں (۴۰۶)۔

ابو الفرج ابن الجوزی نے خاص طور پر غریب الحدیث کے موضوع پر ایک کتاب لکھی جس میں الہروی کا انداز اختیار کیا۔ بلکہ ان کی کتاب الہروی کی کتاب سے مختصر ہے۔ ابن الجوزی صرف ایک آدھ لفظ کا اضافہ کرتے ہیں۔ بخلاف ازیں ابو موسیٰ مدینی الہروی کی کتاب سے صرف وہی مواد لیتے ہیں جس کی شدید ضرورت ہوتی ہے (۴۰۷)۔

۱۴۔ ابن الاثیر (م ۶۰۶ھ)

(i) حالات زندگی

امام مجد الدین ابو السعادات مبارک بن محمد بن عبدالکریم شیبانی المعروف ابن الاثیر (۴۰۸) ان کے والد محمد اثیر کہلاتے تھے۔ اس لیے ان کے دو بھائیوں کی ابن اثیر کے نام سے شہرت ہوئی۔ ربیع الاوّل یا ربیع الثانی ۵۴۴ھ، میں جزیرہ ابن عمر میں پیدا ہوئے اور یہیں پرورش پائی (۴۰۹)۔

آپ نے ابو القاسم صاحب ابن النحل بغدادی، ابو محمد سعید بن مبارک بن زھان، ابو الفضل عبداللہ بن احمد الخطیب الطوسی عبدالمومن بن کلیب، عبدالوھاب بن سکینہ اور یحییٰ بن سعدون قرطبی

وغیرہ سے فیض حاصل کیا(۴۱۰)۔ آپ کے تلامذہ میں آپ کے فرزندوں کے علاوہ شہاب قومی اور فخر الدین بن بخاری وغیرہ مشہور ہیں (۴۱۱)۔

ابن الاثیر امراء اور سلاطین ؒ سے بھی ملتے رہتے اور ان کو اپنے زمانہ کے موصل کے تمام امراء کے ہاں رسوخ حاصل تھا۔ ابن الاثیر امیر مجاہد الدین قایماز بن عبداللہ کے نائب تھے (۴۱۲)۔ مگر عملاً وہی اصلی سلطان تھے۔ امیر سیف الدین نے اس کی قابلیت، لیاقت، حسن خدمت اور عمدہ کارگزاری کی وجہ سے تمام معاملات ان کے سپرد کر دیے تھے (۴۱۳)۔

علامہ ابن اثیر نے متعدد کتب و رسائل تالیف کیے۔ ان کی تمام تصنیفات اسلوب بیان اور حسن تحریر کے لحاظ سے دلکش ہیں۔ ابن خلکان لکھتے ہیں: آخر میں انہیں ایک مرض لاحق ہوگیا اس کی وجہ سے ہاتھ پاؤں مفلوج ہو گئے اور وہ چلنے پھرنے اور لکھنے پڑھنے سے بالکل معذور ہو گئے۔ پھر باقی وقت اپنے گھر میں ہی گوشہ نشینی کی حالت میں گزارا۔ اس وقت علما و اکابران سے استفادہ کے لیے گھر آتے تھے۔ انہوں نے اپنی تمام تصنیفات معذوری اور خانہ نشینی کے زمانہ میں تالیف کیں۔ اس زمانہ میں ان کو پوری یکسوئی حاصل تھی اور ایک جماعت تھی جو کتابوں (کی مراجعت اور حوالوں) کے نقل و اقتباس میں ان سے پورا تعاون کرتی تھی (۴۱۴)۔

علامہ ابن اثیر نے اس معذوری اور خانہ نشینی کے زمانہ میں ذی الحجہ ۶۰۶ ھ کو موصل میں انتقال کیا(۴۱۵)۔

(ii) کتاب النھایۃ فی غریب الحدیث والاثر

غریب الحدیث پر ان کی کتاب معروف ہے۔ انہوں نے الہروی اور ابوموسیٰ مدینی کی کتب میں موجود مواد کو یک جا کیا اور اس کے علاوہ کتب حدیث میں خواہ وہ صحیح ہوں یا سنن یا جوامع و مصنفات و مسانید جو احادیث مل سکیں ان کے مشکل الفاظ کی تشریح کی۔ الہروی کی کتاب کے لئے انہوں نے "ہ" کو بطور رمز مقرر کیا۔ اور ابوموسیٰ مدینی اصفہانی کی کتاب کو "س" سے ظاہر کرتے ہیں۔ اپنی کتاب کا نام انہوں نے "النہایہ فی غریب الحدیث والاثر" رکھا ہے(۴۱۶)۔ یہ کتاب لغت حدیث اور غریب الحدیث میں سند سمجھی جاتی ہے۔

مصنف نے مقدمہ سے کتاب کو شروع کیا ہے اس میں الفاظ کی مختلف تقسیم، غریب الحدیث کی تاریخ اور اس فن کو ایجاد کرنے کی وجوہات بیان کی ہیں۔ جو کہ اختصار کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو وہ علم دیا تھا جو دوسرے نہیں جانتے تھے صحابہ کرامؓ آپ کی اکثر بات سمجھ لیتے تھے اور جو سمجھ میں نہ آئے آپ ﷺ سے پوچھ لیتے تھے۔

۲۔ صحابہ کے زمانے میں عربی زبان خالص تھی مختلف ممالک کی فتح، غیر عرب سے میل جول تک اس میں کوئی خلل داخل نہیں ہوا تھا۔

۳۔ تابعین کے دور میں عربی اور عجمی زبانیں مل گئی تو علما نے عربی زبان کی حفاظت میں کتابیں تصنیف کیں (۴۱۷)۔

امام ابن الاثیر اپنی کتاب کے متعلق لکھتے ہیں: اس کتاب میں غریب الحدیث اور آثار کو دو اقسام میں تقسیم کیا ہے:

۱: مسمی کی طرف منسوب ہے۔

۲: کسی کی طرف منسوب نہیں ہے اس میں اکثر اور غالب حدیث رسول ﷺ ہیں۔ تھوڑے ہی الفاظ ہیں جن کی حقیقت معلوم نہیں کہ یہ حدیث ہے یا نہیں۔ میں اسی جگہ پر تنبیہ کرتا ہوں (۴۱۸)۔

ابن الاثیر نے اپنی کتاب کے الفاظ کو حروف تہجی کے لحاظ سے ابواب میں ترتیب دیا ہے اور اس لفظ کے متعلق حدیث بیان کرنے کے بعد تشریح کی ہے اور دوسرے اقوال، امثال اور اشعار سے وضاحت کی ہے کہ اس لفظ کا اصل مشتق اور صیغے وغیرہ بیان کیے ہیں۔ جیسے لفظ ''اب'' میں لکھتے ہیں (فی حدیث أنس) أن عمر بن الخطاب قرأ قول الله عز وجل "وفاكهة وأبا" وقال "فما لأب؟ ثم قال: ما كلفنا أوما أمرنا بهذا "الأب: المرعى المتهيى للرعى والقطع: اور ''اب'' کے بارے میں یہ قول بھی نقل کیا ہے ''الأب من المرعى للدواب كالفاكهة للانسان ''اس بارے میں دوسری حدیث، قیس بن ساعدہ کو ذکر کیا ہے۔ ومنه حديث قيس بن ساعدة: فجعل يرتع ابا، واصيد حبا (۴۱۹)۔ بعض مقام پر لفظ کے متعلق کوئی عبارت اور اس کی تشریح مختصراً کی ہے۔ مثلاً لفظ ''ابرز'' کے بعد لکھتے ہیں ''منه ما يخرج كالذهب الإبريز ''أى

الخالص، وهو الابریزی ایضا الهمزة والیاء زائدتان" (۴۲۰)۔

امام سیوطی فرماتے ہیں: "یہ کتب الغریب میں سب سے زیادہ جامع اور سب سے زیادہ مشہور اور سب سے زیادہ مقبول و متداول ہے۔ جو الفاظ آپ سے رہ گئے تھے اس کتاب کو الصفی الارموی متوفی ۷۲۳ھ نے ایک ذیل میں جمع کیا ہے" (۴۲۱)۔ حافظ جلال الدین سیوطی نے "النہایہ" کا خلاصہ تیار کیا اور اس کا نام "الدر النثیر تلخیص نہایۃ ابن الاثیر" ہے (۴۲۲)۔

۱۵۔ حافظ جلال الدین السیوطیؒ (م ۹۱۱ھ)

(i) حالات زندگی

حافظ جلال الدین سیوطی (۸۴۹ھ) قریہ سیوط میں پیدا ہوئے جو دریائے نیل کے مضافات میں واقع ہے (۴۲۳)۔ آٹھ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا (۴۲۴)۔ انہوں نے جن اساتذہ و شیوخ سے جملہ علوم اسلامیہ یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ، معانی وادب وغیرہ میں تعلیم حاصل کی ان کا تذکرہ اپنی کتاب "حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ" میں کیا ہے (۴۲۵)۔

ارباب سیر اور تذکرہ نگاروں نے آپ کے علمی تبحر اور فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے: "شیخ جلال الدین عبدالرحمٰن اپنے عہد کے نہایت باکمال آئمہ فن میں سے تھے"۔ فطرت کی طرف سے اُن کی ذات میں بہت سی خوبیاں ودیعت کی گئی تھیں۔ درس و تدریس، تصنیف و تالیف، افتاء و قضاء اور رشد و ہدایت میں انہیں کمال حاصل تھا۔ وہ نامور اور بلند پایہ مفسر، محدث، فقیہہ، ادیب، شاعر، مؤرخ اور لغوی ہی نہ تھے بلکہ اپنے دور کے مجدد بھی تھے" (۴۲۶)۔

علوم قرآن میں علامہ سیوطی کی تفسیر "در منثور" بہت اہم کتاب ہے۔ جس کے بارے میں ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ "ہمارے استاذ الاساتذہ سیوطی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے تفسیر ماثور کو کتاب در منثور میں زندہ کیا ہے (۴۲۷) علوم قرآنی پر علامہ سیوطی کی دوسری کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" ہے (۴۲۸)۔

حدیث میں علامہ سیوطی کی خدمات قابل قدر ہیں۔ اس ضمن میں ان کی پہلی تالیف "جمع الجوامع" ہے اس میں آپ نے صحیح بخاری، صحیح مسلم، مؤطا امام مالک، جامع ترمذی، سنن نسائی اور سنن

ابن ماجہ کو مع اسانید جمع کیا ہے(۴۲۹)۔

صحاح ستہ میں سے آپ نے پانچ کتابوں کی شروح لکھی ہیں:

۱۔ التوشیح علی الجامع الصحیح (صحیح بخاری کی شرح ہے)۔

۲۔ القول الحسن فی الذب علی السنن (سنن ابن ماجہ کی شرح ہے)۔

۳۔ قوت المغتذی علی جامع الترمذی (جامع ترمذی کی شرح ہے)۔

۴۔ زھر الربی علی المجتبی (سنن نسائی کی شرح ہے)۔

۵۔ کشف المغطاء فی شرح الموطا (مؤطا امام مالک کی شرح ہے) (۴۳۰)۔

ان کے علاوہ حافظ سیوطیؒ نے امام نوویؒ (م ۶۷۶ھ) کی کتاب ''التقریب والتیسیر فی مصطلح الحدیث'' جو اصول حدیث میں بہت عمدہ کتاب ہے کی شرح ''تدریب الراوی'' کے نام سے لکھی یہ کتاب طبع ہو چکی ہے اور اسے قبول عام حاصل ہوا ہے(۴۳۱)۔

آپ سات دن بیمار رہونے کے بعد ۱۹ جمادی الاول ۹۱۱ھ کو انتقال کر گئے (۴۳۲)۔

(ii) کتاب الدر النثیر فی تلخیص نھایۃ ابن الاثیر

سیوطی نے النھایہ کا خلاصہ تیار کیا اور اس پر مفید اضافے کیے ہیں یہ خلاصہ نہایۃ کے حاشیے پر چھپ چکا ہے(۴۳۳)۔

۱۶۔ محمد طاہر پٹنی گجراتی (م ۹۸۶ھ)

(i) حالات زندگی

محمد طاہر پٹنی گجراتی ہندوستان کے ممتاز محدثین میں سے ہیں ۹۱۴ھ کو بھارت کے صوبہ گجرات میں پیدا ہوئے (۴۳۴)۔ وہ بوھروں کے متمول گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے نوعمری میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور پندرہ سال کی عمر میں علوم دینیہ سے فارغ ہو گئے۔ ۹۴۴ھ میں تحصیل علم کے شوق میں حجاز روانہ ہو گئے (۴۳۵)۔ وہاں کے علمائے کبار سے کسب فیض کیا اور علم حدیث میں متعدد شیوخ سے سند لی (۴۳۶)۔ ان میں سے چند اساتذہ یہ ہیں:

۱۔ شیخ عبداللہ زیدی۔ ۲۔ سید عبداللہ مدنی

۳۔ شیخ جاراللہ مکی ۴۔ شیخ عبداللہ حضرمی

۵۔ شیخ ابوالحسن بکری وغیرہ سے فنِ حدیث حاصل کیا (۴۳۷)۔

مکہ مکرمہ چار پانچ برس قیام کر کے وطن واپس آئے اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے اور ۹۸۶ھ میں فتنہ مہدویت نے سر اٹھایا تو اسی فتنے کی پاداش میں آپ کو قتل کر دیا گیا (۴۳۸)۔

(ii) کتاب مجمع البحار

اس کتاب کا پورا نام ''مجمع بحار الانوار'' ہے (۴۳۹)۔ اس میں قرآن، صحاح ستہ اور مشکوٰۃ المصابیح کے تقریباً تمام غرائب درج کر دیے ہیں اور جو کچھ باقی بچا وہ تکملہ میں درج کیا ہے (۴۴۰)۔ اس کتاب میں الفاظ حروف تہجی اور مصادر کے اعتبار سے مرتب کیے گئے ہیں اور جن احادیث میں یہ الفاظ آتے ہیں ان کا متن بھی درج کر دیا ہے (۴۴۱)۔ کتاب کے آخر میں فنِ حدیث، وضاع، موضوع احادیث اور مشتبہ ناموں کے صحیح تلفظ، رسول اللہ کی زندگی کے اہم واقعات اور چند مشہور رواۃ حدیث کے حالات قلم بند کئے ہیں۔ یہ کتاب لغت حدیث میں سند سمجھی جاتی ہے غریب الحدیث پر اس میں کافی مواد ملتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند کی علمی دنیا اس کتاب پر جتنا فخر کرے کم ہے۔ آپ مضمون کی غرابت پر بھی پوری نظر رکھے ہوئے ہیں۔ مثلاً جریر بن حازم تابعی (۱۷۵ھ) نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے یہ روایت نقل کی تھی جو ظاہری سطح پر بہت عجیب مضمون بیان کرتی ہے (۴۴۲)۔

"قولوا خاتم النبیین ولا تقولوا لا نبی بعدی" (۴۴۳)۔ مجمع البحار میں اس کی غرابت ساتھ ہی حل کر دی گئی ہے ''ھذا ناظر الی نزول عیسیٰ '' یعنی یہ بات نزول عیسیٰ کے پیش نظر کہی گئی ہے (۴۴۴)۔ ''تذکرۃ الموضوعات'' انہی کی تالیف ہے۔

۱۷۔ علامہ وحید الزمان (م ۱۳۳۸ھ)

(i) حالات زندگی

آپ کا نام محمد وحید الزمان اور وقار نواز جنگ خطاب تھا۔ نسباً فاروقی تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے

وحیدالزمان بن مسیح الزمان نورمحمد بن شیخ احمد ملتانی (۴۴۵)۔

کانپور میں ۱۲۶۷ھ/ ۱۸۵۰ء کو پیدا ہوئے (۴۴۶)۔ تعلیم وتربیت کے لیے والد صاحب نے آپ کے بڑے بھائی کے ذمے لگایا جن سے آپ نے قرآن پاک ناظرہ پڑھا اور خود قرآن مجید کا ترجمہ شروع کرایا اور دیگر فنون علوم عقلیہ ونقلیہ کے لیے نامور اساتذہ وشیوخ سے اکتسابِ فیض کیا ان میں سے مشہور نام درج ذیل ہیں:

۱۔ مفتی عنایت احمد، مصنف تاریخ حبیب الہ:

۲۔ محمد سلامت اللہ کانپوری ۳۔ محمد عادل کانپوری

۴۔ مولانا نیاز محمد بخاری ۵۔ عبدالعزیز محدث لکھنوی

۶۔ شیخ حسین بن محسن انصاری یمنی۔

آپ نے درج ذیل تحقیقی اور علمی خدمت سرانجام دی ہیں۔ ان میں سے مشہور کتاب ''اسرار اللغۃ الملقب بہ وحید اللغات'' قابل ستائش خدمت ہے۔ اردو میں لغت حدیث پر یہ پہلی کتاب ہے۔ چھ جلدوں میں ہے۔ پہلے اس کتاب کا نام ''انوار اللغۃ'' تھا۔ مؤلف خود لکھتے ہیں: ''انوار اللغۃ'' جو جامع لغات احادیث مع احادیث فریقین یعنی امامیہ و اہلسنت ہے۔ بڑی محنت اور جانفشانی سے تالیف کی (۴۴۷)۔ بعد میں آپ نے اس کا نام اسرار اللغۃ رکھا۔ آپ نے اس کی تالیف میں مندرجہ ذیل کتابوں سے مدد لی: نہایہ ابن اثیر، مجمع البحار، قاموس المحیط، صحاح جوہری، محیط المحیط، منتہی الارب، مجمع البحرین، الدر النثیر الغریبین، الفائق، المغرب، لسان العرب وغیرہ سے استفادہ کیا ہے (۴۴۸)۔

آپ کی قابل ذکر تصنیفات یہ ہیں:

۱۔ علامات الموت ۲۔ نور الہدایۃ

۳۔ احسن الفوائد ۴۔ اشراق الابصار

۵۔ فتاوی بے نظیر ۶۔ تشریح الحج والزیارہ

۷۔ الحاشیہ الوصیدیہ ۸۔ الانتھاء فی الاستواء

۹۔ تیسیر الباری ۱۰۔ تبویب القرآن

۱۱۔ وحیداللغات (لغات الحدیث) وغیرہ (۴۴۹)۔

(ii) وحیداللغات (لغات الحدیث)

اردو زبان میں لغات الحدیث پر کیا جانے والا منفرد، جامع اور مبسوط کام ہے۔ اس لغت میں مؤلف نے اہل لغت کے مروجہ طریقے کے مطابق مادوں کو حروف تہجی پر ترتیب دیا ہے۔ کتاب کے منہج کے بارے میں مؤلف لکھتے ہیں۔ اس کتاب میں ہر لفظ کو شروع سطر سے لکھا گیا ہے اور اس پر اعراب بھی دے دیے گئے ہیں تاکہ کم استعداد والوں کو مزید آسانی ہو اور ابواب کی تنقیح اس لیے نہیں کی کہ یہ لغت عربی دانوں کے لیے نہیں ہے۔ ترتیب لغات اس طرح رکھی گئی ہے کہ حرف اوّل کو باب اور حرف ثانی کو فصل مقرر کیا گیا ہے (۴۵۰)۔

پہلی پانچ جلدیں جو بنگلور سے چھپیں وہ ناقص اور اغلاط سے پُر تھیں مصنف کے بقول ''فقیر نے ازسرِ نو ان جلدوں کی بھی باضافہ احادیث ولغات تصحیح وتکمیل شروع کی اور ان کا نام ''اسرار اللغہ'' رکھا حقیقت میں اب کتاب ''انوار اللغہ'' مکمل ہوئی ہے (۴۵۱)۔

اب یہ ''لغات الحدیث'' کے نام سے چار جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ ناشر لکھتے ہیں: اس کتاب کا اصل نام ''اسرار اللغة مع انوار اللغة المقلب به وحيد اللغات '' تھا۔ جواب ''لغات الحدیث'' کے مختصر نام کے ساتھ آپ کے پیشِ نظر ہے (۴۵۲)۔ لغات الحدیث میں مولانا نے تقریباً تمام کے تمام مباحث لے لیے ہیں اور یہ حدیث کی ایک بڑی خدمت ہے۔ اس پہلو سے یہ کتاب اس لائق ہے کہ اس سے بھرپور استفادہ کیا جائے۔ مولانا کی محنت قابل تحسین ہے۔ آپ ۱۳۳۸ھ میں اس دنیا سے داغ مفارقت دے گئے (۴۵۳)۔

غرائب لغات میں مولانا نے ''نہایہ'' اور ''مجمع بحار الانوار'' کے تقریباً تمام کے تمام مباحث لے لیے ہیں کہ یہ مطولات ''وحیداللغات'' کی شکل میں اردو میں آ گئی ہیں۔

المسلسلات

لغوی معنی

مسلسل ''سلسلۃ'' سے اسم مفعول ہے جس کے معنی ایک چیز کو دوسری سے ملانا کے ہیں اس لیے اسے سلسلۃ الحدید (لوہے کی زنجیر) کہتے ہیں۔ مسلسل حدیث دراصل اپنے اجزا میں ہم مثل اور اتصال کے پہلو سے سلسلۃ الحدید کے مشابہ ہے (۴۵۴)۔

اصطلاحی تعریف

وہ حدیث جس کے باہم رواۃ خود اپنی کسی کیفیت یا روایت کی کسی کیفیت پر متفق ہوں البتہ یہ ضروری نہیں کہ سارے رواۃ متفق ہوں بلکہ ''مسلسل'' کہلانے کے لیے اکثر کا اتفاق ضروری ہے اور جب تسلسل درمیان یا آخر میں ختم ہو جائے تو تصریح کر دی جاتی ہے کہ فلاں تک مسلسل ہے۔

مسلسل وہ حدیث ہے جس کی سند میں تمام راوی ایک ہی قسم کے الفاظ استعمال کریں مثلاً حدّثنا، حدّثنی، اخبرنا وغیرہ یا کسی قولی یا فعلی حالت میں سب متفق ہوں (۴۵۵)۔

معجم مصطلح الحدیث میں مسلسل کی یہ تعریف کی گئی ہے۔ ''هو ما اتفق رواته فی صیغ الاداء او غیرها من الصفات والحالات کمسلسل التشبیك بالید، والمصافحه والقبض علی اللحیه وغیرها'' (۴۵۶)۔ (جس کے راوی اداء کے صیغوں، صفات اور حالات میں متفق ہوں مثلاً ہاتھوں کی انگلیوں کو ہاتھوں میں ڈالنا، مصافحہ کرنا اور داڑھی کو پکڑنا وغیرہ کے ہیں)۔

ان میں قولی یا فعلی روایت کی صفت مشترک ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے اس کی تین قسمیں ہیں:

ا: مسلسل باحوال رواۃ۔ ب: مسلسل بصفات رواۃ۔

ج: مسلسل باحوال روایت (۴۵۷)۔

ا۔ مسلسل باحوال رواۃ

وہ حدیث جس میں رواۃ کے کسی حال میں تسلسل پایا جائے خواہ حال، قول یا فعل ہو یا دونوں۔ اس لیے اس کی مختلف حالتیں ہیں:

قولی حالت

قولی حالت یہ ہے کہ اگر ایک راوی "اشهد" یا "بالله العظیم" کے الفاظ استعمال کرے تو اس حدیث کے باقی تمام راوی بھی یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں (۴۵۸)۔ اسی طرح کوئی الفاظ بھی ہو سکتے ہیں۔

دوسری مثال: حضرت معاذ بن جبل کی مشہور حدیث کہ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: "یا معاذ انا احبك فقل دبر کل صلاة اللّهم اعنی علی ذکرك وشکرك وحسن عبادتك" (اے معاذ! میں تم سے محبت کرتا ہوں لہذا ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرو)۔

اس کا ہر راوی اپنے شاگرد سے یہی کلام کرتا ہے "وانا اُحبّك فقل" (اور میں تم سے محبت کرتا ہوں، لہذا کہو)۔ اس حدیث کو حدیث "مسلسل بالمحبّة" کہتے ہیں (۴۵۹)۔

فعلی حالت

حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کہ حضور ﷺ نے میرے ہاتھ کی انگلیوں میں اپنی انگلیاں (تشبیک) ڈال کر فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہفتہ کے دن پیدا کیا"۔ اس حدیث کا ہر راوی بوقت روایت اپنے شاگرد کے ہاتھوں کی انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر بیان کرتا رہا (۴۶۰)۔

قولی وفعلی حالت

قولی وفعلی حالت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بات کرتے وقت اپنی داڑھی مبارک پر ہاتھ پھیرا تھا تو سب راوی اس طرح کریں۔ الفاظ اور فعل دونوں میں متفق ہوں۔

یہ حدیث اس کی مثال ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لا یجد العبد حلاوة الایمان حتیٰ یؤمن بالقدرِ خیرہ وشرّہ وحلوہ ومرّہ قال وقبض رسول الله علیٰ لحیتہ، فقال امنت بالقدر خیرہ وشرّہ وحلوہ ومرّہ" (۴۶۱) (بندہ اُس وقت تک لذت ایمان نہیں پاتا جب تک کہ وہ اس بات پر ایمان نہ لائے کہ خیر وشر اور شیریں وتلخ سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے۔ اس ارشاد کے وقت حضور ﷺ نے اپنی ریشِ مبارک کو پکڑ رکھا تھا اور آپ نے فرمایا: میں تقدیر

پراس کے اچھے اور بُرے ہونے پر ایمان لایا)۔

اس حدیث کو بیان کرتے وقت تمام راویوں نے اپنی ریش کو ہاتھ میں لیا ہوا تھا اور ہر ایک نے یہ لفظ کہے: میں تقدیر کے اچھے اور بُرے ہونے پر اور اس کے تلخ و شیریں ہونے پر ایمان لایا۔ اس لیے یہ حدیث مسلسلات میں سے ہے اور اس میں قول اور فعل دونوں کا ذکر ہے۔

ب۔ مسلسل بصفات رواۃ

وہ حدیث جس میں رواۃ کی کسی صفت پر اتفاق کر لیا جائے یا قدرتی ہو جائے۔ مثلاً یہ کہ سارے رواۃ کا ایک ہی نام ہو جیسے محمد یا احمد وغیرہ یا ایک ہی لقب و منصب ہو جیسے سب حافظ حدیث ہوں یا ایک ہی نسبت ہو خواہ قبیلہ کے اعتبار سے جیسے یہ کہ سب خاندان قریش سے ہوں خواہ وطن کے اعتبار سے جیسے یہ کہ سب دمشقی ہوں یا مصری۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ان صفتوں میں سے دو یا چند ایک ہی حدیث میں جمع ہو جائیں مثلاً "حفاظ مصر" کسی حدیث کو سلسلہ وار نقل کریں۔

سیوطی نے تدریب الراوی کے آخر میں تین حدیثیں ذکر کی ہیں۔ اوّل مسلسل بفقہا شوافع، دوم مسلسل بالحفاظ، سوم مسلسل بمصریین (۴۶۲)۔

ج۔ مسلسل بصفات روایت

وہ حدیث جس میں روایت کی کسی کیفیت پر راوی متفق ہوں۔ خواہ الفاظ ہوں یا زمان یا مقام روایت ہو:

۱۔ مسلسل بالفاظ ادا: وہ حدیث جس کا ہر راوی نقل روایت کے لیے ایک ہی لفظ ذکر کرے مثلاً "سمعت یا اخبرنا یا حدثنی" وغیرہ۔

۲۔ مسلسل بزمن روایت: وہ حدیث جس کو ہر راوی کسی خاص معین وقت میں روایت کرے مثلاً جمعہ یا عیدین کو یا بعد از عصر یا صبح کے وقت۔

۳۔ مسلسل بمقام روایت: وہ حدیث جسے ہر راوی کسی خاص مقام پر روایت کرے جیسے "مُلْتَزم" پر قبولیت دعا کی حدیث جس کو تمام رواۃ نے اسی مقام پر روایت کیا (۴۶۳)

حکم

مسلسلات میں سے افضل وہی ہے جو انقطاع اور تدلیس سے خالی ہو یہ ضروری نہیں کہ ہر مسلسل حدیث صحیح ہی ہو یا یہ کہ صحت کے اعلیٰ درجے پر ہو بلکہ مسلسل احادیث میں اکثر کوئی نہ کوئی نقص ہوتا ہے اگرچہ اصل حدیث جو غیر مسلسل مروی ہو صحیح ہو۔ صحیح مسلسلات میں سے مسلسل بحفاظ ہے اور اصل ترین مسلسل بقرأۃ ''سورہ صف'' ہے یعنی وہ حدیث جس میں سلسلہ وار حضور ﷺ سے لے کر آخری راوی تک ''سورہ الصف'' کے شانِ نزول اور اس کو بیان کرنے کے بعد اس کی تلاوت کا ذکر ہے۔

صبحی صالح کہتے ہیں: فن حدیث میں ناپختہ کار شخص حدیث مسلسل کے تدلیس وانقطاع سے پاک ہونے سے متاثر ہو کر فوراً اس کی صحت کا فیصلہ صادر کرتا ہے اور یہ نہیں دیکھتا کہ اس روایت میں جس عبارت یا ہم رنگ وہم آہنگ فعل کی تکرار پائی جاتی ہے وہ شک وشبہ سے پاک نہیں ہے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں: ''حدیث مسلسل میں یہ فائدہ ضرور ہے کہ وہ تدلیس وانقطاع سے پاک ہوتی ہے مگر ایسی حدیثیں شاذ ونادر ہی صحیح ہوتی ہیں''۔

مسلسل احادیث کا اصل متن اگرچہ تدلیس سے پاک ہونے کی بنا پر صحیح ہوتا ہے مگر بعض اقوال وافعال کے کامل اور متماثل تسلسل کی وجہ سے ان میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ اخبار و احوال کی روایت میں اس قسم کا تسلسل بہت نادر اور دشوار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر احادیث کا متن اگرچہ صحیح ہوتا ہے مگر جب تسلسل کے طریقہ سے ان کی روایت کی جاتی ہے تو ان کی صحت برقرار نہیں رہتی۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ حدیث مسلسل کے بارے میں فرماتے ہیں: ''یہ اسناد کی صفت ہے۔ جب کہ مرفوع ہونا متن کا وصف ہے۔ بخلاف ازیں صحیح متن وسند دونوں کی صفت ہے'' (۴۶۴)۔

مشہور تصانیف

۱۔ المسلسلات: ابن شاذان، ابوبکر احمد بن ابراہیم بن حسین بن شاوان بغداوی (م ۳۸۳ھ)

۲۔ المسلسلات: ابن العربی، ابوبکر محمد بن عبداللہ بن احمد المعروف بہ ابن العربی المعافری المالکی (م ۵۴۶ھ)۔

۳۔ المسلسلات: الدیباجی، ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن یحییٰ العثمانی الدیباجی

الاسکندری (م۵۷۲ھ)۔

۴۔ المسلسلات: سلفی، ابو طاہر عماد الدین احمد بن محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم السلفی الاصفہانی (م۵۷۶ھ)۔

۵۔ المسلسلات: ابن مسدی، ابو بکر جمال الدین محمد بن یوسف بن موسیٰ بن یوسف الازدی الغرناطی، نزیل مکہ (م۶۳۳ھ)۔

۶۔ المسلسلات: ابن طیلسان، ابو القاسم القاسم بن محمد بن احمد بن محمد بن سلیمان الاوسی الانصاری القرطبی (م۶۴۲ھ)۔

۷۔ الجواھر المکللۃ فی الاخبار المسلسلۃ السخاوی، ابو الحسن علم الدین علی بن محمد نزیل دمشق (م۶۴۳ھ)۔

۸۔ الحدیث المسلسل: السبکی، تقی الدین ابوالحسن علی بن عبدالکافی السبکی (م۷۵۶ھ)۔

۹۔ الحدیث المسلسل، ابو زرعہ ولی الدین احمد بن ابی الفضل زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العراقی، الکردی الشافعی، قاہرہ (م۸۲۶ھ)۔

۱۰۔ مائۃ مسلسل، السخاوی، شمس الدین ابوالخیر محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی (م۹۰۲ھ)۔

۱۱۔ المسلسلات الکبریٰ: مصنف سیوطی (م۹۱۱ھ) اس میں ۸۵ احادیث ہیں۔

۱۲۔ (الفوائد الجلیلہ)، ابن عقیلہ، ابو عبداللہ جمال الدین محمد بن احمد العقیلۃ بن سعید المکی (م۱۱۵۰ھ)۔

۱۳۔ مسلسلات، ابن الطیّب (م۱۱۷۰ھ)۔

۱۴۔ مجموعہ المسلسلات: از شاہ ولی اللہ دہلوی (م۱۱۷۶ھ) اس مجموعہ میں سو کے قریب احادیث ہیں جن میں مختلف انداز کا تسلسل ہے اور الحمدللہ اس رسالہ کی سماعت و اجازت کا سلسلہ ہندوستان کے مرکزی اداروں میں جاری ہے۔

۱۵۔ المناھل السلسلۃ فی الاحادیث المسلسلۃ: محمد عبدالباقی ایوبی (م۱۳۶۴ھ) اس میں ۲۱۲ احادیث ہیں (۴۶۵)۔

کتب الاطراف

تعریف

''کتب الاطراف حدیث کی ایسی کتب ہوتی ہیں جن میں ایک یا زیادہ کتابوں کی احادیث کو جمع کر دیا جاتا ہے۔ان میں ایک صحابی کی احادیث کو علیحدہ ذکر کیا جاتا ہے۔مؤلف اس میں صرف حدیث کے ایک حصہ کا ذکر کرتا ہے یا اپنے ہاں سے ایسا جملہ لکھتا ہے جو کہ پوری حدیث پر دلالت کرتا ہے''(۳۶۶) مثلاً یہ حدیث''كلكم راع ''یا حدیث''بني الاسلام على خمس ''اور یہ حدیث'' الايمان بضع وسبعون شعبة ''اور اس طرح کی اور احادیث''۔ان میں ابتدائے حدیث لکھی گئی ہے اور جن کتب میں سے ان کی نشان دہی کی گئی ہے وہ لکھی گئی ہیں۔

ایک اور تعریف ملاحظہ ہو:''کتب الاطراف کا مطلب ہے محدث حدیث کا صرف ایک ٹکڑا ذکر کرتا ہے جس سے باقی ماندہ حدیث کا پتہ چل جاتا ہے۔پھر اس کی یا تو تمام اسانید بیان کرتا ہے یا چند خاص خاص کتب میں اسکی جو اسانید ہوتی ہیں وہ ذکر کر دیتا ہے(۳۶۷)۔

مؤلفات حدیث کی ایک قسم کتب الاطراف ہیں جن سے مراد ایسی کتابیں ہیں جو ایک یا کئی کتابوں کی حدیثوں کی جامع ہوں۔اس انداز میں حدیثیں جمع ہوں کہ ہر صحابی کی احادیث کا الگ الگ ذکر ہو۔ایسی کتابوں کے مؤلف احادیث کے ایسے متن پر اکتفا کرتے ہیں جس سے اس صحابی کا پتہ چل جائے لہذا مؤلف اس کا ایک ٹکڑا بیان کر دیتا ہے یا اپنی طرف سے ایک فقرہ کہہ دیتا ہے جو اس حدیث کی نشان دہی کرتا ہے۔جہاں تک اسانید کا معاملہ ہے تو بعض مؤلفین اختصار کے طور پر ان کے بعض حصے کو بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اور بعض مکمل بیان کر دیتے ہیں تا کہ ان کے درمیان موازنہ کیا جائے اور ان میں موجود احکام کی وضاحت کی جائے۔

کتانی کہتے ہیں''کتب الاطراف سے مراد وہ کتابیں ہیں جن میں حدیث کے ایک حصے کو بیان کرنے پر اکتفا کیا جائے جو اس کی اسانید کے جامع ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے باقی حصے پر دلالت کرتا ہو۔یا تو مکمل طور پر دلالت کرتا ہو یا مخصوص کتب کی قید کے لحاظ سے دلالت کرتا ہو''(۳۶۸)

کتب الاطراف کے فوائد

کتب الاطراف کے کئی فوائد ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل زیادہ مشہور ہیں:

۱۔ کتب الاطراف کے ذریعے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث کتنی سندوں سے بیان ہوتی ہے۔ اس سے ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سند میں انقطاع ہے یا سقط ہے یا کوئی راوی مہمل ہے اور بعض اوقات کسی کی کنیت ذکر ہوتو اسکے نام کا پتہ چل جاتا ہے۔

۲۔ احادیث کی کئی سندیں اور متن جب جمع ہو جاتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ حدیث متواتر ہے، مشہور ہے، عزیز ہے یا غریب ہے(۴۶۹)۔

۳۔ اطراف حدیث کے ذریعے ہمیں بیان کردہ حدیث کے مختلف روایتوں کے متون کا پتہ چلتا ہے جس کے تقابل سے اس حدیث کا مکمل متن سامنے آ جاتا ہے۔ اگر کسی روایت کے اندر کوئی کمی ہوتو دیگر روایتوں سے اس کی تصحیح ہو جاتی ہے۔

۴۔ اطراف حدیث کی کتب سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث کن کتب حدیث کے اندر آئی ہے اور اس کے کس باب میں متن ہے(۴۷۰)۔

۵۔ کتب الاطراف کے ذریعے ہمیں ہر صحابی کی احادیث کا پتہ چلتا ہے۔

۶۔ کتب الاطراف سے ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کس کس کتاب میں یہ حدیث آئی ہے۔ مثلاً آپ مسند احمد کے اندر کوئی حدیث دیکھیں اور یہ جاننا چاہیں کہ یہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، یا ابو داؤد کی سنن میں ہے یا نہیں تو آپ کتب الاطراف میں اس صحابی یا راوی کا ترجمہ دیکھیں اگر اس میں نہ ہوتو اس کا مطلب یہ ہے کہ کتب ستہ میں یہ حدیث نہیں ہے(۴۷۱)۔

۷۔ کتب ستہ کے نسخوں میں اختلاف کا علم ہوتا ہے۔ یہ زیادہ تر بخاری، ابوداؤد اور نسائی وغیرہ کے نسخوں میں ہوتا ہے۔ بعض میں حدیث تفصیل سے ذکر ہوتی ہے بعض میں کچھ حصہ حذف کر دیا جاتا ہے اور بعض میں اس پر تعلیق ہوتی ہے۔ کتب الاطراف سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث فلاں نسخے میں ایسے ہے اور دوسرے میں ایسے ہے۔ خاص طور پر اطراف المزی میں نسخ ابی داؤد اور نسائی کا ذکر ہے اور جو ان نسخوں میں اختلاف ہے اسکا بھی ذکر ہے

۸۔ کتب الاطراف سے سند کے اندر اگر مبہم راوی ہو تو اس کا بھی پتہ چل جاتا ہے(۴۷۲)۔

مشہور کتب الاطراف درج ذیل ہیں:

۱۔ تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف، ابوالحجاج یوسف بن الزکی عبدالرحمٰن المزی (م۷۴۲ھ)۔

۲۔ ذخائر المواریث فی الدلالۃ علی المواضع الحدیث، عبدالغنی نابلسی (م۱۱۴۳ھ)۔

۳۔ اطراف الصحیحین، حافظ ابراہیم بن محمد بن عبید دمشقی (م۴۰۱ھ)۔

۴۔ اطراف الصحیحین، ابوخلف بن محمد واسطی (م۴۰۱ھ)۔

۵۔ اطراف الصحیحین، ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی (م۴۳۰ھ)۔

۶۔ الاشراف لمعرفۃ الاطراف، ابوالقاسم علی بن حسن المعروف ابن عساکر دمشقی (م۵۷۱ھ)۔

۷۔ الاطراف الکتب الستۃ، محمد بن طاہر مقدسی (م۵۰۷ھ)۔

۸۔ اطراف المسانید العشرہ، ابوالعباس احمد بن محمد البوصیری (م۸۴۰ھ)۔

۹۔ اتحاف المہرۃ باطراف العشرہ، الحافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی (م۸۵۲ھ)۔

ان میں سے پہلی دو کتب پر تفصیل سے گفتگو کی جاتی ہے جبکہ باقی کے مؤلفین کا تعارف پیش خدمت ہے۔ان میں سے زیادہ تر غیر مطبوع ہیں۔

۱۔ تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف

ابوالحجاج یوسف بن الزکی بن عبدالرحمٰن المزی (م۷۴۲ھ) ان میں سے پہلی دو کتب پر تفصیل سے گفتگو کی جاتی ہے جبکہ باقی کے مؤلفین کا تعارف پیش خدمت ہے ان میں سے زیادہ غیر مطبوع ہیں۔ مصنف نے اس کتاب کو ۱۰ محرم ۶۹۶ھ کو لکھنا شروع کیا اور ۳ ربیع الآخر ۷۲۲ھ کو ختم کیا۔ یعنی ۲۷ سال کے عرصے میں تحریر کیا(۴۷۳)۔اس کتاب میں مندرجہ ذیل کتب احادیث کی اطراف لکھی گئیں:

۱۔ صحیح بخاری۔ ۲۔ صحیح مسلم۔
۳۔ سنن ابی داؤد۔ ۴۔ جامع ترمذی۔
۵۔ سنن نسائی۔ ۶۔ سنن ابن ماجہ۔

۷۔ مقدمہ صحیح مسلم۔ ۸۔ کتاب المراسیل لابی داؤد۔
۹۔ کتاب العلل للترمذی۔ ۱۰۔ کتاب الشمائل للترمذی۔
۱۱۔ کتاب عمل الیوم واللیلۃ للنسائی (۴۷۴)۔

رموز (اختصارات)

مزی نے اپنی کتاب میں یہ اشارے لکھے ہیں جس سے کتاب کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے:

خ: بخاری — خت: بخاری تعلیقات
م: مسلم — د: ابوداؤد
مد: ابوداؤد فی مراسیلہ — ت: ترمذی
تم: الترمذی فی الشمائل — س: نسائی
سی: نسائی فی عمل الیوم واللیلۃ۔ — ق: ابن ماجہ
ز: مازادہ المصنف من الکلام علی الاحادیث
ک: مااستدرکہ المصنف علی ابن عساکر
ع: مارواہ الستۃ (۴۷۵)

کتاب کی ترتیب

۱۔ مؤلف نے ان صحابہ کے نام لکھے ہیں جنہوں نے کتب ستہ اوراس میں آنے والی دوسری کتب روایت کیں صحابہ کی تعداد اور صحابیات کی تعداد ۹۹۵ ہے (۴۷۶)۔

۲۔ اسمائے تابعین اور جوان کے بعد ہیں ان کی تعداد ۴۰۰۰ ہے (۴۷۷)۔

۳۔ صحابہ، تابعین اور بعد میں آنے والے لوگوں کے ناموں کو حروف معجم کے حساب سے لکھا ہے (۴۷۸)۔

۴۔ ہر صحابی یا تابعی یا اسکے بعد کے راوی کی کتنی احادیث ہیں ان کا ذکر کیا ہے۔ کل احادیث ۱۹۵۹۵ ہیں (۴۷۹)۔

۵۔ کتاب کی ترتیب میں اسمائے صحابہ میں حروف معجم کا خیال رکھا گیا ہے۔ اس ترجمے (احوال

راوی) سے شروع کرتا ہے جس کے نام سے پہلے ھمزہ ہو۔ پھر اسکے ساتھ دوسرا حرف ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سب سے پہلے اس نے ابیض بن حمال الحمیری کو لیا ہے(۴۸۰)۔ اس نے ابیض حمال سے چار احادیث بیان کی ہیں۔ بعد میں ابی اللحم الغفاری ہیں تیسرے نمبر پر ابی بن عمارہ، چوتھے نمبر پر ابی بن کعب اور اسی ترتیب سے حدیث کو بیان کرتے ہیں۔

۶۔ سب سے پہلے مصنف ذکر کرتا ہے کہ اس حدیث کو کن اصحاب کتب نے بیان کیا ہے۔ کتب ستہ کو سب سے پہلے لیتا ہے بعد میں کتب خمسہ، بعد میں کتب اربعہ کو اور اس طرح وہ ترتیب چلاتا ہے۔ ایک حدیث کی روایت میں بخاری کو پہلے لاتا ہے مسلم کو بعد میں اور ابن ماجہ کو سب کے آخر میں ذکر کرتا ہے(۴۸۱)۔

تکرار احادیث اور اس کا سبب

اس کتاب میں بعض احادیث کئی مقامات پر آئیں ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ وہ احادیث مختلف صحابہ نے بیان کی ہیں اور اس کی مختلف سندیں ہیں۔ اس لیے ان کو ہر اس صحابی کے نام پر بیان کرنا پڑا جنہوں نے اسے بیان کیا۔ اسی تکرار کی بنا پر احادیث کی تعداد ۱۹۵۹۵ تک پہنچ گئی (۴۸۲)۔

تحفۃ الاشراف کی نمایاں خصوصیات

۱۔ یہ کتاب کتب ستہ کی اور اسی قسم کی اور کتب کی بہترین فہرست ہے۔

۲۔ ہر صحابی کی احادیث کو اس میں علیحدہ جمع کیا گیا ہے۔

۳۔ کتب ستہ اور اس میں مذکور دیگر کتب کی تمام سندوں کو جمع کر دیا گیا۔

۴۔ سند کے بہت سے لفظوں کی وضاحت کی گئی ہے۔

۵۔ اس کتاب سے مجہول اور مبہم راویوں کی احادیث کا پتہ چلتا ہے کیونکہ اس میں راویوں کے نام لکھے گئے ہیں۔

۶۔ اس کتاب سے مراسیل اور مقطوعات کا پتہ چلتا ہے۔

تحفۃ الاشراف کی بعض خامیاں

۱۔ اگر صحابی کے نام کا پتہ نہ ہو تو اس کتاب میں حدیث نہیں مل سکتی۔

۲۔ عام طور پر یہ حدیث کا مکمل متن ذکر نہیں کرتے اس وجہ سے آدمی کو اصل کتب دیکھنی پڑتی ہیں اور محض اس کتاب سے کام نہیں چلتا۔

۳۔ مؤلف عام طور پر حدیث کو ایک طرف سے تھوڑا سا بیان کرتے ہیں اس لیے اس سے تمام حدیث پر دلالت نہیں ہوتی۔

۴۔ ادا کے صیغوں میں اس نے ہر راوی کے درمیان عن لکھا ہے اس لحاظ سے ضروری ہے کہ ہم اصل کتاب کی طرف مراجعت کریں۔

تحفۃ الاشراف کو سامنے رکھ کر حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''النکت الظراف علی الاطراف'' کتاب لکھی۔

النکت الظراف علی الاطراف لابن حجر

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے جب بخاری کی شرح ''فتح الباری'' لکھی تو ان کے پاس ''تحفۃ الاشراف'' تھی۔ اس دوران انہوں نے بعض چیزوں کو محسوس کیا تو اس کے حاشیے پر لکھتے گئے اور بعد میں جب وقت ملا تو اس کو انہوں نے کتابی صورت دے دی۔ اس میں سے معروف چیزیں درج ذیل ہیں:

۱۔ ایسی روایات جو مزی سے رہ گئی تھیں ان کا اضافہ کیا۔

۲۔ ایسے اوہام جو مزی سے واقع ہو گئے تھے ان کی تصحیح کی۔

۳۔ حدیث کے الفاظ کے بارے میں اگر حافظ مزی سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو اس کی انہوں نے تصحیح کی ہے۔

تحفۃ الاشراف اور النکت

یہ دونوں کتابیں پہلے ہندوستان میں بمبئی سے اکٹھی شائع ہوئیں اور ان کی تحقیق عبدالصمد شرف الدین نے کی ہے بعد ازاں یہ کتابیں اور جگہ سے بھی شائع ہوئی ہیں۔

امام مزّی کے حالات زندگی

آپ کی کنیت ابوالحجاج اور نام یوسف بن زکی عبدالرحمن بن یوسف قضاعی کلبی المزی ہے۔ آپ دمشق کے رہنے والے نامور حافظ حدیث اور بلند پایہ عالم ہیں اور فن حدیث میں منفرد شخصیت کے حامل ہیں۔ حلب کے نواح میں ۶۵۴ھ میں پیدا ہوئے۔ مزہ میں پرورش پائی۔ قرآن حکیم حفظ کیا اور فقہ میں معمولی سوجھ بوجھ پیدا کرنے کے بعد حدیث کی طرف متوجہ ہوئے۔ سب سے پہلے ۶۷۵ھ میں اپنے استاد علامہ ابوالخیر سے ''کتاب الحلیہ'' سبقاً سبقاً پڑھی پھر ان سے مسند امام احمد، صحاح ستہ اور معجم طبرانی وغیرہ کی تعلیم حاصل کی اور علامہ اربلی سے صحیح مسلم کا سماع کیا۔ ۶۸۵ھ میں مزید طلب علم کے لیے سفر پر نکلے اور عز حرانی ابوبکر ابن انماطی اور اس طبقہ کے دوسرے اساتذہ فن سے استفادہ کیا۔ ان کے علاوہ حرمین شریفین، حلب، حماۃ، اور بعلبک وغیرہ شہروں کے علماء سے بھی فیوض حاصل کیے۔

آپ نے اپنے پختہ اور خوبصورت خط سے اپنے لیے اور دوسروں کے لیے بہت سی کتابیں نقل کیں۔ علم لغت کی طرف متوجہ ہوئے تو اس میں مہارت حاصل کی پھر علم صرف اور علم ادب میں کمال پیدا کیا۔ اسماء الرجال میں تو آپ کا جواب نہیں تھا اور نہ اس فن میں آنکھوں نے آپ جیسا کوئی دوسرا آدمی دیکھا۔ آپ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''تہذیب الکمال'' لکھی۔ آپ نے حدیث کی تخریج کی اور املاء حدیث کے لیے مختلف مجلسیں منعقد کیں۔ جن میں علم حدیث اور علم الرجال کے وہ پیچیدہ عقدے حل کیے جو پہلے لاینحل سمجھے جاتے تھے۔ آپ ثقہ اور حجت تھے آپ کی معلومات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ نیز اخلاق کا مجموعہ تھا۔ کثیر السکوت اور قلیل الکلام تھے صدق اور راست گوئی آپ کا شعار تھا۔ نوجوانی کی کوئی لغزش آپ سے نہیں ہوئی۔ ہر وقت مطالعہ میں مصروف رہتے۔ آپ احادیث پڑھاتے وقت کچھ لکھتے بھی جاتے تھے۔ مگر آپ کی توجہ کا یہ عالم تھا کہ پڑھنے والے کی متن یا اسناد کی کوئی غلطی آپ سے مخفی نہ رہتی تھی۔ آپ اتنی عمدگی سے اس کی اصلاح فرماتے کہ حلقہ درس میں حاضر ہونے والے علماء و فضلاء دنگ رہ جاتے۔ آپ تواضع پسند بردبار اور صابر تھے۔ خوراک ولباس میں میانہ روی اختیار فرماتے اور اپنے کام کاج دوسروں سے کروانے کی بجائے خود کرتے۔ سماع حدیث اور طلب علم میں آپ امام ابن تیمیہ کے رفیق تھے۔ طریقہ سلف کے مطابق سنت کی تائید کرتے اور مباحث نظری اور قواعد کلامی سے اس کو

تقویت پہنچاتے تھے اس سلسلہ میں ان کے درمیان کئی مناظرے اور مجادلے ہوئے۔

آپ کو معقولات میں بھی کافی دسترس حاصل تھی اور اس کی تعلیم و تدریس میں کوشاں بھی رہے لیکن بحمد اللہ اس میں آپ کی نیت اسلام کی تائید اور تقویت ہی کی تھی۔ دوسرے عام لوگوں کی طرح آپ نے ان علوم سے کوئی بُرا اثر قبول نہیں کیا۔ امام ذہبی کہتے ہیں کہ جہاں تک مجھے علم ہے آپ نے ان فنون میں کوئی تصنیف نہیں چھوڑی۔

وفات آپ نے ۱۲صفر۴۲۷ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا(۴۸۲)۔

ذخائر المواریث فی الدلالۃ علی مواضع الحدیث

مؤلف کا نام: عبدالغنی نابلسی (م۱۱۴۳ھ)

موضوع: جمع اطراف الکتب الستۃ وموطا مالک (۴۸۴)۔

تقسیم ابواب: مصنف نے اس کتاب کو سات ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

الباب الاول: صحابہ کی مسانید۔

الباب الثانی: ان لوگوں کی مسانید جو کنیت کے لحاظ سے مشہور ہیں۔ جس کنیت سے مشہور ہیں اس کنیت کے پہلے حرف سے لکھا گیا ہے۔

الباب الثالث: مبہم رجال کی مسانید

الباب الرابع: صحابیات کی مسانید۔

الباب الخامس: ان صحابیات کی مسانید جو کنیت کے لحاظ سے مشہور ہیں۔

الباب السادس: مبہم صحابیات کی مسانید جنہیں اسماء الرواۃ کے لحاظ سے مرتب کیا گیا۔

الباب السابع: احادیث میں سے مراسیل کا ذکر جنہیں اسماء الرجال کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہے(۴۸۵)۔

رموز: اس کتاب میں درج ذیل رموز لکھے ہیں:

خ: بخاری   م: مسلم   د: ابوداؤد

ت: ترمذی   س: نسائی   ہ: ابن ماجہ

ط: مؤطا(۴۸۶)۔

مؤلف حدیث کی ایک طرف بیان کرتا ہے اس کی وجہ سے پوری حدیث پر دلالت ہوجاتی ہے۔مثال کے طور پر حدیث نمبر۴۶۹ کے لفظ یہ ہیں (حدیث الاعرابی الذی بال فی المسجد)(۴۸۷)اس کے سوااور کوئی الفاظ ذکر نہیں کرتا اور حدیث نمبر۲۵۰ جس کے الفاظ یہ ہیں (حديث المعراج بطوله)(۴۸۸)۔اس کے علاوہ اور کوئی الفاظ نہیں ہیں۔

مسند کی ابتداء میں اس نے حرف همزہ سے شروع کیا۔مثلاً سب سے پہلے ابیض بن حمال الحمیری المار بی عن النبیؐ،حدیث نمبر ا''انہ وفد الی النبیؐ فاستقطعه الملح الّذی بالمآرب '' کا ذکر کیا(۴۸۹)۔پھر حدیث نمبر۲ کو ذکر کیا ہے(۴۹۰)جن کتب میں ان کا ذکر ہے ان کے رموز ذکر کیے ہیں۔اپنی کتاب کے منہج کی اس نے مقدمے میں وضاحت کر دی ہے(۴۹۱)۔مثال کے طور پر حدیث نمبر۶۷ ۳۰ کا عبداللّٰہ بن عباسؓ کے تحت ذکر کیا ہے۔بخاریؒ اور پھر اس کو ابوداؤد کی کتاب العلم کے اندر ذکر کرتا ہے(۴۹۲)۔عام طور پر حدیثوں کے بارے میں اس کا طریقہ یہ ہے۔

نمبرا: حدیث کی ایک طرف کو لکھا ہے۔

نمبر۲: اماموں میں سے جس نے اس حدیث کو نکالا ہے اس کو ذکر کرتا ہے۔

نمبر۳: اماموں کے استاد کا ذکر کرتا ہے۔

نمبر۴: جس کتاب سے لی گئی ہے اس کے اشارے ذکر کیے ہیں۔اس کے بعد ان اشاروں کو ہی لکھتے ہیں(۴۹۳)۔

عبدالغنی بن اسماعیل النابلسی (م۱۱۴۳ھ) کے حالات زندگی

عبدالغنی بن اسماعیل النابلسی ایک صوفی،عالم دین،شاعر سیاح اور مختلف مضامین کی بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں(۴۹۴)۔آپ ۵ ذوالحجہ ۱۰۵۰ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے(۴۹۵)۔وہ اپنے دور میں شام کی ادبی و مذہبی زندگی میں چوٹی کی شخصیت تھے۔ان کا گھرانہ شافعی مکتب فکر کا پیرو تھا(اگرچہ ان کے والد فقہ حنفی کے پیرو ہوگئے تھے)یہ لوگ دمشق میں اقامت پذیر تھے۔المحبی ان کے دادا کو''شیخ مشائخ شام'' کے الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ابتداء میں ان کا میلان تصوف کی طرف تھا۔چنانچہ

وہ قادری اور نقش بندی سلسلوں میں شامل ہو گئے تھے۔ ابھی نوجوان ہی تھے کہ سات برس تک گھر میں گوشہ نشین رہے(۴۹۶)۔

ابن عربی، ابن سبعین اور عفیف الدین التلمسانی کی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا(۴۹۷)۔ ظاہری رسوم کی پابندی نہ کرنے کے سبب ان پر عقیدہ ''ملامتیہ'' رکھنے کا الزام لگ گیا۔ ان کی ابتدائی تصنیف ''بدیعہ رسول ﷺ'' نعت نبوی سے متعلق ہے۔ یہ کتاب اتنی بلند پایہ تھی کہ لوگوں کو اس کی تصنیف پر شک ہوا حتیٰ کہ عبدالغنی نے اس کی شرح لکھ کر اپنی قابلیت کا لوہا منوالیا(۴۹۸)۔ ۱۰۷۵ھ میں وہ استنبول گئے اور یہ ان کا پہلا سفر تھا۔ اس کے بعد ۱۱۰۰ھ بقاع اور لبنان، ۱۱۰۱ھ میں القدس، الخلیل، ۱۱۰۵ھ میں مصر، حجاز، ۱۱۱۲ھ میں طرابلس کا سفر کیا اور اپنے پہلے سفر کے سوا باقی سب کی سرگزشت قلم بند کی(۴۹۹)۔ ان کی کل تصانیف (چھوٹے رسائل سمیت) دو اڑھائی سو کے قریب ہے۔ ان کے شاگرد بے شمار تھے جن میں سے غالباً سب سے ممتاز المصطفیٰ البکری تھے(۵۰۰)۔

ان کی وفات ۲۴ شعبان ۱۱۴۳ھ کو ہوئی(۵۰۱)۔

۳۔ اطراف الصحیحین

مؤلف کا نام حافظ ابراہیم بن محمد بن عبید دمشقی (م ۴۰۱ھ)

حالات زندگی

آپ کی کنیت ابو مسعود اور نام ابراہیم بن محمد بن عبید دمشقی ہے۔ آپ دمشق کے رہنے والے بلند پایہ حافظ حدیث تھے۔ فن اطراف الحدیث میں چوٹی کے علما میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ نے واسط میں محمد بن عبداللہ بن محمد بن سقاء وغیرہ سے کوفہ میں مطین کے تلامذہ سے، اصفہان میں ابوبکر قباب سے اور ان کے طبقہ سے، بصرہ میں ابوخلیفہ جمحی کے تلامذہ سے، نیشاپور میں امام ابن خزیمہ کے اصحاب سے اور ابو بکر احمد بن عبدان شیرازی سے حدیث کا سماع کیا(۵۰۲)۔

خطیب بغدادی فرماتے ہیں آپ نے تحصیل علم کے لیے بہت سے سفر کیے۔ بغداد میں ابو سعید حرانی کے تلامذہ کے علاوہ، بصرہ، اہواز، واسط، خراسان اور اصفہان کے آئمہ سے حدیث لکھی۔

آپ کو صحیحین سے خاص لگاؤ تھا۔ انہوں نے حدیث بہت کم بیان کی ہیں اور جو بیان کی ہیں وہ بھی بطور مذاکرہ بیان کی ہیں۔ آپ راست گو، دیانتدار اور پرہیز گار تھے (۵۰۳)۔

امام ذہبی لکھتے ہیں ''آپ سے ابوذر ھروی، حمزہ سہمی، احمد بن محمد عتیقی، ابوالقاسم لالکائی اور دوسرے لوگوں نے حدیث بیان کی۔ آپ کی روایت کردہ احادیث اس وجہ سے کم ہیں کہ آپ کا عالم جوانی میں انتقال ہوگیا۔ آپ رجب ۴۰۰ھ یا ۴۰۱ھ کو فوت ہوئے۔ میں نے احادیث معللہ میں آپ کی تصنیف کردہ ایک جلد دیکھی ہے جو آپ کے بے پناہ حافظہ اور نقد رجال میں آپ کی مہارت کی شہادت دیتی ہے'' (۵۰۴)۔

۴۔ اطراف الصحیحین

مؤلف: ابو محمد خلف بن محمد واسطی (م ۴۰۱ھ)۔

حالات زندگی

آپ واسط کے رہنے والے بہت بڑے حافظ حدیث اور کتاب الاطراف کے مصنف ہیں۔ انہوں نے بغداد میں ابوبکر قطیعی اور ان کے طبقہ سے، واسط میں عبداللہ بن محمد بن سقاء، جرجان میں ابوبکر اسماعیلی اور ان کے طبقہ سے، ہرات میں محمد بن عبداللہ بن خرویہ اور ان کے طبقہ سے اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں سے حدیث کا سماع کیا (۵۰۵)۔

خطیب ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ''لوگ ان کی منتخب کردہ احادیث لکھا کرتے تھے۔ آپ اس فن کے عالم فاضل تھے پھر تجارت میں ایسے مشغول ہوئے کہ تازندگی علم سے تعلق منقطع کر لیا'' (۵۰۶)۔ آپ طلب علم میں محدث شہیر ابوالفتح بن ابی الفوارس کے رفیق تھے (۵۰۷)۔

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں ''انہوں نے مصر اور شام کا بھی سفر کیا۔ تقدم اور برتری کے باوجود امام ابوعبداللہ حاکم ان سے روایت کرتے تھے۔ ان کے علاوہ ابوعلی اھوازی، ابوالقاسم عبیداللہ بن احمد ازہری اور ایک دوسری جماعت نے بھی آپ سے استفادہ کیا۔ آخر میں رملہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور تجارتی کاروبار کرنے لگے تھے۔ انہوں نے صحیحین کے بڑے عمدہ اطراف لکھے جس میں بہت سے

فوائد جمع کیے ہیں۔ اور دوسرے محدثین کے اوہام پر تنبیہ بھی کی ہے۔ اس میں ابو مسعود دمشقی کی اطراف سے اغلاط بہت کم ہیں" (۵۰۸)۔ امام حاکم نے ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ شعبہ اور دوسرے محدثین کی احادیث کے حافظ تھے (۵۰۹)۔ ابو نعیم کہتے ہیں: "ہم نیشاپور اور اصفہان میں ان کی صحبت میں رہے ہیں (۵۱۰)۔ آپ کی وفات ۴۰۱ھ میں ہوئی (۵۱۱)۔ خطیب کہتے ہیں میں نے ازہری سے سنا ہے فرماتے ہیں خلف حافظ حدیث تھے اور ابن ابی الفوارس ان کے استاد تھے۔ مجھے ان کے واسطہ سے حضرت ابن عباس کی یہ حدیث ملی ہے "آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "سخی کی عیب جوئی سے دور رہو جب وہ کوئی غلطی کرنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے" (۵۱۲)۔

۵۔ اطراف الصحیحین

مؤلف ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی (م ۴۳۰ھ)۔

حالات زندگی

آپ کی کنیت ابو نعیم، نام احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق اور خطاب "محدث العصر" ہے۔ آپ اصفہان کے رہنے والے بہت بڑے حافظ حدیث ہیں۔ آپ مشہور زاہد محمد بن یوسف بناء کے نواسے ہیں (۵۱۳)۔ ۳۳۶ھ میں پیدا ہوئے (۵۱۴)۔

جب آپ کی عمر صرف چھ سال تھی تو دنیا کے سربرآوردہ اور عظیم مشائخ نے آپ کو اجازت سے نوازا چنانچہ واسط سے عمر رسیدہ بزرگ عبداللہ بن عمر بن شوذب نے، نیشاپور سے شیخ نیشاپور ابو العباس اصم نے، شام سے شیخ شام خیثمہ بن سلمان طرابلسی نے اور بغداد سے جعفر الخلدی، ابو سہیل بن زیاد اور ایک دوسری جماعت نے آپ کو حدیث پڑھانے کی اجازت دے دی (۵۱۵)۔

آپ ان مشاہیر سے اجازت پانے میں اس طرح منفرد ہیں جس طرح ایک جماعت سے سماع کرنے میں منفرد ہیں چنانچہ دنیا کے کونے کونے سے حفاظ حدیث آپ کے حفظ، علمی شہرت اور علو اسناد کی وجہ سے آپ کی طرف کھنچے چلے آتے تھے (۵۱۶)۔

اساتذہ

آپ نے پہلے پہل باقاعدہ طور پر مسندِ اصفہان اور عمر رسیدہ شیخ ابو محمد بن فارس سے ۴۴۶ھ میں پڑھنا شروع کیا۔اس کے بعد ابو احمد عسال، احمد بن معبد سمسار، احمد بن بندار، ابو بحر بن کوثر، ابو بکر بن خلاد نصیبی، حبیب قزاز، ابو بکر جعالی، ابو القاسم ظہری، ابو بکر آجری، ابو علی بن صواف، ابراہیم بن عبداللہ بن ابی العزائم کوفی، عبداللہ بن جعفر جابری، احمد بن حسن کی، فاروق خطابی، ابو الشیخ بن حیان اور خراسان اور عراق کے بہت سے آئمہ سے حدیث کا سماع کیا۔آپ نے تحصیل علم میں بڑی تندہی اور محنت و مشقت سے کام لیا۔آپ کو کبار مشائخ سے ملاقات کے وہ مواقع میسّر آئے جو دوسرے کسی حافظ حدیث کو میسر نہیں آئے (۵۱۷)۔

شاگرد

آپ سے کوشیار بن لیالیز درجیلی نے روایت کی ہے۔ان کے علاوہ ابو بکر بن ابی علی ذکوانی، ابو سعد مالینی، حافظ خطیب، حافظ ابو صالح، مؤذن، ابو علی وخشی، ابو بکر محمد بن ابراہیم عطا، سلیمان ابراہیم، ہبۃ اللہ بن محمد شیرازی، محمد بن حسن بکر نے آمل میں، ابو بکر آرموی نے تنیس میں، ابو بکر سمطاری نے صقلیہ میں، ابو عمرو بن قابط نے اندلس میں، یوسف بن ابو الحسن ثقفری، ابو الفضل حمد حداد، اس کے بھائی ابو علی مقری، عبدالسلام بن احمد قاضی مفسر، محمد بن بیاہ، ابو سعد مطرز، غانم برجی، ابو منصور محمد بن عبداللہ شروطی اور دوسرے بہت سے لوگوں نے آپ سے حدیث کا سماع کیا (۵۱۸)۔

خطیب کہتے ہیں کہ میں نے حافظ ابو نعیم اور ابو حازم کے سوا ایسا آدمی نہیں دیکھا جس پر بجا طور پر حافظ کا اطلاق کیا جائے (۵۱۹)۔حمزہ بن عباس علوی فرماتے ہیں: ''محدثین کہا کرتے تھے کہ حافظ ابو نعیم کی چودہ سال تک کوئی نظیر نہیں تھا مشرق اور مغرب میں نہ ان سے بڑا کوئی حافظ تھا اور نہ کسی کے پاس ان سے اعلیٰ کوئی سند تھی (۵۲۰)۔

حافظ ابو نعیم نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں: کتاب معرفۃ الصحابۃ، کتاب دلائل النبوۃ، کتاب المستخرج علی البخاری، کتاب المستخرج علی مسلم، کتاب تاریخ اصفہان، صفۃ الجنہ، کتاب الطب اور کتاب المعتقد (۵۲۱)۔

وفات آپ نے ۹۴ سال کی عمر میں ۲۰ محرم ۴۳۰ھ میں وفات پائی (۵۲۲)۔

۶۔ الاشراف معرفة الاطراف

اس کتاب میں انہوں نے سنن اربعہ کو جمع کیا۔

مؤلف کا نام ابوالقاسم علی بن حسن المعروف ابن عساکر دمشقی (م ۵۷۱ھ)

حالات زندگی

آپ کی کنیت ابوالقاسم، نام علی بن حسن ہبۃ اللہ اور لقب محدث شام ہے۔ دمشق کے رہنے والے جلیل القدر اور بلند پایہ حافظ حدیث ہیں۔ شافعی مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ تاریخ کبیر اور دیگر پر مغز اور مفید کتابوں کے مصنف ہیں۔ ۴۹۹ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد اور اپنے بھائی ضیاء الدین ہبۃ اللہ کی خصوصی توجہ سے اپنی عمر کے ساتویں سال ہی میں حدیث کا سماع شروع کیا (۵۲۳)۔

اساتذہ

آپ نے اپنے شہر دمشق میں ابوالقاسم نسیب، قوام بن زید، سبیع بن قیراط، ابوطاہر حنائی، ابو الحسن بن موازینی اور اس طبقہ کے دوسرے علماء سے اکتساب فیض کیا۔ پھر ۵۰۲ھ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے رحلات علمی کا آغاز کیا اور بغداد میں ابوالقاسم بن حصین، ابوالحسین دینوری، ابوالعز بن کادش، ابو غالب بن بناء، ابوعبداللہ بارع، قاضی مرستان اور اس طبقہ کے دیگر مشاہیر سے حدیث کا سماع کیا (۵۲۴)۔ آپ کے اساتذہ کی تعداد ایک ہزار تین سو ہے۔ ان میں سے اسی سے زیادہ عورتیں ہیں (۵۲۵)۔

تلامذہ

آپ کے تلامذہ کی فہرست بھی خاصی طویل ہے۔ مشہور محدث، معمر بن فاخر، ابو العلاء ہمدانی، ابوسعد سمعانی اور دوسرے کبار علماء آپ کے تلامذہ ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کے صاحبزادے قاسم، ابوجعفر قرطبی زین الامناء، ابو برکات بن عساکر اور ان کے بھائی شیخ فخر الدین وغیرہ بے شمار علما

نے آپ سے حدیث کا علم حاصل کیا(۵۲۶)۔

مقام ومرتبہ

حافظ سمعانی کہتے ہیں۔''ابو القاسم ابن عساکر حافظ حدیث، ثقہ، متقن، دیانتدار، نیک اطوار اور بلند اخلاق تھے۔ متن اور اسناد کو خوب جانتے تھے۔ علم وفضل میں بے نظیر اور بڑے محقق تھے''(۵۲۷)۔ آپ حدیث کی قراۃ بڑے دلنشین انداز سے کرتے تھے آپ نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے مختلف ممالک کی طرف سفر کیا اور حصولِ مقصد کے لیے راتوں کی نینداور دن کا چین حرام کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علم کا جتنا ذخیرہ آپ کے پاس محفوظ تھا کسی کے پاس نہیں تھا(۵۲۸)۔

تدریسی زندگی کا آغاز

ابو المواہب کہتے ہیں:''ایک دن مجھ سے فرمانے لگے جب میں نے حدیث پڑھانے کا ارادہ کیا اور خدا شاہد ہے کہ اس میں حب جاہ اور تقدم علی الاقران کا جذبہ ہرگز ہرگز کارفرما نہیں تھا، بلکہ خواہش یہ تھی کہ میں نے حدیث کا جو یہ بے اندازہ ذخیرہ جمع کیا ہے، اسے کب بیان کروں۔ اگر میں اسے کاغذات میں چھوڑ گیا تو اس تمام جانکاہی اور مشقت سے کیا حاصل؟ چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا اور اپنے چوٹی کے اساتذہ سے اجازت طلب کی اور گھوم پھر کر اعیان شہر سے مشورہ کیا تو سب نے بیک زبان کہا''اس کام کو سرانجام دینے کے لیے تم سے زیادہ مستحق کون ہے۔ چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ۵۳۳ھ میں تدریسی زندگی کا آغاز کیا''(۵۲۹)۔ آپ نے ۵۷۱ھ میں وفات پائی(۵۳۰)۔

۷۔ اطراف الکتب الستۃ

مؤلف کا نام محمد بن طاہر مقدسی(م ۵۰۷ھ)۔

حالات زندگی

آپ کی کنیت ابو الفضل اور نام محمد بن طاہر ہے۔ بیت المقدس کے رہنے والے مشہور حافظ حدیث ہیں۔ آپ نے طلب علم کے لیے تمام ممالکِ اسلامیہ کے علمی سرچشمے کھنگال ڈالے اور اپنے

قلب ودماغ میں اتنا وسیع ذخیرہ جمع کیا(۵۳۱)۔آپ نے بے شمار اساتذہ سے علم حاصل کیا جن میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔بغداد میں ابو محمد صریفی، مصر میں ابو اسحاق حبال، تنیس میں علی بن الحسین بن حداد دمشق میں ابو القاسم بن ابو العلاء، حلب میں حسین بن مکی، جزیرہ میں ابو عمر، اصفہان میں عبدالوہاب بن مندہ(۵۳۲)۔اس کے علاوہ آپ مختلف شہروں میں گئے اوران سے استفادہ کیا۔آپ سے استفادہ کرنے والوں میں شیرویہ بن شہردار، ابو جعفر بن ابی علی، ابو نصر غازی، عبدالوہاب الانماطی، ابن ناصر سلفی اور ان کے صاحبزادے ابو زرعہ، محمد بن اسماعیل طرطوسی اور دوسرے لوگ شامل ہیں(۵۳۳)۔

ابن طاہر خود کہتے ہیں میری پیدائش شوال ۴۴۸ھ میں ہوئی۔۴۶۰ھ میں حدیث کا سماع شروع کیا اور مزید تعلیم کے لیے ۴۶۷ھ میں بغداد داخل ہوئے(۵۳۴)۔آپ نے ربیع الاول ۵۰۷ھ میں وفات پائی(۵۳۵)۔

۸: اطراف المسانید العشرۃ

مؤلف ابو العباس احمد بن ابی بکر بن اسماعیل البوصیری(م ۸۴۰ھ)

نام ونسب احمد بن ابی بکر بن اسماعیل بن قایماز البوصیری ہے۔لقب شہاب الدین کنیت ابو العباس ہے(۵۳۶)۔آپ نے برہان التنوخی، البلقینی، العراقی، الہیثمی اور اس طبقہ کے علما سے کسب فیض کیا اور تدریس حدیث کے علاوہ تخریج کی بہت سی کتابیں تصنیف کیں(۵۳۷)۔

حافظ ابن حجر کے ساتھ بھی کافی عرصہ رہے۔ان سے ”لسان المیزان“ اور النکت علی الکاشف لکھی اور دوسرے تصانیف بھی سماعت کی(۵۳۸)۔پھر کتب تصنیف کرنا شروع کیں۔ان میں ”الفردوس“ مسند الفردوس پر حاشیہ لکھا(۵۳۹)۔

۱۔ اتحاف الخیرہ بزوائد المسانید العشرۃ۔

۲۔ تحفة الحبیب للحبیب بالزوائد فی الترغیب والترھیب۔

۳۔ زوائد ابن ماجه علی کتب الحفاظ الخمسه۔

۴۔ زوائد نوادر الاصول للحکیم الترمذی۔

۵۔ القوائد المنتقی لزوائد سنن البیهقی

اٹھارہ محرم ۸۴۰ھ کو فوت ہوئے (۵۴۰)۔

المسانید العشرہ میں درج ذیل کتب کے اطراف ہیں:

۱۔	مسند ابی داؤد	۲۔	مسند ابی بکر الحمیدی
۳۔	مسند مسدد بن مسرهد	۴۔	مسند محمد بن یحیی العدنی
۵۔	مسند ابی بکر بن ابی شیبه	۶۔	مسند احمد بن منیع
۷۔	مسند عبد بن حمید	۸۔	مسند الحارث بن محمد بن ابی اسامه
۹۔	مسند ابی یعلی الموصلی	۱۰۔	مسند اسحاق بن راهویه (۵۴۱)

۹۔ اطراف المهرة باطراف العشره

مؤلف کا نام الحافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)

اطراف العشرہ میں درج ذیل کتب شامل ہیں:

۱۔	الموطا و مسند الشافعی	۲۔	مسند احمد
۳۔	مسند الدارمی	۴۔	صحیح ابن خزیمہ
۵۔	منتقی ابن الجارود	۶۔	صحیح ابن حبان
۷۔	مستدرک الحاکم	۸۔	مستخرج ابی عوانه
۹۔	شرح معانی الآثار للطحاوی	۱۰۔	سنن الدارقطنی (۵۴۲)

نام ونسب

نام احمد، ابوالفضل کنیت اور شہاب الدین لقب تھا۔ پورا نسب نامہ یہ ہے: احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن محمود بن احمد بن حجر عسقلانی مصری (۵۴۳)۔

ولادت اور ابتدائی حالات

۲۳ شعبان ۷۷۳ھ کو مصر میں پیدا ہوئے (۵۴۴)۔ صغر سنی میں آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا تھا۔ فرماتے ہیں: "جب میرے والد فوت ہوئے تو میری عمر کے چار سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے اور آج مجھے وہ بالکل ایک خیال کی طرح یاد ہیں۔ اتنا یاد آیا ہے کہ انہوں نے کہا: میرے لڑکے (ابنِ حجر) کی کنیت ابو الفضل ہے" (۵۴۵)۔

حصول تعلیم

ابتدائی تعلیم کا آغاز مصر سے کیا۔ سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا۔ قرآنِ مجید کے حفظ میں آپ کے استاد شیخ صدر السفطی شارح مختصر التبریزی ہیں۔ آپ کا حافظہ غیر معمولی تھا اس لیے ۹ سال کی عمر میں آپ نے قرآنِ پاک حفظ کر لیا۔ آپ نے تحصیل علم کے لیے سفر کا آغاز ۷۸۴ھ میں کیا اور حرمین شریفین کے علاوہ اسکندریہ، نابلس، رملہ، غزہ، یمن، قبرص، شام اور حلب وغیرہ کے رحلات علمی شامل ہیں (۵۴۶)۔ اسی بناء پر آپ کے شیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے، جیسا کہ ابنِ فہد مکی نے لکھا ہے: "ان کے شیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے، جن کو نہ بیان کرنا ممکن ہے اور نہ شمار کرنا" (۵۴۷)۔

اساتذہ وشیوخ آپ کے مشہور اساتذہ یہ ہیں:

۱۔ شیخ ابو محمد عفیف النشاوری (م ۷۹۰ھ)

۲۔ حافظ عمر بن علی بن احمد (م ۸۰۴ھ)

۳۔ امام ابو حفص عمر بن رسلان بن نصیر عسقلانی بلقینی (م ۸۰۵ھ)

۴۔ حافظ عبد الرحیم الشافعی العراقی (م ۸۰۶ھ)

۵۔ شیخ الاسلام ابو حامد محمد بن ظہیرۃ (م ۸۱۷ھ)

۶۔ علامہ ابراہیم بن موسیٰ (م ۸۰۱ھ)

۷۔ امام ابو طاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی (م ۸۱۷ھ) (۵۴۸)

تلامذہ

حافظ ابن حجر کے تلامذہ اور مستفیدین کا حلقہ بھی بہت وسیع تھا۔جس طرح آپ کے اساتذہ کی صحیح تعداد کا پتہ نہیں چل سکا اسی طرح آپ کے تلامذہ کی فہرست بھی بہت طویل ہے۔تاہم آپ کے مشہور تلامذہ یہ ہیں:

۱۔ امام محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی (م۹۰۲ھ)۔

۲۔ امام برہان الدین ابراہیم بن عمر بقاعی (م۸۰۹ھ)۔

۳۔ ابنِ فہد مکی (م۸۷۱ھ)۔

۴۔ زکریا بن محمد الانصاری (م۸۲۶ھ)۔

حافظ صاحب کے یہ تلامذہ بھی اپنے وقت کے امام اور صاحبِ فن تھے (۵۴۹)۔

تبحر علمی اور جامعیت

یوں تو آپ جامع العلوم تھے ہی لیکن آپ کے خصوصی میدان علم حدیث، رجال اور فقہ تھے۔ ان میں بھی حدیث سے آپ کو زیادہ شغف تھا اور اس میں آپ نے زیادہ ناموری حاصل کی۔امام شوکانی (م۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں۔"بعض کا قول ہے کہ ابنِ حجر فطری شاعر، محدث اور فقیہہ بے بدل تھے، رجال کی معرفت، ان کا استحضار، ان کے بلند و پست کی پہچان اور علل احادیث وغیرہ کی واقفیت ان پر ختم ہوگئی" (۵۵۰)۔

سرعت قرأت

حافظ ابنِ حجر کی سرعتِ قرأت کے بعض ایسے محیر العقول واقعات منقول ہیں جن پر اس زمانہ میں یقین کرنا مشکل ہے۔لیکن یہ واقعات حافظ صاحب کے اکابر تلامذہ سے متواتراً منقول ہیں۔اس لیے ان کی صحت میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔

حافظ ابن فہد لکھتے ہیں:"آپ نے بخاری شریف ظہر و عصر کے درمیان دس مجلسوں میں ختم کی، مسلم شریف ڈھائی دن میں اور نسائی شریف دس مجلسوں میں ختم کی۔معجم صغیر طبرانی ظہر و عصر کے

درمیان ایک مجلس میں ختم کی'' (۵۵۱)۔

منصب قضاء

حافظ ابن حجر نے قضا کی آزمائشوں میں مبتلا نہ ہونے کا شروع سے عزم کر لیا تھا، لیکن حکومت کی طرف سے شدت سے دباؤ ڈالا گیا تو آپ منصب قضاء قبول کرنے پر راضی ہوئے۔ آپ کے منصب قضاء قبول نہ کرنے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس میں بہت سی مشکلات اور آزمائشیں تھیں، جیسا کہ آپ کے تلمیذ رشید حافظ سخاویؒ لکھتے ہیں: ''وہ قضاء سے بہت دامن بچاتے تھے، کیونکہ اس میں بڑی مشکلات اور آزمائشیں ہیں'' (۵۵۲)۔

تصانیف

حافظ ابن حجر نے اپنی طویل زندگی میں مختلف علوم وفنون پر بکثرت کتابیں تصنیف کیں۔ حافظ ابن حجر کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان کی تصانیف کی شہرت ومقبولیت ان کی زندگی میں بہت زیادہ ہوئی۔ امام سخاوی نے آپ کی تصانیف کی تعداد ۱۵۰ سے زائد بتائی ہے، جن میں بیشتر کتابیں فنِ حدیث سے متعلق ہیں۔ حافظ سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے ۱۸۶ کتابوں کے نام شمار کرائے ہیں اور ابن عماد حنبلی نے ۲۷ تصانیف کے نام لکھے ہیں جن کی کل مجلدات کی تعداد ۱۱۲ ہے (۵۵۳)۔

آپ کی چند مشہور تصانیف درج ذیل ہیں:

- فتح الباری شرح صحیح البخاری
- ھدی الساری (مقدمہ فتح الباری)
- اتحاف المھرۃ باطراف الاسانید العشرۃ
- اطراف المسند المعتلی باطراف المسند الحنبلی
- تھذیب التھذیب
- الدرر الکامنۃ فی اعیان المائۃ الثامنۃ
- الاصابۃ فی تمییز الصحابہ
- شرح نخبۃ الفکر فی مصطلح اھل الاثر
- لسان المیزان
- بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام
- تقریب التھذیب
- تلخیص الحبیر (۵۵۴)

وفات: ذوالحجہ ۸۵۲ھ کو بعد نماز عشاء قاہرہ (مصر) میں علم وعمل کا یہ آفتاب غروب ہوا (۵۵۵)۔

امام مالکؒ اوران کی مؤطا

نام ونسب

آپ کا اسم گرامی مالکؒ اورکنیت ابوعبداللہ تھی۔نسب نامہ یہ ہے مالک بن انس بن عامر بن مالک بن ابوعامر بن عمرو بن الحارث،لقب امام دارالہجرہ تھا(۵۵۶)۔

ولادت باسعادت آپؒ ۹۳یا ۹۵ ہجری کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے(۵۵۷)۔

خاندانی حالات

امام مالکؒ کا خاندان والد کی طرف سے یمن کے قبیلے ذواصبح سے تعلق رکھتا تھا اس لیے اصبحی کہلائے۔اور والدہ ماجدہ العالیہ بنت بن بکار عرب کے مشہور قبیلے ازد سے تعلق رکھتی تھیں(۵۵۸)۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ کا خاندان قبیلہ تمیم کا موالی تھا اور اس وجہ سے کچھ مؤرخین کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ آپ کا خاندان موالی ہونے کی وجہ سے عجمی تھا آزاد کردہ غلام۔مگر موالی حلیف کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ آپ کا خاندان قبیلہ تمیم کا حلیف تھا اور آپ کے جدّ اعلیٰ ابوعامر کا اس قبیلہ میں نکاح ہوا تھا لہذا سسرال ہونے کی وجہ سے اس قبیلہ کے ساتھ آپ کے خاندان کے تعلقات مزید مستحکم ہوگئے تھے(۵۵۹)۔

آپ کے خاندان میں سب سے پہلے آپ کے جدّ اعلیٰ ابوعامر مدینہ تشریف لائے اور مسلمان ہوئے۔اُس وقت آنحضرت ﷺ کا وصال ہو چکا تھا۔اس لیے اُنہیں صحابی ہونے کا شرف حاصل نہیں ہوسکا۔تاہم انہوں نے یہاں آکر قبیلہ تمیم میں نکاح کرلیا اور مستقل طور پر مدینہ منورہ ہی میں مقیم ہوگئے۔یہیں انہوں نے علم حدیث کی تعلیم حضرت عمر فاروقؓ،عثمانؓ،طلحہ بن عبیداللہؓ اور حضرت عائشہؓ سے حاصل کی۔امام مالکؒ کے والدِ محترم اور چچا ابوسہیل نافعؒ ان سے احادیث کی روایت کرتے ہیں۔آپؒ کے عم محترم ابوسہیل نافع بہت بڑے محدث تھے وہ مشہور محدث امام زہری کے استاد بھی تھے۔ خود امام مالکؒ کے بڑے بھائی نضر بھی حدیث کے عالم تھے(۵۶۰)۔

ابتدائی تعلیم

امام مالکؒ کو بچپن ہی سے علمِ حدیث کی تعلیم کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ جب آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا تو آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو اچھے کپڑے پہنا کر اور سر پر عمامہ باندھ کر، مدینہ منورہ کے مشہور محدّث حضرت ربیعہ کے حلقہ درس میں چھوڑ آئیں۔ (۵۶۱) یہ قدم ابتدا میں صرف برکت حاصل کرنے کے لیے تھا۔ ورنہ چھوٹی عمر میں امام مالک کے پہلے استاد حضرت ابن ہرمز تھے۔ کیونکہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے سے پہلے ایک نوعمر طالب علم کے لیے ضروری تھا کہ وہ کسی ایک عالم کا دامن مضبوطی کے ساتھ پکڑے تا کہ اس کا علم پختہ ہو سکے۔ امام مالک حضرت ابن ہرمزؒ کی خدمت میں سات سال تک ابتدائی تعلیم حاصل کرتے رہے اور اس عرصے میں کسی دوسرے استاد کی طرف متوجہ نہیں ہوئے (۵۶۲)۔

اساتذہ

امام مالک کو مدینہ منورہ سے باہر تحصیل علم کی ضرورت نہ پڑی کیونکہ مدینہ منورہ میں ہی بے شمار محدثین موجود تھے۔ بلکہ حج وعمرہ کے موقع پر دوسرے شہروں کے محدثینِ کرام بھی مدینہ منورہ زیارت مسجد نبوی کے لیے آتے تھے اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر امام مالک باہر کے جلیل القدر محدثین سے بھی روایات حاصل کر لیتے تھے۔ ایسے غیر مدنی شیوخ کی تعداد نو ہے اور تمام شیوخ کی تعداد جن سے مؤطا میں روایت کی گئی ہے۔ تقریباً ۹۴ ہے (۵۶۳)۔ یہ تعداد دیگر مشہور محدثین کے مقابلے میں نہایت کم ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ امام مالک نے اپنے شیوخ کے انتخاب میں بہت ہی احتیاط سے کام لیا ہے۔ حضرت ابن ہرمز کے بعد آپ ربیعۃ الرائی، نافع مولیٰ ابن عمرؓ اور امام زہریؒ کی خدمت میں زیادہ عرصے تک رہے اور ان کے علمی اثرات سے مستفید ہوئے۔ اسی طرح زید بن اسلم، عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص، ہشام بن عروۃ، یحییٰ بن سعید الانصاری اور ایوب السختیانی بھی آپ کے اساتذہ میں شامل ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے ان کے شیوخ کی تعداد ۷۵ بتائی ہے (۵۶۴)۔ چند مشہور اساتذہ درج ذیل ہے:

حضرت ابن ہرمز

اس زمانے میں بعض لوگوں کے عقائد میں فرق آ گیا تھا اور کچھ گمراہ فرقے پیدا ہونے لگے

تھے لہٰذا ایک نوعمر طالب علم کے لیے ضروری تھا کہ وہ گمراہ فرقوں کے بُرے عقائد اور بُرے اثرات سے محفوظ رہے اور امام مالک خوش قسمت تھے کہ انہیں ابتدائی عمر میں حضرت ابن ہرمز جیسا استاد ملا جو اسلامی عقائد میں بہت پختہ تھے اور ان فرق باطلہ ہائے کی پُر زور طریقہ سے تردید کرتے تھے۔ حضرت ابن ہرمزؒ نے سنہ ۱۱۷ھ میں وفات پائی تاہم حضرت امام مالکؒ آخر عمر تک ان سے استفادہ کرتے رہے (۵۶۵)۔

حضرت نافع

حضرت نافع حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے تلمیذ خاص تھے۔ امام مالکؒ کے زمانے میں وہ بوڑھے ہو چکے تھے۔ اُن کی بینائی میں بھی فرق آ گیا تھا۔ حضرت نافعؒ نے امام مالکؒ کو ظہر کا وقت دیا تھا جبکہ وہ نماز ظہر پڑھنے کے لیے جاتے تھے تو اُس وقت دوپہر کی دھوپ کی شدت برداشت کرتے ہوئے امام مالک اُن کے گھر پہنچتے تھے، اُس وقت وہ گھر سے نکلتے ہوئے حضرت ابن عمرؓ کی احادیث سناتے تھے اور اُن کے فتاویٰ سے بھی آپؒ کو آگاہ کرتے تھے (۵۶۶)۔

امام زہریؒ

امام زہریؒ جب مدینہ منورہ آ کر مقیم ہوئے تو امام مالکؒ نے ان کا دامن پکڑ لیا اور فرصت کے وقت ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے احادیث سنتے تھے اور فوراً یاد کر لیتے تھے۔ ایک دفعہ آپؒ عید کی نماز پڑھ کر امام زہریؒ کے گھر گئے اور ان سے چالیس احادیث سُن کر فوراً ان کے سامنے دہرا دیں۔ اس پر امام زہری نے بہت تعجب کا اظہار کیا اور اُن کے شوق اور قوی حافظہ کو دیکھتے ہوئے انہیں حدیث کی اچھی طرح تعلیم دی اور امام مالک بہت جلد اُن کے شاگرد خاص بن گئے (۵۶۷)۔

حضرت ربیعہ

آپ نے حضرت ربیعہ الرائی سے اصول فقہ کی تعلیم حاصل کی ہے کیونکہ وہ زبردست محدث ہونے کے ساتھ ساتھ مدینہ کے زبردست فقیہہ بھی تھے۔ اور اسی وجہ سے ان کے نام کے ساتھ رائی کا لفظ بھی شامل ہو گیا ہے۔ لہٰذا امام مالکؒ کے فقہی کمالات کا وہ سرچشمہ تھے اور ان کے فیض محبت کی بدولت آپؒ نے مدنی فقہ کے اصول مرتب کیے اور مالکی فقہ کی بنیاد ڈالی۔ آخری زمانے میں آپ کا اپنے استاد

ربیعہ الرائی سے اختلاف رائے ہو گیا۔ اور دونوں کے فقہی اصول بھی مختلف ہو گئے تھے۔ تاہم آپ ان کے فقہی کمالات کے معترف رہے (۵۶۸)۔

تدریس حدیث

آپ علمی حلقوں میں ایک امتیازی شان سے چمکے۔ احتیاط کا یہ عالم تھا کہ جب تک ستر شیوخ نے اجازت نہ دی مسندِ تدریس پر جلوہ افروز نہیں ہوئے۔ آغاز شباب میں ہی مدینہ میں تدریس شروع کر دی۔ آپ کو علم حدیث کی تعظیم و اجلال کا بہت خیال تھا۔ مسندِ درس کو زینت بخشنے سے پہلے آپ غسل فرماتے، اُجلا لباس پہنتے اور خوشبو لگاتے تھے جب حدیث شروع کرتے تو مجلس پر وقار کی فضا طاری ہو جاتی تھی اور خوشبو سے دماغ معطر رہتا تھا (۵۶۹)۔ آپ ادب کے ساتھ درس حدیث کے لیے مجلس لگاتے تھے تا کہ سوئے ادب کا شائبہ نہ ہو۔ سامعین خاموشی سے آپ کی بات سنتے۔ آپ اتنے مؤدب تھے کہ ایک دفعہ دورانِ درس حدیث ایک بچھو نے آپ کو کئی دفعہ کاٹا۔ درد کی وجہ سے چہرہ متغیر ہو گیا۔ لیکن آپ نے اس وقت تک پہلو نہ بدلا جب تک حدیث رسول ختم نہ ہوئی (۵۷۰) اور آپ نے مؤطا لکھ کر اُسے مدارِ درس بنایا۔ آپ کا شہرہ دور دور تک پھیلا۔ افریقہ اور اندلس تک کے پروانے اس شمعِ علم کے گرد اکٹھے ہونے لگے۔

عبدالرزاق اور سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی مندرجہ ذیل پیشین گوئی آپ ہی کے حق میں تھی کہ یوشك ان يضرب الناس اكباد الابل، يطلبون العلم فلا يجدو ن احدا اعلم من عالم المدينه (۵۷۱) (عنقریب وہ زمانہ آئے گا کہ لوگ اونٹوں پر بیٹھ کر منزلیں کاٹیں گے اور عالم مدینہ سے بلند تر عالم کسی کو نہیں پائیں گے)۔ آپ کے حلقہ درس میں فقیر بے نوا سے لے کر شہنشاہ وقت تک شامل تھے اگر ایک طرف یحییٰ لیثی اندلسی، اسد بن الفرات تونسیؒ، عبدالسلام التونی عرف سحنون قیروانی، عبدالرحمان بن قاسم مصریؒ، عبداللہ بن وہب، شعبہ بن عبدالعزیز قیسیؒ اور عبداللہ بن الحکیم ایسے غریب الوطن تھے تو دوسری طرف ہارون الرشید، امین الرشید اور مؤتمن ایسے شاہ وقت تھے۔ جنہوں نے آپ کے قدموں میں بیٹھ کر درس حدیث لیا۔ سید سلیمان ندوی (م ۱۳۷۳ھ) نے مجلس درس کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے: "جاہ و جلال اور شان و شکوہ سے کا شانہ

امامت پر بارگاہ شاہی کا دھوکہ ہوتا تھا، طلباء کا ہجوم، مستفتیوں کا ازدحام، امراء کا ورود، علماء کی تشریف آوری، سیاحوں کا گزر، حاضرین کی مؤدب نشست، درخانہ پر سواریوں کا انبوہ، دیکھنے والوں پر رُعب و وقار طاری کردیتا تھا" (۵۷۲)۔

طریقہ تدریس

صحابہ کرامؓ اور دیگر محدثین کا عام طریقہ تدریس یہ تھا کہ وہ زبانی یا لکھی ہوئی احادیث خود بول کر لکھواتے تھے اور تلامذہ یا تو لکھ لیتے تھے یا زبانی یاد کرلیتے تھے۔ اس موقع پر اگر بہت بڑا اجتماع ہوتا تو ان کے بلند آواز تلامذہ تھوڑی تھوڑی دور کھڑے ہوکر شیوخ کی آواز کو دہراتے تھے (۵۷۳)۔

امام مالک کبھی کبھی یہ طریقہ اختیار کرتے۔ لیکن اکثر آپ شیوخ مدینہ کے طریقہ پر عمل کرتے تھے۔ وہ طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنی احادیث وفتاوٰی کو پہلے خود قلم بند کرتے یا کسی ہوشیار شاگرد سے لکھوا لیتے تھے۔ اس کے بعد جب درس شروع ہوتا تو لکھنے والا شاگرد مجلس درس میں اس کو پڑھتا تھا۔ استادِ محترم جا بجا احادیث کے مطالب کی تشریح کرتے جاتے تھے۔ اگر کاتب سے اصل لفظ یا متن میں کوئی غلطی ہو جاتی تھی تو اس کی تصحیح کردی جاتی (۵۷۴)۔

امام مالک کی مجلسِ درس میں دور دراز سے تمام اسلامی ممالک کے طلبہ آ کر شریک ہوتے تھے۔ یہاں تک کے شمالی افریقہ سے ایک بڑی تعداد آ کر شامل ہوئی۔ افریقہ اور اندلس کے لوگ بھی آپ کے درس میں شامل ہوئے اور ان کی بدولت مالکی مذہب ان علاقوں میں رائج ہوگیا۔ اس کے علاوہ مشرقی ممالک میں بھی آپ کا علمی فیض دور دراز علاقوں تک پہنچا۔

شاگرد

امام صاحب کے شاگردوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ حافظ ابن کثیر اور امام ذہبی نے لکھا ہے کہ آپ کے شاگردوں کا شمار ناممکن ہے کیونکہ انہوں نے ۶۲ سال تدریس کی ہے (۵۷۵)۔ آپ کے مشہور تلامذہ میں چند درج ذیل ہیں:

حضرت یحییٰ بن یحییٰ

اندلس کے شہر قرطبہ میں داخل ہوئے اور وہاں سکونت اختیار کی اور زیاد بن عبدالرحمان اللخمی معروف شبطون قرطبی سے ''موطا'' کی سماعت کی۔ اور یحییٰ بن مضر اندلسی سے بھی سماعت کی۔ پھر ۲۸ سال کی عمر میں مشرق کی طرف سفر کیا اور امام مالک سے ''مؤطا'' کی (کتاب الاعتکاف کے علاوہ) سماعت کی۔ امام مالک آپ کو عاقل الاندلس کے نام سے پکارتے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ایک دفعہ وہ امام مالک طلباء کی جماعت کے ساتھ بیٹھے تھے کہ کسی کی آواز آئی ہاتھی آ گیا ہے تو تمام حاضرین مجلس دیکھنے گئے صرف یحییٰ بیٹھے رہے تو امام مالک نے پوچھا تو دیکھنے کیوں نہیں گیا۔ اندلس میں یہ نہیں ہوتے۔

یحییٰ نے جواب دیا میں اپنے ملک سے آپ کو دیکھنے اور آپ کی رہنمائی اور تعلیم حاصل کرنے آیا ہوں ہاتھی دیکھنے نہیں آیا۔ اس پر امام مالک نے ان کا نام عاقل اہل اندلس رکھا۔ انہوں نے ۲۳۴ھ میں وفات پائی (۵۷۶)۔

ابو محمد عبداللہ بن وھب

۱۲۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانے کے اماموں میں سے تھے۔ امام مالک کی صحبت میں ۲۰ سال رہے اور المؤطا الکبیر اور المؤطا الصغیر لکھی۔ امام مالک آپ کے متعلق فرماتے تھے عبداللہ بن وھب امام ہے۔ امام مالک کی طرف ۱۴۸ھ میں سفر کیا اور ان کی صحبت میں وفات تک رہے۔ اور ۱۹۷ھ میں فوت ہوئے (۵۷۷)۔

عبدالرحمٰن بن القاسم

۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے۔ امام مالک کی صحبت میں ۲۰ سال رہے۔ اصحاب مالک نے امام مالک کی وفات کے بعد ان سے استفادہ کیا۔ مالکی مذہب کی فقہ ''المدونہ'' تصنیف کی۔ جو کہ مالکی مذہب کی بڑی کتب میں سے ہے۔ ۱۹۱ھ میں وفات پائی (۵۷۸)۔

ابو عبدالرحمٰن، عبداللہ بن مسلمہ قعنبی

امام مالک سے علم حدیث حاصل کیا۔ ان کے ثقہ شاگردوں میں سے تھا۔ یہ بھی الموطا کے راویوں میں سے ہے۔ انہیں کثرت عبادت کی وجہ سے "الراھب" کے نام سے پکارتے تھے۔ بصرہ میں ۲۲۱ھ میں جمعہ کے روز فوت ہوئے (۵۷۹)۔

فقہ و فتاویٰ

حضرت امام مالکؒ نے فتویٰ دینے کا کام اُس وقت شروع کیا جبکہ مدینہ منورہ کے ستر علمائے عظام نے آپ کی قابلیت کا اعتراف کیا اور آپؒ کو فتویٰ دینے کی اجازت دی (۵۸۰)۔ آپ کے فتاویٰ کی بنیاد احادیثِ نبوی ﷺ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور مدینہ کے فقہائے سبعہ کے فتاویٰ پر مبنی ہے (۵۸۱)۔ آپؒ نے جب فتویٰ دینا شروع کیا تو تمام اسلامی ممالک سے آپؒ کے پاس فتوے آنا شروع ہوگئے اور بہت جلد آپؒ مدینہ منورہ کے مفتی بن گئے۔ یہاں تک کہ جب آپ مکہ معظمہ حج کے لیے تشریف لے جاتے تھے تو اُس وقت حکومت کی طرف سے اعلان ہوتا تھا کہ "امام مالک اور شیخ ابن ابی ذئب کے سوا کوئی فتویٰ نہ دے" (۵۸۲)۔ اس اعلان کی حج کے موقع پر اس لیے ضرورت ہوتی تھی کہ پوری دنیائے اسلام سے علمائے کرام اور دیگر مسلمان حج کے موقع پر جمع ہو جاتے تھے۔ ایسے موقع پر مختلف علمائے کرام کے فتاویٰ کے اختلاف و انتشار کا اندیشہ ہوتا تھا۔

جبری طلاق کا مسئلہ

حکومت کی اس قدر دانی کے باوجود امام مالکؒ نہایت آزادی اور بے باکی کے ساتھ حکومت کی پالیسی کے خلاف بھی فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں عباسی خاندان کی نئی نئی حکومت قائم ہوئی تھی اور بعض موقعوں پر نئی حکومت نے جبراً لوگوں سے اپنی حمایت میں بیعت حاصل کی تھی۔ حکومت کی پالیسی یہ تھی کہ جبراً اور زبردستی طلاق دینے کے مسئلہ میں اس قسم کا فتویٰ دیا جائے کہ جبری طلاق بھی واقع ہو جائے گی۔ حکومت اس معاملے میں اس لیے مداخلت کر رہی تھی کہ اس زمانے میں حکومت کے خلاف بغاوتیں ہو رہی تھیں۔ اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ جبری بیعت کے خلاف بھی علماء فتویٰ دیں (۵۸۳)۔

جب خلیفہ منصور کا چچازاد بھائی جعفر بن سلیمان عباسی مدینہ منورہ کا حاکم ہوا تو اس نے امام مالکؒ کو حکم دیا کہ وہ جبری طلاق کے بارے میں فتوی نہ دیں۔ مگر امام مالکؒ حق وصداقت کے اصولوں اور اپنے ضمیر کے مطابق جبریہ معاملہ کے عدم حجت کا فتوی دیتے رہے۔

مدینہ کا حاکم جعفر اس بات پر بہت ناراض ہوا اور اُس نے حکم دیا کہ امام مالک کو ستر کوڑے مارے جائیں۔ چنانچہ اُس کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ جس سے امام مالک کی پیٹھ لہولہان ہوگئی اور دونوں ہاتھ مونڈھے سے اتر گئے۔ اس کے بعد جعفر نے اونٹ پر بٹھا کر تشہیر کرائی۔ جب امام مالکؒ نے اس بری حالت میں مدینہ کے بازاروں اور گلیوں میں سے گزر رہے تھے تو آپؒ نے بلند آواز میں فرمایا: ''مــن عـرفني فقد عرفني ومن لم يعرفني فانا مالك بن انس أقول: ليس الطلاق المكره بشيء ''(۵۸۴) (جو مجھے جانتا ہے وہ پہچانتا ہے اور جو واقف نہیں ہے وہ جان لے میں مالک بن انس ہوں۔ میں فتوی دیتا ہوں کہ جبری طلاق صحیح نہیں ہے)۔

نفس زکیہ کی حمایت

امام مالکؒ نے شرعی معاملات میں ہمیشہ حق وصداقت کی آواز بلند کی اور اس کے مقابلے میں اپنی جان قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ چنانچہ جب ۱۴۵ھ میں فاطمی سادات کے معزز فرد محمد نفس زکیہ (م ۱۴۵ھ) نے علم بغاوت بلند کیا تو اکثر لوگوں نے ان کا ساتھ دیا۔ جس میں علماء اور محدثین کی کافی تعداد تھی۔ امام مالکؒ نے بھی اس موقع پر فتوی دیا کہ ''خلافت نفس زکیہ کا حق ہے''۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ ''ہم منصور کی بیعت پر حلف اٹھا چکے ہیں''۔ امام صاحبؒ نے فرمایا: ''منصور نے جبرًا بیعت لی ہے اور جو کام زبردستی کیا جائے شریعت کے نزدیک وہ صحیح نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اگر جبرًا کسی سے طلاق دلائی جائے تو واقع نہیں ہوگی (۵۸۵)۔

کتب فقہ

امام مالکؒ تقریبًا ساٹھ برس تک مستقل فقہ وفتاوی میں مشغول رہے۔ اس طرح انہوں نے مالکی فقہ کی بنیاد ڈالی۔ مؤطا مالک کے علاوہ وہ خود اپنے مسلک کی فقہ کو مدوّن نہ کر سکے۔ تاہم ان کے متعدد تلامذہ نے ان کی طویل صحبت میں رہ کر فقہ کی کتب مرتب کی ہیں۔ سب سے پہلی مالکی فقہ کی کتاب

افریقہ کے قاضی اسد بن فرات کی ہے جو اسدیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے بعد سب سے ضخیم فقہ کی کتاب ان کے دوسرے شاگرد ابن قاسم (ت ۱۹۱ھ) نے مدوّن کی جس کا نام "المدوّنہ" ہے جو خود امام مالکؒ کی زندگی ہی میں مدوّن ہو رہی تھی (۵۸۶)۔

ابن قاسم نے امام مالک کی صحبت میں رہ کر ان کے فتووں کے جوابات مدوّن کیے تھے اور ان کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ انہیں امام مالکؒ کے چالیس ہزار مسائل زبانی یاد تھے۔ تیسری کتاب آپؒ کے مصری شاگرد ابن وہب (ت ۱۹۷ھ) نے تحریر کی۔ اس کتاب کا نام "کتاب المجالسات عن مالک" ہے (۵۸۷)۔ حضرت امام مالکؒ کی فقہ کی بنیاد فقہاء صحابہ یعنی ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ اور فقہاء اسلام یعنی کبار تابعین حضرات کے اجتہادات پر ہے۔ درج ذیل فقہاء کی آراء کو آپ زیادہ اہمیت دیتے تھے۔

۱۔ سعید بن المسیب (م ۱۰۱ھ)۔

۲۔ سالم بن عبداللہ (م ۱۰۶ھ)۔

۳۔ ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام (م ۹۴ھ)۔

۴۔ عبیداللہ بن عتبہ بن مسعود (م ۱۰۲ھ)۔

۵۔ قاسم بن محمد بن ابی بکر (م ۱۰۱ھ)۔

۶۔ سلیمان بن یسار (م ۱۰۷ھ)۔

۷۔ خارجہ بن زید (م ۹۹ھ)۔

ان کے علاوہ صغار تابعین مثلاً زہری وغیرہ کے اجتہادات بھی امام مالک کے مذہب کی بنیاد ہیں (۵۸۸)۔

تقویٰ

امام مالکؒ درس و افتاء کے بعد تمام وقت عبادتِ الٰہی اور تلاوت قرآن مجید میں صرف فرماتے تھے۔ بالخصوص جمعہ کی ساری رات عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ اسی طرح ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو بھی ساری رات عبادت اور تلاوت میں مشغول رہتے تھے (۵۸۹)۔

حبِ مدینہ

آپ کو مدینہ سے غایت درجہ محبت تھی، سفرِ حج کے علاوہ کبھی مدینہ سے باہر نہیں نکلے، منصور نے بغداد میں سکونت کے لیے درخواست کی، پذیرائی نہ ہوئی۔ مہدی نے تین ہزار دینار بھیجے اور کہلا بھیجا کہ بغداد کا عزم کیجئے۔ فرمایا ''اشرفیاں اسی طرح رکھی ہیں، جی چاہے تو لے جاؤ مگر مالک سے مدینہ نہیں چھوٹ سکتا'' (۵۹۰)۔ حرمت مدینہ کا آپؒ کو اس قدر خیال تھا کہ آپ کے اصطبل میں کئی گھوڑے ہونے کے باوجود آپ پیدل چلتے تھے۔ کسی کے استفسار پر آپؒ نے فرمایا: ''مجھے حیا آتی ہے کہ جس مبارک شہر میں نبی اکرم ﷺ کا جسدِ اطہر ہو، میں اس میں سوار ہو کر چلوں'' (۵۹۱)۔

اخلاق حسنہ

امام مالکؒ فیاض اور سخی بھی تھے اور مہمان نواز بھی۔ تاہم آپ کی فیاضی اور مہمان نوازی طالبانِ علم پر بہت زیادہ ہوتی تھی۔ بالخصوص اپنے ہونہار طالب علم امام شافعی پر بے حد مہربان تھے۔ تنگدست طلبہ اور اہلِ علم کی مالی امداد کرنا آپ کا عام معمول تھا (۵۹۲)۔ خودداری اور باوقار زندگی کے ساتھ آپ حلم وعفو کی صفات سے بھی متصف تھے اور صبر و استقلال کے ساتھ نیکی کے راستے میں سب تکالیف برداشت کرتے تھے۔ آپ نے حق وصداقت کی راہ میں کوڑوں کی سزا برداشت کی۔ آپ خود دار اس قدر تھے کہ خلفاء وامراء کے آستانوں پر نہیں گئے۔ اور ان کی بار بار فرمائشوں کے باوجود بھی تعلیم و تدریس کے لیے ان کے گھر میں نہیں گئے اور انہوں نے علماء کے وقار اور احترام کو باقی رکھا (۵۹۳)۔

امام مالک خلفاء اور امراء سے زیادہ علماء اور فقہاء کرام کی عزت کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید آئے تو اُس کو مسند سے نیچے بیٹھنا پڑا۔ لیکن ایک بار امام ابوحنیفہ تشریف لائے تو امام مالکؒ نے اُن کے لیے اپنی چادر فرش پر بچھائی۔ اور ان کی بے حد تعظیم وتکریم کی (۵۹۴)۔ آپؒ اپنے نامور شاگردوں کا بھی استقبال کرتے تھے اور اُن سے بے حد محبت کرتے تھے۔

نفاست پسندی

اعلیٰ اخلاق کے ساتھ آپ صفائی پسند تھے اور ہر چیز میں صفائی کا خاص طور پر خیال رکھتے

تھے۔ ہمیشہ نفیس اور عمدہ پوشاک زیب تن فرماتے۔ یمن، مصر اور خراسان سے عمدہ عمدہ کپڑے منگواتے تھے۔ آپؒ خوشبو کا استعمال ہمیشہ کرتے تھے۔ عود کی انگیٹھیاں ہمیشہ جلتی رہتی تھیں اور کپڑے خوشبوؤں میں بسے رہتے تھے۔ جس گلی سے ایک بار گزر جاتے دیر تک اس میں خوشبو پھیلی رہتی (۵۹۵)۔

تصنیفات

امام مالک کی اپنی اور ان کی طرف منسوب تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔	مؤطا۔	۲۔	رسالۃ مالک الی الرشید
۳۔	احکام القرآن۔	۴۔	المدونۃ الکبریٰ۔
۵۔	رسالۃ مالک الی ابن مطرف۔	۶۔	رسالۃ مالک الی ابن وھب۔
۷۔	کتاب الاقضیۃ۔	۸۔	کتاب المناسک۔
۹۔	تفسیر غریب القرآن۔	۱۰۔	تفسیر القرآن۔
۱۱۔	کتاب المسائل۔	۱۲۔	کتاب المجالسات عن مالک (۵۹۶)

امام مالک کے متعلق دیگر محدثین کی آراء

۱۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب علما کا ذکر کیا جائے تو امام مالک ستارے ہیں (۵۹۷)۔

۲۔ قال ابن عیینہ: ما کان اشد انتقاد مالک للرجال واعلمہ بشانھم (۵۹۸) (ابن عیینہ کہتے ہیں: امام مالک سے لوگوں پر نقد اور واقفیت میں کوئی بڑھ کر نہ تھا)۔

۳۔ قال ابن معین: مالک من حجج اللہ علی خلقہ (۵۹۹) (ابن معین کہتے ہیں مالک مخلوق کے لیے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں ہیں)۔

۴۔ قال ابن سعد: کان مالک ثقۃ مأمونًا ثبتًا ورعًا فقیھًا عالمًا حجۃ (۶۰۰) (ابن سعد کہتے ہیں: مالک ثقہ، امین، نیک، فقیہ اور عظیم عالم تھے)۔

۵۔ قال ابن ھرمز لجاریتہ یومًا: من بالباب؟ فلم تر الاّ مالکا فذکرت ذلک لہ، فقال: دعیہ فانہ عالم الناس (۶۰۱) (ایک دن ابن ھرمز نے لونڈی سے پوچھا کہ

دروازے پر کون ہے؟اس نے کہا امام مالک کے علاوہ کسی کو نہ دیکھا اور ابن ھرمز سے کہہ دیا تو انہوں نے کہا انہیں آنے دیں کہ وہ لوگوں میں سب سے بڑے عالم ہیں)۔

۶۔ ابن خیاط کہتے ہیں:

یدع الجواب فلا یراجع هیبة　　والسائلون نواکس الاذقان

نور الوقار وعز سلطان التقی　　فهو المهیب ولیس ذا سلطان(۶۰۲)

(جواب چھوڑ دیتے ہیں ان کی ہیبت کی وجہ سے ان سے مراجعت نہیں کی جاتی۔سوال کرنے والے سر خم کر کے کھڑے ہوتے ہیں۔وقار کی روشنی اور تقویٰ کے غلبے کی عزت ہے۔وہ صاحب ہیبت ہیں اگر چہ حکمران نہیں ہیں)۔

۷۔ عبدالرحمنؒ بن مہدی کا قول ہے:''اس زمین پر حدیث رسول ﷺ کا حضرت امام مالکؒ سے زیادہ کوئی امین نہیں اور نہ ہی کوئی صحت حدیث میں ان سے سبقت لے گا''(۶۰۳)۔

۸۔ ابن مبارکؒ نے فرمایا: اگر مجھ سے کہا جائے کہ امت کے لیے امام منتخب کرو تو میں امام مالک کو منتخب کروں گا(۶۰۴)۔

۹۔ حضرت امام بخاریؒ نے فرمایا ہے:''میرے نزدیک امام مالکؒ،زھری سے نقل کرنے میں سب سے زیادہ ثقہ ہے''(۶۰۵)۔

۱۰۔ علی بن مدینی حضرت امام مالکؒ کو امیر المؤمنین فی الحدیث کہتے ہیں(۶۰۶)۔

وفات

آخری سالوں میں آپ بہت نحیف ہو گئے تھے۔مگر بدنی نقاہت قلبی اور روحانی قوت کے ضعف کا سبب نہ بن سکی۔گھلتے ہوئے بدن کو بھی علم حدیث کی خدمت سے فرصت نہ دی۔آپؒ نے ربیع الاول ۱۷۹ھ میں انتقال فرمایا(۶۰۷)۔

''یاایتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربك راضیة مرضیّة فادخلی فی عبادی، وادخلی جنتی''(۶۰۸)(اے نفس مطمئن چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو

خوش اور پسندیدہ ہے شامل ہو جا میرے نیک بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں)۔

جنازہ میں خلق عظیم نے شرکت کی، امیر مدینہ، عبداللہ بن محمد ہاشمی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور جنت البقیع میں آخری آرام گاہ آباد فرمائی۔ حضور ﷺ کے بیٹے حضرت ابراہیم کے پہلو میں دفن ہوئے (۶۰۹)۔

مؤطا امام مالک

مؤطا

لفظ مؤطا "توطیہ" کا مفعول ہے۔ صاحب قاموس نے اس کے معنی روندنے، تیار کرنے اور نرم و سہل بنانے کے بیان کیے ہیں۔ "مؤطا" کے لغوی معانی "روندا ہوا، تیار کیا ہوا، نرم اور سہل بنایا ہوا" ہیں۔ یہ تمام معانی بطور استعارہ کے یہاں مراد لیے جا سکتے ہیں (۶۱۰)۔

شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں: مؤطا کے لغوی معنی روندے ہوئے یا چلے ہوئے کے ہیں اور مجازی معنی یہ ہیں کہ جس پر عام ائمہ اور علما اور اکابر چلے ہوں، اور جس کو ان سب کی آراء نے روندا اور پامال کیا ہو۔ یعنی سب نے اس کے متعلق گفتگو کی ہو، اور اس سے اتفاق کیا ہو (۶۱۱)۔

"مؤطا" اس راستہ کو کہتے ہیں جس پر لوگ بکثرت گزرتے ہیں۔ سنت کے معنی بھی راستہ کے ہیں جس پر آنحضرت ﷺ گزرے، اور تمام صحابہ کرام گزرے۔ غرض مؤطا کا لفظ اپنی حقیقت کا خود مفسر ہے کہ یہ ان مسائل پر مشتمل ہے جن پر صحابہ کا عمل رہا ہے، اور جمہور سلف جن پر چلے (۶۱۲)۔

تعارف مؤطا

یہ کتب خانہ اسلام کی وہ پہلی کتاب بتائی جاتی ہے، جو قرآن مجید کے بعد سب سے پہلے باقاعدہ طور پر فقہی ترتیب سے مبوب و مرتب ہو کر منصۂ شہود پر آئی۔ علامہ ابوبکر ابن العربی فرماتے ہیں:

"الموطا هو الاصل الاول واللباب وكتاب البخاری هو الاصل الثانی فی هذا الباب وعليهما بنى الجميع كمسلم والترمذی" (مؤطا ہی نقش اوّل اور بنیادی کتاب ہے، بخاری کی حیثیت تو اس باب میں نقش ثانی کی ہے، اور انہی دونوں کتابوں پر مسلم و ترمذی جیسے بعد کے

مؤلفین نے اپنی کتابوں کی بنا رکھی)۔علامہ ذہبی مؤطا کا تعارف یوں کراتے ہیں: "ان للمؤطا لوقعا فی النفوس ومهابة فی القلوب لا یوازیها شیء۔ (۶۱۳)(اس میں کوئی شک نہیں کہ دلوں میں مؤطا کی ایسی تاثیر اور قلوب میں ایسی ہیبت ہے، جس کا مقابلہ کوئی اور چیز نہیں کر سکتی)۔

مؤطا درحقیقت احادیث مدینہ کا مجموعہ ہے جس کو امام دارالھجرت مالک بن انسؒ نے جمع کیا ہے اسی لیے نواب صدیق حسن خان نے ابوزرعہ کا یہ قول نقل کیا ہے: "وایں وثوق واعتماد بر کتب دیگر نیست" (۶۱۴) (اور ایسا وثوق اور اعتماد دوسری کتب پر نہیں کیا جا سکتا)۔معلوم ہوا کہ یہ مجموعہ وثوق واعتماد میں تمام کتابوں میں فوقیت رکھتا ہے۔

امام مالکؒ کے عہد میں فقہ وحدیث کی تدوین کا آغاز ہو گیا تھا۔خود مدینہ منورہ میں بعض علما کو یہ احساس ہوا کہ ان اسلامی مسائل واحکام کو، جن پر اہل مدینہ کا اتفاق ہے ایک کتاب میں جمع کر دیا جائے۔چنانچہ امام مالکؒ کے معاصر اور قدیم ہم درس عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمۃ الماجشون نے ایسی کتاب مرتب کی تھی مگر اس کتاب میں احادیث نہیں لکھی گئی تھیں بلکہ انہوں نے اپنی طرف سے مدنی فقہاء کے متفقہ مسائل واحکام کو قلم بند کر دیا تھا۔جب امام مالکؒ کو یہ کتاب دکھائی گئی تو آپؒ نے اسے پسند فرمایا۔اور دل میں عزم کر لیا: "اگر میں ایسی کتاب لکھتا تو پہلے احادیث تحریر کرتا۔اس کے بعد اپنی رائے بیان کرتا" (۶۱۵)۔اس قول سے پتہ چلتا ہے کہ امام مالک کے ذہن میں ایسی کتاب تالیف کرنے کا خاکہ پہلے سے موجود تھا۔جس میں احادیث کے ساتھ ساتھ فقہی مسائل اور علمائے مدینہ کے احکام و فتاوی کو بھی شامل کیا جائے۔لہذا آپ نے اس کے مطابق مؤطا لکھنا شروع کی۔ایک قول کے مطابق خلیفہ منصور نے کہا: اے ابوعبداللہ (امام مالکؒ) اس علم کو ملاؤ اور ایک کتاب مدوّن کرو (۶۱۶)۔اس کتاب میں فقہی ابواب کے مطابق پہلے مستند احادیث تحریر کی گئی ہیں۔اس کے بعد اگر کسی رائے کی ضرورت ہوتی تو امام مالک اپنی رائے بیان فرما دیتے اور اس مسئلہ کے بارے میں فقہائے مدینہ کا عمل بھی بیان فرماتے ہیں۔

گمان غالب ہے کہ مؤطا آپؒ کی وفات سے تقریباً چالیس سال پہلے ۱۳۹ھ یا ۱۴۰ھ میں تحریر کی گئی تھی۔اس وقت خلیفہ منصور عباسی کا زمانہ تھا۔جب ۱۴۴ھ میں منصور نے آخری حج کیا تو اس

وقت آپ کی کتاب مؤطا مشہور اور متداول ہو چکی تھی۔ منصور نے اسے تمام اسلامی ممالک میں ایک مکمل اور واحد اسلامی ضابطہ قانون کی حیثیت سے رائج کرنا چاہا مگر امام مالک نے اس کی مخالفت کی اور اسلامی فقہ کے دائرے کو تنگ کرنا پسند نہیں کیا (۶۱۷)۔

آپؒ کے نزدیک حدیث بیان کرنے والوں کا معیار بہت بلند تھا۔ حدیث کے راویوں کے بارے میں آپ کا قول یہ ہے۔ ''ایسے چار قسم کے اشخاص سے علم حاصل نہ کیا جائے:

۱۔ جو بے وقوف اور کم عقل ہو۔

۲۔ جو بدعتی اور نفسانی خواہش کے پیچھے چلتا ہو۔

۳۔ جو روز مرّہ کی نجی گفتگو میں جھوٹ بولتا ہو۔ خواہ اُس پر جھوٹی احادیث بیان کرنے کا الزام بھی نہ ہو۔

۴۔ ایسا عابد و زاہد ہو جو اپنی عبادت میں مستغرق ہونے کی وجہ سے حدیث کو سننے اور روایت کرنے کے طریقے نہ جانتا ہو'' (۶۱۸)۔ انہی اصولوں کی بنا پر آپؒ محمد بن اسحاق صاحب المغازی کی روایت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔

مؤطا کا کتب حدیث میں مقام

جمہور علماء نے طبقات کتب حدیث کے اندر طبقہ اولیٰ میں مؤطا مالک کا شمار کیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز رحمہما اللہ نے کتب حدیث کے پانچ طبقات قائم کیے ہیں جن میں مؤطا کو طبقہ اولیٰ میں رکھا ہے، بلکہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مؤطا کو تمام کتابوں میں مقدم و افضل سمجھتے ہیں، اپنی مشہور کتاب مصفّٰی شرح مؤطا کے مقدمہ میں اس کی ترجیح کے دلائل و وجوہ کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے اور حجۃ اللہ البالغہ میں بھی فرماتے ہیں: واتفق اهل الحديث علىٰ ان جميع ما فيه صحيح علىٰ رأى مالك ومن وافقه وأما على رأى غيره ليس فيه مرسل ولا منقطع إلا وقد اتصل السند به من طرق اخرىٰ فلا جرم انها صحيحة من هذا الوجه (۶۱۹) (محدثین کا اتفاق ہے کہ اس کتاب کی تمام روایات امام مالکؒ اور انکے موافقین کی رائے میں صحیح ہیں، اور دوسروں کی رائے بھی اس سلسلے میں یہی ہے کہ مؤطا کی مرسل و منقطع روایات کی سند

دوسرے طرق سے متصل ہے، پس اس میں کوئی شبہ نہ رہا کہ اس اعتبار سے وہ سب صحیح ہیں)۔

صاحب مفتاح السعادۃ نے بیان کیا ہے کہ اس کا درجہ ترمذی کے بعد ہے مگر صحیح یہ ہے کہ مسلم کے بعد تیسرے درجہ پر اس کو رکھنا چاہیے (۶۲۰)۔ مؤطا کی صحت و مرتبہ کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں: ما علی ظهر الارض کتاب بعد کتاب الله أصح من کتاب مالك (۶۲۱) (روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد مؤطا مالکؒ سے زیادہ صحیح کتاب کوئی نہیں ہے) اگرچہ کچھ علماء کہتے ہیں: ''انما قال ذلك قبل وجود کتاب البخاری و مسلم'' (۶۲۲) (امام موصوف کا یہ قول بخاری و مسلم کی کتابوں کے عالم وجود میں آنے سے پہلے کا ہے)۔

مؤطا کی روایات

امام مالکؒ کی مؤطا حدیث و فقہ کی مشترک کتاب ہے کیونکہ اس کی تدوین میں آپ نے ایک نرالا طریقہ اختیار کیا ہے۔ آپ نے اس کتاب کو فقہی ابواب پر مرتب کیا ہے۔ اس سلسلے میں آپؒ مختلف مسائل کو ثابت کرنے کے لیے مرسل اور موقوف احادیث بھی بکثرت بیان کرتے ہیں۔ نیز فقہی مسائل کی تفصیل کے لیے صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ کا بھی بکثرت حوالہ دیتے ہیں اور بعض احادیث کو سند کے بغیر بھی روایت کرتے ہیں۔ جنہیں بلاغات کہا جاتا ہے۔

مرسل اور موقوف احادیث کو بکثرت بیان کرنے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ان کے زمانے میں علم حدیث کے اصول مدوّن نہیں ہوئے تھے نیز امام مالکؒ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان راویوں کی کڑی وسیع نہ تھی اس لیے وہ مسلّم اور جلیل القدر راویوں کی مرسل احادیث کو بھی قبول کر لیتے تھے۔ اکثر علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مؤطا کی تمام احادیث صحیح ہیں (۶۲۳)۔ کیونکہ جو احادیث سند کے بغیر ہیں یا مرسل ہیں اور متصل نہیں ہیں ان کی بھی صحیح اسناد اور مکمل سلسلہ روایت کو دوسرے راویوں کے ذریعے معلوم کر لیا گیا ہے۔

تعداد روایات

پہلے مؤطا میں دس ہزار احادیث تھیں۔ مگر امام صاحب نے اکثر احادیث کو قلم زد کر دیا اب ۱۷۲۰ باقی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

مسند مرفوع	۶۰۰	
مرسل	۲۲۲	
موقوف	۶۱۳	
تابعین کے اقوال وفتاوی	۲۸۵	
میزان:	۱۷۲۰	(۶۲۴)

خصوصیات: مؤطا مالک کی چند نمایاں خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ مؤطا حدیث کے ساتھ فقہ کی کتاب بھی ہے۔ یہ فقہی ابواب میں منقسم ہے۔اس میں صرف فقہی احادیث ہیں۔یعنی جن کی غرض احکام سے ہے۔اس میں تفسیر، مناقب اور زہد وغیرہ کے ابواب نہیں ہیں۔

۲۔ مؤطا میں کوئی موقوف صحابی یا اثر تابعی نہیں ہے۔جس کا ماخذ کتاب وسنت نہ ہو۔

۳۔ شہرت کا جہاں تک تعلق ہے۔ایک جم غفیر نے حضرت امام مالکؒ سے روایت کیا ہے جن میں خلیفہ ہارون الرشید، امین، مہدی مؤتمن اور مجتہدین میں سے حضرت امام محمد بن حسینؒ بلا واسطہ ور امام احمد بن حنبلؒ اور ابو یوسفؒ بالواسطہ اور محدثین کا تو حصر ہی نہیں اور صوفیا میں سے ذوالنون مصری وغیرہ اور اہل مصر، شام، عراق، یمن اور اہل خراسان کی ایک کثیر تعداد شامل ہے(۶۲۵)۔

مؤطا کی مقبولیت

مؤطا کو تصنیف کے وقت سے اب تک قبولیت ودوام حاصل ہے۔حافظ ذہبی فرماتے ہیں:
ان للمؤطا لوقعا فی النفوس ومهابة فی القلوب لا یوازیها شیء (۶۲۶)(بلاشبہ مؤطا کی دلوں میں جو وقعت اور قلوب میں جو ہیبت ہے اس کا کوئی چیز مقابلہ نہیں کر سکتی)۔

حافظ ابن حبان ''کتاب الثقات'' میں لکھتے ہیں: كان مالك أول من انتقى الرجال من الفقهاء بالمدينة واعرض عمن ليس بثقة في الحديث ولم يكن يروى إلا ما صح ولا يحدث إلا عن ثقة (۶۲۷)(امام مالک فقہاء مدینہ میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے روایت کے بارے میں تحقیق سے کام لیا اور جو شخص حدیث میں ثقہ نہ تھا اس سے اعراض کیا۔وہ صحیح روایات کے

علاوہ نہ تو کچھ روایت کرتے نہ کسی غیر ثقہ سے کچھ بیان کرتے)۔

ابوزرعہ رازی مؤطا کی صحت کے بارے میں رقم طراز ہیں: لو حلف رجل بالطلاق علی احادیث مالك فی المؤطا انها صحاح لم یحنث (۶۲۸) (اگر کوئی شخص اس بات پر اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حلف اٹھائے کہ موطا میں امام مالک کی جو حدیثیں ہیں وہ صحیح ہیں تو وہ حانث نہیں ہو گا)۔ کیونکہ مؤطا کی تمام احادیث صحیح ہیں۔ محدث مبارک بن محمد المعروف ابن الاثیرؒ (ت ۶۰۶ھ) نے اپنی مشہور کتاب ''جامع الاصول'' میں موطا کو صحاح ستہ میں شمار کیا ہے اور یہ رائے محدث رزین کی ہے، اسی لیے اس کتاب میں ابن ماجہ کے حوالہ سے کوئی روایت درج نہیں ہے۔

حافظ ابو جعفر بن زبیر غرناطیؒ لکھتے ہیں: اولی ما أرشد إلیه ما اتفق المسلمون علی عتماده وذلك الكتب الخمسة والموطا الذی تقدمها وضعا ولم یتأخر عنها رتبة (۶۲۹) (جو کچھ بتایا گیا ہے ان سب میں اولیٰ وہ کتابیں ہیں جن کے اعتماد پر مسلمانوں کا اتفاق ہے اور یہ کتب خمسہ ہیں اور مؤطا وہ ہے جو تصنیف میں ان سے مقدم ہے اور رتبہ میں کم نہیں ہے)۔

حضرت شاہ ولی اللہ مؤطا کی ''شرح المصفیٰ'' کے دیباچے میں لکھتے ہیں: ''مؤطا کو تمام کتب احادیث پر فضیلت حاصل ہے۔ فضیلت مصنف کے اعتبار سے، التزام صحت سے، شہرت و قبولیت احادیث کی وجہ سے ہے۔ حسنِ ترتیب کے مدِ نظر یہ کتاب بے نظیر ہے۔ آئمہ مذاہبؒ و تبع تابعینؒ میں سے کسی کی کوئی تصنیف مؤطا کے علاوہ آج موجود نہیں۔ مؤطا کے مقابلے میں کوئی دوسری کتاب نہیں کہ محدثین اس کی قدر و منزلت پر ویسے ہی متفق ہوں'' (۶۳۰)۔

مؤطا صحاح ستہ میں کیوں شامل نہیں

عام طور پر ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مؤطا جب صحت کے انتہائی درجہ پر ہے تو پھر یہ صحاح ستہ میں کیوں شامل نہیں؟ اس کی کئی وجوہات ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ مؤطا میں مرسل احادیث کی کثرت ہے۔

۲۔ فقہی اقوال اس کثرت سے ہیں کہ یہ حدیث سے زیادہ فقہ کی کتاب معلوم ہوتی ہے (۶۳۱)

۳۔ مؤطا کو صحاح ستہ میں شاید اس لیے شامل نہیں کیا گیا کہ اس کی تمام مرفوع احادیث صحیح

بخاری میں آ چکی ہیں۔ بعض لوگوں نے مؤطا کو صحاح ستہ میں شامل کیا ہے۔ جیسے ابو الحسن رزینؒ نے "التجرید الصحاح والسنن" میں اور ابن اثیر نے "جامع الاصول" میں مؤطا کو صحاح ستہ میں شامل کیا ہے۔

نسخوں میں اختلاف

مصر، شمالی افریقہ اور اندلس سے بے شمار طلبہ آپ سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے آئے اور پھر انہوں نے واپس جا کر مالکی فقہ کو رائج کیا۔ یہ طلبہ اپنے ساتھ مؤطا کے جو نسخے لے گئے تھے۔ اُن میں حدیثوں کی تعداد میں بہت اختلاف ہے۔ کیونکہ کچھ تلامذہ کے پاس ابتدائی زمانے کے نسخے تھے اس وقت مؤطا کی احادیث کی تعداد زیادہ تھی۔ مگر بعد میں امام مالکؒ بعض احادیث کو حذف کرتے رہے۔ جن کی صحت کے بارے میں اُن کو پورا یقین اور اعتماد نہ تھا۔ وہ ہر سال کچھ نہ کچھ احادیث کم کرتے رہتے تھے لہذا جو طلبہ پہلے آئے تھے اُن کے پاس احادیث کا مجموعہ زیادہ تھا اور جو بعد میں آئے انہیں کم تر احادیث کا مجموعہ ملا (۶۳۲)۔ اور بعض نے یہ بھی لکھا ہے اگر زندہ رہتے تو مزید احادیث نکالتے رہتے۔

تعداد کے اختلاف اور احادیث کی کمی بیشی کی وجہ سے مؤطا کے سولہ (۱۶) جداگانہ نسخے ہیں۔ ان میں ابواب کی ترتیب میں بھی فرق ہے تاہم اکثر احادیث یکساں ہیں۔ مؤطا امام مالکؒ کا جو نسخہ آج کل رائج ہے اور مطبوعہ حالت میں دستیاب ہے وہ امام مالکؒ کے ممتاز شاگرد یحیٰی بن یحیٰی المعمودی اللیثی کا ترتیب دیا ہوا ہے۔ وہ شمالی افریقہ کی بربر نسل سے تھے اور وہیں کے رہنے والے تھے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اندلس گئے اور وہاں مؤطا کا درس دیا۔ شیخ یحیٰی بن یحیٰی کی پیدائش ۱۵۲ھ میں اور وفات قرطبہ میں ۲۳۴ھ میں ہوئی (۶۳۳)۔ وہ اندلس کے قاضی القضاۃ تھے۔ اندلس کے حکام ان کے زیرِ اثر تھے اور اندلس کے تمام قاضی انہی کے مشوروں کے مطابق مقرر ہوتے تھے۔

مؤطا امام مالکؒ کا دوسرا نسخہ ان کے مصری شاگرد عبداللہ بن وہب کا ترتیب دیا ہوا ہے۔ یہ امام مالکؒ کے قدیم شاگرد تھے اور بیس سال تک آپ کی صحبت میں رہے۔ انہوں نے مصر میں مالکی فقہ کو رائج کیا اور فقہ مالکی کی تدوین میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کی وفات ۱۹۷ھ میں ہوئی (۶۳۴)۔ امام مالک کے تیسرے شاگرد ابومصعب کا نسخہ اس لحاظ سے مشہور ہے کہ اس میں بقول ابن حزم، ایک سو احادیث

زائد ہیں (۶۳۵)۔

مؤطا کی شروح وتعلیقات

مؤطا کی شہرت کی بنا پر محدثین نے اس کی متعدد شروحات اور تعلیقات لکھی ہیں۔ جن میں چند مشہور یہ ہیں:

۱۔ تنویر الحوالک، علامہ جلال الدین سیوطی۔

۲۔ کشف الغطاء فی شرح المختصر المؤطا، ابن فرحونؒ۔ دو شرحیں حضرت شاہ ولی اللہ نے لکھی ہیں۔

۳۔ المصفی (فارسی زبان میں)۔ ۴۔ المسوی (عربی زبان میں)۔

۵۔ التمہید ابن عبدالبر۔ ۶۔ الاستذکار ابن عبدالبر۔

۷۔ القبس للسیوطی۔

اس کے علاوہ بھی مؤطا کی کئی شروحات وتعلیقات لکھی گئی ہیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی (م ۱۳۷۳ھ) نے مؤطا پر ہونے والے اہم کام کی ایک فہرست دی ہے جس کی تفصیل یہ ہے:

شروح مؤطا	۲۹	تجرید واسناد مؤطا	۱۷
اختلاف مؤطاءت	۲	رجال المؤطا	۴
غریب المؤطا	۴	روایت المؤطا عن مالک	۳
متفرق مباحث	۷		
میزان	۶۶ (۶۳۶)		

صحیحین اوران کی شرائط

(ایک مختصر مطالعہ)

محدثین عظام نے گلشن حدیث نبوی کی اپنے خون جگر سے آبیاری کی ہے یہ انہی نفوس قدسیہ کی محنت شاقہ کا ثمر ہے کہ آج بھی یہ گلشن ہر قسم کے تخریبی حربوں اور محرفین کی مشق ستم کے باوجود محفوظ ہے۔ محدثین کرام نے فن حدیث پر اس طرح سے کام کیا ہے کہ بحث وتمحیص کا کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا۔ روایت ودرایت اور جرح وتعدیل کے اصول وضع کیے۔ علوم حدیث کو اقسام میں تقسیم کیا، کتب حدیث کی درجہ بندی کی، ان کو مختلف طبقات میں تقسیم کیا پھر ان کتب کے لیے الگ الگ اصطلاحات وضع کیں، چنانچہ صحیحین یا شیخین، سنن اربعہ، اصول خمسہ اور صحاح ستہ کی اصطلاحات سے حدیث نبوی کا ادنیٰ طالب علم بھی نا آشنا نہیں ہے۔

زیر نظر مقالہ میں صحیحین کی شرائط رد وقبول کو زیر بحث لایا گیا۔ صحیحین سے مراد الامام محمد بن اسماعیل بخاری کی الجامع الصحیح اور الامام مسلم کی الجامع الصحیح ہیں۔ اور شیخین سے مراد امام محمد بن اسماعیل بخاری اور امام مسلم بن الحجاج القشیری ہیں۔ ان دونوں کتب کی صحت پر امت مسلمہ کا اتفاق ہے (۶۳۷) اور ان دونوں کتابوں کے ناموں سے ہی ان کی صحت ظاہر ہے۔

۱۔ الجامع الصحیح للبخاری ۲۔ الجامع الصحیح لمسلم (۶۳۸)۔

ان دونوں کتب کو صحیح اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان میں مذکورہ تمام احادیث محدثین کی اصطلاح کے مطابق بالکل صحیح ہیں (۶۳۹) اور ناقدین کے معیار پر پوری اترتی ہیں۔ ان دونوں کتب پر تبصرہ کرنے سے قبل ہم ان کے جامعین کے متعلق اہل فن کی آرا کا ذکر مناسب سمجھتے ہیں تمام محدثین امام بخاری اور امام مسلم کی عظمت اور علم حدیث میں ان کی معرفت تامہ کے قائل ہیں۔ شیوخ، معاصرین اور بعد میں آنے والے آئمہ حدیث ان کی ذہانت، حافظہ، دیانت، تقویٰ اور اخذ حدیث میں ان کی قطعی احتیاط کے بارے میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ ان نابغہ روزگار اہل فن کی آراء کی موجودگی میں حدیث اور فن حدیث سے نابلد لوگوں کی رائے زنی لایعنی اور آسمان پر تھوکنے کے مترادف ہوگی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری

امام بخاریؒ بچپن میں ہی بڑے ذہین فطین اور صاحب حافظہ تھے۔اس حقیقت کا اظہار ہمیں کئی محدثین کے ہاں نظر آتا ہے۔ابتدائی عمر میں آپ کے حافظہ کے متعلق یہ مشہور واقعہ ہے۔

محمد بن سلام بیکندی (م ۲۲۵ھ) نے ابو عمر سلیم بن مجاہد سے کہا کہ اگر آپ کچھ دیر پہلے آ جاتے تو آپ ایک ایسے بچے کو دیکھتے جس کو ستر ہزار احادیث یاد ہیں۔یہ سن کر سلیم بن مجاہد امام بخاری کی تلاش میں نکلے جب آپ اسے مل گئے تو ابن مجاہد نے آپ سے ستر ہزار احادیث یاد کرنے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ستر ہزار بلکہ اس سے زیادہ اور ساتھ ہی مجھے ہر حدیث کے رواۃ صحابہؓ و تابعین میں سے اکثر کے مولد، مسکن اور تاریخ وفات کا بھی علم ہے۔اور ہر حدیث میں مذکورہ مسئلہ کا اصل کتاب اللہ اور سنت رسول سے بھی میرے پاس موجود ہے(۶۴۰)۔

۲۔ امام بخاری کے استاد امام علی بن المدینی (م ۲۳۴ھ) فرماتے ہیں ''امام بخاری نے اپنے جیسا انسان خود بھی نہیں دیکھا ہوگا'' (۶۴۱)۔

۳۔ امام بخاری کے استاد اسحاق بن راہویہ (م ۲۳۸ھ) اپنے نابغہ روزگار شاگرد کے متعلق فرماتے ہیں ''اس نوجوان (البخاری) کے پاس حدیث لکھی ہوئی دیکھی اگر حسن بصری ان کے زمانے میں ہوتے تو وہ بھی ان کی معرفت حدیث اور فقہ حدیث میں ان کے محتاج ہوتے'' (۶۴۲)۔

۴۔ عظیم محدث اور فقہ کے امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۳ھ) فرماتے ہیں: خراسان میں محمد بن اسماعیل بخاری جیسا انسان پیدا نہیں ہوا'' (۶۴۳)۔

۵۔ یحییٰ بن جعفر (م ۲۴۳ھ) امام بخاری کے بارے میں فرماتے ہیں اگر میں اپنی عمر میں سے کچھ حصہ امام بخاری کو دے سکتا تو ضرور دے دیتا کیونکہ میری موت صرف ایک آدمی کی موت ہے جبکہ ان کی موت علم کا کوچ کر جانا ہے (۶۴۴)۔

۶۔ مشہور محدث ابو حفص عمرو بن علی الفلاس (م ۲۴۹ھ) فرماتے ہیں'' جس حدیث کو امام بخاریؒ نہ جانتے ہوں وہ حدیث ہی نہیں ہے'' (۶۴۵)۔

۷۔ رجاء بن مرجا بن رجاء الحافظ (م ۲۴۹ھ) نے کہا ''محمد بن اسماعیلؒ کی علماء پر ایسے فضیلت ہے جیسے مردوں کی عورتوں پر ہوتی ہے'' (۶۴۶)۔

۸۔ یعقوب بن ابراہیم الدورقی (م ۲۵۲ھ) نے کہا ''محمد بن اسماعیل فقیه هذه الامه'' (محمد بن اسماعیل بخاری اس امت کے فقیہ ہیں) (۶۴۷)۔

۹۔ امام مسلم (م ۲۶۱ھ) نے امام بخاری کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ''اے علل کے متعلق حدیث کے طبیب، سید المحد ثین استاذ الاساتذہ مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپ کی قدم بوسی کر سکوں'' (۶۴۸)۔

۱۰۔ ابو بکر محمد بن اسحاق ابن خزیمہ (م ۳۱۱ھ) امام بخاری کے متعلق فرماتے ہیں ''آسمان کے نیچے ان سے بڑھ کر کوئی انسان علم حدیث کا عالم نہیں ہے (۶۴۹)۔

امام مسلم بن الحجاج القشیری

الامام ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری: امام بخاری کے عظیم شاگرد اور اپنے وقت کے سب سے بڑے حافظ الحدیث اور فقیہ تھے۔ آپ نے الجامع الصحیح تالیف فرما کر اس امت پر احسان عظیم فرمایا اور صحیح مسلم ان کی حب رسول ﷺ اور علوم حدیث سے گہرے شغف کا زندہ جاوید کارنامہ ہے آپ کی بڑے بڑے محد ثین منقبت بیان فرماتے ہیں:

۱۔ امام بخاری کے استاد اور امام مسلم کے دادا استاد معروف محدث امام اسحاق بن راہویہ (م ۲۳۸ھ) نے امام مسلم کے متعلق فرمایا ''وہ بڑے آدمی ہوں گے'' (۶۵۰)۔

۲۔ اسحاق بن منصور کوسج (م ۲۵۱ھ) نے امام مسلم سے کہا ''جب تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو مسلمانوں کے لیے حیات رکھا ہے ہم کسی بہتری سے محروم نہ ہوں گے'' (۶۵۱)۔

۳۔ امام مسلم کے استاد ابو احمد محمد بن عبد الوہاب الفراء (م ۲۷۲ھ) نے کہا ''مسلم لوگوں میں سے عالم ہیں، علم کو یاد رکھنے والے ہیں میں ان کے متعلق بھلائی ہی جانتا ہوں'' (۶۵۲)۔

۴۔ احمد بن سلمہ (م ۲۸۶ھ) فرماتے ہیں ''ابو زرعہ اور ابو حاتم امام مسلم کو اپنے زمانے کے مشائخ پر مقدم سمجھتے تھے۔ اور امام مسلم کی حدیث کے متعلق خدمات کو سراہتے

تھے''(۶۵۳)۔

۵۔ ابو قریش الحافظ، محمد بن جمعہ (م ۳۱۷ھ) فرماتے ہیں ''دنیا میں سب سے بڑے چار حفاظ حدیث ہیں: ابوزرعہ، محمد بن اسماعیل بخاری، الدارمی اور امام مسلم''(۶۵۴)۔

۶۔ ابن ابی حاتم (م ۳۲۷ھ) فرماتے ہیں امام مسلم ثقہ حفاظ میں سے ہیں۔ ان کے ہاں علم حدیث کی معرفت ہے۔ میرے والد سے ان کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا ''بہت سچے انسان ہیں''(۶۵۵)۔

۷۔ مسلمہ بن قاسم (م ۳۵۳ھ) نے کہا ''امام مسلم ثقہ اور جلیل القدر آئمہ میں سے ہیں''(۶۵۶)

۸۔ شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ) بستان المحدثین میں رقمطراز ہیں ''امام مسلم نے نہ کسی کی غیبت کی نہ کبھی کسی کو مارا اور نہ ہی کبھی کسی کو گالی دی(۶۵۷)۔

صحیحین کے بارے میں علماء و محدثین کی رائے

صحیحین کی صحت اور درجے کے بارے میں علماء و محدثین نے بہت تعریف کی ہے اور ان دونوں کتابوں کی صحت پر اتفاق کا اظہار کیا ہے:

۱۔ ابو اسحاق الاسفرائنی (م ۴۱۸ھ) فرماتے ہیں کہ ''اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ صحیحین میں موجود روایات کی صحت قطعی ہے امت ان روایات کو قبول کرتی ہے(۶۵۸)۔

۲۔ امام الحرمین الجوینی (م ۴۷۸ھ) صحیحین کے بارے میں فرماتے ہیں ان کی صحت پر مسلمانوں کا اجماع ہے(۶۵۹)۔

۳۔ ابن الصلاح (م ۶۴۳ھ) فرماتے ہیں ''کتابا ھما اصح الکتب بعد کتاب اللہ العزیز''(ان دونوں کی کتابیں اللہ کی کتاب کے بعد صحیح ترین کتب ہیں)(۶۶۰)۔

۴۔ معروف محدث امام نووی (م ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں: صحیح بخاری اور صحیح مسلم قرآن مجید کے بعد صحیح ترین کتابیں ہیں۔ بخاری ان دونوں میں سے زیادہ صحیح اور فوائد میں زیادہ ہے اور یہ جو کہا گیا ہے کہ مسلم زیادہ صحیح ہے حالانکہ درست بات پہلی ہے (فالبخاری فائق)(۶۶۱)

۵۔ امام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں ''ائمہ اسلام کا خیال ہے کہ قرآن مجید کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے بڑھ کر کوئی کتاب صحیح نہیں (۶۶۲)۔

۶۔ امام حسن طیبی (م ۷۴۳ھ) شارح مشکوٰۃ اپنی کتاب ''الخلاصہ فی اصول الحدیث'' میں لکھتے ہیں ''صحیح حدیث کے درجات اس کی قوت شروط کے مطابق ہیں پہلے صحیح بخاری پھر صحیح مسلم ہیں ان دونوں کی کتابیں اللہ کی کتاب کے بعد صحیح ترین کتابیں ہیں'' (۶۶۳)۔

۷۔ امام ذہبی (م ۷۴۸ھ) نے فرمایا کہ جس راوی کی صحیحین میں روایت آ گئی وہ پل پار کر گیا اس لیے دلیل کے بغیر انحراف نہیں کیا جا سکتا (۶۶۴)۔

۸۔ ابوالحسن المقدسی کا قول ہے ''فقد جاوز القنطرة'' وہ پل سے گزر گیا مطلب یہ ہے کہ اس کے متعلق جو تنقید کی جائے گی اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا (۶۶۵)۔

۹۔ حافظ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ ''صحیحین کی احادیث کی صحت قطعی ہونے کا ابن الصلاح کا جو خیال ہے میں بھی ان کے ساتھ متفق ہوں (۶۶۶)۔

۱۰۔ حافظ بدرالدین عینی (م ۸۵۵ھ) عظیم شارح حدیث فرماتے ہیں ''مشرق و مغرب کے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ کی کتاب کے بعد صحیح بخاری و مسلم سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں'' (۶۶۷)۔

۱۱۔ شیخ الاسلام محمد زکریا انصاری (م ۹۲۶ھ) فرماتے ہیں ''فکتابا هما اصح کتب الحدیث'' (۶۶۸) (ان دونوں کی کتابیں حدیث کی صحیح ترین کتابیں ہیں)۔

۱۲۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ ''محدثین کا اس بات پر اجماع ہے کہ دونوں کتابوں میں جو مرفوع احادیث ہیں وہ قطعی صحیح ہیں۔ دونوں کتب اپنے مؤلفین سے متواتر ہیں جو ان دونوں کی توہین کرے وہ بدعتی ہے اور اس کا راستہ مسلمانوں سے جدا ہے (۶۶۹)۔

اس کی تصریح امام بخاری نے خود کی ہے اور اس پر دوسرے تمام آئمہ حدیث نے اُن سے اتفاق کیا ہے۔ البتہ یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ صحیح بخاری کی حدیث سے مراد وہ مسند حدیث ہے جس کی روایت امام بخاری نے اپنی شرطوں کے مطابق متن میں کی ہے، نہ کہ اس میں پائی جانے والی ہر حدیث

چاہے اس کا ذکر بطور معلق کیا گیا ہو۔ ان معلق احادیث کا تذکرہ امام بخاری بعض ابواب کے تراجم (عنوانات) کے تحت کرتے ہیں۔ ان میں صحیح احادیث بھی ہیں اور غیر صحیح بھی۔

صحیح بخاری

صحیح بخاری کی تالیف کے اسباب میں سے ایک سبب یہ تھا کہ امام بخاری کے استاد امام اسحاق بن راہویہ نے ایک دن فرمایا کہ کوئی صحیح احادیث کی کتاب ہونی چاہئے۔ یہ بات شاگرد رشید کے دل میں بیٹھ گئی اور انہوں نے تہیہ کرلیا کہ وہ یہ کام ضرور کریں گے (۶۷۰)۔

دوسرا سبب یہ ہوا کہ امام بخاری نے ایک خواب دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں پنکھا تھا اور وہ آنحضرت ﷺ سے مکھیاں اُڑا رہے تھے جب معبرین سے تعبیر پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ آپ آنحضرت ﷺ سے جھوٹ کو دور کریں گے (۶۷۱) ان دو واقعات نے ان کو الجامع الصحیح کے لکھنے میں مہمیز کا کام کیا۔ امام بخاری نے اس کتاب کو سولہ سال کے عرصہ میں مکمل کیا چھ لاکھ احادیث میں سے اس کو منتخب کیا اور اپنے اور اللہ کے درمیان اسے حجت ٹھہرایا (۶۷۲)۔

امام بخاریؒ کا تخریج حدیث کا انداز

امام بخاری نے احادیث کو بیت اللہ میں بیٹھ کر لکھا جب کہ تراجم (ابواب) کو مسجد نبوی میں بیٹھ کر ترتیب دیا (۶۷۳) ان دونوں مقدس مقامات کا بھی اپنی جگہ پر اثر ہوتا ہے جو کہ ہوا۔ اسی طرح ان سے متعلق یہ روایت بھی ہے کہ آپ احادیث لکھنے سے پہلے غسل کرتے دو رکعت نفل پڑھ کر استخارہ کرتے اور احادیث کی صحت کا یقین کر لینے کے بعد لکھتے (۶۷۴)۔

امام بخاری نے الجامع الصحیح کی تالیف مکمل کر لینے کے بعد اپنے اساتذہ امام احمد بن حنبل، یحیٰی بن معین اور علی بن المدینی کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اس کی بہت تعریف کی اور اس کی صحت کی شہادت دی (۶۷۵) امام رحمۃ اللہ کی کتاب التاریخ الکبیر جب لکھی گئی تو آپ کے استاذ اسحاق بن راہویہ نے حاکم وقت عبداللہ بن طاہر کے سامنے پیش کر کے فرمایا: کیا میں آپ کو ایک جادو نگار کا جادو نہ دکھاؤں (۶۷۶)۔ صحیح بخاری سے قبل احادیث کے کئی مجموعے اور کتب موجود تھیں لیکن ان میں ہر قسم کی احادیث (صحیح، ضعیف اور مراسیل) ملی جلی تھیں۔ اسی طرح مؤطا امام مالک بہت ہی قابل قدر، گراں بہا

اور قابل اعتماد ذخیرہ احادیث موجود تھا۔ لیکن اس میں صحیح احادیث کے ساتھ ساتھ آثار بہت زیادہ تھے۔ اس لحاظ سے صحیح بخاری صحیح احادیث کی پہلی کتاب ہے چنانچہ امام نووی فرماتے ہیں ''صحیح احادیث کی پہلی کتاب صرف صحیح بخاری ہی ہے'' (۶۷۷)۔

علامہ قسطلانی اس کتاب کے متعلق فرماتے ہیں ''امام بخاری نے الجامع الصحیح کو تصنیف فرما کر اپنے علوم و معارف کا جھنڈا بلند کر دیا۔ سبحان اللہ ان کی تصنیف کی خوبی کے کیا کہنے جس کے سامنے بڑی بڑی تصنیفات کی پیشانیاں سجدہ ریز ہیں۔ دراصل فلک مسانید و جوامع پر صحیح بخاری قطب تارہ کی مانند ہے۔ اور انوار حدیث کے لیے مطلع نور کی حیثیت سے نمایاں ہے'' (۶۷۸)۔

ابن خلدون امام بخاری کی الجامع الصحیح کے بارے میں فرماتے ہیں: محمد بن اسماعیل بخاری اپنے زمانے کے امام المحدثین نے اپنی صحیح میں حجازی، عراقی اور شامی وغیرہ تمام طرق کو اکٹھا کیا۔ ان طرق پر اعتماد کیا جن پر اجماع ہے اور وہ طرق نہیں لائے جن پر اختلاف ہے (۶۷۹)۔

مندرجہ بالا باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے بچپن میں والد کی تربیت میں پرورش پائی والدہ ماجدہ بھی صاحب علم تھیں ان کے زیر تربیت رہے۔ ان دونوں کی محنت کا اثر تھا کہ زندگی بھر نہ کسی کی غیبت کی نہ کبھی حرام کا لقمہ کھایا پھر انہیں اساتذہ ایسے میسر آئے جو اس وقت کے ماہر علماء حدیث تھے۔ جنہوں نے خود ان کو صحیح احادیث کے جمع کرنے کی ترغیب دی۔ آپ نے کمال صبر سے تمام علاقوں کے معروف محدثین سے علم حاصل کیا پھر اپنے حفظ و عمل اور عمق علم کے باوجود احادیث جمع کرنے میں زندگی کا ایک عرصہ لگا دیا۔ اور ان کی کانٹ چھانٹ کرتے رہے پھر دنیا کے مقدس ترین مقامات پر بیٹھ کر اس کتاب کی تدوین کی۔ وہ اپنے آپ کو اللہ کے سامنے جوابدہ سمجھتے تھے اس لیے انہوں نے سب سے پہلے حدیث ''انما الاعمال بالنیات '' کو درج کیا جو اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ امام صاحب نے پورے اخلاص اور لوجہ اللہ اس کام کو کرنے کی نیت کی ہوئی تھی اور آخر میں حدیث ''کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان حبیبتان الی الرحمن سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم '' کو درج کیا ان کے ذہن میں تھا کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں اس کے لیے ترازو قائم ہوگا۔

امام مسلم کا تخریج حدیث کا انداز

امام مسلم نے اپنی الجامع الصحیح میں اپنے استاذ امام بخاری کے طریقے کو اپنایا ان کی صحبت سے فیض یاب بھی ہوئے۔ نیشا پور میں ان کے ساتھ کافی وقت گذارا۔ بلکہ امام دار قطنی علی بن عمر (م ۳۸۵ھ) نے یہاں تک فرمایا "لو لا البخاری لما ذھب مسلم و لا جاء" (۶۸۰) اگر بخاری نہ ہوتے تو امام مسلم بھی اس مقام پر نہ پہنچ سکتے۔

ابن الصلاح فرماتے ہیں "امام بخاری کی الجامع الصحیح کے بعد امام مسلم کی الجامع الصحیح کا مقام ہے (۶۸۱)۔ امام مسلم نے اس کتاب کو تین لاکھ احادیث میں سے جو ان کی سنی ہوئی تھیں بڑی عرق ریزی اور محنت شاقہ سے شرائط کے مطابق منتخب کیا (۶۸۲)۔ محدث نیشا پور مکی بن عبدان (م ۳۲۵ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے مسلم بن الحجاج سے سنا "اگر اہل حدیث دو سو سال تک حدیث لکھتے رہیں تو پھر بھی ان کا انحصار ان کی اس المسند الجامع الصحیح پر ہوگا" (۶۸۳)۔ احمد بن سلمہ کہتے ہیں: کہ میں امام مسلم کی صحیح ان کے ساتھ لکھتا رہا ہوں انہوں نے اس کی تخریج میں پندرہ سال لگائے (۶۸۴)۔

امام مسلم نے اپنی صحیح لکھ کر ابو زرعہ الرازی (م ۲۶۰ھ) کے سامنے پیش کی جس حدیث کے متعلق انہوں نے اشارہ کیا کہ وہ درست نہیں اس کو نکال دیا۔ امام مسلم نے خود فرمایا میں نے جو داخل کیا صحت کے ساتھ داخل کیا اور جو نکالا صحت کے ساتھ نکالا (۶۸۵)۔

صحیح بخاری کی صحیح مسلم پر ترجیح کی وجوہات

اگر چہ صحیحین کو کتب احادیث میں سب پر فوقیت حاصل ہے لیکن ان دونوں کتب میں سے صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر درج ذیل وجوہ کی بنا پر ترجیح حاصل ہے۔

محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحیح بخاری درجہ میں صحت کے لحاظ سے بڑھ کر ہے اور پھر امام بخاری امام مسلم کے استاذ ہیں اس بات کا اعتراف خود امام مسلم نے بھی کیا ہے۔ بلکہ انہوں نے محمد بن یحیٰی بن عبداللہ الذھلی (م ۲۵۸ھ) کی مجلس اس وجہ سے چھوڑ دی تھی کہ وہ امام بخاری کے مخالف تھے (۶۸۶)۔

صحیح بخاری کی صحیح مسلم پر ترجیح کا ایک سبب زیادت صحت، دوسرا حافظہ کی زیادتی، تیسرا

زیادت عدالت، چوتھا شذوذ سے پاک ہونا اور پانچواں علل سے پاک ہونا ہے(۶۸۷)۔

امام مسلم نے بعض ایسے لوگوں سے روایت لی ہے جن کو امام بخاری نے کسی شبہ کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا لیکن امام مسلم نے ازالہ شبہ کی بنا پر ان کی روایت لے لی ہے مثلاً حماد بن سلمہ، سہیل بن ابی صالح، داؤد بن ابی ھند ابوالزبیر اور علاء بن عبدالرحمٰن (۶۸۸)۔حافظ طاھر مقدسی نے شروط الائمہ الستہ میں تفصیل سے پانچوں میں سے دو سہیل بن ابی صالح اور حماد بن سلمہ کو لیکر ان کے متعلق امام بخاری کے شبہ کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے چھوڑا اور امام مسلم کے متعلق ذکر کیا کہ انہوں نے ان کے بارے شبہ کو دور ہونے کی وجہ سے ان سے روایت کیا(۶۸۹)۔صحیح بخاری کی صحیح مسلم پر ترجیح کی وجوہات یہ ہیں:

۱۔ صحیح بخاری کے رواۃ پر صحیح مسلم کے رواۃ کی نسبت تنقید کم ہے۔

۲۔ صحیح بخاری کے جن رواۃ پر جرح کی گئی ہے ان سے امام بخاری نے بہت کم روایات لی ہیں۔اس کی نسبت صحیح مسلم میں ان کی روایت کثرت سے ہیں۔

۳۔ صحیح بخاری میں مجروحین زیادہ تر لوگ وہ ہیں جن کا شمار امام بخاری کے شیوخ میں ہوتا ہے اور مؤلف کو چونکہ ان کے متعلق مکمل انشراح صدر حاصل تھا بنا بریں وہ ان سے روایت لاتے ہیں لیکن صحیح مسلم میں ایسے رواۃ تبع تابعین وغیرہ سے ہیں جن کو صحیح طور پر جاننا مشکل ہے۔

۴۔ امام بخاری نے اصالۃً طبقہ اولیٰ سے روایت کا التزام کیا اور پھر استشھاداً طبقہ ثانیہ روایت لاتے ہیں مگر امام مسلم نے دوسرے طبقہ سے بھی اصالۃً روایت کی ہیں۔

۵۔ امام مسلم معنعن روایت کے لیے معاصرت کافی سمجھتے ہیں جبکہ امام بخاری لقاء بھی ضروری سمجھتے ہیں۔

۶۔ صحیح بخاری میں فقہی استنباط اور احکام سے متعلق بہت سے مفید نکات پائے جاتے ہیں جو صحیح مسلم میں نہیں ہیں۔

۷۔ امام بخاری متکلم فیہ رواۃ کی احادیث متابعات اور شواہد میں لاتے ہیں جو کہ اصل کتاب کے موضوع سے خارج ہیں جبکہ امام مسلم وہ روایات اصول میں لے آتے ہیں اور ان سے

احتجاج بھی کرتے ہیں۔

شرائط صحیحین برائے اخذ احادیث

اگر چہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے اپنی تمام شرائط اپنی کتب میں تفصیل سے بیان نہیں کیں لیکن محدثین نے ان کے مناہج کو دیکھ کر اور ان کے متعلق پڑھ کر قبولیت حدیث کی درج ذیل شرائط اخذ کی ہیں۔ آئمہ اصول حدیث نے صحیح حدیث کی جو شرائط راوی میں ہونا ضروری قرار دی ہیں وہ سب شرائط صحیحین کی لازمی شرائط ہیں۔ امام ابو بکر محمد بن موسیٰ الحازمی (ت ۵۸۴ھ) نے ''شروط الائمہ الخمسہ'' میں قبولیت حدیث کے لیے جو شرائط راوی میں ہونا ضروری قرار دی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ اسلام جو کہ سب سے بڑی اور اصل شرط ہے اہل شرک و کفر کی روایت مردود ہے۔ اس کے دلائل قرآن وسنت میں موجود ہیں۔

۲۔ دوسری شرط عقل ہے۔ مجنوں اور بچے کی روایت قبول نہیں جب اس میں سمجھ نہ ہو۔ اور نہ ہی ان کی شہادت قبول ہوتی ہے۔ سمجھ اور شعور ہو تو بچے کی روایت بھی قبول ہے۔ حدیث شریف میں ہے تین آدمیوں سے قلم اٹھایا گیا ہے:

۱۔ سونے والے سے جب تک وہ بیدار نہ ہو۔ ۲۔ بچے سے جب تک وہ بالغ نہ ہو۔

۳۔ مجنوں سے جب تک وہ ہوش میں نہ آئے (۶۹۰)۔

یہ مدِ نظر رہے کہ تحمل حدیث میں بچے کی روایت قبول ہے لیکن ادا کے وقت اس کا بالغ ہونا ضروری ہے (۶۹۱)۔

۳۔ تیسری شرط صدق (سچائی) ہے۔ یہ اہم شرط ہے حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے۔ محدثین کا خیال ہے کہ جو لوگوں کے سامنے جھوٹ بولتا ہے وہ حدیث رسول اللہ ﷺ میں بھی اس عادت سے باز نہیں آئے گا۔ اس لیے سچائی کا خیال ضروری امر ہے روایت کا مدار ہی راوی کے سچے اور جھوٹے ہونے پر ہے۔

۴۔ چوتھی شرط (براءۃ الراوی عن التدلیس) راوی کا تدلیس سے پاک ہونا ہے۔ لغت میں مدلس تدلیس سے اسم مفعول ہے۔ تدلیس کے معنی بائع کا مشتری سے فروخت کی

جانے والی چیز کا عیب چھپانا ہے۔تدلیس کا معنی اندھیرے اور روشنی کا اختلاط ہے۔تدلیس راوی کا ایسے آدمی سے روایت بیان کرنا ہے جس کی حالت وہ چھپائے۔یعنی وہ اپنے استاد کو حذف کر دیتا ہے اور اوپر والے شخص کو ظاہر کرتا ہے جس سے استاد کا محذوف ہونا معلوم نہیں ہوتا بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے مافوق سے ہی سنا ہے (۶۹۲)۔صحیح حدیث اس کی متحمل نہیں ہوسکتی۔

۵۔ پانچویں شرط عدل ہے اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ صرف عادل کی روایت نقل کرتے ہیں۔عدالت سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل اور اس کی منہیات سے رکنا ہے (برائیوں سے بچنا ہے)(۶۹۳)۔

ان تمام شرائط کے ساتھ ساتھ خاص طور پر صحیحین کی الگ شرائط بھی ہیں۔امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ ایسی حدیث لاتے ہیں جس کے رواۃ کے ثقہ ہونے پر اتفاق ہو۔محدث سے صحابی تک کسی میں اختلاف ثقاہت نہ ہو(۶۹۴)اس کی سند متصل ہو منقطع نہ ہو۔اگر صحابی سے آگے دو راوی ہوں تو بہتر ہے ورنہ اگر ایک بھی آخر تک ثقہ ہو تو حدیث قبول کرتے ہیں (۶۹۵)۔

امام حازمیؒ نے شرائط صحیحین کے متعلق یہ تحریر فرمایا ہے: متفق علیہ کی قسم اوّل وہ ہے جو امام بخاری اور امام مسلم نے لی ہے یہ صحیح کا پہلا درجہ ہے پھر ایک حدیث کو ایک صحابی آنحضرت ﷺ سے بیان کرے اس کے دو راوی ثقہ ہوں پھر اس سے مشہور تابعی بیان کرے اس کے دو ثقہ راوی ہوں اتباع تابعین میں ثقہ راوی ہوں حافظ و متقن ہوں اور چوتھے طبقے میں بھی اس کے راوی ثقات ہوں پھر امام بخاری اور امام مسلم کے شیخ حافظ متقن مشہور بالعدالت روایت میں ہوں یہ صحیح کا پہلا درجہ ہوگا (۶۹۶)۔

امام حاکم دو راویوں کا ہونا ضروری قرار دیتے ہیں (۶۹۷) لیکن امام حازمی نے دلائل اور مثالوں سے ان کے اس دعویٰ کی تردید کی ہے (۶۹۸)۔مولانا عبدالسلام مبارک پوری نے امام حاکم (۳۲۱-۴۰۵ھ) کے حوالے سے امام بخاری کی یہ شرائط ذکر کی ہیں:

۱۔ سب رواۃ حدیث صحابی تک ثقہ ہوں۔ان کی ثقاہت پر اتفاق ہو یعنی راوی مسلم، صادق، غیر مدلس، غیر مختلط، متصف بصفات عدالت، ضابط متحفظ، سلیم الذہن، قلیل الوھم اور سلیم

الاعتقاد ہوں اور یہ صفات اعلیٰ درجے کی ہوں۔

۲۔ سلسلہ روایت منقطع نہ ہو۔

۳۔ اگر معنعن روایت ہو تو راوی کی اپنے شیخ سے لقا ضرور ثابت ہو۔

۴۔ اس حدیث کی صحت اور مقبولیت پر امام بخاریؒ سے پہلے کے محدثین کا اتفاق ہو یا امام بخاریؒ کے معاصرین کا اتفاق ہو۔

۵۔ علت اور شذوذ سے خالی ہو (۶۹۹)۔

حافظ ابن الصلاح نے "میانة صحیح مسلم" میں امام مسلم کی بھی تقریباً یہی شرائط نقل فرمائی ہیں (۷۰۰) البتہ امام مسلم کے ہاں معنعن روایت میں لقا ضروری نہیں ہے بلکہ معاصرت (ایک زمانہ میں ہونا) ہی کافی ہے (۷۰۱) امام بخاری کی شرط قوی ہے اس پر تنقید نہیں ہوسکتی یہ شرط عقل اور نقل کے لحاظ سے درست ہے اور حقیقت پر مبنی ہے جب کہ امام مسلمؒ کی شرط پر تنقید ہوسکتی ہے اور اس کی بنا حسن ظن پر ہے۔ محدثین نے صحیح حدیث کی یوں درجہ بندی کی ہے:

پہلے نمبر پر اس حدیث کو شمار کیا ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں ہو۔ ایسی حدیث کو متفق علیہ کہتے ہیں۔

دوسرے نمبر پر وہ حدیث ہے جو صرف صحیح بخاری میں ہو۔

تیسرے نمبر پر وہ حدیث ہے جو صرف صحیح مسلم میں ہو۔

چوتھے نمبر پر وہ حدیث ہے جو ان دونوں کی شرائط کے مطابق ہو۔ لیکن ان دونوں کتب میں نہ ہو۔

پانچویں نمبر پر وہ حدیث ہے جو صرف صحیح بخاری کی شرط کے مطابق ہو۔

چھٹے نمبر پر وہ حدیث ہے جو صرف صحیح مسلم کی شرط کے مطابق ہو۔

ساتویں نمبر پر تمام کتب حدیث میں جو صحیح روایات آئی ہیں ان کو شمار کیا جاتا ہے (۷۰۲)۔

طبقات رواۃ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صحیحین کی احادیث بیان کرنے والے طبقات کا بھی ذکر کر دیا جائے

چونکہ امام بخاری طبقات رواۃ کا بھی خیال کرتے ہیں۔امام حازمی نے امام زہری کے اصحاب کے پانچ طبقات بنائے ہیں۔طبقات سے مراد یہ ہے کہ راوی کا اپنے شیخ کے پاس کتناوقت گزرا اس لحاظ سے اس کے حافظہ اور اتقان کی کیا حالت ہے۔اس لحاظ سے وہ اس طبقہ میں ہوگا جس کا اپنے شیخ کے پاس زیادہ سے زیادہ وقت گذرا ہو،سفر وحضر میں امام زھری کے ساتھ رہے ہوں۔امام زھری کی احادیث کو جانچنے کا موقع ملا ہو۔عدل اور حفظ واتقان میں اپنے ساتھیوں سے فائق ہو۔امام بخاری ایسے راوی کو پہلے طبقے میں شمار کرتے ہیں۔امام زھری کے شاگردوں میں سے پہلے طبقہ کے لوگوں میں سے مالک بن انس، سفیان بن عیینہ،عبید اللہ بن عمر وغیرہ ہیں۔

دوسرے طبقہ میں وہ راوی جو ثقات میں بلند درجہ رکھتے ہوں لیکن شیخ کے ساتھ طول صحبت اور وہ حفظ واتقان میسر نہ ہو جو پہلے طبقہ کو ہے۔دوسرے طبقہ میں عبدالرحمٰن بن عمر والا وزاعی اور لیث بن سعد ہیں۔تیسرے طبقہ میں سفیان بن حسین السلمی اور زمعہ بن صالح المکی وغیرہ ہیں۔چوتھے طبقہ میں اسحاق بن یحیٰی الکلبی اور ابراھیم بن یزید المکی ہیں۔جب کہ پانچویں طبقہ میں عبدالقدوس بن حبیب الدمشقی اور محمد بن سعید المصلوب ہیں۔امام بخاری اپنی صحیح میں پہلے طبقہ سے ہی روایت لیتے ہیں اور شاذ و نادر ہی دوسرے طبقہ سے روایت لیتے ہیں۔امام مسلم دوسرے اور تیسرے طبقہ سے بھی روایت لے لیتے ہیں جب کہ امام ترمذی اور ابو داؤد تیسرے اور چوتھے طبقہ سے بھی روایت لے لیتے ہیں (۷۰۳)۔ان طبقات کو دیکھ کر ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ آئمہ حدیث کی کس قسم کی شرائط تھیں اس لیے محدثین نے ان رواۃ سے متعلق جن کو صحیحین سے لیا گیا ہے کوئی جرح قبول نہیں کی اور ان کی روایات کو صحیح اور قابل اعتماد سمجھا۔اور ان رواۃ کو صحت حدیث کے لیے مقیاس تصور فرمایا۔

محدثین کی ان کاوشوں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جو لوگ حجیت حدیث کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا ہیں وہ یا تو علوم حدیث سے بالکل بے بہرہ ہیں یا انکار حدیث میں وہ اس قدر آگے چلے گئے ہیں کہ اظہر من الشمس حقیقت کا انکار کرتے ہوئے وہ اپنے ضمیر کی آواز سننے سے بھی بہرے ہو گئے ہیں۔

کتب الأمالی

تعریف

امالی سے مراد "وہ حدیثیں جو شیوخ اپنے شاگردوں کو املا کروائیں"۔ محدثین کا یہ دستور تھا کہ ہفتے میں ایک یا دو دن (جمعہ ہفتہ) اپنے طلباء کو مسجد، گھر یا کسی اور مقام پر میں بلا کر احادیث کی املا کراتے ان احادیث کو امالی کہا جاتا ہے۔ حاجی خلیفہ نے امالی کی تعریف یوں کی ہے: "هو جمع الاملاء وهو ان يقعد عالم وحوله تلامذته بالمحابر والقراطيس فيتكلم العالم بما فتح الله سبحانه وتعالىٰ عليه من العلم ويكتبه التلامذه فيصير كتبًا ويسمونه الاملاء والامالى وكذلك كان السلف من الفقهاء والمحدثين "(۷۰۴) (أمالی املاء کی جمع ہے۔ کوئی عالم بیٹھا ہو اور اسکے ارد گرد طالب علم قلم اور کاغذ لے کر بیٹھیں اور وہ عالم اللہ کی توفیق کے مطابق علمی گفتگو کرے اور شاگرد لکھتے جائیں اور اسطرح سے کتابیں بن جائیں۔ اسکا نام املاء اور امالی ہے۔ سلف فقہاء اور محدثین ایسے ہی کیا کرتے تھے)۔

امالی کے بارے میں مختلف آراء

ابن صلاح نے لکھا ہے: "محدث کے لیے ضروری ہے کہ املاء حدیث کے لیے مجلسیں قائم کرے اور یہ روایت حدیث کا اعلیٰ درجہ ہے اور اس میں اچھے انداز سے حدیث بیان کی جاتی ہے اور تحمل حدیث میں یہ بہت عمدہ ہے۔ یہ پرانے محدثین کی عادت ہے" (۷۰۵)۔

وہ محدثین جو املاء کرواتے تھے ان میں امام مالک، شعبہ، وکیع، ابو عاصم اور یزید بن ہارون بہت مشہور ہیں۔ حدیث لکھوانے والے آدمی کو جو محدث کے آگے بولے "المستملی" کہتے ہیں (۷۰۶)۔ بعض محدثین کے مستملین کی تعداد بہت زیادہ ہوتی تھی امام ذہبی نے تذکرہ میں لکھا ہے کہ احمد بن جعفار نے کہا "جب ابو مسلم ابراہیم بن عبداللہ بن مسلم کجی بغداد آئے تو آپکی مجلس میں سات مستملی تھے جہاں ایک کی آواز ختم ہوتی وہاں سے آگے دوسرا بولتا۔ ایسے لکھنے والوں کی تعداد ۴۰ ہزار سے اوپر تھی (۷۰۷)۔

حافظ فریابی کے متعلق آتا ہے کہ جب وہ بغداد آئے تو ان کا بڑی گرمجوشی سے استقبال ہوا۔ جو لوگ ان سے حدیث سننے کے لیے جمع ہوئے انکی تعداد ۳۰ ہزار کے قریب تھی اور ان سے لکھوانے والے ۳۱۶ تھے (۷۰۸)۔ حافظ ابوالفضل زھری کہتے ہیں "میں نے ایک مجلس میں فریابی سے حدیث سنی اور جو لوگ ان سے لکھتے تھے ان کی تعداد تقریباً دس ہزار تھی۔ اب ان میں سے میرے علاوہ کوئی باقی نہیں رہا" (۷۰۹)۔ حافظ عاصم بن علی واسطی جب بغداد آئے تو انہوں نے وہاں املاء کروائی اور بہت زیادہ لوگ اکٹھے ہو گئے۔ ابوحسین بن مبارک نے کہا "واسطی کی مجلس کے اندر لاکھ سے زیادہ لوگ ہوتے تھے" (۷۱۰)۔

شیخ عاصم بن علی چھت پر بیٹھے تھے اور لوگ لکھتے تھے اور بعض اوقات لوگ باتوں کو بار بار پوچھتے۔ ایک دفعہ انہوں نے چودہ دفعہ لوٹایا (دہرایا) اور انکا مستملی ایک کھجور پر بیٹھ کر لوگوں کو لکھوایا کرتا تھا اور اس مجلس کا اندازہ کیا گیا اس میں ایک لاکھ بیس ہزار لوگ تھے (۷۱۱)۔

کتب الامالی کے فوائد

کتب الامالی کے بے شمار فوائد ہیں جن میں چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ اس سے بہت زیادہ لوگ مستفید ہو سکتے تھے۔

۲۔ اگر ایک شاگرد غلطی کرتا اور دوسرا اس کو ٹھیک کرا سکتا تھا۔

۳۔ علمِ حدیث پھیلانے کا ایک اچھا ذریعہ تھا۔

۴۔ اس سے مختلف محدثین کی مجالس کا بھی ہمیں پتہ چلتا ہے۔

کتب الامالی

الامالی کے متعدد مجموعے موجود ہیں۔ حاجی خلیفہ نے درج ذیل کتب الامالی کی فہرست دی ہے:

۱۔ امالی الامام، ابی یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری الحنفی (م ۱۸۳ھ)۔

۲۔ امالی ثعلب فی النحو، احمد بن یحیی النحوی (م ۲۹۱ھ)۔

۳۔ امالی، امام السرخسی الحنفی (م ۲۹۲ھ)۔

۴۔ امالی ابی عروبہ (الحرانی)، الحافظ حسین بن محمد السلمی (م ۳۱۶ھ)۔

۵۔ امالی الزجاج فی النحو، ابواسحاق ابراہیم بن محمد النحوی (م ۳۱۶ھ)۔

۶۔ امالی ابن درید، محمد بن ابی بکر اللغوی (ت ۳۲۱ھ)۔

۷۔ امالی ابی الجعفر، محمد بن القاسم البختری (م ۳۴۳ھ)۔

۸۔ امالی القالی فی اللغہ، شیخ ابوعلی اسماعیل بن قاسم اللغوی (م ۳۵۶ھ)۔

۹۔ الامالی لابن شاہین (م ۳۸۵ھ)۔

۱۰۔ امالی بدیع ہمدانی، بدیع الزمان احمد بن الحسین (م ۳۹۸ھ)۔

۱۱۔ امالی ابی طاہر، محمد بن محمد بن محمش الزیادی مفتی نیسابور (م ۴۰۱ھ)۔

۱۲۔ امالی الشیات۔ امام حافظ ابی عبداللہ حاکم نیشاپوری (م ۴۰۵ھ)۔

۱۳۔ الامالی لقاضی ابوالحسن عبدالجبار بن احمد بن عبدالجبار الصمدانی الشافعی، المعتزلی، (م ۴۱۵ھ)

۱۴۔ امالی قاضی عبدالجبار (م ۴۱۵ھ)۔

۱۵۔ امالی ابی القاسم، عبدالملک بن بشران البغدادی (م ۴۳۲ھ)۔

۱۶۔ امالی الصفوۃ من اشعار العرب، ابی القاسم فضل بن محمد البصری (م ۴۴۴ھ)۔

۱۷۔ امالی ابی العلاء، احمد بن عبداللہ المعری (م ۴۴۹ھ)۔

۱۸۔ امالی الجوہری فی الحدیث، ابومحمد الحسن بن علی الحافظ (م ۴۵۴ھ)۔

۱۹۔ امالی القضاعی فی الحدیث، ابوعبداللہ محمد ابن سلامہ شافعی (م ۴۵۴ھ)۔

۲۰۔ امالی ابی علی (وحشی) حسین بن علی البلخی (م ۴۷۱ھ)۔

۲۱۔ امالی نظام الملک فی الحدیث، ابوعلی حسین (الحسن) ابن علی بن اسحاق (م ۴۸۵ھ)۔

۲۲۔ امالی ابی عبداللہ، سلیمان بن عبداللہ الحلوانی (م ۴۹۴ھ)۔

۲۳۔ امالی ابی الفرج، السرخسی الشافعی، عبدالرحمن بن احمد (م ۴۹۴ھ)۔

۲۴۔ الامالی لابن مندہ (م ۵۱۱ھ)۔

۲۵۔ امالی ابن عساکر فی الحدیث، ابوالقاسم علی ابن الحسین بن ھبۃ اللہ الدمشقی (م ۵۱۱ھ)

۲۶۔ امام زر بخری بکر بن محمد البخاری (ت ۵۱۲ھ)۔

۲۷۔ امالی ابی بکر، الخبز اخزی (م ۵۱۸ھ)۔

۲۸۔ امالی السرخکی ابوبکر محمد ابن عبداللہ (م ۵۱۸ھ)۔

۲۹۔ امالی جار اللہ، ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشری (م ۵۳۸ھ)۔

۳۰۔ الامالی للسلامی، ابوالفضل محمد بن ناصر بن محمد بن علی بن عمر السلامی (نسبت دار السلام بغداد) الشافعی الحنبلی (م ۵۵۰ھ)۔

۳۱۔ امالی ابی الفضل محمد بن ناصر، السلامی (م ۵۵۰ھ)۔

۳۲۔ الامالی الخمسمائۃ، امام ابی سعد عبدالکریم ابن محمد السمعانی المروزی الشافعی (م ۵۶۲ھ)۔

۳۳۔ الامالی لابن عساکر (م ۵۷۱ھ)۔

۳۴۔ امالی ابن الشجری، ابوالسعادات ھبۃ اللہ بن علی (ت ۵۷۲ھ)۔

۳۵۔ امالی الامام فخر الدین قاضیخان، حسن بن منصور الاوزجندی (فی الفقہ) (م ۵۹۲ھ)۔

۳۶۔ الامالی، ابوالقاسم عبدالکریم بن محمد بن عبدالکریم القزوینی (م ۶۲۳ھ)۔

۳۷۔ امالی لاشارحۃ علی مفردات الفاتحہ، ابی القاسم عبدالکریم بن محمد الرافعی الشافعی (م ۶۲۳ھ)

۳۸۔ امالی ابن الحاجب، ابوعمر وعثمان بن عمر النحوی المالکی (م ۵۷۰-۶۴۶ھ) (اس میں بعض آیات کی تفسیر ہے اور مختلف قسم کے نحو کے مسائل ہیں)۔

۳۹۔ امالی النقاش فی الحدیث، ابوسعید۔

۴۰۔ امالی ابن حجر، احمد بن علی بن حجر عسقلانی (ت ۸۵۲ھ) (اس میں وہ حدیثیں ہیں جو انہوں نے حلب کے شہر میں لکھیں)۔

۴۱۔ امالی المطلقہ، جلال الدین السیوطی۔

۴۲۔ امالی ابن الحصین، ھبۃ اللہ بن محمد بن عبدالواحد۔

۴۳۔ امالی ابن شمعون، ابوالحسین محمد بن احمد۔ انہوں نے احادیث املا کروائیں اور اسکے اجزاء مرتب کیے۔

۴۴۔ امالی ابی بکر، یوسف بن القاسم بن یوسف فارسی القاضی۔

۴۵۔ امالی ابی بکر، محمد بن القاسم بن بشار الانباری۔

۴۶۔ امالی ابی بکر الحلوانی۔

۴۷۔ امالی ابی بکر ریغذ مونی۔

۴۸۔ امالی ابی بکر النسفی۔

۴۹۔ امالی ابی طاھر۔

۵۰۔ امالی ابی عبداللہ، حسین بن ھارون بن الجعفر الضبی۔

۵۱۔ امالی ابی عثمان، اسماعیل بن محمد بن احمد الاصفھانی۔

۵۲۔ امالی ابی القاسم الکلاباذی۔

۵۳۔ امالی ابی القاسم، عبداللہ بن محمد بن اسحاق بن حبابہ البزارقی۔

۵۴۔ امالی الاصبھانیۃ، للمحاملی۔

۵۵۔ امالی الحافظ، حسن بن ابراہیم القطری۔

۵۶۔ امالی حسن بن زیاد۔

۵۷۔ امالی الزعفرانی فی الحدیث، امام ابوعبداللہ حسین بن احمد۔

۵۸۔ امالی امام الشافعی فی الفقہ۔

۵۹۔ امالی صدر الاسلام (البزدوی فی الفروع)۔

۶۰۔ امالی ظھیر الدین، ابولوالجی الحلھی (فی الفقہ)۔

۶۱۔ امالی العرافیۃ فی شرح الفصول الایلافیہ۔

۶۲۔ امالی فریدی۔

۶۳۔ امالی قاضی صدر البزدوی۔

۶۴۔ امالی قاضی فخر الارسابندی۔

۶۵۔ امالی قاضی المارستانی، ابوبکر محمد بن عبدالباقی۔

۶۶۔ الامالی المرضیۃ فی شرح العلویہ۔

۶۷۔ امالی المنذری فی الحدیث۔

۶۸۔ امالی علی القرآن، جلال الدین السیوطی۔

۶۹۔ الامالی علی الدرۃ الفاخرہ، جلال الدین السیوطی۔

۷۰۔ امالی مطہر السنۃ، " "۔

۷۱۔ امالی میمونی، " "۔

۷۲۔ امالی ولی الدین، ابی زرعۃ احمد بن عبدالرحیم العراقی الحافظ (م۸۲۶ھ) (۷۱۲)۔

کتب الامالی اوران کے مؤلفین

چند کتب امالی اوران کے مؤلفین کے حالات زندگی پر روشنی ڈالتے ہیں:

۱۔ الامالی لابن شاہین (م۳۸۵ھ)

تعارف مصنف

آپ کی کنیت ابو حفص، نام عمر بن احمد بن عثمان ہے۔ابن شاہین کے لقب سے مشہور ہیں۔ بغداد کے رہنے والے بلند پایہ حافظ حدیث اور عراق کے محدث تھے(۷۱۳)۔آپ ۲۹۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۰۸ھ میں حدیث کا سماع شروع کیا۔محمد بن محمد باغندی، محمد بن ہارون بن مجدر ابوخلیب عباس بن برقی، شعیب بن محمد زراع، ابوالقاسم بغوی، ابوعلی محمد بن سلیمان مالکی اوران کے طبقہ سے علم حدیث حاصل کیا(۷۱۴)۔طلب حدیث کی خاطر دمشق کا سفر کیا اور وہاں ابواسحاق بن ابی ثابت اور دیگر علماء سے علم حدیث حاصل کیا۔اور آپ کے شاگرد ابوسعد مالینی، ابوبکر برقانی، ابوالقاسم تنوخی، ابومحمد خلال ، ابومحمد جوھری، ابوالحسین بن مہتدی باللہ اوران کے صاحبزادے عبیداللہ اور دوسرے بہت سے لوگ آپ سے روایت کرتے ہیں (۷۱۵)۔

ابن ماکولا کہتے ہیں:"ثقہ اور مامون ہیں۔انہوں نے تحصیل علم کے لیے شام، فارس اور بصرہ کا سفر کیا۔احکام ومسائل جمع کیے۔تراجم لکھے اور بہت سی کتابیں تصنیف کیں"(۷۱۶)۔آپ نے

ذی الحجہ ۳۸۵ھ میں وفات پائی (۷۱۷)۔

۲۔ الامالی لابن مندہ (م ۵۱۱ھ)

تعارف مصنف

آپ کا نام یحییٰ بن عبدالوہاب بن حافظ ابی عبداللہ محمد بن اسحاق کنیت ابوزکریا اور لقب ابن مندہ ہے۔ اصفہان کے رہنے والے ممتاز حافظ حدیث ہیں اور اصفہان کے مشہور حافظ حدیث یحییٰ بن مندہ کی اولاد سے ہیں۔ آپ نے اپنے والد، اپنے دونوں چچا حافظ عبدالرحمان اور عبیداللہ تاجر، امام طبرانی کے شاگرد ابوبکر بن ریذہ، ابوشیخ کے شاگرد ابو طاہر بن عبدالرحیم، ابوالعباس احمد بن محمد قصاص، احمد بن محمود ثقفی، محمد بن علی جصاص اور ان کے علاوہ اور بہت سے علماء سے علم حاصل کیا (۷۱۸)۔ آپ سے عبدالوہاب الانماطی، یحییٰ بن عبدالغافر بن صباغ، علی بن ابی تراب، ابن ناصر، سلفی، عبدالحق یوسفی، ابو محمد بن خشاب اور دوسرے لوگوں نے حدیث روایت کیں (۷۱۹)۔

ابوسعد سمعانی نے آپ کا تذکرہ لکھا ہے اور کہا ہے "آپ ثقہ، جلیل القدر، وسیع الروایت اور کثیر الفضائل حافظ حدیث تھے۔ بے داغ، سیرت کے حامل کثیر التصانیف راست گفتار اور تکلف سے دور رہنے والے تھے اپنے زمانہ میں اپنے خاندان کے دُرِ یکدانہ تھے۔ آپ نے اپنی اور ہمارے مشائخ سے ایک جماعت کی تاریخ لکھی تھی اور مجھے اپنی جملہ مسموعات کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ میں نے حافظ اسماعیل بن محمد سے ان کے متعلق پوچھا تو انہوں نے آپ کی تعریف کی اور آپ کو حفظ، معرفت اور درایت کے اوصاف جلیلہ سے متصف بتایا۔ میں نے حافظ محمد بن ابی نصر لفتوانی کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ خاندان بنومندہ کی ایک یحییٰ سے ابتداء ہوئی اور ایک یحییٰ پر اس کا خاتمہ ہوا میں نے یونارتی کی تاریخ میں پڑھا ہے کہ یحییٰ بن مندہ کی تاریخ پیدائش ۴۳۴ھ ہے" (۷۲۰)۔

وفات: آپ عید قربان کے دن ۵۱۱ھ کو فوت ہوئے اور بعض نے ۵۱۲ھ ذی الحجہ بتائی ہے (۷۲۱)۔

۳۔ الامالی لابن عساکر (م ۵۷۱ھ)

تعارف مصنف آپ کی کنیت ابوالقاسم، نام علی بن حسن بن ہبۃ اللہ اور لقب محدث شام ہے۔

دمشق کے رہنے والے جلیل القدر اور بلند پایہ حافظ حدث ہیں۔ تاریخ کبیر اور دیگر مفید کتابوں کے مصنف ہیں۔ ۴۹۹ھ میں پیدا ہوئے اپنے والد ماجد اور اپنے بھائی ضیاء الدین ہبۃ اللہ کی خصوصی توجہ سے اپنی عمر کے ساتویں سال ہی میں حدیث کا سماع شروع کیا (۷۲۲)۔ آپ نے اپنے شہر دمشق میں ابو القاسم ،نسیب ،قوام بن زید، سبیع بن قیراط، ابو طاہر حنائی، ابو الحسن بن موازینی اور اس طبقہ کے دوسرے علماء سے اکتساب فیض کیا۔ پھر ۵۲۰ھ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے سفر پر روانہ ہوئے اور بغداد میں ابو القاسم ابن حصین، ابو الحسن دینوری، ابو العز بن کاوش، ابو غالب بن بناء، ابو عبد اللہ بارع، اور اس طبقہ کے دیگر مشاہیر حدیث سے سماع کیا۔ ان کے علاوہ آپ نے مکہ، کوفہ، نیسابور، اصبہان، مرد اور حراۃ کے تقریباً ۱۳۸۰ اساتذہ کرام سے علم حدیث کا سماع کیا۔ ان میں سے ۸۰ سے زائد خواتین بھی شامل ہیں (۷۲۳)۔

آپ کے تلامذہ کی فہرست بھی خاصی طویل ہے اور مشہور محدث معمر بن فاخر، ابو العلاء ہمدانی، ابو سعد سمعانی اور دوسرے کبار علماء آپ کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کے صاحبزادے قاسم، ابو جعفر قرطبی، زین الامناء، ابو البرکات بن عساکر اور ان کے بھائی شیخ فخر الدین وغیرہ نے آپ سے حدیث کا سماع کیا۔ اور دیگر بے شمار علماء نے آپ سے حدیث کا علم حاصل کیا (۷۲۴)۔

حافظ سمعانی کہتے ہیں: ''ابو القاسم ابن عساکر حافظ حدیث، ثقہ، متقن، دیانتدار، نیک اطوار اور بلند اخلاق تھے متن اور اسناد کو خوب جانتے تھے۔ علم و فضل میں بے نظیر اور بڑے محقق تھے۔ حدیث کی قرأت بڑے دلنشین انداز سے کرتے تھے آپ نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے مختلف ممالک کا سفر کیا اور حصول مقصد کے لیے راتوں کی نیند اور دن کا چین حرام کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علم کا جتنا ذخیرہ آپ کے پاس محفوظ تھا کسی کے پاس نہیں تھا (۷۲۵)۔

ابو المواہب کہتے ہیں ''ایک دن مجھ سے کہنے لگا جب میں نے حدیث پڑھانے کا ارادہ کیا۔ اور خدا شاہد ہے کہ اس میں حب جاہ اور تقدم علی الاقران کا جذبہ ہرگز ہرگز کارفرما نہیں تھا۔ بلکہ خواہش یہ تھی کہ میں نے حدیث کا جو یہ بے اندازہ ذخیرہ جمع کیا ہے اسے کب بیان کروں۔ اگر اسے کاغذات میں

چھوڑ گیا۔ تو اس تمام جانکاہی اور مشقت سے کیا حاصل۔ چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ۵۴۳ھ میں تدریسی زندگی کا آغاز کیا (۷۲۶)۔ آپ نے ۱۱ رجب ۵۷۱ھ میں وفات پائی (۷۲۷)۔

۴۔ الامالی ابوعلی القالی

تعارف مصنف

نام اسماعیل بن القاسم لقب القالی البغدادی اور کنیت ابوعلی ہے۔ عربی لغت و ادب کے امام تھے۔ انہیں القالی اس لیے کہا گیا کہ وہ مناز جرد کے ایک گاؤں قالا کے چند افراد کے ساتھ بغداد میں تعلیم حاصل کرتے تھے ان کے ساتھ رہنے کی وجہ سے انہیں بھی اس گاؤں کی طرف منسوب کر کے قالی کہا جاتا تھا اور بغدادی اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ وہاں پر ۲۵ سال رہے۔ بغداد میں آپ نے محدث ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بغوی، ابوسعد الحسن بن علی بن زکریا العدوی، ابوبکر عبداللہ بن ابوداؤد بن اشعث بجستانی جیسے جلیل القدر محدثین کے علاوہ نحو و ادب کے ماہر ابن سراج، ابن انباری، اخفش اور ابن قتیبہ جیسے جید علماء سے کسب فیض کیا (۷۲۸)۔ ان کا میلان لغت کی طرف زیادہ تھا اس لیے مؤرخین انہیں لغت کے امام قرار دیتے ہیں۔ اس زمانہ میں وہ بہت مشہور ہوئے۔ ان کی شہرت اندلس کے خلیفہ عبدالرحمان ناصر تک پہنچی تو انہیں خلیفہ نے اندلس آنے کی دعوت دی۔ انہوں نے خلیفہ کی دعوت کو قبول کیا اور وہ اندلس پہنچے تو ان کا شاندار استقبال کیا اور خلیفہ نے اپنا ولی العہد بنا لیا۔ اور انہوں نے قرطبہ میں ۳۵۶ھ میں وفات پائی۔ انہوں نے امالی کے علاوہ کتاب "المـمـدود والمقصود" "" "علم تجوید القرآن، کتاب الابل، تفسیر السبع الطوال، کتاب فعلت وافعلت، کتاب مقاتل الفرسان، کتاب حلی الانسان والخیل وشیاتھا اور کتاب البارع" تصنیف کیں (۷۲۹)۔

تعارف کتاب

کتاب امالی القالی ان دروس کا مجموعہ ہے جو انہیں قرطبہ اور جامع مسجد زہراء میں ہر جمعرات کو دیا جاتا تھا۔ وہ لکھتے ہیں "املـلـت هـذا الـكـتـاب من حفظی فی الاخمسة بقرطبة وفی المسجد بالزهراء المباركة" (۷۳۰)۔

یہ کتاب عربی ادب کی امہات الکتب میں شمار کی جاتی ہے۔ عربی زبان وادب میں ذوق رکھنے والوں کے لیے مفید کتاب ہے۔ اس میں انہوں نے منفرد واقعات، منتخب اشعار، ضرب الامثال، الفاظ کی تشریح اور حکمت کی باتوں کو جمع کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں "او دعته فنونا من الاخبار، وضروبا من الاشعار وانواع من الأمثال وغرائب من اللغات" (۷۳۱)۔ اس کے علاوہ قرآن وحدیث کے مشکل الفاظ کی تشریح بھی بیان کی ہے وہ لکھتے ہیں: ثم لم أخلو من غريب القرآن وحديث الرسول ﷺ (۷۳۲)۔ انہوں نے قرآن مجید کے مشکل الفاظ کے معانی اور تشریح اہل لغت کے اقوال اور شعراء کے اشعار سے کی ہے مثلاً قرآن مجید کی آیت "وغدو على حرد قادرين" میں لفظ حرد کے متعلق لکھتے ہیں و معنی قولہ عزوجل "وغدو على حرد قادرين "اى على قصد، قال الجمع اما اذا حردى فمجرية ضبطاء تسكن غيلا غير مقروب اى قصدت قصدى.

وقال الآخر:

اقبل سيلٌ جاء من امر الله　　　يجرد حرد الجنّة المغله

اى يقصدها قصدها

وقال أبو عبيدة معنى قوله "على حرد" اى على غضب وحقد واجاز ما ذكرناه. قال: ويجوز ان يكون "على حرد" معناه، على منع، واحتج بقول العباس بن مرداس السلمي وحارب فان مولاك حار ونصره ففى السيف مولى نصره لا يحاردوحارد عندى فى هذا البيت بمعنى قل (۷۳۳)۔ اسی طرح احادیث کے بھی مشکل الفاظ کے معنی اور تشریح پوری حدیث سند کے ساتھ نقل کرنے کے بعد دیتے ہیں۔ ایک جگہ "مطلب تفسير الغريب من حديث الصحابه" (۷۳۴)۔ عنوان کے تحت پوری حدیث نقل کی ہے اور مشکل الفاظ کے معانی اور تشریح کی ہے۔ اس کے علاوہ حکمت کی باتیں، اشعار اور صرف الفاظ کے معانی بیان کیے گئے ہیں۔

یہ کتاب دار الافاق الجدیدہ بیروت سے ۱۹۸۰ء کو شائع ہوئی ہے اور اس کی شرح سمط

واللآلی کے نام سے وزیرابی عبید البکری نے کی ہے اس شرح کی تحقیق وتخریج علی گڑھ یونیورسٹی انڈیا کے شعبہ عربی کے (استاذ) پروفیسر عبدالعزیز المیمنی نے کی ہے۔ اس شرح کو مطبعہ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر نے شائع کی ہے۔ سن اشاعت درج نہیں ہے۔ اس کے علاوہ حکمت کی باتیں، اشعار اور صرف الفاظ کے معانی بیان کیے گئے ہیں۔

یہ کتاب دارالافاق الجدیدہ بیروت سے ۱۹۸۰ء کو شائع ہوئی ہے اور اس کی شرح سمط اللآلی واللآلی کے نام سے وزیرابی عبید البکری نے کی ہے اس شرح کی تحقیق وتخریج علی گڑھ یونیورسٹی انڈیا کے شعبہ عربی کے (استاذ) پروفیسر عبدالعزیز المیمنی نے کی ہے۔ اس شرح کو مطبعہ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر نے شائع کی ہے۔ سن اشاعت درج نہیں ہے۔

۵۔ الامالی ابن الحاجب (۵۹۳-۶۳۰ھ)

تعارف مصنف

آپ کا نام ونسب یہ ہے ابوالفتح عمر بن محمد بن منصور امنی، لقب عزالدین ہے۔ دمشق کے بلند پایہ حافظ حدیث اور ممتاز عالم تھے (۷۳۵)۔ آپ نے دمشق میں علامہ ابن ملاعب کی وفات کے بعد ہبۃ اللہ بن خضر، موسیٰ بن عبداللہ، موسیٰ بن عبدالقادر اور دیگر اہل علم سے حدیث پڑھی اور بغداد، مصر، اسکندریہ، اربل، موصل، حلب اور حرمین شریفین کے محدثین سے بھی استفادہ حاصل کیا (۷۳۶)۔

عالی اور نازل ہر قسم کی احادیث لکھیں اور بہت سی کتابیں اپنے کتب خانہ کی زینت بنائیں۔ الامالی کے علاوہ اپنے ۱۱۸۰ مشائخ کے حالات ایک معجم میں لکھے اور ایک معجم میں ان شہروں کے تفصیلی حالات قلمبند کیے۔ آپ نے طلب علم میں انتہائی جانفشانی سے کام لیا اور ''الاربعین المصافحات'' کتاب تصنیف کی (۷۳۷)۔

تعارف کتب

الامالی ابن الحاجب جو الدکتور فخر صالح سلیمان جدارہ کی تحقیق سے شائع ہوئی ہے۔ محقق کتاب ہذا نے کتاب کو مقدمہ الکتاب دو ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ جبکہ اصل کتاب میں مقدمہ موجود

نہیں ہے۔ مقدمہ الکتاب میں الدکتور فخر صالح سلیمان نے زیر بحث کتاب کی تحقیق میں پہنچنے والی مشکلات کا ذکر کیا ہے اور ان تمام مشکلات کے باوجود کتاب کی پر خوشی کا اظہار کیا ہے پھر اپنی تحقیق شدہ اس کتاب کی تقسیم کے متعلق وضاحت کی ہے۔

الجزء الاول کو تین فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے: پہلے جز میں فصل اوّل امام ابن الحاجب کے حالات زندگی، نام ونسب، زمانہ، اخلاق وشخصیت، اساتذہ وتلامذہ اور ابن الحاجب کے نحوی مذہب کا ذکر کیا ہے۔

جز اوّل کے مندرجات کی مثالیں

کتاب کے ابتداء میں لکھا ہے: فان عام (۵۷۰ھ) الذی ولد فیه ابن الحاجب یعدّ عام اقامة دولة الایوبیین (۷۳۸)۔ ایسے ہی ابن الحاجب کے نحوی مسلک کے متعلق لکھا ہے، ولکنه یبدو متاثرا بمذهب البصریین الی حد کبیر (۷۳۹)۔ جبکہ فصل ثانی کتاب ''امالی'' میں واقع احادیث پر مشتمل ہے اور اس میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ امام ابن الحاجب نے یہ کتاب کب اور کہاں تالیف کی اس کے مصادر واسلوب وغیرہ کیا ہیں۔ جبکہ فصل ثالث ابن حاجب سے ''امالی'' میں مذکور احادیث کے متعلق خاص کیا گیا ہے۔ جبکہ الجزء الثانی کتاب کی تحقیق ودراسۃ اور اس کو ایک واضح صورت دینے کی جدوجہد پر مشتمل ہے۔ دونوں جلدوں کے آخر میں مصادر ومراجع اور فہرست بھی دی گئی ہے۔ کتاب کی دونوں جلدیں ۹۷۹ صفحات پر محیط ہیں (۷۴۰)۔

حدیث قدسی

لغوی تعریف

''قدسی'' لفظ القدس بمعنی پاکیزگی سے ہے۔ ارض مقدس پاک زمین کو کہتے ہیں۔ اسی سے معروف بیت المقدس ہے، تقدس اللہ: تـنـزه وهـو الـقُدُّوسُ(۷۴۱) (اللہ کی تقدیس، عیبوں سے پاک ہونا اور وہ قدوس ہے)۔

قدسی نسبت ''القدس'' کی طرف ہے جس کے معنیٰ ''الطهر'' کے ہیں یعنی وہ حدیث جو ذات قدسیہ کی طرف منسوب ہو اور وہ اللہ عزوجل ہے۔

اصطلاحی تعریف

وہ حدیث جس کی نسبت آپ ﷺ نے اللہ کی طرف کی ہو۔ اللہ کی نسبت کی وجہ سے اسے حدیث قدسی کہا جاتا ہے(۷۴۲)۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں: ''الحديث القدسي ما يرويه صدر الرواة وبره الثقات عليه افضل الصلاة واكمل التحيات عن الله تبارك و تعالىٰ تارة بواسطة جبرئيل عليه السلام وتارة بالوحي والالهام والمنام مفوضا اليه التعبير بأي عبارة شاء من أنواع الكلام(۷۴۳) (حدیث قدسی وہ ہے جس کو راویوں کے سردار اور ثقہ لوگوں کے چراغ ان پر بہترین صلوٰۃ وسلام ہو اللہ سے بیان فرمائیں۔ کبھی جبرئیل کے واسطے سے بیان کریں یا الہام کے ذریعے یا خواب میں یا وحی کے ذریعے، عبارت کوئی بھی ہو۔ نسبت اللہ کی طرف ہوتی ہے)۔

مثال حدیث قدسی

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے: قال النبي يقول الله تعالى "انا عند ظن عبدي بي وانا معه اذا ذكرني فان ذكرني في نفسه ذكرته في نفسي وان ذكرني في ملأ ذكرته في ملأ خير منهم (۷۴۴) (نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اپنے

بندے کے گمان پر ہوتا ہوں اور اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرے۔ اگر وہ مجھے دل میں یاد کرے تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے لوگوں میں یاد کرے تو میں ان سے بہتر لوگوں میں اسے یاد کرتا ہوں)۔

حدیث قدسی اور قرآن کریم میں فرق

حدیث قدسی اور قرآن کریم کے درمیان حسب ذیل وجوہ سے فرق ہے۔

۱۔ ''قرآن کریم'' کے الفاظ و معانی دونوں اللہ کی جانب سے ہوتے ہیں اور ''حدیث قدسی'' کے معنی اللہ کی جانب سے اور الفاظ حضور اکرم ﷺ کے ہوتے ہیں۔

۲۔ قرآن کریم کے الفاظ کا پڑھنا پڑھانا عبادت ہے۔ نماز اس کو پڑھے بغیر صحیح نہیں ہوتی۔ جبکہ ''حدیث قدسی'' کا یہ معاملہ نہیں۔

۳۔ ثبوت قرآن کریم کے لیے تواتر شرط ہے۔ ثبوت حدیث قدسی کے لیے تواتر شرط نہیں ہے۔

۴۔ قرآن کریم معجزہ ہے۔ حدیث قدسی کا یہ معاملہ نہیں۔ قرآن کریم کے ذریعے لوگوں کو چیلنج کیا گیا۔ جبکہ حدیث قدسی کے ذریعے نہیں کیا گیا۔

۵۔ ''قرآن کریم'' کا نزول حضرت جبرئیل کے واسطے سے ہی ہوا ہے اور حدیث قدسی کے لیے یہ ضروری نہیں۔ کبھی حضور پر اس کا نزول حضرت جبرئیل کے واسطے سے ہوا ہے اور کبھی الہام وخواب وغیرہ دوسرے ذرائع وحی کے واسطے سے اور آپ کو اختیار ہوتا کہ آپ جن الفاظ سے چاہیں۔ اس کو تعبیر دیں۔

۶۔ احادیث قدسیہ کی روایت بالمعنی جائز ہے جبکہ قرآن کی روایت بالمعنی جائز نہیں بلکہ اصل الفاظ پڑھنے ضروری ہیں (۷۴۵)۔

احادیث قدسیہ کی تعداد

احادیث قدسیہ کی تعداد تمام احادیث نبویہ کے مقابلے میں بہت کم ہے، بعض حضرات نے ۸۶۳ جمع کی ہیں اور ساتھ ہی یہ تصریح ہے کہ مزید تلاش کی جائے تو اس تعداد میں اضافہ ہوسکتا ہے۔

اہم مصنفات فن

۱۔ ابوالقاسم علی بن بلبان المقدسی (م۶۸۴ھ)، المقاصد السنۃ فی الاحادیث الالھیہ۔اس میں سَو احادیث جمع کی گئی ہیں اور تحقیق سے شائع ہوئی ہیں(۷۴۶)۔

۲۔ عبدالرؤف مناوی (م۱۰۳۱ھ)، الاتحافات السنية بالاحاديث القدسيه، اس میں دوسو بہتر احادیث جمع کی گئی ہیں (۷۴۷)۔

۳۔ محمد مدنی الاتحافات السنية فى الاحاديث القدسيه ۔اس میں آٹھ سو چودہ احادیث جمع کی گئی ہیں (۷۴۸)۔

۴۔ ''الاحادیث القدسیہ''۔مرتب کردہ وشائع کردہ ''المجلس الاعلى للشؤون الاسلاميه'' چار سو احادیث پر مشتمل ہے۔اوران کی تشریح بھی شامل ہے۔اس کتاب میں مؤطا امام مالک، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں سے احادیث کو جمع کیا گیا ہے(۷۴۹)۔

۵۔ ''الاحاديث القدسيه ومنزلتها فى التشريع''،شعبان محمد اسماعیل(۷۵۰)۔

۶۔ شیخ عصام الدین، الضبابطی نے صحیح الاحادیث القدسیہ کے نام سے کتاب لکھی۔اس میں ۵۴۴ احادیث جمع کیں(۷۵۱)۔

۷۔ مقدس باتیں: یہ دراصل پہلے بیان کردہ الاحادیث القدسیہ (چار سو احادیث) کا اردو میں ترجمہ ہے جسے ڈاکٹر حبیب اللہ مختار نے ترتیب دیا ہے۔مصنف نے ۳۱ مختلف عنوانات کے تحت ترجمہ و تشریح پیش کی۔اس کے لکھنے کی وجہ وہ خود لکھتے ہیں۔ایک روز عصر کے بعد محترم جناب حاجی علی صاحب پاکو والے دارالتصنیف تشریف لائے۔ان کے ہاتھ میں کتاب کا نسخہ تھا۔فرمانے لگے اس کا ترجمہ کر دیں تو بہت اچھا ہوگا۔ان کے اصرار کو دیکھتے ہوئے حامی بھر لی(۷۵۲)۔

مصنف نے مقدمہ میں حدیث قدسی کے معنی، حدیث قدسی اور قرآن کریم میں فرق، حدیث قدسی اور عالم حدیث میں فرق کو واضح کیا ہے۔اس کے بعد اس کتاب میں اصل مؤلفین نے جو طریقہ اختیار کیا اس کی وضاحت کی ہے۔تمام کتب کے نام لکھے ہیں جن سے احادیث لی گئیں پھر لکھا ہے کہ ان

احادیث کی تشریح قسطلانی شرح بخاری اور علامہ نووی کی شرح مسلم کی روشنی میں کی گئی ہے(۷۵۳)۔ بعض جگہ پر قسطلانی کے پوری کی پوری عبارت لی ہے، بعض جگہ عبارت خلاصہ اور بعض جگہ مختلف مقامات کا خلاصہ لیا ہے۔ مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انسان مجھے جھٹلاتا ہے۔۔۔الخ'' اس کی تشریح میں لکھتے ہیں: اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کے منکر ہیں(۷۵۴)۔ مثلاً ''اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو جبرئیل اعلان کرتے ہیں۔ الخ ۔ اس حدیث کی شرح امام نووی سے یوں بیان کی گئی ہے۔ علماء فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا بندے سے محبت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے خیر و بھلائی کا ارادہ فرمائیں۔ اور اس کو ہدایت دیں اور اس پر انعام فرمائیں اور رحم کریں اور بغض کرنے کا مطلب ہے سزا دینا اور اس کی نحوست و بدبختی کا قصد ہے(۷۵۵)۔

۸۔ احادیث قدسیہ: ڈاکٹر عز الدین ابراہیم، ترجمہ اردو مولانا محمود احمد غضنفر، اس میں چالیس احادیث ہیں اور یہ کتاب اٹھاسی صفحات پر مشتمل ہے(۷۵۶)۔

ڈاکٹر عز الدین ابراہیم ۱۹۲۸ء میں قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم وہاں حاصل کی پھر پی ایچ ڈی لندن میں کی۔ ۱۹۶۷ء سے سعودی عرب کے دار الخلافہ ریاض میں استاد رہے۔ بیس نصابی کتب کے مؤلف ہیں۔ اس وقت متحدہ عرب امارات میں کلچرل ایڈوائزر کے عہدے پر فائز ہیں(۷۵۷)۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی تمام احادیث صحیح ہیں۔ چونتیس کی صحت پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے جبکہ باقی چھ بھی دیگر کتب صحاح سے لی گئی ہیں۔

پہلی حدیث یہ ہے: لما قضی اللہ الخلق کتب فی کتابہ علی نفسه فھو موضوع عنده ان رحمتی تغلب غضبی ۔ بخاری، نسائی، ابن ماجہ(۷۵۸)۔ آخری چالیسویں حدیث یہ ہے: جنت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے سوال کرے گا کہ کیا تم راضی ہو تو وہ خوشی کا اظہار کریں گے پھر اللہ فرمائے گا: الا اعطیکم افضل من ذلك فیقولون یا ربّ وایّ شیء افضل من ذلك فیقول احلّ علیکم رضوانی فلا اسخط علیکم بعده ابداً ۔ بخاری، مسلم، ترمذی(۷۵۹)۔

۱۰۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ ڈاکٹر عبدالودود نے کیا جو Forty Hadith Qudsi کے نام سے شائع ہوا(۷۶۰)۔

۱۱۔ احمد سعید دہلوی، الہدایہ السنیہ فی الاحادیث القدسیہ، احادیث قدسیہ اللہ کی باتیں(۷۶۱)۔

اس کتاب میں چار کتابوں کا اردو ترجمہ کیا گیا ہے جس میں انتالیس عنوانات ہیں۔جن میں سے چونتیس عنوانات کے متعلق احادیث جمع کی گئی ہیں۔اس کتاب میں کل چار سو بانوے احادیث قولی ہیں(۷۶۲)۔

الاجزاء

تعریف

جزء کی جمع اجزاء ہے اور اس سے مراد وہ کتابچہ ہے جس میں کسی ایک راوی کی احادیث جمع کر دی گئی ہوں، یا کسی خاص حدیث کی اسانید پر بحث کی گئی ہو، یا کسی خاص موضوع سے متعلق احادیث جمع کی گئی ہوں (۷۶۳)۔

چند حضرات جنہوں نے اجزاء تحریر کیے لیکن دستیاب نہیں ہیں۔ ان کے صرف حالات زندگی اور دیگر کے ساتھ تعارف کتب بھی پیش خدمت ہے۔

۱۔ ابو عاصم ضحاک بن مخلد (النبیل) شیبانی بصری (م۲۱۲ھ)

آپ بصرہ کے رہنے والے نامور حافظ حدیث ہیں۔ زیرکی اور عقل مندی کی وجہ سے ان کا لقب ''نبیل'' پڑ گیا۔ آپ نے جعفر بن محمد، یزید بن ابی عبید، سلیمان تیمی، ابن جریج، بہز بن حکیم اور دوسرے کبار محدثین سے علم حدیث حاصل کیا۔ ان سے امام احمد، بندار، دارمی، امام بخاری، حارث بن ابی اسامہ، ابو مسلم کجی اور دوسرے لوگوں نے استفادہ کیا ہے۔ موصوف ہمیشہ اپنی زبانی یادداشت سے درس حدیث دیا کرتے تھے۔ عمر بن شبہ کہتے ہیں، میں نے ان جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا۔ امام بخاری اور دوسرے محدثین فرماتے ہیں ہم نے ان سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے ''جب سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ غیبت ایک ضرر رساں چیز ہے میں نے کسی کی غیبت نہیں کی''۔ ''ابو عاصم کو صحیح قسم کی تقریباً ایک ہزار احادیث از بریاد تھیں''۔

ابن سعد فرماتے ہیں: ''آپ ثقہ اور فقیہ تھے''۔ آپ نے بصرہ میں ۱۴ ذی الحجہ ۲۱۲ھ میں انتقال کیا۔ امام ذہبی لکھتے ہیں۔ آپ نے نوے سال سے کچھ ماہ زیادہ عمر پائی (۷۶۴)۔

۲۔ محمد بن عبداللہ انصاری (م۲۱۵ھ)

آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ یہ خادم رسول اللہ ﷺ حضرت انسؓ کی اولاد میں سے ہیں اور بلند پایہ محدث ہیں۔ بصرہ کے شیخ اور وہاں کے قاضی ہیں۔ انہوں نے سلیمان تیمی، حمید، ابن عون،

جریری، ابن جریج ابن ابی عروبہ اور دوسرے بہت سے لوگوں سے حدیث کا سماع کیا اور ان سے امام بخاری، احمد، بندار، اسماعیل سمویہ، ابو حاتم، اسماعیل قاضی (ان کے آخری شاگرد) ابو مسلم کجی اور دوسرے بہت سے لوگ روایت کرتے ہیں۔ ابو حاتم کہتے ہیں: ''میں نے کامل امام تین ہی دیکھے ہیں۔ امام احمد، امام انصاری اور سلیمان بن داؤد ہاشمی۔

ابن قتیبہ کہتے ہیں: ''ہارون الرشید نے ان کو بغداد کے مشرقی حصہ کا قاضی مقرر کیا تھا۔ ہارون کا بیٹا امین خلیفہ بنا تو اس نے ان کو معزول کر دیا''۔ امام محمد انصاری کا اپنا بیان ہے: ''کہ میرا سال پیدائش ۱۱۸ھ ہے اور میں کبھی بادشاہ کے دربار میں خوش دلی سے حاضر نہیں ہوا''۔ ابن سعد کہتے ہیں: ''ان کا رجب ۲۱۵ھ میں انتقال ہوا'' (۷۶۵)۔

۴۔ احمد بن فرات رازی (م ۲۵۸ھ)

آپ کی کنیت ابو مسعود ہے۔ شہر ''رَے'' کے رہنے والے بلند پایہ حافظِ حدیث، اصفہان کے محدث اور بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ انہوں نے عبداللہ بن نمیر، ابو اسامہ، یزید بن ہارون، ابن ابی فدیک اور عبدالرزاق سے حدیث کا سماع کیا۔ اور اساتذہ فن سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے دور دراز ممالک کے سفر کیے اور ان سے ابو داؤد، ابن ابی عاصم، فریابی، عبدالرحمٰن بن یحییٰ بن مندہ، عبداللہ بن جعفر بن فارس اور دوسرے لوگوں نے حدیث بیان کی ہے۔

ابراہیم بن محمد طبان کہتے ہیں'' ابو مسعود کا اپنا بیان ہے کہ میں نے بارہ سال کی عمر میں حدیث لکھنا شروع کی تھی اور ۱۸ سال کی عمر میں میرے حفظ و ضبط کا چرچا دور و نزدیک پھیل چکا تھا۔'' نیز وہ فرماتے تھے کہ میں نے ایک ہزار سات سو اساتذہ سے ۵ لاکھ احادیث لکھی ہیں۔ ان میں سے پانچ لاکھ میں نے اپنی تصانیف میں درج کی ہیں''۔

امام احمد فرماتے ہیں: ''میرے خیال میں مسند احادیث کو ابن فرات سے زیادہ جاننے والا کوئی آدمی باقی نہیں رہا''۔ ابو عروبہ حرانی کہتے ہیں: ''یہ حفظ میں ابو بکر بن ابو شیبہ اور پختگی میں احمد بن سلیمان رہاوی کے برابر ہیں''۔ ابن عدی کہتے ہیں: ''میرے علم میں ان کی ایک روایت بھی منکر نہیں ہے۔ راست گو اور حافظ حدیث ہیں''۔ اثرم کہتے ہیں: ''میں نے احمد بن حنبل سے سنا ہے فرماتے تھے:

نیلگوں آسمان کے نیچے آنحضرتؐ کی احادیث کو ابومسعود رازی سے زیادہ یاد رکھنے والا کوئی نہیں۔ آپ نے شعبان سنہ ۲۵۸ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا (۷۶۶)۔

۴۔ حماد بن سلمہ دینار بصری (م ۱۶۷ھ)

آپ کی کنیت ابوسلمہ ہے۔ آپ بصرہ کے رہنے والے مشہور حافظ حدیث ہیں۔ حدیث میں کمال کے ساتھ ساتھ علم نحو میں بھی ماہر تھے۔ اپنے ماموں حمید طویل، ابن ابی ملیکہ، ابوحمزہ ضبعی، محمد بن زیاد جمحی، انس بن سیرین، اباعمران جونی، قتادہ، سماک بن حرب، ثابت بنانی اور بہت سے دوسرے لوگوں سے علم حدیث حاصل کیا۔ اور ان سے عبداللہ بن مبارک، یحییٰ قطان، ابن مہدی، عفان، عبدالاعلیٰ بن حماد، شیبان بن فروخ اور ان کے علاوہ بہت سے لوگ مستفیض ہوئے۔

وہیب کہتے ہیں: ''حماد بن سلمہ ہمارے استاد اور ہم سے زیادہ علم رکھنے والے تھے''۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: ''حماد بن سلمہ، ثابت بنانی کی احادیث سب لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں اور اپنے ماموں حمید طویل سے روایت کرنے میں بہت پختہ ہیں''۔ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: ''حماد، علی بن زید کے متعلق دوسروں سے زیادہ علم رکھتے ہیں''۔ ابن مدینی فرماتے ہیں: ''تنہا یحییٰ بن ضریس کے پاس حماد بن سلمہ کی دس ہزار احادیث تھیں''۔

شہاب بن معمر کہتے ہیں: ''حماد بن سلمہ ابدال میں شمار ہوتے تھے''۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بصرہ میں سعید بن ابی عروبہ کے ساتھ علم حدیث میں متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ آپ عربی میں کامل، فقہ میں ماہر، عمل میں متبع سنت اور خطابت میں فصیح البیان تھے۔ ذہبی لکھتے ہیں ''مجھے ان کی بہت سی عالی السند احادیث ملی ہیں''۔ امام عبدالرحمان بن مہدی کہتے ہیں۔ حماد بن سلمہ کے عمل کی یہ حالت تھی کہ اگر ان سے کہا جاتا کہ آپ کل مرجائیں گے تو بھی اپنے عمل میں پہلے سے قطعاً اضافہ نہ کرسکتے تھے۔

عفان کہتے ہیں: ''میں نے حماد بن سلمہ سے زیادہ عبادت کرنے والے لوگ تو دیکھے ہیں لیکن نیکی کے کام، تلاوت قرآن اور اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرنے میں ان سے زیادہ مداومت کرنے والا نہیں دیکھا''۔ یونس مؤدب کہتے ہیں: ''حماد بن سلمہ کا نماز کی حالت میں انتقال ہوا''۔

اسحاق بن طباع کہتے ہیں: ''میں نے حماد بن سلمہ سے سنا ہے فرماتے تھے'' جو شخص علم حدیث غیر اللہ کے لیے پڑھے گا وہ اللہ تعالیٰ کی سزا سے نہیں بچ سکے گا۔ نیز فرمایا: ''ابھی میری نیت حدیث پڑھانے کی نہیں تھی لیکن امام ابوایوب نے مجھے خواب میں ہدایت کی کہ حدیث پڑھانا شروع کر دو''۔

عمرو بن عاصم کہتے ہیں ''میں نے حماد بن سلمہ سے دس ہزار سے کچھ زیادہ احادیث لکھیں''۔

کہتے ہیں حماد بن سلمہ نے ستر عورتوں سے شادی کی لیکن اولاد پھر بھی نہیں ہوئی۔ ابوداؤد کہتے ہیں: حماد بن سلمہ کے پاس قیس بن سعد کی کتاب کے سوا کوئی کتاب نہیں تھی۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں: جب کسی کو حماد بن سلمہ کی شان میں گستاخی کرتے دیکھو تو سمجھو اس کے اسلام میں شبہ ہے۔ انہوں نے تقریباً ۸۰ سال عمر پا کر ۱۶۷ھ میں بقرعید کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ (۶۷)۔

تعارف کتاب ومؤلف

کتاب الزهد

تعارف مصنف الامام وکیع بن الجراح (م ۱۹۷ھ)

آپ کی کنیت ابوسفیان اور نام وکیع بن الجراح ہے۔ کوفہ کے رہنے والے ممتاز حافظ حدیث اور چوٹی کے اماموں میں سے ایک امام ہیں۔ پختہ کار عالم اور عراق کے محدث ہیں۔ رواس حس کی طرف منسوب ہیں۔ قیس عیلان کا ایک ذیلی قبیلہ ہے۔ ۱۲۹ھ میں پیدا ہوئے۔

ہشام بن عروہ، جعفر بن برمان، اسماعیل بن خالد، ابن عون، ابن جریج، سفیان، اوزاعی اور دوسرے بہت سے لوگوں سے حدیث کا سماع کیا۔ پہلے طبقہ سے تعلق رکھنے کے باوجود عبداللہ بن مبارک بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ امام احمد بن حنبل، ابن مدینی، یحییٰ بن معین، ابوشیبہ کے دونوں بیٹے، عبداللہ بن ہاشم، ابراہیم بن عبداللہ قصار اور دوسرے بہت سے لوگوں نے بھی ان سے کسب فیض کیا۔ ان کے والد وزیر مال تھے۔ خلیفہ ہارون رشید نے وکیع کو بھی کوفہ کی قضا پر مقرر کرنا چاہا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔

یحییٰ بن یمان کہتے ہیں ''جب امام سفیان ثوری کا انتقال ہوا تو وکیع ان کی جگہ مسند نشین ہوئے''۔ قعنبی کہتے ہیں: ''ہم حماد بن یزید کے پاس بیٹھے تھے۔ وکیع نکلے تو لوگ کہنے لگے یہ سفیان کے

راوی اوران کے جانشین ہیں اس پر حماد بولے اگر چاہو تو کہہ سکتے ہو ان کو سفیان پر ترجیح ہے"۔

یحییٰ بن ایوب مقابری کہتے ہیں: "وکیع کو اپنی والدہ سے ایک لاکھ درہم ورثہ میں ملے تھے"۔امام مسلم بن جنادہ کہتے ہیں: "میں امام وکیع کی صحبت میں سات سال رہا ہوں۔ میں نے ان کو مجلس درس میں تھوکتے، کنکروں کو چھوتے یا ادھر ادھر حرکت کرتے کبھی نہیں دیکھا۔ ہمیشہ قبلہ رُخ ہو کر بیٹھتے تھے۔میں نے ان کو اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتے ہوئے بھی کبھی نہیں دیکھا"۔

ابن عمار کہتے ہیں: "وکیع کے زمانے میں کوفہ میں ان سے زیادہ علم حدیث جاننے والا کوئی نہیں تھا"۔امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: "میری آنکھوں نے وکی جیسا آدمی کوئی نہیں دیکھا۔حدیث کے بلند پایہ حافظ تھے۔بہترین انداز سے فقہ حدیث میں مذاکرہ ان کا مشغلہ تھا۔پرہیزگاری کے ساتھ ساتھ علم حدیث میں بڑے سرگرم تھے اور کسی کی غیبت ہرگز نہیں کرتے تھے"۔ابو ہشام اور دوسرے محدثین وکیع سے روایت کرتے ہیں۔فرماتے ہیں جو شخص قرآن کو مخلوق کہے وہ کافر ہے۔امام ذہبی لکھتے ہیں: "میں نے ان کے حالات اپنی کتاب تاریخ اسلام میں ذکر کیے ہیں اور وہ تاریخ دمشق میں اس سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ درج ہیں"۔امام وکیع نے حج بیت اللہ سے واپسی پر فید میں بروز عاشورا ۱۹۷ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا" (۷۶۸)۔

تعارف کتاب

اصل کتاب (مخطوطہ) ۴۴ اوراق پر مشتمل تھا۔اس کی تحقیق وتخریج ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار فریوائی نے کی ہے۔انہوں نے مؤلف اور کتاب کی تحقیق میں ۲۱۲ صفحات لکھے ہیں۔

مصنفؒ نے زھد کے متعلق احادیث وآثار کو جمع کیا ہے۔اس کا پہلا باب "باب موعظة النبیؐ فی الزهد" ہے۔اس باب کے تحت سند کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے کہ "قال رسول الله لرجل اغتنم خمسا قبل خمس حياتك قبل موتك وصحتك قبل سقمك، وفراغك قبل شغلك، وشبابك قبل هرمك، وغناك قبل فقرك" (۷۶۹) (رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نصیحت کی کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانیے زندگی کو موت سے، صحت کو بیماری سے فراغت کو مشغول ہونے سے، جوانی کو بڑھاپے سے، آسودگی کو فقیری سے)۔اس طرح انہوں نے

۷۳ ابواب کے تحت ۲۰۰ مرفوع احادیث، ۱۹۳ موقوف احادیث، ۱۳۴ مقطوع احادیث اور ۱۴ اسرائیلیات کو جمع کیا (۷۷۰)۔ فاضل محقق نے احادیث کی تحقیق کی ہے۔ ان کے مطابق ۱۴ اسرائیلیات کے علاوہ ۲۲۷ صحیح، ۱۰۰ حسن اور ۱۸۸ ضعیف حدیث ہیں۔ کتاب کے آخر میں امام وکیع نے اپنے استاد سے نقل کیا ہے: کنا نستعین علی طلب الحدیث بالصوم (۷۷۱) (ہم طلب حدیث پر روزہ رکھ کر مدد حاصل کرتے)۔

آخری باب میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ ان الکافر یاکل فی سبعة أمعاء والمؤمن یاکل فی معی واحدة (۷۷۲) (کافر سات انتڑیوں میں کھاتا ہے جبکہ مومن ایک انتڑی میں کھاتا ہے)۔

کتاب جامع التحصیل فی احکام المراسیل

تعارف مصنف

نام خلیل بن کیکلدی العلائی، کنیت ابو سعید اور لقب حافظ صلاح الدین ہے۔ ربیع الاوّل ۶۹۴ھ کو دمشق میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے حدیث کی تعلیم حافظ ابوالحجاج مزی، حافظ ذہبی جیسے نامور محدثین سے حاصل کی اور دوسرے علوم وفنون بھی مختلف شہروں کے اساتذہ سے حاصل کیے۔ انہوں نے تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ درس و تدریس بھی جاری رکھی۔ چنانچہ المدرسۃ الصلاحیۃ بالقدس، دار الحدیث الحمصیہ ناصریہ، اسدیہ اور دار الحدیث السکریۃ وغیرہ میں پڑھاتے رہے۔ ان کے بے شمار تلامذہ ہیں۔ ان میں سے چند نامور درج ذیل ہیں:

۱۔ حافظ ابن کثیر۔ ۲۔ عبدالوھاب السبکی

۳۔ ابراھیم بن جماعۃ ۴۔ ابن ملقن

ان کی تصانیف کی تعداد ۵۲ بتائی جاتی ہے جو کہ مختلف علوم پر ہے۔ انہوں نے ۳ محرم ۷۶۱ھ کو وفات پائی اور القدس میں باب الرحمۃ قبرسان میں دفن کیا گیا (۷۷۳)۔

تعارف کتاب

یہ کتاب مصطلح الحدیث کے ایک موضوع ''حدیث مرسل'' پر لکھی گئی ہے۔ مصنف لکھتے ہیں:

''کان الارسال فی الحدیث علة یترك بها ویتوقف علی الاحتجاج به بسببها لما فی ابهام المروی عنه من الغرر و الاحتجاج المبنی علی الخطر وقد اختلف العلماء قدیما وحدیثا فیه وکثرت اقوالهم وتباینت آراؤهم وتعارضت افعالهم فاستخرت الله تعالیٰ وعلقت هذا الکتاب لبیان ذلك وایضاح ما هو الی الصواب أقوم المسالك جامعا فیه بین طریقة اهل الحدیث وائمة الاصول (۷۷۴)(مرسل، تابعی کا قال رسول اللہ کہنا، حدیث میں علت سمجھی جاتی تھی۔ اس علت کی وجہ سے اس حدیث کو ترک کیا جاتا تھا۔ اسے دلیل بنانے سے اسی علت اور دھوکہ کی بنا پر توقف کیا جاتا تھا۔ اور اسے دلیل بنا بھی لیں تو بھی خطرہ تھا' کہ کہیں یہ حدیث رسول نہ ہو' اور اس میں جدید وقدیم ہر دور کے علماء کے درمیان اختلاف رہا ہے۔ اس میں بہت سے اقوال پائے جاتے ہیں اور ان کی آراء مختلف ہو گئیں ان کے افعال میں بھی تعارض ہو گیا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا۔ اور یہ کتاب اسی کی وضاحت میں تصنیف کی ہے اور جو بات درست اور حق ہے اس کی توضیح کرنے کے لیے اہل حدیث اور ائمہ اصول کے طریقے کو جمع کیا ہے)۔ مصنف نے اس کتاب کو چھ ابواب میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ حدیث مرسل کی تحقیق اور اس کی تعریف۔

۲۔ حدیث مرسل میں علماء کے اختلاف۔

۳۔ ہر ایک کے مؤقف کی دلیل اور ان میں سے راجح۔

۴۔ ان اقوال کے ذیلی احکام وفوائد۔

۵۔ درمیان سند میں مراسیل خفی کا بیان۔

۶۔ ان راویوں کی فہرست جن کی روایات پر مرسل کا حکم لگا ہو۔

انہوں نے چھٹے باب میں ۱۳۰۹ راویوں کی فہرست دی ہے جن پر کسی نہ کسی طرح مرسل کا حکم لگا ہو(۷۷۵)۔

کتاب جزر فع الیدین فی الصلوٰۃ

تعارف کتاب

یہ کتاب امام بخاریؒ کی تصنیف ہے۔حضرت امام بخاری نے اس میں وہ تمام قابل اعتماد روایات جمع کر دی ہیں جن میں رکوع کو جاتے اور اٹھتے وقت رفع الیدین ثابت ہے اور امام بخاریؒ نے رفع الیدین کے اعتراضات پر ٹھوس جوابات دیئے ہیں اور رفع الیدین کے متعلق سلف کے اقوال اور اعمال جمع کیے ہیں۔ یہ کتاب بہت اہمیت کی حامل تھی۔عرصہ دراز سے اس پر تخریج کا کام نہیں ہوا تھا۔ شاہ بدیع الدین راشدیؒ نے اس کی تخریج کی ہے جو کہ جلاء العینین کے نام سے مشہور ہے۔شاہ صاحب نے ان احادیث واقوال کی بہترین طریقہ سے تخریج کی ہے اور اقوال واحادیث کی مناسب وضاحت بھی کر دی ہے۔اور اس موضوع پر جو کتابیں لکھی جا چکی تھیں شاہ صاحب نے ان کا تعارف کروایا ہے۔ اس کتاب میں امام بخاریؒ نے ایک عظیم دعویٰ کیا ہے کہ کسی صحابی سے ترک رفع الیدین ثابت نہیں ہوا(۷۷۶)۔اس بات پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے کہ سب صحابہ کے متعلق پوری معلومات حاصل کی جائیں۔یہ بہت اہم کام ہے۔

محدثین اور نقاد جانتے ہیں کہ یہ بات امام بخاری جیسے امام نے کہی ہے۔اور محدثین کی بڑی تعداد کا ذکر کیا کہ ان میں سے کسی کا اس مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے۔امام بخاریؒ نے اہل ہوا کی علامات بیان کرتے ہوئے ان کی تردید کی ہے۔نماز میں رفع الیدین کے ساتھ ساتھ نماز جنازہ کی تکبیرات اور وتر کا بھی بیان کر دیا گیا ہے(۷۷۷)۔

کتاب مکارم الاخلاق

تعارف وکتابت

ابن ابی الدنیا کی کتاب ہے جو کہ ایک بہت بڑے محدث گزرے ہیں انہوں نے کتاب بھی مکارم الاخلاق جمع کر دیے ہیں۔جن کا تعلق انسان کے اخلاق سے ہے۔اور اس کی شروع شروع والی احادیث میں تقویٰ اور مروۃ ذکر کی گئی ہے جو کہ اخلاقیات کی کلید ہیں۔

مصنف نے مقدمہ لکھے بغیر حدیث سے کتاب کی ابتداء کی ہے پہلی حدیث یہ ہے "حدثنا علی بن الجعد الجوهری بن خالد عن العلاء بن عبدالرحمن عن أبيه عن أبی هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ كرم المرء دينه و مروته عقله وحسبه خلقه "(۷۷۸)۔اسی طرح انہوں نے اخلاق کے متعلق ۱۴۸۷ احادیث کو جمع کیا ہے۔اس کتاب کی تحقیق محمد عبدالقادر احمد عطا نے کی ہے۔انہوں نے مختلف نسخوں کا تقابل، راویوں کے مختصر حالات اور احادیث کی تخریج کی ہے اور جن کتب حدیث میں یہ حدیث مذکور ہو اس کا صفحہ اور جلد کے ساتھ اختلاف الفاظ کی بھی نشاندہی کی ہے۔ اس کے ۳۰۸ صفحات ہیں۔ مؤلف اور محقق دونوں نے مقدمہ نہیں لکھا ہے۔

المصنف

تعریف

محدثین کی اصطلاح میں مصنف ایسی کتاب کو کہتے ہیں جو فقہی ابواب پر مرتب کی گئی ہو اور احادیث مرفوعہ وموقوفہ ومقطوعہ پر مشتمل ہو۔ یعنی اس میں حضور اکرم ﷺ کی احادیث اقوال صحابہؓ، تابعین کے فتاویٰ اور بعض اوقات تبع تابعین کے فتاویٰ بھی مذکور ہوں جن سے کوئی محدث اور فقیہ بے نیاز نہیں ہوسکتا (۷۷۹)۔

مصنف کے چند مشہور مؤلفین اور کتب پر تبصرہ:

۱۔ مصنف عبدالرزاق صنعانی (م ۲۱۱ھ)

تعارف مؤلف

آپ کی کنیت ابوبکر ہے۔ قبیلہ حمیر سے نسبت ولاء کی وجہ سے حمیری کہلاتے ہیں۔ صنعاء کے رہنے والے ممتاز حافظ حدیث اور متعدد کئی مفید کے مصنف ہیں۔ کسی قدر عبیداللہ بن عمر اور زیادہ تر ابن جریج، ثور بن یزید، معمر، اوزاعی، سفیان ثوری اور دوسرے بہت سے اساتذہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے امام احمد بن حنبل اسحاق، ابن معین ذھلی، احمد بن صالح، اسحاق بن ابراہیم دبری اور دوسرے بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا۔ خود فرماتے ہیں میں نے معمر کے حلقہ درس میں سات سال گزارے ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں: عبدالرزاق کو معمر کی حدیثیں یاد تھیں۔ بہت سے آئمہ فن نے ان کی توثیق کی ہے۔ ان کی احادیث صحاح ستہ کی سب احادیث میں مذکور ہیں۔ البتہ کچھ احادیث کے بیان کرنے میں یہ منفرد ہیں۔ ان کی تشیع پسندی کو محدثین نے اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا حالانکہ یہ اس میں غلو سے کام نہیں لیتے تھے۔ صرف حضرت علیؓ سے محبت اور ان کے ساتھ لڑنے والوں سے بغض رکھتے تھے۔

امام ذہبی لکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے علم کا خزانہ تھے لیکن حفظ حدیث میں وکیع اور عبدالرحمٰن بن مہدی کے مقام تک نہیں پہنچے"۔ انہوں نے نصف شوال ۲۱۱ھ میں داعی کو لبیک کہا (۷۸۰)۔

تعارف کتاب

یہ آپ کی تالیفات میں سب سے زیادہ اہم اور مشہور تالیف ہے آپ نے اس کتاب کو فقہی ابواب کے مطابق مرتب کیا ہے۔حاجی خلیفہ لکھتے ہیں:"وھو اصغر من مصنف ابن أبی شیبه وھو کذلك مرتب علی الکتب والابواب علی ترتیب الفقه "(۷۸۱)(یہ مصنف ابن ابی شیبہ سے چھوٹی ہے یہ بھی فقہی کتب وابواب پر مرتب ہے)۔

اس کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ مصنف کے جو مجموعے موجود ہیں۔ان میں مصنف ابن ابی شیبہ کے بعد سب سے زیادہ مشہور یہی ہے۔اور قدامت کے لحاظ سے یہ اس پر بھی فوقیت رکھتی ہے۔شاہ ولی اللہ صاحب نے حدیث کے مصادر کے تیسرے طبقہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔اس کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کی اکثر روایات ثلاثی ہیں۔مصنف عبدالرزاق قرونِ اولی کی دینی، سیاسی، سماجی، اخلاقی، علمی اور اجتہادی کوششوں کی عکاس ہے۔اس کتاب کی بالاستیعاب مطالعہ سے اس دور کے حالات وظروف کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔اس دور کے قانونی اور شرعی فیصلے کیسے ہوتے تھے۔ جب علماء کے اقوال مختلف ہوتے تو ان میں تطبیق کس طرح پیدا کی جاتی تھی۔عبدالرزاق صنعانی کا تعلق اس دور سے ہے۔جب نصوص سے استنباط اور استخراج کی کدوکاوش علماء، فقہاء کے ہاں عام تھی۔آپ نے ان حالات کے پیش نظر احادیث، آثار وفتاوے کو جمع کیا۔اور فقہاء محدثین دونوں کے لیے ایک بیش قیمت سرمائے کا انتخاب کیا۔امام عبدالرزاق کی مصنف میں جہاں آثار جمع ہیں۔وہاں مشاہیر علماء اور قضاۃ کے اجتہادات بھی نمایاں ہیں۔

مصنف عبدالرزاق طبع ہو چکی ہے اور عام دستیاب ہے۔اس کی کئی اشاعتیں ہو چکی ہیں۔سب سے پہلے کتاب الطہارت ہے۔جس کا پہلا باب غسل الذراعین ہے۔اس میں ایک عطا کا قول ہے۔ایک انہی سے سوال کا جواب ہے۔اور تیسری روایت میں حضرت ابو ہریرہؓ کے وضو کرنے کا طریقہ ہے(۷۸۲)۔

دوسرا باب المسح بالرأس ہے۔اس باب کی پہلی حدیث سند کے ساتھ اس طرح ہے۔

ان النبی ﷺ کان یمسح راسہ مرۃ واحدۃ بکفیہ، یقبل بیدیہ ویدبر بھما علی راسہ مرۃ واحدۃ (۷۸۳)۔

اس مصنف کا آخری باب برالوالدین ہے۔اس کی آخری حدیث کا نمبر ۲۱۰۳ ہے جو اس طرح سے ہے۔ عن انس قال کان شعر النبی ﷺ الی انصاف اذنیه (۷۸۴)۔

۲۔ ابوبکر بن ابی شیبہ کوفی (م ۲۳۵ھ)

تعارف مؤلف

آپ کا اسم گرامی عبداللہ بن محمد ہے۔سلسلہ نسب یوں ہے۔ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان العبسی مولاھم الکوفی۔آپ بنو عبس کی طرف نسبت ولاء کی وجہ سے عبسی کہلاتے ہیں۔کوفہ کے رہنے والے بے مثال حافظ حدیث اور اس فن میں ماہر بے عدیل ہیں۔مسند،مصنف اور دیگر بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔

آپ نے شریک قاضی،ابوالاحوص،ابن المبارک،ابن عیینہ،جریر بن عبدالحمید اور ان کے طبقہ سے حدیث کا سماع کیا۔اور ان سے ابوزرعہ،امام بخاری،امام مسلم،امام ابوداؤد،امام ابن ماجہ،ابوبکر بن عاصم،بقی بن مخلد،بغوی،جعفر فریابی اور دوسرے بہت سے محدثین سے روایت کرتے ہیں۔

عجلی کہتے ہیں: ثقہ اور حافظ ہیں۔فلاس کہتے ہیں: میں نے ابوبکر سے زیادہ حافظ کوئی شخص نہیں دیکھا۔ابوزرعہ کہتے ہیں: ابوعبید فرمایا کرتے تھے۔علم حدیث چار آدمیوں کے پاس ہے۔ان میں ابوبکر اس کو زیادہ روانی کے ساتھ بیان کرتے ہیں احمد اس میں زیادہ فقیہ ہیں۔ابن معین اس کو زیادہ جمع کرنے والے اور علی بن مدینی اس کو زیادہ جاننے والے ہیں۔

صالح بن محمد کہتے ہیں:"جن لوگوں سے مجھے تحصیل علم کا اتفاق ہوا ہے۔ان میں حدیث اور علل حدیث کو علی بن مدینی سب سے زیادہ جاننے والے تھے اور ان سب میں مذاکرہ کے وقت ابوبکر بن ابی شیبہ کی یادداشت قابل داد تھی"۔

ابوعبید کہتے ہیں:"کتاب تصنیف کرتے وقت ابوبکر بن ابی شیبہ کی ترتیب سب سے اچھی ہوتی ہے۔امام ذہبی لکھتے ہیں مجھے ان کی متعدد عالی احادیث حاصل ہوتی ہیں۔ان میں سے حضرت اسامہ کی ایک یہ حدیث ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ عرفہ سے واپسی کے وقت آنحضرت کس طرح چلتے تھے۔فرمایا: آپ تیز چلتے تھے اور جب کھلا میدان آ جاتا تو اونٹنی کو دوڑا دیتے تھے۔ھشام کہتے ہیں

عنق تیز چلنے اور نص دوڑنے کو کہتے ہیں۔امام مسلم نے یہ حدیث اپنی صحیح میں ابوبکر سے بطریق موافقت ذکر کی ہیں۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں: ''آپ نے محرم ۲۳۵ھ کو جان جان آفرین کے سپرد کردی'' (۷۸۵)۔

تعارف کتاب

مصنف میں سب سے بڑی کتاب ہے جو کہ فقہی ترتیب پر قریب ہے۔حاجی خلیفہ لکھتے ہیں:

وهو كتاب كبير جدا جمع فيه فتاوئ التابعين واقوال الصحابه واحاديث الرسول على طريقة المحدثين باسانيدها مرتبا على الكتب والابواب على ترتيب الفقه (یہ بہت بڑی کتاب اس میں مصنف نے رسول اللہ کے احادیث اقوال صحابہ لاآ ثار اور تابعین کے فتووں کو سند کے ساتھ کتاب اور ابواب فقہی ترتیب پر مرتب کیا ہو)(۷۸۶)۔اس کتاب کی تحقیق استاد سعید اللحام نے کی ہے۔انہوں نے اس کی درج ذیل خصوصیات لکھی ہیں۔

مصنف ابن ابی شیبہ کی بعض خصوصیات

۱۔ مؤلف ایک موضوع کے متعلق احادیث واقوال اور آثار ایک جگہ پر جمع کردیتے ہیں۔

۲۔ بعض اوقات حدیث کو ''حدثنا'' کے بغیر بیان کرتے ہیں۔

۳۔ مصنف میں مرسل، منقطع، معضل اور معلل روایات بھی ہیں۔اور ان پر کسی قسم کی جرح و تعدیل نہیں ہے۔

۴۔ مؤلف کے زمانے کے اندر کئی فقہی نظریات تھے۔انہوں نے اپنی مصنف میں مختلف اقوال کو امانت کے ساتھ ادا کردیا۔

۵۔ وہ محدثین کے مذہب کو نص نقل کرنے کے ساتھ بیان کردیتے ہیں۔اور اس میں کسی قسم کی اپنی طرف سے مداخلت نہیں کرتے۔اس میں بعض الفاظ، لہجے اور اصطلاحات اس طرح بیان کی گئی ہیں جس طرح ان شہروں کے راویوں نے بیان کیں۔اس میں کئی الفاظ فارسی اور سندھی سے عربی بنا کر لیے گئے ہیں۔بعض اوقات ان کے معنی بھی

لکھ دیتے ہیں۔

۶۔ بعض اوقات وہ تبع تابعین سے بھی بیان کرتے ہیں۔

۷۔ بعض مقامات پر نص میں ثقیل الفاظ آ گئے ہیں۔

۸۔ مصنف نے بعض ابواب میں ان مسائل کا ذکر کیا ہے جن کے حل کی ضرورت تھی۔

۹۔ حدیث میں جو اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں۔ مصنف نے ان پر اعتماد کیا ہے جیسے حدثنا، اخبرنا وغیرہ (۷۸۷)۔

محقق نے اس کتاب کے عنوان اور ابواب بنائے۔ ہر باب کی حدیثوں کے نمبر بھی لگائے ہیں۔ یہ کتاب آٹھ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ پہلی جلد کا پہلا باب ''کتاب الطھارات'' ہے اور آخری جلد کا آخری باب ''کتاب الجمل'' ہے (۷۸۸)۔

کتاب الطھارۃ کا پہلا باب ما یقول رجل اذا دخل الخلاء ہے اور اس کی پہلی حدیث سند کے بعد عن انس ابن مالك قال كان النبی ﷺ اذا دخل الخلاء قال اعوذ باللہ من الخبث و الخبائث (۷۸۹)۔ اس کتاب کے آخری باب میں مرفوع حدیث یہ ہے: عن النبی ﷺ قال یتیه قوم من قبل المشرق محلقة رؤسهم (۷۹۰)۔

المختصرات

(تلخیص و تجرید)

اختصار کی تعریف

الایجاز فی القول ایجازا شدیدا وحذف الزیادات منه (۷۹۱)(بات کو بہت مختصر کرنا اور جو زائد بات ہو اس کو حذف کرنا)۔

تلخیص سے مراد کسی کتاب کو مختصر کرنا ہے۔ تجرید کا مفہوم کسی مجموعہ احادیث کی اسانید اور مکرر روایات کو حذف کرنا ہے۔ اس موضوع پر کئی لوگوں نے کتب تصنیف کی ہیں۔ یہاں صرف صحیح بخاری کی دو تلخیصات پر تبصرہ کیا جاتا ہے۔

مختصر صحیح البخاری (جمع النهاية فی بدء الخیر وغاية)

امام بخاری کی کتاب الجامع الصحیح جو کہ صحیح بخاری کے نام سے معروف ہے۔ کئی علماء نے اس کتاب کی مکرر احادیث کو حذف کر کے یا کسی اور پہلو کی بنا پر اختصار کیا ہے۔ انہی میں سے ایک ابن ابی جمرہ الازدی ہے۔ جنہوں نے صحیح بخاری کا اختصار بنام "جمع النهاية فی بدء الخیر وغایه" کیا ہے۔ ان کا پورا نام ابو محمد عبداللہ بن سعد بن سعید بن ابی جمرہ الازدی الاندلسی ہے۔ ان کی ولادت و حالات زندگی کے بارے میں بہت ہی کم لکھا گیا ہے لہذا ان کی ولادت اور مفصل حالات زندگی معلوم نہیں ہو سکے۔ البتہ ان کی تاریخ وفات ۶۹۵ ھ یا ۶۹۹ ھ ہے (۷۹۲)۔

انہوں نے بخاری کے ۲۹۶ جامع احادیث کو اپنی مختصر میں درج کیا ہے جن میں روزمرہ پیش آنے والے مسائل اور دیگر معاملات ہیں۔ انہوں نے اس مختصر صحیح بخاری کو زبانی یاد کرنے کے لیے تیار کیا تھا۔ اس لیے راوی حدیث کے علاوہ باقی سلسلہ سند کو حذف کر دیا ہے مؤلف مقدمہ میں لکھتے ہیں: "أختصر أسانیدها ما عدا راوی الحدیث فلا بدّ منه فیسهل حفظها" (۷۹۳)

اس کتاب میں انہوں نے صحیح بخاری کی حدیث "اول ما بدء به رسول الله من الوحی" سے کتاب کی ابتداء کی ہے۔ یہ لمبی حدیث حضرت عائشہؓ سے مروی ہے (۷۹۴)۔

حدیث نمبر۸ یہ لکھی ہے: عن ابی مسعود عن النبی ﷺ قال اذا انفق الرجل علی اهله یحتسبها فهی له صدقة (۷۹۵)۔حدیث نمبر۲۸۷ یہ ہے: عن عبدالله بن عمر قال قال رسول الله ﷺ اذا انزل الله بقوم عذابا أصاب العذاب من کان فیه ثم بعثوا علی حسب اعمالهم (۷۹۶)۔اور آخری حدیث حضرت ابوسعید خدریؓ کی ہے"إن الله سبحانه وتعالیٰ یقول لأهل الجنة : یا أهل الجنة، فیقولون: لبیك ربنا وسعدیك والخیر کله فی یدیك، فیقول: هل رضیتم؟ فیقولون : ومالنا لا نرضی یا ربنا وقد أعطیتنا ما لم تعط احداً من خلقك، فیقول: ألا أعطیکم افضل من ذلك؟ فیقول أحل علیکم رضوانی فلا أسخط علیکم بعده أبدا (۷۹۷)۔اس کتاب کی شرح علامہ الشرنونی (م ۱۳۴۸ھ) نے لکھی ہے جو کہ اس کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

مختصر صحیح البخاری

تعارف مصنف

آپ کا نام محمد ناصر الدین اور کنیت ابوعبدالرحمان ہے۔۱۹۱۴ء کو البانیہ کے علاقہ اشقودرہ میں پیدا ہوئے (۷۹۸)۔آپ اپنے آبائی وطن البانیا سے ملک شام تشریف لائے تھے اس لیے "البانی" کے لقب سے مشہور ہوئے۔علامہ البانی نے ابتدائی تعلیم "مدرسۃ الاسعاف الخیریۃ" دمشق سے حاصل کی (۷۹۹)۔آپ نے تقریباً بیس سال کی عمر میں سید رشید رضا کے مجلّہ "المنار" کے مباحث سے متاثر ہو کر علم حدیث کی طرف توجہ دی، آپ کا پہلا کام جو حدیث پر ہوا وہ علامہ عراقی (م ۸۰۶ھ) کی "المغنی عن حمل الاسفار فی تخریج ما فی الإحیاء من الأخبار" ہے۔یہ احیاء علوم الدین امام غزالی کی کتاب پر کام ہے۔(۸۰۰) جس کی تحقیق و تعلیق دو ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل چار اجزاء میں مکمل ہوئی۔

آپ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے شیخ الحدیث بھی رہے۔اس وقت جامعہ کے چانسلر سعودی عرب کے مفتی اعظم شیخ محمد ابراہیم آل شیخ نے یونیورسٹی کی تاسیس ہی سے آپ کو شیخ الحدیث بنایا اور آپ وہاں بطور شیخ الحدیث ۱۳۸۱ھ سے ۱۳۸۳ھ تک درس حدیث دیتے رہے (۸۰۱)۔

آپ کو "شاہ فیصل عالمی انعام کمیٹی" نے جنوری ۱۹۹۹ء کو حدیث نبوی کی بے مثال خدمت پر شاہ فیصل ایوارڈ کے گرانقدر انعام سے نوازا۔ انہوں نے حدیث پر بہت کام کیا۔ ان کی تالیفات ۲۰۰ کے قریب ہیں۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل۔
۲۔ سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ۔ ۳۔ سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ۔
۴۔ تحقیق کتاب مشکاۃ المصابیح للتبریزی۔
۵۔ صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ۔ ۶۔ ضعیف الجامع الصغیر وزیادتہ۔
۷۔ مختصر صحیح بخاری۔ ۸۔ مختصر صحیح مسلم۔
۹۔ صحیح سنن ترمذی۔ ۱۰۔ صحیح سنن ابی داؤد۔
۱۱۔ صحیح سنن نسائی۔ ۱۲۔ صحیح سنن ابن ماجہ۔
۱۳۔ ضعیف سنن ترمذی۔ ۱۴۔ ضعیف سنن ابی داؤد۔
۱۵۔ ضعیف سنن نسائی۔ ۱۶۔ ضعیف سنن ابن ماجہ۔

علامہ البانی کو جہاں اللہ تعالیٰ نے گوناں گوں علمی صلاحیتوں سے مالا مال کیا تھا وہیں بے مثال حاضر جوابی کی دولت نصیب فرمائی (۸۰۲)۔

کتاب مختصر صحیح الامام البخاری

شیخ نے اختصار میں جو طریقہ اختیار فرمایا اس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ اس کتاب میں سندیں حذف کر دی گئی ہیں سوائے صحابہ کے۔ جہاں ضروری تھا وہاں کسی اور راوی کو بھی رکھا ہے۔
۲۔ اس میں تکرار کو ختم کیا گیا ہے۔ ان میں جو احادیث زیادہ جامع تھیں۔ اس کو لے لیتے ہیں اور حدیث کے درمیان اس کی وضاحت کرتے جاتے ہیں جبکہ امام بخاریؒ کی عادت ہے کہ مسائل کے استنباط کے لیے احادیث کو کئی مقامات پر ذکر کرتے ہیں۔
۳۔ تعلیقات بخاری پر حاشیہ بھی بیان فرماتے ہیں پھر ان تمام احادیث پر نمبر لگائے ہیں

یعنی مرفوع، موقوف وغیرہ۔

۴۔ تمام کتب کی احادیث پر نمبر لگائے ہیں۔ اسی طرح ابواب اور احادیث کا خیال رکھا ہے۔

۵۔ حاشیہ میں غریب الفاظ کی شرح بھی کی ہے (۸۰۳)۔

پہلی کتاب بدء الوحی ہے اس کے باب نمبر ا کو امام بخاری کی طرح ہی لکھ دیا ہے (۸۰۴)۔

صحیح بخاری میں پہلی حدیث کی پوری سند لکھنے کے بعد لکھا ہے: علقمة بن وقاص الليثي يقول سمعت عمر بن الخطاب رضى الله عنه على المنبر قال سمعت رسول الله ﷺ يقول انما الاعمال بالنيات وانما لكل امرىء ما نوى فمن كانت هجرته الى الدنيا يصيبها او الى امراة ينكحها فهجرته الى ما حاجر اليه (۸۰۵)۔

اس حدیث کے دیگر مقامات پر صحیح بخاری میں نمبر یہ ہیں: ۵۴، ۲۵۲۹، ۳۸۹۸، ۵۰۷۰، ۶۶۸۹، ۶۹۵۳۔ مختصر الجامع الصحیح میں ان تمام روایات کی زوائد کو پہلی حدیث میں اس طرح سے جمع کیا ہے۔

علقمة بن وقاص الليثي يقول سمعت عمر بن الخطاب رضى الله عنه (يخطب ۸/ ۵۹) على المنبر قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول (يايها الناس) انما الاعمال بالنيات (وفى رواية: العمل بالنية ۶/ ۱۱۸) وانما لكل امرىء ما نوى، فمن كانت هجرته (الى الله ورسوله، فهجرته الى الله ورسوله، ومن كانت هجرته ۱/ ۲۰) الى دنيا يصيبها، أو الى امرأة ينكحها، (وفى رواية: يتزوجها ۳/ ۱۱۹) فهجرته الى ما هاجر اليه (۸۰۶)۔

مندرجہ بالا حدیث سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس مختصر میں شیخ البانی نے کتنی دقت سے کام کیا ہے اور علمی طریقہ سے حدیث کی زیادتی کو اس کے مقام پر رکھا ہے۔ اس کتاب بدء الوحی میں صحیح بخاری میں سات احادیث ہیں جبکہ مختصر الجامع الصحیح میں چار احادیث ہیں۔

دوسری کتاب: کتاب الایمان ہے اس کا پہلا باب: باب قول النبى ﷺ بنى الاسلام على خمس (۸۰۷) ہے۔ اس پر مختصر الجامع الصحیح میں یہ حاشیہ لکھا ہے: هذا طرف من حديث لابن عمر وصله المصنف فى الباب (۸۰۸)۔ یہ اس باب کی آخری حدیث ہے مختصر

صحیح بخاری میں بھی مکمل ہے(۸۰۹)۔

مختصرالجامع الصحیح جلداوّل میں ۹۹۶ احادیث ہیں۔اورآخری حدیث یہ ہے: عن أبی هريرة رضى الله عنه قال كان النبیﷺ يعتكف فی كل رمضان عشرة أيام فلما كان العام الذي قبض فيه اعتكف عشرين يوما(۸۱۰)۔ہمیں اس کی پہلی جلد ملی ہے۔

مختصرات البخاری

درج ذیل علماء نے صحیح بخاری کے مختصرات لکھے:

۱- ابن الفراء:ابومحمدالحسین بن مسعود بن محمدالبغوی (م۵۱۶ھ)

۲- جمال الدین ابوالعباس احمد بن عمرالانصاری القرطبی (م۶۵۶ھ)۔

۳- شیخ بدرالدین حسن بن عمر بن حبیب الحلبی (م۷۷۹ھ)۔

۴- زین الدین ابوالعباس احمد بن عبداللطیف الشرجی الزبیدی (م۸۹۳ھ)۔

درج ذیل بھی بعض کتب حدیث کے اختصار ہیں:

- مختصرصحیح مسلم کوحافظ زکی الدین عبدالعظیم المنذری الدمشقی" نے تیارکیا۔
- تجریدالصحاح الستۃ: امام رزین بن معاویہ العبدری المالکی (۵۲۵ھ)۔
- مختصرمسندالامام احمد،المعروف ابن عساکر،ابوالقاسم علی بن ابی محمدالحسن بن ھبۃ اللہ دمشقی (۵۷۱ھ)۔

تلخیص سنن ابی داؤد

۱- حافظ منذری،زکی الدین ابومحمدعبدالعظیم بن عبدالقوی (م۶۵۶ھ)۔

۲- ابن قیم:ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعددمشقی (م۷۵۱ھ)۔

مختصرجامع الترمذی

۱- الطوفی نجم الدین بن سلیمان بن عبدالقوی الطوفی الحنبلی (م۷۱۰ھ)۔

۲- البالسی:نجم الدین محمد بن عقیل البالسی الشافعی (م۷۲۹ھ)۔

مختصر السنن الکبری

للبیہقی (م۴۵۸ھ) اس کا اختصار ان حضرات نے تیار کیا:

۱۔ ابراہیم بن علی الدمشقی (م۷۴۴ھ)۔

۲۔ علامہ ذہبی (م۷۴۸ھ)۔

۳۔ عبدالوھاب الشعرانی (م۹۷۴ھ)۔

۴۔ تلخیص المستدرک للحاکم: علامہ ذہبی (م۷۴۸ھ) نے لکھی۔

المنتخبات

یہ حدیث کی ایسی کتب ہوتی ہیں جن میں ابتدائی کتب احادیث سے انتخاب کر کے احادیث جمع کی جاتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے فرمودات سے لگاؤ مسلمانوں کے لیے فطری امر ہے۔احادیث نبوی ﷺ کے سب سے بڑے راوی حضرت ابو ہریرہؓ سے رسول اللہ ﷺ نے سوال کیا کہ دوسرے لوگوں کی طرح آپ مالِ غنیمت کا سوال کیوں نہیں کرتے؟ تو انہوں نے کہا، وہ تو صرف وہی لیں گے جو اللہ نے انہیں (رسول اللہ ﷺ کو) عنایت فرمایا ہے، یعنی علم (۸۱۱)۔دورِ نبوی ﷺ میں ہی احادیث سننے کے ساتھ لکھنے کا آغاز بھی ہوا۔آپ ﷺ کے بعد صحابہ نے احادیث لکھیں ان کے بعد تابعین نے اور یہ سلسلہ نسل در نسل سلسلہ چلتا رہا۔حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد کا مرتب کردہ صحیفہ ہمام بن منبہ انہی ابتدائی دنوں میں جمع کی گئی احادیث کا ذخیرہ ہے جو بہت اہمیت کا حامل ہے۔امام زہریؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی احادیث کی کتب معروف ہیں۔بعد ازاں صحاح ستہ کی شکل میں احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ محفوظ ہو گیا۔یہ کتب بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے بنیادی ذریعہ اور اصول کی شکل اختیار کر گئیں۔کتب صحاح کی تفصیل اس طرح ہے:

۱۔ محمد بن اسماعیل بخاری (۱۹۴ھ-۲۵۶ھ) الجامع الصحیح۔
۲۔ مسلم بن حجاج القشیری (۲۰۴ھ-۲۶۱ھ) الجامع الصحیح۔
۳۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲ھ-۲۷۵ھ) السنن۔
۴۔ ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی (۲۰۹ھ-۲۷۹ھ) السنن۔
۵۔ ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی (۲۱۵ھ-۳۰۳ھ) السنن۔
۶۔ ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی المعروف ابن ماجہ (۲۰۹ھ-۲۷۳ھ) السنن۔

بے شمار مصنفین نے ان چھ کتب کے خلاصے لکھے۔خاص طور پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے احادیث کا انتخاب کیا گیا۔پہلے شخص جنہوں نے الجمع بین الصحیحین لکھی وہ ابوعبداللہ محمد بن ابونصر فتوح بن حمید الحمیدی (م ۴۸۸ھ) ہیں (۸۱۲)۔

دوسرے لوگ جنہوں نے ایسے ہی کام کیے وہ یہ ہیں:

۱۔ ابو محمد، عبدالحق الاشبیلی (م۵۸۲ھ) نے الجمع بین الصحیحین لکھی (۸۱۳)۔

۲۔ ابو عبداللہ محمد بن حسین بن احمد بن محمد الانصاری (م۵۸۲ھ) نے الجمع بین الصحیحین لکھی (۸۱۴)۔

۳۔ رضی الدین حسن بن محمد الصاغانی (م۶۵۰ھ) نے مشارق الانوار النبویہ من صحاح الاخبار المصطفویہ لکھی۔ اس میں انہوں نے صرف صحیحین سے احادیث لیں (۸۱۵)۔

۴۔ ابوالحسن رزین بن معاویہ العبدری (م۵۳۲ھ) نے تجرید الصحاح والسنن لکھی۔ جو انہوں نے صحاح ستہ سے جمع اور منتخب کی (۸۱۶)۔

۵۔ ابوالسعادات مجد الدین المبارک بن ابی الکرم محمد بن محمد المعروف ابن الاثیر (م۶۰۶ھ) نے الجامع الاصول من احادیث الرسول لکھی جو کہ رزین بن معاویہ کی کتاب کا تکملہ تھی (۸۱۷)۔

۶۔ ابو ضیاء وجیہ الدین، عبدالرحمٰن بن علی بن محمد بن عمر المعروف ابن دیبع (م۹۴۴ھ یا ۹۵۰ھ) نے تیسیر الوصول الی جامع الاصول لکھی جو کہ ابن اثیر کے کام کا خلاصہ ہے (۸۱۸)۔

۷۔ شرف الدین ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن عبدالرحیم بن ابراہیم (م۷۳۸ھ) نے تجرید جامع الاصول من احادیث الرسول لکھی جو کہ ابن اثیر کے کام کا خلاصہ ہے (۸۱۹)۔

۸۔ محمد طاہر پٹنی (م۹۸۶ھ) نے ابن اثیر کے کام کی تلخیص کی (۸۲۰)۔

۹۔ ابوطاہر مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی (م۸۱۷ھ)، نے کتاب تحصیل طریق الوصول الی احادیث الزائدہ علی جامع الاصول لکھی (۸۲۱)۔

۱۰۔ ابو عبداللہ محمد بن عتیق بن علی الغرناطی (م۶۴۶ھ) نے کتاب انوار المصابیح فی الجمع بین الکتب الستہ الصحاح لکھی (۸۲۲)۔

۱۱۔ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن عمر المعروف ابن کثیر (م۷۷۴ھ) نے کتاب جامع المسانید لکھی انہوں نے صحاح ستہ کے ساتھ مسند احمد، مسند البزار، مسند ابو یعلیٰ اور المعجم الکبیر للطبرانی وغیرہ کتب سے احادیث لیں (۸۲۳)۔

۱۲۔ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی (م ۸۰۷ھ) نے کتاب مجمع الزوائد ومنبع الفوائد میں ان حدیثوں کو جمع کیا جو مسند احمد، مسند ابو یعلیٰ، مسند البزار، المعجم الکبیر للطبرانی، المعجم الاوسط للطبرانی، معجم الصغیر للطبرانی میں ہیں لیکن صحاح ستہ میں نہیں تھیں (۸۲۴)۔

۱۳۔ محمد بن محمد بن سلیمان (م۱۰۹۴ھ) نے جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد میں مجمع الزوائد، جامع الاصول اور سنن دارمی کی احادیث کو جمع کیا۔ اس طرح سے یہ کتاب ۱۴ کتابوں کا مجموعہ بن گئی (۸۲۵)۔

۱۴۔ منصور بن علی ناصف نے التاج الجامع الاصول لکھی۔ اس میں انہوں نے ابن ماجہ کو چھوڑ کر باقی پانچ کتابوں کی احادیث کو اسناد کے بغیر جمع کیا (۸۲۶)۔

کتب احکام

کچھ لوگوں نے صرف احکام پر اپنی کتب میں دیگر کتب سے احادیث کو جمع کیا۔ ان میں چند مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ابو محمد عبد الحق الاشبیلی (م۵۸۲ھ)، کتاب الاحکام الشرعیہ الکبریٰ (۸۲۷)۔

۲۔ ـــــ کتاب الاحکام الوسطیٰ (۸۲۸)۔

۳۔ ـــــ کتاب الاحکام الصغریٰ (۸۲۹)۔

۴۔ تقی الدین ابو محمد عبد الغنی بن عبد الواحد المقدسی (م۶۰۰ھ)، کتاب عمدۃ الاحکام (۸۳۰)۔

۵۔ تقی الدین محمد بن علی المعروف ابن دقیق العید (م۷۰۲ھ) احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام لکھی جو کہ ابن دقیق کی کتاب کی شرح ہے (۸۳۱)۔

۶۔ ـــــ الامام فی احادیث الاحکام (۸۳۲)۔

۷۔ ـــــ الالمام باحادیث الاحکام۔ یہ مندرجہ بالا کتاب الامام کا خلاصہ ہے (۸۳۳)۔

۸۔ مجد الدین عبدالسلام بن عبداللہ بن ابی القاسم بن تیمیہ (م۶۵۳ھ) نے المنتقی من اخبار المصطفیٰ لکھی (۸۳۴)۔

۹۔ احمد بن علی بن حجر العسقلانی (م۸۵۲ھ) نے بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام لکھی (۸۳۵)۔

۱۰۔ محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی (م۱۱۸۲ھ) نے سبل السلام شرح بلوغ المرام لکھی (۸۳۶)۔

۱۱۔ محمد بن علی الشوکانی (م۱۲۵۵ھ) نے نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار لکھی (۸۳۷)۔

کتب ترغیب وترھیب اور آداب

بعض لوگوں نے تقویٰ، پرہیزگاری پر کتب جمع کیں۔ بعض نے زندگی کے آداب کے بارے میں کتب جمع کیں۔ نمونہ کے طور پر دو کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ ذکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری (م۶۵۶ھ) نے الترغیب والترھیب لکھی (۸۳۸)۔ اس کتاب میں انہوں نے دیگر کتب سے جمع کیں اور جن کتب سے انتخاب کیا ان کے نام لکھے۔

۲۔ ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی (م۶۷۶ھ) نے ریاض الصالحین لکھی (۸۳۹) اس کتاب میں آداب سے متعلق احادیث جمع کیں۔

کتاب الاربعین

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کوئی میری امت میں سے چالیس احادیث یاد کرے گا وہ قیامت کو علماء کے گروہ میں سے اٹھایا جائے گا (۸۴۰)۔ اگرچہ اس حدیث پر بعض محدثین کے تحفظات ہیں لیکن اس حدیث کو مدنظر رکھتے ہوئے بہت سے علماء نے چالیس احادیث پر مشتمل کتب لکھیں۔ ان میں مختلف طریقوں سے احادیث جمع کیں۔ بعض نے جہاد پر کتاب لکھی جس میں چالیس احادیث جمع کیں۔ بعض نے کسی ایک خاص موضوع پر کتاب لکھی۔ بعض نے ایسی کتب لکھیں جو ان کے چالیس اساتذہ سے احادیث تھیں۔ بعض چالیس صحابہ کرام کی احادیث کو جمع کیا۔ مثال کے طور پر دو کتب لکھی جاتی ہیں:

۱۔ ابوالفتوح محمد بن محمد الطائی (م۵۵۵ھ) نے الاربعون فی ارشاد السائرین الی

منازل المتقین لکھی (۸۴۱)۔اس کتاب میں چالیس اساتذہ سے امام طائی نے احادیث لکھی ہیں اور اس میں انہوں نے چالیس ہی صحابہ کرام سے بیان کیا ہے۔اس کتاب میں زھد وآخرت اور ذکر وغیرہ کے متعلق صحیح احادیث جمع کی ہیں۔جن کتب سے منتخب کی ہیں ان کے نام لکھے ہیں۔عام طور پر صحاح ستہ سے انتخاب کیا ہے۔الطائی حدیث کو اپنی سند سے مکمل بیان کرتے ہیں۔

میں نے مخطوط ''اسماء رجال المصابیح'' لمحمود بن احمد بن محمد الفاسی پر ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھا۔اس مخطوط میں اس کتاب کے بعض حوالے تھے۔بندہ نے اس کتاب کے چھ مخطوط برلن، فرانس، دمشق، قاہرہ، سعودی عرب اور شاہ بدیع الدین پیر آف جھنڈا کی لائبریری (نیو سعید آباد سندھ) سے حاصل کیے۔اللہ کی توفیق سے ان شاء اللہ اس کتاب کی تحقیق کی جائے گی۔

۲۔ ابوزکریا یحیٰی بن شرف نووی (م ۶۷۴ھ) نے کتاب الاربعین لکھی (۸۴۲)۔کئی علماء نے اس کتاب کی شروح لکھی ہیں۔استاد محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی نے اس کتاب کی الملاری کی شرح پر لکھے ہوئے مخطوط کو ایڈٹ کرکے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر سہیل حسن، معجم اصطلاحات حدیث (ادارہ تحقیقات اسلامیہ، اسلام آباد، ۲۰۰۳) ص ۱۵۵۔

۲۔ ایضاً، ص ۱۹۵۔

۳۔ ایضاً، ص ۳۵۲۔

۴۔ ایضاً، ص ۳۳۷-۳۳۸۔

۵۔ ایضاً، ص ۳۳۶۔

۶۔ ایضاً، ص ۳۳۴۔

۷۔ اصول تحقیق، ص ۵۱۔

۸۔ معجم اصطلاحات۔۔۔، ص ۳۷۹۔

۹۔ ایضاً، ص ۳۳۸-۳۳۹۔

۱۰۔ برق، غلام جیلانی، تاریخ حدیث (غلام علی اینڈ سنز لاہور) ص ۵۸۔

۱۱۔ معجم اصطلاحات۔۔۔، ص ۳۷۸-۳۷۹۔

۱۲۔ برق، تاریخ حدیث، ص ۵۴۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۶۳۔

۱۴۔ تقی عثمانی، درس ترمذی، ص ۶۱۔

۱۵۔ ایضاً، ص ۶۶۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۶۴۔

۱۷۔ برق، تاریخ حدیث، ص ۶۹۔

۱۸۔ ایضاً، ص ۷۰۔

۱۹۔ معجم اصطلاحات، ص ۳۹۴۔

۲۰۔ الکتانی، الرسالۃ، ص ۷۲۔

۲۱۔ ایضاً، ص ۷۲۔

۲۱-۱۔ کشف الظنون، ۱/۴۱۸۔

۲۱-۲۔ ایضاً، ۱/۴۱۹۔

۲۲۔ ایضاً، ص ۷۳۔

۲۳۔ ایضاً، ص۴۷۔

۲۴۔ معجم اصطلاحات، ص۱۹۳۔

۲۵۔ ایضاً، ص۱۹۲۔

۲۶۔ الکتانی، الرسالہ، ص۴۷۔

۲۷۔ معجم اصطلاحات۔۔۔، ص۱۳۸۔

۲۸۔ ایضاً، ص۲۲۸۔

۲۹۔ برق، تاریخ حدیث، ص۴۷۔

۳۰۔ ایضاً، ص۶۹۔

۳۱۔ ایضاً، ص۴۳۔

۳۲۔ معجم اصطلاحات۔۔۔، ص۶۰۔

۳۳۔ السخاوی، المقاصد الحسنہ، ۳۱۱۔

۳۴۔ معجم اصطلاحات۔۔۔، ص۶۷-۶۸۔

۳۵۔ البلقینی، محاسن الاصطلاح، ص۶۹۸؛ معجم اصطلاحات، ص۱۷۹۔

۳۶۔ یہ تین جلد میں طبع ہوئی اور راقم کے ذاتی مکتبہ میں موجود ہے۔

۳۷۔ مطبوعہ بتحقیق یحییٰ اسماعیل احمد، بیروت ۱۴۰۳ھ۔ مزید تفصیل ڈاکٹر عبدالرحمٰن الحمصی، معجم علوم الحدیث النبوی (دار ابن حزم، بیروت الطبعہ الاولی ۲۰۰۰ء) ۱/ ۱۹-۲۰۔

۳۸۔ معجم اصطلاحات۔۔۔، ص۷۰۔

۳۹۔ ایضاً، ص۴۳-۴۷۔

۴۰۔ ایضاً، ص۸۷-۸۸۔

۴۱۔ ایضاً، ص۹۹-۱۰۰ بحوالہ مقدمہ الامثال فی الحدیث النبوی الشریف، ۴۳۔

۴۲۔ ایضاً، ص۱۰۲۔

۴۳۔ الکتانی، الرسالۃ، ص۶۸؛ معجم اصطلاحات۔۔۔، ص۱۴۹۔

۴۴۔ معجم اصطلاحات۔۔۔، ص۲۷۰۔

۴۵۔ ایضاً، ص۱۱۴۔

۴۶۔ د، عبدالرحمٰن، معجم علوم الحدیث النبوی (دار ابن حزم، ۲۰۰۰ء) ص۲۱۸۔

۴۷۔ معجم اصطلاحات۔۔۔، ص۳۱۸؛ الکتانی، الرسالہ، ص۱۰۵۔

۴۸۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون (مکتبۃ المثنی، بغداد) ۲/۱۶۶۵۔

۴۹۔ کتانی، الرسالۃ المستطرفہ، ص ۶-۶۱۔

۵۰۔ محمود طحان، اصول تخریج ودراسۃ الاسانید، ص ۴۔

۵۱۔ ڈاکٹر عبدالمھدی، طرق تخریج حدیثِ رسول ﷺ (دار الاعتصام، القاہرہ) ص ۱۳۸-۱۳۹۔

۵۲۔ ایضاً، ص ۱۳۷-۱۳۸۔

۵۳۔ ایضاً، ص ۱۳۸-۱۳۹۔

۵۴۔ ابن الصلاح، ابوعمر عثمان، علوم الحدیث المعروف، المقدمہ (دار الفکر دمشق ۱۹۸۴ء) ص ۱۱۲۔

۵۵۔ طاہر، توجیہ النظر الی اصول الاثر، ص ۳۔

۵۶۔ الرسالۃ المستطرفہ، ص ۵۲۔

۵۷۔ اصلاحی، ضیاء الدین، تذکرۃ المحدثین (نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد طبع اول ۱۹۸۹ء) ۱/۴۲۔ بحوالہ تہذیب الکمال، تذکرۃ الحفاظ، ۱/۴۲؛ کتاب الانساب، ۴/۹۱۔

۵۸۔ تذکرۃ المحدثین ۱/۴۳ بحوالہ تاریخ بغداد، ج ۹؛ تہذیب التہذیب، ج ۶؛ کتاب الانساب، ۴/۹۱۔

۵۹۔ تذکرۃ المحدثین، ۱/۴۳ بحوالہ تاریخ بغداد، ج ۹؛ تہذیب التہذیب، ج ۶، مقدمہ فتح الباری مقدمہ تحفۃ الاحوذی۔

۶۰۔ تذکرۃ المحدثین، ۱/۴۴؛ سیر اعلام النبلاء، ۷/۳۸۷۔ مزید دیکھیں تاریخ بغداد، ج ۹، وتہذیب التہذیب، ۶/۴۴۔

۶۱۔ تذکرۃ المحدثین، ۱/۴۵ بحوالہ شاہ عبدالعزیز، بستان المحدثین، تاریخ بغداد، جلد ۹، تہذیب التہذیب، ج ۶، کتاب الانساب ومیزان الاعتدال، ج ۱، طبقات ابن سعد، قسم دوم، ج ۷۔

۶۲۔ تذکرہ المحدثین، ۱/۴۶؛ الذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۷/۳۸۰۔

۶۳۔ تذکرۃ المحدثین، ۱/۴۶؛ سیر اعلام النبلاء، ۷/۳۸۰؛ تاریخ بغداد، ج ۹۔

۶۴۔ تذکرۃ المحدثین، ۱/۴۶-۴۷؛ کتاب الانساب، ۴/۹۱؛ کشف الظنون، ج ۱۔

۶۵۔ تذکرۃ المحدثین، ۱/۴۷؛ کشف الظنون ۲/۵۵۵؛ تذکرہ، ص ۴۷۔

۶۶۔ تذکرۃ المحدثین، ۱/۴۸-۴۹؛ کشف الظنون ۲/۵۵۵؛ تہذیب التہذیب، ج ۴، ص ۴۸۔

۶۷۔ تذکرۃ المحدثین، ۱/۴۹؛ تاریخ بغداد، ج ۹، وتہذیب التہذیب، ج ۴، اور مقدمہ ابن اصلاح۔

۶۸۔ تذکرۃ المحدثین، ۱/۶۲؛ کتاب الانساب، ص ۶۲۔

۶۹۔ تذکرۃ المحدثین، ۱/۴۳؛ مقدمہ ابن الصلاح؛ فتح الباری، ۱/۶۳۔

۷۰۔ تذکرۃ المحدثین،۱/۶۳؛ لسان العرب،۳/۲۸۶؛ طبقات الشافعیہ،۱۔

۷۱۔ تذکرۃ المحدثین،۱/۶۴؛ سیر اعلام النبلاء،۱۰/۶۱۶؛ تہذیب التہذیب،ج۵،حسن المحاضرہ،ج۱۔

۷۲۔ تذکرۃ المحدثین،۱/۴۳؛ تذکرۃ الحفاظ،۲/۳۱۲؛ قرآن مجید، الحشر(۵۹)۱۰۔

۷۳۔ تذکرۃ المحدثین،۱/۶۵؛ تذکرۃ الحفاظ،۲/۳۱۲؛ اصول السنہ برخاتمہ مسند حمیدی،ج۲۔

۷۴۔ تذکرۃ المحدثین،۱/۹۴؛سورۃ الحشر،رقم الآیۃ۱۰؛مقدمہ مسند حمیدی،ج۱،بحوالہ الجرح والتعدیل ج اول۔

۷۵۔ تذکرۃ المحدثین، ۱/۹۰؛ تاریخ بغداد، ج۴، تاریخ ابن عساکر، ج۲، طبقات الشافعیہ، ج۱، تاریخ ابن خلکان،ج۱،تہذیب ج۱۔

۷۶۔ تذکرۃ المحدثین،۱/۹۰، مقدمہ مسند حمیدی؛ ابن عبدالبر،الانتقاء۔

۷۷۔ تذکرۃ المحدثین،۱/۹۱؛سیر اعلام النبلاء،۱۱/۳۵۸؛ وفیات الاعیان،۱/۲۰۰؛تاریخ بغداد ج۶،وطبقات الشافعیہ ج۱،وتہذیب ج۱،تاریخ ابن عساکر ج۲۔

۷۸۔ تذکرہ المحدثین،۱/۹۰؛ وفیات الاعیان،۱/۲۰۰۔

۷۹۔ تذکرہ المحدثین،۱/۹۱۔

۸۰۔ تذکرۃ المحدثین،۱/۹۳؛ تاریخ ابن خلکان،ج۱؛والبدایہ والنہایہ، ج۱؛میزان الاعتدال،ج۱؛العبر،ج۱؛ مراۃ الجنان،ج۲؛ وشذرات الذہب،ج۲۔

۸۱۔ تذکرۃ المحدثین،۱/۹۴؛ وفیات الاعیان،۱/۲۰۰؛تذکرۃ الحفاظ،۲/۳۲۵؛ تاریخ بغداد،جلد۶،تاریخ ابن عساکر ج۲،طبقات الشافعیہ ج۱،تہذیب التہذیب ج۱،میزان الاعتدال ج۱۔

۸۲۔ تذکرۃ المحدثین،۱/۹۵، وفیات الاعیان،۱/۲۰۰؛ تاریخ بغداد ج۶،تاریخ ابن عساکر ج۲،طبقات الشافعیہ ج۱،تہذیب ج۱۔

۸۳۔ تذکرۃ المحدثین،۱/۹۵؛ تذکرۃ الحفاظ،۲/۳۲۶؛ تاریخ بغداد ج۶) تاریخ ابن عساکر،ج۲۔

۸۴۔ سیر اعلام النبلاء،۱۱/۳۶۴۔

۸۵۔ تذکرۃ المحدثین، ۱/۹۶؛ تذکرۃ الحفاظ،۲/۳۲۵؛ تاریخ بغداد، ج۶؛ تاریخ ابن عساکر، ج۲؛ البدایہ والنہایہ،ج۱۔

۸۶۔ تذکرۃ المحدثین، ۱/۹۶؛ تذکرۃ الحفاظ،۲/۳۲۵؛ تاریخ ابن عساکر ج۲، وتہذیب التہذیب ج۱، تاریخ بغداد ج۶)۔

۸۷۔ قرآن مجید،الحشر۱۴؛ تذکرۃ المحدثین،۱/۹۷۔

۸۸۔ تذکرۃ المحدثین،۱/۹۷؛ طبقات الشافعیہ ج۱۔

۸۹۔ تذکرۃ المحدثین ۹۷-۹۸۔

۹۰۔ تذکرۃ المحدثین، ۱/ ۹۸؛ ابن عبدالبر، الانتقاء، ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج ۱۔

۹۱۔ تذکرۃ المحدثین ۹۸-۹۹؛ وفیات الاعیان، ۱/ ۱۹۹۔

۹۲۔ تذکرۃ المحدثین، ۱/ ۹۹؛ تاریخ بغداد ج ۲، و تاریخ ابن عساکر، ج ۲۔

۹۳۔ تذکرۃ المحدثین، ۱/ ۹۸-۹۹؛ تاریخ بغداد ج ۵، و تاریخ ابن عساکر، ج ۲۔

۹۴۔ تذکرۃ المحدثین، ۱/ ۹۹؛ تاریخ بغداد ج ۶؛ و تاریخ ابن عساکر ج ۲؛ وطبقات الشافعیہ، ج ۱۔

۹۵۔ الاتقان، ج ۲؛ تذکرہ المحدثین، ۱/ ۹۹؛ تذکرۃ الحفاظ، ۲/ ۳۲۵۔

۹۶۔ تذکرۃ المحدثین، ۱/ ۱۰۰؛ مقدمہ تحفۃ الاحوذی (دار الکتاب العربی، بیروت) ص ۱۶۵۔

۹۷۔ تذکرۃ المحدثین، ۱/ ۱۰۰؛ تاریخ بغداد، ۴/ ۳۵۱؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۱/ ۱۷۷-۱۷۹۔

۹۸۔ حاکم، معرفۃ علوم الحدیث (دار الآفاق الجدیدۃ بیروت، الطبعۃ الرابعۃ ۱۹۸۰ء) ص ۱۹۴۔

۹۹۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ (دار الکتب العلمیہ بیروت للطبعۃ الاولی، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء) ۲/ ۱۶۔

۱۰۰۔ محدثین عظام اوران کے علمی کارنامے، ص ۱۲۴ بحوالہ ابوزہرہ، احمد ابن حنبل ص ۳۴۔

۱۰۱۔ محدثین عظام اوران کے علمی کارنامے، ص ۱۲۴، بحوالہ ابونعیم، حلیۃ الاولیاء، جلد ۹، ص ۱۲۵۔

۱۰۲۔ محدثین عظام اوران کے علمی کارنامے، ص ۱۲۵ بحوالہ حلیۃ الاولیاء، ۹/ ۱۸۱۔

۱۰۳۔ محدثین عظام اوران کے علمی کارنامے، ص ۱۲۶ بحوالہ تذکرۃ الحفاظ، ۵/ ۸۔

۱۰۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/ ۱۶۱ (بعض مطبوع ہیں) کشف الظنون۔

۱۰۵۔ محدثین عظام اوران کے علمی کارنامے، ص ۱۲۷ بحوالہ البدایہ والنھایہ، جلد ۱۰، ص ۳۳۶۔

۱۰۶۔ محدثین عظام اوران کے علمی کارنامے، ص ۱۲۸ بحوالہ تاریخ بغداد، الخطیب ۴/ ۴۱۸۔

۱۰۷۔ محدثین عظام اوران کے علمی کارنامے، ص ۱۲۶ بحوالہ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ۱/ ۴۸۔

۱۰۸۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۱/ ۳۴۳۔

۱۰۹۔ ایضاً ص ۳۴۰۔

۱۱۰۔ محدثین عظام اوران کے علمی کارنامے، ص ۱۳۱ بحوالہ طبقات الشافعیہ الکبریٰ، ۱/ ۲۰۲۔

۱۱۱۔ محدثین عظام اوران کے علمی کارنامے، ص ۱۳۱ بحوالہ مقدمہ المسند بہ تحقیق احمد شاکر۔

۱۱۲۔ محدثین عظام اوران کے علمی کارنامے، ص ۱۳۲ بحوالہ بستان المحدثین۔

۱۱۳۔ محدثین عظام اوراُن کے علمی کارنامے، ص ۱۳۲۔

۱۱۴۔ ایضاً۔

۱۱۵۔ محدثین عظام اوران کے علمی کارنامے،ص۱۳۳بحوالہ طبقات الشافعیہ،۱/۲۰۳۔

۱۱۶۔ محدثین عظام اوران کے علمی کارنامے،ص۱۳۳بحوالہ بُستان المحدثین،ص۲۹۔

۱۱۷۔ محدثین عظام اوران کے علمی کارنامے،ص۱۳۳؛ توجیہ النظر،ص۱۵۴۔

۱۱۸۔ محدثین عظام اوران کے علمی کارنامے،ص۱۳۴؛ نیل الاوطار،۱/۱۳۔

۱۱۹۔ محدثین عظام اوراُن کے علمی کارنامے،ص۱۳۴۔

۱۲۰۔ تدریب،ص۹۹-۱۰۰۔

۱۲۱۔ توجیہ النظر،ص۱۵۴۔

۱۲۲۔ ابن الجزری، المصعد الاحمد (مقدمہ مسند الامام احمد) تحقیق احمد شاکر،۱/۳۱-۳۲ بحوالہ تذکرۃ المحدثین، ص۱۳۳۱۔

۱۲۳۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ،(المکتبہ السلفیہ لاہور،الطبعہ الاولی)،۱/۱۳۴۔

۱۲۴۔ الزہرانی،محمد بن مطر،تدوین السنہ النبویہ(مکتبہ الصدیق الطائف۱۴۱۲ھ،الطبعہ الاولی)،ص۱۰۸۔

۱۲۵۔ الزہرانی، تدوین السنہ،ص۱۰۸۔ یہ کتاب ۳۸ جلدوں میں شائع ہوچکی ہے۔ اور اسلامیہ یونیورسٹی بھاول پور کی مرکزی لائبریری میں موجود ہے۔

۱۲۶۔ الزہرانی،تدوین السنہ،ص۱۰۸۔

۱۲۷۔ اطراف المسند،۱/۸۲۔

۱۲۸۔ ایضاً،ص۸۳۔

۱۲۹۔ ایضاً،ص۸۴۔

۱۳۰۔ الزہرانی،تدوین السنہ،ص۱۰۹۔یہ کتاب اطراف المسند دارابن کثیر بیروت سے۱۹۹۳ء میں شائع ہوئی۔

۱۳۱۔ الزہرانی،تدوین السنہ،ص۱۰۹-۱۱۰۔

۱۳۲۔ اطراف المسند،۱/۸۵۔

۱۳۳۔ الزہرانی،تدوین السنہ،ص۱۱۰۔

۱۳۴۔ ایضاً۔

۱۳۵۔ مطبوع دارالمعارف القاھرہ،۱۹۴۹ء۔

۱۳۶۔ اس کی طباعت کاعلم نہیں۔

۱۳۷۔ الخولی،مفتاح السنہ،ص۴۷۔

۱۳۸۔ یہ کتاب دارالباز مکہ المکرمہ نے شائع کی ہے۔

۱۳۹۔ مطبوع دارالکتب العلمیہ بیروت الطبعہ الاولی،۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶م۔

۱۴۰۔ تعجیل المنفعہ،ص ۵۔

۱۴۱۔ مطبوع دار الکتب العلمیہ بیروت الطبعہ الاولی۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱م۔یہ کتاب سیرت چیئر اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کی لائبریری میں موجود ہے۔

۱۴۲۔ غایۃ المقصد فی زوائد المسند،۱/۲۹۔

۱۴۳۔ ملاحظہ ہو غایۃ المقصد فی زوائد المسند،۴/۴۷۴۔

۱۴۴۔ مطبوع دارالکتب العلمیہ بیروت الطبعہ الاولی،۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷م۔

۱۴۵۔ حدیث: مسند احمد۵/۱۲۴،۱۲۷،۱۲۹؛عقود الزبرجد/۱۶۔

۱۴۶۔ یہ کتاب ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر ڈائریکٹر سیرت چیئر اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور اور محترمہ نگہت ہاشمی شعبہ ایجوکیشنل ٹریننگ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کی تحقیق سے ''النور انٹرنیشنل بہاولپور'' نے ۲۰۰۰ء میں شائع کی۔

۱۴۷۔ ڈاکٹر صبحی صالح،علوم الحدیث (دارالعلم للملایین ،بیروت،طبع ثالثہ۱۹۶۵ء) ص۱۲۴۔

۱۴۸۔ محمد محمد ابوزھو،تاریخ وحدیث محدثین: ترجمہ غلام احمد حریری،ص۵۴۷-۵۵۰۔

۱۴۹۔ تذکرۃ الحفاظ (مترجم) (اسلامک پبلشنگ ہاؤس،۱۷ اردو بازار لاہور) ۳/۷۰۰۔

۱۵۰۔ وفیات الاعیان،۴/۲۸۰؛ حاجی خلیفہ،کشف الظنون (دارالفکر بیروت۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء) ۲/۵۵۰۔

۱۵۱۔ نیشاپور خراسان کا سب سے خوبصورت شہر ہے۔السمعانی،الانساب (دارالجنان بیروت۱۴۰۸ھ-۱۹۸۸ء، طبع اوّل)،۵/۵۵۰۔

۱۵۲۔ تذکرۃ الحفاظ (مترجم) ۲/۷۰۰ وسیر اعلام النبلاء،۱۷/۱۶۳۔

۱۵۳۔ سیر اعلام النبلاء،۱۷/۱۶۳۔

۱۵۴۔ ایضاً۔

۱۵۵۔ تذکرۃ الحفاظ (مترجم) ۲/۷۰۰۔

۱۵۶۔ ایضاً۔

۱۵۷۔ وفیات الاعیان،۴/۲۸۱۔

۱۵۸۔ تذکرۃ الحفاظ (مترجم)، ۲/۷۰۱۔

۱۵۹۔ وفیات الاعیان،۴/۲۸۰۔

۱۶۰۔ ایضاً۔

۱۶۱۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۷/ ۱۷۱۔

۱۶۲۔ ایضاً، ۱۷/ ۱۷۴-۱۷۵۔

۱۶۳۔ تذکرۃ الحفاظ (مترجم)، ۲/ ۷۰۳۔

۱۶۴۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۷/ ۱۷۷۔

۱۶۵۔ حاکم، المستدرک، ۱/ ۲-۳۔

۱۶۶۔ ایضاً (خطبۃ الکتاب) ۱/ ۳۔

۱۶۷۔ ایضاً (کتاب المغازی) ۳/ ۵۸۔

۱۶۸۔ مطالعہ نصوص، یونٹ نمبر ۱ تا ۹ کوڈ نمبر ۴۵۵۷ (شعبہ حدیث و سیرت، کلیہ عربی و علوم اسلامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، اشاعت اول ۲۰۰۰ء) ص ۲۹۵۔

۱۶۹۔ حاکم، المستدرک، ۳/ ۶۱۔

۱۷۰۔ ایضاً، ۴/ ۵۵۸۔

۱۷۱۔ ایضاً، ۲/ ۶۵-۶۶۔

۱۷۲۔ ایضاً، (کتاب معرفۃ الصحابہ) ۳/ ۳۸۶۔

۱۷۳۔ مطالعہ نصوص، ص ۲۹۵-۲۹۷۔

۱۷۴۔ ایضاً، (کتاب البیوع) ۲/ ۱۳۔

۱۷۵۔ ایضاً، (کتاب معرفۃ الصحابہ) ۳/ ۶۱۔

۱۷۶۔ ایضاً، (کتاب الھجرۃ،) ۳/ ۱۷-۱۸۔

۱۷۷۔ ذہبی، تلخیص المستدرک مع المستدرک (الکتاب العربی، دار الفکر بیروت) ۱/ ۳۳۵۔

۱۷۸۔ مستدرک کی یہ تلخیص مستدرک کے متن کے ساتھ چار ضخیم جلدوں میں دار الفکر بیروت سے چھپ چکی ہے۔ اور مستدرک کے قلمی نسخے متعدد کتب خانوں میں موجود ہیں۔ دائرۃ المعارف حیدر آباد نے کئی مخطوطات کی مدد سے اسے چار ضخیم جلدوں میں شائع کیا ہے۔

۱۷۹۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۷/ ۱۷۵۔

۱۸۰۔ طبقات الشافعیہ، ۳/ ۴۹۔

۱۸۱۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۷/ ۱۷۵-۱۷۶۔

۱۸۲۔ ایضاً، ۱۷/ ۱۷۶۔

۱۸۳۔ تذکرۃ الحفاظ (دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۸ء) ۲/ ۱۶۲۔

۱۸۴۔ ندوی، محمد حنیف، مطالعہ حدیث، ص۲۹۲-۳۰۳ بحوالہ شاہ عبدالعزیز دہلوی، عجالہ نافعہ مع فوائد جامعہ۔

۱۸۵۔ المستدرک، ۳/۱۳۰۔

۱۸۶۔ ذہبی، تلخیص المستدرک مع المستدرک (کتاب معرفۃ الصحابہ) ۳/۱۳۱۔

۱۸۷۔ ڈاکٹر سعد بن عبداللہ، مناہج المحدثین (دارالعلوم السنہ الریاض، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء)، ص۱۸۶۔

۱۸۸۔ المستدرک، ۳/۱۸۰۔

۱۸۹۔ تلخیص المستدرک مع المستدرک (کتاب معرفۃ الصحابہ)، ۳/۱۶۰۔

۱۹۰۔ مناہج المحدثین، ص۱۸۸۔

۱۹۱۔ المستدرک، ۳/۱۲۶۔

۱۹۲۔ تلخیص المستدرک، مع المستدرک (کتاب المعرفۃ) ۳/۱۲۶۔

۱۹۳۔ مناہج المحدثین، ص۱۸۹-۱۹۰۔

۱۹۴۔ ایضاً ص۱۹۰۔

۱۹۵۔ ایضاً۔

۱۹۶۔ ایضاً ص۱۹۲-۱۹۳۔

۱۹۷۔ اصفہانی، ابونعیم، المسند المستخرج علی صحیح مسلم (دار الکتب العلمیہ بیروت، الطبعہ الاولی ۱۹۹۶ء) مقدمۃ المحقق، ۱/۳۔ السخاوی، فتح المغیث (دارالکتب العلمیہ، بیروت) ۱/۳۸۔

۱۹۸۔ ابونعیم، ایضاً۔

۱۹۹۔ اصول تخریج ودراسۃ الاسانید، ص۱۱۴۔

۲۲۰۔ احمد المسند (دارالفکر بیروت) ۵/۳۷۔

۲۰۱۔ ایضاً، ۴/۸۰۔

۲۰۲۔ المسند المستخرج علی صحیح مسلم، ۱/۳۔

۲۰۳۔ ایضاً، ۱/۳؛ ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری، بحوث فی تاریخ السنہ المشرفہ (جامعہ بغداد، ۱۹۷۵ء) ص۲۳۷۔

۲۰۴۔ اکرم ضیاء عمری، بحوث فی تاریخ السنہ المشرفہ، ص۲۳۷۔

۲۰۵۔ المسند المستخرج علی صحیح مسلم، ۱/۴۔

۲۰۶۔ تاریخ السنہ المشرفہ، ۲۳۷۔

۲۰۷۔ المسند المستخرج علی صحیح مسلم، ۱/۵۔

۲۰۸۔ ایضاً، ۱/۵-۶۔

۲۰۹۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۶/۲۹۳۔

۲۱۰۔ ایضا، ۱۷/۴۶۵۔

۲۱۱۔ ایضا، ۱۹/۲۰۷۔

۲۱۲۔ تذکرۃ الحفاظ (داراحیاء التراث العربی، بیروت) ۳/۱۰۰۶۔

۲۱۳۔ ایضا، ۳/۷۷۹ تا ۷۸۰۔

۲۱۴۔ ایضا (طبقہ ۱۳)، ۳/۱۰۱۳-۱۰۱۴۔

۲۱۵۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۵/۴۶۶ تا ۴۶۹۔

۲۱۶۔ تذکرۃ الحفاظ، ۳/۵۹۶۔

۲۱۷۔ ایضا، ۳/۱۱۰۹-۱۱۱۰۔

۲۱۸۔ ایضا، ۳/۹۵۵، ۹۵۶۔

۲۱۹۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۷/۴۵۳-۴۶۳۔
تذکرۃ الحفاظ، ۳/۱۰۹۳-۱۰۹۷۔

۲۲۰۔ فیروز آبادی، مجد الدین محمد بن یعقوب، القاموس المحیط (مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی والاودہ بمصر۔ القاہرہ، الطبعۃ الثانیہ، ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء) ۴/۲۶۰۔ دیکھئے شہاب الدین، القاموس الوافی (دارالفکر بیروت، لبنان، طبع اولی، ۲۰۰۳ء)، ص ۸۱۵۔

۲۲۱۔ اثری، عبدالجلیل، تحفۃ اہل النظر، ص ۲۲۶-۲۲۷۔

۲۲۲۔ خطابی، غریب الحدیث (جامعۃ ام القریٰ مکہ المکرمہ، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء) ۱/۷۰۔

۲۲۳۔ دیکھئے ابن الاثیر، النھایہ فی غریب الحدیث والاثر (انصار السنہ المحمدیہ، لاہور) ۱/۵-۶۔

۲۲۴۔ ابن الاثیر، النھایہ، ۱/۳۔

۲۲۵۔ کشف الظنون، ۲/۲۰۰ (حاشیہ)۔

۲۲۶۔ النھایہ، ۱/۳۔

۲۲۷۔ کشف الظنون، ۲/۱۹۹۔

۲۲۸۔ ایضا، ۲/۲۰۰۔

۲۲۹۔ عبدالعزیز الخولی، تاریخ فنون الحدیث (دار القلم، بیروت، الطبعۃ الاولی، ۱۹۸۶ء) ص ۱۹۲۔

۲۳۰۔ کشف الظنون، ۲/۲۰۰۔

۲۳۱۔ ایضا، ۲/۲۰۰-۲۰۱۔

۲۳۲۔ ایضاً،۲/۲۰۱۔

۲۳۳۔ ایضاً۔

۲۳۴۔ محمد محمد ابوزھو، تاریخ حدیث ومحدثین (مترجم مکتبہ رحمانیہ اردو بازار، لاہور) ص۶۰۳۔

۲۳۵۔ کشف الظنون،۲/۲۰۱۔

۲۳۶۔ ایضاً،۲/۲۰۲۔

۲۳۷۔ نواب صدیق حسن، ابجد العلوم (دار ابن حزم بیروت، الطبعہ الاولی، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء) ص۴۵۲۔

۲۳۸۔ تاریخ حدیث ومحدثین، ص۶۰۳۔

۲۳۹۔ ابجد العلوم (حواشی) ص۴۵۳۔

۲۴۰۔ مطبوع، میر محمد کتب خانہ کراچی۔

۲۴۱۔ سیر اعلام النبلاء،۹/۳۲۸۔

۲۴۲۔ دیکھئے، ابن خلکان، وفیات الاعیان،۵/۳۹۸۔

۲۴۳۔ سیر اعلام النبلاء،۹/۳۳۰-۳۳۱۔

۲۴۴۔ ایضاً، ۹/۳۲۹۔

۲۴۵۔ ایضاً۔

۲۴۶۔ ایضاً، ۹/۳۳۰۔

۲۴۷۔ ایضاً۔

۲۴۸۔ ایضاً۔

۲۴۹۔ ایضاً۔

۲۵۰۔ ایضاً۔

۲۵۱۔ تذکرۃ الحفاظ (مترجم اردو)۱-۲/۲۴۳۔

۲۵۲۔ ایضاً،۱-۲/۲۴۴۔

۲۵۳۔ ابو سلیمان محمد بن عبداللہ الربعی، تاریخ مولد العلماء ووفیاتھم، (دار العاصمہ الریاض ۱۴۱۰ھ) ۲/۴۵۲؛ بخاری، التاریخ الکبیر (دار الفکر، بیروت) ۸/۹۰؛ ابن خلکان، وفیات الاعیان،۵/۴۰۴۔

۲۵۴۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان،۴/۳۱۲۔

۲۵۵۔ ایضاً،۴/۳۱۳۔

۲۵۶۔ کشف الظنون،۲/۲۰۰۔

۲۵۷۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ۴/۱۳۲۔

۲۵۸۔ ایضاً، ۴/۳۱۲؛ الزرکلی، الاعلام (العلم للملایین، بیروت ۱۹۸۹ء) ۷/۹۵۔

۲۵۹۔ ایضاً، ۴/۳۱۲۔

۲۶۰۔ سیر اعلام النبلاء، ۹/۴۳۵۔

۲۶۱۔ ایضاً، ۹/۴۳۵۔

۲۶۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱-۲/۲۸۴۔

۲۶۳۔ سیر اعلام النبلاء، ۹/۴۳۵-۴۳۶۔

۲۶۴۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم، ۱-۲/۲۸۴۔

۲۶۵۔ سیر اعلام النبلاء، ۹/۴۳۶۔

۲۶۶۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم، ۱-۲/۲۸۴۔

۲۶۷۔ سیر اعلام النبلاء، ۹/۴۳۶۔

۲۶۸۔ ایضاً، ۹/۴۳۶۔

۲۶۹۔ ایضاً، ۹/۴۳۶-۴۳۷۔

۲۷۰۔ ابن العماد، شذرات الذھب (المکتب التجاری، بیروت)، ۲/۳۴۔

۲۷۱۔ تاریخ حدیث و محدثون، ص ۶۰۰، از ترجمہ غلام احمد حریری؛ تاریخ فنون الحدیث، ص ۱۹۲۔

۲۷۲۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۰/۱۷۶۔

۲۷۳۔ وفیات الاعیان ۳/۱۷۵۔

۲۷۴۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۰/۱۷۶۔

۲۷۵۔ ایضاً، ۱۰/۱۷۶۔

۲۷۶۔ ایضاً۔

۲۷۷۔ ایضاً۔

۲۷۸۔ التاریخ الکبیر، ۵/۴۲۸۔

۲۷۹۔ تاریخ فنون الحدیث، ص ۱۹۲۔

۲۸۰۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم، ۱-۲/۳۱۴۔

۲۸۱۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۰/۴۹۱۔

۲۸۲۔ ایضاً۔

۲۸۳۔ تذکرۃ الحفاظ (عربی) (بیروت، ۱۹۹۸ء) ۲/۶۔

۲۸۴۔ ایضاً، ۲/۶۔

۲۸۵۔ تذکرۃ الحفاظ (مترجم) ۲-۲/۳۱۴-۲۔

۲۸۶۔ سیر اعلام النبلاء ۱۰/۴۰۵۔

۲۸۷۔ ایضاً۔

۲۸۸۔ ایضاً۔

۲۸۹۔ تذکرۃ الحفاظ (مترجم) ۱-۲/۳۱۴۔

۲۹۰۔ تاریخ حدیث و محدثین، ص ۶۰۱۔
کتاب کا نام (غریب الحدیث) ہے۔ ڈاکٹر محمد عبد المعید خان، ڈائریکٹر دائرۃ المعارف العثمانیہ کے زیر نگرانی میں مطبعہ مجلس دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن بھارت سے ۱۹۶۴ء کو پہلی دفعہ چار جلدوں میں شائع ہوئی پھر بعد میں دار الکتاب العربی بیروت نے اس کی فوٹو کاپی ۱۹۷۶ء میں شائع کی۔

۲۹۱۔ تدوین السنۃ، ص ۳۳۰۔

۲۹۲۔ ابوعبید، غریب الحدیث، مقدمہ تحقیق، ۱/ی د (مقدمہ)۔

۲۹۳۔ الھروی، ابوعبید، غریب الحدیث ۱/۳-۴۔

۲۹۴۔ ایضاً، ۱/۲۷۹۔

۲۹۵۔ ایضاً، ۱/۲۲۱-۲۲۲۔

۲۹۶۔ وفیات الاعیان، ۳/۴۳۔

۲۹۷۔ شذرات الذھب، ۲/۱۲۹۔

۲۹۸۔ وفیات الاعیان، ۳/۴۲۔

۲۹۹۔ ایضاً۔

۳۰۰۔ ایضاً۔

۳۰۱۔ ایضاً، ۳/۴۲-۴۳۔

۳۰۲۔ ایضاً، ۳/۴۳۔

۳۰۳۔ ایضاً۔

۳۰۴۔ ایضاً۔

۳۰۵۔ ایضاً۔

۳۰۶۔ تدوین السنۃ، ص ۱۱۸۔
۳۰۷۔ تاریخ حدیث و محدثین مترجم، ص ۶۰۱۔
۳۰۸۔ ابن قتیبہ، غریب الحدیث (فاتحۃ الکتاب) (الدار التونسیہ للنشر، تونس ۱۹۷۹ء) ۱/ ۱۰۷۔
۳۰۹۔ غریب الحدیث، ۱/ ۱۱۳-۱۱۴۔
۳۱۰۔ ایضاً، ۱/ ۲۰۷۔
۳۱۱۔ ایضاً، ۱/ ۲۱۳۔
۳۱۲۔ الاحزاب (۳۳) ۵۱۔
۳۱۳۔ غریب الحدیث، ۱/ ۲۲۰۔
۳۱۴۔ ایضاً، ۱/ ۱۰۹۔
۳۱۵۔ ایضاً، ۱۰۹ (ہمیں ان کی کتاب کی ایک ہی جلد ملی ہے)۔
۳۱۶۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۳/ ۳۵۶۔
۳۱۷۔ ایضاً، ۱۳/ ۳۵۶۔
۳۱۸۔ ایضاً۔
۳۱۹۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم، ۱-۲/ ۳۱۸۔
۳۲۰۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۳/ ۳۵۷۔
۳۲۱۔ ایضاً۔
۳۲۲۔ ایضاً، ۱۳/ ۳۶۰۔
۳۲۳۔ ایضاً۔
۳۲۴۔ ایضاً۔
۳۲۵۔ شذرات الذھب، ۲/ ۱۹۰۔
۳۲۶۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۳/ ۳۶۸۔
۳۲۷۔ ایضاً، ۱۳/ ۳۶۹۔
۳۲۸۔ شذرات الذھب، ۲/ ۱۹۰۔
۳۲۹۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم، ۱-۲/ ۳۱۸۔
۳۳۰۔ تاریخ حدیث و محدثین مترجم، ص ۶۰۱۔

۳۳۱۔ الحربی، غریب الحدیث تحقیق ڈاکٹر سلیمان بن ابراہیم العائد (جامعۃ ام القری، مکہ المکرمہ، طبع اولی ۱۹۸۵ء) ۹۲/۱۔

۳۳۲۔ غریب الحدیث (مدخل التحقیق فصل ثانی) ۵۲/۱۔

۳۳۳۔ ابن الاثیر، النھایۃ، ۶/۱۔

۳۳۴۔ غریب الحدیث (مدخل التحقیق فصل ثانی) ۹۲/۱۔

۳۳۵۔ ایضاً، ۹۲/۱۔

۳۳۶۔ غریب الحدیث ۳/۱-۶ (متن)۔

۳۳۷۔ ایضاً، ۳۲۹/۱-۳۳۴۔

۳۳۸۔ زرکلی، الاعلام، ۲۷۳/۲۔

۳۳۹۔ سیر اعلام النبلاء، ۲۳/۱۷۔

۳۴۰۔ ایضاً، ۲۳/۱۷۔۲۵۔

۳۴۱۔ ایضاً، ۲۳/۱۷-۲۴۔

۳۴۲۔ ایضاً، ۲۴/۱۷۔

۳۴۳۔ ایضاً، ۲۵/۱۷-۲۶۔

۳۴۴۔ تذکرۃ الحفاظ (مترجم) ۳-۶۸۸/۴۔

۳۴۵۔ ایضاً۔

۳۴۶۔ ایضاً۔

۳۴۷۔ سیر اعلام النبلاء، ۲۵/۱۷۔

۳۴۸۔ تاریخ حدیث ومحدثون (مترجم) ص ۶۰۱-۶۰۲۔

۳۴۹۔ مقدمۃ النھایۃ فی غریب الحدیث، ص ۸۔

۳۵۰۔ خطابی (مقدمہ تحقیق از عبدالکریم) غریب الحدیث، (جامعۃ ام القری مکہ المکرمہ) ۳۸/۱۔

۳۵۱۔ ایضاً، ۳۸/۱-۳۹۔

۳۵۲۔ ایضاً۔

۳۵۳۔ ایضاً، ۳۹/۱۔

۳۵۴۔ ایضاً، ۵۱/۱۔

۳۵۵۔ ایضاً، ۲۰۱/۱۔

۳۵۶۔ ایضاً،۱/۳۸۱-۳۸۲۔

۳۵۷۔ سیر اعلام النبلاء،۱۷/۱۴۶۔

۳۵۸۔ ایضاً،۱۷/۱۴۷۔

۳۵۹۔ ایضاً۔

۳۶۰۔ ایضاً۔

۳۶۱۔ تاریخ حدیث ومحدثون (مترجم)ص۲۰۲۔

۳۶۲۔ وفیات الاعیان،۴/۴۱۴۔

۳۶۳۔ احمد حسن زیات، تاریخ ادب عربی، مترجم (شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور)ص۳۹۲۔

۳۶۴۔ وفیات الاعیان،۴/۴۱۶۔

۳۶۵۔ تاریخ ادب عربی، مترجم،ص۳۹۲۔

۳۶۶۔ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی، تاریخ بغداد (المکتبہ السلفیہ)۲/۳۴۶؛ سیر اعلام النبلاء،۱۷/۲۸۶۔

۳۶۷۔ تاریخ حدیث ومحدثون (مترجم غلام احمد حریری)،ص۲۰۳۔

۳۶۸۔ وفیات الاعیان،۵/۱۶۸۔

۳۶۹۔ سیر اعلام النبلاء،۲۰/۱۵۴۔

۳۷۰۔ وفیات الاعیان،۴/۱۶۵۔

۳۷۱۔ ایضاً، ۵/۱۶۸۔

۳۷۲۔ ایضاً، ۵/۱۷۳۔

۳۷۳۔ کشف الظنون،ص ۔

۳۷۴۔ زمخشری، الفائق (دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ-۱۹۹۶ء، طبع اولی)۱/۱۲تا۱۹۔

۳۷۵۔ ایضاً، ۱/۳۵۲-۳۵۳۔

۳۷۶۔ ایضاً، ۱/۱۷۳-۱۷۵۔

۳۷۷۔ النھایۃ (مقدمہ)۱/۹۔

۳۷۸۔ وفیات الاعیان،۴/۲۸۶۔

۳۷۹۔ ایضاً،۴/۲۸۶۔

۳۸۰۔ ایضاً،۳/۲۸۶۔

۳۸۱۔ سیر اعلام النبلاء،۲۱/۱۵۲۔

۳۸۲۔ ایضاً، ۲۱/۱۵۳۔

۳۸۳۔ ایضاً، ۲۱/۱۵۴۔

۳۸۴۔ ایضاً۔

۳۸۵۔ ایضاً۔

۳۸۶۔ ایضاً، ۲۱/۱۵۵۔

۳۸۷۔ ایضاً۔

۳۸۸۔ ایضاً، ۲۱/۱۵۵-۱۵۶۔

۳۸۹۔ ایضاً، ۲۱/۱۵۶۔

۳۹۰۔ ایضاً۔

۳۹۱۔ ایضاً۔

۳۹۲۔ ایضاً۔

۳۹۳۔ تاریخ حدیث ومحدثین، ص۶۰۲۔

۳۹۴۔ تدوین السنہ،ص۲۲۲۔

۳۹۵۔ النھایہ،۱/۹(متن)المجموع المغیث فی غریب القرآن والحدیث (جامعہ ام القریٰ، مکہ المکرمہ،طبع اولی، ۱۴۰۶ھ-۱۹۸۶ء)۱/۳۳۔عبدالکریم الغرباوی،مقدمہ المحقق۔

۳۹۶۔ المدینی،ابوموسیٰ،المجموع المغیث،۱/۴۔

۳۹۷۔ ایضاً، ۱/۶۸۔

۳۹۸۔ وفیات الاعیان،۴/۲۸۶۔

۳۹۹۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم،۳-۴/۹۰۵۔

۴۰۰۔ ایضاً، ۳-۴/۹۰۵۔

۴۰۱۔ ایضاً، ۳-۴/۹۰۶۔

۴۰۲۔ ایضاً، ۳-۴/۹۰۵۔

۴۰۳۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم،۳-۴/۹۰۵۔

۴۰۴۔ ایضاً، ۳-۴/۹۰۶-۹۰۷۔

۴۰۵۔ ایضاً۔

۴۰۶۔ ایضاً، ۳-۴/۹۰۷۔

۴۰۷۔ تاریخ الحدیث والمحدثون، ص۶۰۳۔

۴۰۸۔ اصلاحی، تذکرۃ المحدثین، ۳۵۰/۲۔

۴۰۹۔ وفیات الاعیان، ۱۴۱/۴۔

۴۱۰۔ اصلاحی، تذکرۃ المحدثین، ۳۵۰/۲۔

۴۱۱۔ ایضاً، ۳۵۱/۲۔

۴۱۲۔ وفیات الاعیان، ۱۴۱/۴-۱۴۲۔

۴۱۳۔ تذکرۃ المحدثین (حاشیہ نمبر۴) ۳۵۳/۲۔

۴۱۴۔ وفیات الاعیان، ۱۴۲/۴۔

۴۱۵۔ ایضاً، ۱۴۳/۴۔

۴۱۶۔ تاریخ حدیث ومحدثین، ص۶۰۳۔

۴۱۷۔ النھایہ (مقدمۃ) ۴/۱-۵۔

۴۱۸۔ ایضاً، ۱۱/۱-۱۲۔

۴۱۹۔ النھایہ، (انصار السنۃ المحمدیہ لاہور)، ۱۳/۱۔

۴۲۰۔ ایضاً، ۱۴/۱۔

۴۲۱۔ ایضاً، ۸/۱ (مقدمہ التحقیق)۔

۴۲۲۔ ایضاً۔

۴۲۳۔ عبدالرشید عراقی، کاروانِ حدیث، (نور اسلام اکیڈمی لاہور) ص۳۴۹۔

۴۲۴۔ شذرات الذھب، ۵۲/۸۔

۴۲۵۔ عراقی، کاروانِ حدیث (بحوالہ حسن المحاضرۃ، ۸۸/۱-۱۹۰)، ص۳۴۹۔

۴۲۶۔ عراقی، کاروانِ حدیث (بحوالہ الضوء اللامع)، ۸۸/۱-۱۹۰۔

۴۲۷۔ ایضاً، ص۳۴۹-۳۵۰ (بحوالہ مرقاۃ شرح مشکاۃ)، ۲۴۸/۱ (درمنثور مطبوع ہے)۔

۴۲۸۔ ایضاً، ص۳۵۰ (الاتقان مطبوع ہے)۔

۴۲۹۔ ایضاً، ص۳۵۰۔

۴۳۰۔ ایضاً، ص۳۵۰۔

۴۳۱۔ ایضاً۔

۴۳۲۔ شذرات الذھب، ۵۵/۸۔

۴۳۳۔ تاریخ حدیث ومحدثین، ص۶۰۳۔

۴۳۴۔ صدیقی، محمد سعید، علم حدیث اور پاکستان میں اس کی خدمت (قائداعظم لائبریری لاہور)، ص۲۳۷۔

۴۳۵۔ رحمان علی، تذکرۃ علماء ہند، ص۱۴۰۔

۴۳۶۔ محمد اسحاق، ڈاکٹر، علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ (ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۷۶ء)، ص۱۵۴۔

۴۳۷۔ تذکرۃ علماء ہند، ص۱۴۰۔

۴۳۸۔ سیالکوٹی، محمد ابراہیم میر، تاریخ اہل حدیث (اسلامی پبلشنگ کمپنی لاہور، ۱۹۵۳ء) ص۳۹۵۔

۴۳۹۔ محمد طفیل، نقوش رسول (ادارہ فروغ اردو لاہور، شمارہ نمبر۱۳۰، دسمبر ۱۹۸۳ء) ۲/۱۷ (مجمع البحار مطبوع ہے)

۴۴۰۔ عبدالحئی حسنی، نزھۃ الخواطر، ۴/۲۹۸-۲۹۹۔

۴۴۱۔ زبید احمد، ڈاکٹر، عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ (ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور) ص۴۷۔

۴۴۲۔ خالد محمود، آثار الحدیث، ۱/۳۶۰۔

۴۴۳۔ مصنف لابن ابی شیبہ، ۲/۲۱۰۔

۴۴۴۔ تکملۃ مجمع البحار، ص۸۵۔

۴۴۵۔ وحید الزمان، لغات الحدیث، مقدمہ، (میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی)، ۱/۳۔

۴۴۶۔ ایضاً۔

۴۴۷۔ ایضاً، ص۱۷۔

۴۴۸۔ چشتی، عبدالحلیم، حیات وحید الزمان، (نور محمد، کارخانہ تجارت، آرام باغ کراچی)، ص۱۵۔

۴۴۹۔ حیات وحید الزمان، ص۱۱۴۔

۴۵۰۔ لغات الحدیث، مقدمہ، ۱/۵۔

۴۵۱۔ ایضاً، ۱/۳۔

۴۵۲۔ وحید الزمان، لغات الحدیث، ۱/۴-۵۔

۴۵۳۔ چشتی، حیات وحید الزمان، ص۱۵-۱۶۔

۴۶۶۔ اصول التخریج ودراسۃ الاسانید، ص۴۷۔

۴۶۷۔ مزی، تحفۃ الاشراف، ۱/۲۔

۴۶۸۔ کتانی، الرسالۃ المستطرفۃ، ص۱۲۵۔

۴۶۹۔ اصول التخریج ودراسۃ الاسانید، ص۴۹-۷۰۔

۴۷۰۔ ایضاً۔

۴۷۱۔ تحفۃ الاشراف (مقدمہ المحقق) ۱/۲۱-۲۲۔

۴۷۲۔ ایضاً، ۱/۲۱۔

۴۷۳۔ تحفۃ الاشراف، ۱/۶ (مقدمہ المؤلف)۔

۴۷۴۔ ایضاً، ۱/۳-۴۔

۴۷۵۔ ایضاً، ۱/۶ (مقدمہ المؤلف)۔

۴۷۶۔ ایضاً، مقدمہ المصحح، ۱/۱۳۔

۴۷۷۔ ایضاً۔

۴۷۸۔ ایضاً۔

۴۷۹۔ ایضاً۔

۴۸۰۔ اصول التخریج ودراسۃ الاسانید، ص۵۲۔

۴۸۱۔ ایضاً، ص۵۳-۵۴۔

۴۸۲۔ ایضاً، ص۵۳۔

۴۸۳۔ تحفۃ الاشراف (مقدمہ المحقق)

۴۸۴۔ اصول التخریج ودراسۃ الاسانید، ص۷۵۔

۴۸۵۔ نابلسی، عبدالغنی، ذخائر المواریث (دارالکتب العلمیہ، بیروت الطبعہ الاولی ۱۹۹۸ء) ۱/۹-۱۰۔

۴۸۶۔ ایضاً، ۱/۹۔

۴۸۷۔ ایضاً، ۱/۶۶۔

۴۸۸۔ ایضاً، ۱/۳۹۔

۴۸۹۔ ایضاً، ۱/۱۱۔

۴۹۰۔ ایضاً۔

۴۹۱۔ ایضاً، ۱/۹۔

۴۹۲۔ ایضاً۔

۴۹۳۔ ایضاً، ۱/۹ (مقدمہ)۔

۴۹۴۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی لاہور) ۱۲/۹۱۲۔

۴۹۵۔ نابلسی، ذخائر المواریث (ترجمۃ المصنف) ۱/۳۔

۴۹۶۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۹۱۲/۱۲۔
۴۹۷۔ ذخائر المواریث (ترجمۃ المؤلف) ۴/۱۔
۴۹۸۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ،۹۱۲/۱۲۔
۴۹۹۔ ذخائر المواریث (ترجمۃ المؤلف) ۴/۱۔
۵۰۰۔ اردو دائرۃ معارف اسلامیہ،۹۱۲/۱۲۔
۵۰۱۔ المرادی، محمد خلیل، سلک الدرر فی اعیان الثانی عشر (دارالبشائر الاسلامیہ بیروت ۱۴۰۸-۱۹۸۸ء) ۳۰/۱۔
۵۰۲۔ تذکرۃ الحفاظ (بیروت ۱۹۹۸ء) ۱۸۰/۳۔
۵۰۳۔ ایضاً، ۱۸۰/۳۔
۵۰۴۔ ایضاً، ۱۸۰/۳۔
۵۰۵۔ ایضاً ۱۷۹/۳۔
۵۰۶۔ ایضاً، ۱۷۹/۳۔
۵۰۷۔ طبقات الحفاظ (دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۹۸۳ء) ص ۳۱۷۔
۵۰۸۔ تذکرۃ الحفاظ (عربی) ۱۸۰/۳۔
۵۰۹۔ طبقات الحفاظ، ص ۳۱۷۔
۵۱۰۔ تذکرۃ الحفاظ (عربی) ۱۸۰/۳۔
۵۱۱۔ ایضاً، ۱۸۰/۳۔
۵۲۱۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم ۳-۴/ ۷۱۷۔
۵۱۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ۳-۴/ ۷۳۲۔
۵۱۴۔ ایضاً، ۳-۴/ ۷۳۲۔
۵۱۵۔ ایضاً۔
۵۱۶۔ طبقات الحفاظ، ص ۳۲۳۔
۵۱۷۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم، ۳-۴/ ۷۳۲۔
۵۱۸۔ ایضاً، ص ۷۳۲۔
۵۱۹۔ طبقات الحفاظ، ص ۳۲۳۔
۵۲۰۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم، ۳-۴/ ۷۳۳۔
۵۲۱۔ ایضاً، ۳-۴/ ۷۳۵۔

۵۲۲۔ ایضاً۔

۵۲۳۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم ۳-۴/۸۹۴۔

۵۲۴۔ تذکرۃ الحفاظ،۳-۴/۸۹۴۔

۵۲۵۔ شذرات الذھب،۴/۲۳۹۔

۵۲۶۔ ایضاً، ۳-۴/۸۹۴-۸۹۵۔

۵۲۷۔ شذرات الذھب،۴/۲۳۹۔

۵۲۸۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم،۳-۴/۸۹۶۔

۵۲۹۔ ایضاً،۳-۴/۸۹۸۔

۵۳۰۔ شذرات الذھب،۴/۲۳۹۔

۵۳۱۔ تذکرۃ الحفاظ (مترجم) ۳-۴/۸۳۳۔

۵۳۲۔ ایضاً۔

۵۳۳۔ ایضاً،۳-۴/۸۳۳۔

۵۳۴۔ ایضاً، ۳-۴/۸۳۵۔

۵۳۵۔ ابن حجر، لسان المیزان،۵/۲۱۰۔

۵۳۶۔ عمر رضا کحالہ، معجم المؤلفین (داراحیاء التراث العربی بیروت)۱/۱۷۰۔

۵۳۷۔ طبقات الحفاظ ص ۵۵۱۔

۵۳۸۔ ابن حجر، انباء الغمر (دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۹۸۶ء، الطبعہ الثانیہ)۸/۳۳۱۔

۵۳۹۔ ایضاً،۸/۳۳۱؛ ابن العماد الحنبلی، شذرات الذھب (المکتب التجاری، بیروت)،۷/۲۳۴۔

۵۴۰۔ کشف الظنون (دارالفکر بیروت ۱۴۱۴)۵/۱۰۴۔

۵۴۱۔ ایضاً۔

۵۴۲۔ ایضاً۔

۵۴۳۔ بستان المحدثین، ص ۲۰۱۔

۵۴۴۔ ایضاً۔

۵۴۵۔ الدرر الکامنہ،۳/۱۱۷۔

۵۴۶۔ بستان المحدثین، ص ۲۰۲۔

۵۴۷۔ ابن فہد مکی، ذیل طبقات الحفاظ، ص ۳۳۸۔

۵۴۸۔ السخاوی، الضوء اللامع ۲/۳۷۔

۵۴۹۔ عراقی، کاروانِ حدیث، ص ۳۳۴-۳۳۵۔

۵۵۰۔ شوکانی، البدر الطالع، ص ۱۹۴۔

۵۵۱۔ معارف اعظم گڑھ، ۱۰۱/۲۰۲۔

۵۵۲۔ السخاوی، الضوء اللامع ۲/۳۸۔

۵۵۳۔ معارف اعظم گڑھ، ۱۰۱/۲۶۲۔

۵۵۴۔ بستان المحدثین، ص ۲۰۴۔

۵۵۵۔ ابجد العلوم، ص ۷۸۵۔

۵۵۶۔ قاضی عیاض، ترتیب المدارک وتقریب المسالک (دار الکتب العلمیۃ بیروت، طبع اولی 1998ء، ۱/۴۳۔

۵۵۷۔ تذکرۃ الحفاظ (دار الکتب العلمیۃ بیروت، طبع اولی ۱۹۹۸ء) ۱/۱۵۷۔

۵۵۸۔ ترتیب المدارک، ۱/۴۷۔

۵۵۹۔ ایضاً، ۱/۴۶۔

۵۶۰۔ اصلاحی، تذکرۃ المحدثین، ۱/۲-۳۔

۵۶۱۔ ترتیب المدارک، ۱/۴۵۔

۵۶۲۔ ایضاً۔

۵۶۳۔ تذکرۃ المحدثین، ۱/۵۔

۵۶۴۔ شاہ ولی اللہ، مسوی (مقدمہ) شرح موطا امام مالک (مطبع دہلی)۔

۵۶۵۔ ترتیب المدارک، ۱/۵۵۔

۵۶۶۔ ایضاً۔

۵۶۷۔ ایضاً۔

۵۶۸۔ ایضاً۔

۵۶۹۔ ایضاً۔

۵۷۰۔ ملک عبد الرشید عراقی، سیرۃ ائمہ اربعہ (شعبہ تصنیف وتالیف، جامعہ ابراہیمیہ سیالکوٹ) ص ۱۶۔

۵۷۱۔ ترمذی، السنن، حدیث نمبر ۲۶۸۰، ص ۶۰۸۔

۵۷۲۔ سید سلیمان ندوی، حیات امام مالک، ص ۳۱۔

۵۷۳۔ تذکرۃ المحدثین، ۱/۱۳۔

۵۷۴۔ ایضاً۔

۵۷۵۔ کاروانِ حدیث، ص ۳۰۔

۵۷۶۔ مالک بن انس، الموطا (مقدمہ محقق) (داراحیاء العلوم بیروت) ص ۹۔

۵۷۷۔ ایضاً، ص ۱۰۔

۵۷۸۔ ایضاً۔

۵۷۹۔ ایضاً، ص ۱۵۔

۵۸۰۔ ترتیب المدارک، ۱/ ۵۹؛ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ (مترجم) ۱/ ۱۷۶۔

۵۸۱۔ شاہ ولی اللہ، مصفٰی شرح مؤطا امام مالکؒ (مقدمہ) (مطبع دہلی)، ص ۱۱۔

۵۸۲۔ سیوطی، تزئین الممالک، ص ۸؛ تذکرۃ الحفاظ، (مترجم) ۱/ ۱۷۸۔

۵۸۳۔ تذکرۃ المحدثین، ص ۲۳۔

۵۸۴۔ سیر اعلام، ۸/ ۹۶؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ترجمہ مالکؒ۔

۵۸۵۔ کتاب الامامۃ، ۲/ ۲۸۲؛ ابن خلدون، التاریخ، ۳/ ۱۹۰۔

۵۸۶۔ یہ ضخیم کتاب مصر سے چھپ چکی ہے۔

۵۸۷۔ تذکرۃ المحدثین، ۱/ ۳۳۔

۵۸۸۔ عراقی، کاروانِ حدیث، ص ۳۰۔

۵۸۹۔ ترتیب المدارک، ۱/ ۹۲۔

۵۹۰۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/ ۱۵۵۔

۵۹۱۔ ترتیب المدارک، ۱/ ۱۱۳۔

۵۹۲۔ تذکرۃ المحدثین، ۱/ ۳۰۔

۵۹۳۔ ایضاً۔

۵۹۴۔ ایضاً، ۱/ ۳۱-۳۲۔

۵۹۵۔ ترتیب المدارک، ۱/ ۳۹۔

۵۹۶۔ حیات امام مالک، ص ۷۹؛ اصلاحی، تذکرۃ المحدثین، ۱/ ۳۳-۳۵۔

۵۹۷۔ ترتیب المدارک، ۱/ ۶۲۔

۵۹۸۔ مؤطا (مقدمہ تحقیق) ص ۶۔

۵۹۹۔ ایضاً۔

۶۰۰۔ ایضاً۔

۶۰۱۔ ترتیب المدارک، ۱/۶۱۔

۶۰۲۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر، تفسیر قرآن کا مفہوم، آداب اور تقاضے (مجلس تحقیق الأثری، جہلم ۱۹۹۱ء) ص ۶۴؛ خطیب بغدادی، جامع اخلاق الراوی، ۱/۱۸۴۔

۶۰۳۔ ترتیب المدارک، ۱/۶۳۔

۶۰۴۔ ایضاً۔

۶۰۵۔ ایضاً، ۱/۶۵۔

۶۰۶۔ ایضاً، ۱/۶۴۔

۶۰۷۔ ترتیب المدارک، ۱/۴۹۔

۶۰۸۔ الفجر (۸۹) ۲۷ تا ۳۰۔

۶۰۹۔ سیر اعلام النبلاء، ۸/۱۳۰۔

۶۱۰۔ قاموس المحیط، ۱/۲۲۔

۶۱۱۔ حیات امام مالکؒ، ص ۸۷۔

۶۱۲۔ ایضاً، ص ۸۷۔

۶۱۳۔ لکھنوی، عبدالحئی، مقدمہ التعلیق المجد علی المؤطا امام محمد۔

۶۱۴۔ نواب صدیق حسن خان، اتحاف النبلاء، ص ۱۶۵۔

۶۱۵۔ محمد عبدہ، امام مالک اور ان کی مؤطا (مکتبہ ناصریہ، حاجی آباد، فیصل آباد، ۱۹۹۸ء) ص ۲۰-۲۱۔

۶۱۶۔ ترتیب المدارک ۱/۱۰۲۔

۶۱۷۔ ایضاً، ۱/۱۰۲۔

۶۱۸۔ اردو دائرۃ معارف اسلامیہ، ۱۸/۳۷۹۔

۶۱۹۔ حجۃ اللہ البالغہ، ۱/۱۳۳۔

۶۲۰۔ محمد زکریا کاندھلوی، مقدمہ اوجز المسالک، ص ۲۱۔

۶۲۱۔ تزئین الممالک، ص ۴۳۔

۶۲۲۔ مقدمہ ابن صلاح۔

۶۲۳۔ ترتیب المدارک، ۱/۱۰۳۔

۶۲۴۔ محمد زکریا کاندھلوی، اوجز المسالک الی مؤطا امام مالک (مقدمہ) ص ۲۸۔

۶۲۵۔ ترتیب المدارک، ۱/۱۴۱-۱۴۴۔

۶۲۶۔ مقدمہ التعلیق الممجد علی موطا امام بحوالہ سیر النبلاء۔

۶۲۷۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب، ترجمہ امام مالکؒ۔

۶۲۸۔ تزئین الممالک بمناقب الامام مالک، طبع خیریہ مصر، ص ۴۴۔

۶۲۹۔ تدریب الراوی، ص ۵۶؛ قوت المغتذی علی جامع الترمذی، ص ۵۔

۶۳۰۔ شاہ ولی اللہ، المصفی شرح مؤطا (دیباچہ)۔

۶۳۱۔ علوم الحدیث، ص ۱۲۲۔

۶۳۲۔ ترتیب المدارک، ۱/۱۰۲۔

۶۳۳۔ مالک بن انس، مؤطا (مقدمہ) ص ۹۔

۶۳۴۔ ایضاً، ص ۱۰۔

۶۳۵۔ ایضاً، ص ۱۲۔

۶۳۶۔ ندوی، سید سلیمان، حیات امام مالک، ص ۸۸۔

۶۳۷۔ ابن ابی العز، الاتباع، ص ۳۶۔

۶۳۸۔ عینی، عمدۃ القاری (ادارۃ الطباعۃ لاہور ۱۳۴۸ھ) ۱/ ۵؛ ابن خلکان، وفیات الاعیان (منشورات الرضی قم) امام بخاری کے لئے ۴/ ۱۸۸؛ امام مسلم کے لئے، ۵/ ۱۹۴)۔

۶۳۹۔ تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۳۷-۴۲: ما اتصل سنده بنقل العدل الضابط عن مثله الی منتهاه من غیر شذوذ ولا علة۔

۶۴۰۔ الخطیب البغدادی، تاریخ بغداد (دار الکتاب العربی بیروت) ۲/ ۲۴-۲۵۔

۶۴۱۔ تہذیب التہذیب، ۹/ ۴۳۔

۶۴۲۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۲/ ۴۲۱۔

۶۴۳۔ ھدی الساری، ص ۴۸۲۔

۶۴۴۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۲/ ۴۱۸، وموته ذهاب العلم۔

۶۴۵۔ تہذیب التہذیب، ۹/ ۴۳۔

۶۴۶۔ ھدی الساری، ص ۴۸۳ فضل محمد بن اسماعیل علی العلماء کفضل الرجال علی النساء۔

۶۴۷۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۲/ ۴۲۴۔

۶۴۸۔ ایضاً،ص۳۳۲؛الخطیب البغدادی،تاریخ بغداد،۱۳/۱۰۲۔

۶۴۹۔ تذکرۃ الحفاظ،۲/۵۵۶۔

۶۵۰۔ شبیر احمد عثمانی،مقدمہ فتح الملہم،۱/۱۰۰۔

۶۵۱۔ تذکرۃ،۲/۵۸۸-۵۸۹۔

۶۵۲۔ تہذیب التہذیب،۱۰/۱۱۵۔

۶۵۳۔ تاریخ بغداد،۱۳/۱۰۱۔

۶۵۴۔ تذکرۃ،۲/۵۸۹۔

۶۵۵۔ ابن ابی حاتم،کتاب الجرح والتعدیل،ج۸،جز۴،۱،ص۱۸۲۔

۶۵۶۔ تہذیب التہذیب، ۱۰/۱۱۵۔

۶۵۷۔ بستان المحدثین،ص۲۸۰؛شبیر احمد عثمانی،مقدمہ فتح الملہم شرح مسلم،۱/۱۰۰۔

۶۵۸۔ السخاوی، فتح المغیث، ۱/۱۵۱۔ اسی طرح حضرت مولانا صفدر لکھتے ہیں: ''امت کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ بخاری و مسلم دونوں کی تمام روایتیں صحیح ہیں'' (احسن الکلام/ ج۱،ص۱۸۷(بحوالہ مولانا ارشاد الحق اثری،''مولانا سرفراز اپنی تصانیف کے آئینہ میں'')۔

۶۵۹۔ تدریب الراوی،۱/۱۳۱-۱۳۲۔

۶۶۰۔ مقدمہ ابن الصلاح،ص۲۵۔

۶۶۱۔ النووی،التقریب والتیسیر،ص۲۶۔

۶۶۲۔ ابن تیمیہ،الفتاوی،۲۰/۳۲۱۔

۶۶۳۔ طیبی،الخلاصہ فی اصول الحدیث،ص۳۰۔

۶۶۴۔ الذہبی،الموقظہ،ص۸۰۔

۶۶۵۔ الموقظہ،ص۸۰(الحواشی)۔

۶۶۶۔ ابن کثیر،اختصار علوم الحدیث،ص۳۳۔

۶۶۷۔ العینی،عمدۃ القاری،۱/۵۔

۶۶۸۔ زکریا الانصاری،فتح الباقی،۱/۴۰۔

۶۶۹۔ حجۃ اللہ البالغہ،۱/۱۳۵۔

۶۷۰۔ تاریخ بغداد،۲/۸۔

۶۷۱۔ تدریب الراوی،۱/ ۸۸؛ابوالولید الباجی،التعدیل والتجریح،۱/۳۰۹؛ھدی الساری،ص۷۔

۶۷۲۔ عمدۃ القاری،۱/۵۱؛ ابن خلکان، الوفیات،۳/۳۷۰؛ تاریخ بغداد،۲/۱۴۔

۶۷۳۔ ھدی الساری، ص۴۸۹؛ التعدیل والتجریح،۱/۳۱۰۔

۶۷۴۔ ھدی الساری، ص۴۸۹؛ التعدیل والتجریح،۱/۳۱۰۔

۶۷۵۔ ھدی الساری، ص۴۸۹۔

۶۷۶۔ ھدی الساری، ص۴۸۳: الا اریك سحرا۔

۶۷۷۔ النووی، تقریب مع تدریب،۱/۸۸۔

۶۷۸۔ القسطلانی، ارشاد الساری،۱/۳۱: فلله دره من تالیف رفع علمه بمعارف معرفته۔

۶۷۹۔ البخاری، رباعیات الامام البخاری، ص۷۵۔

۶۸۰۔ تاریخ بغداد،۱۳/۱۰۲؛ سیر اعلام النبلاء،۱۲/۵۷۰۔

۶۸۱۔ ابن الصلاح، صیانہ صحیح مسلم، ص۶۷، ھذا الکتاب ثانی کتاب صنف فی صحیح الحدیث سبق البخاری الی ذلك۔

۶۸۲۔ تاریخ بغداد،۱۳/۱۰۱؛ سیر اعلام النبلاء، ابن صلاح،۱۲/۵۶۵؛ صیانہ صحیح مسلم، ص۶۷۔

۶۸۳۔ صیانہ صحیح مسلم، ص۶۸۔

۶۸۴۔ تذکرۃ الحفاظ،۲/۵۸۹۔

۶۸۵۔ صیانہ صحیح مسلم، ص۶۸۔

۶۸۶۔ ھدی الساری، ص۴۹۱۔

۶۸۷۔ کتاب الشھادی فی مصطلح الحدیث، ص۱۶-۱۷۔

۶۸۸۔ المقدسی، ابوالفضل محمد بن طاہر، شروط الائمۃ الستۃ،۱۳-۱۴۔

۶۸۹۔ ایضاً، ص۱۳-۱۴۔

۶۹۰۔ البخاری، الجامع الصحیح،۲/۷۹۴: عن علی قال قال رسول اللہ ﷺ: رفع القلم عن ثلاث: عن المجنون حتی یفیق وعن الصبی حتی یدرك وعن النائم حتی یستیقظ (احمد، المسند،۴/۱۰۰-۱۰۱ عن عائشہ بالفاظ مختلفہ)۔

۶۹۱۔ السخاوی، فتح المغیث، (المکتبۃ السلفیۃ المدینۃ المنورۃ/۱۳۸۸ھ)۲/۳۔

۶۹۲۔ محدثین کی اصطلاح میں تدلیس اس کو کہتے ہیں کہ راوی کسی ایسے شخص سے روایت بیان کرے جو اس کا ہم عصر تو ہو مگر اس نے حدیث اس سے نہ سنی ہو۔ اور راوی صیغہ روایت ایسا استعمال کرے جس سے حدیث کے مسلسل و متصل ہونے کا مغالطہ ہو)(ملاحظہ ہو کتب حدیث، کتب اصطلاح حدیث، مثلاً مقدمہ ابن

الصلاح، ص۹۵ اور النکت علی مقدمہ ابن الصلاح، ۶۱۳/۲۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو التحدیث فی علوم الحدیث، مؤلفہ مقالہ نگار، ص۱۸۵ تا ۱۹۱)۔

۶۹۳۔ ابوبکر محمد بن موسیٰ الحازمی، شروط الائمۃ الخمسہ ص۴۵-۴۷ (مکمل پانچوں شرائط)

۶۹۴۔ دونوں حضرات نے یقیناً ایسے راویوں سے بھی روایت کی ہے جن کی ثقاہت پر اتفاق ہے۔ عام طور پر لوگوں کی رائے یہ ہے کہ جن لوگوں سے صحیحین میں روایتیں لی گئی ہیں انکے بارے میں راجح رائے توثیق کی ہی ہے۔ اگرچہ بعض غیر محدثین اور متعصب لوگوں نے بعض پر تنقید کی ہے لیکن تمام رواۃ کا محدثین نے دفاع کیا ہے۔

۶۹۵۔ شروط الائمۃ الستۃ، ص۱۳-۱۴۔

۶۹۶۔ الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ۔

۶۹۷۔ شروط الائمۃ الخمسہ، ص۳۲-۳۳۔

۶۹۸۔ المدخل الی کتاب الاکلیل، ص۳۳۔

۶۹۹۔ شروط الائمۃ الخمسہ، ص۳۷-۴۲۔

۷۰۰۔ ابن الصلاح، صیانۃ صحیح مسلم، ص۷۲: شرط مسلم فی صحیحه أن یکون الحدیث متصل الاسناد، بنقل الثقة عن الثقه من اوله الی منتهاه سالما من الشذوذ ومن العله هذا هو الحدیث الصحیح۔

۷۰۱۔ الصنعانی، توضیح الافکار، ۱۰۹/۱-۱۱۰، نووی شرح صحیح مسلم ۲۱/۱: وهذا الذی صار الیه مسلم قد انکره المحققون وقالوا: هذا الذی صار الیه ضعیف والبین رده هو المختار الصحیح الذی علیه آئمه هذا الفن علی بن المدینی والبخاری وغیره محمد عبده، صحاح ستہ اور ان کے مؤلفین، ص۴۷۔

۷۰۲۔ القاسمی، قواعد التحدیث، ص۸۲۔

۷۰۳۔ شروط الائمۃ الخمسہ، ص۳۸-۳۹ (تمام طبقات)۔

۷۰۴۔ کشف الظنون، ۱۸۱/۱۔

۷۰۵۔ مقدمہ، ابن الصلاح، ص۱۲۲۔

۷۰۶۔ ایضاً، ص۱۲۲۔

۷۰۷۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱۳۶/۲۔

۷۰۸۔ ایضاً، ۱۹۱/۲۔

۷۰۹۔ ایضاً۔

۷۱۰۔ ایضاً، ۱/۲۹۱۔

۷۱۱۔ ایضاً۔

۷۱۲۔ کشف الظنون، ۱/۱۸۰-۱۸۳۔

۷۱۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ۳/۱۲۹۔

۷۱۴۔ ایضاً، ۳/۱۳۰۔

۷۱۵۔ ایضاً، ۳/۱۳۰۔

۷۱۶۔ ایضاً۔

۷۱۷۔ ایضاً۔

۷۱۸۔ ایضاً، ۴/۳۳۔

۷۱۹۔ ایضاً۔

۷۲۰۔ ایضاً۔

۷۲۱۔ ایضاً۔

۷۲۲۔ ایضاً، ۴/۸۲-۸۳۔

۷۲۳۔ ایضاً، ۴/۸۳۔

۷۲۴۔ ایضاً، ۴/۸۳۔

۷۲۵۔ ایضاً، ۴/۸۴۔

۷۲۶۔ ایضاً، ۴/۸۵۔

۷۲۷۔ ایضاً۔

۷۲۸۔ ابوعلی القالی، الامالی (منشورات دارالافاق الجدیدۃ، بیروت ۱۹۸۰ء) ترجمۃ المؤلف۔

۷۲۹۔ ایضاً، ترجمہ المؤلف۔

۷۳۰۔ ایضاً، ۱/۳۔

۷۳۱۔ ایضاً۔

۷۳۲۔ ایضاً۔

۷۳۳۔ ایضاً، ۱/ ۷-۸۔

۷۳۴۔ ایضاً، ۱/۸۔

۳۵۔ تذکرۃ الحفاظ ۴/۱۹۴۔

۳۶۔ ایضاً ۴/۱۶۴۔

۳۷۔ ایضاً۔

۳۸۔ ابن الحاجب، الامالی (دارالجبل بیروت ۱۴۰۹ھ) ۱/۱۳۔

۳۹۔ ایضاً، ۱/۲۰۔

۴۰۔ یہ کتاب ''دارالجیل بیروت نے ۱۴۰۹ھ میں شائع کی ہے۔

۴۱۔ الفیومی، احمد بن محمد، المصباح المنیر (دارالھجرۃ قم، ایران، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۵ھ) ۲/۴۹۲۔

۴۲۔ معجم اصطلاحات، ص ۱۶۴۔

۴۳۔ ایضاً (مقدمہ)، ص ۷۔

۴۴۔ الاحادیث القدسیہ، حدیث نمبر ۴۵، ص ۴۹۔

۴۵۔ ایضاً، ص ۹-۱۰؛ معجم اصطلاحات الحدیث، ص ۱۶۴-۱۶۵۔

۴۶۔ معجم اصطلاحات الحدیث، ص ۱۶۵۔

۴۷۔ ایضاً۔

۴۸۔ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن نے دوسرا ایڈیشن ۱۳۵۸ھ میں شائع کیا۔

۴۹۔ یہ کتاب دارالکتاب العربی بیروت سے ۱۹۹۹ء میں پہلی دفعہ شائع ہوئی۔

۵۰۔ الاسعدی، مولانا محمد عبداللہ، علوم الحدیث، ص ۳۹ تا ۴۱۔

۵۱۔ معجم اصطلحات الحدیث، ص ۱۶۵۔

۵۲۔ ڈاکٹر حبیب اللہ مختار، مقدس باتیں (پیش لفظ) (دارالتصنیف جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی، سن طباعت ۱۹۹۰ء)، ص ۲۱۔

۵۳۔ ایضاً، ص ۱۴۔

۵۴۔ مقدس باتیں، ص ۶۴۔

۵۵۔ ایضاً، ص ۱۲۲۔

۵۶۔ مکتبہ قدوسیہ لاہور نے ۱۹۸۸ء میں شائع کیا، طبع دوم۔

۵۷۔ عزالدین ابراہیم، احادیث قدسیہ (مکتبہ قدوسیہ لاہور ۱۹۸۸ء، طبع دوم) مقدمہ، ص ۵۔

۵۸۔ ایضاً، ص ۷۔

۵۹۔ ایضاً، ص ۸۶-۸۷۔

۷۶۰۔ Dr. Abdul Wadood, Forth Hadith Qudsi, Darul Quran Alkareem, Beirut, Damascus, 1st edition 1980.

۷۶۱۔ احمد سعید دہلوی، الہدایۃ السنیہ فی الاحادیث القدسیہ (احادیث قدسیہ، اللہ کی باتیں) شعبہ تحقیق وتصنیف، دارالمطالعہ حاصل پور، ۱۳۶۰ء۔

۷۶۲۔ ایضاً، ص ۵-۶، ۱۳ تا ۲۲۴۔

۷۶۳۔ معجم، ص ۶۰۔

۷۶۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/ ۲۶۹۔

۷۶۵۔ ایضاً، ۱/ ۲۶۹-۲۷۲۔

۷۶۶۔ ایضاً، ۲/ ۹۶-۹۷۔

۷۶۷۔ ایضاً، ۲/ ۱۵۱۔

۷۶۸۔ ایضاً، ۲/ ۲۲۴-۲۲۵۔

۷۶۹۔ وکیع بن جراح، کتاب الزھد (مکتبہ الدار المدینہ المنورہ، الطبعۃ الاولی ۱۹۸۴ء) ۱/ ۲۲۳-۲۲۴۔

۷۷۰۔ ایضاً، مقدمہ التحقیق۔

۷۷۱۔ ایضاً، ۳/ ۸۶۲۔

۷۷۲۔ ایضاً، ۳/ ۸۵۵۔

۷۷۳۔ کیکلدی العلائی، جامع التحصیل فی احکام المراسیل (عالم الکتب بیروت، ۱۹۹۷ء) مقدمہ التحقیق۔

۷۷۴۔ ایضاً، ص ۲۲۔

۷۷۵۔ ایضاً، ص ۳۱۹۔

۷۷۶۔ بخاری، کتاب رفع الیدین فی الصلاۃ (دار ابن حزم بیروت، طبع اول ۱۹۹۶ء) ص ۱۷۹۔

۷۷۷۔ ملاحظہ ہو فہرست کتاب۔

۷۷۸۔ ابن ابی الدنیا، مکارم الاخلاق (دار الکتب العلمیہ بیروت، ۲۰۰۰ء) ص ۳-۴۔

۷۷۹۔ معجم اصطلاحات، ص ۳۴۸-۳۴۹۔

۷۸۰۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/ ۲۶۶-۲۶۷۔

۷۸۱۔ کشف الظنون، ۲/ ۵۸۰۔

۷۸۲۔ عبدالرزاق، المصنف (داراحیاء التراث العربی بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۲۰۰۲ء) ۱/ ۵۔

۷۸۳۔ ایضاً، ۱/ ۵۔

۷۸۴۔ ایضا،۱۱/۲۱۳۔

۷۸۵۔ تذکرۃ الحفاظ،۲/۱۶۔

۷۸۶۔ کشف الظنون،۲/۵۸۰۔

۷۸۷۔ ابن بکر، ابن ابی شیبہ، عبداللہ بن محمد، المصنف (مقدمہ المحقق) (دارالفکر بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۸۹ء) ۱/۸-۱۰۔

۷۸۸۔ ایضا،۱/۱۱،۸/۷۰۳۔

۷۸۹۔ ایضا،۱/۱۱۔

۷۹۰۔ ایضا،۸/۷۴۳۔

۷۹۱۔ ڈاکٹر رفیق حسن، فن کتابۃ التلخیص والمختصرات (مرکز المخطوطات التراث الوثائق الکویت،۲۰۰۲ء) ص۱۴۔

۷۹۲۔ معجم المؤلفین (داراحیاء التراث العربی بیروت) ۶/۴۰۔

الزرکلی، الاعلام (دارالعلم للملایین بیروت طبعہ ثامنہ ۱۹۸۹ء) ۴/۸۹۔

۷۹۳۔ ابن ابی جمرہ الازدی، مختصر صحیح البخاری (مؤسسہ المکتب الثقافیہ، بیروت ۱۹۸۶ء)، ص۱۳۔

۷۹۴۔ مختصر صحیح بخاری، ص۱۹۔

۷۹۵۔ ایضا، ص۲۹-۳۰۔

۷۹۶۔ ایضا، ص۲۱۰۔

۷۹۷۔ ایضا، ص۲۱۵۔

۷۹۸۔ محمد بن ابراہیم شیبانی، مختصر کتاب ''الالبانی جھودہ وحیاتہ العلمیۃ وثناء العلماء علیہ'' (منشورات مرکز المخطوطات والتراث والوثائق الکویت،۱۹۹۴ء) ص۷۔

۷۹۹۔ ایضا، ص۷۔

۸۰۰۔ ایضا، ص۱۰۔

۸۰۱۔ ایضا، ص۲۶۔

۸۰۲۔ ایضا، ص۵۰ تا ۶۶۔

۸۰۳۔ الالبانی، محمد ناصر الدین، مختصر الجامع الصحیح (کلمۃ بین یدیہ، المختصر (المکتب الاسلامی بیروت/دمشق، الطبعۃ الاولی ۱۳۹۹ھ) ص ز-ہ۔

۸۰۴۔ ایضا، ص۳۔

۸۰۵۔ البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر۱، ص۱۔

۸۰۶۔ مختصر صحیح بخاری، ص۳۔

۸۰۷۔ صحیح بخاری، ص۶۔

۸۰۸۔ ایضاً، ص۶۔

۸۰۹۔ البخاری، الجامع الصحیح، ص۵، حدیث نمبر ۸؛ مختصر الجامع الصحیح، حدیث نمبر۵۔

۸۱۰۔ مختصر الجامع الصحیح، ص۴۷۷۔

۸۱۱۔ الطائی، ابوالفتوح محمد بن محمد، الاربعین فی ارشاد السائرین الی منازل المتقین (مخطوط مکتبہ چسٹر بٹی، ڈبلن، برطانیہ نمبر ۳۴۵۹) ص۲۴ (الف)۔

۸۱۲۔ الرسالہ المستطرفہ، ص۱۷۳۔

الاشبیلی، محمد بن خیر، فہرسہ (مکتبہ المثنی بغداد، الطبعہ الثالثہ، ۱۹۶۷ء) ص۱۲۲۔

۸۱۳۔ الرسالہ المستطرفہ، ص۱۷۳۔

۸۱۴۔ ایضاً۔

۸۱۵۔ ایضاً۔

۸۱۶۔ ایضاً، ص۱۷۳-۱۷۴۔

۸۱۷۔ ایضاً، ص۱۷۴۔

۸۱۸۔ ایضاً، ص۱۷۴؛ کحالہ، عمر رضا، معجم المؤلفین (مطبعہ الترقی، دمشق ۱۹۶۱ء) ۵/۱۵۹۔

۸۱۹۔ مصطفیٰ بن عبداللہ، کشف الظنون، ۱/۵۳۶۔

۸۲۰۔ الرسالہ المستطرفہ، ص۱۷۵۔

۸۲۱۔ ایضاً۔

۸۲۲۔ ایضاً۔

۸۲۳۔ ایضاً۔

۸۲۴۔ عجاج الخطیب، لمحات فی المکتبہ والبحث والمصادر (دمشق، بیروت، الطبعہ الرابعہ ۱۹۷۵ء) ص۱۷۳۔

۸۲۵۔ ایضاً۔

۸۲۶۔ ایضاً۔

۸۲۷۔ الرسالہ المستطرفہ، ص۱۷۸۔

۸۲۸۔ ایضاً، ص۱۷۹۔

۸۲۹۔ ایضاً۔

۸۳۰۔ ایضاً،ص ۱۸۰؛ لمحات فی المکتبہ والبحث والمصادر،ص ۱۷۵۔

۸۳۱۔ کشف الظنون،ص ا/۱۵۸۔

۸۳۲۔ الزرکلی، الاعلام، ۶/۲۸۳۔

۸۳۳۔ ایضاً۔

۸۳۴۔ لمحات فی المکتبہ والبحث والمصادر،ص ۱۷۶۔

۸۳۵۔ ایضاً۔

۸۳۶۔ ایضاً۔

۸۳۷۔ ایضاً۔

۸۳۸۔ الرسالہ المستطرفہ،ص ۱۸۱۔

۸۳۹۔ لمحات فی المکتبہ والبحث والمصادر،ص ۱۷۱۔

۸۴۰۔ ابن دقیق العید،شرح الاربعین النوویہ (مؤسسہ الطباعۃ والصحافۃ والنشر جدہ،۱۹۸۲ء) ص ۴۔

۸۴۱۔ الرسالہ المستطرفہ،ص ۱۰۳؛ کشف الظنون، ا/۵۶۔

۸۴۲۔ الفاسی، ابوطیب التقی محمد بن احمد، العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین (مطبعۃ السنۃ المحمدیہ القاہرہ، ۱۹۵۸ء) ا/۳۳۱۔

باب پنجم

تاریخ حدیث

مراکز حدیث

رسول اللہ ﷺ بحیثیت معلم مبعوث ہوئے۔ مکہ مکرمہ کے حالات ناسازگار ہونے کے باوجود یہاں پر آپ ﷺ اپنے فرائض معلمی سرانجام دیتے رہے۔ اس دور میں کوئی باقاعدہ درس گاہ تو نہیں تھی۔ مسجد ابی بکر، دارارقم، بیت فاطمہ بنت خطاب اور شعب ابی طالب وغیرہ کو کسی حد تک درس گاہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس کے باوجود مکی دور میں متعدد قراء و معلمین پیدا ہوئے جنہوں نے دوسروں کو قرآن و حدیث کی تعلیم دی۔ حضرت خبابؓ بن ارت مکہ میں فاطمہؓ بنت خطاب کے گھر میں قرآن و حدیث کی تعلیم دیتے تھے۔

مدینہ منورہ میں حضرت سالمؓ مولی ابوحذیفہ ہجرت سے پہلے قبا میں، حضرت مصعبؓ بن عمیر اور ابن ام مکتومؓ، نقیع الخضمات میں اور حضرت رافعؓ بن مالک زرقی مسجد بنی زریق میں تعلیمی خدمات انجام دیتے تھے۔

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں مرکزی درسگاہ (صفہ) قائم ہوئی جس میں سید المعلمین رسول اللہ ﷺ تعلیم دیتے تھے نیز حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت ابی کعبؓ اور حضرت عبادہؓ بن

صامت وغیرہ اس درس گاہ کے معلم ومقری تھے یہاں کے طلبہ (صحابہ) اپنے گھروں میں بچوں اور عورتوں کو تعلیم دیتے تھے۔ مختلف علاقوں سے قبائل اور وفود مدینہ منورہ آ کر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ درس گاہ نبوی سے تعلیم حاصل کر کے قبائل کے رئیس وترجمان اپنے اپنے قبیلے میں تعلیم دیتے تھے۔ رسول اللہ صحابہ کو معلم بنا کر مختلف قبائل میں روانہ کرتے تھے۔ اس دور میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور یمن کے مختلف علاقوں میں تعلیم وتعلم کی سرگرمیاں زیادہ تھیں۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام کی مساعی جمیلہ کی بدولت اسلامی حکومت کے دائرہ میں بڑی وسعت آئی اور وہاں کے رہنے والے حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور اسلامی تعلیمات کو سیکھنے کا تقاضا کرنے لگے۔ چنانچہ صحابہؓ اپنی مرضی سے ان شہروں میں جا کر لوگوں کو قرآن وحدیث کی روشنی میں اسلامی احکام سے آگاہ کرنے لگے۔ بعض صحابہ نے ان شہروں کو پسند کر کے اپنا وطن بنالیا اور پھر زندگی بھر وہ وہیں مقیم رہے وہاں قرآن وحدیث کی تعلیم وتدریس کے مدارس ومراکز کھولے۔ ان مدارس ومراکز میں مختلف علاقوں کے طلبہ ان کے چشمہ علم سے اپنی پیاس بجھاتے اور ان سے وہ فیوض حاصل کرتے جو انہوں نے سرور کائنات ﷺ سے ورثہ میں پائے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مفتوحہ علاقوں کے ہر گوشہ سے تابعین کا ایک گروہ فارغ التحصیل ہو کر نکلا جو آگے چل کر احادیث کا حامی ومحافظ اور راوی وناقل ثابت ہوا اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس وقت دور حاضر کی طرح مدارس وکالج کھلے جہاں خصوصی انتظامات تھے اور لیکچر روم ہوتے تھے بلکہ لوگ فطری سادگی کو اپنائے ہوئے تھے۔ صحابہ کے سینے دینی علوم کا مخزن تھے۔

مسجدیں اس دور میں مراکز حدیث، دارالحدیث اور درس گاہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ معلم مسجد میں بیٹھ جاتے ان کے تلامذہ ان کے گرد حلقہ باندھ کر ان کی باتیں سنتے اور ان کو اپنے سینوں میں جاگزین کرتے۔ تلامذہ سوال کرتے اور معلم ان کو قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیتے یا اپنے اجتہاد سے جو قرآن وحدیث سے ہی ماخوذ ہوتا تھا جن ملکوں اور شہروں میں حدیث کے مراکز (دار الحدیث) قائم ہوئے ان کی فہرست بہت طویل ہے ان میں سے چند مشہور مراکز حدیث یہ ہیں:

مکہ مکرمہ کے مراکز حدیث

مکہ مکرمہ وہ حرم پاک ہے جہاں سے وحی نبوت کا آغاز ہوا اور حضور ﷺ نے بعثت کے تیرہ

سال گزارے ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے کوئی مرکزی درسگاہ نہیں تھی، جہاں رہ کر سکون واطمینان سے باقاعدہ تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری رکھتے۔ اس زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کی ذات ہی متحرک درس گاہ تھی۔ صحابہ کرام میں سے چند حضرات چھپ چھپا کر قرآن کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس دور کے ایسے مقامات اور حلقات کو درس گاہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جہاں حالات کی نزاکت اور ضرورت کے مطابق کسی نہ کسی انداز میں قرآن پڑھا پڑھایا جاتا تھا۔ ان میں سے زیادہ نمایاں ابن ابی ارقم کا مکان (دارارقم) ہے۔

ا۔ دارارقم

حضرت ارقم بن ابوارقمؓ سابقون اولون اسلام لانے والوں میں سے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں ان کا مکان کوہ صفا کے اوپر واقع تھا، اس جگہ کو اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کو دارالسلام کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

نبوت کے پانچویں سال بعض صحابہؓ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور مکہ میں رہ جانے والے حضرات سخت حالات کا مقابلہ کر رہے تھے یہاں تک کہ ٦ سن نبوی میں رسول اللہؐ اور صحابہ کرام نے دار ارقم میں پناہ لی اور یہیں سے دعوت اسلام کا فریضہ ادا کرتے رہے اس میں قرآن وحدیث کی تعلیم وتعلم کا شغل بھی جاری رہا۔

مستدرک حاکم میں ہے: كان النبي ﷺ يسكن فيها في أوّل الاسلام وفيها يدعو الناس إلى الإسلام فأسلم فيها قوم كثير (١) (رسول اللہ ابتدائے اسلام میں اسی مکان میں رہتے تھے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے اور بہت سے لوگ مسلمان ہوئے)۔ اور ابو الولید ازرقی لکھتے ہیں: يجتمع هو واصحابه عند الارقم بن أبي الأرقم ويقرء هم القران ويعلمهم فيه (٢) (رسول اللہ اور صحابہ کرام دار ارقم میں جمع ہوتے تھے اور آپؐ لوگوں کو قرآن پڑھاتے اور دین (حدیث) کی تعلیم دیتے تھے)۔ یہاں رسول اللہؐ اور صحابہ کرام تقریباً ایک ماہ رہ کر خفیہ تعلیم وتعلم اور دعوت اسلام میں لگے رہے۔ اس مدت میں حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا تو مسلمانوں نے علی الاعلان کعبہ میں نماز پڑھنا شروع کی اور ان میں ایمانی جرأت پیدا ہوئی۔ دارارقم کے

علاوہ مسجد ابوبکر اور بیت فاطمہ بنت خطاب کو بھی درس گاہ شمار کیا جاتا ہے۔

مکہ مکرمہ میں درس حدیث

جب آنحضورؐ نے مکہ کو فتح کیا تو قرآن کریم کی تعلیم وتدریس اور حلال وحرام کے مسائل سکھانے کے لیے حضرت معاذؓ بن جبل کو وہاں قیام کرنے کا حکم دیا۔ حضرت معاذؓ علم وحلم اور جود و سخاوت کے اعتبار سے انصاری صحابہؓ میں ممتاز تھے۔ آپ تمام غزوات میں شرکت کا شرف حاصل کر چکے تھے۔ اور صحابہؓ میں حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم شمار ہوتے تھے۔ حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت ابن عباسؓ بصرہ سے لوٹ کر مکہ آ گئے تو وہاں کے دار الحدیث کے رئیس وزعیم قرار پائے۔ مکہ کو جو علمی شہرت حاصل ہوئی وہ انہیں کی مساعی جمیلہ کی ثمرہ تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ابن عباسؓ مخزن علم اور جلیل القدر حافظ حدیث تھے۔ اس دور میں مکہ میں اور بھی بہت سے صحابہؓ تھے جن کا تذکرہ محدث حاکم نے اپنی کتاب ''معرفۃ علوم حدیث'' میں کیا ہے۔

۱۔ عیاضؓ بن ربیعہ مخزومی
۲۔ عبداللہؓ بن ربیعہ مخزومی
۳۔ حارثؓ بن ھشام
۴۔ عکرمہؓ بن ابی جہل
۵۔ عبداللہؓ بن سائب مخزومی
۶۔ عتابؓ اسید
۷۔ خالدؓ بن اسید
۸۔ حکمؓ بن ابی العاص
۹۔ عثمانؓ بن طلحہ
۱۰۔ عقبہؓ بن الحارث
۱۱۔ شیبہؓ بن عثمان الحجبی
۱۲۔ صفوانؓ بن امیۃ
۱۳۔ ابومحذورہؓ
۱۴۔ مطیعؓ بن الاسود
۱۵۔ عبداللہؓ بن مطیع
۱۶۔ مہاجرؓ بن قنفد
۱۷۔ سھیلؓ بن عمرو
۱۸۔ عمیرؓ بن قتادہ لیثی
۱۹۔ کرزؓ بن علقمہ
۲۰۔ تمیمؓ بن اسد
۲۱۔ اسودؓ بن خلف
۲۲۔ ابوشریح کعبیؓ
۲۳۔ عبداللہؓ بن حبیش
۲۴۔ عبداللہؓ بن صفوان

۲۵۔ لقیطؓ بن حیرہ ۲۶۔ ایاسؓ بن عبدالمزنی (۳)

امام ذہبی لکھتے ہیں: ''مکہ مکرمہ میں صحابہؓ کے اخیر دور میں اس (علم حدیث) کی کثرت ہوئی اور اسی طرح عہد تابعین میں مجاہدؒ، عطاءؒ، سعیدؒ بن جبیر اور ابن ابیؒ ملیکہ اور پھر ان کے شاگردوں کے دور میں عبداللہؒ بن ابی نجیح، قاریؒ ابن کثیر، حنظلہؒ بن ابی سفیان اور ابنؒ جریج اور ہارون رشید کے وقت میں مسلمؒ زنجی، فضیلؒ، ابن عیینہؒ، ابوعبدالرحمٰنؒ مقری، ازرقیؒ، حمیدیؒ اور سعید بن منصور جیسے علماء پیدا ہوئے ہیں''۔

امام بخاری کو حرمین کے علم پر کتنا اعتماد تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنی صحیح میں ایک مستقل باب باندھا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ تیسری صدی ہجری میں اگرچہ مدینہ طیبہ کی طرح مکہ معظمہ کی بھی وہ پہلی سی علمی رونق باقی نہ رہی تھی۔ تاہم مندرجہ ذیل حضرات کی بدولت ابھی بزرگوں کی یاد تازہ تھی۔

۱۔ حافظ حلوانی۔ ۲۔ حافظ زبیر بن بکار۔
۳۔ حافظ سلمہ بن شبیب۔ ۴۔ حافظ عدنی۔
۵۔ حافظ یعقوب بن حمید۔

ان کے علاوہ ابراہیم بن محمد بن العباس ابواسحاق الشافعی المکی (م ۲۳۷ھ) (یہ امام شافعی کے چچازاد بھائی بھی تھے) حسین بن حرب السلمی المروزی نزیل مکہ (م ۲۲۶ھ) محمد بن عبداللہ بن یزید العدوی ابویحیی المقری المکی (م ۲۵۶ھ) قابل ذکر ہیں۔

۳۔ درس گاہ حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰن نوفلی مکی۔

حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابوحسین بن حارث نوفلی مکی قبیلہ قریش کی شاخ بنونوفل سے ہیں۔ ابن سعد نے لکھا ہے: کان ثقة قلیل الحدیث (وہ ثقہ قلیل الحدیث عالم تھے) (۴)۔ ان کا حلقہ درس مکہ مکرمہ میں منعقد ہوتا تھا۔ ان کی درس گاہ کے فیض یافتہ حضرات میں امام مالکؒ، ابن جریجؒ، لیثؒ بن سعد، محمدؒ بن مسلم طائفی، سفیانؒ بن عیینہ، سفیانؒ الثوری، شعیبؒ بن ابی حمزہ، شعبہؒ، عبداللہؒ بن

اخفش، ابراہیمؒ بن نشیط اور مسلمؒ بن خالد مشاہیر ائمہ ہیں (۵)۔

۴۔ دارالحدیث مکہ مکرمہ

مکہ مکرمہ کا یہ دارالحدیث ۱۳۵۲ھ میں قائم ہوا۔ جس میں ایک صدر المدرسین اور متعدد اساتذہ تھے۔ جہاں مؤطا، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی، تفسیر ابن کثیر اور تفسیر بغوی پڑھائی جاتی تھی۔ نیز علم کلام، اصول حدیث، فقہ واصول فقہ، فرائض اور عربی لغت (ادب عربی) کی تعلیم دی جاتی تھی (۶)۔

۵۔ جامعہ اُم القریٰ

یہ یونیورسٹی مکہ مکرمہ میں ہے۔ اسے ۱۹۷۹ء میں یونیورسٹی کا درجہ دیا گیا ہے۔ اس کے موجودہ وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر ناصر بن عبداللہ الصالح ہیں۔ اس جامعہ میں علوم اسلامی کے تمام شعبے ہیں۔ عالم اسلام کے بڑے محدث اس یونیورسٹی میں پڑھاتے رہے ہیں۔ اب بھی یہ یونیورسٹی اہل علم کو علم حدیث سے سیراب کر رہی ہے۔

مدینہ منورہ کے مراکز حدیث

مدینہ منورہ، مدینۃ العلم تھا۔ یہیں سے پورے عالم اسلام میں دین اور علم دین کی اشاعت ہوئی اور یہیں سے قراء ومحدثین اور ان کے تلامذہ واصحاب نے اپنے اپنے حلقوں اور علاقوں میں علم حدیث پھیلایا۔ مدینہ کی مشہور درسگاہیں اور مراکز حدیث یہ ہیں:

مدینہ منورہ میں درس حدیث

مدینہ طیبہ آنحضرت ﷺ کا دارالہجرۃ اور نبوت کی آخری قیام گاہ تھا اور اس لیے علم نبوت کا اصل مخزن اور منبع ومعدن ہونے کا فخر اسی مبارک شہر کو حاصل ہے۔ یہاں آپ ﷺ کی زیادہ احادیث بیان فرمانے کی وجہ یہ تھی کہ شرعی احکام زیادہ تر مدینہ منورہ میں ہی نازل ہوئے تھے۔ صحابہ مدینہ کی بودوباش

پسند کرتے تھے اور مکہ یا کسی دوسری جگہ نقل مکانی کرنا انہیں گوارہ نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مدینہ ملتِ اسلامیہ اور خلافتِ راشدہ کا مرکز و محور اور صحابہؓ اور علماء کی اقامت گاہ تھا۔ اس اعتبار سے مدینہ کو صحابہؓ کے اولین مسکن ہونے کا شرف حاصل ہے جس کو وہ دوسرے مقامات پر ترجیح دیتے اور آنحضورؐ کی زندگی میں ان کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتے تھے۔ حضورؐ کی وفات کے بعد صحابہ مدینہ کو کسی خاص سیاسی، معاشی یا تعلیمی مجبوری کی بناء پر ہی ترک کرتے تھے۔ چنانچہ عہدِ نبوی ﷺ سے لے کر حضرت علیؓ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ تک ساری دنیائے اسلام کا مرکز یہی تھا (۷) مدینہ میں متعدد صحابہ ایسے تھے جنھوں نے حدیث وفقہ میں بڑی شہرت حاصل کی۔ جن میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں:

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ (کوفہ سکونت اختیار کرنے سے قبل) حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ اور زید بن ثابتؓ۔ یہ حضرات کتاب وسنت سے اخذ کرنے اور اجتہادِ صحیح میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔

دارالہجرۃ مدینہ میں عہد صحابہ میں قرآن وسنت کا علم بہت زیادہ تھا اور زمانہ تابعین میں فقہاء سبعہ جیسے حضرات موجود تھے۔ صحابہ کرامؓ کی آغوش علم وفضل میں جن تابعین نے تربیت پائی ان میں سے مندرجہ ذیل کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

سعید بن المسیبؒ، عروہؒ بن زبیر، ابن شہابؒ زہری، عبیداللہ بن عبداللہؒ بن عقبہ بن مسعود، سالمؒ بن عبداللہ بن عمر، قاسمؒ بن محمد بن ابی بکر، نافع مولیٰؒ ابن عمر۔ یہ حضرات فقہاء سبعہ بھی ہیں (۸) اور صغار تابعین کے دور میں عبیداللہؒ بن عمر، ابن ابیؒ ذئب، ابن عجلانؒ اور جعفر صادقؒ تھے۔ پھر امام مالکؒ، قاری مدینہ نافعؒ، ابراہیم بن سعدؒ، سلیمانؒ بن بلال اور اسمعیلؒ بن جعفر تھے"۔ شاہ ولی اللہؒ مصفٰی شرح مؤطا میں فرماتے ہیں: "مدینہ شریف امام مالک کے زمانہ میں بلاشبہ فضلاء کا مرجع اور اہل علم کی فرودگاہ تھا" (۹) مدینہ طیبہ کی دارالعلم کی حیثیت باقی تھی۔ امام مالک کو اپنے یہاں کے علماء پر اتنا وثوق تھا کہ ان کے نزدیک تعامل اہلِ مدینہ مستقل حجت ہے۔

۱۔ مسجد نبوی (صفہ)

ہجرت عامہ سے دو سال پہلے مدینہ منورہ میں مسجد بنی زریق، مسجد قبا، ونقیع الخضمات اور دیگر

مساجد و مقامات میں قرآن وحدیث اور شرائع اسلام کی تعلیم ہو رہی تھی اور ان میں تعلیمی خدمات انجام دینے والے حضرات کے لیے معلم اور مقری کا لقب مشہور ہو گیا تھا۔ اور ان کے فضلاء و فارغین کی اچھی خاصی تعداد ہو گئی تھی۔

جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے، تو آپ کا معمول تھا کہ نماز فجر کے بعد مسجد نبوی کے ستون ابولبابہ کے پاس تشریف لاتے، جہاں پہلے سے اصحاب صفہ، ضعفاء و مساکین، مؤلفۃ القلوب اور باہر سے آنے والے افراد حلقہ بنا کر بیٹھتے تھے۔ آپ ان کو قرآن وحدیث کی تعلیم دیتے اور ان کی دلجوئی اور دل داری فرماتے، پھر کچھ دیر کے بعد اعیان واشراف اور خوش حال لوگ آتے اور حلقہ میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے کھڑے رہتے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغدلة والعشي يريدون وجهه (۱۰) (آپ ان لوگوں کے ساتھ رہیئے جو صبح وشام اپنے رب کو یاد کرتے ہیں اور اپنے رب کی رضا چاہتے ہیں)۔

اس درس گاہ میں مقامی طلبہ کے علاوہ بیرونی طلبہ بھی کثیر تعداد میں شریک ہوتے تھے۔ ان کی حاضری ہنگامی اور وقتی ہوتی تھی، اور مقامی طلبہ مستقل طور سے حاضر رہتے تھے طلبہ کی تعداد کم وبیش ہوتی رہتی تھی۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کے مطابق اصحاب صفہ کی تعداد ۷۰ ہے (۱۰-۱)۔ جو اس درس گاہ کے ہمہ وقت طلباء تھے۔ حضرت انسؓ فرماتے تھے ہم ساٹھ ساٹھ آدمی رسول اللہ کی مجلس میں رہا کرتے تھے، بعض وقت ان کی تعداد بہت بڑھ جاتی تھی خاص طور سے بیرونی وفود کی آمد پر بہت اضافہ ہو جاتا تھا، وفد بجیلہ میں ۱۵۰، وفد نخع میں ۲۰۰ اور وفد مزینہ میں ۴۰۰ افراد تھے۔ اسی طرح دیگر وفود میں مختلف تعداد کے افراد ہوتے تھے اور ان کی آمد دین سیکھنے کے لیے تھی۔

حضرت عبادہ بن صامت کی رسول اللہ ﷺ نے صفہ میں ڈیوٹی لگائی کہ وہ لوگوں کو کتابت اور قرآن کی تعلیم دیں (۱۰-۲)۔ اصحاب صفہ میں ہر طبقہ کے افراد شریک ہوتے تھے، انصار، مہاجرین، مقامی، بیرونی، عجمی، بوڑھے، جوان، بچے سب ایک ساتھ بیٹھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ سب کے احوال و ظروف، ذہن و مزاج اور زبان ولب ولہجہ کی رعایت رکھتے ہوئے تعلیم دیتے تھے۔ اس لیے آپ

ﷺ کی بات سب کے دل میں اتر جاتی تھی حضرت انسؓ نے آپ کا طریقہ تعلیم ان الفاظ میں بیان کیا ہے:إنه إذا تکلم بکلمة أعادها ثلاثا حتی تفهم عنه وإذا أتی علی قوم فسلم علیهم ثلاثا (۱۱) (جب آپ کوئی بات کہتے تھے تو تین بار دھراتے تھے تا کہ سمجھا جاسکے اور جب کسی جماعت کے پاس جاتے تو ان کو تین بار سلام کرتے تھے)۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے: إن النبیؐ کان إذا حدث حدیثا أعاده ثلاث مرات (۱۲) (رسول اللہ ﷺ جب کوئی حدیث بیان کرتے تو اس کو تین مرتبہ دھراتے تھے)۔

حضرت عائشہؓ آپؐ کے طریقہ تدریس یوں بیان کرتی ہیں:ان کان رسول الله لیحدث الحدیث لو شاء العادّ أن یحصیه أحصاه (۱۳) (رسول اللہ ﷺ اس طرح حدیث بیان کرتے تھے اگر شمار کرنے والا چاہتا تو شمار کر لیتا)۔آپ ہر جملہ تین بار دہراتے اور پھر ٹھہر کر حدیث بیان کرتے۔اس سے سامعین کے دل میں بات بیٹھ جاتی تھی اور یاد کرنے والے یاد کر لیتے اور لکھنے والے لکھ لیتے تھے۔

۲۔ درسگاہ حضرت سعید بن مسیب (م ۹۴ھ)

سید التابعین حضرت سعید بن مسیّب کی علمی جلالت کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات حضرت عبداللہؓ بن عمر جیسے جلیل القدر صحابی ان سے اپنے والد حضرت عمرؓ کے اقوال و آراء معلوم کرتے تھے۔ انہوں نے اجلّہ صحابہ سے روایت کی۔ان کی مجلس درس مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھی۔ایک دفعہ عبدالملک بن مروان مدینہ آیا اور قاصد کو حکم دیا کہ مسجد نبوی سے کسی عالم کو بلا لاؤ۔اس نے آکر سعید بن مسیب سے کہا کہ امیر المؤمنین یاد کر رہے ہیں۔اس وقت وہ اپنے حلقہ میں درس دے رہے تھے۔جانے سے صاف انکار کر دیا۔خلیفہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے کہا کہ یہ سعید بن مسیب ہے ان سے تعرض نہ کرو (۱۴)۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اپنے دونوں بیٹوں ولید اور سلیمان کے حق میں لوگوں سے بیعت لی،مگر سعید بن مسیب نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔اس پر امیر مدینہ ہشام بن اسماعیل مخزومی نے ان کو ساٹھ دڑے رسید کرائے اور بازار میں گشت کرایا (۱۵)۔اس زمانہ میں سعید بن مسیب اپنی مجلس

میں تنہا بیٹھتے تھے کیونکہ لوگوں کو ان کی مجلس میں جانے سے منع کر دیا گیا تھا۔حادثۂ حرہ ۶۳ھ کے بعد بھی انہوں نے مسجد نبوی کو نہیں چھوڑا (۱۶)۔

۳۔ درس گاہ حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر (م ۱۰۷ھ)

قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق مدنی، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے اور حضرت عائشہؓ کے بھتیجے ہیں۔انہوں نے اجلّہ صحابہ و تابعین سے علم حاصل کیا۔اپنی پھوپھی حضرت عائشہؓ کی احادیث کے سب سے بڑے عالم تھے۔فقہائے سبعہ میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ان کی مجلس درس مسجد نبوی میں روضہ شریفہ اور منبر کے درمیان خوخہ عمر کے پاس منعقد ہوتی تھی (۱۷)۔

اس مجلس میں حضرت قاسم بن محمد اپنے تلامذہ کے ساتھ عشاء کے بعد حدیث کا درس دیتے تھے۔عن القاسم بن محمد انه كان يتحدث بعد العشاء الآخرة هو و أصحابه (۱۸) (قاسم بن محمد اور ان کے تلامذہ عشاء کے بعد حدیث پڑھتے پڑھاتے تھے)۔

عبدالرحمٰن نے اپنے والد (قاسم بن محمد بن ابی بکر) سعید بن مسیب، سالم بن عبداللہ بن عمر، نافع مولیٰ ابن عمر، عبداللہ بن عبداللہ بن عمر وغیرہ سے روایت کی ہے۔اہل علم میں ان کی بڑی قدر و قیمت تھی۔سفیان بن عیینہ نے ان کو اپنے زمانہ میں علم و فضل میں سب سے اعلیٰ بتایا ہے۔

۴۔ درس گاہ حضرت عروہ بن زبیرؓ (م ۹۴ھ)

حضرت عروہ بن زبیر بن عوّام کا خاندان ابتدائے اسلام ہی سے علم و فضل اور مجد و شرف میں مشہور تھا۔ابن شہاب زہریؒ کہتے ہیں کہ عروہ جب کوئی حدیث بیان کرتے ہیں، اور بعد میں عمرہ بنت عبدالرحمٰن جب اسی حدیث کو بیان کرتی ہیں تو ان کی حدیث کی تصدیق عروہ کی حدیث کرتی ہے۔عروہ کو میں نے بحر بے کنار پایا۔عروہ، عمرہ اور قاسم تینوں حضرت عائشہ کی احادیث کے سب سے بڑے عالم تھے۔روزانہ رات کو نفل نماز میں چوتھائی قرآن پڑھتے تھے۔اس میں فرق نہیں ہوتا تھا، البتہ جس دن ان کا پاؤں پھوڑے کی وجہ سے کاٹا گیا اس رات کا ناغہ ہو گیا تھا (۱۹)۔

۵۔ درس گاہ حضرت ربیعہ الرائی (م ۱۳۶ھ)

ربیعہ بن ابو عبد الرحمٰن فروخ تیمی، مولی آل منکد ربیعہ الرائی کے لقب سے مشہور ہیں۔ امام ربیعہ الرائی کا حلقہ درس مسجد نبوی میں قائم تھا۔ جس میں اعیان واشراف کثیر تعداد میں شریک ہوتے تھے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: وهو صاحب الفتوى بالمدينة كان يجلس إليه وجوه الناس وبه تفقّه مالك (۲۰) (وہ مدینہ کے محدث تھے ان کی مجلس میں اعیان واشراف بیٹھتے تھے اور امام مالک نے ان ہی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی ہے)۔

۶۔ درس گاہ حضرت اسلم عدویؒ

حضرت اسلم عدوی کی وفات ۱۶۰ھ اور ۱۷۰ھ کے درمیان ہے۔ حضرت عمرؓ کے غلام ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا ہے۔ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت معاذؓ بن جبل اور حضرت حفصہؓ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ اسلم عدوی نے درس میں ایک حدیث بیان کی، حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ ابو اسامہ یہ حدیث کس راوی کی ہے انہوں نے جواب دیا: یــا اخی ! ما كنا نجالس السفهاء (بھائی! ہم بیوقوفوں کے پاس نہیں بیٹھتے ہیں)۔

اسلم عدویؒ کے حلقہ درس میں نامی گرامی اہل علم وفضل شریک ہوتے تھے۔ ان ہی میں امام زین العابدین علی بن حسین بھی تھے، جو بظاہر ان کے علم وفضل اور حسب ونسب کے خلاف معلوم ہوتا تھا، اس پر ایک قریشی نے ان سے کہا کہ آپ اہل قریش کی مجلس چھوڑ کر بنی عدیؓ (کے غلام) کی مجلس میں بیٹھتے ہیں؟ امام زین العابدین نے جواب دیا کہ انسان کو جہاں سے نفع پہنچتا ہے وہیں بیٹھتا ہے (۲۱)۔

حضرت اسلم عدوی کے بعد ان کی مسند پر ان کے صاحبزادے زید بن اسلم عدوی بیٹھے وہ تفسیر اور حدیث کے مشہور عالم تھے۔ والد کی طرح ان کی مجلس درس بھی مسجد نبوی میں بڑی پروقار ہوتی تھی۔ امام ذھبی لکھتے ہیں: وكان له حلقة العلم بمسجد النبي ﷺ (۲۲)۔

زید بن اسلم کے زہد وتقویٰ اور علم وفضل کا رعب مجلس پر چھایا رہتا تھا۔ ابن عجلان کا بیان ہے: ما هبتُ احداً قط هيبتي زيد بن أسلم (۲۳) (میں جتنا زید بن اسلم سے ڈرتا تھا کسی عالم سے نہیں ڈرتا تھا)۔

۷۔ درس گاہ حضرت عمرۃؒ بنت عبدالرحمٰن انصاریہ (م ۹۸ھ)

حضرت عمرۃؒ بنت عبدالرحمٰن بن اسعد بن زرارہ نجاریہ انصاریہ اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ کی آغوش حدیث کی پروردہ اوران کے علم کی جامع ترجمان ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز ان سے حدیث کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے اور کہتے تھے:

ما بقی أحد أعلم بحدیث عائشة منها یعنی عمرة وکان عمر یسألها (۴۴)(حضرت عائشہؓ کی احادیث کے بارے میں عمرہ سے بڑا کوئی عالم باقی نہیں رہا اور حضرت عمرؒ آپ سے پوچھتے تھے)۔

علی بن عبداللہ کہتے ہیں: ''عمرہ حضرت عائشہؓ کی احادیث کے ثقات علماء میں سے ہیں''۔ اجتہاد صحیح میں بڑی شہرت رکھتی تھیں۔

۸۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

جامعہ اسلامیہ دورحاضر میں علم حدیث کا بہت بڑا مرکز ہے۔ یہ ۱۹۶۱ء میں قائم ہوئی اس کے موجودہ وائس چانسلر ڈاکٹر صالح بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن العبود ہیں۔ اس جامعہ میں شیخ عبدالعزیز بن باز، شیخ ناصرالدین البانی، شیخ ربیع بن ھادی اور شیخ حماد الانصاری اور مولانا عبدالغفار حسن جیسے شیوخ الحدیث پڑھاتے رہے ہیں۔ اس یونیورسٹی کے فارغ التحصیل دنیا کے بہت سے ممالک میں تبلیغ اور تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

مدینہ کے محدثین

مدینہ منورہ کے علمی انحطاط کا زمانہ امام ابن ماجہ کا زمانہ تھا۔ تاہم ابھی تک وہ محدثین سے خالی نہیں ہوا تھا۔ امام مالک اوران کے معاصر علماء کے تلامذہ علم کی آخری بہار دکھا رہے تھے۔ اس وقت کے مشہور محدثین میں مندرجہ ذیل حضرات شامل ہیں:

۱۔ حافظ ابومصعب زہری (م ۲۹۲ھ)۔

۲۔ حافظ ابراہیم بن المنذر۔

۳۔ حافظ اسحٰق بن موسیٰ الانصاری۔

۴۔ بکر بن عبدالوہاب المدنی خواہرزادہ واقدی (م ۲۵۰ھ)۔

۵۔ حسن بن داود ابومحمد المدنی المنکدری (م ۲۴۷ھ)۔

۶۔ محمد بن عبید بن میمون المدنی التبان۔

اب ہم ان میں سے چند مشہور محدثین کے مختصر تعارف قلم بند کرتے ہیں:

۱۔ حافظ ابومصعب زہری (م ۲۹۴ھ)

حافظ ابومصعب زہری احمد بن ابی بکر العوفی المدنی۔ حافظ ذہبی "تذکرۃ الحفاظ" میں ان کے متعلق لکھتے ہیں: احد الاثبات وشیخ اهل المدینة وقاضیهم ومحدثهم (۲۵)۔

امام مالک کے شاگرد ہیں۔ اور مؤطا کے آخیری راویوں میں سے ہیں۔ ابن حزم نے تصریح کی ہے کہ ان کے نسخہ مؤطا میں دیگر نسخوں کی بہ نسبت سو حدیثیں زیادہ ہیں۔ بجز نسائی کے سب مصنفین صحاح ستہ کو آپ سے براہ راست تلمذ حاصل ہے۔ ۱۵۰ء میں پیدا ہوئے اور بانوے سال کی عمر میں جب آپ مدینہ منورہ میں عہدۂ قضا پر فائز تھے ۲۹۲ھ میں وفات پائی (۲۶)۔

۲۔ حافظ ابراہیم بن المنذر (م ۲۳۶ھ)

ابواسحٰق ابراہیم بن المنذر الحزامی الاسدی المدینی مدینہ منورہ کے کبار محدثین میں سے ہیں۔ امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں مدینہ منورہ کے تمام شیوخ میں سے سب سے زیادہ حدیثیں ان سے روایت کی ہیں۔ حافظ ذہبی نے ان کو الامام المحدث الثقة لکھا ہے۔ امام بخاری بھی ان کے شاگرد تھے۔ محرم ۲۳۶ھ میں وفات پائی (۲۷)۔

۳۔ حافظ ابوموسیٰ اسحاق بن موسیٰ الانصاری المدینی (م ۲۴۴ھ)

حافظ ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں ان کا ترجمہ "الفقيه الحافظ الثبت" (۲۸)۔ جیسے شاندار اوصاف کے ساتھ شروع کیا ہے۔ حدیث میں یہ سفیان بن عیینہ، عبدالسلام بن حرب اور معن بن عیسیٰ کے شاگرد ہیں اور ان سے امام مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کو تلمذ حاصل ہے۔

واضح رہے کہ امام ترمذی جہاں اپنی جامع میں "حدثنا انصاری" کہتے ہیں یہی مراد ہوتے ہیں۔ابو حاتم رازی، امام نسائی اور خطیب بغدادی نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: کان من ائمہ الحدیث صاحب سنۃ (۲۹)(وہ حدیث کے اماموں میں سے تھے اور صاحب سنت تھے)۔۲۳۳ھ میں دمشق سے لوٹتے ہوئے بمقام جوسیہ جو حمص کا ایک حصہ ہے وفات پائی (۳۰)۔

الریاض

سعودی عرب کا دارالحکومت ہے۔یہاں دو جامعات مشہور ہیں۔جامعہ امام محمد بن سعود اور جامعہ ملک سعود۔جامعہ امام محمد بن سعود الا اسلامی علوم کے حوالے سے مشہور ہے ۱۹۷۴ء میں اسے یونیورسٹی کا درجہ حاصل ہوا اس کے موجودہ وائس چانسلر ڈاکٹر محمد بن سعد السالم ہیں۔ڈاکٹر عبداللہ عبدالمحسن ترکی کافی عرصہ تک اس کے وائس چانسلر رہے، انہوں نے ہزاروں کے لحاظ سے دینی کتب طبع کرائیں۔اب بھی اس جامعہ میں بہت سی کتابیں شائع ہو رہی ہیں۔معروف پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب اس یونیورسٹی میں کافی عرصہ رہے ہیں جن کی بہت سی کتابیں ہیں۔آج کل انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں حدیث کے پروفیسر ہیں۔اسی یونیورسٹی میں ڈاکٹر محمود میرہ، ڈاکٹر عبدالفتاح ابو غدہ، ڈاکٹر محمود طحان اور ڈاکٹر صلاح الدین ادلبی جیسے معروف محدث تدریس حدیث کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں۔

دوسری یونیورسٹی جامعہ ملک سعود ہے یہ ۱۹۵۷ء میں قائم ہوئی۔اس کے موجودہ وائس چانسلر ڈاکٹر عبداللہ بن محمد الفیصل ہیں۔اس یونیورسٹی میں جدید علوم کی تعلیم زیادہ ہے لیکن اس جامعہ میں پروفیسر ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی پڑھاتے رہے ہیں۔انہوں نے کیمبرج یونیورسٹی میں (STUDIES IN EARLY HADITH LITERATURE) کے عنوان پر پی ایچ ڈی کی۔جو شائع ہو چکی ہے۔ان کی اس کتاب کا عربی میں ترجمہ "الدراسات فی الحدیث النبوی" کے نام سے کیا گیا ہے۔جسے اسی جامعہ نے ۱۹۷۸ء میں شائع کیا ہے۔دونوں کتب بندہ کے پاس موجود ہیں۔

کوفہ کے مراکز حدیث

ا۔ کوفہ میں درس حدیث

وہ عظیم الشان اسلامی شہر جو صدیوں تک علوم اسلامیہ کا دارالعلوم بنا رہا۔ جو عہد مرتضوی سے لے کر بغداد کی تعمیر ہونے تک وسعت علم اور کثرتِ حدیث میں تمام بلادِ اسلامیہ میں ممتاز تھا۔ جس کو علامہ نووی دارالفضل والفضلاء بتاتے ہیں (۳۱)۔

امیر المومنین حضرت علیؓ نے اس شہر کو اپنا دارالخلافہ قرار دیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں: كان أغلب قضاياه بالكوفة (۳۲) (حضرت علیؓ کے بیشتر فیصلے جو کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کے مطابق ہوتے تھے کوفہ میں صادر ہوئے)۔ اور حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: ''بلاشبہ حضرت علیؓ کا علم اور آپ کی فقہ کوفہ میں اسی قدر ظاہر ہوئی جتنا کہ آپ نے اپنی مدتِ خلافت کوفہ میں ان کے یہاں قیام فرمایا (۳۳)۔

امام ابن تیمیہ کی تصریحات اس بارے میں حسب ذیل ہیں: وانما كان غالب علمه في الكوفة ومع هذا فأهل الكوفة كانوا يعلمون القرآن والسنة قبل ان يتولى عثمانؓ فضلاً عن علي ''(۳۴) (اور بلاشبہ حضرت علیؓ کا بیشتر علم کوفہ ہی میں رہا۔ تاہم اہل کوفہ حضرت علیؓ کے وقت تو کیا حضرت عثمانؓ کے خلیفہ ہونے سے بھی بیشتر قرآن وسنت کا علم رکھتے تھے)۔

چوبیس بدری صحابہ اور ایک ہزار پچاس دیگر صحابہ کرام کوفہ میں آ کر فروکش ہوئے تھے (۳۵)۔ صحابہ کی اس کثرت کے باوجود علماء کوفہ کے شوق کا یہ عالم تھا کہ وہ برابر مدینہ طیبہ کا سفر کیا کرتے اور وہاں کے اکابر صحابہ کے فیض علمی سے متمتع ہوتے رہتے تھے۔

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ''ابوعبدالرحمٰن سلمی اور دیگر علماء کوفہ جیسے کہ علقمہؒ، اسود بن حارث لیثیؒ، زر بن حبیش، کہ جس کے پاس عاصم بن ابی النجود نے قرآن پاک کی قرأت کی ہے۔ ان سب لوگوں نے حضرت ابن مسعودؓ سے قرآن پاک سیکھا نیز یہ لوگ مدینہ طیبہ جا کر حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ سے علم کی حاصل کیا کرتے تھے بلکہ ان حضرات نے حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ سے جتنا علم اخذ کیا

اتنا حضرت علیؓ سے نہیں کیا۔ اور کوفہ کے قاضی شریح نے فقہ کی تعلیم حضرت معاذؓ بن جبل سے یمن میں حاصل کی تھی'' (۳۶)۔

تمام بلادِ اسلامیہ میں یہ خصوصیت صرف کوفیین کو ہے کہ طبقات کی پوری ایک ضخیم جلد صرف انہیں کے تراجم پر مشتمل ہے۔ اس سے کوفہ کی علمی منزلت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

قراء سبعہ (عبداللہ بن کثیر، نافع، ابن عامر، ابوعمرو، عاصم، کسائی، حمزہ) میں سے عاصم، حمزہ اور کسائی تینوں کوفی ہیں۔ سعید بن جبیر جن کو قتادہ تمام تابعین میں تفسیر کے سب سے بڑے عالم مانتے تھے وہ اسی کوفہ کے رہنے والے تھے۔ تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کو علامہ ابن تیمیہ نے ''اعلم الناس بالتفسیر'' لکھا ہے۔ وہ بھی کوفی تھے۔

حدیث کی نشر و اشاعت کا وہاں یہ عالم تھا کہ حافظ ابومحمد عبدالرحمٰن بن حسن بن خلاد الرامہرمزی ''المحدث الفاصل بین الراوی والواعی'' میں محدث بغداد حافظ عفان بن مسلم سے سنداً نقل کرتے ہیں اور حافظ عراقی نے بھی ''شرح الفیہ'' میں عفان کا یہ بیان نقل کیا ہے: حدثنا عبدالله بن أحمد بن معدان حدثنا مذكور بن سليمان الواسطی قال سمعت عفان يقول، وسمع قوما يقولون نسخنا كتب فلان ونسخنا كتب فلان، فسمعته يقول نرى هذا الغرب من الناس لا يفلحون. كنانأتی هذا فنسمع منه ما ليس عنه هذا ونسمع من هذا ما ليس عند هذا. فقدمنا الكوفة فأقمنا أربعة أشهر، ولو أردنا أن نكتب مائة ألف حديث لكتبناها، فماكتبنا إلّا قدر خمسين ألف حديث، ومارضينا من أحد إلا بالإملاء إلا شريكا، فانه أبی علينا، وما رأينا بالكوفة لحانا فجورا (۳۷) (انہوں نے کچھ لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ فلاں فلاں کی کتابیں نقل کر چکے ہیں۔ اس پر فرمانے لگے کہ ہماری رائے میں اس قسم کے لوگ کامیاب نہیں ہوا کرتے ہمارا تو یہ دستور تھا کہ جب اس استاد کے پاس آتے تو اس سے وہ روایتیں سنتے جو دوسرے استاد کے پاس نہ ہوتیں اور اس استاد سے وہ سنتے جو دوسرے استاد کے پاس نہ ہوتیں۔ چنانچہ جب ہم کوفہ آئے تو چار ماہ تک قیام کیا اور اگر ہم چاہتے کہ ایک لاکھ حدیثیں لکھ لیں تو لکھ سکتے تھے۔ لیکن ہم نے صرف پچاس ہزار حدیثیں ہی لکھیں۔ پھر کسی سے املاء

کے علاوہ راضی نہ ہوئے۔ سوائے شریک کے کہ انہوں نے ہم سے انکار کر دیا۔ اور ہم نے کوفہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا کہ وہ عربیت میں غلطی کرے اور اس کو روا رکھے)۔

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے اس شہر کی کثرت حدیث کا کہ جہاں عفان جیسا حافظ حدیث چار ماہ میں پچاس ہزار احادیث لکھ لے (کہ جو مسند احمد جیسی ضخیم کتاب کی روایات سے بھی تعداد میں کہیں زیادہ ہو) اور حافظ ابی بکر بن ابی داؤد ایک ہی شیخ سے لکھ لیں۔ وہاں حدیث و سنت کی اشاعت کا کیا عالم ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبل سے جب ان کے صاحبزادے عبداللہ نے دریافت کیا کہ آپ کی رائے میں طالب علم کو کیا کرنا چاہیئے۔ آیا ایک ہی صاحب علم کی خدمت میں برابر حاضر رہ کر اسی سے حدیثیں لکھتا رہے یا ان مقامات کا رخ کرے کہ جہاں علم کا چرچا ہے اور وہاں جا کر علماء سے حدیثیں لکھنی چاہیے۔ اور ان علماء میں سب سے پہلے امام موصوف نے کوفیین ہی کا ذکر کیا۔ چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں: یرحل ویکتب عن الکوفیین والبصریین واھل المدینۃ ومکۃ۔

امام بخاری نے طلب حدیث میں بخارا سے لیکر مصر تک تمام اسلامی شہروں کا سفر کیا تھا۔ دو دفعہ جزیرہ گئے۔ چار دفعہ بصرہ جانا ہوا چھ سال تک حجاز میں مقیم رہے۔ مگر اس کے باوجود کوفہ اور بغداد کی وہ اہمیت تھی کہ فرماتے ہیں: لا احصی کم دخلت الی الکوفۃ وبغداد مع المحدثین (۳۸) (میں شمار بھی نہیں کر سکتا کہ کوفہ اور بغداد میں مجھے محدثین کے ساتھ کتنی بار جانا پڑا)۔

عربیت اور نحو کی تدوین بھی کوفہ اور بصرہ ان ہی دو شہروں میں ہوئی ہے۔ چنانچہ لغت اور نحو کی کتابوں میں بجز ان دو مقامات کے عام طور پر اور کسی جگہ کے علماء کا اختلاف ذکر نہیں کیا جاتا۔ امام ذہبی کا بیان ہے: وما زال العلم بھا[1] توافرا الی زمان ابن عقدہ (اور ابن عقدہ کے زمانے تک برابر وہاں کی وسعت ہی چلی آئی)۔

حافظ مصر ابن عقدہ کی وفات ۳۳۲ھ میں ہوئی ہے۔ اس حساب سے کوفہ تقریباً متواتر تین سو سال تک حدیث کا مرجع علم رہا ہے۔ امام ابن ماجہ نے جس زمانہ میں کوفہ کا سفر کیا ہے اس کی علمی رونق بدستور قائم تھی اور یہ محدثین و حفاظ حدیث سے بھرا ہوا تھا۔

۲۔ درس گاہ حضرت علقمہ بن قیس کوفی (م ۶۲ھ)

حضرت علقمہ بن قیس نخعی کوفی رسول اللہ کی حیات طیبہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم نخعی کے ماموں اور حضرت اسود نخعیؒ کے چچا ہیں۔ تابعین کے طبقہ کبائر میں بلند ترین مقام رکھتے ہیں اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود کے شاگرد خاص ان کے علم کے ناشر اور ان کی زندگی کا پرتو ہیں۔ انہوں نے حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابودرداءؓ وغیرہ سے روایت کی۔

قاموس بن ابوظبیان نے اپنے والد سے کہا کہ آپ صحابہؓ کو چھوڑ کر علقمہؒ کی مجلس میں کیوں جاتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے کئی صحابہؓ کو دیکھا ہے کہ وہ علقمہ سے استفادہ اور سوالات کرتے ہیں (۳۹)۔

۳۔ درس گاہ حضرت عامر شعبیؒ (م ۱۰۲ھ)

حضرت عامر بن شراحیل شعبی کوفی یمن کے شاہی خاندان حمیر سے ہیں۔ ان کا شمار قبیلہ ہمدان میں ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں پیدا ہوئے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے پانچ سو صحابہ کو پایا ہے۔ بہت سے اجلّہ صحابہؓ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ اور مختار ثقفی کے خوف سے آٹھ یا دس ماہ عبداللہ بن عمرؓ کے یہاں مقیم رہا ہوں۔

عاصم احوال کہتے ہیں: ''کہ اہل کوفہ، اہل بصرہ اور اہل حجاز کی حدیث کا شعبی سے بڑا عالم میں نے نہیں دیکھا (۴۰)''۔ خود شعبیؒ کا بیان ہے کہ بیس سال سے جب میں کسی کو حدیث بیان کرتے ہوئے سنتا ہوں تو میں اس حدیث کے بارے میں اس شخص سے زیادہ علم رکھتا ہوں۔ امام شعبیؒ حدیث کے الفاظ وعبارات سے زیادہ اس کے معنی کو بیان کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ تم لوگ مجھ سے جو کچھ سنو لکھ لو چاہے دیوار پر ہی کیوں نہ ہو۔

مکحول شامی کہتے ہیں: کہ شعبی سنتِ ماضیہ کے سب سے بڑے عالم تھے''۔ عجلی کا بیان ہے کہ: شعبی نے اڑتالیس صحابہ سے حدیث سنی ہے''۔ شعبی کہتے ہیں کہ سلف صالحین کثرت سے حدیثیں بیان کرنے کو ناپسند کیا کرتے تھے۔ اگر میری زندگی کے دن لوٹ آئیں تو میں وہی حدیث بیان کرتا جس پر محدثین متفق ہیں۔ شعبی ظریف الطبع انسان تھے۔ ۱۰۲ھ میں فوت ہوئے (۴۱)۔

کوفہ کے محدثین

کوفہ کے چند مشہور محدثین درج ذیل ہیں:

ا۔ حافظ ابوبکر ابن ابی شیبہ (م ۲۳۵ھ)

عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان العبسی الکوفی حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے۔ ابوبکر بن ابی شیبہ، الحافظ عدیم النظیر، الثبت التحریر بہت بڑے نامور محدث تھے (۴۲)۔ مصنفین صحاح ستہ میں سے امام بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ ان کے خاص شاگرد تھے (۴۳)۔ چنانچہ صحیح بخاری میں تیس اور صحیح مسلم میں ایک ہزار پانچ سو حدیثیں ان کی سند سے مروی ہیں (۴۴)۔

عمرو بن علی فلاس کا بیان ہے: "ان سے بڑا حافظ حدیث ہماری نظر سے نہیں گزرا" (۴۵)
محرم ۲۳۵ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ نے متعدد تصانیف یادگار چھوڑی ہیں جن میں "المسند" اور "المصنف" زیادہ مشہور ہیں۔

۲۔ شیخ الاسلام اشج (م ۲۵۷ھ)

ان کا نام عبداللہ اور کنیت ابوسعد ہے۔ یہ وہی ہیں جن سے ابوبکر بن ابی داؤد نے ایک ماہ میں تیس ہزار حدیثیں لکھی تھیں۔ امام ابن ماجہ نے بھی ان سے بکثرت روایتیں کی ہیں۔ تمام ارباب صحاح ستہ فن حدیث میں ان کے شاگرد ہیں۔

محمد بن احمد بن بلال کا بیان ہے کہ "میں نے ان سے بڑھ کر حافظ حدیث نہیں دیکھا"۔ ربیع الاول ۲۵۷ھ میں جب آپ کی عمر نوے سال سے متجاوز ہو چکی تھی انتقال فرمایا (۴۶)۔

۳۔ حافظ ابوکریب محمد بن العلاء (م ۲۴۸ھ)

ابوکریب محمد بن العلاء بن کریب کوفہ کے مشہور حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ تمام ارباب صحاح ستہ ان کے شاگرد تھے۔

ابن عقدہ ان کو تمام مشائخ پر حفظ و کثرت حدیث میں مقدم رکھتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ

"میں نے ابو کریب سے تین لاکھ حدیثیں سنی ہیں (۴۷)۔ عراق میں ان سے زیادہ کثیر الحدیث کوئی نہیں۔ اور ہمارے شہر کی حدیثوں کا جاننے والا بھی ان سے زیادہ کوئی نہیں"۔

جمادی الاولی (م ۲۴۸ھ) میں ستاسی سال کی عمر میں انتقال کیا (۴۸)۔

۴۔ شیخ الکوفہ ھناد (م ۲۴۳ھ)

ھناد بن سری حافظ حدیث کوفہ کے شیخ الحدیث اور زھد وتقویٰ میں نمونہ تھے۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ذکر ان الفاظ سے کیا: هناد بن سري بن مصعب الحافظ القدوة الزاهدشيخ الكوفه أبو السري التميمي الدارمي المحدث (۴۹)۔

امام احمد سے سوال ہوا کہ کوفہ میں کس سے حدیثیں لکھی جائیں کہنے لگے "عليكم بهناد" (۵۰) (تم ھناد سے لکھو)۔ اکانوے سال کی عمر میں ربیع الآخر ۲۴۳ھ میں انتقال کیا (۵۱)۔

بصرہ کے مراکز حدیث

بصرہ میں درس حدیث

وہ مشہور اسلامی شہر جو تیسری صدی ہجری تک علوم اسلامیہ کا گہوارہ خیال کیا جاتا تھا۔ اور جس کو وسعت علم وکثرت حدیث اور دیگر فضائل وکمالات کے لحاظ سے نہایت ممتاز مقام حاصل تھا۔ چنانچہ حافظ ابن حزم لکھتے ہیں: وهذا بغداد حاضرة الدنيا ومعدن كل فضيلة والمحلة التى يسبق اهلها الى حمل الوية المعارف والتدقيق فى تعريف العلوم ورقة الاخلاق والنباهة والذكاء ووحدة الافكار ونفاذ الخواطر، وهذه البصرة وهى عين المعمور فى كل ما ذكرنا (۵۲) (اور یہ بغداد جو دنیا کی بستی اور ہر فضیلت کی کان ہے۔ اور وہ مقام ہے کہ جہاں کے رہنے والے معارف کے پرچم بلند کرنے میں اور علوم میں دقتِ نظر، لطافتِ اخلاق، فطانت وذکاوت، وحدتِ فکر اور ذہن کی رسائی میں سبقت لے گئے ہیں۔ اور یہ بصرہ جو ان تمام امور سے پوری طرح معمور تھا) (۵۳)۔

بصرہ مرکز علم تھا۔ ذہبی لکھتے ہیں: وما زال هذا الشان وافرا إلى رأس المائة

الثالثة وتناقص جداً (یہ فن یعنی علم حدیث وہاں تیسری صدی کے شروع تک خوب رہا اور پھر بہت ہی گھٹ گیا)۔ بصرہ میں ایک دور ایسا گزرا ہے کہ محدثین کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ حافظ مسلم بن ابرہیم بصری کہتے ہیں: "کتبت عن ثمان مائة شیخ وما جزت الجسر "(۵۴)(میں نے آٹھ سو شیوخ سے حدیثیں لکھیں اور پل اتر کر نہیں گیا (دجلہ کا پل مراد ہے جو بصرہ سے دس میل کے فاصلہ پر ہے)۔

بصرہ کی چند مشہور درسگاہ درج ذیل ہیں:

۱۔ درس گاہ حسن بصری (م ۱۱۰ھ)

حضرت حسن بصریؒ (م ۱۱۰ھ) حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ خیرہؓ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کی باندی تھیں۔ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں قرآن حفظ کیا۔ وادی القریٰ میں نشو ونما ہوئی (۵۵)۔

بصرہ میں آباد ہوئے۔ وہ علوم دینیہ کے جامع عالم، فقیہ، محدث، عابد، زاہد، فصیح و بلیغ، خوبصورت، غازی و مجاہد اور اپنے زمانہ کے مشہور بہادر تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ کی امارت میں کابل، اندغان اور زابلستان کے جہاد میں شریک ہوئے (۵۶)۔ ان کے حلقہ نشینوں اور طالب علموں کی کثرت اور بھیڑ کا یہ حال تھا۔ اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو ان پر گرے جاتے تھے۔ اور وہ کہتے تھے کہ ان لوگوں کو ہٹاؤ دور کرو۔

حسن بصری جس دن کوئی جنازہ دیکھ لیتے تو حدیث بیان نہیں کرتے تھے۔ احادیث کے بیان میں الفاظ سے زیادہ معانی پر نظر رکھتے تھے۔ جریر بن حازم کہتے ہیں: ''حسن ہم سے حدیث بیان کرتے تو ان کے الفاظ میں کمی، زیادتی ہوتی تھی مگر معنی ایک ہوتا تھا'' (۵۷)۔

علی بن زید کہتے ہیں: ''کہ میں نے حسن بصری سے ایک حدیث بیان کی جس کو انہوں نے بیان کیا تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ حدیث آپ سے کس نے بیان کی ہے۔ انہوں نے لاعلمی ظاہر کی تو میں نے کہا کہ یہ حدیث میں نے بیان کی تھی''۔ حسن بصری ایک دفعہ مکہ مکرمہ گئے۔ تو وہاں کے اہل علم نے ان کو تخت پر بٹھایا۔ اور علماء و محدثین کے سامنے انہوں نے حدیث بیان کی۔ اس مجلس میں مجاہد بن جبیر،

عطاء بن ابی رباح، طاؤس بن کیسان اور عمرو بن شعیب موجود تھے۔ اور سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ایسی مجلس ہم نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ ان کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی (۵۸)۔

۲۔ درس گاہ حضرت محمد بن سیرین (م ۱۱۰ھ)

حضرت محمد بن سیرین بصری حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں پیدا ہوئے (۵۹)۔

سوار بن عبداللہ کا قول ہے کہ محمد بن سیرین اور حسن بن ابوالحسن دونوں بصرہ کے عربوں اور موالی کے سردار ہیں۔

ابن عون سے روایت ہے ''کہ وہ حدیث کو روایت باللفظ میں بیان کرتے تھے'' (۶۰)۔ ان کی مجلسِ درس کا حال اشعث بیان کرتے ہیں: ''جب ہم لوگ ان کے پاس بیٹھتے تھے۔ تو ہم سے حدیث بیان کرتے تھے۔ ہنستے تھے اور اخبار و احوال بیان کرتے تھے۔ اور جب حلال و حرام کے بارے میں ان سے سوال کیا جاتا تو ان کا رنگ بدل جاتا اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ ابنِ سیرین نہیں رہ گئے'' (۶۱)۔

۳۔ درس گاہ حضرت ایوب سختیانی بصری (م ۱۳۱ھ)

حضرت ایوب بن ابو تمیمہ کیسان سختیانی بصری عزّہ یا جھینہ کے غلام ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ کی زیارت کی ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ ایوب سختیانی علمائے عاملین و خاشعین میں سب سے آگے ہیں۔ ان کے دل میں رسولؐ کی عظمت دیکھ کر میں نے ان سے حدیث لکھی ہے۔ حضرت ایوب سختیانی کا مستقل حلقہ درس بصرہ میں قائم ہوتا تھا۔ حماد بن زید کہتے ہیں: کان أیوب عندي أفضل من جالسته وأشدّ اتباعاً للسنة (۶۲) (میں جس اہل علم کی مجلس میں بیٹھا ہوں میرے نزدیک ان میں ایوب سب سے افضل اور اتباعِ سنت میں سب سے آگے تھے)۔

امام مالک کا بیان ہے کہ لوگ ایوب سختیانی کی مجلس میں حاضر باش رہتے۔ جب ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کی جاتی تھی تو اس قدر روتے تھے کہ ہم لوگوں کو ان پر ترس آتا تھا (۶۳)۔ حماد بن زید کہتے ہیں: ''ہم لوگ ایوب سختیانی کی مجلس میں رہتے تھے اور اہل مجلس میں سے کوئی شخص ان کی موجودگی میں حدیث بیان کرتا تھا۔ اور ہم اس سے سن لیتے تھے مگر اس کے بارے میں ایوب سے دریافت نہیں کرتے تھے''۔ آپ کا شمار عظیم محدثین بصرہ میں ہوتا تھا (۶۴)۔

۴۔ درس گاہ حضرت عبداللہ بن عون بصریؒ (م ۱۵۰ھ)

حضرت عبداللہ بن عون ارطبان مزنی بصری نے مدینہ، مکہ، بصرہ، کوفہ اور شام کا سفر کر کے وہاں کے اہل علم سے استفادہ کیا تھا۔ ان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ لوگ راستہ میں ان سے حدیث کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے۔ ابن عون کہتے تھے کہ لوگ مجھ سے اس قدر زیادہ حدیث کے متعلق سوال کیا کرتے تھے کہ میرا راستہ تنگ کر دیتے ہیں۔ اپنی ذاتی ضروریات کے لیے بھی مجھے نکلنا مشکل تھا (۶۵)۔ ان کے حلقہ نشینوں کے خشوع وخضوع کا یہ عالم تھا کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ ذرا حرکت کی تو پرندے اڑ جائیں گے (۶۶)۔

۵۔ درس گاہ حضرت قتادہ بن دعامہ بصریؒ (م ۱۱۸ھ)

حضرت قتادہ بن دعامہ سدوسی بصریؒ مادر زاد نابینا تھے۔ جلیل القدر تابعی تھے۔ غضب کا حافظہ تھا۔ ایک دفعہ جابر بن عبداللہ کا صحیفہ احادیث سنا تو پورا یاد کر لیا تھا (۶۷)۔ قتادہ کی مجلس درس و تحدیث بصرہ میں قائم ہوتی تھی۔ سلام بن مسکین کہتے ہیں کہ جب میں قتادہ سے سند کے بارے میں سوال کرتا تھا تو وہ ناراض ہو جاتے تھے۔ ایک دن میں نے ایک حدیث بیان کی تو انہوں نے کہا کہ یہ حدیث تم سے کس نے بیان کی ہے؟ میں نے سند بیان کر دی اس کے بعد وہ سند بیان کرنے لگے (۶۸)۔

بصرہ کے محدثین

۱۔ احمد بن عبدہ بن موسیٰ۔

۲۔ احمد بن ثابت البصری (ت ۲۵۵ھ)۔

۳۔ اسمٰعیل بن بشر بن منصور السلیمی ابو بشر البصری (۲۵۵ھ)۔

۴۔ اسحاق بن ابراہیم بن داؤد السواق البصری۔

۵۔ ایوب بن محمد بن ایوب الھاشمی البصری۔

۶۔ عبیداللہ بن یوسف الجبیری ابو حفص البصری۔

۷۔ عبدالوارث بن عبدالصمد العنبری البصری (ت۲۵۲ھ)۔

۸۔ محمد بن ثعلبہ السدوسی البصری۔

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل صحابہ بھی بصرہ میں سکونت گزیں تھے:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔ ۲۔ عتبہ بن غزوانؓ

۳۔ عمران بن حصینؓ ۴۔ ابو برزہ اسلمیؓ

۵۔ معقل بن یسارؓ ۶۔ ابو بکرہؓ

۷۔ عبدالرحمٰن بن سمرہؓ ۸۔ عبداللہ بن شخیرؓ

۹۔ جاریہ بن قدامہؓ (۶۹)

شام کے مراکز حدیث

ملک شام کا دمشق صدر مقام اور خلفاء بنی امیہ کا پایا تخت رہا ہے۔ شام کی سرزمین وہ مبارک سرزمین ہے۔ جہاں ایک زمانہ میں دس ہزار ایسے نفوس قدسی موجود تھے کہ جن کی آنکھیں حضور سرور عالم ﷺ کے دیدار فیض آثار سے منور ہو چکی تھیں۔

حافظ ابن عساکر (م۵۷۱ھ) تاریخ دمشق میں ولید بن مسلم سے، جو امام اوزاعی کے نہایت نامور شاگرد تھے سنداً نقل کرتے ہیں: دخلت الشام عشرة الالف عین رأت رسول اللہ ﷺ (۷۰)۔ ملک شام میں دس ہزار اصحاب ایسے داخل ہوئے کہ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں مسلمانان شام کی دینی تعلیم و تربیت کے لیے معاذؓ بن جبل اور عبادہؓ بن الصامت جیسے اکابر کو بھیجا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ اپنی مشہور و معروف کتاب ''منہاج السنۃ النبویہ'' میں لکھتے ہیں: ''کان عمرؓ قد أرسل إلی کل مصر من یعلمھم القرآن والسنة وأرسل إلی أھل الشام معاذ بن جبل وعبادة بن الصامت وغیرھما وأرسل إلی العراق ابن مسعود وحذیفة وغیرھما ''(۷۱) (حضرت عمرؓ نے ہر شہر میں علماء کو بھیجا تاکہ وہاں کے لوگوں کو قرآن وسنت کی تعلیم دیں۔ چنانچہ اہل شام کی طرف حضرت معاذ بن جبل اور

حضرت عبادہ بن صامت وغیرہ کو اور عراق کی طرف عبداللہ بن مسعود اور حضرت حذیفہؓ کو بھیجا)۔

فتن وملاحم کی احادیث میں اہل شام کی خصوصیت سے شہرت ہے۔ چنانچہ حافظ ابوالقاسم بن عساکرفرماتے ہیں: الغالب علی اھل الشام احادیث الفتن والملاحم (۷۲) (اہل شام کی حدیثوں میں فتن وملاحم کی احادیث غالب تھیں)۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ''دمشق بلادِ شام میں سے ہے جو ایک وسیع مملکت ہے اور متعدد شہر قصبات اور دیہات پر مشتمل ہے۔ یہاں متعدد صحابہ آ کر فروکش ہوتے۔ حضرت امیر معاویہؓ اور ان کے بعد خلیفہ عبدالملک اور اس کی اولاد کے زمانہ میں یہاں علم کی کثرت رہی اور تابعین اور تبع تابعین کے عہد میں فقہاء محدثین اور قراء برابر ہوتے رہے۔ اور ایسا ہی ان کے شاگردوں کا سلسلہ چلتا رہا''۔

امام ذہبی لکھتے ہیں: وھی دار قرآن و حدیث وفقہ وتناقص بھا العلم فی المائۃ الرابعۃ والخامسۃ (یہ قرآن، حدیث اور فقہ کا گھر ہے اور چوتھی اور پانچویں صدی میں یہاں علم کم ہوگیا)۔

۱۔ دارالحدیث الاشرفیہ

یہ دمشق کے بڑے مراکز میں سے شمار ہوتا ہے جس کی تاسیس ۶۲۶ ہجری کو ہوئی۔ یہ امیر صارم الدین قایماز کا گھر تھا۔ اسے بادشاہ اشرف نے خرید کر دارالحدیث بنادیا۔ اسی کی نسبت سے دار الحدیث اشرفیہ مشہور ہوا۔ ملک اشرف نے دار الحدیث کے ملازمین، طلباء اور شیوخ الحدیث کے وظائف (تنخواہ) مقرر کیے۔ دارالحدیث کے مشہور محدثین میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ الشیخ عبداللہ بن مروان بن عبداللہ الفاروقی (م۷۰۳ھ)۔

۲۔ الشیخ محمد بن ابی العز بن مشرف بن بیان الانصاری (م۷۰۷ھ)۔

۳۔ امام محمد بن عمر بن مکی بن عبدالصمد (م۷۱۶ھ)۔

۴۔ ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر (م۷۷۴ھ)۔

۵۔ ولی الدین ابوذر عبداللہ السبکی (م۷۸۵ھ)۔

یہ تاتاریوں کے حملے تک حدیث الرسول کی تعلیم وتعلم کا مرکز رہا جب تاتاریوں نے دمشق پر

حملہ کیا تو شہر کے ساتھ دارالحدیث کی بھی انہوں نے توڑ پھوڑ کی اور جو سامان اس میں تھا وہ ساتھ لے گئے۔ باقی چیزوں کو جلا دیا اور اس کے آس پاس کے دارالحدیث نوریہ، عادلیہ صغریٰ سمیت دوسرے مدارس کو بھی جلا دیا۔ اسے شیخ یوسف بیانی نے دوبارہ تعمیر کیا اور محدث کبیر شیخ بدرالدین الحسنی نے درس حدیث شروع کیا گیا ۱۳۳۰ھ میں اسے ایک بار پھر جلا دیا گیا (۷۳)۔

۲۔ دارالحدیث الناصریہ

یہ یہودیوں کا ایک کنیسہ تھا "جو کنیسہ مشقال" کے نام سے معروف تھا۔ قاضی القضاء کمال الدین کے ایماء پر ان سے لے کر مسلمانوں کے مال فئی میں شامل کیا گیا۔ پھر اس میں دینی تعلیم شروع ہوئی اور ناصریہ کے حکمران سے درخواست کی گئی کہ اس کی عمارت تعمیر کرائے تو انہوں نے اس کی اجازت دے دی۔ اس دارالحدیث میں جملہ کتب احادیث، تفسیر القرآن، اصول حدیث اور دیگر علوم بھی پڑھائے جاتے تھے۔ اد محمد راغب الطباخ کے مطابق "جامع الحیات" کے نام سے اب بھی مشہور ہے (۷۴)۔

۳۔ درس گاہ حضرت یزید بن ابو مالک ہمدانی (م ۱۳۰ھ)

حضرت یزید بن عبدالرحمٰن بن ابو مالک ہمدانی دمشقی نے اپنے والد عبدالرحمان بن ابو مالک سے بہت سی احادیث روایت کی ہیں۔ دمشق کے قاضی اور نہایت ثقہ محدث تھے۔ ابن سعد نے لکھا ہے: وله أحاديث (۷۵)۔ آپ کوفہ میں درس حدیث دیتے تھے۔ آپ ۷۲ سال زندہ رہے۔

محدثین شام

شام کے محدثین میں ہشام اور دحیم دو نامور محدث ہیں۔ امام ابن ماجہ جب دمشق آئے اس وقت ان کے درس کا شہرہ تھا۔ امام موصوف نے ان سے بکثرت احادیث روایت کیں۔

حافظ عبدالرحمٰن بن ابراہیم دحیم (م ۲۴۵ھ)

عبدالرحمٰن بن ابراہیم بن عمرو بن میمون الاموی مولی آل عثمان ابوسعید الدمشقی القاضی المعروف بدحیم الحافظ ابن الیتیم۔ فقہ میں امام اوزاعی کے مذہب پر تھے۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ

میں ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے: الحافظ الفقیه الکبیر ابو سعید الاموی مولاهم الدمشقی الاوزاعی المذهب محدث الشام (۷۶)۔ بجز امام ترمذی کے تمام آئمہ صحاح ستہ ان کے شاگرد ہیں۔ طلب حدیث میں مصر، شام، حجاز، کوفہ اور بصرہ کا سفر کیا تھا۔

امام ابو داؤد کہتے ہیں کہ دمشق میں اپنے زمانے میں ان کی نظیر نہ تھی۔ مصر میں قاضی القضاۃ کے منصب پر ان کی طلبی ہوئی تھی کہ پیام اجل آ گیا اور رمضان المبارک ۲۴۵ھ کو بمقام فلسطین انتقال فرمایا (۷۷)۔

ابوالولید السلمی ہشام بن عمار (م ۲۴۵ھ)

ہشام دمشق کی جامع مسجد کے خطیب تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے بیس سال سے کسی خطبہ کو دوبارہ نہیں پڑھا (۷۸)۔ یہ حدیث کے درس پر اجرت لیا کرتے تھے (۷۹)۔ آپ ۲۴۵ھ میں وفات پائی (۸۰)۔

صحیح بخاری میں ان سے چار احادیث مروی ہیں۔ دمشق میں ان کے علاوہ چند مشہور محدثین درج ذیل تھے:

۱۔ عمر بن ضحاک

۲۔ ہشام بن خالد (ت ۲۳۹ھ)

۳۔ احمد بن عبداللہ بن میمون (ت ۲۴۶ھ)

۴۔ غیاث بن جعفر الشامی۔

۵۔ عثمان بن اسمٰعیل الدمشقی (۸۱)۔

مصر کے مراکز حدیث

مصر میں درس حدیث

مصر کو حضرت عمرو بن العاص نے فتح کیا اس میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص (م ۶۷ھ) تشریف لائے جو ابتداء سے ہی کاتب وحی رہے۔ یہاں تین سو صحابہ کرامؓ کے مبارک قدم

آئے۔ حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں: ''مصر ایک عظیم شہر اور وسیع اقلیم ہے جو اضلاع شرقی و غربی اور صعید اعلیٰ اور صعید ادنیٰ پر مشتمل ہے اس کو حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں فتح کیا تھا۔ صحابہ کرامؓ کی ایک خلقت یہاں آ کر سکونت گزیں ہوئی اور تابعین کے زمانہ میں یہاں علم کی کثرت رہی۔ پھر عمرو بن الحارث، یحییٰ بن ایوب، حیوۃ بن شریح، لیث بن سعد، ابن لہیعہ کے دور میں اور زیادتی ہوئی جو ابن وہب، شافعی، ابن القاسم اور ان کے تلامذہ تک باقی رہی''۔

ائمہ مجتہدین میں سے امام لیث بن سعد یہیں کے رہنے والے تھے جن کے متعلق امام شافعی فرماتے ہیں: اللیث افقه من مالك ضیعه اصحابه (۸۲) (لیث، امام مالک سے زیادہ فقیہ تھے لیکن ان کے تلامذہ نے انہیں ضائع کر دیا)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ ضائع کر دینے سے امام شافعی کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح امام مالک وغیرہ کی فقہ کی ان کے شاگردوں نے تدوین کی۔ امام لیث کے شاگردوں نے نہ کی۔

مصر کی چند مشہور درسگاہیں درج ذیل ہیں:

۱۔ درس گاہ حضرت یزید بن ابو حبیب مصری (م ۱۲۸ھ)

حضرت یزید بن ابو حبیب سوید ازدی مصری، مصر کے مفتی و محدث ہیں۔ ان کا حلقہ درس و افتاء مصر میں منعقد ہوتا تھا۔ جہاں سے علم دین کی اشاعت ہوئی۔ ابن سعد نے انہیں ثقہ اور کثیر الحدیث لکھا ہے (۸۳)۔

۲۔ درس گاہ حضرت لیث بن سعد مصریؒ (م ۱۷۵ھ)

حضرت لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن فہمی مصری کا خاندان اصفہان کا تھا۔ اور مصر میں آباد ہوا۔ حضرت لیث بن سعد، حدیث و فقہ کے ساتھ عربیت، نحو، شعر کے بھی عالم تھے۔ ان کی مجلس درس میں ان علوم کا بھی چرچا رہتا تھا (۸۴)۔ یہ سعید مقبریؒ کی احادیث زیادہ صحیح طور پر بیان کرتے تھے۔ مقبری نے جو احادیث حضرت ابو ہریرہؓ سے سنی تھیں اور جو اپنے والد کی روایت سے سنی تھیں۔ لیث بن سعد ان سب میں فرق کیا کرتے تھے۔ اپنے تلامذہ سے کہتے تھے کہ میں نے عبیداللہ بن ابو جعفر سے براہ راست احادیث کا سماع نہیں کیا ہے۔ بلکہ یہ حدیثیں مناولہ کے طور پر ہیں۔ ایک دفعہ ان کے تلامذہ نے

کہا کہ ہم آپ سے ایسی حدیثیں سنتے تھے جو آپ کی کتابوں میں نہیں تو کہا: "کیا جو کچھ میرے سینے میں ہے میری کتابوں میں بھی ہے۔ اگر میں ان حدیثوں کو لکھوں تو ان کا بار اٹھانا مشکل ہو جائے"۔ ان کے غیر مصری طلبہ نے ان سے ایسی حدیثیں روایت کی ہیں جو ان کے مصری طلبہ کے یہاں نہیں ہیں (۸۵)۔

۳۔ جامعۃ الازہر

یہ یونیورسٹی اسلامی علوم کی قدیم درسگاہ ہے اور اسلامی دنیا کی میں ایک معروف مقام رکھتی ہے۔ شیخ الازہر کا بہت بڑا مقام ہے۔

محدثین مصر

چند مشہور محدثین مصر درج ذیل ہیں:

۱۔ حافظ ابن السرحؒ (م ۲۵۰ھ)

یہ حافظ حدیث ہونے کے ساتھ فقیہ بھی تھے۔ انہوں نے مؤطا کی شرح بھی تصنیف کی تھی۔ امام مسلم، امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ ان کے شاگرد ہیں۔ امام ابن ماجہ نے ان سے بکثرت حدیثیں روایت کی ہیں۔ ذہبی لکھتے ہیں: کان من کبار العلماء۔ ابن یونس کہتے ہیں: کان فقیها من الصالحین الاثبات۔ ذیقعدہ ۲۵۰ھ میں وفات پائی (۸۶)۔

۲۔ ربیع مرادیؒ (م ۲۷۰ھ)

۱۷۴ میں پیدا ہوئے۔ فسطاط کی "جامع مسجد" کے مؤذن تھے۔ امام شافعی کے مخصوص تلامذہ میں سے ہیں (۸۷)۔ اور علماء شافعیہ کے یہاں اس درجہ معتمد ہیں کہ اگر امام شافعی سے کسی فقہی مسئلہ کی نقل میں ان کے اور مزنی کے درمیان اختلاف ہو جائے تو باوجود مزنی کی جلالت شان کے ربیع کی روایت کو ترجیح ہوگی۔ امام شافعیؒ کو ان سے حد درجہ محبت تھی کہ ایک بار ان سے فرمانے لگے "ربیع" اگر علم کھلایا جاتا تو میں تمہیں کھلا دیتا"۔ آپ نے ۲۷۰ھ کو انتقال کیا (۸۸)۔

۳۔ محمد بن رمحؒ (م۲۴۲ھ)

حدیث میں امام مسلم اور ابن ماجہ ان کے شاگرد ہیں۔ امام نسائی کا بیان ہے کہ: "ان سے ایک حدیث میں بھی غلطی نہیں ہوئی"۔ ابن یونس نے ان کے بارے میں یہ الفاظ لکھے ہیں: "ثقہ ثبت فی الحدیث" صحیح مسلم میں ان کی روایت سے ایک سو اکسٹھ حدیثیں منقول ہیں۔ اور سنن ابن ماجہ میں بھی ان سے بکثرت احادیث درج ہیں۔ ۲۴۲ھ میں وفات پائی (۸۹)۔

۴۔ یونس بن عبدالاعلیٰؒ (م۲۶۴ھ)

فقہ کی تعلیم امام شافعی سے حاصل کی۔ حدیث میں امام مسلم، نسائی اور ابن ماجہ کو آپ سے تلمذ حاصل ہے۔ امام شافعی کا بیان ہے "کہ مصر میں ان سے زیادہ عاقل میری نظروں سے نہیں گزرا"۔

ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں تصریح کی ہے کہ سنن ابن ماجہ میں ان سے جو حدیث بروایت امام شافعی سے منقول ہے اور جس کے آخر میں لا مھدی الا عیسیٰ بن مریم کے الفاظ مذکور ہیں وہ منکر ہے (۹۰)۔ ۲ ربیع الآخر ۲۶۴ھ کو وفات پائی۔

اس کے علاوہ چند محدثین مصریہ ہیں۔ عبداللہ بن محمد بن رمح بن المھاجر التیمی ابو سعید المصری (م۲۰۰ھ)۔ عمرو بن سواد بن الاسود العامری السرحی ابو محمد المصری (ت ۲۲۵ھ)۔ محمد بن الحارث بن راشد بن طارق الاموی عمر بن عبدالعزیز ابو عبداللہ مؤذن جامع مسجد (م۲۴۱ھ)۔ محمد بن سلمہ بن عبداللہ بن ابی فاطمہ المرادی الجملی مولاھم ابو الحارث المصری (م۲۴۸ھ)۔

یمن کے مراکز حدیث

مراکز حدیث میں ایک نام یمن بھی ہے۔ اس علمی مرکز کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہاں تعلیم و تبلیغ کے لیے رسول اللہ نے خود حضرت علی، معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کو بھیجا۔ انہوں نے وہاں کے لوگوں کو حدیث نبوی کی تعلیم سے متمتع فرمایا (۹۰-۱)۔

حضرت معاذ بن جبل خلافت ابو بکر صدیق تک وہاں رہے پھر شام تشریف لے گئے۔

آنحضرت ﷺ نے یمن سے تعلق رکھنے والے صحابی حضرت ابو شاہ کو فتح مکہ کے دن اپنا خطبہ تحریر کروا کے

عنایت فرمایا تھا۔حضرت ابو ہریرہؓ اور ان کے شاگرد حضرت ہمام بن منبہ کا تعلق بھی یمن سے تھا جن کا تیار کردہ صحیفہ آج ہمارے پاس ذخیرۂ احادیث کے ابتدائی تحریری ماخذوں میں شمار ہوتا ہے۔طاؤس بن کیسان، وہب بن منبہ اور یحیٰی بن ابو کثیر مرکز یمن کے نمایاں شیوخ میں سے ہیں۔دیگر مراکز کی نسبت یمن کا حدیث کی نشر و اشاعت میں کم دخل ہے۔اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ فتوحات میں شمولیت کے لیے اہل علم یہاں سے تشریف لے گئے جن میں سے اکثر نے بلادِ شام کا رُخ کیا(۹۰-۲)۔

قاسم بن مخیمر کہتے ہیں کہ میں ابن عمر کی مجلس میں حاضر ہوا انہوں نے نہایت گرمجوشی سے میرا استقبال کیا اور اپنے پہلو میں بٹھا کر یہ آیت پڑھی" من یرتد منکم عن دینه فسوف یاتی الله بقوم "(المائدۃ(۵)۵۴)(جو آپ میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ ایسے لوگوں کو لے آئے گا)۔اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا واللہ! تم ہی اہل یمن سے ہوگی جو مرتدوں کا قلع قمع کرے گی۔ یہ بات بار بار کہتے رہے(۹۰-۳)۔

اندلس میں علم حدیث کا ارتقاء
(پہلی صدی ہجری سے چھٹی صدی ہجری تک)

موسیٰؒ بن نصیر کے اندلس پر حملہ اور غلبہ کے بعد جب صحابہ کرامؓ کی یہاں آمد و رفت شروع ہوئی تو اسی وقت علوم دینیہ کی درس و تدریس کا بھی آغاز ہو گیا۔ صحابہ میں منذر یا منیذر (بہ اختلاف روایت) اور تابعین میں موسیٰ بن نصیر فاتح، علی بن رباح، حنش بن عبداللہ الصنعانی یمنی ہیں۔ مؤخر الذکر پر تو اہل اندلس کو ناز تھا (۹۱)۔

قرآن پاک کی طرح علم حدیث بھی انہی فاتح علماء کے ساتھ اندلس میں داخل ہوا۔ چند ہی دنوں میں اس نے باقی علوم میں بہت اہم مقام حاصل کر لیا اور مسلم علما کی توجہ نے اسے اوج ثریا تک پہنچا دیا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ علم حدیث اسلامی شریعت کے لیے ایک بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے (۹۲)۔

بلاد مغرب اور اندلس امام مالکؒ بن انس کی فقہ کے مرکز سمجھے جاتے تھے۔ علمِ حدیث میں اہلِ اندلس کا اصلی مرجع "مؤطا امام مالک" تھا جسے درس و تدریس اور افتاء کی غرض سے وہ برابر مطالعہ میں رکھتے تھے۔ ان کا تعلق ان فقہا سے تھا جو علم حدیث کو فقہ اسلامی کے لیے بنیادی مصدر مانتے تھے۔ چنانچہ اس عظیم کتاب اور اس کی طرف علماء کے کثرتِ میلان کے باعث اندلس میں امام مالکؒ کے مسلک کو کافی فروغ ملا (۹۳)۔ البتہ اصطلاحی معنوں میں علمِ حدیث، مثلاً جرح و تعدیل، جمع روایات، اسباب و علل کی معرفت، اسماء الرجال، واجب العمل احادیث کی معرفت، ناسخ و منسوخ کی حقیقت جمع احادیث اور دیگر مباحث سے تعرض، اہل اندلس کے یہاں غیر معروف تھا (۹۴)۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اندلس اس وقت محدثین سے خالی تھا۔ بلکہ اس زمانہ میں وہاں معاویہ بن صالح الحضرمی، داؤد بن جعفر الصغیر، حبیب بن الولید، صعصعۃ بن السلام شامی اور غازی بن قیس القرطبی جیسے بلند پایہ محدثین موجود تھے۔ معاویہ بن صالح الحضرمی (م ۱۵۸ھ/۷۷۴ء) جو اندلس کے قاضی بھی تھے، ۱۲۳ھ/۷۴۰ء میں اندلس آئے۔ داؤد بن جعفر الصغیر جن کے بارے میں کہا جاتا ہے انہوں نے اپنے ایک شاگرد کو تین ہزار احادیث املا کرائی تھیں، ابن الفرضی فرماتے ہیں کہ ان کا تعلق قرطبہ سے تھا، مالک بن انس اور

سفیان بن عیینہ سے حدیث کی سماعت کی'' (۹۵)۔ حبیب بن الولید، صعصعہ بن سلام الشامی (م۱۹۴ھ) جن کے متعلق ابن یونس کی رائے ہے کہ یہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اندلس میں علم حدیث کی بنیاد رکھی (۹۶)۔ غازی ابن قیس القرطبی (م۱۹۹ھ) (۹۷) جنہوں نے اہلِ اندلس کو عبدالرحمٰن بن معاویہ کے زمانہ (۱۳۸ھ/۱۷۲ھ) میں امام مالک کی مؤطا سے متعارف کرایا اور امام مدینہ مالکؒ بن انس سے بھی اخذ کیا تھا۔

یہ محدثین بہت کم تعداد میں تھے۔ ان کی کوئی منظم مجلس نہیں ہوا کرتی تھی اور نہ انہوں نے بعد والوں کے استفادہ کے لیے کوئی سرمایہ چھوڑا کیونکہ اہل مغرب اس وقت فقہی فروعات ہی میں زیادہ مشغول تھے۔ البتہ حدیث نبویؐ کی طرف انہوں نے اس وقت توجہ مبذول کی جبکہ محمدؒ بن وضاح (م۲۷۷ھ) اور بقی بن مخلد اپنے علمی سفر سے واپس آ گئے۔ چنانچہ ان دونوں محدثین سے قبل علم حدیث کسی مستقل فن کی حیثیت سے معروف نہیں تھا کہ جس کے اصول وضوابط متعین ہوں۔ لوگ مؤطا امام مالک کے علاوہ کسی اور ماخذ سے واقف نہیں تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس علم کی طرف اس طرح توجہ نہیں دی جس طرح فقہ مالکی کی طرف دی۔ یہاں تک کہ قرعوس بن العباس جنہوں نے براہِ راست امام مالکؒ سے سماعت حدیث کی وہ بھی فقہ مالکی ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ انہیں علم حدیث سے کوئی خاص شغف نہیں تھا (۹۸)۔

محمدؒ بن وضاح (م۲۷۷ھ) وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم حدیث کو اس کے معروف معنی میں اندلس کی علمی زندگی میں داخل کیا۔ اسی لیے صحیح معنی میں پہلے محدث یہی سمجھے جاتے ہیں۔ حدیث سننے کی غرض سے لوگ ان کے پاس اکٹھا ہوتے تھے اور وہ اسناد کے ساتھ انہیں احادیث بیان کرتے تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے دو مرتبہ مشرق کا بھی سفر کیا (۹۹)۔ ان کے متعلق امام ذہبی کا خیال ہے کہ ۱۹۹ھ یا ۲۰۰ھ میں قرطبہ میں ولادت ہوئی۔ یحیٰی بن یحیٰی اللیثی، اسماعیل بن ابی اویس، زہیر بن عباد، اصبغ بن الفرج، حرملہ، اسحاق بن ابی اسرائیل اور یعقوب بن کاسب وغیرہم سے حدیث کی سماعت کی۔ اس سے قبل سفر کر کے آدم بن ابی ایاس سے ملاقات کر چکے تھے پھر حجاز، شام، عراق اور مصر کی طرف بھی کوچ کیا۔ بہر کیف اندلس میں علم حدیث پہنچانے کا سہرا انہیں کے اور ان کے بعد بقی بن مخلد کے سر

بندھتا ہے(۱۰۰)۔

ابن الفرضی نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ ''وہ حدیث کے ایک جید عالم، طرق حدیث میں ماہر، علل حدیث پر محکم گفتگو کرنے والے، متقی، زاہد، علم کی نشر و اشاعت میں مستقل مزاجی کے ساتھ منہمک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ اہل اندلس کو کافی فائدہ پہنچایا(۱۰۱)۔ ابن وضاح نے سعید بن منصور، آدم بن ایاس، ابن حنبل، ابن معین، ابن المدینی، عبداللہ بن ذکوان، ابوخیثمہ، ابن المصطفیٰ اور کاتب اللیث وغیرہ سے شرف ملاقات حاصل کیا۔ لوگوں کو حدیث رسول کا علم، اطمینان اور مستقل مزاجی کے ساتھ حصول اجر کی نیت سے سکھاتے تھے۔ ابن وضاح سے احمدؒ بن خالد، محمدؒ بن لبابہ، محمدؒ بن غالب ابو صالح، ابن الخزازؒ عبدالملک بن ایمن، قاسمؒ بن اصبغ اور وہبؒ بن مسرۃ وغیرہ نے علم حدیث حاصل کیا(۱۰۲)۔ ابن وضاحؒ نے اپنی پوری زندگی حدیث اور علوم حدیث کی تدریس میں صَرف کر دی مگر اس کے ذریعے کسی عہدہ یا مال کی تمنا نہ کی۔ بلاشبہ وہ اندلس میں مدرسہ علم حدیث کے بانی اور ساتھ ہی اہل اندلس کو زہد و تقویٰ کی طرف رہنمائی کرنے والے انسان تھے(۱۰۳)۔

ابن وضاح کے بعد ابوعبدالرحمنؒ بقی بن مخلد القرطبی (۲۰۱-۲۷۶ھ/۸۱۶-۸۸۹ء) کا نام آتا ہے۔ جو ابن وضاح کے معاصر تھے۔ انہوں نے پہلے اندلس میں یہ علم حاصل کیا تھا پھر مشرق کی جانب دوبار سفر کیا۔ پہلا سفر بیس سال اور دوسرا چودہ سال پر مشتمل تھا۔ اسی طرح آپ نے حصول علم میں اپنی جوانی صَرف کر دی۔ انہوں نے ابن وضاحؒ کے تمام شیوخ کے علاوہ مزید ۲۸۴ شیوخ سے بھی استفادہ کیا(۱۰۴)۔ انہوں نے پہلی مرتبہ اہل اندلس کو علم حدیث میں ابن ابی شیبہ کی مسند سے متعارف کرایا(۱۰۵)۔

انہوں نے امام احمدؒ بن حنبل سے اس وقت جبکہ امام موصوف نے اپنے اوپر حدیث بیان کرنے پر پابندی عائد کر لی تھی، فقیر کے بھیس میں علم حدیث سیکھا(۱۰۶)۔ بقیؒ بن مخلد کا یہ امتیاز ہے کہ انہوں نے فقہ مالکی کو علمی حیثیت عطا کی۔ اس طرح بلاد اندلس میں ایک نئی بیداری پیدا کر دی۔ وہ جملہ فقہی مذاہب کی تقلید سے بالاتر ہو کر براہ راست کتاب و سنت کی پیروی کی دعوت دیتے رہے۔ ان کی ایک بلند پایہ تفسیر اور المسند الکبیر بھی ہے۔ ان کی تفسیر کے متعلق ابن حزم کا خیال ہے کہ ''اس جیسی کوئی

تفسیر نہیں لکھی گئی''(۱۰۷)۔ یحیٰی بن یحیٰی اللیثی القرطبیؒ، ابومصعبؒ الزہری، یحیٰیؒ بن بکیر، ابراہیمؒ بن المنذر الحزامی، زہیر بن عباد، صفوان بن صالح، یحیٰی بن عبدالحمید الحمانی، ابن نمیر اور ابن ابی شیبہ سے انہوں نے حدیث کی سماعت کی ہے(۱۰۸)۔ بقیؒ بن مخلد سے ان کے صاحبزادے احمد، احمد بن عبداللہ الاموی اور ابن یونس القبیر ی اور دیگر علماء نے روایت کی ہے(۱۰۹)۔ ان کے متعلق ابوالولید القرضی کا خیال ہے کہ بقی نے اندلس کو علم حدیث سے مالا مال کر دیا(۱۱۰)۔ مذہب اہل الاثر کے مطابق عمل کرنے کی وجہ سے لوگوں نے بقی کے خلاف کافی تعصب کا مظاہرہ کیا مگر اس وقت کے امیر محمدؒ بن عبدالرحمان المروانی نے ان کی حمایت کی اور ان کی کتابوں کی نقلیں تیار کروا کر اشاعت کی، مزید فرمایا کہ''آپ اپنے علم کو جہاں تک ممکن ہو سکے خوب پھیلایئے(۱۱۱)۔ بقی کا کہنا ہے کہ میں نے اندلس میں مسلمانوں کے لیے ایسا پودا لگا دیا ہے جسے دجال کے ظہور ہی پر اکھاڑا جا سکتا ہے(۱۱۲)۔ ان کے متعلق ابن حزم کا خیال ہے کہ بقی امام احمد بن حنبل کے خاص لوگوں میں سے تھے اور بخاریؒ، مسلمؒ اور نسائیؒ کی راہ کے رہرو تھے(۱۱۳)۔ یہ درس دینے کے ساتھ کتابوں کی تالیف بھی کرتے رہے۔ ان کا شمار اندلس کے بلند پایہ مؤلفین میں ہوتا ہے۔ بقی نے ایک مسند بھی تصنیف کی جس میں احادیث کو رجال سند اور موضوع کے اعتبار سے ترتیب دیا۔

کتانی نے اس مسند کے متعلق ابن حزم کا قول نقل کیا ہے کہ اس مسند میں انہوں نے ایک ہزار تین سو سے کچھ زائد صحابہ کرامؓ سے روایت کی ہے اور اس کی ترتیب ابواب فقہ کے لحاظ سے کی ہے۔ اس کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک ایسی تالیف ہے جس کی مثال ابھی منصۂ شہود پر نہیں آ سکی ہے(۱۱۴)۔

ان دونوں کے معاصر شیخ الفقہاء والمحدثین ابو محمدؒ قاسم بن محمد البیانی الاندلسی القرطبی (م۲۷۶ھ) ہیں۔ جو مجتہد کی حیثیت سے معروف ہیں۔ ایک کتاب''الایضاح فی الرّد علی المقلدین''کے مصنف بھی ہیں(۱۱۵)۔ البتہ علم حدیث کی نشر و اشاعت میں ان کا وہ مقام نہیں ہے جو ابن وضاح اور بقی کا رہا ہے۔ ان علماء کے علاوہ اندلس میں دیگر علماء حدیث بھی نظر آتے ہیں جن میں ابو عمر احمد بن خالد بن یزید القرطبی (م۳۱۲ھ) سرفہرست ہیں، جنہیں ابن الجباب کے نام سے بھی جانا جاتا

ہے۔انہوں نے یمن میں بقی بن مخلد، محمد بن وضاح، قاسم بن محمد اور اسحاق الوبری سے اور مکہ میں علی بن عبدالعزیز سے سماعت کی (۱۱۶)۔ان کے متعلق قاضی عیاض کا خیال ہے کہ فقہ مالکی میں امام جانے جاتے تھے اور علم حدیث میں بے مثال درک رکھنے والے تھے۔ان سے خلق کثیر نے سماعت کی ہے (۱۱۷)۔جن میں محدث اندلس حافظ ابوعبداللہ محمدؒ بن فطیس بن واصل الخافقی الاندلسی البیری (م ۳۱۹ھ) ہیں جو ابن فطیس کے نام سے بھی معروف ہیں۔انہوں نے طلب حدیث کی خاطر مصر، حجاز، افریقہ، کا سفر کیا اور کہا کرتے تھے کہ میں نے اپنے اس سفر میں دوسو شیوخ سے ملاقات کی (۱۱۸)۔ان کے بعد ابوعبداللہؒ محمد بن محمد بن قاسم بن قاسم القرطبی (۲۰۳-۳۲۸ھ) نے اپنے والد ماجد اور بقی بن مخلد وغیرہ سے سماعت حدیث کی اور اس کی خاطر سفر کیا۔مکہ، بصرہ، کوفہ، بغداد، دمیاط، اسکندریہ اور قیروان کی طرف رحلات علمیہ میں ۱۶۰ شیوخ سے استفادہ کیا (۱۱۹)۔ابومحمد الباجیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے قرطبہ میں ان سے بڑا محدث کسی کو نہیں پایا (۱۲۰)۔ ان کے بعد معروف محدث حافظ قاسم بن اصبغ البیانی القرطبی (۲۴۴-۳۴۰ھ/ ۸۵۸-۹۵۲ء) آئے۔انہوں نے قرطبہ میں بقی بن مخلد، مخلد بن وضاح، مطرف بن قیس، اصبغ بن حنبل اور ابن مرۃ سے سماعت کی (۱۲۱)۔۲۷۴ھ میں مشرق کا سفر کیا (۱۲۲)۔مکہ، بغداد اور کوفہ میں قیام کے دوران شہروں کے علماء وشیوخ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا (۱۲۳)۔مکہ میں محمد بن اسماعیل الصائغ اور علی بن عبدالعزیز سے کوفہ میں ابراہیم بن ابی العباس وغیرہ اور عبداللہ بن الامام احمدؒ بن حنبل سے حدیث کی سماعت کی۔ابن ابی خیثمہؒ کی تاریخ خود انہیں کے واسطہ سے لکھی۔ابن قتیبہؒ سے ان کی اکثر کتابوں کی سماعت کی اور اسی طرح دیگر اصحاب علم سے بھی۔مصر میں محمدؒ بن عبداللہ العمری سے استفادہ کیا (۱۲۴)۔جب اندلس آئے تو علم کا ایک خزانہ ان کے پاس تھا۔چنانچہ لوگ احمد بن زہیرؒ کی تاریخ، ابن قتیبہؒ کی کتابوں اور علوم حدیث کی طلب میں ٹوٹ پڑے (۱۲۵)۔ان کے متعلق ابن الفرضی مقری اور ذہبی کا کہنا ہے کہ انہیں حدیث اور رجال حدیث میں بڑی دسترس حاصل تھی (۱۲۶)۔ان سے ان کے پوتے قاسمؒ بن محمد بن قاسم، عبداللہؒ بن محمد الباجی، عبدالوارثؒ اور خالدؒ بن سعد القرطبی نے حدیث کی سماعت کی (۱۲۷)۔سنن ابی داؤد کے انداز پر ایک سنن ترتیب دی۔اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جب یہ ۲۷۶ھ میں محمد بن الیمین کے ساتھ عراق آئے تو ان کی آمد سے ذرا پہلے ابوداؤد وفات پا چکے تھے۔

وہیں ہر ایک نے یہ طے کرلیا کہ ابوداؤد کی کتاب جس شکل میں موجود ہے اسی طرح کی ایک اور کتاب ترتیب دی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا اور اپنے شیوخ کی روایت سے احادیث کی تخریج کی۔ اس طرح دو اور اہم تصنیفات کا اضافہ ہوا۔ پھر قاسم بن اصبغ نے اپنی تصنیف کا اختصار پیش کیا اور اس کا نام ''المجتبیٰ'' رکھا انہوں نے ۲۴۹۰ احادیث کو کل ۷ حصّوں میں منقسم کیا (۱۲۸)۔ اندلس میں علم حدیث کی نشر و اشاعت میں ان کا بہت اہم رول رہا ہے (۱۲۹)۔

ان کے معاصرین میں حافظ امام ابوعلی الحسنؒ بن سعد بن ادریس القرطبیؒ (م ۳۳۱ھ) رہے ہیں جنہوں نے بقی بن مخلد سے سماعت کی مکہ میں علی بن عبدالعزیز البغویؒ، یمن میں اسحاق الوبریؒ، مصر میں یوسف بن یزید القراطیسیؒ اور بصرہ میں ابومسلم الکجیؒ سے بھی سنا، یہ علامۃ العصر، غیر مقلد مجتہد اور امام شافعیؒ کے اقوال سے زیادہ موافقت رکھتے تھے (۱۳۰)۔ ان کے دوسرے معاصر ابوالحزمؒ وہب بن مسکرۃ التمیمیؒ الاندلسی (م ۳۴۶ھ) بھی ہیں۔ انہوں نے محمد بن وضاحؒ اور عبیداللہ بن یحییٰؒ اور اس طبقہ کے افراد سے حدیث کی سماعت کی۔ قاضی عیاض کا ان کے متعلق خیال ہے کہ یہ فقہ کے حافظ، اس میں دسترس رکھنے والے اور حدیث و رجال اور علل حدیث میں ماہر تھے۔ ساتھ ہی زہد و تقویٰ میں بے مثال تھے (۱۳۱)۔

اندلس میں علم حدیث اسی رفتار کے ساتھ نشو و نما پاتا رہا۔ یہاں تک کہ قاسم بن اصبغ کے شاگرد رشید امام خالد بن سعد القرطبیؒ (م ۳۵۲ھ) نے اندلس کے علماء حدیث پر ایک جامع کتاب تصنیف کی۔ یہ قرطبہ میں اپنے ہم عصر حفاظ حدیث میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ ایک عظیم امام کی حیثیت سے بھی معروف تھے۔ ان کے بارے معروف ہے کہ انہوں نے ایک نشست میں ۲۰ احادیث حفظ کر ڈالیں (۱۳۲)۔ اندلس کے امیر مستنصر کہا کرتے تھے کہ ''جب اہلِ مشرق ہمارے سامنے یحییٰ بن معینؒ پر فخر کا اظہار کریں گے تو ہم خالد بن سعد کو پیش کریں گے اور ان پر فخر کریں گے (۱۳۳)۔ اس وقت کے مشہور محدثین میں قرطبہ کے ابوعمر احمد بن سعید بن حزم بن یونس الصدفیؒ (۲۸۴-۳۵۰ھ / ۸۹۷-۹۶۱ء) ہیں۔ انہوں نے ۳۱۱ھ میں طلب حدیث کے لیے رخت سفر باندھا اور زبردست ذخیرہ علم کے ساتھ اندلس واپس آئے (۱۳۴)۔ ان کی آثار پر مکمل توجہ تھی (۱۳۵)۔ ایک بڑی جماعت

نے ان سے علم حدیث کا درس لیا۔ اندلس میں تاحیات احادیث بیان کرتے رہے اور سنت نبویؐ کی خدمت میں لگے رہے (۱۳۶)۔

ان کے بعد ابوعبداللہ محمد بن احمد بن یحییٰ بن مفرج الاموی الاندلسی القرطبیؒ (م ۳۸۰ھ) کا نام آتا ہے جو ابن الخرج کے نام سے مشہور ہیں اور جن کے والد قنوری کے نام سے معروف ہیں۔ قرطبہ میں قاسم بن اصبغ اور طرابلس میں خیثمہ بن سلیمانؒ سے حدیث کی سماعت کی۔ ان سے حافظ ابوسعیدؒ بن یونس جو خود ان کے شیخ ہیں ابوالولید بن الفرضیؒ، ابوعمر احمد بن محمد الطلمنکیؒ اور ایک خلق کثیر نے روایت کی ہے۔ ان کے شیوخ کی تعداد ۲۳۰ تک پہنچتی ہے (۱۳۷)۔ ابن الفرضی کی رائے ہے کہ ''وہ حافظ حدیث تھے، رجال حدیث اور ان کے احوال سے بخوبی آگاہ تھے'' (۱۳۸)۔ ابوعمر احمد بن محمد بن عفیفؒ کا کہنا ہے کہ ''ابوعبداللہ بن مفرجؒ ان لوگوں میں سے تھے جن کو علم سے کافی لگاؤ تھا۔ حدیث کے بلند پایہ حافظ اور فن رجال پر کافی عبور رکھتے تھے۔ میں نے ان کی طرح اس فن میں کسی کو نہیں دیکھا۔ اندلس میں موجود تمام محدثین کے مقابلہ میں زیادہ ثقہ اور اپنی کتابوں کو خوب اچھی طرح یاد رکھنے والے تھے (۱۳۹)۔ مسند قاسم بن اصبغ کو سات جلدوں میں جمع کیا (۱۴۰)۔

اندلس کے معروف محدثین میں ابوالقاسم خلف بن القاسم بن سہلؒ (۳۲۵-۳۹۳ھ) ہیں۔ مشرق کا سفر کیا اور مصر، مکہ اور دمشق کے اکثر محدثین سے حدیث کی سماعت کی۔ حدیث مالک اور حدیث شعبہ کی تصنیف کی نیز زہد کے موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی (۱۴۱)۔ اندلس کی ایک جماعت نے ان کے واسطہ سے حدیث بیان کی جن میں ابوعمر الدانیؒ، ابوعمر یوسفؒ بن عبدالبر ہیں۔ ابن عبدالبر کا حال تو یہ تھا کہ اپنے جملہ شیوخ میں کسی کو بھی ان سے زیادہ قابل نہیں سمجھتے تھے (۱۴۲)۔ اس زمانے کے ایک اور محدث ابوعمر احمد بن عبداللہ بن محمد علی اللخمی الاشبیلیؒ (۳۳۲-۳۹۶ھ) جو ابن الباجی کی کنیت سے مشہور ہیں۔ انہوں نے مشرق کا سفر کیا (۱۴۳)۔ ابوعبداللہ الخولانی کا کہنا ہے کہ ابوعمر حدیث اور وجوہ حدیث سے واقف مشہور امام تھے۔ میں نے کوئی محدث متانت و سنجیدگی میں ان کے برابر نہیں دیکھا (۱۴۴)۔ عبدالغنی الازدیؒ کا کہنا ہے کہ ابوعمر نے میرے واسطے سے لکھا ہے اور میں نے ان کے واسطے سے لکھا ہے (۱۴۵)۔ امام ذہبی کا خیال ہے کہ ان سے ابوعمر بن عبدالبر نے حدیث بیان کی (۱۴۶)۔ ان کے بعد

ابوجعفر احمد بن محمد بن عبیدہ الاموی الطلیطلی المعروف ابن میمون (م ۴۰۰ھ) کا نام آتا ہے۔ انہوں نے اندلس کے اکثر محدثین سے سماعت کی اور مشرق کا سفر کیا۔ چنانچہ جب واپس آئے تو لوگ زانوئے تلمذ تہ کرنے کی خاطر لپک پڑے (۱۴۷)۔ ابن مظاہر کہتے ہیں کہ ''ان کا شمار اہل دانش وبینش میں ہوتا تھا۔ حافظ تھے اور حدیث کے عظیم راوی سمجھے جاتے تھے۔ تمام علوم میں درک رکھتے تھے۔ اخلاق وادب اور زہد و ورع میں ممتاز تھے۔ طریقہ آخرت پر پوری طرح گامزن تھے۔ انہوں نے شادی نہیں کی تھی (۱۴۸)۔ ان کے ساتھی ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن حسین بن شنظیر الاموی (م ۴۰۲ھ) تھے۔ یہ دونوں شیوخ ''الصاحبان الحافظان'' کے لقب سے مشہور تھے (۱۴۹)۔

ابن بشکوال نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ ''یہ دونوں علم حدیث، روایت کی تحقیق وضبط میں پوری توجہ دینے میں مقابلہ کے شہ سوار سمجھے جاتے تھے (۱۵۰)۔ ابو اسحاق ایک شب زندہ دار کثرت سے روزے رکھنے والے، زاہد اور متقی شخص تھے۔ ان پر علم حدیث اور اس کے طرق کی معرفت کا غلبہ رہتا تھا (۱۵۱)۔ ان کے بعد حافظ مقری ابو عمر احمد بن محمد بن عبداللہ المعافری القرطبی الطلمنکی (۳۴۰-۴۲۹ھ) کا شمار ہوتا ہے۔ انہوں نے اندلس میں اکثر محدثین سے سماعت کی۔ مشرق کا رخت سفر باندھا اور وہاں کے محدثین سے ملاقات کی اس طرح وہ اندلس علم حدیث کا عظیم ذخیرہ لے کر واپس آئے (۱۵۲)۔ ان کے واسطہ سے ابو عمر بن عبدالبر اور ابو محمد بن حزم وغیرہ نے روایت کی (۱۵۳)۔ علوم قرآن وحدیث کے امام اور سنن کے حافظ تھے۔ بلاشبہ وہ اپنے زمانہ کے بلاشرکت غیرے ایک بے مثال عالم تھے (۱۵۴)۔ امام ذہبی ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ ''حدیث اور رجال حدیث کی مکمل معرفت انہیں حاصل تھی۔ سنن کے حافظ، دینی اصولوں سے واقف کاربلند پایہ استاد کے حامل اور عزم و استقامت کے پہاڑ تھے (۱۵۵)۔ طلمنکی ہی کی طرح علم حدیث میں قاضی القضاۃ ابوعبیداللہ یونس بن عبداللہ بن محمد بن مغیث القرطبی (۳۸۸-۴۲۳ھ) بھی ہیں۔ انہوں نے بہت سے محدثین سے سماعت حدیث کی ہے اور اس کی طرف سنجیدگی سے توجہ مبذول کی۔ مصر سے حسن بن رشیق اور عراق سے ابوالحسن دارقطنی نے انہیں سند اجازت عطا کی۔ سنن نسائی وغیرہ کو ابوبکر محمد بن معاویۃ المروانی اور مؤطا کے راوی ابوعیسیٰ اللیثی کے واسطہ سے بیان کیا (۱۵۶)۔ ان کے ساتھی ابو عمر بن مہدی کا خیال ہے کہ ''یہ حدیث کے جید علماء میں سے تھے،

بہت زیادہ روایتیں بیان کرنے والے، خوش قسمت، زہد وتقوٰی پر مشتمل عمدہ اشعار لکھنے والے بلیغ اور خشوع وخضوع سے پر خطابت کے حامل تھے۔ جو بھی سنتا وہ خود پر قابو نہیں رکھ پاتا۔ مزید برآں وہ ایک متقی، زاہد وعابد مخلص تھے (۱۵۷)۔ حسین مونس نے نقل کیا ہے کہ "وہ حدیث وفقہ میں کافی دسترس رکھتے تھے (۱۵۸)۔ اور یہ دونوں عالم الطلمنکی اور ابوعبداللہ یونس ایک پوری نسل کے استاذ ہیں جو ابن حزم الظاہری، ابوعبداللہ محمد بن غیاث، علی الجیانی، ابوالولید الباجی جیسے افراد پر مشتمل ہے۔ جنہوں نے محمد بن وضاح اور بقی بن مخلد کے منصوبوں اور مقرر کردہ مناہج پر پوری طرح عمل کر کے دکھایا۔

پانچویں صدی ہجری میں قرآن وحدیث سے احکام مستنبط کرنے میں وسعت کا عمل مکمل ہو گیا۔ اس طبقہ کے محدثین میں حافظ ابوعمر عثمانؒ بن سعید بن عثمان القرطبی ہیں، جنہیں الدانی سے جانا جاتا ہے (۳۷۱-۴۴۴ھ)۔ انہوں نے بھی بلادِ مشرق کا سفر کیا اور اکثر محدثین سے سماعت کی (۱۵۹)۔ الدانی کہا کرتے تھے کہ "مجھے جو چیز بھی ملتی اسے نوٹ کر لیتا اور جسے تحریر کر لیتا وہ یاد ہو جاتی اور جو چیز یاد ہو گئی وہ کبھی نہیں بھولی" (۱۶۰)۔ ابن بشکوال فرماتے ہیں کہ "ابوعمر علم قراءت، روایات، تفسیر، معانی حدیث، طرق اور اعراب حدیث کے ایک جیّد امام تھے۔ ان تمام فنون میں عمدہ تالیفات جمع کی ہیں۔ انہیں حدیث، طرق حدیث، اور اسماء الرجال میں کافی دسترس حاصل تھی وہ خوشخط بھی تھے اور بلا کے ذہین سمجھے جاتے تھے (۱۶۱)۔ انہیں میں حافظ ابومحمد علی بن احمد بن سعید بن حزم القرطبی الظاہری بھی ہیں جنہیں ابن حزم (۳۸۴-۴۵۶ھ) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ان کے آباؤ اجداد میں سے کوئی پہلی بار اندلس میں سکونت پذیر ہوا (۱۶۲)۔ ان کے معاصر ابومروان بن حیان الاندلسی فرماتے ہیں کہ "ابن حزم متعدد علوم و فنون میں ماہر تھے۔ جن میں حدیث، فقہ، جدل، نسب اور متعلقات ادب شامل ہیں جبکہ قدیم تعلیم میں مختلف النوع میدانوں کے شہسوار بھی تھے (۱۶۳)۔

ابوحامد الغزالی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰی کے اسماء پر ایک ایسی کتاب میرے دیکھنے میں آئی جس کی تالیف ابومحمد ابن حزم نے کی ہے جسے دیکھ کر صاحب تالیف کی حد درجہ ذکاوت اور سرعت فہم کا واضح طور پر پتہ چلتا ہے (۱۶۴)۔

ابن حزم کے شاگرد قاضی صاعد بن احمد الاندلسی فرماتے ہیں کہ "ابن حزم اہل اندلس میں

اسلام کے جملہ علوم کے جامع اور علم و معرفت کے اعتبار سے فائق تھے۔ جبکہ علم اللسان، بلاغت، شعر، سنن، آثار و اخبار میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ مجھے ان کے صاحبزادہ الفضل نے بتایا کہ ان کے پاس ان کے والد کی ۴۰۰ تالیفات ان کی اپنی تحریر میں موجود ہیں۔ جو تقریباً اسی ہزار اوراق پر مشتمل ہیں (۱۶۵)۔

حافظ ابو عبداللہ محمد بن فتوح الحمیدی فرماتے ہیں کہ ''ابن حزم حافظ حدیث، کتاب وسنت سے احکام مستنبط کرنے والے، بیک وقت کئی کئی علوم کے ماہر اور علم کے ساتھ عمل کے پابند تھے۔ میں نے ان کی طرح کسی شخص کو نہیں دیکھا کہ اتنا ذہین، سریع الفہم، متدین اور شریف ہو۔ حدیث میں بہت زیادہ شہرت رکھتے تھے (۱۶۶)۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ''علامہ حافظ ابن حزم الظاہریؒ نے علوم شرعیہ میں دلچسپی لی۔ ان میں نمایاں مقام حاصل کیا اور اپنے ہم عصر علماء پر فوقیت لے گئے۔ مشہور کتابوں کی تالیف کی وہ ایک ادیب وطبیب اور فصیح شاعر تھے (۱۶۷)۔ عزالدین بن عبدالسلام کہتے ہیں کہ ''میں نے اسلامی کتابوں میں ابن حزم کی ''المحلیٰ'' اور شیخ موفق کی ''المغنی'' جیسی کوئی کتاب نہیں دیکھی (۱۶۸)۔ وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ مالکی فقہاء نے بربنائے تعصب ان کے خلاف علاقہ کے امراء کو ابھارا چنانچہ وہ ان سے ناراض ہو گئے انہیں ایذا پہنچائی، جلاوطن کر دیا اور ان کی کتابوں کو علانیہ طور پر جلا ڈالا۔ ایسے موقع پر ابن حزم نے ایک شعر کہا جو حروف زریں سے لکھنے کے قابل ہے۔

فان يحرقوا القرطاس لا يحرقوا الذي

تضمنه القرطاس بل هو في صدري

(پس اگر وہ کاغذ جلا دیتے ہیں تو کوئی حرج نہیں، قرطاس کے اندر جو کچھ ہے اسے نہیں جلا سکتے بلکہ وہ میرے سینے میں محفوظ ہے)۔

علماء اسلام میں سوائے ابن جریر طبری کے اور کوئی بھی اس مقام و مرتبہ کا حامل نہیں بنا (۱۶۹)۔

ان علماء میں ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر القرطبی (۳۶۸-۴۶۳ھ/ ۹۷۸-۱۰۷۱ء) بھی ہیں، جنہوں نے اکثر علماء اور محدثین سے سماعت کی۔ ابو القاسم عبدالوارث بن سفیان کے سامنے مؤطا ابن وہب ''عن قاسم بن اصبغ عن ابن وضاح عن سحنون وغیرہ'' کی سند سے پڑھی

اور ابوعمر الطلمنکی سے بھی چند روایتیں پڑھیں اور حافظ ابو الولید بن الفرضی کے سامنے مسند مالک پڑھی (۱۷۰)۔ بہت سے علماء اور محدثین نے ان کے واسطے سے حدیثیں بیان کی ہیں۔ جن میں ابومحمد ابن حزم، حافظ ابوعلی الغسانی الجیانی اور حافظ ابوعبداللہ الحمیدی وغیرہ ہیں (۱۷۱)۔ الحمیدی فرماتے ہیں کہ ''ابو عمر ایک فقیہ، حافظ، قرأت کے عالم، علوم حدیث اور رجال حدیث میں ماہر ہیں اور قدیم السماع تھے (۱۷۲)۔

ابوالولید الباجی فرماتے ہیں کہ ''علم حدیث میں ابوعمر بن عبدالبر جیسا فرد اندلس میں کوئی نہیں تھا''۔ مزید فرماتے ہیں ''ابوعمر اہل مغرب میں عظیم ترین حافظ مانے جاتے ہیں'' (۱۷۳)، ابوعلی الغسانی فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عبدالبر کو کہتے ہوئے سنا کہ ''علم حدیث میں قاسم بن محمد اور احمد بن خالد الحباب جیسا اندلس میں کوئی نہیں ہے''۔ ابوعلی نے مزید فرمایا کہ ''ابن عبدالبر ان دونوں سے کسی طرح نہ تو کم اور نہ ہی پیچھے تھے'' (۱۷۴)۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ ''یہ ثقہ امام، علامہ، متبحر اور قابل اتباع محقق تھے'' (۱۷۵)۔ انہوں نے بہت سی تصنیفات چھوڑی ہیں۔ مگر ہم یہاں ان ہی کتابوں کا ذکر کرتے ہیں جو علم حدیث سے متعلق ہیں۔ ابوعلی الغسانی فرماتے ہیں کہ ''ابوعمر نے مؤطا کے متعلق مفید کتابیں تصنیف کی جن میں ''کتاب التمهيد لما فی المؤطا من المعانی والاسانيد'' معروف ہے۔ اس کی ترتیب امام مالک کے شیوخ کے ناموں پر حروف تہجی کے اعتبار سے کی ہے۔ ۷۰ اجزاء پر مشتمل ایسی تصنیف کسی اور کی منظر عام پر نہیں آئی (۱۷۶)۔ ابن حزم فرماتے ہیں کہ ''فقہ حدیث پر ایسی تالیف ہی جب میرے علم میں نہیں ہے تو اس سے بہتر کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے'' (۱۷۷)۔ ابن عبدالبر اس کتاب کی خوبی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

سمير فوادی من ثلاثين حجة وصاقل ذهنی والمفرج عن همی

بسطت لهم فيه كلام نبيهم لما فی معانيه معنی الفقه والعلم

وفيه من الآداب ما يهتدی به إلی البر والتقوی ونهی عن الظلم (۱۷۸)

(یہ تیس برسوں سے میرے قلب و جگر کی ہم راز ہے۔ میرے ذہن کو صیقل کرنے والی اور میرے غم کو دور کرنے والی ہے۔ میں نے انسانوں کی خاطر نبی ﷺ کے کلام کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے

کہ اس میں علم و معرفت کے معانی موجود ہیں۔اس کتاب میں ایسے آداب ہیں جن سے بر و تقوٰی کی پرورش اور ظلم سے روکنے کی رہنمائی ملتی ہے)۔ان کی ایک اور کتاب ''الاستذکار'' کے نام سے ہے۔ حاجی خلیفہ کی یہ رائے صحیح نہیں ہے کہ یہ کتاب ان کی ایک دوسری کتاب التمہید کا اختصار ہے(۱۷۹)۔

الذھبی لکھتے ہیں:انہوں نے ''الاستذکار لمذھب علماء الامصار '' کے نام سے کتاب تصنیف کی جس میں '' التمهيد لما في المؤطا من المعاني والاسانيد' ' کے مباحث بھی شامل ہیں(۱۸۰)۔ایک اور کتاب ''الاستيعاب في معرفة الاصحاب '' کے نام سے لکھی جو صحابہ کے حالات پر بہت ہی مستند کتاب سمجھی جاتی ہے(۱۸۱)۔

ان کی ایک تصنیف ''جامع بيان العلم وفضله '' ہے(۱۸۲)۔ایک تصنیف ''کتاب الدرر فی اختصار المغازی والسیر '' ہے(۱۸۳)۔امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ''ابو عمر کی وفات ربیع الآخر ۴۶۳ھ جمعہ کی رات میں ہوئی۔اس طرح انہوں نے ۹۵ برس، پانچ دن مکمل فرمائے (اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے)۔میرا خیال ہے کہ ''وہ مغرب کے اپنے زمانہ میں بلند پایہ حافظ تھے۔اسی تاریخ میں حافظ مشرق ابو بکر الخطیبؒ کی وفات ہوئی(۱۸۴)۔

علم حدیث میں جلیل القدر مرتبہ کے حامل ابو الولید سلیمان بن خلف الباجیؒ (۴۰۳-۴۷۴ھ /۱۰۱۲-۱۰۸۱ء) بھی ہیں۔اندلس میں اکثر علماء اور محدثین سے سماعت کی پھر ۴۲۶ھ میں مشرق کی طرف کوچ کیا۔اور دمشق و موصل میں سماعت کی اور مکہ میں ابو ذر الدوری سے سماعت کیا پھر بغداد کا سفر کیا اور وہاں تین سال تک قیام پذیر رہے۔وہاں فقہ و حدیث کا درس دیتے تھے۔چند علماء سے ملاقات بھی کی۔مثلاً ابو الطیب الطبری الفقیہؒ اور شیخ ابو اسحاق الشیرازیؒ۔خطیب سے انہوں نے روایت کی اور خطیب نے ان سے روایت کی(۱۸۵)۔خطیب فرماتے ہیں کہ ابو الولید الباجیؒ نے اپنے متعلق مجھے یہ شعر پڑھ کر سنایا:

إذا كنت اعلم علما يقينًا بان جميع حياتي كساعة

فلم لا اكون ضنينا بهـا واجعلها في صلاح وطاعة(۱۸۶)

(مجھے جب یہ اچھی طرح پتہ ہے کہ میری پوری زندگی ایک لمحہ کے برابر ہے۔تو پھر کیوں نہ

میں اس کی قدر کروں اور اسے خیر وطاعت میں لگادوں)۔

انہوں نے ابوعبداللہ الصوریؒ سے حدیث کی سماعت کی اور ان سے والہانہ محبت کرتے تھے یہاں تک کہا کرتے تھے "الصوری میری معلومات کی حد تک سب سے بلند پایہ حافظ ہیں" (۱۸۷)۔تیرہ سال بعد علم کا ایک ذخیرہ لیے ہوئے اندلس واپس آئے۔ جسے انہوں نے نہایت فقر وتنگدستی کی حالت میں حاصل کیا تھا (۱۸۸)۔

ان سے حافظ ابوبکر الخطیبؒ اور حافظ ابوعمرو ابن عبدالبرؒ نے بھی روایت کی ہے جبکہ یہ دونوں ان سے عمر میں بڑے ہیں اور ابوعبداللہ الحمیدیؒ اور حافظ ابوعلی الصدفیؒ نے بھی روایت کی ہے (۱۸۹)۔ ان سے ابوعلی الغسانیؒ اور ابوبکر الطرشوشیؒ نے سماعت کی ہے (۱۹۰)۔اندلس کے متعدد مقامات پر قضاء کے عہدہ پر فائز رہے (۱۹۱)۔علماء ان کی غایت درجہ تعظیم کرتے تھے۔ان کے متعلق قاضی عیاضؒ کا خیال ہے کہ یہ سنجیدہ، خوب رو اور بارعب تھے (۱۹۲)۔ابن ماکولاؒ فرماتے ہیں کہ یہ جلیل القدر اور عالی ہمت تھے (۱۹۳)۔ابوعلی ابن سکرہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوالولید الباجیؒ جیسا کسی کو نہیں دیکھا اور نہ ہی کسی کو ان کی طرح خوب رو اور باوقار پایا (۱۹۴)۔چنانچہ قاضی ابوبکر محمدؒ بن مظفر الشاشی الباجی کا اسی طرح احترام کرتے تھے جس طرح کوئی بیٹا اپنے باپ کی تکریم کرتا ہے۔ابوعلی ابن سکرہؒ کہتے ہیں کہ میں نے شاشی سے کہا کہ "اللہ تعالیٰ آپ کا رتبہ بلند کرے یہ شیخ اندلس کے صاحبزادہ ہیں۔تو انہوں نے کہا کہ شاید وہ ابن الباجی ہیں؟ میں نے جواب دیا، ہاں! تو وہ ان کی طرف پوری طرح متوجہ ہوگئے (۱۹۵)۔

حدیث وفقہ کے موضوع پر انہوں نے کئی تصنیفات چھوڑی ہیں۔حدیث سے متعلق بعض اہم تصنیفات یہ ہیں:

۱۔ کتاب التعدیل والتجریح لمن خرج لہ البخاری فی الجامع الصحیح (۱۹۶)۔

۲۔ المنتقی فی شرح المؤطا (۱۹۷)۔

۳۔ المعانی فی شرح المؤطا۔بیس اجزاء پر مشتمل ایک بے مثال تالیف ہے (۱۹۸)۔

ان محدثین میں حافظ ابوعبداللہ محمد بن ابی نصر فتوح بن عبداللہ الازدی الحمیدی الاندلسی الظاہریؒ (۴۲۰-۴۸۸ھ) ہیں۔انہوں نے اندلس، مصر، شام، عراق، مکہ المکرمہ اور افریقہ میں حدیث

کی سماعت کی(۱۹۹)۔ابوالولید الباجیؒ سے سنا(۲۰۰)۔ابن حزمؒ اور ابوعبداللہ القضاعیؒ ابوعمر بن عبداللہ اور ابوبکر الخطیبؒ جیسے علماء سے بھی سماعت حدیث کی(۲۰۱)۔مکہ مکرمہ میں المحدثہ کریمہ المروزیہ سے اور مصر میں عبدالعزیز العضراب سے سماعت حدیث کی(۲۰۲)۔

محمد بن طرخان کہتے ہیں کہ میں نے حمیدی سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ "مجھے ۴۲۵ھ میں سماعت کی غرض سے کندھے پر اٹھا کر لے جایا جاتا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے میں نے فقیہ ابوالقاسم اصبغ بن راشدؒ سے سنا، جو کچھ ان کے سامنے پڑھا جاتا میں اسے سمجھتا تھا(۲۰۳)۔ ان کے واسطہ سے ابو عامر العبدری طرخان الترکیؒ اور ان کے شیخ ابوبکر الخطیبؒ وغیرہ نے احادیث بیان کیں(۲۰۴)۔اور ان کے دوست امیر ابونصر ابن ماکولا نے بھی ان کے واسطہ سے حدیث بیان کی ہے(۲۰۵)۔

الامیر ابن ماکولاؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دوست حمیدیؒ جیسا باعفت اور علم سے شغف رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔انہوں نے تاریخ اندلس لکھی(۲۰۶)۔یحییٰ ابن ابراہیم السلماسیؒ کہتے ہیں کہ میرے والد نے فرمایا کہ "میری نگاہوں نے الحمیدیؒ کی طرح فضل وشرافت، وسعت علم اور علم کی نشر و اشاعت کا شائق نہیں دیکھا۔مزید فرمایا کہ وہ با اعتماد، متقی، امام حدیث تھے اور علل حدیث کا علم رکھتے تھے۔میں نے انہیں محقق مذہب اور اہل الحدیث کے مطابق اور اصول میں کتاب وسنت کی موافقت میں صاحب بصیرت پایا، وہ فصیح اور عربی زبان وادب اور فن ترتیل میں باکمال تھے(۲۰۷)۔

حسین بن محمد ابن خسرو فرماتے ہیں ابوبکر بن میمون ان کے ہاں حاضر ہوئے، دروازہ کھٹکھٹایا اور یہ سمجھا کہ الحمیدی نے انہیں اجازت دے دی ہے اور وہ داخل ہو گئے اچانک قابل ستر مقام پر ان کی نگاہ پڑ گئی۔الحمیدیؒ رونے لگے اور فرمایا کہ بخدا تمہاری نگاہ ایسی جگہ پڑی ہے جہاں کسی کی نگاہ میرے ہوش سنبھالنے کے بعد سے نہیں پڑی تھی(۲۰۸)۔

شیخ الحمیدیؒ عمدہ شعر کہتے تھے۔ابن طرخانؒ کہتے ہیں کہ ابوعبداللہ الحمیدیؒ نے ہمیں اپنے شعر سنائے:

لقاء الناس لیس یفید شیئا سوی الهذیان من قیل وقال

فاقلل من لقاء الناس الا لاخذ العلم او اصلاح حال(۲۰۹)

(لوگوں سے ملاقات کوئی فائدہ نہیں پہونچا سکتی سوائے بے فائدہ باتوں اور گپ شپ کے۔پس لوگوں سے ملنا کم کردو البتہ علم حاصل کرنے یا اصلاح حال کے لیے ملنے میں کوئی حرج نہیں)۔

انہیں کے یہ اشعار بھی ہیں:

كلام الله عـز وجل قـولي — وما صحت به الآثار ديني

وما اتفق الجميع علـيه بدا — وعودًا فهو عن حق مبين

فدع ما صد عن هذا وخذها — تكن منها على عين اليقين(٢١٠)

(اللہ عز وجل کا کلام میری گفتگو ہے اور آثار صحیحہ میرا طریقہ عبادت (دین) ہے۔جس پر تمام لوگوں کا بربنائے دلیل اتفاق ہو وہی حق مبین ہے۔چنانچہ جو اس کے خلاف ہو اسے چھوڑ دو اور جو حق ہو اس کو پکڑ لو۔اس طرح تمہیں عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہو جائے گا)۔

ان کی مشہور کتابوں میں "كتاب الجمع بين الصحيحين" اور" جذوة المقتبس في اخبار الاندلس " ہیں (٢١١)۔ابن طرخان کہتے ہیں کہ میں نے حمیدی سے سنا کہ "علم حدیث کی تین اصناف ایسی ہیں جن کو درخور اعتنا سمجھنا ضروری ہے۔پہلی صنف کتاب العلل ہے۔اور اس موضوع پر سب سے عمدہ کتاب دار قطنی کی ہے۔دوسری صنف "المؤتلف والمختلف " ہے۔اس موضوع پر سب سے بہتر کتاب امیر ابن ماکولا کی "الاکمال" ہے۔تیسری صنف "وفیات المشائخ" ہے، اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں ہے۔الحمیدی کہتے ہیں کہ میں خود اس موضوع پر کوئی کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتا تھا" (٢١٢)۔یہ اس وقت کی بات ہے بعد میں اس موضوع پر "وفیات الاعیان" (ابن خلکان) اور الوافی بالوفیات وغیرہ۔۔۔۔اور کئی کتب لکھی گئیں۔

محدثین کا یہ طبقہ ایسا تھا جو حدیث اور علوم حدیث میں اپنے انہماک اور مہارت کے ساتھ ساتھ اپنی بہترین یادداشت کی بنا پر مشہور و معروف تھا۔ان میں سر فہرست حافظ ابو علی الحسین بن محمد الغسانی الجیانی (٤٢٧-٤٩٨ھ) ہیں۔انہوں نے حکم بن محمد الجذامیؒ کے واسطہ سے حدیث بیان کی جو ان کے عظیم المرتبت شیخ تھے۔مزید برآں انہوں نے حاتم بن محمد الطرابلسیؒ، ابو عمر بن عبد البرؒ، ابو عبید اللہ محمد بن عتابؒ، محدث ابو عمرؒ بن الحذاء، ابو شاکرؒ عبد الواحد القبری، سراجؒ بن عبد اللہ القاضی، ابو الولید

سلیمان بن خلف الباجیؒ، ابوالعباس احمدؒ بن عمر بن دلہاث اور ان کے علاوہ بھی متعدد افراد سے حدیثیں بیان کیں (۲۱۳)۔ وہ آخری وقت تک اندلس ہی میں مقیم رہے (۲۱۴)۔ ان سے محمد بن محمد بن حکم الباہلیؒ، محمد ابن احمد بن ابراہیم الجیانیؒ البغدادی قاضی ابوعلی بن سکرۃؒ، ابوالعلاء زہیرؒ بن عبدالملک الایادی، عبداللہ بن احمدؒ بن سماک الغرناطی، حافظ عبدالرحمٰنؒ بن احمد بن ابی لیلی، یوسف بن علی السخویؒ اور محمدؒ بن عبداللہ بن خلیل القیسی مسند مراکش (مغرب) نے روایت کی چنانچہ مؤخر الذکر نے ان کے واسطہ سے ۵۷۰ھ میں صحیح مسلم میں سے احادیث بیان کیں (۲۱۵) اور ان سے قاضی ابوعلی الصدفی (۲۱۶) اور قاضی عیاض وغیرہ نے سنا (۲۱۷)۔

ابن بشکوال کہتے ہیں کہ "حسین الغسانی قرطبہ میں رئیس المحدثین مانے جاتے تھے۔ ان کا شمار نمایاں محدثین اور بلند پایہ مستند علماء میں ہوتا تھا۔ انہوں نے حدیث، کتب حدیث اور ضبط روایت کی طرف پوری توجہ دی۔ خوش نویس اور جید حافظ تھے (۲۱۸)۔ امام ذہبی ان کے متعلق فرماتے ہیں "ان کا شمار عظیم حفاظ میں ہوتا تھا۔ عربی زبان وادب، شعر وانساب پر کامل عبور رکھتے تھے۔ اور ان تمام علوم میں کتابیں بھی تصنیف کیں۔ لوگ ان کے پاس طلب علم کے لیے آتے اور نقل وروایت پر اعتماد رکھتے تھے" (۲۱۹)۔ السہیلی نے "الروض الانف" میں فرمایا ہے کہ مجھ سے ابوبکر بن طاہرؒ نے ابوعلی الغسانیؒ کے واسطہ سے بیان کیا کہ ابوعمر ابن عبدالبرؒ نے ان سے کہا کہ "تم پر اللہ تعالیٰ کی یہ امانت ہے کہ اگر تم کسی ایسے صحابی سے واقف ہو جن کا تذکرہ میری کتاب الاستیعاب میں نہیں ہے۔ تو تم ان کا نام اس میں درج کردینا" (۲۲۰)۔

ابن عطیہ نے ان کے متعلق فہرس میں فرمایا ہے کہ "وہ اندلس کے ایسے شخص ہیں جن پر علم حدیث، رجال حدیث اور علل کی معرفت کا معیار قائم ہوا وہ علم نحو، ادب، شعر اور غریب الالفاظ پر بھی کافی عبور رکھتے تھے (۲۲۱)۔ حسن بن مغیث فرماتے ہیں کہ "ابوعلی ان کامل ترین لوگوں میں سے ہیں جن کو میں نے علم حدیث، طرق حدیث کی معرفت اور فن رجال پر دسترس رکھنے میں ممتاز پایا ہے۔ انہوں نے لغت کی کتابوں سے بحث کی ہے، اشعار کی بکثرت روایت کی ہے اور میری واقفیت کی حد تک کسی نے بھی ان سے زیادہ روایات جمع نہیں کیں (۲۲۲)۔ کتابوں کی تصحیح کے معاملہ میں بھی کوئی ان کا ہمسر نہیں

ہے(۲۲۳)۔علم حدیث پر انہوں نے بیش بہا تصنیفات چھوڑی ہیں۔ کتانی کہتے ہیں کہ ان کی کتاب ''تقييد المهمل وتمييز المشكل '' دو جلدوں پر مشتمل ہے۔اس میں وہ تمام الفاظ جمع کر دیے گئے ہیں جن کے بارے میں بخاری و مسلم کے راویوں میں التباس ہوا ہے(۲۲۴)۔ان کی ایک تصنیف ابن عبدالبر کی ''الاستیعاب'' کے لیے تکملہ و تتمہ کی حیثیت رکھتی ہے(۲۲۵)۔ان کی دیگر تصانیف میں ''تسمية شيوخ أبي داؤد السجستاني في مصنفه''(۲۲۶)اور''فہرست ابی علی حسین بن محمد الغسانی''(۲۲۷) بھی شامل ہیں۔

ان کے بعد ابوعلی الحسین بن محمد بن فیرہ بن حیون الصدفی السرقطی الاندلسی (م ۵۱۴ھ) کا نام آتا ہے جو ایک عظیم محدث تھے اور ابن سکرۃ کے نام سے معروف تھے۔ قاضی ابوالولیدؒ، محمد بن سعدون، ابوبکرؒ الشاشی اور نصرؒ المقدسی سے سماعت حدیث کی (۲۲۸)۔اور ابوعلی الجیانی سے بھی حدیث کی سماعت کی (۲۲۹)۔امام ذہبی فرماتے ہیں کہ ''علم وافر لے کر آئے اور فنِ حدیث کے متن و اسناد میں مہارت تامہ پیدا کی۔ساتھ ہی ساتھ خوش نویس، ضبط اور حسن تالیف، فقہ و ادب، دینداری، تواضع و انکساری میں ممتاز تھے(۲۳۰)۔

صاحب ''نفح الطیب'' ان کے متعلق فرماتے ہیں'' یہ حدیث، طرق حدیث کے عالم، علل سے آگاہ اسماء الرجال اور ناقلین حدیث سے واقف، خوش نویس، عمدہ یادداشت کے مالک تھے۔خود اپنی تحریر سے بہت علوم نقل کیے۔حدیث کی کئی تصنیفات کے حافظ، متون و اسانید اور رواۃ کو مستحضر رکھنے والے تھے۔محض حافظے کی بنیاد پر صحیح بخاری کو ایک سفر میں اور صحیح مسلم کو دوسرے سفر میں تحریر کیا۔ان دونوں کتابوں سے کافی لگاؤ رکھتے تھے۔ساتھ ہی ساتھ سنن ترمذی سے بھی والہانہ تعلق تھا''(۲۳۱)۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ''مجھ سے ابو اسحاق ابراہیم بن جعفر فقیہؒ نے بیان کیا'' ابوعلی الحسینؒ نے ان سے فرمایا کہ صحیح حدیث مجھ سے حاصل کرو اور میرے سامنے جو متن بھی پڑھو گے میں اس کی سند بتادوں گا اور جس سند کا ذکر کرو گے میں اس کا متن بتا سکوں گا''(۲۳۲)۔

صحیح بخاری کا صحیح ترین نسخہ مغرب میں ان کے پاس موجود تھا۔جسے انہوں نے خود اپنے قلم سے تحریر کیا تھا۔کتانی فہرس الفہارس میں لکھتے ہیں''بعد میں لوگ طرابلس میں ۱۲۱۱ء میں صحیح بخاری کے

ایک اصل نسخہ سے واقف ہوئے جسے حافظ الصدفی نے خود تحریر فرمایا تھا۔ جس کی خوب تعریف کی (۲۳۳)۔ اور مزید فرمایا کہ "اس کے آخر میں قاضی عیاض کے سماع کا تذکرہ خود ان کی تحریر میں موجود ہے اور آغاز میں ابن جماعۃؒ، حافظ الدمیاطیؒ، ابن العطارؒ اور سخاویؒ کی یہ تحریر ہے کہ اس نسخہ کو حافظ ابن حجر العسقلانیؒ نے اپنی شرح فتح الباری کی بنیاد بنایا ہے اور اسی پر اعتماد کیا ہے کیونکہ یہی نسخہ مشرق و مغرب، حرمین، مصر، شام، عراق اور مراکش میں متداول رہا۔ لہذا اسی کو معتبر سمجھنا زیادہ مناسب بھی تھا۔ جیسے ان کے شاگرد ابن سعادہ کی روایت قابل اعتبار سمجھی جاتی ہے" (۲۳۴)۔ کتانی فرماتے ہیں کہ برہان الدین ابن جماعہ نے اس نسخہ کو ۸۰۲ھ میں دیکھا تو انہیں بہت پسند آیا اور فرمایا کہ اگر میں کوئی واضح نسخہ خوبصورت تحریر سے لکھتا اور اس سے موازنہ کرتا تو یہ نسخہ زیادہ عمدہ لگتا کیونکہ اس کے تحریر کرنے والے ایک جلیل القدر عالم ہیں (۲۳۵)۔

ابن بشکوال فرماتے ہیں کہ "یہ ان بزرگ ترین لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے میرے پاس اجازت کے لیے لکھا" (۲۳۶)۔ امام صدفیؒ سے بہت سے علماء اور محدثین نے سماعت کی۔ ان کے مشہور شاگردوں میں ابو محمد عبدالحق بن عطیہ (م ۵۴۲ھ) (۲۳۷) اور قاضی عیاض ہیں (م ۵۵۴ھ) (۲۳۸)۔ ابن عطیہ کی مشہور تالیفات میں "برنامج فی اسماء شیوخہ" (۲۳۹) اور "التعلیقۃ الکبریٰ فی الخلاف" (۲۴۰) ہیں ۵۱۲ھ/۱۱۱۸ء میں اسپانیوں کے ہاتھوں حافظ صدفی کا شہر اور ان کی جائے پیدائش سرقسطہ کا سقوط ہوا تو انہوں نے عوام کی غیرت و حمیت کو للکارا اور انہیں جہاد پر آمادہ کرنے کے لیے تقریریں کیں۔ چنانچہ ایک عظیم اسلامی لشکر حافظ صدفیؒ اور امیر ابراہیم بن یوسف المرابطیؒ کی قیادت میں اکٹھا ہو گیا۔ اگرچہ ان کی عمر ۰ سال سے زائد ہو چکی تھی۔ لیکن انہوں نے بڑی ثابت قدمی اور سرگرمی سے اس جہاد کی تیاریاں کیں اور جب فریق مخالف سے مقابلہ ہوا تو علماء صالحین کے ایک گروہ کے ساتھ خدا کی رضا کے لیے انہوں نے ۵۱۴ھ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا (۲۴۱)۔

چوتھی اور پانچویں صدی ہجری اندلس میں حدیث اور علوم حدیث کا سنہری دور مانا جاتا ہے۔ چھٹی صدی ہجری میں حافظ جیانیؒ اور الصدفیؒ کے اکثر شاگرد علماء نے حدیث اور علوم حدیث سے اشتغال رکھا۔ ان کا شمار علوم حدیث اور دیگر علوم کے قائدین میں ہوتا ہے۔ ان میں حافظ ابو بکر محمد بن

حیدرۃ بن مغوز المعافری (م ۵۱۵ھ) جو ابن مغوز کے نام سے معروف ہیں۔ سب سے زیادہ شہرت یافتہ ہیں۔ انہوں نے اپنے چچا طاہر الحافظؒ اور ابو علی الغسانیؒ کے واسطہ سے حدیث بیان کی اور ابو عمر بن الحذاءؒ اور قاضی ابو الولید الباجیؒ کی طرف سے اجازت یافتہ بھی تھے (۲۴۲)۔ ان کے متعلق امام ذہبی فرماتے ہیں کہ "یہ حافظ جید عالم، ادب اور فنون ادب کے ماہر تھے۔ قرطبہ میں حدیث بیان کی اور اپنے شیخ ابو علی الحافظؒ کے صحیح جانشین قرار پائے" (۲۴۳)۔

انہیں میں علامہ ابو محمد عبدالحق بن غالب کے والد ماجد ابو بکر غالبؒ بن عبدالرحمٰن الغرناطی الاندلسیؒ (۴۱۱-۵۱۸ھ) ہیں (۲۴۴)۔ انہوں نے بہت سے محدثین سے سماعت کی ہے اور اپنے والد حافظ علی الغسانی سے بھی روایت کرتے ہیں (۲۴۵) ابن بشکوال فرماتے ہیں: یہ "حافظ حدیث اور طرق و علل میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ فنِ رجال کے ماہر، متون و معانی کو محفوظ رکھنے والے تھے۔ ہم نے اپنے بعض اصحاب کی تحریر پڑھی ہے کہ انہوں نے ان سے ذکر کرتے ہوئے سنا کہ صحیح بخاری کو سات سو مرتبہ دہرایا" (۲۴۶)۔ انہیں میں حافظ ابو محمد عبداللہ بن احمد بن سلیمان الاندلسی الاشبیلی محدث قرطبہ ہیں (م ۵۲۲ھ)۔ انہوں نے ابو علی الغسانی کی صحبت اختیار کی اور ابو علی ان کی تعظیم کرتے تھے اور ان کو ذہین اور وسیع العلم گردانتے تھے۔ ابن بشکوال کہتے ہیں کہ "حدیث و علل کے حافظ، فن رجال اور جرح و تعدیل میں مہارت تامہ رکھتے تھے، ثقہ اور ضابط تھے۔ ان کی کئی ایک تصنیفات ہیں جن میں "الاقلید فی بیان الاسانید" اور کتاب "معرفۃ اسانید الموطا" وغیرہ ہیں (۲۴۷)۔

اس صدی کے حافظ ابو جعفر احمد بن عبدالرحمٰن بن محمد الاندلسی (م ۵۴۲ھ) ہیں جو البطروجی کے نام سے مشہور ہیں۔ انہوں نے ابو علی الغسانی وغیرہ محدثین سے اخذ و استفادہ کیا۔ ان کے واسطہ سے ابن بشکوال، محمد بن عبدالعزیز الشقوری اور دیگر محدثین نے روایت کی (۲۴۸)۔ ان کے متعلق ابن بشکوال کا کہنا ہے کہ یہ "حدیث و فقہ، رجال و تاریخ کے بلند پایہ حافظ اور اپنے ہم عصروں پر فائق تھے۔ ابن بشکوال کے علاوہ دیگر افراد کا خیال ہے کہ "ان کی کئی ایک مشہور تالیفات ہیں اور یہ رجال و تراجم رجال پر عبور رکھتے تھے (۲۴۹)۔

جیانی اور صدفی کے شاگردوں میں قاضی ابو بکر محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ المعروف ابن

العربی المعافری الاندلسی (۴۶۸-۵۴۳ھ/۱۰۷۶-۱۱۴۸ء) ہیں۔ انہوں نے ۴۸۵ھ میں مشرق کا سفر کیا اور اہل شام وحجاز سے سماعت کی۔ حج کیا اور دومرتبہ بغداد گئے۔ ابوبکر الشاشی اور ابوحامد الغزالی کی صحبت میں رہے۔ اسکندریہ تشریف لے گئے۔ وہاں محدثین کے ایک گروہ سے ملاقات کی۔ ان سے حدیثیں لکھیں، استفادہ کیا اور فائدہ بھی پہونچایا (۲۵۰)۔ علم کے خزانہ سے مالا مال ہوکر اندلس واپس آئے (۲۵۱)۔ ان کے متعلق ان کے شاگرد ابن بشکوال کا خیال ہے کہ "حافظ متبحر، اندلس کے آخری عالم اور امام تھے (۲۵۲)۔ اور ان کے متعلق حافظ ابن ناصر الدین الدمشقی نے شرح بدیعۃ البیان میں لکھا ہے کہ "یہ ایک مشہور حافظ اور معتبر امام تھے" (۲۵۳)۔

ان کا ذکر استاذ ابوجعفر احمد بن ابراہیم الزبیر نے اپنی کتاب "صلۃ" میں کیا ہے اور فرمایا ہے "انہوں نے اپنے والد ابومحمد کے ساتھ حکومت عبادیہ کے سقوط کے بعد ۴۸۵ھ میں حج کا سفر کیا۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ۱۷ سال تھی۔ چنانچہ مصر کے شیوخ سے ملاقات کی اور کئی ایک افراد کا نام بتایا پھر فرمایا کہ "انہوں نے احادیث نوٹ کیں، روایتوں کو اکٹھا کیا اور بکثرت روایت کی" (۲۵۴)۔ ان کے متعلق امام ذہبی کا خیال ہے کہ قاضی ابوبکر کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو اجتہاد کے درجہ پر فائز ہیں (۲۵۵)۔ جلیل القدر علماء نے ان سے استفادہ کیا جن میں قاضی عیاض، ابن بشکوال، صاحب فہرست ابن خیر اور ابوعبداللہ بن سعادۃ ہیں۔ علم حدیث میں ان کی درج ذیل تصانیف ہیں:

۱۔ عارضۃ الاحوذی فی شرح جامع الترمذی۔

۲۔ کوکب الحدیث والمسلسلات (۲۵۶)۔

۳۔ العواصم من القواصم (۲۵۷)۔

قاضی ابوالفضل عیاض بن موسی الیحصبی السبتی (م ۵۴۴ھ) کا شمار بھی عظیم محدثین میں ہوتا ہے۔ قاضی حافظ ابوعلی الغسانی نے انہیں اپنی سند اجازت عطا فرمائی، انہوں نے ابوعلی بن سکرۃ وغیرہ سے استفادہ کیا (۲۵۸)۔ ان کے شاگردوں میں خلف بن بشکوال ہیں (۲۵۹)۔ ان کے متعلق ابن خلکان فرماتے ہیں کہ یہ "حدیث، علوم حدیث، نحو، لغت، کلام عرب، ایام وانساب میں امام وقت مانے جاتے تھے (۲۶۰)۔

ان کے شاگرد خلف بن بشکوال فرماتے ہیں کہ "وہ صاحب فہم وذکاء اور اہلِ علم وفن میں سے تھے۔ انہوں نے ایک لمبی مدت سبتہ میں قضا کی ذمہ داری ادا کی اس کے بعد کچھ دنوں غرناطہ میں یہی خدمت انجام دی پھر وہ قرطبہ واپس آ گئے۔ تو ہم نے ان سے استفادہ کیا" (۲۶۱)۔ ان کے متعلق امام ذہبی کا خیال ہے کہ مختلف علوم میں تبحر پیدا کیا اور عمدہ تالیفات پیش کیں۔ ان کی تصنیفات اقصائے عالم میں پھیل گئیں۔ جس سے انہیں کافی شہرت ملی (۲۶۲)۔ ابن صعد نے ان کے ترجمہ میں "من النجم الثاقب" میں ان کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ مجھے جو حدیث یا روایت ملی اس کی اسناد سے میں واقف تھا (۲۶۳)۔ حافظ السخاوی ان کے بارے میں فرماتے ہیں "وہ علوم حدیث، نحو، لغت، کلام عرب اور انساب میں اپنے تمام ہم عصروں سے زیادہ واقفیت رکھتے تھے" (۲۶۴)۔ ان کے متعلق ابوالحسن بن عبداللہ النباہی المالکی نے فرمایا "انہوں نے بہت سی حدیثیں جمع کی تھیں اور اس کی طرف پوری توجہ دیتے تھے اور وہ علم، ذہانت، ہوشمندی اور سوجھ بوجھ میں یقین رکھنے والوں میں سے تھے" (۲۶۵)۔

علم حدیث اور سیرت پر ان کی کئی تصنیفات ہیں۔ جن میں "الشفاء فی شرف المصطفیٰ" یا "الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ" ہے (۲۶۶)۔ دوسری تصنیف کتاب الاکمال ہے جو مسلم کی شرح کے طور پر لکھی گئی ہے یہ انہوں نے المازری کی کتاب "المعلم فی شرح مسلم" کی تکمیل کے طور پر لکھی۔ ایک اور تصنیف مشارق الانوار ہے جو انتہائی مفید کتاب ہے جسے صحاح ثلاثہ (مؤطا، بخاری، مسلم) میں وارد غریب احادیث کی تفسیر کے طور پر تحریر کیا ہے (۲۶۷)۔

بعض شیوخ کہتے تھے "سورج مشرق سے طلوع ہو کر مغرب میں غروب ہوتا تھا۔ اب ایک اور سورج قاضی عیاض کی کتاب الشفاء کی صورت میں ہم مشرق والوں پر طلوع ہوا ہے (۲۶۸)۔ ابن فرحون نے کتاب المشارق کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ "یہ ایسی کتاب ہے کہ اگر آب زر سے لکھی جاتی یا جواہرات سے تولی جاتی پھر بھی اس کا حق ادا نہ ہوتا" (۲۶۹)۔ علم حدیث میں ان کی ایک دوسری تصنیف "الالماع إلى معرفة اصول الرواية وتقييد السماع" ہے (۲۷۰)۔ دیگر تصانیف "شرح حدیث ام زرع" اور "کتاب التنبیہات" ہیں (۲۷۱)۔

قاضی عیاض کے بعد حافظ ابوبکر محمد بن خیر بن عمر بن خلیفہ الاشبیلی (۵۰۲-۵۷۵ھ) جو ابن

خیر کے نام سے مشہور ہیں کا ذکر آتا ہے۔ انہوں نے کئی شیوخ، قاضی ابو بکر ابن العربی، ابو القاسم بن بقی، اور ابن مغیث وغیرہ سے استفادہ کیا(۲۷۲)۔ ابن الآبار نے ان کے متعلق فرمایا ہے "یہ حد درجہ روایت کرنے والے تھے اور ایک سو سے زائد شیوخ سے ساعت کی اور ان کے ہم عصروں میں کوئی ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچا" (۲۷۳)۔ ان کی ایک مشہور کتاب "فہرست" ہے جس میں اپنے شیوخ کے واسطہ سے تمام علوم کی روایت کی ہے(۲۷۴)۔

ابو محمد عبدالحق بن عبدالرحمٰن الازدی الاشبیلی (۵۱۰-۵۸۱ھ) ابن خیر کے معاصر ہیں۔ جنہیں ابن الخراط کے نام سے بھی جانا جاتا ہے(۲۷۵)۔ ان کے فضل و کمال کے لیے یہی کافی ہے کہ حافظ ابو بکر ابن عساکر نے انہیں سند اجازت خود لکھ کر دی (۲۷۶)۔ ان کے متعلق ابو عبداللہ البلنسی الآبار فرماتے ہیں "وہ فقیہ، حافظ، حدیث، علل اور فن رجال کے جید عالم تھے۔ خیر و صلاح، زہد و تقویٰ، سنت کی پابندی اور دنیا سے بے رغبتی میں معروف تھے" (۲۷۷)۔ ان کی ایک تصنیف "الجمع بین الصحیحین" ہے۔ "الاحکام" کے دو نسخے "کبریٰ و صغریٰ" کی شکل میں موجود ہیں(۲۷۸)۔ دونوں طبع ہو چکی ہیں۔

چھٹی صدی کے ایک محدث ابو القاسم خلف بن عبدالملک بن مسعود بن موسیٰ بن بشکوال الاندلسی، القرطبی (۴۹۲-۵۷۸ھ) ہیں۔ انہیں حافظ، ناقد اور محدث اندلس جیسے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ انہوں نے بہت سے محدثین سے استفادہ کیا۔ جن میں القاضی ابو بکر ابن العربی ہیں۔ ابو علی بن سکرۃ الصدفی نے انہیں سند اجازت عطا فرمائی(۲۷۹)۔ ان کے متعلق ابو عبداللہ الآبار نے فرمایا "وہ بکثرت روایت کرنے والے اور حد درجہ اس سے شغف رکھنے والے تھے۔ وجوہ و علل سے آگاہ، حجت، اپنے زمانہ کے فائق، حافظ، اخباری اور اندلس کے واقعات کو محفوظ رکھنے والے تھے۔ اپنے شیوخ کے واسطہ سے سنداً چار سو سے زائد کتابوں کی روایت کی ہے۔ جن میں چھوٹی بڑی سبھی شامل ہیں۔ لوگوں نے حصول علم کی خاطر ان کی طرف سفر کیا اور ان سے استفادہ کیا۔ ان کے واسطہ سے ہم سے ایک جماعت نے حدیث بیان کی اور انہیں اصلاح باطن سے متصف اور طلبہ کے حق میں صبر و تواضع کا پیکر قرار دیا۔ مختلف علوم میں پچاس تالیفات چھوڑی ہیں۔ اشبیلیہ کے بعض مقامات میں ابن العربی کی نیابت

میں قضاء اور شروط کے انعقاد کی ذمہ داری سونپی گئی۔ پھر علم کے سنانے ہی پر اپنے آپ کو محدود رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان سے روایت کرنے والے بے شمار ہیں۔ جن میں ابو بکر بن خیر، ابوالقاسم القنطری، ابو بکر بن سمجون اور ابوالحسن بن الضحاک بھی ہیں۔ یہ تمام کے تمام ان سے قبل ہی وفات پا گئے" (۲۸۰)۔ ان کی کئی تصنیفات ہیں ان میں سے مشہور یہ ہیں:

۱۔ صلۃ تاریخ ابن الفرضی۔ ۲۔ غوامض الاسماء المبہمۃ۔

۳۔ کتاب معرفۃ العلماء الافاضل۔ ۴۔ المسلسلات۔

۵۔ حدیث من کذب علیّ (اسانید کے ساتھ) (۲۸۱)۔

اسی صدی کے مشہور محدث ابو القاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ المعروف بالسہیلی (۵۰۸-۵۸۱ھ) ہیں۔ ان کی کتابوں میں ایک "الروض الانف" یہ سیرت نبوی ابن ہشام کی شرح کے طور پر تصنیف کی گئی ہے (۲۸۲)۔ یہ بہترین کتاب ہے۔

اسی صدی کے مشہور عالم حافظ ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم بن خلف الاندلسی (۵۱۱-۵۹۰ھ) ہیں۔ جنھیں ابن المختار کے نام سے جانا جاتا ہے (۲۸۳)۔ ابن الآبار نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ: تمام حفاظ کے امام اور فائق عصر، متون و اسانید کو بیان کرتے تھے، ساتھ ہی ساتھ رجال سے واقف اور غریب احادیث کے حافظ تھے (۲۸۴)۔

میں نے طوالت کے خوف سے علم حدیث کے میدان میں مشہور علماء کے ذکر ہی پر اکتفا کیا ہے۔ ورنہ اندلس کو علوم شرعیہ بالخصوص علم حدیث کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا۔ اور وہاں کی درس گاہیں مثلاً جامع اشبیلیہ، جامع قرطبہ، جامع غرناطہ، جامع طلیطلۃ اور جامع بیرۃ، علم حدیث اور آداب وغیرہ کے لیے معروف تھیں (۲۸۵)۔ ۶۳۴ھ میں قرطبہ کا سقوط ہوا اور پھر یکے بعد دیگرے دوسرے شہروں پر زوال آنا شروع ہو گیا۔ ۸۹۸ھ میں وہاں کا آخری شہر غرناطہ بھی صلیبیوں کے قبضہ میں آ گیا اس طرح دیار اندلس کفر و شرک کی تاریکیوں میں ڈوب گیا۔ جبکہ وہاں کا اسلامی عہد علم و ادب کے اعتبار سے تاریخ علم کا زریں دور شمار ہوتا ہے۔ یورپ اور دیگر تمام ممالک علم کے معاملہ میں ان کے دست نگر تھے۔ اب موسیٰ بن نصیر اور طارق ابن زیاد کہاں سے آئیں گے جو مسلمانوں کی گم شدہ عظمت کو بحال کر سکیں۔

برصغیر میں علم حدیث

عرب و ہند تعلقات

عرب و ہند کے تعلقات بہت پرانے ہیں ان تعلقات کی قدامت کا اندازہ مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے البتہ اتنا یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ تعلقات کرۂ ارض پر انسانی وجود کے ساتھ ہی قائم چلے آ رہے ہیں۔ قصص الانبیاء کی اہم کتب کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام جنت سے دنیا کی طرف بھیجے گئے تو وہ ارضِ ہند کے جنوبی علاقہ سری لنکا میں اتارے گئے (۲۸۶) جب کہ ان کی بیوی حضرت حواؑ سعودی عرب کے موجودہ جدّہ میں اتاری گئیں۔ حضرت آدم ہند سے چل کر حضرت حواؑ کو عرب کے عرفات میں جا ملے جو مکہ کے قریب ایک میدان ہے (۲۸۷)۔ یہ عرب اور ہند سے تعلق رکھنے والی ہستیوں کی پہلی ملاقات تھی۔ اس کے بعد زمانہ قدیم سے اب تک اہل ہندوستان سے عربوں کے تعلقات چلے آ رہے ہیں۔ عرب لوگ تاجر پیشہ تھے وہ آس پاس کے ملکوں کی منڈیوں سے تجارتی مال لاتے اور لے جاتے تھے۔ عرب و ہند میں سندھ مکران اور جنوبی عرب کے ساحل اس قدر قریب ہیں کہ ان کے درمیان تجارتی تعلقات اور دوسرے روابط قائم ہو جانا ایک ناگزیر اور فطری عمل تھا۔ عربوں اور ہندوستانیوں میں قدر مشترک بت پرستی اور غیر اللہ کی پوجا تھی۔ عرب تاجر عموماً جنوبی ہند کی بندرگاہوں میں مال لاتے اور لے جاتے تھے۔ بعض عرب تاجروں نے جنوبی ہند کے ساحلی شہروں میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ اس طرح قبل از اسلام ہی سے دونوں ممالک کے عوام ایک دوسرے سے متعارف تھے (۲۸۸)۔

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ ہندوستان اور اس کی مختلف چیزوں سے واقف تھے ان چیزوں میں مشک، کافور، زنجبیل (ادرک)، قرنفل (لونگ) فلفل (مرچ)، عود ہندی، قسط ہندی، ساج (ساگوان کی لکڑی)، ہندی تلواریں اور یہاں کے بعض کپڑے بھی عرب میں استعمال کیے جاتے تھے۔ اکثر روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ان ہندوستانی اشیاء کو حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ بھی استعمال فرماتے تھے۔ احادیث رسول ﷺ میں بھی ہندوستان کا تذکرہ موجود ہے۔ روایات میں غزوۂ ہند کا بھی

تذکرہ ملتا ہے(۲۸۹)۔

ہند میں اسلام

اہلِ ہندوستان کو ظہورِ اسلام کی خبر اسی وقت ہی پہنچ گئی تھی جب اس عالمگیر دین کا دروازہ اہل مکہ پر کھلا (۲۹۰)۔ اوراقِ تاریخ اس بات کے شاہد ہیں کہ وہ قافلے جو عرب و ہند کے درمیان بغرض تجارت رواں دواں تھے پہلے پہل اسلام نے انہی کے ہاتھوں ہندوستان کی سرحد پار کی (۲۹۱)۔ اہلِ عرب کے تجارتی قافلے مالابار، لنکا، مالدیپ، انڈونیشیا اور چین کے علاقوں میں آتے جاتے تھے۔ اس وقت ایک مشہور واقعہ معجزہ شق القمر سے متاثر ہو کر مالابار کے راجہ زموڑا کا اسلام قبول کر لینا ہے۔ پھر عہدِ فاروقی میں لنکا کے راجہ نے بھی اسلام قبول کر لیا (۲۹۲)۔

ہند میں صحابہ کرامؓ کی آمد

برصغیر میں خلفائے راشدین کے زمانہ میں ہی اسلام آ گیا تھا۔ حضرت عمرِ فاروقؓ کے زمانے میں مغربی ہندوستان میں ممبئی اور تھانہ میں مسلمانوں کی آبادیاں وجود میں آ چکی تھیں۔ عام طور پر یہ تابعین تھے جو ہندوستان میں آئے اور جن کی آبادیاں برصغیر میں قائم ہوئیں۔ انہی تابعین کے ہاتھوں میں برصغیر میں اسلام باقاعدہ طور پر داخل ہوا (۲۹۳)۔

سرزمینِ عجم پر فتوحات کا سلسلہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں شروع ہوا اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اسلامی سلطنت جنوب کی جانب ہرات اور بلخ تک پہنچ گئی۔ اگر خلیفہ ثانی حضرت عمرِ فاروقؓ نے ان مہم جو عربوں کو چند مصلحات کو ملحوظ رکھ کر اس ملک کو فتح کرنے سے منع نہ کیا ہوتا جنھوں نے ان کے عہدِ خلافت میں ہند فتح کرنے کے ارادے سے ۲۳ھ/۶۴۳ء میں بری اور بحری حملے کیے تو شاید ہند میں علم حدیث کا آغاز خود صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں ہو گیا ہوتا۔ اس اہم واقعہ کے بعد اگرچہ ہندوستان کی سرحدوں پر عربوں کے اِکا دُکا حملے ہوتے رہے تاہم اس علاقہ کو فتح کرنے کی منظم کوشش اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان (۸۶ تا ۹۶ھ/۷۰۵ تا ۷۱۴ء) کے عہد سے پہلے نہیں کی گئی۔ پھر اسی خلیفہ کے عہد میں سندھ فتح ہوا۔ یہی سبب ہے کہ ہندوستان کا شمار ان مسلم ممالک میں نہیں کیا جا سکتا جہاں صحابہ کرامؓ

نے اپنی زبان سے احادیث بیان کیں (۲۹۴)۔

ان کے خلاف مہموں میں جن صحابہؓ نے حصہ لیا ان میں سے یہ نام ہم تک پہنچے ہیں:

۱۔ عبداللہ بن عبداللہ عتیق۔ ۲۔ عاصم بن عمر تمیمی۔

۳۔ صحار بن العبدی۔ ۴۔ سہیل بن عدی۔

۵۔ الحکم بن ابی علی ثقفی (۲۹۵)۔

تاریخ کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کئی ایک صحابہ ہند آئے وہ اس ملک میں علم حدیث کی اشاعت کے چلتے پھرتے مدرسے تھے۔ تاہم یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اس زمانے میں حالات ایسے تھے جن میں اشاعت حدیث کا کام پوری توجہ سے انجام نہیں دیا جاسکتا تھا (۲۹۶)۔

سندھ میں اسلام کی آمد

پہلی صدی ہجری کی آخری دہائی میں سندھ میں مسلمانوں کی خودمختار اور مستقل بالذات سلطنت کا دارالحکومت قائم ہوا۔ ۹۳ھ/۷۱۲ء میں محمد بن قاسم نے سندھ فتح کیا۔ سندھ میں اسلامی علوم کے آغاز اور ان کی اشاعت کے بارے میں سب سے پہلا اور باقاعدہ تحریری ثبوت محمد بن قاسم کی فتح سندھ سے ملتا ہے۔ واضح طور پر لکھا گیا ہے کہ عرب فوج میں قرآن مجید کے بہت سے قاری تھے جن کو حجاج نے یہ تاکید کی تھی کہ وہ قرآن کی قرات پابندی سے کیا کریں۔ (۲۹۷)۔

شمالی ہند میں اشاعتِ اسلام

سندھ کے علاوہ شمالی مغربی سرحدی صوبہ کی جانب سے سلطان محمود غزنوی نے ۳۹۲ھ/۱۰۰۲ء میں داخل ہو کر اسلام کے فروغ و اشاعت کی راہ ہموار کی۔ غزنوی عہد حکومت میں اسلام کی جڑیں لاہور اور گرد و نواح میں مستحکم ہوگئیں (۲۹۸)۔

برصغیر میں حدیث کی طرف رجحان

ابتدائی چار صدیوں میں ہندوستان میں لوگوں کا رجحان صرف حدیث نبوی کی طرف تھا کیونکہ جب اسلام ہندوستان میں داخل ہوا تو قرآن و حدیث کے علاوہ اور کسی چیز کا وجود نہیں تھا۔

لوگ علما اور محدثین کا بہت احترام کرتے تھے۔ چنانچہ ابوالقاسم مقدسی جس نے سلطان محمود غزنوی کے حملہ سے پہلے ۳۷۵ھ/۹۸۵ء میں سندھ کو دیکھا۔ وہ اس خطہ کے متعلق لکھتا ہے: ''ان میں سے اکثر لوگ حدیث کی طرف رجحان رکھنے والے ہیں'' (۲۹۹)۔

عرب سے آنے والے محدثین

اوائل صدیوں میں عرب سے آنے والے مشہور محدثین کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ موسیٰ بن یعقوب الثقفی (۳۰۰)۔

۲۔ یزید بن ابی کبشہ دمشقی (۳۰۱)۔

۳۔ ابوموسیٰ اسرائیل بن موسیٰ بصری (۳۰۲)۔

۴۔ ابوحفص ربیع بن صبیح (۳۰۳)۔

ابتدائی صدیوں میں سندھ اور ملتان کے مراکز حدیث و محدثین

اس زمانے میں سندھ اور ملتان کے کئی محدثین مشہور ہوئے جن کو ان مراکز کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ سندھ ہندوستان (موجودہ پاکستان کا) بہت بڑا علاقہ ہے اس میں کرمان، بجستان، دیبل (کراچی) منصورہ اور قصدار جیسے علاقے شامل تھے۔ بعض لوگوں نے ملتان کو بھی سندھ میں داخل کیا ہے۔ (۳۰۴)۔ اس علاقے کے مشہور محدثین مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی (م ۱۷۰ھ/۷۸۶ء) (۳۰۵)۔

۲۔ ابوعبداللہ محمد بن رجاء سندھی (م ۲۴۶ھ/۸۶۰ء تقریباً) (۳۰۶)۔

۳۔ حافظ ابوبکر محمد بن محمد بن رجاء السندھی (م ۲۸۶ھ/۸۹۹ء) (۳۰۷)۔

۴۔ ابوالعباس احمد بن محمد بن صالح منصوری، یہ چوتھی صدی ہجری کا آدمی ہے۔ منصورہ دوسری صدی کا مشہور شہر تھا۔ جس کو اہلِ ہند بھکر کہتے تھے اور اس میں علمِ حدیث کی کافی نشر و اشاعت ہوئی (۳۰۸)۔

۵۔ ابومحمد عبداللہ بن جعفر مرّہ منصوری (م ۳۹۰ھ/۱۰۰۰ء) (۳۰۹)۔

۶۔ ابو جعفر محمد بن ابراہیم دیبلی (م ۲۳۲ھ/۸۴۶ء)۔ دیبل کراچی کا نام تھا۔ جسے محمد بن قاسم نے فتح کیا۔اس کی فتوحات کے واقعات مشہور ہیں (۳۱۰)۔

۷۔ ابوالعباس احمد بن عبداللہ دیبلی (م ۳۴۳ھ/۹۵۴ء)(۳۱۱)۔

۸۔ ابوالعباس محمد بن محمد بن عبداللہ الوراق الدیبلی (م ۳۵۴ھ/۹۶۵ء)(۳۱۲)۔

۹۔ ابو جعفر بن خطاب قصداری (۳۱۳)۔قصدار (قزدار) سندھ کا بڑا مشہور شہر تھا جسے مسلمانوں نے سنان بن سلمہ کی قیادت میں فتح کیا جو کہ علم حدیث کا بہت بڑا مرکز تھا (۳۱۴)۔

۱۰۔ ابو داؤد سیبویہ بن اسماعیل بن ابی داؤد الواحدی کزداری (م ۴۶۰ھ/۱۰۶۸ء یا اس کے بعد)(۳۱۵)۔

چوتھی صدی ہجری کے دوسرے نصف حصہ میں سندھ پر اسماعیلیوں کی حکومت کے قیام سے لے کر آٹھویں صدی ہجری کے وسط تک زیریں سندھ میں اسماعیلیوں کا اثر کسی نہ کسی شکل میں مسلسل باقی رہا۔ سندھ پر عربوں کی حکومت ختم ہو جانے کے بعد جو حالات رونما ہوئے۔ان میں عرب ممالک اور بالخصوص حجاز میں واقع علم حدیث کے مراکز سے سندھ کا رابطہ منقطع ہو گیا۔اس طرح جنوبی ہند میں علم حدیث کا احیاء کرانے میں بھی تاخیر ہو گئی۔

سندھ میں عرب حکومت کمزور پڑ جانے کے بعد شمال مغربی سرحد کی جانب سے جب غزنویوں اور غوریوں کی حکومت یہاں قائم ہوئی تو براہ راست محدثین کی آمد ورفت کم ہو گئی ان کی بجائے خراسان اور ماوراء النہر وغیرہ کے علما یہاں فروکش ہوئے۔اس دور میں مذاہب اربعہ کا رواج بھی کسی قدر پڑ چکا تھا اور یہ فاتحین بھی حنفی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ان کے ساتھی فقہائے کرام کا تعلق علم حدیث سے بہت کم تھا جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے صراحت کی ہے۔واشتغالھم بعلم الحدیث قلیل قدیما و حدیثا (ان کی قدیم اور جدید زمانہ میں علم حدیث کے ساتھ مشغولیت کم تھی)(۳۱۶)۔

سید عبدالحئ حسنی لکھتے ہیں "۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء میں سقوط بغداد کے بعد برصغیر میں حدیث کی طرف رجحان کم رہا زیادہ تر ادب، شعر، فقہ، اصول فقہ، ریاضی اور یونانی علوم کی طرف رجحان کرتے تھے۔حدیث کی طرف ان کا اتنا ہی رجحان تھا جس قدر احادیث فقہ کی کتب میں آ جاتی تھیں۔ان کی نظر

صرف صغانی کی کتاب مشارق الانوار کی طرف ہوتی تھی اور اگر کوئی مصابیح السنہ یا مشکوۃ پڑھ لیتا تو اسے محدث سمجھا جاتا تھا۔ایسا ان کے علم حدیث سے ناواقفیت کی بنا پر تھا۔وہ حدیث کی کتب کو نہ پڑھتے تھے نہ جانتے تھے اور نہ ہی محدثین کے بارے میں معلومات رکھتے تھے۔مشکوۃ کو بھی علم اور فہم کے لیے نہیں بلکہ برکت کے لیے پڑھا جاتا تھا۔وہ تقلید کے قائل تھے اور تحقیق کی طرف ان کا میلان نہیں تھا اس لیے یہاں زیادہ تر ایسے فتاویٰ دیے جاتے تھے جن میں فقہ کو حدیثوں احادیث پر فوقیت دی جاتی۔جب دسویں صدی ہجری میں یہاں علمائے محدثین تشریف لائے تو حدیث کی طرف رجحان شروع ہوا" (۳۱۷) اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ شیخ شمس الدین ترک جب آٹھویں صدی ہجری میں سلطان علاؤ الدین خلجی کے دور میں وارد ہند ہوئے تو یہاں کے حالات کے متعلق سلطان وقت سے مخاطب ہو کر لکھتے ہیں۔میں نے سنا ہے کہ تمہارے شہر میں احادیث مصطفیٰ ﷺ کو نظر انداز کیا جاتا ہے اور فقیہوں کی روایت پر عمل کی دیواریں استوار کی جاتی ہیں، تعجب ہے کہ جس شہر میں لوگ حدیث کی موجودگی میں فقہ کی روایت پر عمل کریں تو وہ شہر تباہ کیوں نہیں ہو جاتا اور اس پر آسمانی مصائب کیوں نہیں پھوٹنے لگتے (۳۱۸)۔

سید سلیمان ندوی نے عہد تغلق میں علم حدیث کے متعلق لکھا ہے: "اس عہد میں علم حدیث کے ساتھ لوگوں کو جو بے اعتنائی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ سلطان غیاث الدین کے زمانہ میں مسئلہ سماع کی تحقیق کے لیے ایک مجلس منعقد ہوئی۔مناظرہ کے ایک فریق شیخ نظام الدین سلطان الاولیاء تھے اور دوسری طرف تمام علما۔شیخ کا بیان ہے کہ جب میں کوئی حدیث بیان کرتا تھا تو علما بڑی جرأت اور بے باکی سے کہتے کہ اس ملک میں حدیث پر فقہی روایت مقدم سمجھی جاتی ہے اور کبھی یہ کہتے کہ چونکہ اس حدیث سے شافعیؒ نے استدلال کیا ہے اور وہ ہمارا مخالف ہے اس لیے ہم اس حدیث کو نہیں مانتے (۳۱۹)۔اس عمومی حالت کے باوجود یہاں خال خال شخصیات ایسی بھی نظر آتی ہیں جنھوں نے اس بے اعتدالی اور جمود کو قبول نہیں کیا۔ان میں شیخ حسن بن محمد صغانی، علی المتقی، شیخ محمد طاہر پٹنی، شیخ ابوالحسن سندھی اور شیخ محمد حیات سندھی نامور ہیں۔آخری دور میں شیخ احمد سرہندی یعنی مجدد الف ثانی نے بھی اپنی تعلیمات کی بنیاد کشف و الہام اور مشرب مرشد کی بجائے کتاب و سنت پر رکھی۔سید سلیمان ندوی

رقم طراز ہیں۔ ''حضرت مجدد نے اپنی تعلیم کی بنیاد اتباع سنت پر رکھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علم حدیث اور شمائل کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول ہونے لگی'' (۳۲۰)۔

برصغیر پاک و ہند میں نامور محدثین گزرے ہیں جن میں سے درج ذیل بہت معروف ہیں:

ا۔ شیخ احمد سرہندی (م ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء)

ولادت: شیخ احمد بن عبدالاحد فاروقی سرہندی جو مجدد الف ثانی کے نام سے مشہور ہیں شوال ۹۷۱ھ/ مئی ۱۵۶۴ء میں سرہند میں پیدا ہوئے (۳۲۱)۔

تعلیم: شیخ احمد نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی پھر وہ سیالکوٹ اس کے بعد وہاں سے کشمیر گئے اور ملا کمال الدین کشمیری (م ۱۰۱۷ھ/۱۶۰۸ء) سے معقولات اور شیخ یعقوب صرفی سے منقولات کا درس لیا۔ اس کے علاوہ شیخ احمد نے قاضی بہلول بدخشی سے صحاح ستہ کیلئے اجازہ بھی حاصل کر لیا تھا۔ بدخشی مکہ کے مشہور محدث عبدالرحمٰن بن فہد کے شاگرد تھے (۳۲۲)۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کی کامیابی کا حقیقی راز یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں میں قرآن اور حدیث کے مطالعہ کو فروغ دینے پر بہت زور دیا (۳۲۳) اور قرآن و حدیث پر مبنی اصلاح و ترقی کا جو مبارک کام انہوں نے شروع کیا تھا ان کے اخلاف نے پشت ہا پشت جاری رکھا۔ انہوں نے جہانگیر کو سجدہ نہ کیا۔

تصنیف: شیخ احمد سرہندی حدیث کے متبحر عالم تھے جس کا ثبوت ان کے مکتوبات کے مطالعہ سے بھی ملتا ہے۔ لیکن تصنیف و تالیف کی حد تک اس موضوع پر انہوں نے صرف ایک رسالہ اربعین لکھا ہے (۳۲۴)۔ محدث اور مصلح کی حیثیت سے حضرت مجددؒ نے جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ صرف حدیث پر کتابیں لکھنا اور اس کا درس دینا ہی نہیں تھا (اگرچہ وہ یہ بھی کیا کرتے تھے) بلکہ ان کا اصل کام اس زمانے کی حکومت و سیاست میں جو زبردست افراتفری پھیلی ہوئی تھی اس کی اصلاح تھی۔ اس کے باوجود اشاعت و فروغ حدیث میں انہوں نے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ ۲۰ صفر ۱۰۳۴ھ/ نومبر ۱۶۲۴ء کو شیخ احمد نے سرہند میں تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی (۳۲۵)۔

۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء)

شیخ عبدالحق بن سیف الدین بن سعد اللہ محرم ۹۵۸ھ بمطابق جنوری ۱۵۵۱ء کو دہلی میں پیدا ہوئے (۳۲۶)۔

تعلیم و تربیت: ابتدائی تعلیم و تربیت میں ان کے والدِ ماجد کا خاص حصہ تھا۔ ایام طفلی میں ہی انہوں نے اپنے بیٹے کی تربیت کی طرف خصوصی توجہ دی۔ شیخ محدث کا بیان ہے "شب و روز در کنار مرحمت و جوار عنایت ایشاں تربیت و یافتم" (۳۲۷)۔ ابتدائی تعلیم میں سب سے پہلے قرآن پاک شروع کرایا دو تین ماہ میں قرآن پاک ختم کر لیا (۳۲۸)۔ ایک ماہ کی قلیل مدت میں لکھنا سیکھ لیا (۳۲۹)۔ بارہ، تیرہ برس کی عمر میں شرح شمسیہ اور شرح عقائد پڑھ لی۔ پندرہ سولہ برس کی عمر ہو گی کہ مختصر و مطول سے فارغ ہو گئے۔ اٹھارہ برس کی عمر میں علوم عقلی و نقلی کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جس کی سیر نہ کر چکے ہوں (۳۳۰)۔ اڑتیس سال کی عمر میں مکہ مکرمہ پہنچے اور اس سال ماہ رمضان تک محدثین مکہ سے صحیح بخاری و مسلم کی تعلیم کا شرف حاصل کر لیا (۳۳۱)۔

درس و تدریس: تعلیم سے فراغت کے بعد آپ ۱۰۰۰ھ/۱۵۹۲ء میں ہندوستان میں پھر وارد ہوئے اور شریعت محمدی کی ترویج و تدریس پر کمر باندھ لی اور ایک دار العلوم کی بنیاد رکھی جس میں تعلیم دین اسلام کا سلسلہ شروع کر دیا اور اپنی ساری زندگی اس مشن میں دار العلوم میں درس و تدریس میں گزار دی (۳۳۲)۔

تصانیف: شیخ عبدالحق محدث دہلوی بہت زیادہ کتب لکھنے والے مصنف تھے۔ انہوں نے حدیث، تصوف، تاریخ اور سوانح پر ایک سو سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں (۳۳۳)۔ علم حدیث پر ان کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ الطریق القویم فی شرح الصراط المستقیم (مطبوعہ): یہ کتاب فیروز آبادی کی سفر السعادۃ یا الصراط المستقیم کی فارسی شرح ہے۔ یہ ایسی مستند احادیث کا مجموعہ ہے جو آنحضرت ﷺ کی زندگی کردار، عادات اور اخلاقی تعلیمات سے متعلق ہیں۔ یہ شرح دہلی میں لکھی گئی تھی اور ۲

جمادی الاوّل ۱۰۱۶ھ/۱۶۰۳ء کو مکمل ہوئی اور ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء میں لکھنؤ میں زیورطبع سے آراستہ ہوئی (۳۳۴)۔

۲۔ اشعۃ اللمعات فی شرح المشکوٰۃ: یہ مشکوٰۃ المصابیح کی مختصر شرح ہے جو فارسی زبان میں ہے۔ نول کشور پریس لکھنؤ نے ۱۳۲۱ھ/۱۹۱۳ء میں یہ کتاب ۵ جلدوں میں شائع کی تھی (۳۳۵) شیخ عبدالحق نے ۱۰۱۹ھ/ ۱۶۱۵ء کے وسط میں یہ کتاب لکھنا شروع کی تھی (۳۳۶) اور ۱۰۲۹ھ/ ۱۶۲۵ء میں اسے دہلی ہی میں مکمل کیا (۳۳۷)۔

۳۔ لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح: مشکوٰۃ کی عربی شرح ہے اس میں دینی اور فقہی مسائل پر جو بحث کی گئی ہے وہ اشعۃ اللمعات کے مباحث سے زیادہ واضح اور مفصل ہے۔ حالانکہ لمعات ضخامت میں اشعہ سے کم ہے۔ اوّل الذکر میں اسّی ہزار سطریں اور مؤخر الذکر میں ایک لاکھ تیس ہزار سطریں ہیں (۳۳۸)۔

۴۔ الاکمال فی اسماء الرّجال: یہ کتاب ان راویوں کے حالات پر مبنی ہے جن کا حوالہ مشکوٰۃ المصابیح میں ہے۔ یہ شرح لمعات مکمل ہونے کے بعد لکھی گئی (۳۳۹)۔

۵۔ جامع البرکات منتخب شرح المشکوٰۃ: اس کتاب میں مصنف نے مشکوٰۃ کے ہرایک باب سے ایک دو حدیثیں منتخب کی ہیں (۳۴۰)۔

۶۔ ماثبت بالسنۃ فی ایّام السنۃ: یہ تمام اقسام حدیث یعنی صحیح، حسن، ضعیف اور موضوع کا مجموعہ ہے اسے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی فارسی تصانیف کا ضمیمہ کہا جا سکتا ہے۔ یہ کتاب ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء میں کلکتہ میں اور ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء میں لاہور سے شائع ہوئی (۳۴۱)۔

۷۔ ترجمۃ الاحادیث الاربعین: اس رسالہ میں ایسی چالیس احادیث کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا ہے جن میں بادشاہوں اور شہنشاہوں کو تنبیہ کی گئی ہے (۳۴۲)۔

۸۔ الاحادیث فی ابواب علوم الدّین: اس رسالہ میں ایسی چالیس احادیث شامل کی گئی ہیں جو دینی علوم سے متعلق ہیں (۳۴۳)۔

۹۔ دستور فیض النور: یہ رسالہ ان احادیث پر مبنی ہے جو آنحضرت ﷺ کے لباس کے بارے

میں ہیں۔ یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے(۳۴۴)۔

۱۰۔ ذکر اجازۃ الحدیث فی القدیم والحدیث (۳۴۵)

وفات: آپ ۲۱ ربیع الاوّل ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء کو فوت ہوئے اور حوض شمسی کے کنارے دفن ہیں (۳۴۶)

۳۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء)

آپ کا نام ولی اللہ بن عبدالرحیم العمری المحدث الدھلوی ہے(۳۴۷)۔

ولادت: حضرت شاہ عبدالعزیز اپنے والد شاہ ولی اللہ کی تاریخ ولادت ۴ شوال ۱۱۱۴ھ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ والد ماجد کی طرح میں نے کسی کا حافظہ نہیں دیکھا(۳۴۸)۔

تعلیم: شاہ صاحب اپنے زمانہ طالب علمی کا ذکر فرماتے ہوئے اپنی کتاب الجزء اللطیف میں لکھتے ہیں: ''جب میں پانچ سال کا تھا تو فقیر مکتب میں داخل ہوا، ساتویں برس والدِ بزرگوار نے نماز پڑھائی اور روزہ رکھنے کی تلقین فرمائی۔ اس سال ختنہ کی رسم بھی ادا ہوئی مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس سال کے آخر میں، میں نے قرآن عظیم ختم کیا۔ دس برس کی عمر میں شرح ملّا جامی پڑھی اور عام مطالعہ کی راہ میرے لیے کھل گئیں۔ چودھویں برس میری شادی کر دی گئی، اس معاملے میں والد بزرگوار نے بڑی عجلت سے کام لیا۔ پندرہ سال کا تھا کہ تفسیر بیضاوی کا ایک حصہ پڑھا اس سال والد بزرگوار نے کھانے کا وسیع پیمانے پر انتظام کیا اور خواص وعام کو دعوت دی اس موقع پر مجھے درس دینے کی اجازت دی گئی۔ الغرض اپنی عمر کے پندرھویں سال اپنے ملک کے دستور کے مطابق جو ضروری علوم وفنون تھے میں ان سے فارغ ہو گیا۔ سترہ سال کا تھا کہ والدِ ماجد رحمتِ حق سے جا ملے۔ ان کی وفات کے بعد فقیر بارہ سال تک دینی اور علوم عقلیہ کی کتابیں پڑھتا رہا اور ہر علم میں غور وفکر جاری رکھا(۳۴۹)۔

درس وتدریس: والد گرامی کی رحلت کے بعد شاہ صاحب نے مسند علم وارشاد کو زینت بخشی اور ان کی جگہ درس وتدریس اور وعظ وارشاد میں مشغول ہو گئے۔ کم وبیش بارہ برس کتب دینیہ کا درس دیتے رہے۔ اسی اثناء میں شاہ صاحب نے اہم علوم میں مہارت حاصل کی اور ہر فن میں درجہ کمال کو پہنچے۔ ان پر توحید الٰہی کے راز کھلے، جذب کی راہیں کشادہ ہوئیں، معرفت وسلوک کی بہت بڑی دولت میسر آئی اور علوم

وجدانیہ کی نعمت سے مالا مال ہوئے (۳۵۰)۔خود فرماتے ہیں ''والد کی وفات کے بعد تقریباً ۱۲ سال دینیات اور معقولات کی کتابوں کے درس کا شغل رہا'' (۳۵۱)۔

مولوی رحیم بخش لکھتے ہیں ''شاہ صاحب پورے بارہ سال تک اس (تدریس) میں اس استغراق اور محویت کے ساتھ مصروف رہے جس کی نظیر نہیں ملتی'' (۳۵۲)۔۱۲ سال اس طرح درس و تدریس دینے کے بعد شاہ صاحب ۱۱۴۳ھ/۱۷۳۱ء میں حج کے لیے تشریف لے گئے اور دو سال تین ماہ بعد واپس آئے اور رحیمیوں کے مدرسہ میں قال اللہ وقال الرسول کی محفل پھر گرم ہوگئی۔اس سفر میں حج وزیارت کے ساتھ آپ نے محدثین عہد سے بھرپور استفادہ کیا۔

تصانیف: علم حدیث کے موضوع پر شاہ ولی اللہ نے متعدد کتب لکھیں جن میں سے چند اہم کتب کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ المسوّی شرح الموطا: مؤطا امام مالک حدیث کی سب سے زیادہ قدیم کتاب ہے اس کی ترتیب اور اسلوب سے شاہ صاحب نہایت متاثر تھے۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس کتاب کی دو شرحیں لکھیں۔اس وقت عربی اور فارسی زبان اظہار خیال کا ذریعہ تھیں۔شاہ صاحب نے ان دونوں زبانوں میں مؤطا کی شرحیں قلمبند کیں۔عربی شرح کو المسوّی کے نام سے موسوم کیا اور فارسی شرح کا نام المصفّٰی رکھا۔ المسوّی من المؤطا (عربی) میں شاہ صاب نے مؤطا امام مالک کی احادیث کو فقہی ابواب کے مطابق نئی ترتیب دی۔

۲۔ المصفّٰی (فارسی): یہ بھی مؤطا امام مالک کی فارسی شرح ہے۔

۳۔ شرح تراجم ابواب صحیح البخاری: صحیح بخاری کے تراجم ابواب پر مشتمل ہے۔

۴۔ حجۃ اللہ البالغہ: یہ اسرار شریعت اور فلسفہ احکام سے متعلق ایک ضخیم اور مشہور کتاب ہے اس کے مضامین اور محتویات کا زیادہ حصہ احادیث پر مبنی ہے۔

۵۔ الانصاف فی سبب الاختلاف: اس کتاب میں کتب احادیث کی تالیف و ترتیب اور مختلف فقہی مذاہب کے نشو و ارتقا کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔نیز مسائل دینی میں فقہی نہج کے جو اختلافات پیدا ہوئے ان کے اسباب اور پس منظر کی وضاحت کی گئی ہے۔

۶۔ مجموعہ رسالہ اربعہ: یہ بہت چھوٹے چھوٹے چار رسائل کا مجموعہ ہے۔ ہر رسالہ فن حدیث سے متعلق ہے۔

۷۔ الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین: اس میں ان مبشرات کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ سے خود شاہ صاحب کو یا ان کے بعض نسبی یا روحانی بزرگوں کو حاصل ہوئے۔

۸۔ تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء: اس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک تمام انبیاء علیہم السلام کے قصص اور واقعات اس انداز میں بیان کیے گئے ہیں جس میں مختلف زمانوں میں جو شریعتیں رائج تھیں ان سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔

۹۔ مسلسلات: عربی زبان میں ہے اور فنِ حدیث سے متعلق ہے(۳۵۳)۔

وفات: ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ بمطابق ۲۱ اگست ۱۷۶۲ء کو ظہر کے وقت وفات پائی(۳۵۴)۔

۴۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء)

ولادت: شاہ عبدالعزیز ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۶ء کو ایک دینی اور علمی خاندان میں پیدا ہوئے(۳۵۵)۔

تعلیم و تربیت: چونکہ انہیں ابتداء ہی سے علمی اور دینی ماحول ملا تھا اس لیے پانچ سال کی عمر میں قرآن کریم ناظرہ پڑھ لیا۔ اس کے ساتھ ساتھ فارسی کے رسالے اور صرف و نحو کی ابتدائی کتب بھی پڑھتے رہے۔ گیارہ سال کی عمر میں باقاعدہ تعلیم کا آغاز کیا۔ آپ کے والد شاہ ولی اللہ نے انہیں اپنے مرشد کے سپرد کیا جنہوں نے دو سال میں معقولات، تاریخ اور جغرافیہ پڑھا دیا۔ پھر شاہ صاحب نے بنفس نفیس ان کی تعلیمی و تدریسی ذمہ داریاں ادا کیں۔ پندرہ سال کی عمر میں شاہ عبدالعزیز نے جملہ علوم عقلیہ و نقلیہ اور رسمیہ سے فراغت حاصل کر لی۔ عمر کے سترہویں سال میں شاہ ولی اللہ وفات پا گئے چونکہ علم اور عمر میں باقی بھائیوں سے بڑے تھے اس لیے مسند تدریس و خلافت آپ کو تفویض کر دی گئی(۳۵۶)

اللہ تعالیٰ نے انہیں بلا کا حافظہ دیا تھا جو عبارتیں طلبا کو لکھاتے موازنہ کرنے پر زیر زبر کی غلطی نہ ہوتی۔ آپ کے شاگرد مرزا حسن علی صغیر محدث لکھنوی نے لکھا کہ آپ کا حافظہ نسخہ لوح تقدیر کا تھا۔ آپ کے وعظ میں بلا کی تاثیر تھی آپ جہاں خطاب فرماتے وہاں لوگوں کو پاؤں رکھنے کی جگہ تک نہ ملتی جو

اعتراض کرتا وہ منہ کی کھاتا۔ جب راجہ رنجیت سنگھ نے پنجابی مسلمانوں پر ظلم ڈھانا شروع کیے ان کی مساجد چھیننے اور انہیں نماز پڑھنے سے روکنے کی خبریں تسلسل کے ساتھ دہلی میں موصول ہونے لگیں تو شاہ عبدالعزیز نے اپنے پیرو مرشد امیر المؤمنین سید احمد شہید، اسماعیل اور مولانا شاہ عبدالحی بڈھانوی کو تحریک جہاد کے لیے تیار کیا (۳۵۷)۔

تصانیف

۱۔ شیعہ عقائد و نظریات کے متعلق آپ کی شہرہ آفاق کتاب "تحفۃ اثنا عشریہ" اردو اور فارسی کتاب شیعی کے راز ہائے دروں طشت از بام کر دیے۔

۲۔ بستان المحدثین کے نام سے محدثین کے حالات پر فارسی میں ایک مختصر فاضلانہ کتاب ہے۔

۳۔ "عجالہ نافعہ" فارسی میں علم اصول حدیث پر ان کا بہترین علمی شاہکار ہے۔

۴۔ فتح القدیر یا تفسیر عزیزی معارف قرآن پر بہترین تفسیر ہے (۳۵۸)۔

تلامذہ: شاہ عبدالعزیز کے تلامذہ میں شاہ رفیع الدین محدث دہلوی ان کے نواسے شاہ محمد اسحٰق، شاہ محمد یعقوب، مفتی صدر الدین خاں دہلوی، شاہ رفیع الدین، میر محبوب علی دہلوی، شاہ اسماعیل شہید، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مولانا خرم علی بلہوری، مولوی سید رمضان علی امروہی، شاہ غلام علی دہلوی، مولانا حسن علی ہاشمی لکھنوی اور مولانا حسین احمد ملیح آبادی کے علاوہ اور بہت سے لوگ ہیں (۳۵۹)۔

اولاد: شاہ صاحب کی تین بیٹیاں تھیں۔ ایک کا نکاح مولانا محمد عیسیٰ بن شاہ رفیع الدین محدث سے ہوا۔ دوسری بیٹی شیخ محمد افضل لاہوری سے بیاہی گئی جبکہ تیسری مولانا شاہ عبدالحی بڈھانوی کے حرم میں داخل ہوئی۔ شاہ صاحب نے وفات سے پہلے تمام اعزا و اقربا کو بلا کر بڑا پر تاثیر وعظ کیا جسے سن کر کوئی آنکھ ضبط نہ کر سکی پھر خدا کے دربار میں بڑی آہ و زاری سے دعا مانگی۔

وفات: شاہ عبدالعزیز ۷ شوال بروز اتوار ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء کو اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون (۳۶۰)۔

۵۔ شاہ محمد اسحٰق مکیؒ (م۱۲۶۲ھ/۱۸۴۹ء)

ولادت: شاہ محمد اسحٰق ۱۱۹۲ھ/۷۷-۱۷۷۸ء کو پیدا ہوئے۔ان کے والد کا نام محمد افضل فاروقی تھا۔شاہ اسحٰق، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نواسے تھے۔ شاہ عبدالعزیز کی وفات کے بعد شاہ اسحٰق مسند علم وخلافت پر جانشین ہوئے۔آپ شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین سے فیضیاب ہوئے۔آپ نے معقولات اور منقولات ان سے سبقاً پڑھیں۔شاہ اسحٰق نے شیخ عمر بن عبدالعزیز مکی (م۱۲۴۷/۱۸۳۱ء) سے سندو اجازہ حدیث حاصل کیا۔شیخ ممدوح سے مذاکرات ہوئے تو آپ نے شاہ صاحب کے متعلق فرمایا کہ ان کے اندر ان کے بزرگ نانا شیخ عبدالعزیز کی برکت حلول کرگئی ہے جب کہ آپ کے متعلق شاہ عبدالعزیز مرحوم فرمایا کرتے تھے میری تقریر شاہ اسماعیل تحریر رشید الدین اور تقوای اسحٰق نے لے لیا۔ یہاں تک کہ ممدوح نے اپنی زندگی میں اپنا پیش امام آپ کو مقرر کردیا تھا(۳۶۱)۔شاہ عبدالعزیز شاہ اسماعیل اور اسحٰق کو دیکھ کر پڑھا کرتے الحمد لله الذی وهب لی علی الکبر اسماعیل واسحق (۳۶۲)۔ شاہ اسحٰق اپنے نانا کی زندگی ہی میں مسند تدریس پر جلوہ افروز ہوگئے تھے۔تدریس کی وجہ سے صدر الحمید کے لقب سے مشہور ہوئے جیسا کہ مسوی کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ جب شاہ صاحب کا ہجرت حرمین شریفین کے بعد مکہ مکرمہ میں قیام ہوا تب بھی وہاں مکہ میں مشغلہ تدریس جاری رکھا اور ہزاروں علم کے پیاسے اس چشمہ صافی سے سیراب ہوئے۔

سرسید احمد خاں مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ میں شاہ اسحٰق کے وعظ میں حاضر ہوتا باہر مردوں کا ہجوم ہوتا زنان خانہ میں عورتیں جمع ہوتیں۔ ڈولیوں کا شمار نہ پالکیوں کی گنتی، محلات شاہی کی بیگمات حاضر ہوتیں۔امراء کے ہاں پرتکلف کھانوں کی دیگیں کہاروں کے کندھوں پر لدی چلی آرہی ہیں۔ بیٹی کہتی حضرت جی! کھانا آگیا، فرماتے تقسیم کردو اور اس میں سب سے پہلے طلبا کو دیتے جو ان سے بچ جاتا وہ خود گھر کے لیے رکھتے اور گرد ونواح کی محتاج عورتیں آجاتیں جن کو کبھی بھی خالی ہاتھ نہ لوٹاتے (۳۶۳)۔ ۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء کو شاہ محمد یعقوب کو ساتھ لے کر بیت الحرام کے قصد سے ہجرت کی راستے میں جہاں بھی قیام فرماتے وہاں مستقل قیام کا کہا جاتا۔یہیں راستے میں مفتی صدر الدین اور حضرت میاں سید نذیر حسین صاحب کو سند حدیث مرحمت فرمائی۔

تصانیف: شاہ صاحب کی تصانیف میں سے "مسائل الاربعین ، ملۃ مسائل اورتذکرۃ الصیام" مشہور ہیں۔

تلامذہ: آپ کے شاگردوں میں سے چیدہ چیدہ درج ذیل ہیں۔ شاہ محمد یعقوب، شاہ محمد عمر بن شاہ اسماعیل مولوی کرامت اسرائیلی شیخ محمد انصاری سہارنپوری، سید عبدالخالق، شیخ الکل فی الکل میاں سید نذیر حسین دہلوی، شاہ عبدالغنی مجدد، سر سید احمد خان مرحوم، شاہ اسحٰق کی مسند درس وتدریس پر بھی سید نذیر حسین محدث دہلوی ہی مسند نشین ہوئے۔

وفات: شاہ اسحٰق صاحب مکہ مکرمہ میں ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۹ء میں فوت ہوئے ان کی نماز جنازہ شیخ عبداللہ سراج مکی نے پڑھائی (۳۶۴)۔

۶۔ علامہ عبدالحیٔ لکھنوی (م ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء)

ولادت: آپ کا نام عبدالحیٔ بن عبدالحلیم لکھنوی ہے۔ ۱۲۶۴ھ/۱۸۳۱ء میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت: اکثر علوم اپنے والد سے حاصل کیے۔ حج بھی کیا اور مکہ مکرمہ سے شیخ عبدالغنی مجددی سے سند حاصل کی (۳۶۵)۔

درس وتدریس: تعلیم مکمل کرنے کے بعد حیدرآباد میں تدریس اور تصنیف وتالیف میں مشغول رہے اور آخر عمر میں لکھنو آئے اور درس حدیث دیتے رہے (۳۶۶)۔

تصانیف: آپ کی تصانیف بہت زیادہ ہیں ان میں سے حدیث پر درج ذیل کتب ہیں:

۱۔ التعلیق الممجد علی مؤطا محمد۔

۲۔ الآثار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ۔

۳۔ الاجوبۃ الفاضلۃ لأسئلۃ العشرۃ الکاملۃ۔

۴۔ الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل۔

۵۔ النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر۔

۶۔ ظفر الامانی فی شرح المختصر المنسوب للجرجانی فی المصطلح۔

۷۔ امام الکلام فیما یتعلق بالقراۃ خلف الامام (۳۶۷)۔

آپ ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء میں انتقال کر گئے (۳۶۸)۔

۷۔ نواب سید صدیق حسن خاں (م ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء)

اگرچہ نواب سید صدیق حسن خاں کا تعلق قنوج سے تھا مگر آپ کی پیدائش بانس بریلی میں ننھیال کے ہاں ہوئی۔ تاریخ ولادت ۱۹ جمادی الاخر ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء ہے۔ آپ نسباً حسینی سادات میں سے تھے (۳۶۹)۔

تعلیم و تربیت: نواب سید صدیق حسن خان ۵ سال کے تھے کہ ان کے والد مولانا سید اولاد حسن خاں کا انتقال ہو گیا۔ تعلیم کا آغاز قرآن مجید سے ہوا ان کے پہلے استاد ان کے بڑے بھائی مولانا سید احمد حسن عرشی تھے۔ اس کے بعد عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں مولوی سید احمد علی فرخ آبادی، مولوی محمد حسین شاہ جہان پوری، محمد مراد بخاری اور مولوی محب اللہ پانی پتی سے پڑھیں اس کے بعد ۱۲۶۹ھ/۱۸۴۱ء میں نواب صاحب دہلی تشریف لے آئے اور مفتی صدر الدین دہلوی کی خدمت میں ایک سال ۸ ماہ رہ کر علوم اسلامیہ میں استفادہ کیا۔ (۳۷۰)

علمی خدمات: نواب سید صدیق حسن خاں نے اشاعت دین، توحید و سنت کی ترقی و ترویج اور شرک و بدعت کی تردید میں جو گرانقدر علمی خدمات سرانجام دیں ہیں وہ تاریخ اہلحدیث کا ایک زریں باب ہے۔ قرآن و حدیث کی اشاعت میں آپ کی خدمات نمایاں ہیں۔ علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں: "علمائے اہلحدیث کی تدریسی و تصنیفی خدمات بھی قدر کے قابل ہیں۔ پچھلے عہد میں نواب صدیق حسن خاں مرحوم کے قلم اور مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی کی تدریس سے بڑا فیض پہنچا، بھوپال ایک زمانہ تک علمائے اہل حدیث کا مرکز رہا۔ قنوج، سہسوان اور اعظم گڑھ کے بہت سے نامور اہل علم اس ادارہ میں کام کرتے رہے۔ شیخ حسین عرب یمنی ان سب کے سرخیل تھے۔ حضرت نواب صاحب مرحوم و مغفور نے زر کثیر صرف کر کے فتح الباری شرح صحیح بخاری، تفسیر ابن کثیر مع فتح البیان فی مقصود القرآن، اور نیل الاوطار چھپوا کر علمائے اسلام میں مفت تقسیم کیں"۔ (۳۷۱)

نواب صاحب خود نوشت سوانح حیات میں لکھتے ہیں "میرا اکثر مال ترویج علوم اور کتاب

وسنت کی اشاعت میں صرف ہوا ہے۔ میں نے ہر کتاب کو ایک ہزار کی تعداد میں طبع کر کے قریب و بعید کے تمام ممالک میں تقسیم کیا ہے اگر چہ ان پر ہزاروں روپے صرف ہوئے ہیں تاہم کبھی کسی سے کسی کتاب کی قیمت وصول نہیں کی (۳۷۲)۔ ذوق مطالعہ کا اندازہ ان کی اس تحریر سے لگایا جا سکتا ہے لکھتے ہیں:

''ایسی کوئی کتاب نہیں جو تالیف ہوئی اور طبع ہوئی یا عرب وعجم کے شہروں میں دستیاب ہوئی اور میرے مطالعہ میں نہ آئی ہو اگرچہ میں اسے اپنے پاس نہ رکھ سکا ہوں گا۔ چونکہ کسی چیز کا علم اس سے لاعلمی سے بہتر ہے۔ اگرچہ علم کا پسندیدہ حصہ صحائفِ دین کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے۔ اس لیے ابھی تک علم تفسیر وحدیث اوران سے متعلقہ کتابوں کی آمد آمد ہے اور ائمہ سلف کی تالیفات کی جستجو باقی ہے (۳۷۳)

تصانیف: مولانا سید نواب صدیق حسن خاں نے عربی، فارسی اور اردو میں ۲۲۲ کتابیں لکھیں۔ جن میں سے علم حدیث پر چند کتابیں درج کی جاتی ہیں:

۱۔ عون الباری شرح تجرید شرح بخاری ۲۔ مسک الختام شرح بلوغ المرام (فارسی)
۳۔ منہج الوصول (فارسی)۔ ۴۔ ہدایۃ السائل۔
۵۔ روضۃ ندیہ شرح درر البہیہ۔ ۶۔ فتح المغیث۔
۷۔ موائد العوائد۔ (۳۷۴)

وفات: نواب صاحب نے ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۰۷ھ بمطابق ۱۷ فروری ۱۸۹۰ء بھوپال میں انتقال کیا (۳۷۵)۔

۸۔ مولانا ابراہیم بن عبدالعلی آروی (م ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء)

آپ ۱۲۳۴ھ/ ۱۸۱۸ء کو آرہ شہر میں پیدا ہوئے (۳۷۶)

تعلیم: بچپن میں علم میں مشغول ہو گئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور چھوٹی کتابیں اپنے شہر ہی میں پڑھیں۔ پھر دیوبند اور علیگڑھ چلے گئے اور شیخ یعقوب نانوتوی، مفتی لطف اللہ سے علم حاصل کیا۔ پھر وطن واپس آئے اور کچھ کتابیں مولانا سعادت حسین بہاری سے پڑھیں۔ پھر سہارنپور روانہ ہوئے۔ صحاح ستہ محدث احمد علی بن لطف اللہ سے پڑھیں (۳۷۷)۔

حجاز کے لیے گئے حدیث کی سند حرم مکی میں شیخ احمد بن زمنی مدرس حرم شریف المکی سے حاصل کی۔ مولانا ابراہیم بن عبدالعلی آروی عمل کرنے والے علماء اور اللہ کے نیک بندوں میں سے تھے (۳۷۸)۔ عابدوزاہد تہجد گزار تھے۔ نصوص ظاہری پر عمل میں کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے...... ضعیف روایات بیان نہیں کرتے تھے (۳۷۹)۔ ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء میں انہوں نے اپنے شہر میں دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ جس کا نام "المدرسہ احمدیہ" رکھا۔ اس دور میں صوبہ بہار کی سب سے بڑی اسلامی درسگاہ، دانشگاہ تھی۔ یہی وہ مرکزی درسگاہ ہے۔ جس میں ۱۹۰۶ء کو اہلحدیث کانفرنس کی بنیاد رکھی (۳۸۰)۔

تصانیف: آپ کی تصانیف میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ طریق النجاۃ (یہ مشکوٰۃ شریف کا ترجمہ ہے)۔

۲۔ سلیقہ (یہ امام بخاری کی ادب المفرد کا ترجمہ ہے اور قرآن کے آخری جزو کی تفسیر ہے)۔

۳۔ فقہ محمدی (جو کہ شوکانی کی الدررالبہیہ کی شرح ہے)۔

۴۔ ارکان اسلام۔ ۵۔ تلخیص الصرف۔

۶۔ قول المؤید فی احکام التقلید (۳۸۱)۔

وفات: حافظ محمد آروی جب تیسری بار ۱۳۱۸ھ بمطابق ۱۹۰۰ء کو حج کیلئے تشریف لے گئے تو ایک ماہ مسجد نبوی میں گزار کر بیت اللہ کا قصد کیا۔ تو راستہ میں بیمار پڑ گئے اور ۱۳۱۹ھ بمطابق ۱۹۰۱ء بحالتِ احرام سفرِ آخرت پر روانہ ہوئے اور وہیں دفن ہوئے (۳۸۲)۔

۹۔ سید نذیر حسین دہلوی (م ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء)

سید نذیر حسین دہلوی بہار کے ضلع مونگھیر میں پیدا ہوئے (۳۸۳)۔ بچپن میں تعلیم کی طرف توجہ کم تھی۔ تیراکی اور کھیل کی طرف رجحان زیادہ تھا حالانکہ والد خود عالم تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۷ء میں دہلی آ گئے اور شاہ اسحاق کے مدرسہ میں داخل ہوئے۔ جہاں انہوں نے علمِ حدیث میں اعلیٰ ترین امتحان کامیاب کر کے ۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء میں سند حاصل کی۔ اس کے بعد دہلی کی مسجد میں ایک مدرسہ قائم کیا (۳۸۴)۔ پٹنہ میں آپ نے ترجمہ قرآن و ترجمہ مشکوٰۃ پڑھ لیا تھا۔ اس لیے علمِ دین کا خیال زیادہ تھا۔ عربی زبان میں مہارت حاصل کرنے کے لیے مولانا عبدالخالق

سے کافیہ کا سبق شروع کیا اور کئی کتابیں پڑھیں (۳۸۵)۔ حدیث کی اجازۃ شاہ محمد اسحاق مکی سے حاصل کی (۳۸۶)۔

درس و تدریس: شاہ محمد اسحاق صاحب نے جب مکہ مکرمہ جانے کا قصد کیا تو انہوں نے سید نذیر حسین کو اپنا جانشین مقرر کیا اور فتویٰ دینے کی اجازت دی۔ آپ نے ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء تک تفسیر اور فنون کی کتابیں پڑھائیں۔ اس کے بعد صرف علوم اصول حدیث، علوم دین، حدیث، تفسیر اور فقہ کو اختیار کیا اور پچاس سال اسی طرح گذارے (۳۸۷)۔ ان کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک ہے جو دنیا کے مختلف ممالک سے تشریف لائے اور آپ سے علمی پیاس بجھائی۔

تصانیف: سید نذیر حسین صاحب کو درس و تدریس میں انہاک کی وجہ سے تصنیف و تالیف میں بہت کم وقت ملا۔ لیکن اسکے باوجود ان کی ۵۷ کتب کی فہرست ملتی ہے (۳۸۸)۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ معیار الحق تقلید کے متعلق بڑی اچھی کتاب ہے۔ مولانا آزاد فرماتے ہیں کہ اسی زمانے میں ''معیار الحق'' دیکھی اور اس کے جواب میں مولانا ارشاد حسین کی ''انتصار الحق'' دیکھی اور مجھ پر معیار الحق کی سنجیدہ وزنی بحث کا بہت اثر ہوا۔ اور ارشاد حسین رامپوری کا علمی ضعف صاف صاف نظر آ گیا (۳۸۹)۔ کتب یہ ہیں:

۲۔ ثبوت الحق الحقیق رسالہ فی محلی النساء بالذہب۔

۳۔ واقعات الفتوی ودافعۃ البلوی۔

۴۔ فلاح الولی فی اتباع النبی ﷺ۔

۵۔ فتاوی نذیریہ (۳۹۰)۔

وفات: میاں نذیر حسین دہلوی نے سو برس کی عمر میں ۱۳۲۰ھ بمطابق ۱۹۰۲ء کو وفات پائی۔ انہیں دہلی میں شیدی پور کے قبرستان میں دفن کیا گیا (۳۹۱)۔

۱۰۔ رشید احمد گنگوہی (م۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء)

پیدائش: مولانا رشید احمد گنگوہی قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے (۳۹۲)۔

ابتدائی تعلیم: والد کے انتقال کے بعد دادا نے پرورش کی۔ ابتداء میں کرنال شہر میں مولوی محمد تقی سے (جو ماموں بھی تھے) فارسی پڑھی۔ صرف ونحو کی تعلیم محمد بخش رامپوری سے حاصل کی۔ بعدازاں دہلی جا کر مولوی قاضی احمد الدین جہلمی کے شاگرد ہوئے۔ اس کے بعد مولانا مملوک علی نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حدیث شاہ عبدالغنی مجددی سے پڑھی (۳۹۳)۔ چار سال میں تعلیم مکمل کر کے وطن واپس لوٹے۔ اور درس وافادہ میں مصروف ہو گئے (۳۹۴)۔

درس حدیث: پچاس برس انہوں نے گنگوہ میں حدیث، تفسیر، فقہ کا درس دیا (۳۹۵)۔ مولانا انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ مولانا گنگوہی نہ صرف مذہب حنفی کے ماہر تھے بلکہ چاروں مذاہب کے فقیہ تھے۔ ان کے سوا کسی کو چاروں مذاہب کا ماہر نہ دیکھا۔ ۱۸۹۵ء کے بعد آپ کی بصارت چلی گئی۔ ان کے درس حدیث سے ۳۰۰ سے زائد جید علماء فیض یاب ہوئے (۳۹۶)۔

تصانیف: ''تذکرۃ الرشید'' میں آپ کی کم وبیش پندرہ تصانیف کا ذکر آتا ہے۔ جن میں مکاتیب و فتاوی کے مجموعے بھی شامل ہیں:

۱۔ الکوکب الدری (ترمذی پر آپ کی تقاریر کا مجموعہ الکوکب الدری دو جلدوں میں چھپ چکا ہے)۔

۲۔ زبدۃ المناسک (حج کے متعلق تمام مسائل ضروریہ) (۳۹۷)۔

۳۔ امداد السلوک (تصوف کے رسالہ مکیہ کا ترجمہ) (۳۹۸)۔

۴۔ فتاوی رشیدیہ (۳۹۹)۔ ۵۔ سبیل الرشاد (۴۰۰)۔

۶۔ قطوف دانیہ (۴۰۱)۔

۷۔ تصفیۃ القلوب (حاجی صاحب کی تصنیف ضیاء القلوب کا ترجمہ) (۴۰۲)۔

۸۔ احتیاط الظہر (اس کا ثبوت کہ جہاں جمعہ ہوتا ہے وہاں احتیاط ظہر کی ضرورت

نہیں)(۴۰۳)۔ ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء کو آپ نے دنیا کو الوداع کیا۔ عمر ۷۸ سال سات ماہ تین دن تھی (۴۰۴)۔

۱۱۔ مولانا ابوالحسن سیالکوٹی (م ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء)

آپ کا نام مولانا ابوالحسن سیالکوٹی تھا۔ آپ کے اساتذہ میں سب سے مشہور سید نذیر حسین محدث دہلوی ہیں (۴۰۵)۔

مشہور کتابیں: اتباع سنت اور ابطال تقلید کے سلسلہ میں ان کی مشہور کتابیں یہ ہیں۔

۱۔ الکلام المبین فی رد تلبیسات المقلدین

۲۔ الظفر المبین فی الرد علی مغالطات المقلدین (۴۰۶)۔

اس کے علاوہ خدمتِ حدیث میں ان کی مساعی کا اندازہ درج ذیل کتابوں سے لگایا جا سکتا ہے۔

۳۔ ترجمہ تیسیر الوصول۔

۴۔ فیض الباری فی شرح و ترجمہ صحیح البخاری (یہ ترجمہ مع شرح تیس پاروں پر مشتمل ہے۔ جس میں فتح الباری، ارشاد الساری، الکرمانی، سندھی شروح و حواشی کا خلاصہ بھی آ گیا ہے۔ جسے مولانا فقیر محمد نے مطبع محمدی لاہور سے شائع کیا۔

۵۔ فیض الستار ترجمہ کتاب الآثار (امام محمد کی کتاب الآثار کا اردو ترجمہ ہے)۔

۶۔ ترجمہ مشکوۃ المصابیح۔ ۷۔ تلخیص الصحاح۔

وفات: آپ کی وفات ۱۳۲۵ھ بمطابق ۱۹۰۷ء کو ہوئی (۴۰۷)۔

۱۲۔ مولانا شمس الحق ڈیانوی (م ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء)

پیدائش: مولانا شمس الحق ڈیانوی ۱۲۷۳ھ بمطابق ۱۸۵۶ء کو اعظم آباد کے ایک قصبے ڈیانہ میں پیدا ہوئے (۴۰۸)۔

ابتدائی تعلیم و تربیت: آپ نے ابتدائی کتب مولوی لطف العلی بہاری، مولوی فضل اللہ لکھنوی، مولانا قاضی بشیر الدین صاحب قنوجی سے پڑھیں اس کے بعد آپ دہلی چلے گئے اور سید نذیر حسین

دہلوی سے سندِ حدیث حاصل کی (۳۰۹)۔ یہاں سے فراغت کے بعد آپ اپنے شہر لوٹ گئے۔ پھر دہلی کا سفر کیا اور سید نذیر حسین سے تفسیر قرآن، سنن دار قطنی اور صحاح ستہ پڑھیں (۳۱۰)۔

تصانیف: آپ کی تصانیف بہت زیادہ ہیں۔ ہم یہاں اختصار سے حدیث کے سلسلہ میں ان کی تصانیف کا ذکر کرتے ہیں:

۱۔ غایۃ المقصود فی حل سنن ابی داؤد۔

۲۔ القول الحق۔

۳۔ عون المعبود شرح سنن ابی داؤد (یہ شرح دراصل غایۃ المقصود کا اختصار ہے۔ اور چار جلدوں پر مشتمل ہے (۳۱۱)۔

۴۔ التعلیق المغنی علی کتاب سنن الدار قطنی۔ کتب احادیث میں سنن دار قطنی کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اس سے کوئی طالب علم ناواقف نہیں۔ یہ بلند پایہ کتاب بھی مولانا شمس الحق ڈیانوی کی محنت سے منصۂ شہود پر آئی۔

۵۔ اعلام اہل العصر فی احکام رکعتی الفجر۔ صبح کی دو سنتوں کے متعلق جملہ مباحث پر یہ کتاب مشتمل ہے۔ مولانا نے کتاب کو دس فصلوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر فصل پر محدثانہ وفقیہانہ نقطہ نظر سے بحث کی ہے (۳۱۲)۔

۶۔ المکتوب اللطیف الی المحدث الشریف: (یہ ایک خط ہے۔ اس میں اصول حدیث کے ایک ''الاجازۃ العامۃ'' پر تفصیلی بحث ہے (۳۱۳)۔

۷۔ غنیۃ الالمعی (یہ رسالہ تین سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے۔ جن میں پہلا سوال یہ ہے کہ محدثین کی اصطلاح لا یصح ھذا الحدیث اور لا یثبت ھذا الحدیث میں کیا فرق ہے۔ اسی اصولی سوال کا یہ جواب ہے۔ اسی بنا پر ہم اسے بھی اس فہرست میں شامل کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی تصانیف ہیں۔ جن کا تعلق بعض مسائل اور رجال سے ہے۔

۸۔ جوابات الزامات الدار قطنی علی الصحیحین: امام دار قطنی نے الجامع الصحیح الامام البخاری پر کچھ اعتراضات کیے تھے۔ یہ انھی اعتراضات کے جواب پر مشتمل رسالہ ہے۔ آپ نے ۱۹ ربیع الاوّل

۱۳۲۹ھ بمطابق ۲۱ مارچ ۱۹۱۱ء کو وفات پائی (۴۱۴)۔

۱۳۔ عبدالرحیم مبارکپوری (م ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء)

پیدائش: حافظ عبدالرحیم قصبہ مبارکپور میں پیدا ہوئے۔ قاضی امام الدین جونپوری سے حفظ و تجوید دونوں حاصل کیں۔ جن میں اس حد تک کمال حاصل ہوا کہ مبارکپور اور اس کے نواح کا جو شخص حفظ کے بعد قرآن آپ کو سنا نہ لیتا حافظ نہ سمجھا جاتا تھا (۴۱۵)۔

صرف و نحو اور دیگر علوم مولوی فیض اللہ اور مُلّا حسام الدین سے پڑھے۔ حدیث قاضی محمد مچھلی شہری سے جن کی وجہ سے سند "مسلسل بالاولیۃ" و سند مناولہ برائے بلوغ المرام اور سند اتحاف الاکابر جو کہ قاضی صاحب کے امتیازات تھے آپ کو بھی حاصل ہوئیں۔ قاضی صاحب کی شاگردی شوقِ اتباع سنت کا سبب بھی ہوئی۔ اس راہ میں گوناں گوں مصائب کا سامنا بھی ہوا۔ مگر آخر مبارکپور میں عمل بالسنہ کی رسم (حسنہ) آپ کی وجہ سے جاری ہوئی (۴۱۶)۔

درس و تدریس: ان کی زیادہ تدریس "حفظ قرآن" تھی۔ اس اعتبار سے مبارکپور اور اس کے گرد و نواح میں تمام حافظ ان کے شاگرد تھے (۴۱۷)۔ آپ نے رمضان المبارک ۱۳۳۰ھ بمطابق ۲۳ ستمبر ۱۹۱۲ء میں وفات پائی (۴۱۸)۔

۱۴۔ مولانا عبدالجبار غزنوی (م ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء)

ولادت: مولانا عبدالجبار غزنوی ۱۲۶۸ھ بمطابق ۱۸۵۱ میں غزنی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام عبداللہ غزنوی تھا (۴۱۹)۔

تعلیم و تربیت: ابتدائی تعلیم اپنے بھائی مولانا محمد احمد سے حاصل کی۔ پھر آپ دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں سید نذیر حسین دہلوی سے کتب احادیث کی سند حاصل کی۔ اُن کی عمر بیس برس بھی نہیں تھی کہ وہ علوم متداولہ سے فارغ ہو چکے تھے۔ بہت ذہین تھے (۴۲۰)۔

درس و تدریس: فراغت تعلیم کے بعد امرتسر میں قرآن و حدیث کی تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ مولانا عبداللہ غزنوی نے اپنی درس گاہ کا نام مدرسہ غزنویہ رکھا تھا۔ آپ نے یہ نام بدل کر تقویۃ الاسلام

رکھ دیا۔ مولانا سید عبدالجبار غزنوی کی ساری زندگی درس و تدریس، دعوت وارشاد اور وعظ و تبلیغ میں بسر ہوئی۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ مشہور تلامذہ یہ ہیں: مولانا محمد داؤد غزنوی، فیض اللہ بھوجیانی، سید احمد علی غزنوی، عبدالقادر لکھوی، حافظ محمد گوندلوی، حافظ محمد عبداللہ روپڑی۔

مولانا سید عبدالجبار غزنوی علم و فضل کے اعتبار سے جامع الکمالات تھے۔ مولانا عبدالحیٔ الحسینی فرماتے ہیں: "میں نے بارہا امرتسر میں آپ کی زیارت کی۔ آپ کو سلف صالحین کے طریقے پر پایا۔ آپ جب فتویٰ دیتے تو کسی خاص مذہب کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ دلیل کی بنیاد پر فتویٰ دیتے تھے۔ ائمہ مجتہدین کے سلسلہ میں بدگمانی نہیں کرتے تھے۔ جب بھی ان کا ذکر کرتے اچھے انداز میں کرتے تھے (۴۲۱)۔ آپ نے ۱۳۳۱ھ بمطابق ۱۹۱۲ء کو وفات پائی (۴۲۲)۔

۱۵۔ حافظ عبدالمنان (وزیر آبادی) (م ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء)

حافظ عبدالمنان بن شرف الدین بن نور خان اعوان خاندان میں ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۰ء کو کردلی، سیداں ضلع جہلم میں پیدا ہوئے (۴۲۳)۔

ابتدائی تعلیم: مولوی قادر بخش سے حاصل کی جو احمد آباد ضلع جہلم کے رہنے والے تھے۔ اس کے بعد سید فاضل شاہ اور مولوی برہان الدین سے مختصرات پڑھیں اور بنوں کشمیر میں مولوی گل احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر منطق و عقائد کی تکمیل کی۔ سندھ میں پیر محفوظ اللہ قندھاری کے ہاں پہنچ گئے۔ متعدد علماء سے ملاقاتیں کیں۔

درس و تدریس: دہلی سے فارغ ہو کر لاہور مسجد چینیاں والی تشریف لے آئے۔ یہاں پر ایک سال قیام۔ بالآخر وزیر آباد میں دارالحدیث کی بنیاد رکھی۔ تقریباً بیالیس سال تفسیر و حدیث کا درس دیتے رہے اور ۳۵ مرتبہ پوری صحاح ستہ پڑھائی۔ آپ کا شمار ان علمائے اہلحدیث میں ہوتا ہے جنہوں نے علم حدیث کی اشاعت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ آپ استادِ پنجاب کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ حافظ صاحب کو لغت اور نحو پر کامل دسترس حاصل تھی۔ رجال کی جرح و تعدیل ان کے طبقات اور تمام فنون حدیث پر عبور حاصل تھا۔ آپ کو حدیث میں عالی و نازل اور صحیح و ضعیف کے علاوہ قرآن و حدیث کی متن بھی از بر تھی (۴۲۴)۔

تصانیف: ارشادالقاری الی نقد فیض الباری (۴۲۵)۔

وفات: آپ نے ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۴ء میں وفات پائی (۴۲۶)۔

۱۶۔ عبدالجبار عمرپوری (م ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء)

مولانا عبدالجبار بن منشی بدرالدین عمرپور ضلع مظفرنگر دہلی میں ۱۲۷۷ھ بمطابق ۱۸۶۰ء کو پیدا ہوئے (۴۲۷)۔

علمی خدمات: مدرسہ دارالہدیٰ دہلی میں درس وتدریس کا سلسلہ قائم کیا۔ عوام وخواص کو روزانہ صبح کی نماز کے بعد پابندی سے درس قرآن مجید سے مستفید کرتے رہے۔ ماہنامہ ''ضیاء السنہ'' جاری کیا جو اس دور میں بلند پایہ مجلات میں شمار ہوتا تھا۔ اس رسالہ میں عبداللہ چکڑالوی کے باطل نظریہ کا رد کیا۔ عبداللہ چکڑالوی کا خیال تھا کہ دین کے اصول وفروغ اور کلیات وجزئیات سب قرآن میں واضح طور پر موجود ہیں۔ مولانا عبدالجبار نے دلائل کے ساتھ اس نظریہ کی تردید کی کہ سنت کی ضرورت نہیں۔ اس رسالہ میں انہوں نے یہ ثابت کیا کہ سنت نبوی کے بغیر قرآن مجید سمجھا ہی نہیں جا سکتا۔ دینی حلقوں میں یہ مضامین بے حد پسند کیے گئے۔ یہ رسالہ تقریباً تین سال تک جاری رہا۔ اس رسالہ کی طباعت واشاعت اور ترتیب وتہذیب کی نگرانی ضیاء الرحمٰن کرتے رہے اور نہایت آب وتاب کے ساتھ کلکتہ سے شائع ہوتا رہا (۴۲۸)۔

تصانیف

۱۔ ارشادالسائلین فی مسائل الثلاثین۔

۲۔ صمصام التوحید فی رد التقلید۔

۳۔ تذکیرالاخوان فی خطبۃ الجمعہ بکل لسان۔

۴۔ تبصرۃ الانعام بردمغالطات صیانۃ الانام۔

۵۔ ارشادالانام۔

۶۔ نصیحۃ الاخوان فی حجاب النسوان۔

۷۔ البراھین القاطعۃ فی ردالانوار الساطعۃ (۴۲۹)۔

وفات: ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء کو علم وتقویٰ کا یہ آفتاب غروب ہوگیا (۴۳۰)۔

۱۷۔ عبدالستار عمر پوری (م ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء)

پیدائش: مولانا حافظ عبدالستار عمر پوری ۱۳۰۱ھ بمطابق ۱۸۸۳ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام حافظ عبدالجبار تھا (۴۳۱)۔

تعلیم وتربیت: آپ نے علوم اسلامیہ کی تعلیم مولانا معین الدین عبدالرحمٰن عمر پوری، مولانا حکیم عبیدالرحمٰن عمر پوری، مولانا محمد بشیر سہسوانی اور اپنے والد ماجد مولانا عبدالجبار عمر پوری سے حاصل کی (۴۳۲)۔ درسِ نظامی کی تعلیم کی تکمیل مدرسہ احمدیہ آرہ میں کی اور کلام پاک تین ماہ میں حفظ کر لیا (۴۳۳)۔

تصنیفات: آپ کی تصانیف میں رسالہ "اثبات الخمر فی ردمنکر الاثر" ہے اس کے علاوہ انہوں نے ایک رسالہ مرزا قادیانی کی تردید میں تحریر فرمایا (۴۳۴)۔ آپ نے ۱۳۳۵ھ بمطابق ۱۹۱۶ء کو وفات پائی (۴۳۵)۔

۱۸۔ عبدالعزیز رحیم آبادی (م ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء)

پیدائش: عبدالعزیز بن احمد اللہ سلفی رحیم آبادی مظفر پوری مشہور ومعروف علماء اہل حدیث میں سے ہیں۔ ۱۲۷۰ھ بمطابق ۱۸۵۳ء کو رحیم آباد ضلع مظفر پور میں پیدا ہوئے (۴۳۶)۔

تعلیم وتربیت: مولوی محمود عالم رامپوری، حکیم عبدالسلام دہلوی اور مولانا محمد یحییٰ بن منور حسین عظیم آبادی سے کسب فیض کیا۔ پھر دہلی کا رُخ کیا اور میاں نذیر حسین محدث دہلوی سے حدیث کا علم حاصل کیا اور وطن لوٹے اور تحقیق وتعلیم میں مشغول رہے (۴۳۷)۔

تصانیف

۱۔ حسن البیان فیما فی سیرۃ النعمان۔

۲۔ سواء الطریق (اس میں مشکوٰۃ شریف سے صحیحین کی احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔ یہ کتاب چار جلدوں میں ہے۔ یہ کتاب پہلی دفعہ ۱۳۳۳ھ میں مطبع فاروقی دہلی سے شائع ہوئی (۴۳۸)۔

۳۔ رسالہ ہدایۃ المعتدی فی القراءۃ للمقتدی۔ یہ رسالہ قرأت فاتحہ خلف الامام کے موضوع پر لکھا گیا۔ ۱۳۱۰ھ میں مطبع فاروقی دہلی سے شائع ہوا (۴۳۹)۔

وفات: آپ ایک مدت سے ذیابیطس کے مریض چلے آ رہے تھے۔ علاج معالجہ ہوتا رہا۔ بالآخر مرض میں تیزی آ گئی۔ آخری حملہ بڑا شدید تھا۔ جسم نہایت کمزور اور نحیف ہو چکا تھا۔ آپ قرآن و حدیث کے معارف و مطالب برابر بیان فرما رہے تھے۔ آخر ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۹ء میں وفات پا گئے (۴۴۰)۔

۱۹۔ عبداللہ غازی پوری (م ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۸ء)

پیدائش: عبداللہ غازی پوری ۱۲۶۱ھ بمطابق ۱۸۴۵ء کو ضلع اعظم گڑھ میں مئو کے مقام پر پیدا ہوئے (۴۴۱)۔

تعلیم و تربیت: بارہ سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا۔ فارسی و عربی کی بعض درسی کتابیں مولوی محمد قاسم مئوی سے پڑھیں۔ یہ وہی زمانہ ہے جب ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی برپا ہوئی تھی۔ آپ کے والدین نے اسی زمانے میں مئو چھوڑ کر غازی پور میں سکونت اختیار کی۔ غازی پور کے "مدرسہ چشم رحمت" میں تعلیم حاصل کرنے لگے۔ مولانا رحمت اللہ اور مولانا محمد فاروق چریاکوٹی سے درسی کتابوں کی تکمیل کی۔ پھر جونپور تشریف لائے اور مدرسہ "امامیہ" کے مولانا یوسف سے استفادہ کیا (۴۴۲)۔ اس کے بعد جون پور سے آپ دہلی چلے گئے وہاں حضرت مولانا سید نذیر حسین دہلوی سے تفسیر، حدیث اور فقہ کی تحصیل کی اور سند حاصل کی (۴۴۳)۔

حدیث کی کتابیں بھی مولانا سید نذیر حسین دہلوی سے پڑھیں اور انہی کی تعلیم کا اثر اُن پر غالب ہوا۔ ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء میں حج کیا، وہیں علامہ شوکانی کے شاگرد عباس یمنی سے حدیث کی سند حاصل کی۔ اور ۴۰ سال تک درس و تدریس میں مصروف رہے (۴۴۴)۔

تصانیف: آپ کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ البحر المواج فی شرح مقدمۃ الصحیح المسلم الحجاج۔

۲۔ ابراء اہل الحدیث والقرآن لمافی جامع الشواھد من التھمۃ والبھتان۔

۳۔ تسہیل الفرائض (یہ علم میراث پر ہے)۔

۴۔ فصول احمدی (یہ رسالہ علم صرف پر ہے)۔

۵۔ الحجۃ الساطعۃ فی بیان البحیرہ والسائبۃ۔

۶۔ قانون مسجد (۴۴۵)۔

وفات: آپ ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء کو لکھنو میں فوت ہوئے۔ عیش باغ کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے آپ کی وفات پر لکھا کہ عبداللہ جیسا کامل، عالم و عابد دیکھا کوئی نہیں، سنے بہت سے ہیں (۴۴۶)۔

۲۰۔ مولانا وحید الزمان (م ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء)

نام ونسب: محمد وحید الزمان نام، وقار نواز جنگ خطاب تھا۔ نسباً فاروقی تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ وحید الزمان بن مسیح الزمان بن نور محمد بن شیخ احمد ملتانی (۴۴۷)۔

ولادت: آپ کے بزرگوں کا وطن اگرچہ ملتان تھا۔ مگر آپ کانپور میں پیدا ہوئے۔ سال ولادت ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۰ء ہے (۴۴۸)۔

تعلیم وتربیت: آپ نے قرآن شریف اپنے تایا مولوی بدیع الزمان سے پڑھا۔ اس کے بعد مفتی عنایت احمد سے صرف ونحو کی تعلیم حال کی چند روز کے بعد مفتی صاحب کی وفات ہوگئی تو ان کے شاگرد رشید مولوی سید حسین شاہ بخاری مصنف خلعۃ المعہود سے درس لیتے رہے چنانچہ ایک سال کے عرصہ میں علوم صرف ونحو سے فارغ ہوگئے (۴۴۹)۔

شیوخ حدیث: جن نامور محدثین سے علم حدیث حاصل کیا۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی ۲۔ مولانا فضل الرحمان، گنج مرادآبادی

۳۔ حافظ عبدالغفور محدث لکھنوی ۴۔ محمد بشیر الدین قنوجی (۴۵۰)

سند حدیث: سید نذیر حسین محدث دہلوی نے ان کو مرویات حدیثہ کی اجازت ان الفاظ میں دی۔"

لقد اجزت لجميع مروياتي من كتب الحديث اعني الصحاح الستہ وغيرها للمولوي الالمعي الذي له راي صائب وذهن ثاقب وحيد الزمان ابن مسيح الزمان۔۔۔۔الخ (۴۵۱)۔

مطالعہ کتب: آپ مطالعہ ہمیشہ دن کو کرتے تھے آپ فرماتے ہیں کہ میرے استاد مولانا بشیر الدین صاحب قنوجی نے مجھے نصیحت کی تھی کہ رات کو کتاب کا مطالعہ نہ کرنا بلکہ دن کو جس قدر مطالعہ ہو سکے کافی ہے اور رات کو محض تفریح اور دوست احباب سے باتیں کرنے کے لیے رکھو (۴۵۲)۔ مولانا کے مطالعہ کے چند اصول ہیں۔ فرماتے ہیں مطالعہ ہمیشہ علمی کتابوں کا کرنا چاہیئے، مطالعہ اس وقت کرنا چاہیئے جب طبیعت میں نشاط ہو۔ مطالعہ سرسری اور جلدی کرنا چاہیے (۴۵۳)۔

تصانیف: مولانا وحید الزمان نے دو درجن سے زائد کتابیں لکھیں۔ ان میں سے حدیث کے موضوع پر درج ذیل کتابیں مشہور ہیں:

۱۔ کشف المغطاء عن المؤطا (ترجمہ مؤطا امام مالک)۔
۲۔ الھدی المحمود لترجمہ سنن ابی داؤد ۳۔ المعلم لترجمہ صحیح مسلم
۴۔ تسھیل القاری شرح اردو صحیح بخاری ۵۔ رفع العجاجۃ عن ترجمہ سنن ابن ماجہ
۶۔ وحید اللغات (لغات الحدیث) ۷۔ اشراق الابصار
۸۔ روض الربی من ترجمہ المجتبی (سنن نسائی کا ترجمہ) (۴۵۴)

وفات: ۱۳۳۸ھ بمطابق ۱۵ مئی ۱۹۲۰ء کو حیدر آباد میں انتقال ہوا (۴۵۵)۔

۲۱۔ مولانا محمود الحسن (م ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء)

پیدائش: مولانا محمود الحسن بن ذوالفقار علی دیوبندی ۱۲۶۸ھ بمطابق ۱۸۵۱ء بمقام بریلی پیدا ہوئے (۴۵۶)۔

تعلیم وتربیت: چھ سال کی عمر میں پڑھنا شروع کیا۔ فارسی وعربی کی ابتدائی کتب اپنے چچا مولوی مہتاب علی صاحب سے پڑھیں (۴۵۷)۔ محمود الحسن دار العلوم دیو بند کے پہلے طالب علم تھے۔ ۱۲۸۴ھ/ ۱۸۶۷ء میں کنز الدقائق اور مختصر معانی کا امتحان دیا۔ کتب صحاح ستہ اور دوسری کتب مولانا قاسم نانوتوی سے پڑھیں۔ ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء میں فارغ ہوئے (۴۵۸)۔

تصانیف: آپ کی چند تصانیف درج ذیل ہیں:

۱۔ افادات (یہ رسالہ شیخ الہند کے دو مضمونوں کا مجموعہ ہے)۔

۲۔ الابواب والتراجم (بخاری شریف کے چند تراجم ابواب کی مختصر شرح ہے) (۴۵۹)۔

۳۔ حاشیہ ابی داؤد (یہ بھی حدیث نبوی کی خدمت ہے)۔

۴۔ ترجمہ قرآن مجید (۴۶۰)۔

۵۔ کلیات شیخ الہند (محمود الحسن کے منظوم کلام کا مجموعہ ہے)۔

وفات: ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ بمطابق ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء کو آپ کی وفات ہوئی (۴۶۱)۔

۲۲۔ عبدالسلام مبارکپوری (م ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء)

پیدائش: عبدالسلام مبارکپوری قصبہ مبارک پور میں ۱۲۸۲ھ بمطابق ۱۸۶۵ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام میاں خان محمد تھا جو کہ عامل بالحدیث تھے (۴۶۲)۔

تعلیم و اساتذہ: ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اس کے بعد آپ نے مولوی عبدالرحمٰن مبارک پوری، قاضی محمد مچھلی شہری، شیخ حسین عرب یمنی، اور سید نذیر حسین دہلوی سے تعلیم حاصل کی۔ علم طب مختلف اساتذہ سے پڑھا (۴۶۳)۔

درس وتدریس: فراغت تعلیم کے بعد آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اور مختلف دینی مدارس میں آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں۔ جن دینی مدارس میں آپ نے تدریس فرمائی۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ مدرسہ دار الحدیث صادق پور پٹنہ، ۱۵ سال۔

۲۔ مدرسہ فیض عام مئو ضلع اعظم گڑھ، ۳ سال۔

۳۔ مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث بونڈھیال، ۴ سال۔

۴۔ دارالحدیث رحمانیہ دہلی، ۱۸ سال (۴۶۴)۔

تصانیف

۱۔ سیرۃ البخاری ۲۔ تاریخ منوال دلہلہ۔

۳۔ اسلامی تمدن۔ ۴۔ تصوف۔

۵۔ الاجازۃ بتکرار صلوۃ الجنازۃ (۴۶۵)۔

آپ نے ۱۰ رجب ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء کو دہلی میں انتقال فرمایا (۴۶۶)۔

۲۳۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری (م ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء)

پیدائش: مولانا خلیل احمد سہارنپوری ۱۲۶۹ھ بمطابق ۱۸۵۲ء میں پیدا ہوئے۔ مولانا یعقوب، اوّل صدر مدرس دارالعلوم دیوبند آپ کے حقیقی ماموں تھے (۴۶۷)۔

تعلیم و تربیت: آپ نے کتب درسیہ کی تعلیم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں حاصل کی اور علم حدیث کی تحصیل مولانا محمد مظہر صدر مدرس مظاہر العلوم سے کی۔ آپ نے اکثر کتابیں خصوصا کتب حدیث وفقہ واصول وتفسیر بھی محمد مظہر سے پڑھیں۔ حدیث کی سند واجازت شاہ عبدالغنی مجددی سے اور شیخ احمد مفتی شافعیہ سے بھی حاصل کی۔ بیس سال کی عمر میں ۱۲۸۸ھ بمطابق ۱۸۷۱ء میں آپ فارغ التحصیل ہو گئے (۴۶۸)۔

خدمت علم حدیث: آپ کو تمام فنون میں مہارت حاصل تھی۔ لیکن علم حدیث میں زیادہ ہی شغف تھا (۴۶۹)۔ آپ نے سات حج کیے (۴۷۰)۔

تصانیف: آپ کی تصانیف میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ مجموعہ فتاوی، ۲۔ المہند علی المفند، ۳۔ تنشیط الاذان، ۴۔ بذل المجہود فی ابی داؤد

وفات: آخری حج کے بعد مدینہ المنورہ میں اقامت فرمائی اور وہیں وفات پا کر ۱۳۴۶ھ بمطابق

۱۹۲۷ء کو جنت البقیع میں دفن ہوئے (۴۷۱)۔

۲۴۔ انور شاہ کشمیری (م۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء)

انور شاہ کشمیری ۲۷ شوال ۱۲۹۲ھ بمطابق ۱۸۷۵ء کو اپنے ننھیال بمقام موضع دودھوان و علاقہ لولاب کشمیر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام محمد معظم شاہ تھا (۴۷۲)۔

تعلیم: ساڑھے چار سال کی عمر میں اپنے والد سے قرآن پڑھنا شروع کیا اور چھ برس کی عمر میں قرآن کے علاوہ فارسی کے متعدد رسائل بھی ختم کر لیے۔ پھر مولانا غلام محمد سے فارسی و عربی کی تعلیم حاصل کی (۴۷۳)۔

تصانیف: آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں:

۱۔ العرف الشذی (یہ جامع ترمذی کی شرح ہے۔ جو املا کی گئی ہے اور اس کو مولانا چراغ حسین نے املا کیا تھا)۔

۲۔ خاتم النبیین

۳۔ عقیدہ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام

۴۔ فصل الخطاب فی مسئلہ ام الکتاب

۵۔ بسط الیدین لنیل الفرقدین

۶۔ مرقاۃ الطارم لحدوث العالم (۴۷۴)

وفات: آپ نے ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء کو تقریباً ۶۰ سال کی عمر میں دیوبند میں وفات پائی (۴۷۵)۔

۲۵۔ عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری (م۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء)

پیدائش: آپ ۱۲۸۳ھ بمطابق ۱۸۶۶ء کو مبارکپور میں پیدا ہوئے (۴۷۶)۔

تعلیم و تربیت: ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کرنے کے بعد مولانا عبداللہ غازی پوری سے تعلیم حاصل کی۔ پھر آپ سید نذیر حسین کے پاس دہلی آئے اور اُن سے حدیث کا علم حاصل کیا (۴۷۷)۔ دہلی سے علم حاصل کرنے کے بعد بھوپال چلے گئے اور علامہ حسین بن محسن انصاری الیمانی سے صحاح ستہ، مؤطا امام مالک، سنن دارمی، مسند امام شافعی، مسند احمد بن حنبل، ادب المفرد بخاری اور معجم صغیر طبرانی کے اطراف پڑھ کر، ان کتابوں کی روایت کی اجازت حاصل کی اور ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء میں

قاضی محمد بن عبدالعزیز مچھلی شہری سے حدیث "مسلسل بالاولیۃ" کی سند لی (۴۷۸)۔

درس وتدریس: فراغت تعلیم کے بعد آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کی ساری زندگی تدریس میں صرف ہوئی۔ تدریس کا آغاز اپنے آبائی گاؤں مبارکپور سے کیا۔ اس کے بعد قصبہ بلرام پور (گونڈہ) میں تدریس فرمائی۔ اس کے بعد اللہ نگر (گونڈہ) میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد سراج العلوم گونڈہ، مدرسہ احمدیہ آریہ، مدرسہ دار القرآن والسنہ کلکتہ اور مدرسہ میاں صاحب (سید نذیر حسین) دہلی میں تدریسی خدمات سرانجام دیں (۴۷۹)۔

تصانیف: آپ کی چند تصانیف درج ذیل ہیں:

۱۔ تحفۃ الاحوذی (تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی چار جلدوں میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے)۔ یہ کتاب دنیائے عرب میں بھی مقام رکھتی ہے اور اس پایہ کی عربی زبان میں اور کوئی شرح نہیں ہے۔ اس میں اصول حدیث، تاریخ حدیث اور سنن ترمذی کے متعلق بہت اہم مباحث ہیں اور اپنے موضوع پر لاجواب کتاب ہے۔

۲۔ مقدمہ تحفۃ الاحوذی (یہ دو ابواب پر مشتمل ہے)۔

۳۔ تحقیق الکلام فی وجوب القراۃ خلف الامام۔ یہ کتاب طبع شدہ ہے۔

۴۔ القول السدید فیما یتعلق بتکبیرات العید۔

۵۔ کتاب الجنائز۔

۶۔ نور الابصار (۴۸۰)۔

وفات: ۱۳۵۳ھ بمطابق ۱۹۳۵ء میں آنکھوں پر عمل جراحی کیلئے دہلی تشریف لائے تھے۔ آپریشن کے دوران میں صاحب فراش ہو کر مراجعت وطن ہوئے اور انتقال فرما گئے (۴۸۱)۔

۲۶۔ حضرت محمد جونا گڑھی (۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء)

ولادت: محمد بن ابراہیم جونا گڑھی کی ولادت ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء میں جونا گڑھ میں پیدا ہوئے (۴۸۲)

تعلیم وتربیت: آپ اپنے وطن میں ہی ایک اہل حدیث بزرگ مولانا عبداللہ جونا گڑھی سے

ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر آپ نے علم حاصل کرنے کے لیے دہلی کا قصد کیا۔ اس وقت دہلی اسلامی تہذیب وتمدن کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ چنانچہ آپ عازم دہلی ہوئے۔ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء میں آپ بائیس برس کی عمر میں دہلی تشریف لائے اور مدرسہ امینیہ میں داخل ہوئے۔

مدرسہ دار الکتاب والسنہ میں آپ نے درس نظامی کی تکمیل کی۔ مولانا عبدالوہاب صدری ملتانی سے مستفید ہوئے۔ اسی زمانہ میں پھاٹک حسن خان دہلی میں واقع مولانا عبدالرحیم صاحب غزنوی اور مولانا عبدالرشید کا مدرسہ بھی قرآن وحدیث کا سرچشمہ تھا۔ مولانا جوناگڑھی نے ان دو جلیل القدر علماء سے استفادہ کیا (۴۸۳)۔

درس وتدریس: علامہ کی ذات بڑی ہمہ گیر تھی۔ تکمیل تعلیم کے بعد اجمیری گیٹ دہلی میں مدرسہ محمدیہ کی بنیاد رکھی۔ جب تدریس کا سلسلہ شروع کیا تو طالب علموں میں ہردلعزیز ہوگئے اور ''گلدستہ محمدی'' کے نام سے ماہوار رسالہ جاری کیا۔ جس نے بہت کم عرصے میں انتہائی زبردست مقبولیت وشہرت حاصل کی۔ اور ''اخبار محمدی'' کی شکل اختیار کرگیا (۴۸۴)۔

صحافت کے میدان میں بھی علامہ محمد جوناگڑھی رحمہ اللہ کی خدمات اظہر من الشمس ہیں۔ آپ نے دنیائے صحافت میں داخل ہوکر توحید وسنت کا بول بالا کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔

خطابت: ملکہ خطابت بھی علامہ محمد صاحب جوناگڑھی کی ہمہ جہت شخصیت کا ایک اہم خاصہ ہے۔ یہ وصف بھی آپ کی تقریر کا لازمی جزو تھا۔ آپ نہ صرف خود روتے بلکہ سامعین کو بھی رلایا کرتے تھے۔ آپ کے مواعظ سے لاتعداد حضرات متبع سنت بن گئے (۴۸۵)۔

تصانیف: تصنیف وتالیف کے ضمن میں علامہ صاحب کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ آپ نے اپنی تصانیف کے ذریعے اشاعت اسلام میں بھرپور حصہ لیا۔ آپ کی معروف اور مقبول کتابوں میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ تفسیر محمدی، ترجمہ تفسیر ابن کثیر۔
۲۔ دین محمدی ترجمہ اعلام الموقعین۔
۳۔ خطبات محمدی۔
۴۔ سیرت محمدی۔
۵۔ نکاح محمدی۔
۶۔ ارشاد محمدی۔

۷۔ ظل محمدی۔ ۸۔ درہ محمدی۔
۹۔ طریق محمدی۔ ۱۰۔ مشکوٰۃ محمدی۔
۱۱۔ شمع محمدی۔ ۱۲۔ ایمان محمدی۔
۱۳۔ اربعین محمدی۔ ۱۴۔ برات محمدی۔
۱۵۔ حیات محمدی۔ ۱۶۔ حقوق محمدی۔
۱۷۔ درود محمدی۔ ۱۸۔ دلائل محمدی۔
۱۹۔ دین محمدی۔ ۲۰۔ زمہ محمدی (۴۸۶)۔

وفات: یکم صفر ۱۳۶۰ھ بمطابق ۱۹۴۱ء بروز جمعۃ المبارک بوقت گیارہ بجے شب آپ نے وطن مالوف جوناگڑھ میں وفات پائی (۴۸۷)۔

۲۷۔ مولانا احمد اللہ شیخ الحدیث (م ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۳ء)

پیدائش: احمد اللہ بن امیر اللہ بن فقیر اللہ موضع مبارکپور ضلع پرتاب گڑھ میں پیدا ہوئے (۴۸۸)۔

تعلیم وتربیت: میاں پیر محمد سے فارسی گلستان پڑھی۔ سید محمد امین نصیر آبادی سے صرف ونحو اور شرح جامی پڑھی اور قرآن پاک حفظ کیا۔ مولانا لطف الرحمٰن بردوانی سے علوم وفنون یعنی مطول میرزاہد اور ملا حسین سے صحیحین، ترمذی اور نسائی پڑھی۔

بھوپال کے اس زمانہ کے جملہ مشاہیر واعلام سے استفادہ کرنے کے بعد بقصد دہلی روانہ ہوئے۔ مگر اس سفر میں الہ آباد میں بھی قیام کیا۔ سید نذیر احمد سے کتب ادب یعنی سبعہ معلقہ، حتبی اور مقامات حریری پڑھے۔ مولانا لطف حسین سے کتب فرائض پڑھیں۔ شیخ الحدیث سید نذیر حسین صاحب کے درس میں صحیحین وبعض دیگر کتب صحاح پڑھ سند واجازہ حاصل کیا (۴۸۹)۔

درس وتدریس: اس دور کے نامور اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد تمام زندگی درس وتدریس کے لیے وقف کر دی کہ پورے بیس سال مدرسہ علی جان دہلی میں پڑھایا جہاں جملہ معقول اور منقول حدیث وتفسیر پڑھاتے رہے۔ اسی دوران دار الحدیث رحمانیہ دہلی کی تاسیس ہوئی تو ابتداء ہی میں یہاں

تشریف لے آئے اور عرصہ تک کتب حدیث وتفسیر و اصول فقہ و اصول حدیث وغیرہ پڑھاتے رہے(۴۹۰)۔

تصانیف: مولانا احمداللہ نے درس وتدریس کے ساتھ ساتھ کئی کتابیں تالیف کیں ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

۱۔ تخریج عسقلانی (احادیث ہدایہ کی تخریج)۔

۲۔ القول المتین فی بیان التامین۔

۳۔ برھان المھداۃ عن مسئلۃ الزکوٰۃ۔

۴۔ القول المختصر فی الزکوٰۃ العشر۔

۵۔ التامل فی الرد علی رسالۃ التوسل بسید الرسل۔

۶۔ تحفۃ تبت من اھل سنت (۴۹۱)۔

وفات: آپ نے ۱۹۴۳ء میں وفات پائی (۴۹۲)۔

۲۸۔ مولانا عبدالتواب ملتانی (م ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۷ء)

پیدائش: مولانا ابوتراب محمد عبدالتواب بن مولانا قمرالدین بن بدرالدین ۱۲۸۸ھ بمطابق ۱۸۷۱ء کو ملتان میں پیدا ہوئے (۴۹۳)۔

تعلیم: آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ آپ کے والد مولانا قمرالدین عامل بالحدیث تھے۔ انہوں نے آپ کو سید نذیر حسین محدث دہلوی کے پاس اکتساب فیض کیلئے دہلی بھیجا یہاں آپ نے علم حدیث کی تعلیم حاصل کی (۴۹۴)۔

درس وتدریس: تکمیل تعلیم کے بعد ملتان میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اور اس کے ساتھ ذریعہ معاش کے لیے طباعت کتب کا مشغلہ اختیار کیا۔ کتابیں خود بھی چھپواتے اور اسلامی ممالک سے بھی منگواتے۔ کتب حدیث اور خاص کر امام ابن تیمیہ، حافظ ابن حجر عسقلانی کی تالیفات سے آپ کو بہت زیادہ شغف تھا (۴۹۵)۔

تصانیف: آپ ایک جلیل القدر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ مصنف بھی تھے۔آپ کی بیشتر تصانیف عربی میں ہیں۔تفسیر، حدیث اور فقہ پر مکمل عبور تھا۔آپ کی تصانیف میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ تعلیق حاشیہ صحیح مسلم ابی الحسن سندھی (عربی)۔

۲۔ حاشیہ تحفۃ جالوددو باحکام المولود (عربی)۔

۳۔ تعلیق المصنف ابن ابی شیبہ (عربی)۔

۴۔ تعلیق عون المعبود شرح ابی داؤد (عربی)۔

۵۔ مسند عمر بن عبدالعزیز الاموی (عربی)۔

۶۔ شرح حدیث ماذئبان جائعان (لابن رجب) عربی۔

۷۔ حواشی تفسیر عزیزی سورۃ مومنون (۴۹۶)۔

اردو تراجم اور حواشی

۸۔ ترجمہ مختصر شرح مشکوۃ المصابیح

۹۔ حواشی علی الاشارات الی بیان المبھمات

۱۰۔ حواشی علی قیام اللیل المروزی

۱۱۔ المختصر النافع فی اصول الحدیث

۱۲۔ ترجمہ صحیح البخاری (اس کے صرف آٹھ پارے مکمل کیے)

۱۳۔ ترجمہ بلوغ المرام۔ یہ ترجمہ ان کے اپنے مطبعہ سلفیہ ملتان سے ۱۳۴۴ھ بمطابق ۱۹۲۵ء کو دو جلدوں میں شائع ہوا۔پہلی جلد ۳۱۴ اور دوسری ۲۳۴ صفحات پر مشتمل ہے (۴۹۷)۔

وفات: آپ اشاعتی اور علمی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔آپ نے ۱۳۶۷ھ بمطابق ۱۹۴۷ء کو وفات پائی اور ملتان ہی میں دفن ہوئے (۴۹۸)۔

۲۹۔ محمد ابوالقاسم سیف البنارسی (م۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء)

پیدائش: محمد ابوالقاسم ۱۳۰۷ھ بمطابق ۱۸۸۹ء میں بنارس میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام "محمد فضل قادر" تھا۔

تعلیم: سات سال کی عمر میں ناظرہ قرآن مجید ختم کرنے کے بعد حفظ کیا۔ اسی سال قاضی محمد مچھلی شہری سے "مسلسل بالاولیۃ" حاصل ہوئی۔

درس وتدریس: سولہ سال کی عمر میں فارغ ہو کر خود تدریس وتصنیف میں مشغول ہوگئے۔ یہ دونوں سلسلے آخری عمر تک جاری رہے اور ماہوار رسالہ "السعید" جاری کیا۔ مگر ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء میں بند ہوگیا۔ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء میں مدرسۃ "سعیدیہ" بنارس میں اوّل مدرس مقرر ہوئے۔ جہاں تمام علوم وفنون کی کتابیں آپ کے ذمہ تھیں۔ اس مدرسہ میں ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء تک ۲۵ مرتبہ صحیح بخاری وصحیح مسلم پڑھائی (۴۹۹)۔

تصانیف: آپ نے فتنہ انکار حدیث کے رد میں زیادہ کتب لکھیں۔ چند تصانیف درج ذیل ہیں:

۱۔ حل مشکلات البخاری
۲۔ الامر المبرم لابطال الکلام المحکم
۳۔ حکم الحاکم فی کنیۃ ابی قاسم
۴۔ اربعین محمدی (اردو ترجمہ)
۵۔ اجتلاب المنفعہ
۶۔ السیر الحثیث فی براۃ اہل الحدیث (۵۰۰)۔

وفات: ۱۳۶۹ھ بمطابق ۲۵ نومبر ۱۹۴۹ء بروز جمعہ انتقال ہوا (۵۰۱)۔

۳۰۔ مولانا شبیر احمد عثمانی (م۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء)

پیدائش: مولانا شبیر احمد عثمانی ۱۳۰۵ھ بمطابق ۱۸۸۵ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام فضل الرحمٰن تھا اور وہ ضلع بجنور میں ڈپٹی انسپکٹر تھے۔ اس محکمے سے پنشن لینے کے بعد وہ دیوبند میں مقیم ہو گئے اور ۱۸۶۶ء سے ۱۹۰۷ء تک انہوں نے بیالیس سال تک مدرسے کی خدمات انجام دیں۔ آپ کا

سلسلہ نسب حضرت عثمانؓ سے جا ملتا ہے(۵۰۲)۔

تعلیم و تربیت: ابتدائی تعلیم اپنے ماموں محمد تقی سے حاصل کی پھر دہلی چلے گئے اور قاضی احمد الدین ؒ مولانا مملوک العلی نانوتوی اور مولانا شاہ عبدالغنی مجددی سے علم حدیث حاصل کی۔ درسیات سے فارغ ہو کر قرآن مجید حفظ کیا۔ ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں عربی کا آغاز کیا اور ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء میں فراغت حاصل کی(۵۰۳)۔

درس و تدریس: تعلیم مکمل کرنے کے بعد سے ۱۳۶۴ھ/۱۹۴۵ء تک ۳۷ سال کا عرصہ آپ نے درس و تدریس میں گزارا۔ آپ نے دار العلوم دیوبند میں ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء سے ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء تک تعلیم دی اس سے پہلے دو سال مدرسہ عربیہ فتح پوری دہلی اور ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء سے ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء تک دو تین سال کے سوا ڈابھیل (گجرات کاٹھیاوار) کے جامعہ عربیہ میں درس دیا(۵۰۴)۔

تصانیف: آپ کی تصانیف مختلف علوم میں ہیں: العقل والنقل، الشہاب، الاسلام اعجاز القرآن اور تفسیر عثمانی شامل ہیں۔

علم حدیث میں تصانیف: فتح الملہم شرح صحیح مسلم، فضل الباری شرح اردو صحیح البخاری۔

۱۳۶۹ھ/۸ دسمبر ۱۹۴۹ء کو امیر آف بہاولپور سر صادق محمد خاں پنجم کی درخواست پر جامعہ اسلامیہ کا افتتاح کرنے کے لیے تشریف لائے۔ ۱۲ دسمبر کو بخار ہوا۔ ۱۳ دسمبر کو وفات پا گئے۔ اس وقت عمر ۶۴ سال تھی۔ تدفین کراچی میں ہوئی(۵۰۵)۔

۳۱۔ مولانا داؤد غزنویؒ (م ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء)

پیدائش: مولانا داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۵ء میں بمقام امرتسر پیدا ہوئے(۵۰۶)۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم انہوں نے اپنے والد مولانا عبدالجبار غزنویؒ اور مولانا عبدالاوّل غزنویؒ سے حاصل کی۔ مولانا گل محمد سے اردو اور حساب کی تعلیم حاصل کی۔ علومِ عقلی میں مدرسہ فتح پور کے مشہور مدرس مولانا سیف الرحمٰن کابلیؒ سے استفادہ کیا۔ علم حدیث سید نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگرد مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری سے حاصل کیا(۵۰۷)۔

تصانیف: ا۔ براھین ،۲۔ نخبۃ الاحادیث ،۳۔ حجۃ اللہ البالغہ کی کتاب التوحید کا ترجمہ۔

درس و تدریس: حصول علم سے فراغت کے بعد امرتسر واپس آ گئے اور بڑی مستعدی اور ذوق و شوق کے ساتھ اپنی آبائی درسگاہ یعنی مدرسہ غزنویہ میں تفسیر اور حدیث کی تدریس کا کام سرانجام دینے لگے اور ایک عرصہ تک کتاب وسنت کے چشمۂ صافی سے تشنہ کامی علم دین کی پیاس بجھاتے رہے۔اس زمانے میں تدریس کے ساتھ ساتھ تبلیغ واشاعتِ اسلام، تحریک آزادی وطن سے اپنی دلچسپی اور کمال خطابت کی وجہ سے "امرتسر" میں اپنا ایک مقام پیدا کر لیا تھا۔لاہور میں مدرسہ تقویۃ الاسلام کی آپ نے بنیاد رکھی اور اس میں مؤطا امام مالک خود پڑھاتے تھے۔

سیاسی زندگی: ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء کو جب ترک انگریز کے خلاف صف آرا ہوئے اور مسلمانانِ ہند کی ھمدردیاں ترکوں کے ساتھ تھیں تو اسی زمانے میں تحریکِ خلافت کا آغاز ہوا۔آپ اس تحریک کے سرگرم رکن تھے۔اس دور میں انہوں نے انگریز کے خلاف بھرپور آواز اٹھائی۔وہ بیباکی اور حق گوئی کی وجہ سے کئی مرتبہ جیل بھی گئے۔جب مولانا داؤد غزنویؒ نے دیکھا کہ کانگریس کی ذہنیت تو مہا سبھائیوں کی سی ہے اور ہندو مسلم اتحاد محض ڈھونگ رچا رکھا ہے۔تو انہوں نے کانگریس سے استعفیٰ دے دیا اور مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔

میدانِ صحافت میں: ۱۳۴۶ھ/یکم اپریل ۱۹۲۷ء کو امرتسر سے ہفتہ وار "توحید" کا پہلا شمارہ مولانا کی ادارت میں شائع ہوا۔"توحید" کی مکمل فائل کے پہلے شمارے کے سرورق پر جلی حروف میں یہ دعا اور اس کا ترجمہ لکھا:"رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانًا نصیرًا" (اے میرے پروردگار! جس راستہ پر میں نے قدم رکھا ہے اور جو سفر میں نے اختیار کیا ہے۔اس میں مجھے بہتر مقام تک پہنچائیو اور تمام مشکلات اور مخالف طاقتوں کے ہجوم سے بہتر طریق سے نکالیو۔میں عاجز و کمزور و ناتواں ہوں مگر تُو اپنی نصرت و اعانت سے اس کارزار حق و باطل میں فتح و غلبہ دیجیو) آمین۔

اس مجلے میں بڑے بڑے علماء لکھا کرتے تھے(۵۰۸)۔قیام پاکستان کے بعد اسلامی تعلیمی

بورڈ کے ۳۱ ممبران میں آپ سرفہرست تھے۔ ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں مدینہ منورہ میں اسلامی یونیورسٹی قائم ہوئی تو اس کی مشاورتی کونسل کے ممبر تھے (۵۰۹)۔

وفات: حضرت مولانا داؤد غزنوی آخری دو برس مسلسل بیمار رہے۔ دل کے عارضے میں مبتلا تھے۔ دل کی شریانوں میں خون گاڑھا ہونے کی وجہ سے دوران خون میں رکاوٹ پیدا ہوئی۔ اس رکاوٹ سے دل میں شدید درد ہوتا۔ کئی راتیں انہیں درد دل کے ہاتھوں بستر پر بیٹھے بیٹھے کاٹنی پڑیں۔ آخری دنوں میں بات کم کرتے تھے۔ رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین اکثر پڑھتے تھے۔ کبھی کبھی بقضائے بشریت خیال آتا کہ میرے بعد فلاں بات کا کیا ہوگا۔ تو ساتھ ہی کہہ اٹھتے الله ربّی لا اشرك به شیئا۔ آخری دنوں میں بیماری کی شدت، نقاہت اور بے خوابی کی وجہ سے صبح کی نماز میں بعض اوقات تاخیر ہوتی تو انہیں سخت صدمہ ہوتا۔

وفات: ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء میں آپ کا انتقال ہوا (۵۱۰)۔

۳۲۔ حافظ عبداللہ روپڑیؒ (م ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء)

ولادت و تعلیم: حافظ عبداللہ بن میاں روشن امرتسر میں ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے (۵۱۱)۔ آپ نے ابتدائی تعلیم موضع ڈوبہ ضلع لاہور سے حاصل کی۔ مولانا عبداللہ سے آٹھ پارے حفظ کرنے کے بعد مدرسہ غزنویہ امرتسر میں مولانا سید عبدالجبار غزنوی اور عبدالاوّل غزنوی سے علم تفسیر و حدیث حاصل کیا۔ ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں دہلی تشریف لے جاکر مولانا محمد اسحاق منطقی سے منطق واقلیدس اور درس نظامی کی آخری کتب پڑھیں۔ علم حدیث و تفسیر مولانا نے عبداللہ غازی پوری سے پڑھیں۔ بعد میں مدرسہ عالیہ رامپور سے سند فضیلت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اسی دوران مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا (۵۱۲)۔

تصانیف: آپ کی تصانیف و تالیف پچاس کے قریب ہیں۔ جن میں تفسیر و حدیث کے موضوع پر درج ذیل کتب ہیں:

۱۔ اردو ترجمہ و حواشی مشکوۃ المصابیح ابتداء سے کتاب القدر (غیر مطبوعہ)

۲۔ اہلحدیث کے امتیازی مسائل۔ ۳۔ تعلیم الصلوۃ۔

۴۔ درایت تفسیری۔

۵۔ الکتاب المستطاب فی جواب فصل الخطاب (۵۱۳)۔

وفات: ۱۳۸۴ھ بمطابق ۲۰ اگست ۱۹۶۴ء کو لاہور میں وفات پائی اور گارڈن ٹاؤن میں مدفون ہوئے (۵۱۴)۔

۳۳۔ مولانا حافظ محمد گوندلویؒ (م ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء)

مولانا حافظ محمد گوندلوی کا تعلق جموں و کشمیر کے راجپوت گھرانے سے تھا۔ آپ کے اجداد میں دو بزرگ میاں بدھی چند اور میاں اودھے چند حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور قبول اسلام کے بعد میاں عبدالکریم اور میاں فضل کریم کے ناموں سے معروف ہوئے۔ ان دو بھائیوں کے قبول اسلام پر خاندان ان کا مخالف ہو گیا اور بالآخر ظلم وستم کی تاب نہ لاتے ہوئے یہ دونوں بھائی صوبہ پنجاب کی طرف ہجرت کر آئے اور گوجرانوالہ شہر کے نواح میں ایک گاؤں مرالی والہ میں رہائش پذیر ہوئے۔ یہی میاں عبدالکریم ہیں جن کے پوتے فضل دین کو اللہ تعالیٰ نے حافظ محمد گوندلوی کے والد ماجد ہونے کا شرف بخشا ہے (۵۱۵)۔

پیدائش: میاں فضل دین کی اہلیہ زینب بی بی نہایت سعیدہ وصالحہ خاتون تھیں۔ حافظ محمد گوندلوی انہیں کے بطن سے رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ بمطابق ۱۸۹۷ء بروز جمعرات بوقت سحر تولد ہوئے (۵۱۶)۔ والد محترم نے آپ کا نام اعظم رکھا جبکہ والدہ محترمہ نے آپ کو "محمد" کے نام سے موسوم کیا۔ حضرت حافظ محمد گوندلوی اپنے بڑے بیٹے عبداللہ کے نام کی مناسبت سے ابوعبداللہ کنیت اختیار فرماتے تھے (۵۱۷)۔ حضرت حافظ محمد صاحب گوندلوی نے ابتداء حفظ قرآن مجید کی طرف توجہ کی اور تھوڑے عرصے میں قرآن مجید مکمل یاد کر لیا۔

والد محترم کی وفات کے بعد آپ کو والدہ محترم نے جامع مسجد اہل حدیث "چوک نیائیں" گوجرانوالہ میں مولانا علاؤالدین کے سپرد کر دیا۔ جن سے آپ نے ابتدائی درسی کتب پڑھیں۔ بعد

ازاں آپ امرتسر کے مدرسہ غزنویہ میں حصول تعلیم کے لیے تشریف لے گئے اور امام عبداللہ غزنویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان سے خوب استفادہ کیا(۵۱۸)۔ اور آپ نے مولانا عبدالاوّل غزنوی سے بلوغ المرام، مشکوٰۃ، کتاب الجہاد تک اور ترمذی کا بعض اجزاء پڑھے، ترمذی کے بقیہ حصہ مولانا عبدالغفور غزنوی سے مکمل کیا(۵۱۹)۔

مدرسہ غزنویہ میں آپ نے صحاح ستہ، اصول تفسیر و حدیث، فقہ و اصول فقہ، منطق، ہندسہ اور صرف ونحو کی آخری اور انتہائی کتب پڑھ کر جملہ عربی علوم وفنون کی تکمیل کی (۵۲۰)۔ ان دنوں استاد پنجاب حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی کے درس حدیث کا بہت شہرہ تھا۔ چنانچہ آپ امرتسر سے تکمیل علوم کے بعد وزیر آباد تشریف لائے اور حضرت محدث وزیر آبادی سے بھی سند و اجازت حدیث حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ کرام میں چند معروف نام یہ ہیں:

۱۔ حضرت مولانا علاؤالدین۔
۲۔ فخرالمحدثین امام عبدالجبار غزنوی۔
۳۔ حضرت مولانا عبدالاوّل غزنوی۔
۴۔ حضرت مولانا عبدالغفور غزنوی۔
۵۔ جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا محمد حسین ہزاروی۔
۶۔ استاد الفنون حضرت مولانا عبدالرزاق۔
۷۔ استاد پنجاب حافظ عبدالمنان وزیر آبادی(۵۲۱)۔

درس و تدریس: آپ کی تدریسی خدمات کا دائرہ تقریباً ساٹھ سال پر محیط ہے۔ آپ نے آغاز تدریس گوندلانوالہ سے ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء میں کیا۔ چند سال تک یہاں کتب صحاح ستہ کا درس دیتے رہے۔ ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء میں مدرسہ رحمانیہ کی انتظامیہ کے پرزور اصرار پر دہلی تشریف لائے اور دو سال تک وہاں ارباب ذوق کی تسکین کا باعث بنے رہے۔ ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں جامعہ عربیہ دارالسلام عمر آباد تشریف لائے لیکن آب وہوا کی ناموافقت کی وجہ سے ایک سال بعد اپنے گاؤں واپس تشریف لے گئے اور تقریباً ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء تک اپنے گاؤں میں ہی سلسلہ درس جاری رکھا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ گوجرانوالہ کی مرکزی جامع مسجد اہلحدیث (چوک نیائیں) میں پڑھاتے رہے۔ بہت سے طلبہ نے آپ سے استفادہ کیا۔ ان میں مولانا محمد اسماعیل السلفی بھی شامل تھے(۵۲۲)۔

جامعہ تعلیم الاسلام اوڈاں والہ ماموں کانجن جو برصغیر کے عظیم دینی مدارس میں سے ایک ہے۔ حافظ محمد گوندلوی صاحب وہاں دو سال تک منتہی طلبہ کو درس بخاری دیتے رہے۔ اوڈوانوالہ سے مراجعت کے بعد آپ نے گوجرانوالہ میں "تاہلی والی مسجد" میں حلقہ درس قائم کیا جہاں فارغ التحصیل طلبہ کو صحیح بخاری، مؤطا امام مالک، حجۃ اللہ البالغہ اور الاتقان وغیرہ کا درس دیتے رہے۔ یہ سلسلہ ۱۳۶۹ھ/۱۹۵۰ء تک جاری رہا۔ اس کے بعد آپ نے جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ میں درس کا آغاز فرمایا اور ۱۳۶۹ھ/۱۹۵۶ء تک اسی جامعہ میں مسند تعلیم وارشاد پر جلوہ افروز رہے۔ ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۶ء آپ جامعہ سلفیہ فیصل آباد تشریف لے آئے اور حضرت سید داؤد غزنوی کی سرپرستی میں جامعہ سلفیہ میں علم وعرفان کے موتی بکھیرتے رہے (۵۲۳)۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں بحیثیت شیخ الحدیث

حکومت سعودیہ نے ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں مدینہ منورہ میں الجامعہ الاسلامیہ کا آغاز کیا۔ جس میں دنیا بھر سے متلاشیان علم جمع ہوئے۔ شیخ الجامعہ کے منصب پر محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی متمکن تھے جب علامہ ناصر الدین البانی اس منصب سے الگ ہوئے تو الجامعہ الاسلامیہ کے ذمہ داروں کی نگاہ انتخاب حضرت حافظ محمد گوندلوی پر پڑی۔ چنانچہ مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز نے جامعہ کے جلیل القدر استاد الشیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد کو پاکستان بھیجا جنہوں نے مولانا اسمٰعیل سلفی کی وساطت سے مدینہ یونیورسٹی تشریف لے جانے کی درخواست کی۔ چنانچہ حضرت حافظ محمد گوندلوی دو سال تک متواتر دیار رسولؐ میں الجامعۃ الاسلامیہ میں قال اللہ وقال الرسول کی صدائے دل گداز بلند کرتے رہے۔

فن تدریس میں آپ کو یدطولیٰ حاصل تھا۔ مدینہ یونیورسٹی کی تاریخ ہی آپ کی تدریس علمی و تحقیقی محاضرات بے مثال اہمیت کے حامل سمجھے جاتے ہیں (۵۲۴)۔

تصانیف

۱۔ تقاریر صحیح بخاری (عربی) ۲۔ بغیۃ الفحول (عربی)

۳۔ تحفۃ الاخوان (عربی) ۴۔ مسئلہ ایمان (عربی)

۵۔ شرح مشکوٰۃ المصابیح (عربی) ۶۔ الاصلاح (دو حصے)
۷۔ خیر الکلام فی وجوب الفاتحہ خلف الامام ۸۔ دوام حدیث۔
۹۔ ختم نبوت۔ ۱۰۔ معیار نبوت۔

ان کے علاوہ آپ کے مختلف موضوعات پر بیس سے زائد کتب ہیں (۵۲۵)۔

وفات: ۱۴۰۵ھ/۲ فروری ۱۹۸۵ء کو نماز تہجد کے لیے وضو کرتے وقت گر پڑے جس سے ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ ابتدائی علاج کے لیے میو ہسپتال اور بعد ازاں گوجرانوالہ الشیخ ہسپتال داخل رہے۔ چار ماہ علیل رہنے کے بعد ۱۴ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء سہ پہر تین بجے وفات پائی (۵۲۶)۔

۳۴۔ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ (م ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۷ء)

پیدائش: آپ ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۹ء کو امرتسر کے قصبہ بھوجیان، امرتسر میں پیدا ہوئے (۵۲۷)۔

تعلیم و تربیت: ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ قرآن مجید کا ترجمہ بھی انہی سے پڑھا۔ بلوغ المرام مولانا فیض اللہ خان مشہد سے اور صرف و نحو اور مشکوٰۃ ان کے فرزند عبدالرحمٰن سے، صحاح ستہ و جلالین، مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی سے، شرح جامی و موطا امام مالک، مولانا ابوسعید شرف الدین سے، بخاری، بیضاوی، ملا حسن، حمد اللہ، شرح عقائد، اصول فقہ کی تعلیم محدث العصر حافظ محمد گوندلوی سے حاصل کی (۵۲۸)۔

درس و تدریس: فراغت تعلیم کے بعد کوٹ کپورہ، فیروز پور، اوڈانوالہ اور تقویۃ الاسلام لاہور میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ قیام پاکستان کے بعد کچھ عرصہ گوندلانوالہ میں مقیم رہے بعد ازاں لاہور میں (شیش محل روڈ) مستقل سکونت اختیار کی۔ گوندلانوالہ کے قیام کے دوران گوجرانوالہ سے ہفت روزہ "الاعتصام" جاری کیا۔ جو بعد میں جمعیۃ اہلحدیث پاکستان کا آرگن بھی رہا۔ مگر بعد میں جمعیۃ اہلحدیث سے اختلاف کی وجہ سے الاعتصام کا انتظام سنبھال کر اپنی نگرانی میں اس کی اشاعت جاری رکھی۔ آج کل ان کے صاحبزادہ حافظ احمد شاکر اس کے مدیر اعلیٰ ہیں (۵۲۹)۔

حال ہی میں "الاعتصام" کا مولانا عطاء اللہ حنیف نمبر شائع ہوا ہے۔

کتب خانہ: مولانا عطاء اللہ حنیف کو کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ قیام پاکستان سے قبل فیروز پور میں ایک کتب خانہ بنایا۔ مگر یہ کتب خانہ فسادات کی نذر ہو گیا۔ پاکستان میں آ کر مولانا نے دوبارہ کتابیں جمع کرنی شروع کیں اور ایک مثالی کتب خانہ بنایا۔ محی السنہ مولانا سید نواب صدیق حسن خاں نے مختلف موضوعات پر عربی، فارسی اور اردو میں ۲۲۲ کتابیں تصنیف کیں۔ آپ نے یہ سب کتابیں اپنے کتب خانہ میں جمع کیں۔ اگر کوئی کتاب قیمتاً دستیاب نہ ہو سکی تو اس کا فوٹو سٹیٹ حاصل کر کے اس کی جلد بنوالی (۵۳۰)۔

اردو رسائل میں ''معارف اعظم گڑھ'' اور ''برہان دہلی'' کے فائل بھی مولانا مرحوم نے جمع کیے۔ آپ کے کتب خانہ میں سب سے زیادہ ذخیرہ شرح حدیث اور اسماء الرجال کے متعلق ہے۔ تفاسیر قرآن مجید پر بھی کافی کتابیں ان کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔ ہندوستان کے علماء کی کتب بکثرت آپ کے کتب خانہ میں ہیں۔

تصانیف: مولانا عطاء اللہ حنیف ایک بلند پایہ مصنف بھی تھے۔ آپ کی مشہور تصانیف درج ذیل ہیں:

۱۔ التعلیقات السلفیہ (شرح سنن نسائی) (عربی)۔

۲۔ فیض الودود تعلیق علی سنن ابی داؤد (عربی)۔

۳۔ قربانی کی شرعی حیثیت اور چند غلط فہمیوں کا ازالہ (اردو)۔

۴۔ پیارے رسول کی پیاری دعائیں۔

۵۔ تعلیق الاتباع (عربی)۔

۶۔ ترجمۃ الایقان فی اسباب الاختلاف (اردو)۔

۷۔ اتحاف النبیہ فیما یحتاج الیہ المحدث والفقیہ (عربی)۔ یہ شاہ ولی اللہ کی کتاب ہے۔ اس پر آپ نے حواشی لکھے (۵۳۱)۔

مولانا عطاء اللہ حنیف مرحوم رویت ہلال کمیٹی، مجلس شوریٰ اور اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن بھی رہے۔ جمعیۃ اہلحدیث لاہور کے امیر اور مرکزی جمعیۃ اہلحدیث کے ناظم اعلیٰ بھی رہے (۵۳۲)۔

وفات: آپ نے ۳ اکتوبر ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۷ء کو انتقال کیا۔ مولانا حافظ محمد یحییٰ میر محمدی نے نماز جنازہ پڑھائی اور میانی صاحب کے قبرستان لاہور میں دفن ہوئے (۵۳۳)۔

۳۵۔ مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی (م ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء)

ولادت: آپ کا تاریخی نام "اختر حسن" تھا۔ آپ ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔

تعلیم: آپ نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی اس کے بعد قصبہ بہادر گنج کے مدرسہ میں مولانا ابوالحسن عراقی سے علم حاصل کرنے کے بعد مظہر العلوم بنارس سے بھی تعلیم حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند سے علم حاصل کرنے کی خواہش پر سفر کیا مگر طبیعت کے ناساز ہونے کی بنا پر واپس لوٹنا پڑا اور دارالعلوم مئو میں مولانا کریم بخش سنبھلی سے دورہ حدیث کیا۔

تصانیف: آپ کا خاص فن حدیث و اسماء الرجال تھا اور اس پر کافی گہری نظر رکھتے تھے۔ آپ کو مخطوطات کا بھی شوق تھا۔ آپ نے بہت سی ایسی کتابوں کی اشاعت کی جو نادر ہونے کے باوجود محض مخطوطہ ہونے کی وجہ سے اہل علم تک نہ پہنچ سکتی تھیں۔

وفات: آپ ۱۱ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء کو اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گئے (۵۳۴)۔

۳۶۔ مولانا سید محب اللہ شاہ راشدی (م ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء)

ولادت: سید محب اللہ شاہ بن سید احسان اللہ راشدی محرم الحرام ۱۳۴۰ھ/۲ اکتوبر ۱۹۲۱ء بروز اتوار کو پیر جھنڈو (حیدر آباد) سندھ میں پیدا ہوئے (۵۳۵)۔

تعلیم و تربیت: آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی اس کے بعد مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی سے واضح البیان اور شہادۃ القرآن پڑھی۔ آپ نے حدیث کی اجازت مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا عبدالحق بہاولپوری سے حاصل کی (۵۳۶)۔

درس و تدریس: دستار بندی کے بعد اپنے گاؤں پیر جھنڈو میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔

کچھ عرصہ بعد نو سعید آباد کے قریب گاؤں درگاہ شریف میں مدرسہ دار الرشاد قائم کیا جہاں قیمتی کتب سے مزین کتب خانہ المکتبۃ العالمیۃ العلمیہ بنایا اور خود ہی اس مدرسہ میں تدریسی فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ آپ کے کتب خانہ میں دستیاب کتب کی تعداد پندرہ ہزار سے بھی زائد ہے جن میں نادر و نایاب قلمی مخطوطات بھی ہیں۔ آپ کا بیٹا قاسم شاہ صاحب ان کا جانشین ہے۔ آپ نے کافی کتب لکھیں جو اکثر عربی میں ہیں۔ ان میں حواشی صحیح بخاری بہت معروف ہے۔

وفات: آپ ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء میں اس دار فانی کو چھوڑ گئے (۵۳۷)۔

۳۷۔ حضرت مولانا سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ (۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء)

پیدائش: ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء کو موضع بیٹ احمد، صادق آباد نزد اُچ شریف میں پیدا ہوئے۔ بلوچ قبیلہ قیصرانی سے ان کا تعلق تھا (۵۳۸)۔

تعلیم: مولانا نے آٹھ سال کی عمر میں حصول تعلیم کا آغاز کیا جس کے لیے بستی گمانی کے مولانا عبدالمجید اور مولانا حبیب اللہ کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ یہاں انہوں نے صرف و نحو، فقہ و اصول اور فلسفہ و منطق کی کتابوں کے علاوہ بیان و معانی اور پھر عربی ادبیات کی بعض کتابیں بھی پڑھیں (۵۳۹)۔ مندرجہ ذیل محدثین اساتذہ کی خدمت میں حصول علم کے لیے حاضر ہوئے:

۱۔ مولانا ابو محمد عبدالحق بن عبدالواحد ہاشمی ۲۔ مولانا عبدالحق ملتانی۔

۳۔ مولانا عبدالتواب ملتانی۔

اس طرح مولانا سلطان محمود کو اس دور کے جلیل القدر علماء سے مستفید ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ خاص فضل کیا تھا۔ جس کے وہ دربار الٰہی سے مستحق قرار پائے۔ مولانا ان حضرات سے استفادہ کے دوران اور پھر تمام عمر حدیث کی نشر و اشاعت میں گزار دی (۵۴۰)۔

درس و تدریس: مولانا سلطان محمود ضلع ملتان کے شہر جلال پور پیر والہ کی درس گاہ دار الحدیث محمدیہ میں شیخ الحدیث کے منصب عالی پر متمکن تھے اور اسلاف کا صحیح نمونہ تھے۔ علم میں اللہ تعالیٰ نے ان کو فراوانی سے نوازا تھا اور تقویٰ و صالحیت کی دولت بھی عطا کی تھی۔ جلال پور پیر والہ میں مولانا نے پہلی مرتبہ

۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء میں بسلسلہ تبلیغ آئے۔اس کے بعد ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء میں دارالحدیث محمدیہ میں آ گئے اور تدریس شروع کی۔

جامعہ سلفیہ فیصل آباد کے ارباب اہتمام کے اصرار پر صرف ایک سال جامعہ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں۔اس کے بعد پھر دارالحدیث جلال پور پیروالہ میں آ گئے (۵۴۱)۔

تلامذہ

۱۔ مولانا محمد رفیق اثری (موجودہ شیخ الحدیث جلال پور پیروالہ)۔

۲۔ مولانا اللہ یار خاں ۳۔ مولانا عبداللہ مظفر گڑھی۔

۴۔ سید عبدالشکور اثری ۵۔ عزیز زبیدی۔

۶۔ حافظ عبدالعظیم۔ ۷۔ عبدالغفار اعوان۔

۸۔ راقم السطور کو بھی مولانا سے شاگردی کا شرف حاصل ہے۔۱۹۷۳ء-۱۹۷۴ء میں ملتان سے قرآن مجید کی بعض سورتوں کی تفسیر اور اصول حدیث پر کچھ پڑھا۔اس کے علاوہ بھی ان کے بہت سے شاگرد ہیں۔

وفات: ۱۴۱۶ھ/۴/نومبر ۱۹۹۵ء کو انتقال فرمایا (۵۴۲)۔

۳۸۔ علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی (م ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء)

ولادت: آپ کی ولادت ۱۳۴۵ھ/۱۶/ مئی ۱۹۲۶ء میں ہوئی (۵۴۳)۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم اپنے آبائی درسگاہ مدرسہ دارالرشاد سے حاصل کی۔اس کے بعد جن اساتذہ سے اکتساب فیض کیا ان میں حافظ محمد امین متوہ، مولانا ولی محمد کیریو، مولانا قطب الدین ہالجوی، مولانا بہاؤ الدین، جلال آبادی، محمد مدنی، عبداللہ روہڑی، محمد خلیل اور سید محب اللہ شاہ ان کے بڑے بھائی شامل ہیں۔

علم حدیث کی اجازت اور سندِ فراغت: جن سے سند اور اجازت حدیث لی ان میں سید محب اللہ راشدی، مولانا عبدالحق بہاولپوری مکی، مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری، مولانا حافظ عبداللہ روپڑی،

مولانا اسحٰق ،نیک محمد امرتسری، مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی اور مولانا عبیداللہ سندھی شامل ہیں(۵۴۴)۔

درس وتدریس: مدرسہ دارالرشاد میں شروع کیا۔پھر نوسعید آباد میں شہر سے متصل آزادپیر جھنڈو نامی آباد کیا۔وہاں مدرسہ محمدیہ اور مکتبہ راشدیہ کی بنیاد رکھی۔طلبہ کو صحیح بخاری اور تفسیر ابن کثیر پڑھاتے رہے(۵۴۵)۔

حج بیت اللہ کے متعدد مواقع پر بیت اللہ شریف مسجد نبویؐ اور مدینہ یونیورسٹی میں عربی واردو میں دروس کا سلسلہ جاری رکھا۔تین سال مکہ مکرمہ اور المعھد الحرم المکی میں تدریس کی خدمات سرانجام دیں۔برصغیر عرب وافریقی ممالک کے ہزاروں علماء و زعماء ان کے دروس ومحاضرات سے مستفید ہوئے(۵۴۶)۔

دعوت وتبلیغ: سندھ میں آپ نے دن رات محنت کی ،شرک وبدعت کے ایوانوں میں توحید وسنت کی دعوت پہنچانے کا حق بحسن وخوبی ادا کیا۔قرآن وحدیث کی تعلیم کو عام کیا۔اس سلسلہ میں مصائب و تکالیف صبر کے ساتھ برداشت کیں اور یورپ،امریکہ،مشرق وسطیٰ ،ہندوستان و بنگلہ دیش کے تبلیغی دورے کیے اور بین الاقوامی کانفرنسوں میں خطاب کیا۔

کتب خانہ: آپ نے بڑی محنت سے تقریباً دس ہزار کتب جمع کیں۔آپ نے تفسیر،حدیث،اسماء الرجال،تاریخ،فقہ،منطق ،فلسفہ ولغت کے علاوہ متعدد علوم وفنون کی کتب جمع کیں۔

شاہ بدیع الدین جب برطانیہ تشریف لے گئے تو بندہ نے ان سے بھرپور استفادہ کیا۔ان کے حکم پر برٹش میوزیم سے بعض قلمی کتب کی فوٹو کاپی لی اور حافظ ابن حجر کی ایک کتاب (مخطوط) لندن یونیورسٹی سے نقل کی۔جوان کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

تصانیف: آپ نے بہت کتب تحریر کیں۔ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ السمط الابریز حاشیہ مسند عمر بن عبدالعزیز ،مکتبہ فاروقیہ ملتان سے شائع ہو چکی ہے۔

۲۔ المرأة لطرق حديث من كان له امام فقراة الامام له فقراة: ۲۲۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

۳۔ تهذيب الاقوال فيمن له ترجمة فى اظهار فى البرأة من الرجال۔

۴۔ جلاء العينين بتخريج روايات البخارى فى جزء رفع اليدين:۲۱۳ صفحات پر مشتمل ہے اسے علوم اثریہ فیصل آباد نے ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء میں شائع کیا۔ بعدازاں عرب ممالک سے کئی مرتبہ چھپ چکی ہے۔

۵۔ توفيق البارى لترتيب جزء رفع اليدين للبخارى : جامعہ السلفیہ بنارس ہند ۱۴۰۶ھ/مارچ ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی۔

۶۔ غاية المرام فى تخريج جزا القراة خلف الامام۔

۷۔ جزء منظوم فى اسماء المدلسين۔

۸۔ القنديل المشغول فى تحقيق حديث اقتلوا الفاعل والمفعول۔

۹۔ منجد المستجيز لرواية السنة والكتاب العزيز۔

۱۰۔ القول اللطيف فى الاحتجاج بالحديث الضعيف۔

۱۱۔ رفع الارتياب عن حكم الاصحاب۔

۱۲۔ ازهار الحدائق فى تذكار من جمع احاديث خير الخلائق۔

۱۳۔ صريح المهمد فى تخريج بلاغات مؤطا محمد۔

۱۴۔ الاجابة مع الاصابه فى ترتيب احاديث البيهقى على مسانيد الصحابه۔

۱۵۔ الالمام بتبويب لاحاديث الخطيب على الاحكام وغيره(۵۴۷)۔

وفات: آپ کا ۱۴۱۷ھ/۸جنوری ۱۹۹۶ء کو کراچی میں انتقال ہوا اور اپنے گاؤں نیو سعید آباد میں دفن ہوئے(۵۴۸)۔

۳۹۔ عبدالرشید نعمانی (م ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء)

تعلیم وتربیت: عبدالرشید نعمانی کا تعلق ہندوستان کے علاقے جے پور سے تھا۔ آپ نے یتیمی کی حالت میں پرورش پائی۔ آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ ندوۃ العلماء کے حیدر حسن خان ٹونکی کے خصوصی شاگرد ہیں۔ آپ نے باقاعدہ کسی مدرسہ سے سند حاصل نہ کی لیکن اس دور کی مشہور ڈگریاں مولوی فاضل اور منشی فاضل حاصل کیں۔

درس وتدریس: تعلیم سے فراغت کے بعد انہوں نے ذریعہ معاش کے لیے ندوۃ المصنفین میں بطور رفیق کام کا آغاز کیا۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی میں محمد یوسف بنوری کے مدرسہ نیوٹاؤن میں استاذ مقرر ہوئے اور وہاں کے مشہور ماہنامہ ''بینات'' کے ایڈیٹر بھی مقرر ہوئے۔ ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے قیام کے بعد نائب شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ جہاں تقریباً دس گیارہ برس تک شعبہ حدیث وتفسیر میں تدریسی فرائض احسن طریقے سے سرانجام دیتے رہے اور خصوصی طور پر ایم اے کے مقالات کی نگرانی کیا کرتے۔

تصانیف: آپ کی تصانیف کافی زیادہ ہیں۔ جن میں سے چند ایک کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ ابن ماجہ اور علم حدیث۔

۲۔ ماتمس الیہ الحاجہ لمن یطالع سنن ابن ماجہ تعلیقات علی الدراسات،

۳۔ مقدمہ مؤطا امام محمد۔

۴۔ مقدمہ کتاب الآثار (۵۴۹)۔

وفات: آپ نے اگست ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء کو وفات پائی۔

۴۰۔ مولانا عبدالعزیز النورستانی

ولادت: عبدالعزیز بن محمد ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء کو افغانستان میں پیدا ہوئے (۵۵۰)۔

تعلیم: مولانا عبدالعزیز کا مولد اور آبائی وطن افغانستان ہے۔ افغانستان پر روسی تسلط کے بعد آپ

کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ تلاش معاش کے سلسلے میں کراچی چلے آئے۔ مدرسہ دار السلام کراچی اور دار الحدیث رحمانیہ کراچی میں دینی تعلیم کے حصول میں منہمک رہے اور درس نظامی کے علاوہ السنہ الشرقیہ کے امتحانات کراچی بورڈ سے پاس کیے (۵۵۱)۔

تدریسی خدمات: مولانا عبدالعزیز تقریباً ۴۰ سال سے تدریسی و خطابتی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ تقریر و تحریر اور افتاء پر مکمل عبور ہونے کے ساتھ مخالفین مسلک کے رد میں تحریری مناظرات کے ماہر ہیں۔ کتاب و سنت کے خلاف کسی بات کو برداشت نہیں کر سکتے۔ آپ نے اب تک جتنی بھی کتب تالیف کی ہیں۔ ان میں یہی چیز پائی جاتی ہے۔

تصانیف: آپ کی تقریباً چالیس تصنیفات ہیں (۵۵۲)۔

۴۱۔ مولانا عبدالغفار حسن

ولادت: مولانا عبدالغفار بن عبدالستار ۱۴ رجب ۱۳۳۱ھ، ۲۰ جون ۱۹۱۳ء بروز جمعۃ المبارک موضع عمر پور (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔

تعلیم: دینی تعلیم دار الحدیث رحمانیہ دہلی سے حاصل کی اور یہاں سے سند فراغ حاصل کرنے کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل، لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب کے امتحانات پاس کیے (۵۵۳)۔

درس و تدریس: حصول علم سے فراغت کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا جس کا آغاز مدرسہ احمدیہ سے کیا۔ کچھ مدت بعد جامعہ رحمانیہ بنارس تشریف لے گئے اور وہاں تدریسی خدمات انجام دیں۔ بعد ازاں آپ نے مالیر کوٹلہ (مشرقی پنجاب) کے ایک مدرسہ میں بھی ۶ سال تک تدریسی خدمات سر انجام دیں (۵۵۴)۔

قیام پاکستان کے بعد پاکستان تشریف لے آئے۔ آپ نے دو سال تک دار الحدیث رحمانیہ کراچی، ایک سال جامعہ سلفیہ فیصل آباد اور دو سال تک مدرسہ دار القرآن فیصل آباد میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد آپ نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں بھی ۱۷ سال تک حدیث کی تدریس فرمائی۔ اس کے بعد آپ دار الافتاء سعودیہ عربیہ سے وابستہ ہو گئے اور اس سلسلہ میں مختلف

ممالک کے سفر کیے۔ کینیا میں آپ کا قیام کچھ مدت رہا۔ وہاں آپ نے ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی اور اس میں تدریسی خدمات انجام دیں (۵۵۵)۔

مولانا کے دو بیٹے حدیث میں ڈاکٹریٹ کر چکے ہیں۔ ڈاکٹر صہیب حسن اور ڈاکٹر سہیل حسن۔ مولانا اب اسلام آباد میں ہیں۔

تصانیف ۱۔ انتخاب حدیث، ۲۔ حقیقت دعا، ۳۔ دین میں غلو، ۴۔ عظمت حدیث، ۵۔ معیار قانون، ۶۔ قصص القرآن۔ ۷۔ اسلام میں سنت کا مقام۔ اس کے علاوہ قادیانیوں کے خلاف بہت سے پمفلٹ شائع کیے۔

۴۲۔ مولانا محمد علی جانباز

ولادت: محمد علی بن نظام الدین ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء موضع چک بدھو کے تحصیل مکتسر ضلع فیروز پور (بھارت) میں پیدا ہوئے (۵۵۶)۔

تعلیم وتربیت: آپ نے ناظرہ قرآن مجید مولانا محمد سے اپنے گاؤں میں پڑھا۔ بعدازاں مدرسہ تعلیم الاسلام اوڈانوالہ میں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ سے سند فراغت حاصل کی۔ ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء میں بخاری شریف پڑھنے کے لیے جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں داخل ہو گئے کیونکہ یہاں حضرت استاذ الاساتذہ حافظ محمد گوندلویؒ مسند تدریس پر جلوہ افروز تھے (۵۵۷)۔

درس وتدریس: ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء میں حضرت مولانا محمد اسحاق چیمہ مہتمم جامعہ سلفیہ کے کہنے پر حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی نے آپ کو جامعہ سلفیہ میں تدریسی ذمہ داریاں سونپ دیں۔ آپ یہاں بہت اچھے مدرس اور معتمد علیہ منتظم ثابت ہوئے اور لائبریری، تنخواہ اساتذہ و دیگر عملہ اور جملہ انتظامی امور آپ کے سپرد تھے۔ ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء سے ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء تک آپ ان جملہ ذمہ داریوں سے باحسن طریق عہدہ برآ ہوئے۔ ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء کے اوائل میں آپ شہر اقبال سیالکوٹ تشریف لے گئے اور اپنی جملہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس سرزمین کو دینی علوم کی درس وتدریس اور نشرو اشاعت کے لیے بطور مرکز ومحور منتخب کیا (۵۵۸)۔ اب وہاں ہی اہل علم کو سیراب کر رہے ہیں۔

تصانیف: آپ کی تصنیفی وتالیفی خدمات یہ ہے

۱۔ اہمیت نماز۔ ۲۔ احکام دعااورتوسل

۳۔ لمحات العطر فی تحقیق مسائل عیدالفطر

۴۔ تحفۃ الوریٰ فی تحقیق مسائل عیدالاضحیٰ ۵۔ احکام سفر

۶۔ شرح سنن ابن ماجہ (عربی) مکمل ہوچکی ہے۔ ۷۔ صلوۃ المصطفیٰ ﷺ

۸۔ احکام طلاق (۵۵۹)۔

مدارس علوم الحدیث

برصغیر پاک وہند میں دینی مدارس کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ان مدارس نے دینی علوم وفنون کی اشاعت میں ایک اہم کردارادا کیا ہے۔دینی مدارس نے ایسی باکمال شخصیتوں کو تیار کیا۔جنہوں نے برصغیر میں ایک انقلاب عظیم برپا کردیا۔

مولانا قاضی محمد اسلم سیف مرحوم لکھتے ہیں: دینی مدارس سے ایسی نابغہ عصر شخصیتیں اٹھیں جنہوں نے حالات کے رخ کا دھارا بدل کر رکھ دیا۔علم وآ گہی، تحقیق ودانش، ذہانت وامانت، تقویٰ و طہارت، بحث ومناظرہ، دعوت وایثار، اخلاص وایثار، استعداد وقابلیت، ذہانت وخطابت، قلم وقرطاس، تعلیم وتدریس، تالیف وتصنیف، سیف وسنان، شجاعت وراست بازی اور جرأت وبے باکی ان پر ناز کرتی ہے (۵۶۰)۔

ادارۃ العلوم الاثریہ، فیصل آباد

یہ مدرسہ مولانا محمد اسحاق چیمہ اور مولانا عبداللہ فیصل آبادی نے قائم کیا۔مولانا ارشادالحق اثری اس مدرسہ میں استاد ہیں۔اس مدرسہ میں تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا کام بھی ہوتا ہے۔مولانا ارشادالحق اثری کی کئی علمی وتحقیقی کتابیں اس مدرسہ سے شائع ہوئی ہیں۔اہلحدیث مدراس میں اس مدرسہ کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔اوراس مدرسہ کے فارغ التحصیل علماء ملک میں ممتاز مقام کے حامل ہیں۔

انوار العلوم ملتان

مولانا احمد سعید کاظمی امروہوی اس کے شیخ الحدیث رہے ہیں۔ان کے بیٹے مولانا مظہر سعید کاظمی اس مدرسے کے مہتمم ہیں۔

تقویۃ الاسلام لاہور

قیام پاکستان کے بعد مولانا سید محمد داؤد غزنوی لاہور میں قیام پذیر ہوئے اور شیش محل روڈ لاہور میں تقویۃ الاسلام کا اجراء کیا۔اس مدرسہ میں مولانا غزنوی کے علاوہ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، مولانا محمد اسحاق حسینوی، مولانا محمد عبدہ الفلاح نے تدریسی خدمات انجام دیں۔مولانا داؤد غزنوی کے بعد مولانا سید ابوبکر غزنوی اس کے نگران رہے اور ان کی وفات کے بعد سید عمر فاروق غزنوی نگران رہے۔آج کل سید ابوبکر غزنوی کے صاحبزادے جنید غزنوی اس کے نگران ہیں۔

جامعہ ابی ہریرہ ریناله خورد

یہ مدرسہ حافظ عزیز الرحمان لکھوی بن مولانا عطاء اللہ لکھوی نے مدرسہ محمدیہ کے نام سے قائم کیا۔بعد میں اس کا نام "جامعہ ابی ہریرۃ" ہو گیا ہے۔حافظ شفیق الرحمان لکھوی مدرسہ کے نگران و مہتمم ہیں۔اس مدرسہ میں درس نظامی کی تعلیم دی جاتی ہے اور خاص طور پر صرف ونحو کی خصوصی مہارت پیدا کی جاتی ہے۔

جامعہ ابراہیمیہ سیالکوٹ

یہ مدرسہ شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز نے قائم کیا۔مولانا حافظ محمد گوندلوی (م ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء) نے اس کا سنگ بنیاد رکھا۔مولانا جانباز اس مدرسہ کے شیخ الحدیث ہیں آپ کے علاوہ مولانا عطاء الرحمٰن اشرف صاحب، مولانا محمد یونس صاحب اور حافظ عبد الرحمان صاحب اس مدرسہ میں مدرس ہیں۔طلباء کی تعداد تقریباً ایک صد کے قریب ہوتی ہے۔اس مدرسہ کا ایک شعبہ تصنیف و تالیف کا بھی ہے۔جس نے ۱۵ کے قریب مولانا جانباز کی کتابیں شائع کی ہیں۔اور راقم آثم کے پانچ رسائل بھی شائع کیے ہیں۔

جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ

جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ حاجی محمد ابراہیم انصاری مرحوم نے قائم کیا تھا۔ اس مدرسہ میں مولانا حافظ محمد گوندلوی مولانا ابوالبرکات احمد مدراسی، شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز رہے ہیں۔ آج کل مولانا فاروق الراشدی صاحب شیخ الحدیث ہیں۔ مولانا محمد اعظم صاحب اس مدرسہ میں عرصہ ۲۵ سال سے تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اس مدرسہ سے بے شمار حضرات مستفیض ہوئے ہیں۔

جامعہ اسلامیہ سلفیہ گوجرانوالہ

یہ مدرسہ حکیم محمود سلفی بن مولانا محمد اسمٰعیل سلفی (م ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۴ء) نے قائم کیا تھا۔ مولانا محمد الیاس اثری اس مدرسہ کے شیخ الحدیث رہ چکے ہیں۔ حافظ محمد امین بھی اس مدرسہ میں مدرس رہے ہیں۔ آج کل تقریباً دس کے قریب اساتذہ اس مدرسہ میں تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ حکیم محمود صاحب مرحوم کے صاحبزادہ مولوی اسعد سلفی اس کے نگران و مہتمم ہیں۔ طلباء کی تعداد ایک سو کے قریب ہے۔

جامعہ اشرفیہ لاہور

مولانا مفتی محمد حسن صاحب نے اس جامعہ کی بنیاد رکھی۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی مولانا سید فیض اللہ اور مولانا عبدالرحمٰن یہاں درس حدیث دیتے رہے۔

جامعہ العلوم الاثریہ جہلم

یہ مدرسہ مولانا حافظ عبدالغفور جہلمی (م ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۶ء) نے قائم کیا تھا۔ اس کا سنگ بنیاد فضیلۃ الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل امام کعبہ نے رکھا تھا۔ سنگ بنیاد کی تقریب ۱۳۹۹ھ/ستمبر ۱۹۷۹ء میں ہوئی۔ ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۶ء تک حافظ عبدالغفور اس مدرسہ کے نگران رہے۔ ان کے انتقال کے بعد آپ کے صاحبزادہ علامہ مدنی اس کے رئیس رہے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے دوسرے بھائی حافظ عبدالحمید روپڑی مدیر رہا۔ علامہ پیر محمد یعقوب قریشی شیخ الحدیث ہیں۔

اس مدرسہ میں تین صد کے قریب طلباء اور ۱۲۰ اساتذہ تعلیم و تعلم میں مصروف ہیں۔

جامعہ اہلحدیث چوک دالگراں لاہور

یہ مدرسہ مولانا حافظ عبداللہ محدث روپڑی (ت ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء) نے قائم کیا تھا۔ حضرت حافظ صاحب روپڑی، اپنے دور کے بلند پایہ محدث اور مجتہد تھے۔ قیام پاکستان کے بعد آپ سے کئی تلامذہ نے استفادہ کیا۔ بعدازاں مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی اور آج کل مولانا حافظ عبدالغفار صاحب روپڑی اس کے نگران ہیں۔

جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن

یہ مدرسہ صوفی محمد عبداللہ وزیرآبادی (م ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۵ء) نے ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء میں چک ۴۹۳/گ ب اوڈانوالا ضلع فیصل آباد میں قائم کیا تھا۔ ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء میں یہ مدرسہ ماموں کانجن منتقل ہوگیا۔ یہ مدرسہ ایک یونیورسٹی کی حیثیت رکھتا ہے اور پاکستان کے اہلحدیث مدارس میں اس کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ برصغیر کے طول وعرض میں اس جامعہ کے فیض یافتگان خدمتِ اسلام میں مصروف ہیں۔ حافظ محمد اسحاق حسینوی، حافظ محمد گوندلوی، پیر محمد یعقوب قریشی اور حافظ محمد بنیامین طور جیسے یگانہ روزگار اس جامعہ میں مسند تدریس پر جلوہ افروز رہے ہیں۔ آج کل مولانا عبدالرشید حجازی کی نگرانی میں یہ جامعہ دورِ حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق روزافزوں ترقی کی منازل طے کررہا ہے۔

جامعہ توحیدیہ وزیرآباد

یہ مدرسہ پروفیسر حافظ عبدالستار حامد نے قائم کیا ہے۔ حافظ صاحب اس مدرسہ کے نگران اور مہتمم ہیں۔ آپ کے علاوہ دو اور استاد اس مدرسہ میں تعلیم دیتے ہیں۔ حفظ قرآن کا شعبہ بھی قائم ہے۔ اندرونی اور بیرونی طلباء کی تعداد (۵۰) کے قریب ہے۔

جامعہ خیرالمدارس، ملتان

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نے ۱۳۶۶ھ/۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ملتان میں سنگ بنیاد رکھا اور ملک کی مشہور تنظیم وفاق المدارس العربیہ کی بنیاد ڈالی گئی اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب تاحیات اس کے صدر رہے اب تک وفاق المدارس کا دفتر بھی یہیں چلا آتا ہے۔

جامعہ دارالعلوم بلتستان

یہ جامعہ بلتستان کا سب سے بڑا مدرسہ ہے۔ قیام پاکستان سے کئی سال پہلے مولانا مفتی محمد موسیٰ نے دارالحدیث کے نام سے اس کی بنیاد رکھی جو کہ شیخ سید نذیر حسین دھلوی کے شاگرد تھے۔ مفتی عبدالقادر، مفتی کریم بخش، مولانا حاجی خلیل الرحمان، مولانا عبدالرحمٰن خلیق اور مولانا عبدالرشید ندوی درس حدیث دیتے رہے ہیں۔ اب شیخ الحدیث مولانا ثناء اللہ سالک ہیں، نائب شیخ الحدیث الشیخ محمد حسین آزاد، ناظم اعلیٰ الشیخ عبدالواحد عبداللہ اور الشیخ عبدالرشید صدیقی سہ ماہی مجلہ ''التراث'' کے ایڈیٹر، رئیس مجلس العمل ہیں۔ تقریباً ساٹھ اساتذہ اور ڈیڑھ ہزار طلباء، منجر کے پُر فضا مقام پر تعلیم و تعلم میں مصروف ہیں۔

جامعہ رشیدیہ ساہیوال

منٹگمری میں ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء میں حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری نے اس کا سنگ بنیاد رکھا اور اس مدرسہ میں حافظ محمد صالح، مولانا حبیب اللہ اور مولانا عبداللہ رائے پوری شیخ الحدیث رہے۔

جامعہ رضویہ مظہر الاسلام، فیصل آباد مولانا سردار احمد گرداسپوری کا قائم کردہ ہے۔

جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر (نیپال)

یہ مدرسہ مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری (م ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء) نے قائم کیا تھا۔ جو بہت بڑے عالم اور واعظ تھے۔ علوم اسلامیہ پر بہت زیادہ عبور تھا۔ رابطہ عالم اسلامی کے رکن بھی تھے۔ اور اس کے ساتھ بہت بڑے مصنف بھی تھے۔ ان کی کتابوں کی تعداد ۳۵ سے زیادہ ہے۔ آپ کی کتابیں ہندو پاک میں بہت زیادہ مقبول ہیں۔ آج کل مولانا عبداللہ مدنی اس مدرسہ کے نگران ہیں۔

جامعہ سلفیہ بنارس

بنارس وسطی بھارت میں ہندوؤں کا ایک متبرک شہر ہے۔ اور اس شہر میں مندروں کی بہت زیادہ بہتات ہے اور ہندو یونیورسٹی بھی اس شہر میں ہے۔ مگر اس کے ساتھ مسلمان بھی اس شہر میں آباد ہیں اور اہلحدیث مسلک کا قدیم مرکز ہے۔ مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند نے ندوۃ العلماء لکھنؤ کی طرز

پر دینی علوم کے ساتھ عربی ادب کی تعلیم کے لیے ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۳ء میں ''جامعہ سلفیہ'' کے نام سے ریواڑی تالاب میں مدرسہ قائم ہوا۔ اس مدرسہ نے قلیل عرصہ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور دارالعلوم دیوبند کی برابری کا مقام حاصل کر لیا۔ اس مدرسہ کے زیر اہتمام دو ماہنامے ''الصوت الامۃ'' (عربی) اور محدث (اردو) شائع ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری جو دور حاضر کے جلیل القدر عالم و ادیب، مؤرخ اور محدث ہیں۔ اس مدرسہ کے نگران ہیں۔ عربی رسالے ''الصوت الامۃ'' کے مدیر ہیں اور ماہنامہ ''محدث'' کے نگران بھی ہیں۔ بھارت میں اس وقت جماعت اہلحدیث کا سب سے بڑا یہی مدرسہ ہے۔

جامعہ سلفیہ فیصل آباد

جامعہ سلفیہ کا سنگ بنیاد اپریل ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء میں رکھا گیا۔ جون ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء میں لاہور میں اس کا آغاز کر دیا گیا۔ چنانچہ ۲۱ جون جمعرات کے روز اس کا افتتاح ہوا۔ جامعہ سلفیہ میں محدث العصر حافظ محمد گوندلوی، حافظ عبداللہ صاحب بڈھیانوی اور مولانا سلطان محمود محدث جلالپوری جیسے یگانہ روزگار مسند تدریس پر جلوہ افروز رہے۔ آج کل حافظ عبدالعزیز علوی شیخ الحدیث کی مسند پر فروکش ہیں۔

جامعہ عربیہ دارالسلام عمر آباد (مدراس)

یہ مدرسہ مدراس کی ایک دینی شخصیت حاجی محمد عمر نے قائم کیا تھا۔ حاجی محمد عمر اپنے علم و فضل اور نیکی و تقویٰ کے سبب سے حاکم و محکوم دونوں طبقوں میں ہر دلعزیز اور مقبول تھے۔

مولوی ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی اس مدرسہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ جامعہ عربیہ دارالسلام یعنی جسے اہلحدیث مدراس کی یونیورسٹی کہنا چاہیے۔ نصاب درس نظامی و انگلش تا میٹرک، مدت تعلیم ۹ سال تعداد اساتذہ ۱۴، تعداد تلامذہ ۱۵۰، مصارف ماہانہ ۲ ہزار تقریباً اساتذہ کی تنخواہوں اور طلباء کے تمام مصارف کے کفیل صاحب مہتمم کاکا محمد اسمٰعیل بن حاجی محمد عمر مرحوم ہیں (۵۶۱)۔

جامعہ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

مولانا محمد یوسف بنوری نے اسے قائم کیا۔ آپ اس کے پہلے شیخ الحدیث ہیں۔ آپ کے بعد حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب اس کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔

جامعہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہاولنگر

مولانا فضل محمد نے ۱۳۲۰ھ/۱۵ اگست ۱۹۳۷ء میں اس کی بنیاد رکھی۔ یہ مدرسہ ۴۸ کنال رقبے پر مشتمل ہے۔ مولانا محمد قاسم اس کے پہلے مہتمم اور مولانا بشیر احمد نعمانی پہلے شیخ الحدیث تھے۔ مدرسہ میں ایک اکیڈمی بھی قائم ہے۔ مندرجہ ذیل علماء نے اس درسگاہ کو تدریس کا شرف بخشا ہے:

۱۔ مولانا عبدالکریم کمتھلوی

۲۔ مولانا فاروق احمد برادرزادہ مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری۔

۳۔ مولانا عبدالقدیر محدث کیملپوری تلمیذ مولانا سید انور شاہ صاحب کاشمیری۔

۴۔ مولانا مفتی فقیر اللہ رائے پوری حضرت شیخ الہند وہم سبق مولانا شبیر احمد عثمانی۔

۵۔ مولانا محمد نعیم دیوبندی صاحب کمالین علی الجلالین۔

۶۔ شیخ الحدیث مولانا عبداللہ رائے پوری۔

جامعہ کمالیہ، راجوال

یہ مدرسہ راجوال ضلع اوکاڑہ میں مولانا محمد یوسف صاحب نے قائم کیا۔ یہ مدرسہ نصف صدی سے دین اسلام کی نشر و اشاعت اور کتاب و سنت کی ترقی و ترویج میں مصروف ہے۔ دینی مدارس میں اس مدرسہ کو خاص مقام حاصل ہے۔ مولانا محمد یوسف صاحب شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز ہیں۔ اس مدرسہ سے فارغ التحصیل علماء کا شمار نہیں۔ مولانا محمد یوسف کے صاحبزادے ڈاکٹر حافظ عبدالرحمٰن جنہوں نے یونیورسٹی کی ملازمت کو خیر باد کہہ کر مدرسہ کو شروع کیا۔

جامعہ محمدیہ، اوکاڑہ

جامعہ محمدیہ لکھو کے ضلع فیروز پور (مشرقی پنجاب) قیام پاکستان کے بعد اوکاڑہ منتقل ہوا۔

مولانا معین الدین لکھوی اس مدرسہ کے نگران اور مہتمم ہیں۔

جامعہ نعیمیہ، گڑھی شاہو لاہور

مولانا نعیم الدین مراد آبادی کی یاد میں بنا ہے۔ اس کے مفتی محمد حسین نعیمی شیخ الحدیث رہے ہیں۔ ان دنوں اس کے رئیس ڈاکٹر سرفراز ولد مفتی محمد حسین نعیمی ہیں۔

دارالحدیث رحمانیہ، دہلی

دارالحدیث رحمانیہ دہلی ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء میں شیخ عبدالرحمان اور شیخ عطاء الرحمان (برادران) نے قائم کیا۔ اس مدرسہ کو ایک کالج کی حیثیت حاصل تھی۔ اس مدرسہ میں برصغیر کے نامور علمائے اہلحدیث نے تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ مولانا عبدالسلام مبارکپوری (م ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء) صاحب سیرۃ البخاری۔ مولانا احمد اللہ محدث پرتاب گڑھی (م ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۲ء) مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری صاحب مرعاۃ المفاتیح (م ۱۳۳۱ھ/۱۹۲۲ء) مولانا نذیر احمد عراقی املوی (م ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء) اور کئی دوسرے جلیل القدر علمائے کرام نے تدریس فرمائی۔

دارالحدیث محمدیہ، جلالپور پیروالہ

یہ مدرسہ مولانا سلطان محمود محدث (م ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء) نے قائم کیا تھا۔ آپ بلند پایہ عالم دین تھے۔ حدیث سے آپ کو خاص شغف تھا۔ بڑے بڑے علماء کرام آپ کے شاگرد ہیں۔ آج کل مولانا محمد رفیق اثری شیخ الحدیث ہیں جو حدیث کے بہت بڑے عالم ہیں اور تصنیف و تالیف میں انہیں خاص ملکہ حاصل ہے۔

دارالحدیث، وزیر آباد

یہ مدرسہ استاد پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی (م ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۱ء) نے قائم کیا تھا۔ اس مدرسہ سے بے شمار حضرات مستفیض ہوئے۔

دارالعلوم امجدیہ، کراچی

مولانا امجد علی خلیفہ خاص مولانا احمد رضا خاں کے نام پر بنا ہے۔

دارالعلوم تقویۃ الاسلام، امرتسر

۱۲۹۸ھ/۱۸۲۲ء میں سید عبداللہ غزنوی نے وفات پائی۔ تو آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا عبداللہ بن عبداللہ غزنوی ان کے جانشین ہوئے۔ جو ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء میں انتقال کر گئے۔ ان کے انتقال کے بعد مولانا سید عبدالجبار غزنوی ان کے جانشین ہوئے۔ اور آپ نے مدرسہ غزنویہ کا نام ''تقویۃ الاسلام'' رکھا۔ اس مدرسہ میں جلیل القدر علماء نے تدریسی خدمات سرانجام دیں۔

دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک

یہ صوبہ سرحد کا دینی مدرسہ ہے۔ اس کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق سابق استاد حدیث ہیں۔

دارالعلوم کراچی

مولانا مفتی محمد شفیع مؤلف تفسیر معارف القرآن اس کے بانی ہیں۔ مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی سالہا سال یہاں شیخ الحدیث رہے۔ مفتی محمد شفیع کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادگان مفتی محمد رفیع عثمانی اور جسٹس تقی عثمانی جیسی علمی شخصیات کی مساعی جمیلہ سے دارالعلوم ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

مدرسہ احمدیہ، آرہ

یہ مدرسہ ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء میں مولانا حافظ ابراہیم آروی نے قائم کیا تھا۔ یہ مدرسہ اس دور میں ایک مثالی مدرسہ تھا۔ مولانا آروی نے اس مدرسہ کے لیے جلسہ مذاکرہ علمیہ کے نام سے ایک مجلس بنائی۔ جس کا ہر سال جلسہ ہوتا تھا۔ سید سلیمان ندوی مرحوم لکھتے ہیں: ''مولانا حافظ ابراہیم آروی نے سب سے پہلے عربی مدارس میں اصلاح کا خیال قائم کیا''۔

مولوی ابویحییٰ نوشہروی لکھتے ہیں: ''مدرسہ احمدیہ آرہ اپنے عہد میں اہلحدیث بہار کی یونیورسٹی تھی''۔ اس مدرسہ میں خود مولانا ابراہیم آروی، مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری، مولانا سعید بنارسی، مولانا محمد اسحاق فخر غازی پوری اور مولنا سید نذیر الدین احمد بنارسی وغیرہم نے تدریسی خدمات انجام

دیں۔حضرت حافظ عبداللہ غازی پوری نے اس مدرسہ میں ۲۰ سال (۱۳۱۴ھ تا ۱۳۲۲ھ/۱۸۹۶ء تا ۱۹۰۶ء) تک تدریس فرمائی۔اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل علماء میں مولانا عبدالرحمان محدث مبارک پوری صاحب تحفۃ الاحوذی، مولانا عبدالسلام مبارکپوری صاحب سیرت البخاری، مولانا شاہ عین الحق پھلواردی اور مولانا ابوبکر شیث جون پوری شامل ہیں۔

مدرسہ احمدیہ سلفیہ، دربھنگہ

مولنا عبدالعزیز رحیم آبادی (م ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء) نے دربھنگہ (بہار) میں مدرسہ سلفیہ کے نام سے ایک دینی درسگاہ قائم کی۔جب مدرسہ احمدیہ آرہ پرزوال آیا۔تواس کودربھنگہ منتقل کردیا گیا اور اس کومدرسہ سلفیہ میں ضم کر کے "مدرسہ احمدیہ سلفیہ" کا نام دے دیا گیا۔جب تک مولانا رحیم آبادی حیات رہے اس مدرسہ کے نگران رہے۔۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء میں ان کے انتقال کے بعد ڈاکٹر سید محمد فرید مرحوم اس مدرسہ کے نگران مقرر ہوئے۔ڈاکٹر فرید مرحوم اپنے علاقہ کی معزز شخصیت تھے۔بہار اسمبلی کے ممبر بھی رہے۔ان کے انتقال کے بعدان کے صاحبزادہ ڈاکٹر سید عبدالحفیظ مرحوم اس مدرسہ کے نگران مقرر ہوئے۔یہ مدرسہ اب بھی کتاب وسنت کی اشاعت میں مصروف عمل ہے۔

مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث، ستیانہ بنگلہ فیصل آباد

یہ مدرسہ مولوی عتیق اللہ سلفی نے قائم کیا ہے۔مولانا عبداللہ امجد چھتوی شیخ الحدیث ہیں اور مولانا عبدالشکور اثری (سانگلہ ہل) نائب شیخ الحدیث ہیں۔طلباء کی تعداد ۷۰ کے قریب ہے۔

مدرسہ حمیدیہ، سوہدرہ

یہ مدرسہ مولانا عبدالحمید سوہدروی (م ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء) نے قائم کیا تھا۔اس مدرسہ میں آپ کے علاوہ آپ کے والد بزرگوار مولانا غلام نبی الربانی (م ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء) بھی تدریس فرماتے رہے۔اس مدرسہ سے کئی حضرات فارغ التحصیل ہوئے۔

مدرسہ چشمہ رحمت، غازی پور

مدرسہ چشمہ رحمت غازی پورمولانا رحمت اللہ لکھنوی (م ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء) نے قائم کیا تھا

اورمولانا حافظ عبداللہ غازی پور(م ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء) نے ابتدائی تعلیم اسی مدرسہ سے حاصل کی تھی۔
(۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) میں حافظ عبداللہ غازی پوری حجاز مقدس گئے اور حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔
واپس آنے کے بعد مدرسہ چشمہ رحمت غازی پوری میں مدرس مقرر ہوئے۔اور چھ سال تک (۱۳۰۳ھ/
۱۸۸۶ء) اس میں تدریس فرمائی۔

مدرسہ رحیمیہ، دہلی

(۱۰۷۰ھ) میں شاہ ولی اللہ دہلوی کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی (م ۱۱۳۱ھ) نے دہلی میں "مہندیوں" کے محلہ میں قائم کیا۔اور وہاں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔اس مدرسہ کے سب سے ممتاز طالب علم جنہوں نے برصغیر میں ایک عظیم انقلاب برپا کردیا۔شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) تھے۔(۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹ء) میں شاہ عبدالرحیم نے وفات پائی تو ان کے بعد امام شاہ ولی اللہ دہلوی ان کی مسند تدریس پر متمکن ہوئے اور ۱۲ سال تک اس مدرسہ میں علوم دینی وعقلی کی تعلیم دی۔(۱۱۴۳ھ/۱۷۳۰ء) میں حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے۔اور ایک سال حرمین شریفین میں قیام کے بعد واپس تشریف لائے اور دوبارہ مدرسہ رحیمیہ میں درس وتدریس کا آغاز کیا۔ ۳۳ سال تک درس وتدریس، تجدید احیائے دین اور تصنیف وتالیف میں مشغول رہے۔(۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) میں آپ کے انتقال کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی آپ کے جانشین ہوئے۔اس وقت آپ کی عمر ۱۷ سال تھی۔آپ نے مدرسہ میں ۶۰ سال تک درس دیا اور علم حدیث جسے حضرت شاہ ولی اللہ نے از سر نو برصغیر میں رائج کیا تھا اس کا فیض ملک میں عام کیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے علاوہ آپ کے برادران حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی (م ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء) حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی (م ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۵ء) اور حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی (ت ۱۲۲۷ھ/۱۸۱۲ء) نے بھی اس مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

مدرسہ سعیدیہ، بنارس

یہ مدرسہ ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء میں مولانا محمد سعید محدث بنارسی (ت ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء) نے قائم

کیا تھا۔اس کے دور اوّل میں تنہا مولانا محمد سعید مرحوم اس مدرسہ میں تدریس فرماتے تھے۔ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادہ مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی (ت ۱۳۶۹ھ/۱۹۵۰ء) مدرس اوّل مقرر ہوئے اور آپ نے اپنے انتقال تک اس مدرسہ میں تدریس فرمائی۔ان کے علاوہ اس مدرسہ میں مولانا سید نذیر الدین احمد بنارسی (م ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء) مولانا حکیم عبدالمجید بنارسی وغیرہ نے بھی تدریس فرمائی اس مدرسہ میں سے ساکنین اضلاع یوپی، بہار و بنگال کے بے شمار حضرات مستفیض ہوئے۔مشہور علماء میں مولانا ابومسعود قمر بنارسی، مولانا عبدالرحمان بنارسی، قاری احمد سید بنارسی اور مولانا عبدالآخر بنارسی شامل ہیں۔

مدرسہ علی جان، دہلی

یہ مدرسہ دہلی کے ایک رئیس حاجی علی جان نے ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۲ء میں مولانا محمد بشیر سہوانی (م ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) کی تحریک پر قائم کیا۔اس مدرسہ میں خود مولانا محمد بشیر سہوانی، مولانا عبدالرحمٰن شاہ پوری، مولانا احمد اللہ محدث پرتاب گڑھی اور مولانا عبدالسلام بستوی نے تدریسی خدمات انجام دیں۔اس مدرسہ میں سب سے زیادہ تدریسی خدمات مولانا عبدالرحمان شاہ پوری نے انجام دیں۔آپ کی مدت تدریس ۴۰ سال ہے۔

مدرسہ محمدیہ، گوجرانوالہ

یہ مدرسہ ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء میں شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل سلفی (م ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۸ء) نے قائم کیا۔اس مدرسہ میں مولانا سلفی مرحوم کے علاوہ مولانا حافظ محمد گوندلوی (م ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء) اور مولانا محمد عبداللہ نے تدریسی خدمات انجام دیں۔آج کل مولانا عبدالمنان نور پوری شیخ الحدیث ہیں۔

مدرسہ محمدیہ، لکھوکے

یہ مدرسہ مولانا حافظ محمد بن بارک اللہ لکھوی (م ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء) نے (۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء) میں قائم کیا تھا۔اس مدرسہ میں حافظ محمد لکھوی کے علاوہ آپ کے صاحبزادہ مولانا محی الدین عبدالرحمان لکھوی (م ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء) اور بھتیجے مولانا عبدالقادر لکھوی (م ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء) اور ان کے

صاحبزادے مولانا عطاء اللہ لکھوی (م ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء) نے تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس مدرسہ سے بے شمار حضرات مستفیض ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد میں یہ مدرسہ اوکاڑہ منتقل ہوگیا۔

مدرسہ شاہ محمد اسحاق، دہلوی

مدرسہ رحیمیہ دہلی کے دور اوّل میں حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی مدرسہ کے اول مدرس تھے۔ دور ثانی میں حضرت شاہ ولی اللہ مدرسہ کے مہتمم اور اوّل مدرس تھے۔ دور ثالث میں حضرت شاہ رفیع الدین، حضرت شاہ عبدالقادر، اور حضرت شاہ عبدالغنی اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی مدرسہ رحیمیہ کی مسند تدریس پر فائز رہے۔ حضرت شاہ رفیع الدین، حضرت شاہ عبدالقادر اور حضرت شاہ عبدالغنی رحمہم اللہ اجمعین دور رابع تک مسند نشین رہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز نے (۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) میں وفات پائی۔ تو ان کے بعد ان کے نواسہ حضرت شاہ محمد اسحاق بن شیخ محمد افضل فاروقی (ت ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۶ء) مدرسہ رحیمیہ کے مسند تدریس پر فائز ہوئے۔ ان کا دور مدرسہ رحیمیہ کا دور خامس کہلاتا ہے۔

مدرسہ مظہر العلوم شالدرہ، کوئٹہ

۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء میں قائم ہوا۔ مولانا عبدالغفور صاحب شاگرد حضرت حسین احمد مدنی اس کے بانی مہتمم اور پہلے شیخ الحدیث ہیں۔ اب مولانا عبداللہ اجمیری شیخ الحدیث کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

مدرسہ میاں صاحب، دہلی

۱۲۵۹ھ/۱۸۴۳ء میں حضرت شاہ محمد اسحاق نے مکہ معظمہ ہجرت کی۔ تو ان کی مسند تدریس کے وارث شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی (ت ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء) ہوئے۔ مگر آپ نے مدرسہ رحیمیہ کی بجائے مسجد پھاٹک حبش خاں دہلی میں اپنی تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور ۶۲ سال تک آپ اس مسجد میں تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس دیتے رہے۔ اس ۶۲ سال میں بے شمار حضرات آپ سے مستفیض ہوئے۔ ان کا شمار ممکن نہیں۔

برصغیر میں اسالیب تدریس حدیث

حدیث کی اہمیت ومقاصد

درس وتدریس انسانی زندگی کی اہم ضرورت ہے۔ کسی بھی قوم کی بقا کا انحصار درس وتدریس پر ہے۔ اس لیے اسلام سے قبل بھی مراکز درس وتدریس کا وجود ملتا ہے اور اسلام نے بھی اس شعبہ زندگی کو ایک نمایاں حیثیت دی ہے۔ اسلامی معاشرے میں علم کا حاصل کرنا اور اس کا پھیلانا تحسین کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ اسلام کے بنیادی علوم علم القرآن وعلم الحدیث کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے۔ اس لیے اس اساس دین (علم الحدیث) کو مسلم معاشرے میں درس وتدریس کے نقطہ نظر سے خاص اہمیت حاصل ہے۔

درج ذیل مقاصد کے پیش نظر تدریس حدیث کا سلسلہ جاری ہے تاکہ ایمان بالرسول کے تقاضے پورے ہوں اور حدیث کے ذریعے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات گرامی سے عقیدت ومحبت پروان چڑھے:

۱۔ ظلمت خانہ دل کو نور علم وعرفاں سے منور کرنا۔

۲۔ الحاد ودہریت، کفر وشرک کی باد سموم سے شمع ایمانی کو محفوظ رکھنا۔

۳۔ ضلالت اور جہالت کے پردے چاک کرنا۔

۴۔ سسکتی انسانیت کو اس کا حق دینا۔

۵۔ بدعات وخرافات سے بچانا۔

۶۔ کورانہ تقلید کی جکڑ بندیوں سے نجات دلانا۔

۷۔ بھٹکے ہوئے انسانوں کی جبین نیاز کو در حق پر سجدہ ریز ہونے کا شعور اجاگر کرنا (۵۶۲)۔

درس وتدریس حدیث کا ارتقائی جائزہ

مسلم تہذیب کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ تدریس حدیث نے بھی ارتقائی مراحل طے کیے۔

اگر چہ اس کی ابتداء وارارقم سے ہوئی۔ جہاں مطالعہ قرآن کے ساتھ اس کے مطالب واحکام کی تشریح و توضیح اور تفسیر نبی اکرم ﷺ خود کراتے تھے۔ یوں یہ ابتدائی درس گاہ مطالعہ کتاب وسنت کا اولین مرکز تھی۔ مکہ کی فضا مکدر ہونے کی وجہ سے اس سلسلہ تدریس میں اگر چہ زیادہ پیش رفت نہ ہوئی تاہم مدینہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے ساتھ ساتھ مسجد نبوی کے گوشہ میں صُفّہ سے آپ ﷺ نے حدیث کے درس وتدریس کے سلسلے کا آغاز فرمایا اور جلد ہی صُفّہ قرآن وحدیث کی ایک اقامتی یونیورسٹی کی صورت اختیار کر گیا۔

صُفّہ اسلام کا پہلا مستقل ادارہ ہے جس کے معلم اعظم خود جناب رسول اکرم ﷺ کی ذات بابرکات ہے اور تمام صحابہ جن کے ذریعے سے آپ ﷺ کے ارشادات ہم تک پہنچے ہیں۔ وہ اس ادارہ کے فارغ التحصیل طلباء تھے۔ صفہ کو ایک ایسے سرچشمہ کی حیثیت حاصل تھی جس سے بے شمار چشمے نکلے اور اطراف وجوانب کی زمین کو سیراب کر کے اقوال نبی ﷺ سے سرسبز وشاداب بنادیا۔

خلافتِ راشدہ میں تدریس حدیث کا عمل نہ صرف جاری رہا بلکہ ترویج وترقی کی منازل بھی طے کرتا رہا۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں حکومت نے بڑے بڑے شہروں میں بڑے بڑے مدارس قائم کیے اور تنخواہ دار مدرسین کا تعین کیا۔

دورِ اموی میں اس تدریجی وارتقائی عمل میں خوب ترقی ہوئی۔ نامور علماء، مفسرین، محدثین اور ماہرین فن پیدا ہوئے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے ساتھ کوفہ، بصرہ، دمشق، اسکندریہ اور دوسرے بڑے بڑے شہر علمی مراکز قرار پائے اور لوگ دور دراز سے حصول علم کے لیے یہاں آتے تھے۔

عباسی دور چونکہ علم وعرفان کے عروج وارتقاء کا سنہری دور ہے اس لئے قرآن وحدیث کے علوم نے بھی خوب ترقی کی۔ بیشتر عباسی خلفا خود بھی عالم تھے اور علما کی خوب قدردانی کرتے تھے۔ ہارون الرشید اور مامون الرشید اس اعتبار سے قابلِ ذکر ہیں۔ عباسی خلفا نے مدارس کی سرپرستی میں بڑی فیاضی دکھائی۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے دور میں علوم وفنون کی تحقیق اور تدریس کے لیے بڑے بڑے ادارے قائم ہوئے۔

برصغیر پاک وہند کے باشندے ابتدائی صدی ہجری میں اسلام سے آشنا ہو گئے تھے اور اسی

زمانے میں یہاں اسلامی تعلیم کا آغاز بھی ہو گیا تھا۔ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ محمد بن قاسم، موسیٰ بن یعقوب ثقفی کو پنجاب کے گردونواح میں درس حدیث کے لیے متعین کر چکے تھے (۵۶۳)۔

اس کے بعد مختلف ادوار میں حالات کے مطابق اس میں تبدیلی ہوتی رہی۔ اس خطۂ ارض میں بے شمار علما نے مدرسے قائم کیے اور درس و تدریس کی مسندیں بچھائیں یہاں سے متعدد ملوک و سلاطین نے بھی اس میں پوری دلچسپی لی۔ سرکاری حیثیت سے اہلِ علم کو تدریسی خدمات انجام دینے پر مامور کیا گیا۔ اس طرح طلبا کی علمی و فکری تربیت کے لیے وہ تمام وسائل اختیار کیے گئے جن کا اختیار کرنا وقت کے تقاضوں کے مطابق ضروری تھا۔

اجمالی طور پر چند ایک نام پیش خدمت ہیں: نامور تابعی اسید بن اخنس الثقفی (۵۶۴)، ابوموسیٰ اسرائیل بن موسیٰ البصری (م ۱۵۵ھ) (۵۶۵)، ابوعبدالملک محمد بن ابی معشر السندی (م ۲۴۷ھ) (۵۶۶)، ابوالعباس محمد بن احمد بن عبداللہ دیبلی (م ۳۴۵ھ) (۵۶۷)، ابوداؤد سیبویہ بن اسماعیل بن داؤد خضداری (م ۴۶۳ھ)، (۵۶۸) شیخ محمد اسماعیل بخاری لاہوری (م ۴۴۸ھ) (۵۶۹)، ابوالحسن علی بن عمرو بن حکم لاہوری (م ۵۲۹ھ) (۵۷۰)، ابوالفضل رضی الدین الحسن بن محمد الصغانی (م ۶۵۰ھ) (۵۷۱) نظام الدین بدایونی (م ۷۲۵ھ) (۵۷۲)، ابن فہد یحییٰ بن عبدالرحمان بن ابی الخیر الھاشمی (م ۸۴۳ھ) (۵۷۳)، شیخ علی المتقی الہندی (م ۹۸۶ھ) (۵۷۴)، شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) (۵۷۵)۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) اور ان کے خانوادے کا مسند حدیث بچھانا اور اس سے برصغیر میں ہر طرف فیض جاری ہونا ہر کس و ناکس پر عیاں ہے طوالت مقالہ کے خوف سے ان ارتقائی مراحل کو دہرانا زیادہ سودمند دکھائی نہیں دیتا۔ نامور شخصیات کی تدریس حدیث پر الگ سے گفتگو میں یہ خلا قدرے پُر ہو جائے گا۔

برصغیر میں رائج نصاب تعلیم

تعلیم و تدریس میں سب سے اہم اور قابل توجہ نصاب ہوتا ہے کیونکہ ''نصاب تعلیم کا صحیح ہونا کسی قوم کو تعلیمی ترقی کی اعلیٰ منازل تک لے جاسکتا ہے لیکن ایک غلط نصاب تعلیم اس کے اعلیٰ دماغوں کو منتشر اور پریشان کر دیتا ہے'' (۵۷۶)۔ نصاب تعلیم کی اہمیت و کردار کے پیش نظر اسلامی مدارس کے

نصاب تعلیم میں جمود و تعطل کبھی نہیں رہا۔ وقت اور ماحول کے لحاظ سے اس میں تبدیلیاں تدریجاً ہوتی رہی ہیں۔ کتابوں میں بھی تغیر ہوا اور فنون میں بھی۔ تفسیر، حدیث، فقہ واصول، بلاغت، ادب، صرف اور نحو وغیرہ اس کے خاص فنون تھے۔

امام غزالی (م۵۰۵ھ) سے قبل تک علوم عقلیہ باقاعدہ نصاب تعلیم میں داخل نہیں تھے۔ بلکہ علوم شرعیہ کے معارض ومخالف تصور کیے جاتے تھے۔ امام غزالی نے اس ذہن وفکر کی نہایت سختی کے ساتھ تردید کی اور بتایا کہ علوم عقلیہ شرعی علوم کے بہت زیادہ ممد ومعاون بن سکتے ہیں۔ نصاب تعلیم میں یہ پہلی سب سے بڑی تبدیلی تھی جو پانچویں صدی ہجری میں عمل میں آئی۔ ہندوستان میں قائم مدارسِ اسلامیہ کا نصاب تعلیم بھی تقریباً اسی طرز پر تھا اور یہی فنون تفسیر، حدیث، فقہ واصول، بلاغت، ادب، صرف ونحو، منطق وفلسفہ، کلام وتصوف زیر درس تھے۔ اس نصاب میں بارہویں صدی ہجری میں جا کر تبدیلی ہوئی جب ملا نظام الدین فرنگی محلی (م۱۱۶۱ھ) نے ضرورت اور حالات کے تقاضوں کے پیش نظر ایک نیا نصاب مرتب کیا جو درس نظامی کے نام سے جانا جاتا ہے (۵۷۷)۔

برصغیر کے نصاب کو مولانا سید عبدالحیٔ نے چار اور ابوالحسنات ندوی نے پانچ ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ جن کے مطابق دورِ اوّل جو کہ بارھویں صدی عیسوی اور پندرھویں صدی عیسوی کے درمیان تقریباً دوسو سال تک رائج رہا۔ اس میں علاوہ دیگر مضامین کے حدیث میں صرف مشارق الانوار اور مصابیح السنہ شامل نصاب تھیں۔

دورِ دوم کا آغاز ۱۴۸۹ء میں سکندر لودھی کی تخت نشینی سے ہوتا ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) پر منتہی ہوتا ہے۔ اس دور میں بھی "مشارق الانوار" اور "مصابیح السنہ" ہی شامل نصاب رہیں۔ بقول پروفیسر بختیار حسین صدیقی "حدیث سے بے اعتنائی کا وہی عالم رہا" (۵۷۸)۔

دورِ سوم کا آغاز ۱۵۸۳ء میں سیر فتح اللہ شیرازی (م۹۹۷ھ/۱۵۸۸ء) کی اکبر (م۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء) کے دربار میں آمد سے ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہ (م۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) اس دور کے آخری لیکن سب سے زیادہ نامور عالم تھے۔ اس دور میں مشکوٰۃ المصابیح (مکمل)، شمائل ترمذی (مکمل) اور صحیح بخاری (کچھ حصہ) شامل نصاب تھا۔ اس دور میں حدیث کی کتب دو سے بڑھ کر تین ہو گئیں۔ مشارق

الانوار کی جگہ شمائل ترمذی اور صحیح بخاری نے لے لی (۵۷۹)۔

دورِ چہارم بارھویں صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے اور تقریباً عہدِ مغلیہ کے خاتمے تک جاری رہا۔اس دور میں صرف مشکوٰۃ المصابیح شامل نصاب تھی۔

دورِ پنجم ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت ختم ہونے پر ۱۸۵۷ء کے بعد شروع ہوا اور سابقہ نصاب میں اضافہ ہوا جس میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، مؤطا، سنن ترمذی، سنن ابو داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ شامل نصاب ہوئیں۔

مولانا ابوالحسنات ندوی کے الفاظ میں "یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اس نصاب میں منطق (صغریٰ، کبریٰ، ایساغوجی، قال اقول۔۔۔۱۹ کتابیں) کی جتنی کتابیں داخل ہیں وہ علی العموم ہر درس گاہ میں پڑھائی جاتی ہیں۔ بخلاف اس کے ادب و حدیث کی جو کتابیں مندرج ہیں وہ ہر جگہ نہیں پڑھائی جاتی ہیں۔۔۔ حدیث کے لیے دیگر کتب درسیہ سے فارغ ہونے کے بعد ایسے مقامات کا سفر کرنا پڑتا ہے جہاں حدیث کے پڑھانے والے مل سکیں۔ اس بنا پر میرے خیال میں اسی نصاب درس سے جو عموماً مدارس عربیہ میں رائج ہے عملاً حدیث و ادب کی مذکورہ بالا کتابوں کو خارج ہی سمجھنا چاہیے (۵۸۰)۔

مدارس دینیہ کا جدید نصاب تعلیم

مدارس دینیہ میں رائج الوقت نصاب کا جائزہ لیتے وقت ہم برصغیر کے نمائندہ اداروں کے حوالے سے حاصل کردہ معلومات پیش کر رہے ہیں۔

مدرسہ دیوبند کا نصاب

دیوبندی مکتب فکر کی بنیادی درس گاہ دار العلوم دیوبند کے گیارہ سالہ درجات عربیہ کے نصاب میں صرف سال ہفتم اور سال ہشتم میں حدیث اور اصول حدیث کو شامل کیا گیا ہے۔ سال ہفتم میں حدیث (مشکوٰۃ شریف مکمل) اور اصول حدیث (شرح نخبۃ الفکر مکمل) پڑھائی جاتی ہے۔ سال ہشتم میں دورہ حدیث کے نام پر نسائی، ابن ماجہ، ترمذی شریف، بخاری شریف، ابوداؤد شریف، مسلم شریف، شمائل ترمذی، طحاوی شریف، مؤطا امام مالک اور مؤطا امام محمد شامل نصاب ہیں (۵۸۱)۔

جامعہ نعیمیہ کا نصاب

بریلوی مکتب فکر کی اہم ترین درس گاہ جامعہ نعیمیہ لاہور کے نصاب میں سال پنجم میں مشکوٰۃ اور سال ہفتم میں بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی، ابوداؤد، طحاوی، نخبۃ الفکر، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ شامل ہیں (۵۸۲)۔

اہل حدیث مدارس کا نصاب

مدارس سلفیہ میں دیگر نصاب کے ساتھ ساتھ الثانویہ العامہ نمبر ۱ میں بلوغ المرام ابتداء سے کتاب الحج تک اور کتاب الآداب پڑھائی جاتی ہے۔ اور اصطلاح حدیث میں محمد ادریس بلگرامی کا رسالہ اصول الحدیث پڑھایا جاتا ہے۔ جبکہ الثانیہ العامہ نمبر ۲ میں مشکوٰۃ المصابیح نصف اوّل اور اصطلاح حدیث میں مولانا سلطان محمود محدث جلال پور پیر والا کی کتاب ''اصطلاحات المحدثین'' اور شیخ عبدالحق کی ''مصطلحات الحدیث'' پڑھائی جاتی ہے۔ اور الثانویہ الخاصہ نمبر ۱ میں مشکوٰۃ المصابیح نصف ثانی اور سنن نسائی پڑھائی جاتی ہے جبکہ مصطلح الحدیث میں مؤلف بہ من اطیب المنح پڑھائی جاتی ہے اور الثانویہ الخاصہ نمبر ۲ میں حدیث میں سنن ابی داؤد جبکہ مصطلح الحدیث میں ڈاکٹر محمود طحان کی ''تیسیر مصطلح الحدیث'' پڑھائی جاتی ہے۔ اسی طرح درجہ العالیہ نمبر ۱ میں سنن ترمذی اور حافظ ابن حجر کی ''شرح نخبۃ الفکر'' پڑھائی جاتی ہے۔ جبکہ العالیہ نمبر ۲ میں الجامع الصحیح مسلم اور مؤطا امام مالک پڑھائی جاتی ہے اور حجیۃ الحدیث میں ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی ''السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی'' پڑھائی جاتی ہے اور العالیہ نمبر ۱ میں الجامع الصحیح للبخاری اور العالیہ نمبر ۲ میں جرح و تعدیل، نقد حدیث، تاویل مختلف الحدیث اور اسماء الرجال پڑھائے جاتے ہیں (۵۸۳)۔

مدارس کے درج بالا نصاب سے صاف عیاں ہے کہ احناف کے مدارس خواہ دیوبندی ہوں یا بریلوی ہر دو کے ہاں حدیث کا نصاب رسوخ فی الحدیث پیدا کرنے والا نصاب نہیں ہے۔ کیونکہ ایک سال کے دورہ سے صرف کتب حدیث کی ورق گردانی ہی ممکن ہوتی ہے نہ کہ درک فی الحدیث۔ ان مدارس کے نصاب پر عقلیات اور فقہ و اصول فقہ کی کتابوں کا غلبہ ہے اسی لیے حدیث کے میدان میں بات سطحی سی رہ جاتی ہے۔ مطالعہ حدیث کو مرکزی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ ان کے بالمقابل اہل حدیث

مدارس میں پہلے سال سے ہی حدیث کے چھوٹے چھوٹے مجموعے شامل نصاب کردیے جاتے ہیں اور ہر سال متن حدیث میں کوئی ایک کتاب تفصیلی طور پر پڑھائی جاتی ہے۔ساتھ ساتھ اصول حدیث پر مختلف کتابوں کی تدریس بھی جاری رہتی ہے۔جس سے اہل حدیث مدارس کے طلبا میں حدیث سے واقفیت دیگر مدارس کے طلبا کی نسبت کہیں زیادہ ہوتی ہے۔

سرکاری اداروں میں تدریس حدیث

سرکاری تعلیمی اداروں میں کالج کی سطح پر ایف اے (اسلامیات اختیاری) کے نصاب میں اربعین نووی شامل نصاب ہے جبکہ B.A (اسلامیات اختیاری) میں ساٹھ (۶۰) منتخب احادیث شاملِ نصاب ہیں۔یونیورسٹی کی سطح پر ایم اے اسلامیات میں حدیث کا ایک مکمل پرچہ شاملِ نصاب ہوتا ہے۔ جس میں اصول حدیث، تاریخ حدیث اور متن حدیث کے حوالے سے ہر یونیورسٹی کا اپنا اختیار کردہ مواد شاملِ نصاب ہوتا ہے جبکہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں ایم اے سال اوّل کے بعد سال دوم میں بھی حدیث کا مکمل پرچہ شامل ہے۔ مزید برآں حدیث کے دو اختیاری پرچے بھی نصاب کا حصہ ہیں (۵۸۴)۔

الحمدللہ ہماری یونیورسٹی یعنی جامعہ اسلامیہ، بہاولپور نے ایک خاص قدم اٹھایا ہے اور ہمارے ہاں ایم اے حدیث وسیرت کے نام سے الگ سے کلاسز کا اجراء ہو چکا ہے۔جس کا نصاب قابل دید ہے کیونکہ حدیث کے پرچہ جات کے علاوہ تفسیر، فقہ، عربی زبان وادب کے پرچہ جات کا نصاب بھی حدیث کی روشنی میں تیار کیا گیا ہے۔اس نصاب میں اصول حدیث، تاریخ حدیث، متون حدیث کا جدید خطوط پر موضوعاتی مطالعہ شامل کیا گیا ہے۔جس کے لیے حدیث کی امہات الکتب میں سے صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، مؤطا امام مالک، کتاب الآثار امام محمد، شرح معانی الآثار امام طحاوی، سنن دارمی، شمائل ترمذی، سنن شافعی اور صحیح ابن حبان میں سے ابواب کا انتخاب کیا گیا ہے (۵۸۵)۔یوں تدریس حدیث کے حوالے سے جملہ کتب حدیث زیر درس آتی رہتی ہیں۔

ایم فل کے نصاب میں علوم الحدیث کے نام سے ایک پرچہ پڑھایا جاتا ہے (۵۸۶) اور پی

ایچ ڈی کی سطح پر خدمات محدثین کے حوالے سے مقالہ جات لکھے گئے ہیں یا لکھے جا رہے ہیں۔ جن میں علاوہ ان کی دیگر خدمات کے تدریسی خدمات کا بھی جائزہ لیا جاتا ہے۔

تدریسی اسالیب

برصغیر پاک و ہند کے قدیم عربی مدارس میں تعلیم کا جو طریقہ رائج ہوا وہ مطالعے، قراۃ و سماع، مباحثے، اعادے، پڑھانے کی مشق اور امالی کے چھ ارکان پر مشتمل تھا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

ا۔ مطالعہ

خود متحرکی پر مبنی اس تعلیم کا پہلا اصول مطالعے کا اصول تھا۔ شاگرد کے لیے ضروری تھا کہ وہ درس سے پہلے خود کتاب کا بنظر غائر مطالعہ کرے۔ اپنی قوتِ فکر کو حرکت میں لائے اور کتاب کی عبارت کو سمجھنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ بقول شمس الدین یحییٰ بن یحییٰ، صاحب سیر الاولیاء، ''شبہات و قیود'' کی تحقیق کرے۔ شبہات و قیود کی اس ''تحقیق'' کا نام مطالعہ تھا۔ مسئلے کے بیان کرنے میں مصنف کتاب نے جو طریقہ بیان اختیار کیا ہے۔ اس کے ایک ایک لفظ پر غور کرنا، اس پر جو اعتراضات ہو سکتے ہوں ان کو پیدا کرنا۔ اسی کا نام ''شبہات'' تھا۔ بیان کس قدر جامع و مانع ہے اس کو جانچنا۔ اس کے لیے جن قیود اور شرائط کے الفاظ کا اضافہ کیا گیا ہے ان کو پرکھنا۔ کتاب کی عبارت کے سوا خود مسئلے میں جو پیچیدگیاں ہوں ان کو خود سلجھانا اور اگر مشکل پیش آئے تو استاد سے رجوع کرنا۔

مفتی رکن الدین نے مولانا انوار اللہ خاں حیدرآبادی کی سوانح عمری، مطلع الانوار میں طالب علمی کے زمانے میں ان کے مطالعے کا طریقہ خود ان کے الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے: ''ہم کوشش کرتے تھے کہ مضمون کسی صورت سے مطالعے میں حل ہو جائے طریقہ یہ تھا کہ پہلے عبارت و ترجمے کی جانب توجہ کی جاتی تھی جو نئے الفاظ آتے تھے، ان کو لغت کی مدد سے حل کیا جاتا۔ پھر مطلب کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی۔ اگر ایک دفعہ مضمون حل نہ ہوتا تو دوبارہ سہ بارہ سعی کی جاتی اگر کوئی انتہائی مشکل مضمون ہوتا جو سعی پیہم کے باوجود سمجھ میں نہ آتا تو دل میں ایک خلش رہتی جب استاد (مولانا عبدالحی فرنگی محلی) کے سامنے سبق شروع ہوتا تو بجز شبہات کے جو مطالعے میں حل نہ ہو سکے ہوں اور کوئی بات دریافت طلب نہ رہتی۔ یہی وجہ تھی کہ روزانہ کئی صفحے درس ہوتا تھا۔''

''مطالعے کے سلسلے میں صرف لغت سے استفادہ کرنے کی اجازت تھی۔ طلبا کو سختی سے پابند کیا جاتا تھا کہ مطالعے کے وقت وہ کسی تشریحی نوٹ یا حواشی سے فائدہ نہ اٹھائیں۔ کسی طالب علم کے متعلق اگر استادوں کو محسوس ہو جاتا کہ یہ مطالعے کے وقت حاشیہ وغیرہ دیکھنے کا عادی ہے تو اس سے سخت ناراضگی کا اظہار کیا جاتا'' (۵۸۷)۔ یہ تھا مطالعے کا وہ طریقہ جس کے ذریعے قوت فکر وفہم کی نشو ونما کی جاتی تھی اور جسے تعلیم کا اصل مقصود سمجھا جاتا تھا۔ مدارس دینیہ میں تا حال یہ مشق جاری ہے۔

۲۔ سماع وقرأت

برصغیر پاک و ہند کے قدیم عربی مدارس میں درس کا جو طریقہ رائج ہوا وہ ''قراءت'' کا طریقہ تھا۔ استاد کتاب کی قراءت کرتا اور طلباء اسے غور سے سنتے تھے۔ بعض اوقات طالب علم قراءت کرتا اور استاد سنتا تھا اور تلفظ کی غلطیوں کی تصحیح کرتا جاتا تھا۔ ''قراءت'' کے دوران طلباء اپنے شکوک رفع کرنے کے لیے جو مطالعے کے وقت ان کے ذہن میں پیدا ہوتے، سوال بھی کرتے رہتے تھے اور روزانہ کئی صفحے درس ہوتا تھا۔ کیونکہ جب استاد کے سامنے سبق شروع ہوتا تو بجز شبہات کے جو مطالعے میں حل نہ ہو سکے ہوں اور کوئی بات دریافت طلب نہ رہتی (۵۸۸)۔ استاد کے پڑھنے کو آگے بیان کرنے کے لئے سماع اور شاگرد کے پڑھنے کو قراءت کہتے ہیں۔

برصغیر میں اس کی مثال سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی کا مولانا محمد اسحاق شاہ سے حدیث پڑھنے کے حوالے سے صحیح بخاری و صحیح مسلم پڑھنے کا یہ دستور تھا کہ ایک دن پہلے شام کو مولوی رحمت اللہ بیگ کے ساتھ مولانا عبدالخالق سے وہی سبق پڑھ لیتے تھے جو اگلے روز مولانا محمد اسحاق کے درس میں پڑھنا تھا اور صبح کو مولانا محمد اسحاق صاحب کے درس میں شریک ہوتے تو صرف سماعت کرتے اور اگر کوئی شبہ باقی رہ جاتا تو اس کو حل کراتے۔ اس لیے شاہ محمد اسحاق صاحب کے حلقہ میں ان کو قراءت کا اتفاق کم ہوا اور سماعت کا زیادہ اور اس کی طرف شاہ صاحب نے اُن کی سند میں اشارہ کیا ہے۔ حیث قال، سمع منی الاحادیث الکثیرہ (۵۸۹) (انہوں نے مجھ سے بہت سی احادیث سنی)۔ اسی طرح الشیخ شمس الحق ڈیانوی کی قرأۃ علی الشیخ سید نذیر حسین دہلوی، ابو داؤد ابتداء سے کتاب الجنائز تک ہوئی (۵۹۰)۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری فرماتے ہیں: فاجازنی بہ وبجمیع ما قرأت علیہ

من كتب الحديث وغيرها (۵۹۱) (کتب حدیث وغیرہ جو میں نے ان سے پڑھیں۔ ان کی مجھے انہوں نے اجازت دی)۔ اسی طرح حافظ محمد گوندلوی صاحب کے متعلق ہے: قرأ على مولانا الشيخ عبدالاول بن محمد بن عبدالله الغزنوی بلوغ المرام واكثر المشكوٰة مع حفظه عن ظهر قلبه (۵۹۲) (انہوں نے مولانا شیخ عبدالاوّل بن محمد بن عبداللہ غزنوی کے پاس بلوغ المرام اور مشکاۃ کا کافی حصہ پڑھ کر زبانی یاد کیا)۔

تحدیث نعمت کے طور پر عرض گذار ہوں کہ عالم عرب کی نامور شخصیت صلاح الدین الادلبی پر ناچیز نے المدخل للحاکم کی قرأۃ کی تھی اور امام ذہبی کی اصول حدیث پر کتاب الموقظہ کی قراءت برطانیہ میں شیخ محمد سعید بادنجکی ندوی پر کی۔

مولوی امجد علی (اعظمی انصاری) نے سال بھر میں صحاح ستہ، مسند شریف، کتاب الآ ثار شریف، مؤطا شریف طحاوی شریف کا قرأت وسماعت درس حاصل کر کے اعلیٰ درجہ کا امتحان دیا (۵۹۳)۔

۳۔ مباحثہ

قدیم درس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ ''گونگا درس'' نہ تھا۔ یعنی ایسا درس جس میں استاد بولے اور شاگرد کان لگا کر خاموش ہو کر صرف سنے یا لکھے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ علم ایک خزانہ ہے اور اس خزانے کی کنجی سوال ہے۔ اس لیے سوال کرنا فرداً فرداً ہر طالب علم کے لیے لازم تھا۔ اگر کوئی طالب علم چند دن بھی چپ رہتا تو استاد فوراً اس کی طرف متوجہ ہو جاتا اور اسے سوال کرنے پر مجبور کرتا اور اس طرح درس ''بحث و تحقیق'' کی ایک محفل بن جاتا جس میں ہر طالب علم بڑی سرگرمی سے حصہ لیتا۔ مطالعہ اور مباحثہ طالب علم کے دو ضروری جزو تھے۔ طلبا مطالعہ کرتے ہیں یا نہیں۔ اساتذہ اس کی باقاعدہ نگرانی کرتے تھے اور اس کا پتہ ''طریق بحث'' سے چل جاتا تھا۔ مباحثہ شاگرد کی خود متحرکی کے مدارج ترقی کا مقیاس تھا (۵۹۴)۔ بطور مثال ہم حافظ محمد گوندلوی صاحب کے درس حدیث کا اس پہلو سے جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے ''دوران درس طلبہ جس قدر بھی سوالات کرتے آپ ان کے تسلی بخش جوابات عنایت فرماتے۔ ان میں سے کچھ سوالات موضوع سے غیر متعلق بھی ہوتے مگر آپ خندہ پیشانی سے ان کے بھی جوابات دیتے مقصد یہ تھا کہ طلبا کو مسائل کما حقہ ذہن نشین ہو جائیں اور کسی قسم کا شک و

شبہ باقی نہ رہے(۵۹۵)۔

مدارس دینیہ وسرکاری اداروں میں دوران تعلیم طلبا کو یہی حق سب سے زیادہ دیا جاتا ہے کہ وہ بھرپور بحث ومباحثہ میں حصہ لیں تاکہ ان کے شکوک وشبہات دور ہوں اوران کی صلاحیتیں نکھر کر سامنے آئیں۔

۴۔ اعادہ یا تکرار

قدیم درس کی ایک اورخصوصیت سبق کو دہرانے کا اہتمام تھا جسے پہلے اعادہ کہتے تھے۔لیکن بعد میں جس کا نام تکرار پڑ گیا۔"اس زمانے میں نامور علماء کے ہاں معمول تھا کہ جب وہ درس دے چکتے تھے تو شاگردوں میں سے جو سب سے زیادہ لائق ہوتا تھا وہ باقی طالب علموں کو دوبارہ درس دیتا تھا اور استاد کے بتائے ہوئے مضامین کو اچھی طرح ذہن نشین کراتا تھا۔یہ منصب جسے حاصل ہوتا تھا اسے معید کہتے تھے۔ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں اعادے کے اس دستور کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔اوراس (استاد) کے دائیں اور بائیں دومعید بیٹھتے ہیں جو ان لیکچروں کو دہراتے ہیں،جسے استاد شاگردوں کو دیتا ہے"۔اعادے کے اس دستور کے دوفائدے تھے طالب علم اگر سبق کا کوئی حصہ بھول جاتا تو اس سے یہ کمی پوری ہو جاتی۔اس کے علاوہ درس کے جو نقوش ذہن پر ثبت ہوتے وہ اس طرح واضح اور گہرے ہو جاتے کہ کمزور اور ذہین طلبا دونوں اس سے یکساں طور پر مستفید ہوتے اوران کی قوت فکر وفہم اور حفظ کو تقویت ملتی(۵۹۶)۔

۵۔ پڑھانے کی مشق:(مانیٹوریل سسٹم)

قدیم مدارس میں ایک دستور یہ بھی تھا کہ اعلی جماعتوں کے طلبا طالب علمی ہی کے دنوں میں اس بات کی کوشش کرتے کہ اپنی پڑھی ہوئی کتابیں نچلی جماعت کے طلبا کو پڑھاتے رہیں۔خصوصاً وہ طلباء جو استاد بننے کے خواہشمند ہوتے تھے۔مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی نفع المفتی والسائل میں لکھتے ہیں: "جس کتاب کے پڑھنے سے میں فارغ ہوتا،اسی کو پڑھانا بھی شروع کردیتا"۔اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ "تمام علوم میں میری لیاقت پختہ ہوتی چلی گئی۔۔۔۔۔۔مجھے کسی کتاب کے سمجھنے سمجھانے میں کوئی

دشواری محسوس نہیں ہوتی تھی، خواہ کون سی بھی کتاب ہو اور کسی فن کی بھی ہوتی کہ اس مشق کی بنیاد پر ایسی کتابوں کو میں نے پڑھا دیا جنہیں استاد کے سامنے میں نے پڑھا نہیں تھا مثلاً طوسی کی شرح اشارات اور افق المبین، طب میں قانون شیخ، عروض کا رسالہ (۵۹۷)۔

۶۔ امالی

تدریس حدیث میں ایک یہ طریقہ بھی رائج تھا کہ استاد دوران درس املا کرواتا جاتا اور طالب علم اپنے استاد کی تحقیقات کو قلم بند کرتے چلے جاتے۔ اس طرح یہ ایک مستقل کتاب تیار ہو جاتی جسے ''امالی'' کہا جاتا ہے۔ امالی کا طریقہ مسلمانوں کے نظام تعلیم میں قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں اس طرز تدریس کے نتیجے میں ہی لامع الدراری علی جامع البخاری از مولانا رشید احمد گنگوہی معرض وجود میں آئی ہے جو کہ ان کے شاگرد مولانا محمد یحیٰی کاندھلوی (م ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء) کے درسی نوٹس ہیں۔ جنہیں مولانا محمد زکریا (م ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء) نے شرح و حواشی کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اسی طرح الکوکب الدری علی جامع الترمذی کا معاملہ ہے۔

مولانا انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۳ء) کی فیض الباری علی صحیح البخاری بھی امالی کی طرز پر معرض وجود میں آنے والی شرح بخاری ہے جو کہ دوران درس مولانا بدر عالم میرٹھی (م ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء) نوٹس لیتے تھے اور پھر حواشی کے ساتھ انہیں شائع کر دیا گیا۔

حافظ محمد گوندلوی (م ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۳ء) کی ارشاد القاری بھی اسی قسم کا مظہر ہے جو کہ ان کے نامور شاگرد حافظ عبدالمنان نور پوری کی کاوش کا نتیجہ ہے (۵۹۸)۔

برصغیر کی نامور شخصیات کی تدریس حدیث (تاریخی جائزہ)

شاہ ولی اللہ (م ۱۱۷۶ھ/ ۱۷۶۲ء)

شاہ ولی اللہ صحاح ستہ، مؤطا امام مالک، مسند الدارمی اور مشکوۃ المصابیح وغیرہ کی تدریس کا فریضہ ربع صدی تک سرانجام دیتے رہے۔ ''ان کی تدریس کا انداز یہ تھا کہ سب سے پہلے وہ طلبا سے یہ کہتے تھے کہ وہ خود روزانہ اپنا سبق پڑھ کر آئیں اور پھر ان سے اس سبق پر بحث و گفتگو کرتے تھے۔۔۔

مسائل فقہیہ پر بحث کرتے وقت ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ ان پر مذاہب اربعہ میں جو اختلاف پایا جاتا ہو اسے بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی بجائے کم سے کم کر کے دکھائیں۔ بالخصوص ایسے اختلافات کو جو حنفی اور شافعی مسالک میں پائے جاتے ہوں۔ اس مقصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ ایسے تمام مسائل کے صرف ان پہلوؤں پر بہت زور دیتے اور ان کا تجزیہ کرتے تھے جن میں اتفاق رائے پایا جاتا تھا اور کسی ایک مسلک کو دوسرے پر فوقیت نہ دیتے تھے۔ یہ ایک ایسا طریقہ تعلیم تھا جس میں نوجوان طلبا میں وسیع النظری پیدا کرنے میں بہت مدد ملتی تھی۔ اور ان کے دل میں چاروں اماموں اور ان کے مسالک کے بارے میں احترام ورواداری کا جذبہ بھی پیدا ہو جاتا تھا" (۵۹۹)۔

شاہ ولی اللہ کی تدریس حدیث میں جمع وتطبیق بین المسالک کی فکر غالب رہتی تھی یہی وجہ ہے کہ انہوں نے روایتی مسلکی تعصبات والا انداز اختیار نہیں کیا جیسا کہ الاستاذ السیالکوٹی نے لکھا ہے۔"انہ اختار طریقة تدریس الحدیث علی منهج المحدثین الاوائل روایة ودرایة۔ وانکر طریقة الفقهاء الجامدین والمتعصبین الذین عادتهم تاویل الحدیث وتحریفه لتایید مذاهبهم واهوائهم" (۶۰۰)(انہوں نے تدریس حدیث کے لیے اوائل محدثین کا طریقہ روایت و درایت کے اعتبار سے اختیار کیا۔ اور جامد و متعصب فقہا کے طریقے کو ناپسند کیا جو کہ اپنے مذہب اور اپنی آراء کی تائید میں احادیث کی تاویل وتحریف کرنے کے عادی ہیں)۔

شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دھلوی (م ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء)

سید نذیر حسین محدث دھلوی نے شاہ محمد اسحاق کی ہجرت حجاز کے بعد ان کی مسند کی جانشینی کا حق ۶۰ برس تک ادا کیا۔ ابتدا میں آپ تمام علوم پڑھاتے رہے مگر آخری زمانہ میں صرف حدیث وتفسیر پر کاربند رہے۔ بقول مولانا سید عبدالحیٔ حسنی رحمہ اللہ: "ہندوستان میں تدریس حدیث کے میدان میں ان کو ایک امتیاز واعزاز حاصل ہوا" (۶۰۱)۔

آپ کی تدریس حدیث کا آنکھوں دیکھا حال ان کے مشہور شاگرد مولانا فضل حسین بہاری یوں بیان کرتے ہیں، "ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ پڑھانے میں جس وقت کسی حدیث کی نسبت تکرار ہوتی تھی اور یہ ضرورت آ گے پڑتی تھی کہ اس حدیث کے موافق یا مخالف کتنی حدیثیں ہیں

اور کس کس جگہ ہیں۔ آپ فوراً بتا دیتے تھے کہ فلاں حدیث فلاں کتاب کے فلاں باب سے نکال لو اور فلاں حدیث فلاں کتاب کے فلاں باب سے۔ اسی طرح وہ تمام حدیثیں جو اس متنازع فیہ حدیث کے متعلق کتب صحاح میں موجود ہوتیں، چند منٹوں میں نکل آتی تھیں (۶۰۲)۔

تدریس حدیث میں آپ کے مدنظر نہ کوئی مذہبی تعصب ہوتا تھا اور نہ ہی کوئی دنیاوی مفاد۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے شاگرد مولانا محمد حسین بٹالوی کی نوکری پر خفگی کا اظہار فرماتے ہوئے لکھا "تم نے حدیث رسول ﷺ اسی دن کے لیے پڑھی تھی کہ نوکری کرو"۔ چنانچہ ممدوح فوراً نوکری سے کنارہ کش ہو گئے (۶۰۳)۔ خدمت حدیث نبوی ﷺ کے پیش نظر تدریس حدیث کی یہ لگن آپ کو پابند سلاسل ہونے پر بھی باز نہ رکھ سکی۔ آپ نے وہاں پر بھی صحیح بخاری کی تدریس جاری رکھی۔ راولپنڈی جیل میں عطاء اللہ نامی آپ کے قید کے ساتھی نے سبقاً سبقاً صحیح بخاری مکمل پڑھی (۶۰۴)۔ تدریس حدیث میں آپ کا ملکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحیح بخاری کی پہلی حدیث پر سبق ۲۷ دن تک جاری رہتا تھا (۶۰۵)۔

آپ کی محدثانہ تدریس کا اثر تھا کہ درس میں طلبہ کا ایک ہجوم رہتا تھا اور سارے ہندوستان میں آپ کے درس کی دھوم مچی ہوئی تھی بلکہ بیرون ہند، حجاز، چین اور افریقہ تک لوگ حدیث پڑھنے حاضر ہوتے تھے (۶۰۶)۔

مولانا انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء)

مولانا انور شاہ کشمیری نے عام درس گاہی طریق درس میں یکسر انقلاب برپا کیا۔ آپ نے حدیث کی شرح و تفصیل میں صرف و نحو، فقہ و اصول فقہ، معانی و بلاغت، اسرار و حکم، سلوک و تصوف، فلسفہ و منطق، سائنس و عصری علوم کا ایک گراں قدر اضافہ، رجال کی بحثیں، مصنفین و مؤلفین کی تاریخ و سوانح، تالیفات و تصنیفات پر نقد و تبصرہ آپ کے درس کا ایک امتیاز تھا (۶۰۷)۔

حضرت شاہ صاحب (انور شاہ کشمیری صاحب) کا درس حدیث محض حدیث تک محدود نہ تھا بلکہ فقہ و تاریخ، ادب، کلام، فلسفہ، منطق، ہیئت، ریاضی، سائنس الغرض تمام علوم جدیدہ و قدیمہ پر مشتمل ہوتا (۶۰۸)۔

مولانا کاندھلوی کے بقول: فقہ الحدیث پر جب کلام فرماتے تو اولاً ائمہ اربعہ کے مذاہب نقل فرماتے اور پھر ان کے وہ دلائل بیان فرماتے جو اس مذہب کے فقہا کے نزدیک سب سے زیادہ قوی ہیں۔ پھر اُن کا شافی جواب اور ابو حنیفہؒ کے مسلک کی ترجیح بیان فرماتے" (۶۰۹)۔ آپ کی تدریس حدیث میں فقہی تعصب کا رجحان غالب رہتا تھا۔ مسلکی دفاع کی خدمت کا یوں اقرار کرتے ہیں: "میں (انور شاہ کشمیری) نے حنفیت کو اس درجہ مستحکم کر دیا کہ اب ان شاء اللہ سو سال تک اس میں کوئی اضمحلال پیدا نہیں ہو سکتا" (۶۱۰)۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا (م ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء)

مولانا محمد زکریا اپنے درس میں مشکل عربی الفاظ کا بہتر اردو میں ترجمہ، مشکل مقامات کی تشریح، وہم راوی کو رفع کرنا، مذاہب ائمہ کی تحقیق اور ان کے دلائل خصوصاً مسلک حنفی کے دلائل کو تفصیل سے بیان کرتے۔ اگر کوئی روایت بظاہر حنفیہ کے مسلک کے خلاف نظر آتی تو اس کی توجیہات اس طرح نقل فرماتے کہ مسلک حنفیہ اس حدیث سے اقرب نظر آنے لگتا (۶۱۱)۔

مولانا کے درس بخاری کی کیفیت اس طرح بیان کی گئی: "مسند تدریس پر قدم رکھتے تو کھڑے ہی سے "جی" فرما دیتے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ عبارت پڑھ۔ کسی طالب علم نے عبارت شروع کر دی ابھی بیٹھنے بھی نہ پائے تھے بلکہ بین القیام والقعود ہی تھے کہ عبارت میں کوئی ایسی جگہ آ گئی جہاں کلام کرنے کی ضرورت تھی اسی وقت وہیں سے کلام شروع فرما دیا۔ تشریف فرما ہوئے سانس لیا، عبارت پڑھی جا رہی ہے شیخ جگہ جگہ کلام فرما رہے ہیں۔ تقریر مسلسل جاری ہے نکات بیان ہو رہے ہیں۔ محدثین کے اقوال از بر ہیں اور پوری تقریر پر شاعر کا یہ قول صادق آتا ہے۔

تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رائے ہے، علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا، میرے حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد ہے اور جناب والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رائے ہے اور میری بھی ایک رائے ہے بوجھ بجھکو والی اور کبھی فرماتے تھے میرا ابھی یہ چکی کا پاٹ ہے" (۶۱۲)۔

مولانا حیدر حسن خان ٹونکی (م ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء)

عموماً حدیث شریف کے درس میں طلبہ عبارت پڑھتے ہیں پھر استاد مطالب و مباحث پر مفصل و مدلل تقریر کرتا ہے۔ لیکن مولانا کا طریقہ درس اس سے بالکل مختلف تھا۔ وہ طلبہ کے سامنے عبارت کی تشریح مطالب کی توضیح اور مباحث کی تفسیر ہی نہیں پیش کرتے تھے بلکہ طلبہ کو مآخذ سے بھی واقف کراتے تھے۔ ان کے مراتب ذہن نشین کراتے۔ ان کے مطالعہ کے آداب بتاتے اور ان سے استفادہ کا سلیقہ سکھاتے تھے (۶۱۳)۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ اپنے بیان کے ثبوت میں جہاں ضرورت محسوس کرتے، کتابوں کا حوالہ دیتے، کبھی کبھی کسی کتاب کو کھول کر دکھا بھی دیتے تھے (۶۱۴)۔ ان کے متعلق سید ابوالحسن علی ندوی نے لکھا ہے: "وکان مع انتصاره لمذهب الحنفي كثير العطف على تلامذته من اهل الحديث" (۶۱۵) (وہ حنفی مذہب کی طرف اپنے بہت زیادہ رجحان کے باوجود اپنے اہل حدیث طلبہ سے محبت رکھتے تھے)۔

مولانا محمود حسن (م ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء)

مولانا محمود حسن مسائل مختلف فیہا میں ائمہ ثلاثہ (رحمہم اللہ) بلکہ دیگر مجتہدین کے مذاہب بھی بیان فرماتے اور مختصر طور سے دلائل بھی نقل فرماتے لیکن جب امام ابو حنیفہ کا نمبر آتا "تو مولانا (محمود حسن) کے قلب میں انشراح، چہرہ پر بشاشت، تقریر میں روانی، لہجہ میں جوش پیدا ہو جاتا دلیل پر دلیل، شاہد پر شاہد، قرینہ پر قرینہ بیان کرتے چلے جاتے تقریر رکتی ہی نہ تھی، اور اس خوبی سے مذہب امام اعظم کو ترجیح دیتے تھے کہ سلیم الطبع اور منصف المزاج لوٹ جاتے تھے۔ دور دور کی مختلف المضامین احادیث جن کی طرف کبھی خیال بھی نہ جاتا تھا۔ پیش کر کے اس طرح مدعا ثابت فرماتے کہ بات دل میں اترتی تھی اور سامعین کا دل گواہی دیتا اور آنکھوں سے نظر آ جاتا تھا کہ یہی جانب حق ہے" (۶۱۶)۔

مسلکی حمیت، مذہبی تعصب دوران تدریس کس طرح جھلک رہا ہے۔ اپنے مذہب کی ترجیح ثابت کرنے میں کس طرح دور سے کڑیاں ملائی جاتی تھیں۔ تدریس حدیث کے پیچھے صرف اور صرف حدیث نبوی کی خدمت کا جذبہ کارفرما ہونا ایک دوسری چیز ہے اور مذکورہ بالا انداز چیز دیگر۔

مولانا حفیظ اللہ مہتمم ندوۃ العلماء (م ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء)

عموماً حدیث شریف کے درس میں طلبا عبارت پڑھتے ہیں۔ پھر استاد، مطالب ومباحث پر مفصل ومدلل دلائل پیش کرتا ہے اور اپنے بیان کے ثبوت میں جہاں ضرورت محسوس ہو کتابوں کا حوالہ دیتا ہے کبھی کبھی کسی کتاب کو کھول کر دکھا بھی دیتا ہے۔ اس کے برعکس ندوۃ کے مہتمم (پرنسپل) مولانا حفیظ اللہ صاحب تھے ان کو حدیث پڑھانے کا شوق تھا۔ صحیح مسلم ان کے پاس رہتی تھی۔ ان کا درس سادہ ہوتا تھا۔ حدیث کا مطلب بتا دیتے تھے لیکن مختلف فقہا کے مذہب بیان کرنے اور ان کے دلائل فراہم کرنے سے زیادہ دلچسپی نہ تھی (۶۱۷)۔

حافظ محمد گوندلوی (م ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۳ء)

نامور مؤرخ اسحاق بھٹی کے بقول: ''حضرت استاد کا اسلوب درس حدیث اپنے اندر انفرادیت بھی رکھتا تھا اور بے حد جاذبیت بھی۔ وہ انتہائی وقار اور تمکنت کے مالک تھے اور اسی وقار اور تمکنت سے مسند تدریس پر بیٹھتے اور طلبا کو پڑھاتے تھے۔ بخاری شریف میں ایک مہینہ سے زیادہ عرصہ حجیت حدیث، اتباع حدیث، صحیح بخاری کی شرائط، صحت حدیث، امام بخاری کے مقام ومرتبہ کی تعیین اور دیگر محدثین سے ان کے امتیاز وغیرہ امور کی وضاحت میں صرف ہو جاتا۔ وہ بڑی روانی اور صفائی سے درس دیتے تھے۔ ان کے ارشادات انتہائی احتیاط اور توجہ سے سننے کی ضرورت تھی۔ آسان زبان اور عام فہم انداز میں ان کے لیے بات کرنا بہت مشکل تھا۔ وہ مشکل کلام تھے'' (۶۱۸)۔

آپ کا انداز تدریس بڑا منفرد اور اچھوتا تھا حلقہ درس میں ملک اور بیرون ملک کے متعدد طلبہ ہوتے۔ ایک طالب علم سبق پڑھتا آپ غور سے کتاب دیکھتے اور جو مقام جس قدر تشریح کا طالب ہوتا اس پر اُسی قدر روشنی ڈالتے اور مغلق اور پیچیدہ مقامات کی اس عمدگی سے تشریح فرماتے کہ کسی طالب علم کو کوئی تشنگی باقی نہ رہتی (۶۱۹)۔

معروف پبلشر منیر احمد سلفی لکھتے ہیں: ''ہمارے شیخ الحدیث کے علمی تبحر کی بنا پر درس حدیث صرف علوم حدیث تک ہی محدود نہ رہتا بلکہ ضمناً لطیف نسبتوں کے ساتھ ہر علم وفن کی بحث ہوتی

رہتی ۔۔۔۔غرض نقلی و درایتی فنون میں نقل وعقل دونوں کی بحثیں آتیں اور ہر فن کے متعلقہ مقصد پر ایسی سیر حاصل اور محققانہ بحث آتی کہ تحقیق حدیث کے علاوہ وہ فن مسئلہ بھی فی نفسہ پوری وضاحت کے ساتھ منقح ہو کہ سامنے آجاتا" (۶۲۰)۔

دورانِ درس حضرت الاستاذ روانی سے مختلف شروح کے عربی اقتباسات پڑھ کر شارحین حدیث کے مؤقف کا تقابل فرماتے تھے اور علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کی فتح الباری تو قریب قریب آپ کو حفظ تھی (۶۲۱)۔ حدیث نبوی کے معروف محقق مولانا ارشاد الحق اثری نے دیگر طلباء کے ساتھ ۱۹۶۸ء میں ان سے صحیح بخاری پڑھی۔ ان کے بقول ابتدائی طور پر کافی دن مقام حدیث، حجیت حدیث، اسناد حدیث، فہم قرآن کے لیے حدیث، جمع و تدوین حدیث، جرح و تعدیل اور اسماء الرجال پر لگائے الزامات امام بخاری، صحیح بخاری کے متعلق بعض مباحث پر گفتگو فرمائی پھر تراجم ابواب سے متعلق بعض بہت ضروری باتیں کیں۔

عام طور پر طلبا سے پڑھاتے، قراءت کا سلسلہ ہوتا، اسانید پر بحث کرتے، رجال کو زیر بحث لاتے، لغوی بحث کرتے اور مسائل کا استنباط کرتے۔ ان کے درس میں طلبا کو فکری آزادی ہوتی۔ سبق سے متعلق ہر قسم کا سوال کرنے کی اجازت تھی۔ بخاری کی شروح کی عبارتیں زبانی یاد ہوتی تھیں۔ زیادہ تر امام ابن تیمیہؒ اور امام ابن قیمؒ کے حوالے دیتے۔ آئمہ اربعہ کی رائے کو بھی زیر بحث لاتے۔ آپ کا درس فقہ الحدیث کا بہترین نمونہ ہوتا تھا۔

مولانا عبدالحقؒ (م ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۸ء)

حضرت (مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک) کے درس کا ایک نمایاں وصف یہ تھا کہ وہ فن حدیث کے ادق سے ادق مباحث بھی پوری تفصیل و استقصاء کے ساتھ ایسے آسان، شستہ انداز اور سلجھے ہوئے پیرائے میں بیان کرتے کہ غبی سے غبی طالب علم بھی اس سے محروم نہیں رہتا تھا۔ دورانِ تدریس عصر حاضر کے علمی و دینی فتنوں اور فرق باطلہ کی تردید بھی کرتے جاتے ہیں۔ ملکی سیاسیات، اقتصادی و معاشی مسائل، سائنسی ترقیات کی روشنی میں اسلام کی حقانیت و صداقت پر روشنی ڈالتے رہتے (۶۲۲)۔

مولانا عبدالحق جیسے وسیع النظر اور وسیع المشرب اہل علم کے درس میں حدیث پر عالمانہ،

محدثانہ بحثوں کے ساتھ ساتھ دورِ حاضر کے مسائل پر بھی خوب راہنمائی ہوتی تھی لیکن مولانا مذہبی تعصب کے تنگ نظری والے دائرے سے باہر نہ نکل سکے۔ ان کے ہاں بھی ہر حال میں ترجیح حنفیت کی فکر پائی جاتی ہے اور درس حدیث کے دوران بقول "آئمہ اربعہ کے مذاہب بالتفصیل بیان فرما کر نہایت کشادہ دلی سے ان کے دلائل کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر مسلک حنفیت کی ترجیح میں ایک ایک دلیل کا معقول اور شافی جواب دیتے ہیں" (۶۲۳)۔

مولانا سید داؤد غزنویؒ (م ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء)

مولانا داؤد غزنوی کے دادا محترم مولانا عبداللہ غزنوی (م ۱۲۹۸ھ/۱۸۷۸ء) کے متعلق علامہ محمد اقبالؒ نے ایک مکتوب بنام محمد دین فوق میں لکھا ہے کہ "مولوی عبداللہ غزنوی درس حدیث (مؤطا امام مالک) دے رہے تھے کہ اُن کو اپنے بیٹے کے قتل کیے جانے کی خبر ملی۔ ایک منٹ تامل کیا پھر طلباء کو مخاطب کر کے کہا "برضائے او راضی ہستیم بیاید کہ کار خود بکنیم" (ہم اس کی رضا پر راضی ہیں، آؤ ہم اپنا کام کریں) یہ کہہ کر پھر درس میں مشغول ہو گئے (۶۲۴)۔

مولانا محی الدین سلفی "میرے استاد مولانا داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ" کے تحت لکھتے ہیں کہ ہم مؤطا کے گھنٹے (پیریڈ) کا شدت سے انتظار کرتے۔ جس دن ناغہ ہو جاتا ہمیں اس کا نہایت دکھ ہوتا۔ مولانا کے درس میں علم بھی تھا، وقار بھی، ادب بھی، زبان بھی، اختلاف رائے کے باوجود ائمہ کا نام اتنے ادب و احترام سے لیتے کہ سننے والوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلتے۔

مولانا علیہ الرحمہ میں یہ خوبی بدرجہ غایت موجود تھی کہ مسائل میں اعتدال کی راہ اختیار فرماتے۔ پورا درس نہایت دلچسپ ماحول میں ہوتا۔ تھکان اور یبوست نام کو نہ ہوتی جیسا کہ عام اساتذہ کے اسباق میں ہوتی ہے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب انہیں کوئی علمی نکتہ بیان فرمانا ہوتا تو طلبہ کو پوری طرح اپنی طرف متوجہ فرماتے اور کہتے العلم، العلم۔ آپ کے درس کی نمایاں خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ دورانِ درس دنیا کی کسی بات کا تذکرہ نہ فرماتے۔ اگر کوئی صاحب ملاقات کے لیے آتے تو کیا مجال کہ آپ سے دورانِ درس بات کر سکے۔۔۔ آپ کے ہاں یہ طریقہ ہرگز رائج نہ تھا کہ مسند حدیث پر بھی بیٹھے

ہوئے ہیں اور دنیا داری کے تذکرے بھی ہو رہے ہیں۔۔۔۔ دوران درس آپ ضروری اشارات لکھواتے۔غرض کہ درس اس طرز پر ہوتا کہ خود بخود ذہن نشین ہوتا جاتا" (۶۲۵)۔ حافظ عبدالرشید صاحب کے بقول "جب حضرت پڑھانے کے لیے تشریف لاتے تو خوب اُجلا لباس پہن کر اور خوشبو لگا کر درس ارشاد فرماتے" (۶۲۶)۔

حدیث نبوی کی وراثت میں ملنے والی محبت وعظمت اس قدر کوٹ کوٹ کر بھری تھی کہ دوران تدریس اگر ڈی سی لاہور بھی آیا تو بات کرنا گوارا نہ کی، تدریس حدیث کے بعد ہی ملاقات کی۔ یہ سب نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات گرامی سے والہانہ عقیدت ومحبت کا نتیجہ تھا۔

مولانا عبدالقدوس کلیم

آپ سے راقم الحروف نے بلوغ المرام، الجامع الصحیح امام بخاری اور حدیث کی بعض دیگر کتب مدرسہ ضیاء القرآن والحدیث منڈی چشتیاں میں پڑھیں۔ ان کا قراءۃ اور سماع دونوں طرح سے پڑھانے کا طریقہ تھا۔ تدریس سے قبل حدیث سے متعلق ضروری باتیں بتاتے تھے پھر کوئی طالب علم پڑھتا اور ضرورت کے مطابق مولانا خود تشریح فرمادیتے یا بعض اوقات طلبا ان سے سوال کرتے۔ بعض اوقات اپنی مرضی سے خود پڑھنے لگ جاتے اور ضرورت کے مطابق تشریح کرتے۔ قرآن مجید کی آیات اور احادیث تشریح میں بیان فرماتے۔ حافظ ابن حجرؒ، علامہ عینیؒ اور قسطلانیؒ کے حوالے دیتے۔ بعض مسائل میں آئمہ اربعہ کی رائے بھی بتاتے اور امام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ کی کتب سے بھی حوالے دیتے۔ عام طور پر مطالعہ کر کے آتے اور بڑے علمی نکات بیان فرماتے۔ کتب حدیث کا درس پورا سال جاری رہتا۔

تدریس حدیث میں جدید سہولتوں کے استعمال کا رویہ

دور حاضر میں تدریس کے حوالے سے بہت سی جدید سہولتیں میسر آ چکی ہیں مثلاً بلیک بورڈ، پروجیکٹر، لاؤڈ سپیکر، آڈیو کیسٹ، ویڈیو کیسٹ، ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر، کمپیوٹر، انٹرنیٹ، اخبارات و رسائل اور فاصلاتی تدریس کا نظام وغیرہ وغیرہ۔

ہم دیکھتے ہیں کہ برصغیر میں تدریس حدیث کے دوران ان سہولتوں میں سے صرف بلیک بورڈ

یا طلباء کی کثرت کے باعث نظر لاؤڈ سپیکر کا استعمال بھی شاذ و نادر ہوتا ہے۔ دیگر سہولتوں سے استفادہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اکثر اہل علم کے ہاں تو ان سہولتوں کے جائز و ناجائز کا مسئلہ ہی تصفیہ طلب ہے۔ حالانکہ اپنی تمدنی زندگی میں دیگر جدید سہولتوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا جا رہا ہے اور زندگی کی رفتار کئی گنا تیز ہو چکی ہے۔ آج دنیا کے ایک کنارے میں کوئی چیز سامنے آتے ہی دنیا میں چاروں طرف اس کی خبر ہو جاتی ہے۔ آج میڈیکل سائنس میں انتہائی پیچیدہ آپریشن، دنیا میں ایک ہسپتال میں ہوتا ہے اور دنیا بھر کے میڈیکل کے طالب علم اپنے اپنے کلاس روم میں اس سے بھرپور راہنمائی پا رہے ہوتے ہیں۔ آیا تدریس حدیث میں اگر ایک محدث دورانِ تدریس ایک جگہ درس حدیث ارشاد فرما رہے ہوں اور دیگر مختلف مقامات کے طالبان حدیث کے لیے ان سہولتوں کی بدولت براہ راست استفادہ کی گنجائش کیوں نہیں؟ ہمارے حدیث سکالرز کو اس پر غور و خوض کرتے ہوئے تدریس حدیث کے ذریعے ترویج دین کی بدولت اصلاح معاشرہ میں بھرپور کردار ادا کرنے کی سوچ اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

برصغیر میں تدریس حدیث کے اثرات

برصغیر پاک و ہند کے مدارس کے نصاب تعلیم کا پانچ مختلف ادوار میں جائزہ لیتے وقت ہم مولانا ابوالحسنات ندوی کے الفاظ نقل کر چکے ہیں کہ "میرے خیال میں اس نصاب درس سے جو عموماً مدارس عربی میں رائج ہے۔ عملاً حدیث و ادب کی مذکورہ بالا کتابوں کو خارج ہی سمجھنا چاہیئے"۔

رشید احمد ارشد برصغیر کے اہل علم کے حدیث نبوی سے تعلق پر رقم طراز ہیں "یہاں کے علماء حدیث کی اعلیٰ تعلیم کو غیر ضروری سمجھنے لگے بلکہ اس فن میں ان کی انتہائی معراج مشارق الانوار اور مشکوٰۃ المصابیح کی تعلیم ہوتی تھی اور یہ تعلیم بھی محض برکت حاصل کرنے کے لیے ہوتی تھی۔ اس کا مقصد مسائل کا استنباط اور فقہی مسائل کا اثبات نہ ہوتا تھا" (۶۲۷)۔ یہ رویہ کچھ بے جا نہ تھا اس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ فاتحین ہند زیادہ تر حنفی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے اور یہاں پر حنفی مسلک کو زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ فقہا کرام کا علم حدیث سے تعلق ہمیشہ کمزور ہی گردانا گیا ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ "واشتغالهم بعلم الحديث قليل قديما وحديثا" (۶۲۸) (ان کا علم حدیث سے شغل کم رہا ہے۔ زمانہ ماضی میں بھی اور حال میں بھی)۔ اس حقیقت کا اظہار مولانا عبدالحی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ) نے بھی کیا ہے (۶۲۹)

فقہی استنباطات واستخراجات کے لیے اصولی ومنطقی علوم کی ضرورت ہونا اظہر من الشمس ہے۔اسی احتیاج کا نتیجہ تھا کہ یہاں کے نصاب تعلیم میں ۱۹ کتابیں منطق وفلسفہ کی تو شامل کی گئیں لیکن حدیث کی صرف دو کتابوں پر اکتفا کیا گیا اور عملاً وہ بھی خارج از نصاب ہی رہتی تھیں۔ بعدازاں جب تدریس حدیث پر مجبور ٹھہرے تو پھر مسلکی تائید پر بے قراری کی سوچ کا اندازہ لگانے کے لیے ایک حوالہ پیش خدمت ہے۔مولانا ظہیر احسن نیموی (م ۱۳۲۵ھ) ایک اشتہار میں یوں اعلان کرتے ہیں۔

"یہ تو ظاہر ہے کہ حدیث میں پہلے بلوغ المرام یا مشکوۃ شریف پڑھائی جاتی ہے اور ان کے مؤلف شافعی المذہب تھے۔ان کتابوں میں زیادہ وہی حدیثیں ہیں جو مذہب امام شافعی کی مؤید اور مذہب حنفی کے خلاف ہیں۔اس پر طرّہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر معلم در پردہ غیر مقلد ہوتے ہیں۔بے چارے اکثر طلبا یہ ابتدائی کتابیں پڑھ کر مذہب حنفی سے بے عقیدہ ہو جاتے ہیں۔پھر جب صحاح ستہ کی نوبت آتی ہے تو ان کے خیالات اور بھی بدل جاتے ہیں۔علمائے حنفیہ نے کوئی ایسی کتاب قابل درس تالیف نہیں کی کہ جس میں مختلف کتب احادیث کی وہ حدیثیں ہوں جن سے مذہب حنفی کی تائید ہوتی ہو، پھر بے چارے طلبا ابتدا میں پڑھیں تو کیا اور ان کے عقائد درست رہیں تو کیونکر آخر بے چارے غیر مقلد نہ ہوں تو کیا ہوں؟ فقیر نے انہی خیالات سے حدیث شریف میں آثار السنن کے نام سے ایک کتاب کی بنائے تالیف ڈالی ہے اور ارادہ ہے کہ کتب متداولہ کے علاوہ عرب وعجم کی نایاب کتب احادیث سے حدیثیں انتخاب کر کے جمع کروں اور حاشیہ میں اسناد لکھ دوں" (۶۳۰)۔

مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب بھی تدریس حدیث میں مذہبی تعصب کو بروئے کار لانے کی خاطر یوں مشورہ دیتے ہیں۔"مشکوۃ شریف کے طلباء اور حضرات مدرسین کے لیے حضرت مولانا (ظفر احمد عثمانی مرحوم) کا ایک مفید مشورہ یہ بھی تھا کہ مشکوۃ شریف کے ہر باب کے ساتھ بطور الفصل الرابع کے اعلاء السنن کے متن سے لے کر احادیث مؤیدہ حنفیہ کو جمع کر کے ان کو سبقاً سبقاً پڑھایا جایا کرے۔ اس طرح مشکوۃ شریف پڑھنے والے طلباء کو ہر بات میں حنفیہ کے دلائل کا بھی ساتھ ساتھ علم ہوتا رہے گا" (۶۳۱)۔

برصغیر میں مذہبی تعصبات سے بالاتر ہو کر تدریس وترویج حدیث کی سعادت شاہ ولی اللہ کی

ذاتِ گرامی کا مقدر تھی۔ آپ نے یہاں کے معقولی و منقولی نظام تعلیم میں پرورش پائی جس پر حنفیت کا رنگ غالب تھا لیکن زیارت حرمین سے حج و عمرہ کی سعادت کے ساتھ ساتھ ذہنی افق کی وسعت بھی نصیب ہوئی۔ مسلکی تعصب کی جگہ بین المسالک تطبیق فکر نے لی۔ واپسی پر آپ نے درس حدیث میں مؤطا امام مالک پر دوام اختیار کیا۔ مؤطا امام مالک کی دو شرحیں بنام المسوّیٰ (عربی) اور المصفّٰی (فارسی) میں لکھیں اور حجۃ اللہ البالغہ میں اس کو صحیحین کے ساتھ ذکر فرمایا۔ فکر محدثین کی طرف رجوع کی تلقین کی۔ اس مشن اور فکر کو لے کر آپ کا خاندان آگے بڑھا۔ یہاں پر دار الحدیث کا قیام اور کتب حدیث کی تدریس میں اضافہ کا سہرا اپنے سر باندھا۔ مولانا ابوالحسن ندوی کے بقول ''درحقیقت صحاح ستہ کے درس و تدریس کا ہندوستان میں رواج اسی وقت سے ہوا ہے جب کہ شاہ صاحب اور ان کے نامور اخلاف نے اس کو رواج دیا اور اپنی اپنی عمر عزیز کا بیش بہا حصہ اس کی اشاعت میں صرف کر دیا'' (۶۳۲)۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے بستان المحدثین جیسی انسائیکلو پیڈیا قسم کی کتاب لکھ کر برصغیر کے متلاشیان علم کو کتب حدیث و محدثین سے روشناس کروایا۔ عجالہ نافعہ جیسی اصول حدیث کی کتاب لکھ کر اصولی راہنمائی کی آپ کے نواسے شاہ محمد اسحاقؒ نے مسند حدیث پر متمکن ہو کر محدثین کی یاد تازہ کی اور ان کے جانشین شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلویؒ نے تدریس حدیث کو چار چاند لگائے۔ آپ کی تدریس حدیث کا شہرہ چار دانگ عالم میں پھیلا۔ اور حدیث نبوی سے اس قدر وابستگی بڑھی کہ اب اقوال آئمہ کی برتری ختم ہوگئی اور ان کی جگہ احادیث نبوی مقدم ٹھہریں۔ بقول سید سلیمان ندوی ''مدت کا زنگ طبیعتوں سے دور ہوا اور یہ جو خیال ہوگیا تھا کہ اب تحقیق کا دروازہ بند اور نئے اجتہاد کا راستہ مسدود ہو چکا ہے، رفع ہوگیا اور لوگ از سر نو تحقیق و کاوش کے عادی ہونے لگے۔ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ سے دلائل کی خو پیدا ہوئی اور قیل و قال کے مکدر گڑھوں کی بجائے ہدایت کے اصلی سر چشمہ مصفا کی طرف واپسی ہوئی'' (۶۳۳)۔

سید نذیر حسین محدث دہلوی کی درس گاہ سے اپنے قلوب و اذہان کو حدیث نبوی سے منور کرنے والے محدثین مثلاً مولانا ابراہیم آرویؒ، مولانا شمس الحق ڈیانویؒ، حافظ عبداللہ غازی پوریؒ اور مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ جیسے کئی ایک خدام حدیث نے اپنے اپنے مقامات پر مسند حدیث بچھائی اور

تدریس وتحدیث سے عوام الناس کو خوب فائدہ پہنچایا۔

شاہ عبدالعزیزؒ اور ان کے نواسے شاہ محمد اسحاق کی تدریس حدیث کا فیض مدارس احناف میں بھی پہنچا۔سلسلہ علمائے فرنگی محلی (لکھنو) میں ورس حدیث کی باقاعدگی مولانا عبدالرزاق سے ہوئی جو کہ ایک واسطہ سے شاہ عبدالعزیز کے شاگرد تھے۔ بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی، شاہ عبدالغنی مجددی کے واسطے سے شاہ محمد اسحاق کے شاگرد ہیں۔اسی طرح جونپور، صادق پور، رام پور اور دیگر مقامات پر مدارس حنفیہ میں تدریس حدیث اسی خاندان کی بدولت جاری ہوئی۔

سید نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگردوں کی بدولت یہاں پر علانیہ رنگ اختیار کرنے والی تحریک عمل بالحدیث کی روز بروز کامیابی نے مدارس احناف میں تدریس حدیث کی مجبوری بڑھادی۔ان مدارس میں دورہ حدیث کے نام پر کئی ایک کتب حدیث کی صرف ایک سال میں ورق گردانی کو رواج ملا۔ اس دورہ میں بھی مذہبی تعصب کی تخم ریزی کی فکر ہی غالب رہتی ہے۔ بہرحال مجموعی طور پر برصغیر میں تدریس حدیث کا رجحان بڑھتا چلا گیا اور مدارس کے نصاب تعلیم میں لائی جانے والی جدید تر تبدیلیوں میں کتب حدیث کو زیادہ مقام ملتا جارہا ہے۔

اہل حدیث واحناف کے ہاں تدریس حدیث میں اضافے سے عمل بالحدیث کا رجحان غالب آیا ہے۔موضوع وضعیف روایات کی جگہ صحیح وحسن احادیث کی تلاش اور عمل کرنے کی خواہش روز بروز افزوں ہے (اللھم زد فزد)۔

حوالہ جات

۱۔ حاکم، المستدرک (بیروت) ۵۰۲/۳۔

۲۔ الازرقی، ابوالولید محمد بن عبداللہ، اخبار مکہ (مطابع الثقافۃ مکۃ المکرمۃ ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء) ۲۶۰/۲۔

۳۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص ۱۹۲۔

۴۔ الطبقات الکبریٰ، ۴۸۶/۵۔

۵۔ البخاری، التاریخ الکبیر، ۱۳۳/۳۔

۶۔ راغب الطباخ، تاریخ افکار علوم اسلامی (اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء) ۴۲۶/۲ بحوالہ رسالہ موجز دلیل الحجاز)

۷۔ السنۃ قبل التدوین، ص ۱۶۵۔

۸۔ تاریخ حدیث والمحدثین، ص ۱۲۲۔

۹۔ شاہ ولی اللہ، مصفیٰ شرح مؤطا امام مالک (طبع دہلی، ۱۳۲۶ھ) ۶/۱۔

۱۰۔ الکھف (۱۸) ۲۸۔

۱۰۔۱۔ احمد، المسند، ۱۳۷/۳۔

۱۰۔۲۔ کتانی، نظام الحکومۃ النبویۃ، ۴۸/۱ بحوالہ ابوداؤد، السنن، کتاب البیوع، باب کتب العلم۔

۱۱۔ البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۹۵، ص ۲۲۔

۱۲۔ ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۳۶۵۳، ص ۵۲۴۔

۱۳۔ ایضاً، حدیث نمبر ۳۶۵۴، ص ۵۲۴۔

۱۴۔ الطبقات الکبریٰ، ۱۳۰/۵۔

۱۵۔ ایضاً، ۱۲۶/۵۔

۱۶۔ ایضاً۔

۱۷۔ ایضاً، ۱۸۸/۵۔

۱۸۔ ایضاً۔

۱۹۔ تذکرۃ الحفاظ (بیروت) ۶۲/۱۔

۲۰۔ ایضاً، ۱۵۸/۱۔

۲۱۔ الطبقات الکبریٰ، ۲۱۶/۵۔

۲۲۔ العبر فی خبر من غبر، ۱۸۳/۱۔

۲۳۔ تہذیب التہذیب،۳/۳۹۵۔

۲۴۔ الطبقات الکبریٰ،۲/۳۸۷۔

۲۵۔ تذکرۃ الحفاظ،۲/۵۲۔

۲۶۔ ایضاً،۲/۵۲-۵۳۔

۲۷۔ تذکرۃ الحفاظ،۲/۴۴۔

۲۸۔ ایضاً،۲/۲۱۲۔

۲۹۔ ایضاً۔

۳۰۔ ایضاً۔

۳۱۔ نووی، شرح صحیح مسلم (کراچی)۱/۱۸۵۔

۳۲۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ (مصر)۱/۱۳۳۔

۳۳۔ ابن تیمیہ، منہاج السنۃ النبویۃ (مکتبۃ الریاض الحدیثۃ الریاض)۴/۱۳۷۔

۳۴۔ ایضاً،۴/۱۳۹۔

۳۵۔ کتاب الاسماء والکنی،۱/۱۷۴۔

۳۶۔ ابن تیمیہ، منہاج السنۃ،۴/۱۴۲۔

۳۷۔ حافظ عراقی، شرح الفیہ (طبع مصر)۳/۹۰۔

۳۸۔ ابن حجر، فتح الباری (طبع منیریہ، مصر)۲/۴۷۹(مقدمہ)۔

۳۹۔ تذکرۃ الحفاظ،۱/۴۸۔

۴۰۔ ایضاً،۱/۸۵۔

۴۱۔ الطبقات الکبریٰ،۶/۲۴۶-۲۵۵۔

۴۲۔ تذکرۃ الحفاظ،۲/۱۶۔

۴۳۔ ایضاً،۲/۱۶۔

۴۴۔ تہذیب التہذیب،۶/۳۔

۴۵۔ تذکرۃ الحفاظ۲/۱۷۔

۴۶۔ ایضاً،۲/۲۶۔

۴۷۔ ایضاً،۲/۲۳۔

۴۸۔ ایضاً۔

۴۹۔ ایضاً،۲/۷۰۔

۵۰۔ ایضاً۔

۵۱۔ ایضاً۔

۵۲۔ ابن حزم،فضائل اہل اندلس،ص۵۵۔

۵۳۔ نفح الطیب،۳/۱۵۹۔

۵۴۔ تذکرۃ الحفاظ،۱/۲۸۸۔

۵۵۔ الطبقات الکبریٰ،۷/۱۵۶-۱۵۷۔

۵۶۔ ایضاً۔

۵۷۔ ایضاً،۷/۱۵۸-۱۵۹۔

۵۸۔ الطبقات الکبریٰ،۷/۱۵۸۔

۵۹۔ تذکرۃ الحفاظ،۱/۶۲۔

۶۰۔ سیر اعلام النبلاء،۳/۶۱۰-۶۱۱۔

۶۱۔ ایضاً،۳/۶۱۳۔

۶۲۔ تذکرۃ الحفاظ،۱/۹۸۔

۶۳۔ ایضاً،۱/۹۹۔

۶۴۔ المحدث الفاصل بین الراوی والواعی،ص۲۳۶۔

۶۵۔ الطبقات الکبریٰ،۷/۲۶۲۔

۶۶۔ تذکرۃ الحفاظ،۱/۱۱۸۔

۶۷۔ ایضاً،۱/۹۳۔

۶۸۔ الطبقات الکبریٰ،۷/۲۳۰۔

۶۹۔ معرفۃ علوم الحدیث،ص۱۹۲۔

۷۰۔ تاریخ دمشق،۱/۳۱۴۔

۷۱۔ منہاج السنۃ النبویہ،۳/۱۴۲۔

۷۲۔ تاریخ دمشق،۱/۳۳۸۔

۷۳۔ ڈاکٹر محمد بن عزوز، مدرسۃ الحدیث فی بلاد الشام (دار البشائر الاسلامیہ بیروت،۲۰۰۰ء) ص۲۲۳-۲۲۴۔

۷۴۔ ایضاً،ص۳۸۵۔

۷۵۔ الطبقات الکبریٰ، ۷/۳۶۱۔

۷۶۔ تذکرۃ الحفاظ (بیروت) ۲/۵۰۔

۷۷۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۱/۵۱۷۔

۷۸۔ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۳۰۔

۷۹۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۱/۴۲۶۔

۸۰۔ ایضاً، ۲/۳۰۔

۸۱۔ کتاب الثقات، ص ۲۱۵۔

۸۲۔ حافظ ابن حجر عسقلانی، الرحمۃ الغیثیہ فی ترجمۃ اللیثیہ (طبع منیریہ مصر ۱۳۰۱ھ) ص ۶۔

۸۳۔ الطبقات الکبریٰ، ۷/۵۱۳۔

۸۴۔ تذکرۃ الحفاظ ۱/۲۲۶۔

۸۵۔ تہذیب التہذیب، ۸/۴۵۹۔

۸۶۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۲۲۷

۸۷۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۲/۵۸۷۔

۸۸۔ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۱۹۴۔

۹۰۔ ایضاً، ۲/۸۴۔

۹۰-۱۔ بھٹی، محمد اسحاق، برصغیر میں اہل حدیث کی آمد (مکتبہ قدوسیہ لاہور ۲۰۰۴ء) ص ۲۲۱۔

۹۰-۲۔ ابن حبان، مشاہیر علماء امصار (دار الکتب العلمیہ بیروت) ص ۱۲۵۔

۹۰-۳۔ البخاری، التاریخ الکبیر، ۴/۳۸۶۔

۹۱۔ احمد امین، ظہر الاسلام (دار الکتاب العربی، بیروت، الطبعہ الخامسہ، ۱۹۶۹ء) ۳/۱۴۸۔

۹۲۔ حسن ابراہیم، تاریخ الاسلام، ۳/۴۴۸۔

۹۳۔ ابن الفرضی، تاریخ علماء الاندلس، ۲/۱۲؛ مقدمہ ابن خلدون، ص ۴۴۱۔

۹۴۔ التذکرۃ، ۱/۱۷۶۔

۹۵۔ تاریخ علماء الاندلس، ۱/۱۲۲۔

۹۶۔ البدایۃ والنہایۃ، ۱۰/۲۵۹۔

۹۷۔ ابن القوطیہ، تاریخ فتح الاندلس، ص ۲۵۔

۹۸۔ تاریخ علماء الاندلس، ۱/۲۹۰۔

۹۹۔ ابن فرحون، الدیباج المذہب، ص ۲۳۸، مزید ملاحظہ ہو: احسان عباس، تاریخ الادب الاندلس، ص ۲۸۔

۱۰۰۔ التذکرۃ، ۱/۴۷-۶۴۔

۱۰۱۔ ایضاً۔

۱۰۲۔ ابن وضاح، کتاب البدع والنہی عنھا (المقدمۃ)۔

۱۰۳۔ الدیباج المذہب، ۲۳۹، با مخلوق محمد، شجرۃ النور الزکیہ فی طبقات المالکیہ، ص ۷۶۔

۱۰۴۔ تاریخ علماء الاندلس، ۱/۱۰۷۔

۱۰۵۔ حسین مونس، شیوخ العصر فی الاندلس، ص ۳۶۔

۱۰۶۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۳/۲۹۲-۲۹۳۔

۱۰۷۔ التذکرۃ، ۲/۶۳۰۔

۱۰۸۔ ایضاً۔

۱۰۹۔ ایضاً۔

۱۱۰۔ ایضاً۔

۱۱۱۔ ایضاً۔

۱۱۲۔ ایضاً۔

۱۱۳۔ ایضاً۔

۱۱۴۔ الرسالۃ المستطرفۃ، ص ۷۴-۷۵۔

۱۱۵۔ التذکرہ، ۲/۶۲۸۔

۱۱۶۔ ایضاً، ۳/۸۱۵۔

۱۱۷۔ ایضاً۔

۱۱۸۔ ایضاً، ۲/۸۰۲۔

۱۱۹۔ احمد المقری، نفح الطیب، ۲/۱۶۰-۱۶۱۔

۱۲۰۔ ایضاً، ص ۱۶۱۔

۱۲۱۔ ایضاً، ص ۱۱۸۔

۱۲۲۔ ایضاً۔

۱۲۳۔ ایضاً۔

۱۲۴۔ ایضاً، ۱۲۰؛ تذکرۃ، ۳/۸۵۴۔

۱۲۵۔ نفح الطیب، ۶/۱۲۰۔
۱۲۶۔ تاریخ علماء الاندلس، ۱/۲۹۷؛ التذکرۃ ۳/۸۵۴؛ ظہر الاسلام، ۳/۵۱۔
۱۲۷۔ التذکرہ، ۳/۸۵۶۔
۱۲۸۔ نفح الطیب، ۶/۱۲۱۔
۱۲۹۔ ظہر الاسلام، ۳/۵۱۔
۱۳۰۔ التذکرۃ، ۳/۸۷۰۔
۱۳۱۔ ایضاً، ۳/۸۹۰۔
۱۳۲۔ ایضاً، ۹۱۹؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۶/۱۸۔
۱۳۳۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۶/۱۹؛ التذکرۃ، ۳/۹۱۹؛ تاریخ علماء الاندلس، ۱/۱۱۳۔
۱۳۴۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۶/۱۰۵۔
۱۳۵۔ ایضاً۔
۱۳۶۔ ایضاً، تاریخ علماء الاندلس، ۱/۴۹۔
۱۳۷۔ التذکرۃ، ۳/۱۰۰۷۔
۱۳۸۔ ایضاً، ص۱۰۰۸۔
۱۳۹۔ ایضاً، ص۱۰۰۷؛ نفح الطیب، ۷/۲۳۷۔
۱۴۰۔ التذکرۃ، ۳/۱۰۰۸۔
۱۴۱۔ ایضاً، ۳/۱۰۲۵۔
۱۴۲۔ ایضاً۔
۱۴۳۔ ایضاً، ص۱۰۵۸۔
۱۴۴۔ ایضاً۔
۱۴۵۔ ایضاً، ص۱۰۵۹۔
۱۴۶۔ ایضاً۔
۱۴۷۔ ایضاً، ص۱۰۹۱۔
۱۴۸۔ ایضاً۔
۱۴۹۔ ایضاً۔
۱۵۰۔ ایضاً، ص۱۰۹۲۔

۱۵۱۔ ایضاً۔

۱۵۲۔ ایضاً، ص۱۰۹۸۔

۱۵۳۔ ایضاً، ۱۰۹۸-۱۰۹۹۔

۱۵۴۔ ابن بشکوال، الصلة، ۴۴/۱۔

۱۵۵۔ التذکرہ، ۱۰۹۹/۳۔

۱۵۶۔ سیر اعلام النبلاء، ۵۶۹/۱۷-۵۷۰۔

۱۵۷۔ ابوالحسن، تاریخ قضاۃ الاندلس، ۹۵-۹۶۔

۱۵۸۔ حسین مونس، شیوخ العصر، ۸۲۔

۱۵۹۔ التذکرۃ، ۱۱۴۰/۳۔

۱۶۰۔ ایضاً، ص۱۱۴۱۔

۱۶۱۔ ایضاً۔

۱۶۲۔ ایضاً، ۱۱۴۶/۳۔

۱۶۳۔ مصطفیٰ احمد زرقاء، مقدمہ معجم فقہ ابن حزم، ۱۳/۱۔

۱۶۴۔ التذکرۃ، ۱۱۴۷/۳۔

۱۶۵۔ ایضاً۔

۱۶۶۔ الحمیدی، جذوۃ المقتبس فی ذکر ولاۃ الاندلس، ۳۱۹؛ ابن حجر، لسان المیزان، ۲۳۰/۴۔

۱۶۷۔ معجم فقہ ابن حزم، ۱۳/۱۔

۱۶۸۔ لسان المیزان، ۲۳۲/۴۔

۱۶۹۔ ایضاً، ص۲۳۳۔

۱۷۰۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۵۵/۱۸۔

۱۷۱۔ ایضاً۔

۱۷۲۔ جذوۃ المقتبس، ص۳۶۷؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۶۵/۱۸۔

۱۷۳۔ الصلة، ۶۷۷/۲-۶۷۸؛ وفیات الاعیان، ۶۶/۷۔

۱۷۴۔ التذکرۃ، ۱۱۲۹/۳-۱۱۳۰؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۵۶/۱۸۔

۱۷۵۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۵۷/۱۸۔

۱۷۶۔ ایضاً، ۱۵۷-۱۵۸؛ وفیات الاعیان، ۶۷/۷؛ الصلة، ۶۷۸/۲۔

۱۷۷۔ وفیات الاعیان، ۷/ ۶۸؛ الصلۃ ۲/ ۶۷۸؛ بغیۃ الملتمس، ص ۴۹۰؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۸/ ۱۵۸۔

۱۷۸۔ تاریخ الحدیث والمحدثین، ۲۵۱۔

۱۷۹۔ کشف الظنون ۲/ ۱۹۰۷۔

۱۸۰۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۸/ ۱۵۸۔

۱۸۱۔ مطبوع علی حاشیہ: الاصابہ (دار احیاء التراث العربی، بیروت)۔

۱۸۲۔ وفیات الاعیان، ۷/ ۶۷۔

۱۸۳۔ ایضاً۔

۱۸۴۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۸/ ۱۵۹۔

۱۸۵۔ وفیات الاعیان ۲/ ۴۰۸۔

۱۸۶۔ ایضاً ۲/ ۴۰۸-۴۰۹، دیکھئے تاریخ قضاۃ الاندلس، ص ۹۵۔

۱۸۷۔ السیوطی، طبقات الحفاظ، ۴۲۷۔

۱۸۸۔ التذکرہ، ۳/ ۱۱۷۹۔

۱۸۹۔ ایضاً۔

۱۹۰۔ التعدیل والتجریح، ۱/ ۲۸ (المقدمۃ)۔

۱۹۱۔ التذکرۃ، ۳/ ۱۱۸۰۔

۱۹۲۔ ترتیب المدارک، ۴/ ۸۰۳۔

۱۹۳۔ نفح الطیب، ۶/ ۱۷۴۔

۱۹۴۔ ایضاً، ص ۱۷۵۔

۱۹۵۔ التذکرۃ، ۳/ ۱۱۸۰، ترتیب المدارک، ۴/ ۸۰۴۔

۱۹۶۔ مطبوع دار اللواء، الریاض، ۱۹۸۶ء۔

۱۹۷۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۸/ ۵۳۸ (حواشی کے ساتھ)۔

۱۹۸۔ ایضاً۔

۱۹۹۔ التذکرہ، ۳/ ۱۱۲۶۔

۲۰۰۔ ایضاً، ص ۱۱۴۹۔

۲۰۱۔ ایضاً، ۴/ ۱۲۱۸۔

۲۰۲۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۹/ ۱۲۱۔

۲۰۳۔ التذکرۃ،۴/۱۲۱۸؛ نفح الطیب،٦/۳۰۰۔

۲۰۴۔ سیر اعلام النبلاء،۱۹/۱۲۲۔

۲۰۵۔ وفیات الاعیان،۴/۲۸۲۔

۲۰٦۔ التذکرۃ،۴/۱۲۱۹۔

۲۰۷۔ ایضاً، سیر اعلام النبلاء،۱۹/۱۲۳۔

۲۰۸۔ التذکرۃ،۴/۱۲۱۹، سیر اعلام النبلاء،۱۹/۱۲۲۔

۲۰۹۔ سیر اعلام النبلاء،۱۹/۱۲۷؛ التذکرۃ،۴/۱۲۲۲؛ وفیات الاعیان،۴/۲۸۳۔

۲۱۰۔ التذکرۃ،۴/۱۲۲۲؛ سیر اعلام النبلاء،۱۹/۱۲۷۔

۲۱۱۔ نفح الطیب،٦/۳۰۱۔

۲۱۲۔ سیر اعلام النبلاء،۱۹/۱۲۵۔

۲۱۳۔ ایضاً، ۱۹/۱۴۸-۱۴۹۔

۲۱۴۔ ایضاً، ۱۹/۱۴۹۔

۲۱۵۔ ایضاً، ۱۹/۱۵۰۔

۲۱٦۔ ابن الآبار، محمد بن عبداللہ بن ابی بکر القضاعی، المعجم اصحاب ابی علی الصدفی،ص۷۹-۸۰۔

۲۱۷۔ القاضی عیاض، الالماع (مقدمہ)۔

۲۱۸۔ الصلۃ،۱/۱۴۱-۱۴۳۔

۲۱۹۔ التذکرۃ،۴/۱۲۳۳-۱۲۳۴۔

۲۲۰۔ ایضاً،ص۱۲۳۴۔

۲۲۱۔ ابن عطیۃ،فہرسہ،ص۷۸۔

۲۲۲۔ الصلۃ، ۱/۱۴۳۔

۲۲۳۔ ایضاً۔

۲۲۴۔ الرسالۃ المستطرفۃ،ص۱۱۸؛ الکتانی،فہرس الفہارس،۲/۲۵۴؛ سیر۔۔،۱۹/۱۵۰؛ ابن خیر،فہرست،ص۲۲۰۔

۲۲۵۔ لسان المیزان،۳/۴۴۵۔

۲۲٦۔ ابن خیر،فہرسۃ،ص۲۲۱۔

۲۲۷۔ ایضاً،ص۴۲۵۔

۲۲۸۔ التذکرۃ،۴/۱۲۵۳۔

۲۲۹۔ المعجم فی اصحاب القاضی ابی علی الصدفی، ص۷۹-۸۰۔

۲۳۰۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۹/۳۷۷۔

۲۳۱۔ نفح الطیب، ۶/۲۳۷۔

۲۳۲۔ ایضاً، ۶/۲۳۹؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۹/۳۷۸۔

۲۳۳۔ فہرس الفہارس، ۲/۱۱۱۔

۲۳۴۔ ایضاً۔

۲۳۵۔ ایضاً، ص۱۱۲۔

۲۳۶۔ الصلۃ، ۱/۱۴۵؛ سیر اعلام، ۱۹/۳۷۷۔

۲۳۷۔ ابن خیر، فہرستہ، ص۱۰۰۔

۲۳۸۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۹/۳۷۷۔

۲۳۹۔ التعدیل والتجریح، ۱/۸۳۔

۲۴۰۔ المعجم فی اصحاب الصدفی (مقدمہ)؛ التعدیل والتجریح، ۱/۸۳۔

۲۴۱۔ شیوخ العصر، ص۹۳۔

۲۴۲۔ التذکرۃ، ۴/۱۲۵۵۔

۲۴۳۔ ایضاً۔

۲۴۴۔ ایضاً، ص۱۲۶۹۔

۲۴۵۔ ایضاً۔

۲۴۶۔ الصلۃ، ۲/۴۵۸، دیکھئے سیر اعلام، ۱۹/۵۸۷۔

۲۴۷۔ التذکرۃ، ۴/۱۲۷۲۔

۲۴۸۔ ایضاً، ص۱۲۹۳۔

۲۴۹۔ ایضاً۔

۲۵۰۔ ایضاً، ۱۲۹۹، تاریخ قضاۃ الاندلس، ۱۰۵؛ وفیات الاعیان، ۴/۲۹۶۔

۲۵۱۔ وفیات الاعیان، ۶/۲۹۶۔

۲۵۲۔ فہرس الفہارس، ۲/۲۲۹؛ الصلۃ ۲/۴۹۰؛ شیوخ العصر، ص۸۷۔

۲۵۳۔ فہرس الفہارس، ۲/۲۲۹۔

۲۵۴۔ تاریخ قضاۃ الاندلس، ۱۰۶۔

۲۵۵۔ سیر اعلام النبلاء، ۲۰/۲۰۱۔

۲۵۶۔ ایضاً، ص ۱۱۹۔

۲۵۷۔ بیروت سے شائع شدہ۔

۲۵۸۔ التذکرۃ، ۴/۱۳۰۴-۱۳۰۵۔

۲۵۹۔ سیر اعلام النبلاء، ۲۰/۲۱۴۔

۲۶۰۔ وفیات الاعیان، ۳/۴۸۳۔

۲۶۱۔ سیر اعلام النبلاء، ۲۰/۲۱۴؛ الصلۃ، ۲/۴۵۳۔

۲۶۲۔ سیر اعلام النبلاء، ۲۰/۲۱۴۔

۲۶۳۔ فہرس الفہارس، ۲/۱۸۴۔

۲۶۴۔ ایضاً۔

۲۶۵۔ تاریخ قضاۃ الاندلس، ص ۱۰۱۔

۲۶۶۔ التذکرۃ، ۴/۱۳۰۵۔

۲۶۷۔ یہ کتاب ۱۹۸۳ء میں مراکش سے شائع ہوئی ہے۔ مزید دیکھئے: وفیات الاعیان، ۳/۴۸۳۔

۲۶۸۔ فہرس الفہارس، ۲/۱۸۶۔

۲۶۹۔ ایضاً۔

۲۷۰۔ ایضاً۔

۲۷۱۔ سیر اعلام النبلاء، ۲۲/۲۱۵۔

۲۷۲۔ ایضاً، ۲۱/۸۰۶۔

۲۷۳۔ ایضاً، الصلۃ، ۱/۵۲۴۔

۲۷۴۔ مطبوع مکتبہ المثنیٰ بغداد، ۱۹۶۳ء۔

۲۷۵۔ التذکرۃ، ۴/۱۳۵۰۔

۲۷۶۔ ایضاً۔

۲۷۷۔ سیر اعلام النبلاء، ۲۱/۱۹۹۔

۲۷۸۔ ایضاً۔

۲۷۹۔ ایضاً، ص ۱۳۹۔

۲۸۰۔ ایضاً، ص ۱۴۰۔

۲۸۱۔ التذکرۃ،۴/۱۳۳۰۔

۲۸۲۔ ایضاً،۴/۱۳۳۹۔

۲۸۳۔ ایضاً،۴/۱۳۵۵۔

۲۸۴۔ ایضاً،ص۱۳۵۵-۱۳۵۶۔

۲۸۵۔ آئی،ایچ برنی،مسلم سپین (اردو)،ص۳۰۳۔

۲۸۶۔ الطبری،جامع البیان،تفسیر سورۃ البقرۃ،آیت نمبر۳۸۔

۲۸۷۔ ڈاکٹر زبید احمد صدیقی،عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ (ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور،۱۹۸۷ء)ص۳۱۔

۲۸۸۔ قاضی محمد اسلم سیف،تحریک اہل حدیث،تاریخ کے آئینے میں،ص۱۲۷۔

۲۸۹۔ نسائی،السنن،حدیث نمبر۳۱۷۳،ص۱۳۸۔

۲۹۰۔ بلاذری،احمد بن یحیٰی،فتوح البلدان (القاہرہ)ص۸۳۔

۲۹۱۔ ندوی،سید سلیمان،عربوں کی جہاز بانی (اسلامک کلچر حیدر آباد،دکن)ص۵۲-۵۳۔

۲۹۲۔ بزرگ بن شہریار ناخدا،رام ہرمزی،کتاب عجائب الہند (طبع ۱۸۸۲ء)۔

۲۹۳۔ غازی،محمود احمد،محاضرات حدیث (الفیصل ناشران کتب لاہور،۲۰۰۴ء)ص۴۱۳۔

۲۹۴۔ علم حدیث میں برصغیر پاک وہند کا حصہ،ص۱۷۔

۲۹۵۔ ایضاً،ص۲۷۔

۲۹۶۔ ایضاً،ص۳۴۔

۲۹۷۔ مرزا قلیچ بیگ،چچ نامہ (مترجم انگلش،فریدوں بیگ کراچی)ص۸۷۔

۲۹۸۔ فریوائی،عبدالرحمٰن بن عبدالجبار،جہود مخلصہ فی خدمۃ السنۃ المطہرۃ (الجامعۃ السلفیہ بنارس ہند،۱۴۰۶ھ)ص۳

۲۹۹۔ ایضاً،ص۲۱-۲۲،بحوالہ احسن التقاسیم۔

۳۰۰۔ عبدالحئی حسنی،نزھۃ الخواطر (دائرہ المعارف،حیدر آباد،بھارت)۱/۳۵۔

۳۰۱۔ جہود المخلصہ،ص۱۴۔

۳۰۲۔ ایضاً،ص۱۸۔

۳۰۳۔ ایضاً،ص۲۳۔

۳۰۴۔ مبارکپوری،قاضی محمد اطہر،رجال السند والہند (المطبعۃ الحجازیۃ ممبئی،۱۹۵۸ء)ص۳۰۔

۳۰۵۔ عبدالحئی حسنی،نزھۃ الخواطر (کارخانہ تجارت کتب کراچی)۱/۳۵؛ رجال السند والہند،ص۲۵۵۔

۳۰۶۔ رجال السند والہند،ص۲۱۷-۲۱۸۔

۳۰۷۔ ایضاً،ص ۲۳۶-۲۳۷۔

۳۰۸۔ ایضاً،ص ۴۵تا۶۳۔

۳۰۹۔ ایضاً،ص ۱۶۷۔

۳۱۰۔ ایضاً،ص ۲۷، ۲۰۴-۲۰۵۔

۳۱۱۔ ایضاً،ص ۵۶-۵۸۔

۳۱۲۔ ایضاً،ص ۳۳۔

۳۱۳۔ ایضاً،ص ۸۹۔

۳۱۴۔ ایضاً،ص ۳۳۔

۳۱۵۔ ایضاً،ص ۱۵۳۔

۳۱۶۔ شاہ ولی اللہ، الانصاف،ص ۷۷۔

۳۱۷۔ جھود مخلصہ،ص ۳۶-۳۷، بحوالہ الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند،ص ۱۳۵۔

۳۱۸۔ فقہائے ہند (ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۷۶ء) ۱/۲۲۳ بحوالہ ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی۔

۳۱۹۔ ندوی، سید سلیمان، مقالات سید سلیمان ندوی ۲/۶-۷، ۳۰۔

۳۲۰۔ ایضاً ۲/۲۷۔

۳۲۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اعظمی، تاریخ کشمیر: ص ۱۱۹۔

۳۲۲۔ رحمان علی (تذکرہ علمائے ہند) کا بیان ہے کہ عبدالرحمٰن ہندی محدث تھے ۔ درست نہیں ہے۔ زبدۃ المقاصد، ۹۲ الف۔

۳۲۳۔ معارف، ج ۲۲ ش ۴،ص ۳۵-۳۴۳۔

۳۲۴۔ ایضاً۔

۳۲۵۔ علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ (مترجم)،ص ۱۶۵۔

۳۲۶۔ ایضاً،ص ۱۷۱۔

۳۲۷۔ محدث، دہلوی، اخبار الاخیار،ص ۳۰۰۔

۳۲۸۔ ایضاً،ص ۳۰۰۔

۳۲۹۔ ایضاً،ص ۳۰۱؛ نظامی، خلیق احمد، حیات شیخ عبدالحق محدث،ص ۷۷۔

۳۳۰۔ حیات شیخ عبدالحق، محدث،ص ۷۹۔

۳۳۱۔ مدارج النبوت (مقدمہ)، عبدالمصطفیٰ محمد اشرف (مترجم)، (مکتبہ اسلامیہ، اردو بازار لاہور)ص ۶۔

۳۳۲۔ ایضاً، ص ۷۔

۳۳۳۔ رائل جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۹۱۶ء، ۲۲/۴۳-۶۰۔

۳۳۴۔ ایضاً، ص ۷، ۴، نمبر ۱۱، فہرست مصنفین دہلی، ص ۳ وما بعد؛ فہرست بانکی پور، ۱۴/ ۴۶-۴۷۔

۳۳۵۔ مخطوطات بانکی پور، ۱۴/ ۱۱۹۳-۹۴؛ آصفیہ: ۱/ ۸۳، فہرست، نمبر ۲۶۵۴ ریو فہرست، ۱/ ۱۴، ۱۵۔

۳۳۶۔ محدث دہلوی شیخ عبدالحق، اشعۃ اللمعات (مطبع نول کشور لکھنؤ) ج ۱، فہرست بانکی پور، ۱۴/ ۵۲-۵۳۔

۳۳۷۔ فہرست مصنفین دہلی (پنجاب یونیورسٹی لاہور) ص ۳ وما بعد۔

۳۳۸۔ رائل جنرل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ص ۴۔

۳۳۹۔ فہرست بانکی پور (پنجاب یونیورسٹی لاہور) ۱۲/ ۶۹-۷۰۔

۳۴۰۔ محدث دہلوی، شیخ عبدالحق، فہرس التوالیف۔

۳۴۱۔ برائے مخطوطات بانکی پور، ج: ۵ (۴۰۴) رامپور، ۱، نمبر ۲۰، ۳۱۸۔

۳۴۲۔ رائل جنرل آف ایشیاٹک سوسائٹی، نمبر ۲۲۔

۳۴۳۔ ایضاً، نمبر ۲۱۔

۳۴۴۔ ایضاً، نمبر ۷۔

۳۴۵۔ انڈیا آفس لائبریری، نمبر ۲۶۵۸۔

۳۴۶۔ مدارج النبوت (مقدمہ)، ص ۷۔

۳۴۷۔ تذکرۂ علمائے ہند، ص ۵۴۲۔

۳۴۸۔ شاہ ولی اللہ، الجزء اللطیف مع انفاس العارفین (حاشیہ، مطبع احمدی دہلی) ص ۱۹۳۔

۳۴۹۔ ایضاً، ص ۲۰۴۔

۳۵۰۔ فقہائے ہند، ۵/ ۳۲۰۔

۳۵۱۔ الجزء اللطیف (حاشیہ) ص: ۱۔

۳۵۲۔ دہلوی، رحیم بخش، حیات ولی ص ۲۳۰۔

۳۵۳۔ تحریک احیائے دین اور امام راشد، ص ۲۶، فقہائے ہند، ۵/ ۳۲۶۔

۳۵۴۔ ناز، ڈاکٹر ایم ایس، شاہ ولی اللہ اور علم حدیث (مقبول اکیڈی لاہور، ۱۹۹۳ء) ص ۱۱۳۔

۳۵۵۔ عبدالرشید عراقی، تذکرۃ النبلاء (بیت الحکمت لاہور ۲۰۰۴ء) ص ۴۵۔

۳۵۶۔ قاضی محمد اسلم سیف، تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینہ میں، ص ۲۲۷۔

۳۵۷۔ ایضاً، ص ۲۲۸۔

۳۵۸۔ ایضاً، ص۲۲۸۔

۳۵۹۔ ایضاً، ص۲۲۹۔

۳۶۰۔ ایضاً۔

۳۶۱۔ بہاری، فضل حسین، الحیات بعد المات (مکتبہ شعیب، حدیث منزل کراچی نمبر۱) ص۳۸۔

۳۶۲۔ تحریک اہلحدیث تاریخ کے آئینے میں، ص۲۳۵۔

۳۶۳۔ ایضاً، ص۲۳۶۔

۳۶۴۔ ایضاً، ص۲۳۷۔

۳۶۵۔ مجموعہ تخلصہ، ص۲۴۵۔

۳۶۶۔ ایضاً، ص۲۴۵۔

۳۶۷۔ ایضاً، ص۲۴۶۔

۳۶۸۔ ایضاً، ص۲۴۷۔

۳۶۹۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص۳۱۹۔

۳۷۰۔ ایضاً، ص۳۲۰۔

۳۷۱۔ ایضاً، ص۳۲۱-۳۲۲۔

۳۷۲۔ نواب صدیق حسن خان، ابقاء المنن بالقاء المحن (خودنوشت سوانح حیات)، تسہیل مولانا محمد خالد سیف (دارالدعوۃ السلفیہ، شیش محل روڈ لاہور) ص۷۵۔

۳۷۳۔ ایضاً، ص۳۲۱-۳۲۲۔

۳۷۴۔ ایضاً، ص۳۶۱-۳۶۳۔

۳۷۵۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص۳۲۴۔

۳۷۶۔ نزھۃ الخواطر، ۸/۴۔

۳۷۷۔ ایضاً، ۸/۴۔

۳۷۸۔ ایضاً۔

۳۷۹۔ الفلاح، محمد عبدہ مفتی، تحریک اہلحدیث کے چند اوراق، ۱/۶۰؛ نزھۃ والخواطر، ۸/۴۔

۳۸۰۔ سلفی، عبدالقیوم، تحریک اہلحدیث خدمات کارنامے، ص۱۱۔

۳۸۱۔ نزھۃ الخواطر، ۸/۴۔

۳۸۲۔ ایضاً، ۸/۴۔

۳۸۳۔ علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ، ص۲۰۲۔

۳۸۴۔ ایضاً، ص۲۰۲۔

۳۸۵۔ حافظ محمد ابراہیم سیالکوٹی، تاریخ اہلحدیث، ص۴۱۷۔

۳۸۶۔ تھانیسری، محمد جعفر، حیات احمد شہید (نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۸ء) ص۳۸۳۔

۳۸۷۔ ایضاً، ص۳۸۳۔

۳۸۸۔ بہاری، الحیاۃ بعد المماۃ، ص۵۵۷-۵۶۰۔

۳۸۹۔ سید نذیر حسین محدث، معیار الحق، مقدمہ، عبدالرزاق، مولانا آزاد کی کہانی خود اس کی زبانی، ص۳۶۶۔

۳۹۰۔ نزھۃ الخواطر، ۸/ ۴۹۷۔

۳۹۱۔ علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ، ص۲۰۲۔

۳۹۲۔ سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلوپیڈیا (شاہکار بک فاؤنڈیشن کراچی)، ص۹۰۱۔

۳۹۳۔ مقصود ایاز، شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا (شعاع ادب لاہور)، ص۳۰۶۔

۳۹۴۔ بجنوری، سید احمد رضا، مقدمہ انوار الباری (مکتبہ ناشر العلوم دیوبند، یو-پی بھارت)، ۲/ ۲۳۰۔

۳۹۵۔ ارشد، عبدالرشید، بیس بڑے مسلمان (شاہ عالم مارکیٹ لاہور) ص۱۵۰۔

۳۹۶۔ مقدمہ انوار الباری، ۲/ ۲۳۱؛ شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا، ص۳۰۶۔

۳۹۷۔ انوار الباری، ۲/ ۲۳۱۔

۳۹۸۔ بیس بڑے مسلمان، ص۲۲۵۔

۳۹۹۔ مقدمہ انوار الباری، ۲/ ۲۳۱۔

۴۰۰۔ ایضاً۔

۴۰۱۔ بیس بڑے مسلمان، ص۲۳۵۔

۴۰۲۔ مقدمہ انوار الباری، ۲/ ۲۳۱۔

۴۰۳۔ ایضاً۔

۴۰۴۔ بیس بڑے مسلمان، ص۲۲۰۔

۴۰۵۔ الحیاۃ بعد المماۃ، ص۶۸۸۔

۴۰۶۔ اثری، ارشاد الحق، پاک وہند میں علمائے اہلحدیث کی خدمات حدیث (فیصل آباد، ۱۹۹۰ء) ص۱۱۶۔

۴۰۷۔ ایضاً، ص۱۱۶۔

۴۰۸۔ الفلاح تحریک اہلحدیث کے چند اوراق، ص۶۲۔

۴۰۹۔ مقدمہ انوار الباری، ۲/۲۳۲۔

۴۱۰۔ لکھنوی، نزھۃ الخواطر، ۸/۱۷۹۔

۴۱۱۔ انوار الباری، ۲/۲۳۲۔

۴۱۲۔ تحریک اہلحدیث کے چند اوراق، ص ۶۲۔

۴۱۳۔ نزھۃ الخواطر، ۸/۱۸۰۔

۴۱۴۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص ۲۳۳۔

۴۱۵۔ نوشہروی، ابو یحییٰ امام خاں، تراجم علمائے حدیث سند (جامعہ سلفیہ، فیصل آباد) ص ۳۲۲۔

۴۱۶۔ ایضاً، ص ۳۲۲۔

۴۱۷۔ تذکرۃ النبلاء، ص ۳۳۱۔

۴۱۸۔ ایضاً، ص ۳۳۲۔

۴۱۹۔ ایضاً، ص ۱۳۰-۱۳۱۔

۴۲۰۔ نزھۃ الخواطر، ۸/۲۱۸۔

۴۲۱۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص ۱۳۱۔

۴۲۲۔ ایضاً۔

۴۲۳۔ راہی، اختر، تذکرۃ علماء پنجاب (مکتبہ رحمانیہ لاہور ۱۹۸۰ء)، ۱/۳۸۵۔

۴۲۴۔ عراقی، برصغیر پاک و ہند میں علمائے اہلحدیث کے علمی کارنامے، ص ۳۵-۳۶؛ تحریک اہلحدیث کے چند اوراق، ص ۵۷-۵۹۔

۴۲۵۔ اثری، پاک و ہند میں علماء اہلحدیث کی خدمات حدیث، ص ۱۲۵۔

۴۲۶۔ گھرجاکھی، خالد، سوانح حیات فضل الٰہی (جمعیت المجاہدین پاکستان، گوجرانوالہ ۱۹۳۲ء) ص ۶۱۔

۴۲۷۔ ایضاً، ص ۷۷۔

۴۲۸۔ ایضاً، ص ۷۸-۷۹۔

۴۲۹۔ ایضاً، ص ۷۷-۷۸۔

۴۳۰۔ ایضاً، ص ۷۸۔

۴۳۱۔ عبدالغفار حسن، عظمتِ حدیث (دار العلم آب پارہ، اسلام آباد) ص ۱۲۔

۴۳۲۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص ۷۹۔

۴۳۳۔ تراجم علمائے حدیث ہند، ص ۱۶۰۔

۴۳۴۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص۷۹۔

۴۳۵۔ عظمتِ حدیث، ص۱۲۔

۴۳۶۔ نزھۃ الخواطر، ۸/۲۵۶۔

۴۳۷۔ الحیاۃ بعد المماۃ، ص۶۷۱۔

۴۳۸۔ ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات، ص۴۴۔

۴۳۹۔ عبدالعزیز رحیم آبادی، حسن البیان فیما فی سیرۃ النعمان (اہل حدیث اکادمی، لاہور) ص ل (مقدمہ)۔

۴۴۰۔ نزھۃ الخواطر، ۸/۲۵۶؛ حسن البیان، ص ل (مقدمہ)۔

۴۴۱۔ تذکرۃ النبلاء و تراجم العلماء، ص۲۴۳؛ مقصود ایاز، شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا، ص۵۰۸۔

۴۴۲۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ص۱۱۱۱؛ نزھۃ الخواطر، ۸/۲۸۷؛ ندوی، یادِ رفتگان (دارالاشاعت کراچی) ص۴۰۔

۴۴۳۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص۲۴۳۔

۴۴۴۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ص۱۱۱۱۔

۴۴۵۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص۲۴۴۔۲۴۵۔

۴۴۶۔ تحریک اہلحدیث کے چند اوراق، ص۶۱۔

۴۴۷۔ چشتی، عبدالحلیم، حیات وحید الزمان، ص۱۵۔

۴۴۸۔ ایضاً، ص۱۵۔

۴۴۹۔ ایضاً، ص۱۶۔

۴۵۰۔ ایضاً، ص۲۲۔

۴۵۱۔ ایضاً، ص۲۳۔

۴۵۲۔ ایضاً، ص۴۵۔

۴۵۳۔ ایضاً، ص۴۵۔

۴۵۴۔ پاک و ہند میں علماء اہلحدیث کی علمی خدمات حدیث، ص۹۸-۱۰۰؛ حیات وحید الزمان، ص۱۱۳-۱۶۵۔

۴۵۵۔ حیات وحید الزمان، ص۸۳۔

۴۵۶۔ نزھۃ الخواطر، ۸/۴۶۵۔

۴۵۷۔ سید اصغر حسین، محمود الحسن کے حالات و کمالات (دارالعلوم دیوبند، ادارہ اسلامیات لاہور، ۱۹۷۷ء) ص۱۷۔

۴۵۸۔ رحمان علی، تذکرۃ علماء ہند، ص۴۶۷۔

۴۵۹۔ بیس بڑے مسلمان، ص۲۹۸۔

۴۶۰۔ عزیز الرحمٰن، مفتی، تذکرۃ شیخ الہند (ادارہ مدنی دارالتالیف بجنور) ص ۸۱۔

۴۶۱۔ تذکرۃ علماء ہند، ص ۴۶۷۔

۴۶۲۔ تراجم علماء حدیث ہند، ص ۳۲۳۔

۴۶۳۔ ایضاً، ص ۳۲۳۔

۴۶۴۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص ۳۳۷۔

۴۶۵۔ ایضاً، ص ۳۳۷۔

۴۶۶۔ ایضاً، ص ۳۳۷۔

۴۶۷۔ نزھۃ الخواطر، ۸/۱۳۴۔

۴۶۸۔ میرٹھی، عاشق الٰہی، تذکرۃ الخلیل، (مکتبہ قاسمیہ سیالکوٹ، ۱۹۴۹ء) ص ۲۶۔

۴۶۹۔ نزھۃ الخواطر، ۸/۱۳۵۔

۴۷۰۔ تذکرۃ الخلیل، ص ۳۷۰۔

۴۷۱۔ المرجع السابق، ص ۳۷۰۔

۴۷۲۔ نزھۃ الخواطر، ۸/۸۱؛ مقدمۃ انوار الباری، ۲/ ۲۳۷۔

۴۷۳۔ نزھۃ الخواطر، ۸/۸۱؛ بیس بڑے مسلمان، ص ۳۷۰۔

۴۷۴۔ بیس بڑے مسلمان، ص ۳۹۷۔

۴۷۵۔ مقدمہ انوار الباری، ۲/۲۵۴۔

۴۷۶۔ نزھۃ الخواطر، ۸/۲۴۲؛ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص ۳۳۲۔

۴۷۷۔ نزھۃ الخواطر ص ۸/۲۴۲؛ الحیاۃ بعد المماۃ، ص ۶۹۳۔

۴۷۸۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص ۳۳۳۔

۴۷۹۔ ایضاً، ص ۳۳۳-۳۳۴۔

۴۸۰۔ ایضاً، ۳۳۵۔

۴۸۱۔ نزھۃ الخواطر ص ۸/۲۴۳؛ تراجم علمائے حدیث ہند، ص ۳۲۶؛ تذکرۃ النبلاء، ص ۳۳۴۔

۴۸۲۔ تذکرۃ النبلاء، ص ۳۵۱۔

۴۸۳۔ ایضاً۔

۴۸۴۔ ایضاً۔

۴۸۵۔ ایضاً، ص ۳۵۱-۳۵۲۔

۴۸۶۔ ایضاً،ص۳۵۲-۳۵۳۔

۴۸۷۔ ایضاً،ص۳۵۲۔

۴۸۸۔ تراجم علمائے حدیث ہند،ص۲۶۔

۴۸۹۔ ایضاً۔

۴۹۰۔ ایضاً،ص۱۶۸۔

۴۹۱۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء،ص۲۵۱۔

۴۹۲۔ تراجم علماء حدیث ہند،ص۱۶۹۔

۴۹۳۔ تذکرۃ النبلاء،ص۲۵۲۔

۴۹۴۔ راہی، تذکرہ علمائے پنجاب،ص۲۵۰۔

۴۹۵۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء،ص۲۵۲۔

۴۹۶۔ ایضاً،ص۲۵۲۔۲۵۳۔

۴۹۷۔ پاک و ہند میں اہلحدیث کی خدمات حدیث،ص۱۱۹۔

۴۹۸۔ تذکرۂ علماء پنجاب،۱/۲۵۱۔

۴۹۹۔ ابوالقاسم بنارسی، جمع القرآن والاحادیث (تحقیق پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر، نگہت ہاشمی (مقدمہ تحقیق) (النور انٹرنیشنل بہاولپور، طبع اوّل،۲۰۰۰)ص۴۔

۵۰۰۔ تراجم علمائے اہل حدیث ہند،ص۲۹۲۔

۵۰۱۔ جمع القرآن والاحادیث،ص۵ (مقدمہ تحقیق)۔

۵۰۲۔ بیس بڑے مسلمان،ص۵۴۵۔

۵۰۳۔ ایضاً،ص۵۴۵۔

۵۰۴۔ صدیقی، علم حدیث اور پاکستان میں اس کی خدمت،ص۳۴۱؛ مقدمہ انوار الباری،۲/۲۷۰۔

۵۰۵۔ علم حدیث اور پاکستان میں اس کی خدمت،ص۳۳۱۔

۵۰۶۔ تذکرۃ النبلاء،ص۱۳۸۔

۵۰۷۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء،ص۱۳۸۔

۵۰۸۔ ایضاً،ص۱۳۹۔

۵۰۹۔ ایضاً،ص۱۴۰۔

۵۱۰۔ ماہنامہ صراط مستقیم، برمنگھم (برطانیہ) دسمبر ۱۹۸۷ء،ص ۲۷؛ ابوبکر غزنوی، سید داؤد غزنوی (مکتبہ غزنویہ

لاہور) ص ۲۵۰-۲۷۷۔

۵۱۱۔ تذکرۃ النبلاء، ص ۱۹۰۔

۵۱۲۔ ایضاً، ص ۱۹۱۔

۵۱۳۔ ایضاً، ص ۱۹۳۔

۵۱۴۔ تذکرہ علمائے پنجاب، ۱/۳۴۲-۳۴۳۔

۵۱۵۔ حافظ محمد گوندلوی، درسِ صحیح بخاری مرتب منیر احمد سلفی، ص ۹۔

۵۱۶۔ ایضاً، ص ۱۰۔

۵۱۷۔ ایضاً۔

۵۱۸۔ ایضاً۔

۵۱۹۔ ایضاً۔

۵۲۰۔ ایضاً۔

۵۲۱۔ ایضاً، ص ۱۴۔

۵۲۲۔ ایضاً، ص ۱۴-۱۵۔

۵۲۳۔ ایضاً، ص ۱۵-۱۶۔

۵۲۴۔ ایضاً، ص ۱۷۔

۵۲۵۔ ایضاً، ص ۲۶-۲۷۔

۵۲۶۔ ایضاً، ص ۲۵۔

۵۲۷۔ تذکرۃ النبلاء، ص ۳۶۸۔

۵۲۸۔ انصاری، عبدالعظیم، تذکرہ علمائے بھوجیان، (ناشر، عمر فاروق بھوجیانی قصور ۱۹۸۴ء) ص ۲۲۱-۲۲۔

۵۲۹۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص ۳۶۹۔

۵۳۰۔ ایضاً، ص ۳۷۱۔

۵۳۱۔ ایضاً، ص ۳۷۳۔

۵۳۲۔ ایضاً، ص ۳۷۴۔

۵۳۳۔ ایضاً، ص ۳۷۲۔

۵۳۴۔ ماہنامہ "الحق" (جون ۱۹۹۲ء، جلد ۷، ش ۹) ص ۴۹-۵۱۔

۵۳۵۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص ۳۹۷۔

۵۳۶۔ ایضاً۔

۵۳۷۔ سجاد، محمد یوسف، تذکرہ علمائے اہل حدیث پاکستان، ۲/ ۳۶-۴۸؛ تذکرۃ النبلاء، ص ۳۹۸۔

۵۳۸۔ تذکرہ علمائے اہل حدیث پاکستان، ۲/ ۳۰۱۔

۵۳۹۔ بھٹی، محمد اسحاق، کاروانِ سلف (مکتبہ اسلامیہ، فیصل آباد)، ص ۴۱۲۔

۵۴۰۔ ایضاً، ص ۴۱۳۔

۵۴۱۔ ایضاً، ص ۴۱۶۔

۵۴۲۔ ایضاً، ص ۱۳۵۔

۵۴۳۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص ۳۹۸۔

۵۴۴۔ تذکرہ علماء اہلحدیث پاکستان، ۲/ ۱۶۴۔

۵۴۵۔ ایضاً، ص ۲/ ۱۶۷۔

۵۴۶۔ ایضاً، ۲/ ۱۶۸۔

۵۴۷۔ ایضاً، ۲/ ۲۱۱-۲۱۸۔

۵۴۸۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص ۴۰۰۔

۵۴۹۔ انوار الباری، ۲/ ۱۸۳-۲۳۹۔

۵۵۰۔ تذکرۃ علماء اہلحدیث پاکستان، ۲/ ۲۷۷۔

۵۵۱۔ ایضاً، ۲/ ۲۷۷-۲۷۸۔

۵۵۲۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص ۸۰۔

۵۵۳۔ ایضاً۔

۵۵۴۔ ایضاً، ص ۸۱۔

۵۵۵۔ ایضاً۔

۵۵۶۔ ایضاً، ص ۳۰۳۔

۵۵۷۔ تذکرہ علماء اہلحدیث پاکستان، ۳/ ۲۷۹-۲۸۰۔

۵۵۸۔ ایضاً، ۳/ ۲۸۰۔

۵۵۹۔ ایضاً، ۳/ ۲۸۲۔

۵۶۰۔ تحریک اہلحدیث تاریخ کے آئینے میں، ص ۶۹۹۔

۵۶۱۔ ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات، ص ۱۶۳۔

۵۶۲۔ سلفی، عزیز الرحمٰن، جماعت اہلحدیث کی تدریسی خدمات، ص ۱۱-۱۲۔

۵۶۳۔ تحریک اہلحدیث کے چند اوراق، ص ۴۔

۵۶۴۔ ماہنامہ محدث، لاہور، جلد ۲۳، شمارہ ۲، ص ۱۶۴۔

۵۶۵۔ نزہۃ الخواطر ۱/ ۱۸، جہود مخلصۃ فی خدمۃ السنۃ المطہرۃ، ص ۲۳۔

۵۶۶۔ السمعانی، ابوسعد عبدالکریم، الانساب (دارالجنان، بیروت ۱۹۸۸ء) ۳/ ۳۲۱۔

۵۶۷۔ ایضاً، ۲/ ۵۲۲۔

۵۶۸۔ ایضاً، ۴/ ۴۹۳، رجال السند والہند، ص ۱۵۳۔

۵۶۹۔ مقالات سلیمان، ۲/ ۴۔

۵۷۰۔ رجال السند والہند، ص ۱۷۸؛ مقالات سلیمان، ۲/ ۴۔

۵۷۱۔ جہود مخلصہ، ص ۳۳-۳۴؛ مقالات سلیمان ۲/ ۴۔

۵۷۲۔ جہود مخلصہ، ۳۷۔

۵۷۳۔ ایضاً، ص ۴۰۔

۵۷۴۔ ایضاً، ص ۴۸۔

۵۷۵۔ ایضاً، ص ۵۹-۶۱۔

۵۷۶۔ رفیق، پروفیسر سعید احمد، مسلمانوں کا نظام تعلیم (اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، کراچی، ۱۹۶۲ء) ص ۲۵۵۔

۵۷۷۔ قادری، حقانی، ڈاکٹر، دینی مدارس نصاب و نظام تعلیم اور عصری تقاضے (فضلی سنز، کراچی، ۲۰۰۲ء) ص ۳۴۱۔

۵۷۸۔ صدیقی، پروفیسر بختیار حسین، برصغیر پاک و ہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم (ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۲ء) ص ۱۴۔

۵۷۹۔ ایضاً، ص ۱۷۔

۵۸۰۔ ندوی، ابوالحسنات، ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں (مکتبہ خاور، لاہور، ۱۹۷۹ء) ص ۱۰۵-۱۰۶۔

۵۸۱۔ قاری محمد طیب، تاریخ دارالعلوم دیوبند (دارالاشاعت، کراچی ۱۹۷۲ء) ص ۳۵-۳۶۔

۵۸۲۔ تعارف دارالعلوم جامعہ نعیمیہ، لاہور، ص ۱۲۹۔

۵۸۳۔ نصاب الجامعہ السلفیہ، فیصل آباد۔

۵۸۴۔ ملاحظہ برائے تفصیلات، نصاب برائے ایم اے علوم اسلامیہ، ۱۹۹۵ء تا حال، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور۔

۵۸۵۔ نصاب شعبہ حدیث و سیرت (ماڈرن پراگریسو سنٹر آف ایکسیلینس، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور ۲۰۰۲-۲۰۰۳ء)۔

۵۸۶۔ سلیبس، شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور ۲۰۰۲ تا ۲۰۰۵ء۔

۵۸۷۔ برصغیر پاک و ہند کے قدیم عربی مدارس کا نظامِ تعلیم، ص ۳۷۔
۵۸۸۔ ایضاً، ص ۴۰۔
۵۸۹۔ الحیاۃ بعد المماۃ، ص ۴۳-۴۴، ۵۳؛ عظیم آبادی، محمد شمس الحق، الوجازۃ فی الاجازۃ، ص ۳۶۔
۵۹۰۔ عظیم آبادی، شمس الحق، غایۃ المقصود فی شرح سنن ابی داؤد (حدیث اکادمی، فیصل آباد، ۱۴۱۴ھ) ۱/۷۱۔
۵۹۱۔ مبارکپوری، عبدالرحمٰن، جامع ترمذی مع شرحہ تحفۃ الاحوذی (مکتبہ ضیاء السنہ، فیصل آباد) ۱/۱۔
۵۹۲۔ گوندلوی، حافظ محمد، ارشاد القاری (ادارہ صیانۃ الحدیث والمحدثین، گوجرانوالہ ۱۹۹۵ء) ۱/۵۔
۵۹۳۔ رضی حیدر، خواجہ، محدث سورتی (سورتی اکیڈمی کراچی) ص ۷۹۔
۵۹۴۔ برصغیر پاک و ہند کے قدیم عربی مدارس کا نظامِ تعلیم، ص ۴۰-۴۱۔
۵۹۵۔ درس صحیح بخاری، ص ۲۰۔
۵۹۶۔ برصغیر پاک و ہند کے قدیم عربی مدارس کا نظامِ تعلیم، ص ۴۲۔
۵۹۷۔ ایضاً، ص ۴۲-۴۳۔
۵۹۸۔ ارشاد القاری ۱/۹۔
۵۹۹۔ علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ، ص ۱۹۳-۱۹۴۔
۶۰۰۔ السیالکوتی، محمد بشیر، الشاہ ولی اللہ الدہلوی حیاتہ ودعوتہ (مکتبہ دار العلم، اسلام آباد، ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء) ص ۹۲۔
۶۰۱۔ سید ابوالحسن علی ندوی، بصائر (مجلس نشریات اسلام ناظم آباد، کراچی) ص ۲۴-۲۵۔
۶۰۲۔ الحیاۃ بعد المماۃ، ص ۲۳۰-۲۳۱۔
۶۰۳۔ ایضاً، ص ۲۰۹۔
۶۰۴۔ ایضاً، ص ۱۰۳، ۱۳۷؛ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، تاریخ اہل حدیث (مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۲۰۰۱ء) ص ۴۷۷۔
۶۰۵۔ الحیاۃ بعد المماۃ، ص ۱۱۱۔
۶۰۶۔ ایضاً، ص ۶۶۲-۷۰۴ (مختصر طور پر ۵۰۰ شاگردوں کے نام لکھے ہیں)۔
۶۰۷۔ مسعودی، انظر شاہ، نقش دوام (المکتبہ المعوریہ، کراچی) ص ۱۴۷۔
۶۰۸۔ ایضاً، ص ۱۵۲۔
۶۰۹۔ ایضاً، ص ۱۶۵۔
۶۱۰۔ ایضاً، ص ۱۷۳۔
۶۱۱۔ ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ (خصوصی اشاعت بیادگار شیخ الحدیث محمد زکریا ۱۴۰۳ھ، مضمون: حضرت شیخ الحدیث اور علم حدیث از مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری، ص ۲۳۷-۲۳۸ (تلخیصاً)؛ ڈاکٹر محمد نواز،

شیخ الحدیث، محمد زکریا کی دینی وعلمی خدمات (نعت اکادمی، فیصل آباد ۱۹۹۷ء) ص ۱۰۳؛ محمد عاشق الٰہی بلند شہری، سوانح عمری مولانا محمد زکریا (معہد الخلیل الاسلامی، کراچی ۱۴۱۷ھ) ص ۲۹۸۔

۶۱۲۔ سوانح عمری مولانا محمد زکریا ص ۲۹۴-۲۹۵۔

۶۱۳۔ قدوائی، مولانا عبدالسلام، مولانا حبیدر حسن خان (مطبع معارف، اعظم گڑھ ۱۹۷۵ء) ص ۳۲-۳۳۔

۶۱۴۔ ایضاً، ۳۲-۴۲۔

۶۱۵۔ نزھۃ الخواطر، ۸/ ۱۲۸۔

۶۱۶۔ اصغر حسین، حیات شیخ الہند، ص ۳۵-۳۶۔

۶۱۷۔ قدوائی، مولانا حیدر حسن خان، ص ۲۷۔

۶۱۸۔ محمد اسحاق بھٹی، نقوش، عظمت رفتہ (مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۱۹۹۶ء) ص ۱۳۱۔

۶۱۹۔ ہفت روزہ الاعتصام، لاہور، جنوری ۱۹۸۶ء (اشاعتِ خاص بیاد محدث عصر حافظ محمد گوندلوی، مضمون حضرت الاستاذ حافظ محدث گوندلوی از مولانا محمد ادریس فاروقی) ص ۵۲۔

۶۲۰۔ درس صحیح بخاری، ص ۲۱۔

۶۲۱۔ ایضاً، ص ۲۳۔

۶۲۲۔ مجلّہ "الحق"، مولانا عبدالحق نمبر (اکوڑہ خٹک) ص ۳۳۲۔

۶۲۳۔ ایضاً، ص ۳۳۲۔

۶۲۴۔ فقہائے ہند (تیرھویں صدی ہجری) ۲/ ۱۸۰۔

۶۲۵۔ ابوبکر غزنوی، حضرت مولانا داؤد غزنوی، ص ۱۶۹-۱۷۰۔

۶۲۶۔ ایضاً، ص ۱۷۳-۱۷۴۔

۶۲۷۔ پاک وہند میں علمائے اہل حدیث کی خدمات حدیث، ص ۱۰۔

۶۲۸۔ شاہ ولی اللہ، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (محکمہ اوقاف حکومت پنجاب، لاہور ۱۹۷۱ء) ص ۵۵۔

۶۲۹۔ عبدالحی لکھنوی، مقدمہ عمدۃ الرعایہ ص ۱۲-۱۳ اور عبدالحی لکھنوی، النافع الکبیر ص ۱۲۲-۱۲۳۔

۶۳۰۔ پاک وہند میں علمائے اہل حدیث کی خدمات، ص ۷۰۔

۶۳۱۔ ترمذی، مولانا عبدالشکور، تذکرۃ الظفر سوانح مولانا ظفر احمد عثمانی (مطبوعات علمی، کمالیہ، ۱۹۷۷ء) ص ۲۳۸

۶۳۲۔ ندوی، مولانا ابوالحسن علی، ہندوستانی مسلمان (مجلس نشریات اسلام، کراچی) ص ۱۱۸۔

۶۳۳۔ تراجم علمائے حدیث ہند، ص ۳۳ مقدمہ از سید سلیمان ندوی۔

باب ششم

مکاتب فکر اوران کا نظریہ حدیث

فتنہ انکارِ حدیث کا تاریخی و تحقیقی جائزہ
(برصغیر کے تناظر میں)

تاریخ عالم گواہ ہے کہ اسلام کے سوا کوئی دین بھی اپنی اصلی صورت میں موجود نہیں۔ خواہ آسمانی ادیان ہوں یا مفکرین عالم کے بنائے ہوئے اصول۔ اسلام قیامت تک محفوظ رہے گا۔ قرآن مجید کے تحفظ کی ذمہ داری کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون" (۱) (بے شک ہم نے ہی ذکر اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)۔

قرآن مجید کی تشریح وہی درست ہے جو رسول اللہؐ نے کی ہے۔ یہ ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر ڈالی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وانزلنا الیك الذکر لتبیّن للناس ما نزل الیهم" (۲) (اور ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن مجید) اتارا تا کہ آپ لوگوں کو وضاحت کر دیں اس کی جو ان کی طرف اتارا گیا)۔ قرآن کی طرح قرآن کا بیان یعنی حدیث وسنت بھی محفوظ ہے اس کا اعتراف غیروں کو بھی ہے۔

اس سلسلے میں R.V.C. Bodlay لکھتا ہے: "ہمارے پاس موسیٰؑ، کنفیوشس یا گوتم

بدھ کا کوئی معاصرانہ ریکارڈ نہیں ہے اور عیسیٰؑ کی زندگی کے بس چند اجزاء ہم جانتے ہیں۔ان کی زندگی کے ان تیس (۳۰) برسوں کا جنھوں نے آخری تین برسوں کے لیے راستہ ہموار کیا ہمیں کچھ علم نہیں۔مگر محمد ﷺ کی کہانی انتہائی روشن ہے۔یہاں اسرار اور پر چھائیاں نہیں تاریخ ہے۔ہم محمد ﷺ سے ایسے ہی واقف ہیں جیسے کہ اپنے قریب العہد شخص سے۔ان کا خارجی ریکارڈ، ان کی جوانی، ان کے اعزا، ان کے عادات واطوار نہ کوئی افسانہ ہے نہ سنی سنائی بات اور نہ مشوش واعظ کی دھندلی روایت، ہمارے پاس ابھی انہیں کے یکتا ہم عصروں کا قلم بند کیا ہوا ان کا ایسا ریکارڈ ہے جو اپنے آغاز اور تحفظ دونوں کے لحاظ سے قطعی یکتا ہے اور جس سچائی کے متعلق ایک بھی سنجیدہ شبہ ظاہر کرنا کسی کے لیے ممکن نہیں ہو سکتا۔قرآن کریم کے ساتھ سیرت وحدیث کے ذخیروں کا اس طرح محفوظ رہنا اسلام کا اعجاز اور اس کا ایک لاثانی امتیاز ہے جس میں کوئی مذہب اور کوئی امت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی (۳)۔

اس بارے میں ایک مغربی مؤرخ ایڈورڈ گبن لکھتا ہے: ''محمد ﷺ کے مذہب کی جو چیز واقعی حیرت انگیز ہے وہ اس کی اشاعت نہیں بلکہ اس کا اثبات، اس کی پائیداری اور اس کی شان دوام ہے۔جو صاف اور سادہ نقش آپؐ نے مکہ (مکرمہ) اور مدینہ میں کندہ کیا تھا، بارہ صدیوں کے انقلابات کے بعد آج بھی قرآن کے ہندی، افریقی اور ترکی نو معتقدوں کے پاس اسی طرح محفوظ ہے'' (۴)۔

تاریخی پس منظر

یہ فتنوں کا دور ہے طرح طرح کے فتنے ظہور میں آ رہے ہیں۔گمراہی اور بے دینی کے داعی طرح طرح کی دعوت دینے کے لیے کھڑے ہیں اور نشر واشاعت کے ذریعے اپنے زہریلے اثرات مسلمانوں میں چھوڑ رہے ہیں۔حضور اقدس ﷺ نے اس قسم کے لوگوں کے بارے میں خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا: "دعاة علی ابواب جهنم من اجابهم الیها قذفوه فیها" (دوزخ کے دروازے کی طرف بلانے والے ہوں گے جو شخص ان کی دعوت کو قبول کرے گا اسے دوزخ میں پھینک دیں گے)۔اس حدیث کے راوی حضرت حذیفہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صفهم لنا (ان کا حال ہمیں بیان فرما دیجئے)۔آپؐ نے فرمایا: "هم من جلدتنا ویتكلمون بألسنتنا" (۵) (وہ لوگ ہماری جماعت سے نسبت رکھنے والے ہوں گے اور اسی طرح کی باتیں کریں گے جیسی ہم باتیں کرتے

ہیں)۔ان حقائق کے باوجود جنہیں غیر اقوام کے انصاف پسند اور غیر انصاف پسند دونوں قسم کے سکالرز تسلیم کرتے ہیں منکرین حدیث سادہ لوح مسلمانوں خاص کر اردو دان طبقہ سکول اور کالجز کے نوخیز طلبا کے ایمانوں پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے گمراہ کن لٹریچر کے ذریعے اسلامی تعلیمات سے ناواقف مسلمانوں کے ذہنوں میں شکوک وشبہات کی تخم ریزی کرتے ہیں اور یہ کوئی اتفاقی امر نہیں بلکہ یہ ان یہودی اور نصرانی آقاؤں کی ایک خاص منصوبہ بندی اور سازش ہے۔ جس کو وہ اسلام کے خلاف زمان ومکان کے رنگ وحالات کے مطابق جاری رکھے ہوئے ہیں۔ یہ سارا کچھ ایک سازش کے تحت تکمیل پا رہا ہے کیونکہ ہم لوگ جانتے ہیں۔ابتدائے آفرینش سے حق کے مقابلے میں باطل اور نور کے بالمقابل ظلمت نبرد آزما رہے ہیں۔حضرت آدمؑ نے ابھی خلعتِ خلافت نہیں پہنی تھی کہ ابلیس ملائکہ کی صف سے علیحدہ ہو گیا اور حضرت ابراہیمؑ ابھی پیدا نہ ہوئے تھے کہ اقتدار نمرود کے ہاتھوں میں تھا۔کون نہیں جانتا کہ حضرت موسیٰؑ کے پیدا ہونے سے پہلے تختِ مصر پر فرعون براجمان تھا۔حدیث نبوی نے جس طرح قرآن کریم کے گرد حفاظت کا پہرہ دیا اور عملاً ایک اُمت کی تشکیل کی اور اسے توارث عمل بخشا تو ضروری تھا کہ اس کے بالمقابل پھر ظلمت کی گھٹا اٹھے۔اُمت کو اتحاد کی بجائے انتشار ملے اور قرآن اپنے احکام کے تعین میں ممبران اسمبلی کا دستِ نگر ہو اور عقل کی ہر بدلتی لہر تعلیم نبوت کے کنارے توڑتی رہے۔منکرین حدیث انہی تقاضوں سے اٹھے اور مختلف عنوانوں سے سامنے آئے۔جدید فتنوں میں انکار حدیث کا فتنہ بظاہر تو نیا ہے لیکن حقیقت میں پُرانا۔جس جماعت نے حضرات صحابہ کرامؓ سے کٹ کر اپنا راستہ علیحدہ بنایا اس نے انکار حدیث کی روش اپنائی اور اسے آگے بڑھایا، اپنی گمراہی پر خوش نما لیبل لگایا اور اپنا اچھا نام تجویز کیا۔

انگریزوں نے ۱۸۶۹ء میں ایک کمیشن اس مقصد کے لیے متحدہ ہندوستان بھیجا تا کہ وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی تجاویز مرتب کرے۔اس کمیشن نے یہاں ایک سال میں مسلمانوں کے حالات معلوم کیے اور ۱۸۷۰ء میں وائٹ ہاؤس لندن میں ان نمائندوں کی ایک کانفرنس ہوئی جس میں متعین مشنری پادری بھی خاص طور پر شریک ہوئے جنھوں نے علیحدہ علیحدہ رپورٹیں پیش کیں۔

یہ وہ دوست نما دشمن جو مار آستین بن کر مسلمانوں کے ذہنوں میں زہر قاتل کا انجکشن لگا رہے

ہیں مگر افسوس کی انتہا تو یہی ہے کہ خود مسلمانوں میں سے ایک گروہ (منکرین حدیث) اہل القرآن کا خوش نما لیبل لگا کر یہود و نصاریٰ کی راگنی الاپ رہا ہے اور مختلف اطراف میں انکار حدیث کا زہریلا لٹریچر پھیلا رہا ہے۔ کہیں مفت علاج کے کیمپ کا دلچسپ نام دے کر غریب مسلمانوں کو اس منافقانہ پروپیگنڈے کے ذریعے جمع کر رہے ہیں۔ کہیں "مفت علاج اور مفت دوائی" کے عیارانہ ہتھکنڈے سے ان کے ایمانوں میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور کہیں منافقانہ چالبازوں سے قرآنی ریسرچ کے اسلام نما دفاتر کھول کر سکول اور کالجز کے معصوم بچوں کے ذہنوں میں گمراہ کن عقائد کی تخم ریزی کر رہے ہیں(۶)۔

انکار حدیث کی تحریک کسی دور میں منفی عنوانوں سے نہیں چلی بلکہ اس نے اپنی منفی آواز کے لیے ہمیشہ کسی نہ کسی مثبت عنوان کا سہارا لیا ہے منکرین کبھی:

۱۔ جامعیت قرآن کا نعرہ لے کر اُٹھے کہ قرآن کریم کے ہوتے ہوئے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں (یعنی حدیث کی ضرورت نہیں) کبھی ان لوگوں نے کہا کہ قرآن کے ابدی قوانین ہر زمانے کے نئے تقاضوں کے تحت طے ہونے چاہئیں۔

۲۔ کبھی ان لوگوں نے بعض حدیثوں کے خلاف عقل ہونے کا سہارا لیا اور ان کے ذریعے سارے ذخیرۂ حدیث کو گدلا کرنا چاہا۔ کبھی یہ الزام تراشی کی کہ ہم ان حدیثوں کو کیسے مان لیں جن میں خلاف عقل مضامین ہیں۔ ان لوگوں نے چند متشابہات کے باعث تمام ذخیرۂ احادیث کا انکار کر دیا۔

۳۔ کبھی انہوں نے باطنی تاویلات کی راہ سے احادیث کا انکار کیا اور کہا کہ ہم اہل معرفت خود ہی حدیث کو دیکھ لیتے ہیں۔ تمہارے ذخیرۂ حدیث میں سے ہمیں کسی حدیث کی ضرورت نہیں۔

چودھویں صدی ہجری نے جہاں اور بہت سے گل کھلائے وہیں انگریز نے جھوٹے نبی کھڑے کیے اور فتنہ انکار حدیث بھی نئے انداز میں سامنے آیا۔ اب یہ فتنہ اچھا خاصا معروف ہو چکا ہے اور کچھ لوگ اب منفی عنوان اختیار کرنے سے بھی نہیں چوکتے اور یہ تحریک اب زور پکڑتی جا رہی

ہے۔ چنانچہ ایک منکر حدیث کھل کر کہتا ہے: "یہ سنت ہی تھی جس نے اسلام کے ابتدائی جمہوری مزاج میں بگاڑ پیدا کیا۔ یہ سنت ہی تھی جس نے مسلمانوں کو متعدد فرقوں میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ یہ سنت ہی تھی جس نے بنو امیہ اور بنو عباس کے عہد میں مذہبی لوگوں کو غیر معمولی اہمیت دلوائی اور یہ سنت ہی تھی جس نے دولت عثمانیہ کو ناقابلِ علاج مریضوں کی آماجگاہ بنایا" (۷)۔

فتنہ انکار حدیث کی پیشین گوئی ہمیں آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے ملتی ہے، حضرت مقداد بن معدی کرب کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "یوشك أحدكم ان یكذبنی وهو متكیء علی أریكته یحدث بحدیثی فیقول بیننا وبینكم كتاب الله فما وجدنا فیه من حلالٍ استحللناهُ وما وجدنا فیه من حرامٍ حرمناهُ ألا وإن ما حرم رسول الله ﷺ ما حرم الله" (۸) (عنقریب تم میں سے ایسا آدمی ہوگا جو میری تکذیب کرے گا اور وہ اپنے پلنگ پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھا ہوگا۔ میری طرح باتیں کرے گا اور کہے گا ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب (قرآن) ہی کافی ہے۔ جو اس میں حلال ہم پائیں گے اسے حلال سمجھیں گے اور جو اس میں حرام پائیں گے اسے حرام سمجھیں گے (آپ نے تنبیہ فرمادی) کہ خبردار! جو (چیزیں) اللہ کے رسول نے حرام کی ہیں وہ (بھی حکماً) ایسی ہی ہیں جیسے خود اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہوں (یعنی رسول اللہ کا حکم اللہ ہی کا حکم ہے)۔

اس حدیث میں جہاں اس فتنے کی خبر دی ہے وہاں ایک اشارہ بھی کر دیا کہ انکار حدیث کی آواز پہلے امرا کے اسی قسم کے حلقوں سے اٹھے گی۔ لوگ صوفوں پر بیٹھے کوٹھیوں میں محفلیں لگائے حدیث کا انکار کریں گے اور یہی لوگ ہیں جو منکرین حدیث کی صفیں باندھیں گے۔

انکار حدیث کی آواز انفرادی طور پر امام شافعی کے زمانے میں اٹھی تھی۔ امام شافعی نے ایسے افراد سے مناظرہ بھی کیا تھا لیکن یہ آواز منظم نہ ہو سکی اور یہ فتنہ اس وقت اپنی موت آپ مر گیا۔ ماضی قریب میں انکار حدیث کی آواز مختلف افراد نے بلند کی۔ عالم اسلام خاص طور پر عالم عرب مثلاً مصر وغیرہ میں اس فتنہ کو جگانے کی کوشش کی گئی لیکن یہ سب کوششیں انفرادی تھیں کوئی فرقہ یا کوئی منظم تحریک وجود میں نہ آسکی (۹)۔

دورِ نبوی ﷺ تا عصر حاضر

دورِ نبوی ﷺ میں انکارِ حدیث

انکارِ حدیث کا فتنہ بظاہر تو نیا ہے لیکن حقیقت میں کافی پرانا ہے۔ کیونکہ اس کی ابتدا ایک لحاظ سے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اس وقت ہو چکی تھی جب ذوالخویصرہ نامی شخص نے اللہ کے رسول ﷺ کی بات کا اعتبار نہ کرتے ہوئے اسے رد کر دیا۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا حضرت علیؓ نے جب وہ یمن میں تھے آنحضرت ﷺ کے پاس سونے کا ایک ٹکڑا بھیجا۔ آپ نے وہ سونا اقرع بن حابس حنظلی جو بنی مجاشع میں سے تھا اور عیینہ بن بدر فزاری اور علقمہ بن علاثہ عامری کو جو بنی کلاب میں سے تھا اور زید خیل طائی جو بنی نبہان میں سے تھا (ان چار آدمیوں) میں تقسیم کر دیا۔ یہ دیکھ کر قریش اور انصار کے لوگ غصے ہوئے اور کہنے لگے آنحضرت ﷺ کو کیا ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ نجد کے رئیسوں کو دیتے ہیں مگر ہم کو نہیں دیتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے یہ مال نجد والوں کو دیا ہے، تو ایک مصلحت کے لیے میں ان کا دل بہلاتا ہوں۔ اتنے میں ایک شخص آ پہنچا۔ عبداللہ ذوالخویصرہ جس کی آنکھیں اندر دھنسی ہوئی اور پیشانی اوپر اٹھی ہوئی، داڑھی بہت گھنی، گال پھولے ہوئے اور سر منڈا ہوا تھا کہنے لگا۔ محمدؐ خدا سے ڈرو۔ آپؐ نے فرمایا: اگر میں اللہ کا رسول ہو کر اس کی نافرمانی کروں گا تو پھر اس کی اطاعت کون کرے گا وہ تو زمین والوں پر مجھ کو امین جانتا ہے (جبھی تو اس نے مجھ کو پیغمبر اور اپنا نائب بنا کر بھیجا) اور تم میرا اعتبار نہیں کرتے۔ ایک شخص مسلمانوں میں سے (خالد بن ولیدؓ یا عمر بن خطابؓ) کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ حکم ہو تو اس کی گردن اڑا دیں آپ نے اجازت نہ دی۔ جب وہ پیٹھ موڑ کر چلا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی نسل سے کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے جو قرآن کے صرف لفظ پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق کے نیچے سے نہیں اترے گا۔ یہ لوگ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکاری جانور میں سے پار نکل جاتا ہے (اس میں کچھ لگا نہیں رہتا)۔ یہ کم بخت مسلمانوں کو تو ماریں گے (کہیں گے تم کافر ہو گئے) اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے (ان سے جہاد نہیں کریں گے) اگر میں نے کہیں ان کا زمانہ پایا تو

عاد کی قوم کی طرح ان کو نیست و نابود کردوں گا" (۱۰)۔

یہ وہ پہلا واقعہ جس میں آنحضورﷺ کی حیات مبارکہ میں ہی حدیث کا انکار کیا گیا۔ اس حدیث نبوی سے واضح پتہ چلتا ہے کہ کچھ لوگ بعد میں ایسے پیدا ہوں گے جن کا رجحان انکار حدیث کا ہو گا۔ تاریخ عالم بتاتی ہے کہ رسول اللہﷺ کی نبوت اور اقوال کی مخالفت سب سے پہلے یہود نے کی اور یہ مخالفت انہوں نے محض اسلام دشمنی، بغض و عناد اور قومی تعصب کی بنا پر کی۔ اس سلسلے میں ہر وہ منافقانہ اور دو رنگی چالیں اختیار کی گئیں جن کے ذریعے وہ اسلامی احکام کو زک پہنچا سکتے تھے۔ چنانچہ حدیث رسول اللہﷺ کے انکار کی تحریک بعثت نبویؐ کے ساتھ ہی شروع کی گئی تاکہ لوگوں کو اسلام لانے میں ان کے پیدا کردہ شکوک کی بنا پر رکاوٹیں ہوں۔ چنانچہ وہ اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ انہوں نے اپنی مذہبی کتاب تورات کو تبدیل کر دیا اور اس میں رسول اللہﷺ کی جو علامات اور آمد کی پیشین گوئیاں کی گئی تھیں ان آیات کو سرے سے نکال دیا۔

قرآن کریم اس کا ذکر یوں کرتا ہے: "ثم یحرفونہ من بعد ما عقلوہ وھم یعلمون" (۱۱) (پھر (یہود) نے خوب جان بوجھ کر تورات کے احکام میں رد و بدل کیا (جن آیتوں میں حضور پاکؐ کی نبوت کی نشانیاں بتلائی گئی تھیں)۔

قرآن کریم ان کے معاندانہ تحریف پر ان کو دھتکارتا ہے اور اس کافرانہ حرکت پر ان کو ملامت کرتا ہے۔ لیکن ان تمام تر ہدایات کے باوجود یہود نے ہر وہ حربہ استعمال کیا جس کے ذریعے وہ اسلام کو نقصان پہنچا سکتے تھے۔ چنانچہ ان میں سے بعض نے مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کے متعلق شکوک پیدا کرنے کے لئے بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر انہیں دھوکہ دینے کی کوشش کی۔ اس کے لیے انہوں نے یہ چال چلی کہ دن کے پہلے حصہ میں ایمان لانا ظاہر کیا کرتے اور مسلمانوں کے ساتھ منافقانہ طور پر نمازوں میں بھی شریک ہوتے لیکن شام کے وقت اسلام سے نکل جاتے تاکہ نومسلم اور ضعیف الایمان مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوں۔ اسی طرح بعض یہود نے اسلام کا لبادہ دیر تک اوڑھے رکھا اور خود کو مسلمان ظاہر کرتے رہے۔ لیکن ان کے دلوں میں چونکہ حق و صداقت کی روشنی نہیں تھی اس لیے وہ چھپ چھپ کے منافقانہ چالوں کے ذریعے مسلمانوں کو زک پہنچانے کی فکر میں لگے

رہتے تھے اور چونکہ ان کو اپنی کتابوں کے ذریعے یہ معلوم تھا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ سچے اور حقیقی پیغمبر ہیں چنانچہ کبھی کبھار خود ان کے منہ سے بھی یہ حق بات مسلمانوں کے سامنے نکل جاتی تھی تو پھر یہود تنہائی میں اس بات پر ایک دوسرے کو ملامت کرتے تھے کہ تم کیوں حق بات مسلمانوں کے سامنے بیان کرتے ہو (۱۲)۔

منافقانہ رویہ ایک فتنہ انگیز اور زہریلا ہتھیار ہے جو حق و صداقت کے لیے شرک سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ قرآن حکیم نے ایک طرف تو منافقین کے لیے سزا بھی سخت مقرر کی۔ جیسا کہ ارشاد ہوا: "ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار" (۱۳) (بے شک منافقین جہنم کے سب سے نچلے حصہ میں ہوں گے)۔ تو دوسری طرف مسلمانوں کو یہودیوں سے دور رہنے کی بار بار تلقین بھی کی۔ یہودی ہر وقت اس تاک میں رہتے تھے کہ کسی بھی طریقے سے مسلمانوں کو دوبارہ کفر کی طرف لوٹا دیں (۱۴)۔

ارشاد مبارک ہے۔ "ودّ کثیر من اهل الکتاب لو یردونکم من بعد ایمانکم کفارا حسدا من عند انفسهم من بعد ما تبین لهم الحق" (۱۵) (اہل کتاب میں سے اکثر اپنے دلی حسد اور کینے کے سبب یہی چاہتے ہیں کہ کاش وہ کسی بھی طریقے سے تم (مسلمانوں) کو ایمان لانے کے بعد دوبارہ کافر بنا دیں باوجود اس کے کہ حق بات ان پر ظاہر ہو چکی ہے)۔ چنانچہ اس سلسلے میں یہود نے مسلمانوں کو دین سے پھیرنے کے لیے کوئی چال نہیں چھوڑی۔ یہی وجہ ہے کہ فتنہ ارتداد میں یہودیوں نے بڑا مرکزی کردار ادا کیا۔ چنانچہ مؤرخ ابن الاثیر لکھتے ہیں کہ یہود نے اسلام دشمنی کے لیے پھر اپنا سر اٹھایا اور منافقت کا لبادہ اوڑھ کر عرب قبائل کو اسلام سے کفر کی طرف لوٹانے میں خوب کام کیا (۱۶)۔

سجاح نامی عورت نے جو عیسائی قبیلہ بنو تغلب سے رشتہ رکھتی تھی نبوت کا دعوی کر کے جھوٹی نبوت کے دوسرے دعویدار مسیلمہ الکذاب سے شادی کی اور جب سجاح نے مسیلمۃ الکذاب سے مہر کا مطالبہ کیا تو مسیلمہ نے از راہ تحقیر سجاح کو دو وقتوں کی نماز یعنی صبح اور عشا کی نماز کی معافی کا اعلان کر دیا اور کہا کہ یہ دو نمازیں تمہارا مہر ہے (۱۷)۔ یہ ان منافقین کے معاندانہ حربے تھے جن کے سبب وہ دین میں تذبذب اور تردد پیدا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اس سازش میں لگے ہوئے تھے کہ کسی بھی ممکن

طریقے سے پیغمبر خدا ﷺ کو راہِ حق سے ہٹا کر اپنا پیروکار بنا دیں جو بالکل ایک ناممکن سی بات تھی۔ جیسے قرآن کریم ان کی سازش کو یوں بیان کرتا ہے: "ولن ترضی عنك اليهود ولا النصارٰی حتی تتبع ملتهم قل ان هدی الله هو الهدی" (۱۸)(اے پیغمبر! یہود اور نصاریٰ تو ہرگز آپ سے اس وقت تک خوش نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ خود ان کے دین کی پیروی اختیار نہ کریں آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے)۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ان الدین عند الله الاسلام" (۱۹)۔(اللہ کے ہاں اسلام ہی دین ہے)۔ لیکن یہود کسی صورت میں بھی اسلام کی پیروی کرنا نہیں چاہتے تھے اس لیے مسلمانوں کو صاف حکم ہے کہ یہود و نصاریٰ سے ہرگز دوستی نہ رکھو اور جو کوئی یہود کی چال چلے گا وہ ان کی جماعت میں سے شمار ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "یایها الذین امنوا لا تتخذوا اليهود والنصارٰی اولياء بعضهم اولياء بعض ومن يتولهم منكم فانه منهم ان الله لا يهدی القوم الظلمين" (۲۰)(اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو دوست مت بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا تو وہ بھی ان ہی میں شمار ہوگا، بے شک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا)۔

حضور ﷺ کی رسالت کا سب سے پہلا انکار یہود نے کیا۔ کیونکہ رسالت کا مقصود صرف اقوال رسول ﷺ کو سچا مان کر ان پر ایمان لانا ہے اور جو فرمانِ الٰہی وہ پیش کریں اس پر سچے دل سے یقین کر کے عمل کرنا ہے۔ پس حضور ﷺ کا یہ دعویٰ کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا کلام نازل ہو رہا ہے۔ حدیث رسول کہلاتا ہے۔ اس لیے جو حدیث رسول کا منکر ہے وہ حقیقت میں قرآن و حدیث دونوں کا منکر ہے(۲۱)۔

دورِ صحابہؓ میں انکارِ حدیث اور یہودی سازشیں

حضور نبی اکرم ﷺ کی رحلت کے فوراً بعد یہود و نصاریٰ نے اسلام کے خلاف مختلف قسم کی سازشیں شروع کیں۔ فتنہ ارتداد میں ان دونوں نے بہت بڑا کام کیا۔ حضور ﷺ کی رحلت کے فوراً بعد یہودیت اور نصرانیت نے اسلام دشمنی کے لیے اپنا سر ابھارا اور منافقت کا لبادہ اوڑھ کر عرب قبائل کو

اسلام سے کفر کی طرف پھیرنے میں خوب کام کیا۔ مثلاً ایک قبیلے کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی کہ ''زکوٰۃ کی فرضیت اور ادائیگی کا تعلق حضور کی ذات سے تھا'' اب اس کی ضرورت باقی نہ رہی۔ ختم نبوت کے خلاف مختلف اطراف میں نبوت کے دعوے کرائے گئے۔ عبادات کا مذاق اڑایا گیا جیسے مسیلمہ الکذاب نے اہم ترین عبادت، نمازوں کا مذاق اڑا کر (سجاح کو بعوض مہر معاف کر کے) اللہ تعالیٰ کے اہم ترین حکم کی بے حرمتی کی۔

عین اسی زمانے میں ایک انتہائی خطرناک آدمی یمن کا ایک صنعانی یہودی نمودار ہوا جس کا اصلی نام جمود تھا۔ اس نے منافقانہ طور پر اسلام ظاہر کیا اپنا اسلامی نام عبداللہ ابن سبا رکھا اور مشہور کر دیا کہ اس نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے اس کا خیال تھا کہ اس طرح حضرت عثمانؓ اس کی قدر کریں گے۔ مگر جب حضرت عثمانؓ نے اس کو شہر مدینہ سے باہر نکال دیا تو اس نے حضرت عثمانؓ کی عیب جوئی شروع کر دی۔ چنانچہ یہ وہ پہلا یہودی سازشی ہے جس نے پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ ان کے صحابہ کرامؓ کو بھی عیب جوئی کا نشانہ بنایا۔ مدینہ سے نکل کر اس نے کوفہ، شام اور بصرہ کا دورہ کیا اس نے وہاں موقع پا کر اسلام کے خلاف تحریک چلائی۔ اس کی تحریک کے بنیادی عناصر درج ذیل تھے:

۱۔ صحابہ کرامؓ کے خلاف جھوٹے الزامات لگا کر لوگوں کے سامنے ان کی عدالت اور معیار و وقار کو گرانا۔

۲۔ پیغمبر خدا ﷺ کی طرف جھوٹے بیانات منسوب کرنا۔

۳۔ مفہوم قرآنی کے تعین کے لیے حضورؐ کی تشریحات کی ضرورت نہیں بلکہ اپنی من مانی اور خواہش کے مطابق قرآن پاک کے مطالب بیان کرنا۔

۴۔ ان عقائد کی ترویج کر کے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا اور ان کو آپس میں لڑانا تاکہ اسلامی قوت تہس نہس ہو جائے اور یہودیت کا پھر سے غلبہ ہو جائے (۲۲)۔

آنحضرت ﷺ کی طرف جھوٹے بیانات سب سے پہلے اس یہودی نے منسوب کیے مثلاً یہ کہ آنحضرت ﷺ نے خلافت کا مستحق حضرت علیؓ کو قرار دیا تھا اور وہ تمام صحابہؓ سے افضل تھے وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ حافظ ؒ حضرت شعبی کے حوالے سے ابن سبا منافق کے متعلق یوں رقم طراز ہیں کہ

"اوّل من کذب عبداللہ بن سبا"۔

حضورﷺ پر سب سے پہلے جھوٹ کہنے والا یہ یہودی منافق تھا چنانچہ حضرت علیؓ کے گروہ کے ایک مشہور بزرگ مسیّب بن نجبہ نے کوفہ کی جامع مسجد میں اسے کھڑا کر کے لوگوں کے سامنے اعلان کیا: "یکذب علی اللہ وعلی رسولہ" (۲۳) (یہ منافق یہودی اللہ اور اللہ کے رسولؐ پر جھوٹ باندھتا ہے) ان کی طرف ایسی بیہودہ باتیں منسوب کرتا ہے جو ایک احمق ترین آدمی بھی نہیں کہہ سکتا۔

قرآن کے مطالب بیان کرنے کے لیے اس یہودی نے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کی کہ قرآن کریم خود ایک مکمل کتاب ہے۔ اس کے مطالب اور وضاحت کے لیے حدیث رسول پاکؐ کی کوئی ضرورت نہیں تا کہ قرآن کریم سے حدیثِ رسول پاکؐ کے بیان اور وضاحت کا رشتہ کاٹا جائے اور یوں اسلام کے احکام ہر ایک کے لیے تختہ مشق بنے رہیں۔ حالانکہ قرآن کریم صاف طور پر بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا قرآنی مفہوم وہی ہے جو پیغمبر اسلام بیان کرے کیونکہ جس پر قرآن کریم نازل ہو رہا ہے مفہوم بیان کرنے کا عقلاً حق دار وہی ہوتا ہے اور جو کوئی قرآنی مفہوم کے تعین کے لیے حدیث رسول کا رشتہ کاٹتا ہے، وہ مفسد ہے۔

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: "ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض" (۲۴) (اور وہ کاٹتے ہیں اس چیز کو جس کے ملانے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اور وہ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں)۔ یعنی خدا کا حکم تو یہی ہے کہ قرآنی مفہومات کے بیان کے لیے اقوال رسول کا ربط نہ کاٹا جائے اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں تو درحقیقت وہ زمین میں فساد کا آغاز کرتے ہیں۔

قرآن کریم کی حیثیت تو متن کی ہے جب کہ حدیث رسول کی حیثیت اس کی شرح کی ہے جس کا کھول کر بیان کرنا، صرف پیغمبر کا کام ہے۔ مگر اس مفسد اور یہودی منافق نے بصرہ میں ایک ایسی جماعت تیار کی تھی جو کہا کرتی تھی کہ قرآن کے سوا ہم کسی بات کو نہیں مانتے۔ چنانچہ صاحب کفایہ خطیب بغدادی بیان کرتے ہیں کہ یہ جماعت لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھاتی تھی کہ قرآن کے سوا کسی اور بات کو نہ مانو اور قرآن کا مفہوم وہی ہے جو تمہارا ذہن اخذ کرتا ہے (۲۵)۔ اس سلسلے میں حافظ ابن حجر اپنی کتاب "لسان المیزان" میں فرماتے ہیں: "کان عبداللہ اوّل من اظہر ذلک" (۲۶)

(عبداللہ بن سبا یہودی وہ پہلا شخص ہے جس نے اس تحریک کا آغاز کیا)۔

اس یہودی کو جب مسلمانوں کے درمیان مصالحت کی کوئی صورت نظر آتی تو وہاں اپنی منافقانہ چال کی بدولت دروغ گوئی کے ذریعے اس مصالحت کو برباد کر دیتا۔ گویا یہود و نصاریٰ بغض و عناد کی وجہ سے مسلمانوں کے وجود کو برداشت نہیں کر سکتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ دین اسلام کو نیست و نابود کیا جائے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم مسلمانوں کو یہود کی دوستی اور ان کی پیروی سے سختی کے ساتھ منع کرتا ہے۔

دور تابعین اور فتنۂ انکار حدیث

قوم یہود نے اسلام کی دشمنی اور مخالفت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گویا وہ اسلام کی مخالفت اپنا مذہبی مشن سمجھتے تھے۔ اس لیے حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ وہ مناسب سازشوں کا جال بچھاتے رہے۔ یہاں تک کہ پہلی صدی ہجری کے اواخر میں اعتزال یعنی عقل پرستی رونما ہوئی۔ جس کے بنیادی عوامل میں غلط نظریات کا دخل رہا ہے۔

عہد بنو امیہ میں معتزلہ کی وجہ سے حکمرانوں کی خونریزیوں نے عوام میں انتہائی بے چینی اور مسلمان حکمرانوں کے خلاف بدگمانی پیدا کی کہ اسلام میں مسلمانوں کا خون بہاتے ہیں۔ جن کے تدارک کے لیے طورین تقدیر کی آڑ لے کر یہ جواب دیتے تھے کہ یہ ہم خود نہیں کرتے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ ہم سے کراتا ہے، کیونکہ ہمارا ایمان ہے کہ کوئی کام بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں ہوا کرتا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہود و نصاریٰ کے حواریوں نے بڑے پیانے پر پروپیگنڈہ کر کے یہ بھی مشہور کر دیا کہ دنیا میں اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ ورنہ اس کی تعلیمات میں حقیقی خوبیاں، اخلاقی جاذبیت اور اتنی قوت نہیں جو حیات انسانی کے مختلف گوشوں کے لیے کافی ہوں وغیرہ وغیرہ۔ ان عوامل نے ایک نیا فرقہ جنم دیا جس کے خیال کے مطابق جو احکام عقلی گرفت میں نہ آ سکتے ہوں ان کا انکار کر دیا جائے اس فرقہ کا نام معتزلہ ہے(۲۷)۔

اس فرقے کے متعلق مولانا بدر عالم لکھتے ہیں: "اس فرقے نے اپنے فاسد مزاج کے سبب حشر و نشر، رویت باری تعالیٰ، صراط، میزان، وزن، اعمال، جنت و دوزخ جیسے بنیادی عقائد کے وجود

سے انکار کر دیا جن کا مفہوم ان کے متعین کردہ عقلی میزان میں پوری طرح نہیں آسکتا تھا ان کے مسائل کے متعلق قرآنی آیات کی خود ساختہ تاویلیں کیں اور خبر واحد جیسی احادیث کا انکار کیا" (۲۸)۔

حافظ ابن حزمؒ (م ۴۵۶ھ) فرماتے ہیں: "اہل سنت، خوارج، شیعہ، قدریہ تمام فرقے آنحضرت ﷺ کی ان احادیث کو جو ثقہ راویوں سے منقول ہوں برابر قابل حجت سمجھتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ پہلی صدی کے بعد متکلمین معتزلہ آئے اور انہوں نے اس اجماع کے خلاف کیا" (۲۹)۔

معتزلہ کا یہ فتنہ ایک علمی فتنہ تھا۔ اس لیے انکار حدیث میں انہیں بہت کچھ پس و پیش کرنا پڑا یہاں تک کہ ایک جماعت نے تصریح کی کہ خبر واحد اگر عزیز ہو جائے تو چونکہ وہ مفید یقین بن جاتی ہے اس لیے وہ حجت ہو جائے گی۔ تحریک اعتزال کا بانی واصل بن عطا تھا جو پہلی صدی ہجری کے آخر میں ابھرا اور عقل کے ہتھیاروں کی تیزی میں بہت سے ذخیرہ احادیث کو کچلتے ہوئے آگے نکل گیا۔ دوسری صدی میں امام شافعیؒ نے سب سے پہلے فتنہ انکار حدیث کا رد کیا (۳۰)۔

معتزلہ کے علاوہ نیچریوں نے بھی انکار حدیث کیا۔ لیکن ان کا انکار علمی شبہات کی اوٹ میں پروان چڑھا۔ اس تحریک کے بانی سر سید احمد خان تھے اور ان کے شاگرد نواب اعظم یار جنگ، مولوی چراغ علی (م ۱۸۹۵ء) جیسے لوگ ایک فکری حلقہ بنا چکے تھے۔ تیرھویں صدی کے آخر میں یہ معتزلہ کی نشاۃ جدیدہ تھی۔ انکار حدیث کا عنوان انہوں نے بھی اختیار نہ کیا تھا پھر یہ بھی یاد رہے کہ مسلمانوں نے اگر سر سید کا ساتھ دیا تو وہ ان کی تعلیمی پالیسی کی وجہ سے تھا۔ مذہبی پہلو سے وہ ان کے ساتھ نہ تھے۔

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری ایک مقام پر لکھتے ہیں "پہلی تحریک علی گڑھ سے اٹھی جس کے محرک سر سید احمد خاں تھے یہ تحریک انگریزی تعلیم کی ترقی کے لیے تھی۔ اس لیے مسلمان اس کے حامی ہو گئے مگر سر سید مرحوم نے مسلمانوں کے عقائد میں دخل دینا شروع کیا تو بگاڑ شروع ہو گیا (۳۱)۔

سر سید اور ان کے حلقہ فکر میں اسلام کس قسم کی نشو و نما پا رہا تھا اس کا جواب مولوی چراغ علی کی اس صاف گوئی سے ملتا ہے: "مردم شماری ہوئی تو انہوں (سر سید) نے مذہب کے خانہ میں اپنی بیوی کے نام کے سامنے شیعہ لکھ دیا اپنے اور اپنے بیٹوں کے نام کے مقابل صفر صفر لکھ دیئے" (۳۲)۔ نیچریوں کے علاوہ شیعہ اور قادیانیوں نے بھی انکار حدیث کیا۔ شیعہ حضرات اہل سنت کے سامنے جب بھی ان

حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں جو اہل سنت والجماعت کے ہاں متداول ہیں یا صحاح ستہ میں مجھی جاتی ہیں تو وہ انہیں الزامی طور پر پیش کر رہے ہوتے ہیں وہ اس بات کے مدعی ہوتے ہیں کہ یہ روایات اہل سنت کے ہاں معتبر ہیں لیکن جہاں تک ان کے اپنے عقیدے کا تعلق ہے وہ نہ ان کتابوں کو معتبر سمجھتے ہیں نہ ان کے مؤلفین سے انہیں کوئی عقیدت ہے۔ نہ وہ انہیں اپنے ہاں مومن تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے ہاں تو حدیث کی اپنی کتابیں وہ ہیں جو اصول اربعہ کے نام سے معروف ہیں۔ سو شیعہ حضرات کا صحاح ستہ کی احادیث سے انکار دراصل ان کتابوں سے انکار ہے، حدیث رسول ﷺ سے اصولی انکار نہیں۔ ارشاد رسالت کے حجت ہونے کے وہ بہر حال قائل ہیں۔ پھر شیعہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ ان کا امام معصوم ہر دور میں موجود رہا ہے اور یہ صرف امام کی بات ہے جو ان کے ہاں حدیث کا درجہ رکھتی ہے سو اس کی حدیث کے ہوتے ہوئے انہیں جناب رسالت مآبؐ کی احادیث کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی۔

قادیانی لوگ علمی مباحث میں جب بھی حدیث سے استدلال کرتے ہیں تو ان کی بھی کوشش بر سبیل الزام ہوتی ہے خود وہ حدیث کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ وہ یہ انداز محض اس لیے اختیار کرتے ہیں کہ مسلمان حدیث نبویؐ کے قائل ہوتے ہیں وہ اسے اپنے لیے نا قابل اعتماد سمجھتے ہیں اور علم و عمل کی سند جانتے ہیں۔ ورنہ جہاں تک قادیانیوں کا اپنا تعلق ہے وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی پوری امت کے لیے حکم بن کر آیا ہے اور اب حدیث وہی قابل قبول ہے جسے وہ صحیح قرار دے اور وہ حدیث ضعیف ہے جسے وہ نا قابل قبول ٹھہرائے (۳۴)۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ معتزلہ، شیعہ اور قادیانیوں کے اختلافات عام مسلمانوں سے کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں آنحضرتؐ کی ذات گرامی کے حجت اور سند ہونے پر یہ پھر بھی متفق ہیں۔

قادیانی تو ویسے ہی پاکستان میں غیر مسلم اقلیت ہیں۔ شیعہ کے عوام پر گو غیر مسلم ہونے کا فتوی نہیں تاہم یہ ضرور ہے کہ اثنا عشری شیعہ علماء اسلامی صفوں میں کچھ وزن نہیں رکھتے۔ رہے معتزلہ تو ان کا اعتزال اس دور میں مستقل نہیں رہا، شیعیت اور نیچریت میں جذب ہو چکا ہے۔ مستشرقین نے بھی اس پہلو سے صف اسلام میں بہت انتشار پیدا کیا ہے حدیث سے اعتماد اٹھانے میں شک کے کانٹے دور تک بکھیرے۔ گولڈ زیہر اور شاخت نے اس معرکے میں اپنی عمریں صرف کر ڈالیں اور عرب ممالک میں

حدیث کے خلاف ہر طرف تشکیک کی راہیں کھول دیں۔ الحمد للہ کہ ان ممالک میں جامعۃ الازھر اور سعودی عرب کے بعض علماء نے اس محاذ پر کام کیا ہے اور اس فتنے کا پوری طرح سدِّ باب کیا ہے (۳۴)۔

دورِ جدید اور فتنہ انکارِ حدیث

دورِ جدید کا فتنہ انکار حدیث علمی نہیں بلکہ یہ پھر اس یہودی اور عیسائی سازش کا حصہ ہے جو عناد اور اسلام دشمنی پر مبنی ہے جس کو عیسائی سازش کے تحت یورپ کے مستشرقین نے ہندو پاک کے اسلام نما شاگردوں کے ذریعے شروع کیا۔ بعض کو نبوت کے دعوے کے لیے تیار کر دیا اور بعض کو حدیث رسول ﷺ کے انکار کے لیے تیار کیا۔ چنانچہ ان مفسدین نے حفاظت حدیث کے متعلق لوگوں کے ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس ضمن میں انہوں نے حفاظ حدیث کی کثرت تعداد پر حیرت و تعجب کا اظہار کر کے اس کو خلاف فطرت قرار دیا۔ دوسرے قدم میں انہوں نے حدیث کی تاریخیت پر حملہ کر دیا اور جان بوجھ کر صحابہ کرام اور صالحین امت پر یہ بہتان لگایا کہ ان کے زمانے میں حدیث کا وجود نہیں تھا (۳۵)۔

انگریزی دورِ حکومت نے ایسا ہی نظام ہندو پاک میں رائج کیا، جس کے سبب دین اسلام کی مخالفت کے لیے ایک اسلام نما مگر یورپی ذہن رکھنے والا گروہ وجود میں آیا۔ جس کا کام دین سے فرار اور اعمال رسولؐ سے گریز کرنا تھا۔ چنانچہ خود ڈبلیو ہنٹر اس نظام تعلیم کا مقصد بتاتے ہوئے کہتا تھا: ”ہمارے اینگلو انڈین سکولوں سے کوئی مسلمان ایسا نہیں نکلتا جو اپنے آباؤ اجداد کے مذہب سے انکار نہ جانتا ہو“ (۳۶)۔ اس سلسلے میں لارڈ میکالے کا بیان ہے ”نظام تعلیم کے ذریعے ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیئے جو ہمارے اور رعایا کے درمیان ترجمان کا کام کرے اور وہ ایک ایسی جماعت ہو، خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق، رائے اور الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو (۳۷)۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے انگریز مکار نے اسلام نما دشمنوں کا انتخاب کیا جو اسلام کا ظاہری لیبل لگائے منافقانہ اور عیارانہ طریقوں سے اسلام کے بارے میں بدگمانی پھیلاتے رہے۔ ان لوگوں میں سے انگریزوں کو ایک سرکردہ لیڈر سر سیّد احمد خان ملا جس نے حدیث رسول کا انکار کر کے قرآنی تعلیمات کے خلاف عیسائی اور انگریزی سازشوں کی تائید کی (۳۸)۔ لیکن سر سیّد صاحب انگریز حکمرانوں کو خوش

کرنے کے لیے ان تمام تاریخی حقائق کا انکار کر کے دعویٰ کرتا ہے کہ بائبل تو بالکل محفوظ ہے۔ البتہ خود نبی کریم ﷺ کا حدیثی سرمایہ اس کے نزدیک غیر محفوظ اور نا قابلِ اسناد ہے۔

بقول علامہ اقبال:

جسے کساد سمجھتے ہیں تاجران فرنگ
وہ شے متاع ہنر کے سوا کچھ اور نہیں

محبان رسول صحابہ کرامؓ اقوالِ محبوب ربانی کو سرمایۂ ایمان سمجھتے تھے اور ان کی زبان سے نکلے ہر حرف کو دل و دماغ میں پیوست کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے اعمال میں بغیر کسی کم و کاست کے ظاہر کرتے تھے۔ ایسے عشاق رسولؐ جن کو حضورؐ کی طرف سے احادیث کو محفوظ کرنے کی خوشخبری ملی تھی:

"نضر اللّٰه امرءآ سمع مقالتی فوعاها و حفظها و بلغها "(۳۹)[اللہ تعالیٰ اس آدمی کو تروتازہ رکھے جس نے میرا قول سنا تو اسے یاد کیا اور اچھی طرح محفوظ کیا اور (پھر دوسروں تک ایسا ہی) پہنچایا]۔

دوسری طرف خطرناک قسم کے عذاب کا ڈر بھی سنایا کہ "من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعده من النار "(۴۰)(جس کسی نے میری طرف قصداً جھوٹ منسوب کیا اس نے دوزخ میں اپنا ٹھکانہ بنا لیا)۔ اس طرح ہر بات کی حضورؐ نے پہلے سے یہ پیشین گوئی کر دی تھی۔ سر سید احمد خان نے انگریز حاکم کو خوش کرنے کے لیے مسلمانوں کے دل و دماغ میں اسلامی احکامات کے متعلق شکوک و شبہات کا دروازہ کھولا۔ پیغمبر اسلام کی تشریحات کی پرواہ کیے بغیر قرآن کریم کی من مانی تشریحات کیں اور یوں مسند پیغمبر پر قبضہ کر کے خداوند عالم کی کتاب کو اپنی رکیک تاویلات کا نشانہ بنایا(۴۱)۔ بڑی آسانی کے ساتھ ان اقوال سے سرسید کی اسلام دشمنی کا پتہ چلتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ عبداللّٰہ ابن سبا یہودی نے اسلام کے خلاف جس سازش کا آغاز کیا تھا وہ بھی قرآنی آیات کی من مانی تشریحات اور حدیث رسول پاک کے انکار پر مبنی سازش تھی۔ پس سرسید کی سازش کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ یہ ابن سبا یہودی کی تحریک کا پرتو ہے(۴۲)۔

سرسید کے پیروکاروں میں سے بعض نے ختم نبوت کا انکار کر کے اپنی خودساختہ نبوت کا اعلان

کیا جن میں سے غلام احمد قادیانی نے انگریز آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے جھوٹی نبوت کا دعوی کیا۔ جبکہ بعض نے اپنا نام اہل قرآن رکھ کر اسلام کے حلیہ کو بگاڑنا شروع کر دیا۔ چنانچہ غلام احمد قادیانی نے قرآنی آیات کے مفہومات کو اپنی من مانی تاویلات کے ذریعہ بگاڑنے کی خوب کوشش کی۔ سر سیّد احمد خان کا ایک سرگرم پیروکار عبداللہ چکڑالوی جس کا اصل نام غلام نبی تھا۔ حدیث سے نفرت کی بنا پر اپنا نام عبداللہ بن سبا کی طرح عبداللہ رکھا۔ اس نے کھلم کھلا حدیث کا انکار کر کے (اپنا نام) اہل قرآن رکھا۔ اور مسلمانوں کو دین اسلام سے منحرف کرنے لگا۔ اس نے تمام ذخیرۂ احادیث اور اقوال رسول اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ شیطانی خیال کیا۔

عبداللہ چکڑالوی کے بعد اس کا بڑا سرگرم رکن احمد الدین امرتسری نے تمام اسلامی عبادات کو بیک جنبش قلم مٹا دیا (۴۳)۔

منکرین حدیث کے گروہ کا ایک سرگرم رکن نیاز فتح پوری قرآن کریم کے متعلق لکھتا ہے۔ ''کلام مجید کو میں نہ کلام خداوندی سمجھتا ہوں نہ الہام ربانی بلکہ اسے ایک انسان کا کلام جانتا ہوں اور اس مسئلہ پر میں اس سے قبل کئی بار گفتگو کر چکا ہوں'' (۴۴)۔ اس نے قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کے انکار کے ساتھ سرے سے وحی کا بھی انکار کر دیا ہے۔ یہ ہیں قرآن مجید کے متعلق اصل عقائد اور خیالات جو عبداللہ چکڑالوی سے بھی بہت آگے اس کے شاگرد نیاز فتح پوری نے ظاہر کیے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ''اہل قرآن'' اپنے یہودیانہ سازشوں میں ابلیس سے بھی اونچا مقام حاصل کر چکے ہیں۔ اقوام عالم میں کوئی بھی قوم ایسی نہیں گزری ہے جس نے وحی کا انکار کیا ہو مگر بغض وعناد میں دشمن جب حسد کی انتہا تک پہنچ جاتا ہے تو پھر وہ سب کچھ کر گزرتا ہے (۴۵)۔

منکرین حدیث میں ایک اسلم جیراج پوری ہے اس نے بھی اپنے زہریلے پروپیگنڈے کے ذریعے اقوال رسول کا انکار کیا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ ''احادیث کا ذخیرہ پیغمبر کے منہ سے نکلا ہی نہیں آپ نے صرف قرآن کی تبلیغ کی ہے'' (۴۶)۔ بعد ازاں ایسا شخص آیا جس نے قرآن کریم کے نام سے اسلام دشمنی کی تمام حدود کو پامال کر کے ضلالت گمراہی کی حد کر دی۔ وہ غلام احمد پرویز بٹالوی ہے جو ایک طرف خدا اور رسول کے وجود سے انکار کرتا ہے اور دوسری طرف خود اپنے آپ کو اہل قرآن کہتا ہے

۔وہ لکھتا ہے: ”قرآن حکیم میں جہاں اللہ اور رسول کا ذکر آیا ہے اس سے مراد مرکز نظام حکومت ہے۔ اس لیے قرآن کریم میں مرکز ملت کو اللہ اور اس کے رسول سے تعبیر کر لیا گیا“ (۴۷)۔

پرویز کے بیانات تو اس سلسلے میں واضح ہیں کہ انسان خدا بھی ہے اور انسان بھی، جنت بھی، جہنم بھی نیز فرشتے بھی انسان کی نفسانی محرکات کا نام ہیں۔ ایک عقل مند اور ذی ہوش انسان کی سمجھ سے تو یہ بات بالکل بالاتر ہے کہ انسان خالق بھی ہو اور مخلوق بھی جنت بھی ہو اور دوزخ بھی یہ ہیں وہ احمقانہ خیالات جن کو منکرین حدیث بڑی دھوم دھام سے پیش کرتے ہیں اور ان کو قرآن کریم کی تعلیم بھی بتاتے ہیں۔

یہ چند مختصر بیانات منکرین حدیث کے ہیں جو درحقیقت منکرین قرآن ہیں تا کہ یہ پتہ چلے کہ منکرین حدیث دراصل قرآن کے تمام حلیہ کو بگاڑنے کے درپے ہیں اور جو نظریات وہ پیش کرتے ہیں، اسلام کو مٹانے کی وہی یہودیانہ سازشیں ہیں جن کو عبداللہ بن سبا اور ان کے پیروکاروں نے شروع کی تھیں (۴۸)۔

منکرین حدیث کے مختلف گروہ

احادیث نبویہ میں مختلف قسم کے منکرین حدیث کی خبر دی گئی ہے کہ وہ مختلف صورتوں اور مختلف اندازوں سے احادیث رسول کا اعتبار ختم کرنے کی ناکام سعی کریں گے۔ ان کی تین بڑی قسمیں درج ذیل ہیں:

الف: وضاعین حدیث

ایک طبقہ کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ وضاعین حدیث کی صورت میں نمایاں ہوگا جو وضع حدیث کے پیرایہ میں حدیث کو بے اعتبار کر کے گویا اس سے انکار کی دعوت دے گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: آخر زمانہ میں ایسے جھوٹے اور جعلساز پیدا ہوں گے جو تمھارے سامنے ایسی حدیثیں (گھڑ کر) بیان کریں گے جو نہ کبھی تم نے سنی ہوں گی اور نہ تمھارے آباؤ اجداد نے۔ ان سے بچتے رہنا کہیں تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور مبتلائے

فتنہ وفساد نہ کردیں(۴۹)۔

علامہ ابن الصلاح فرماتے ہیں:"والواضعون للحدیث اصناف، واعظمھم ضررا قوم من المنسوبین الی الزھد وضعوا الاحادیث احتسابا فیما زعموا فتقبل الناس موضوعاتھم ثقہ منھم بھم، ورکونا الیھم، ثم نھضت جھابذۃ الحدیث لکشف عوارھا ومحوعارھا والحمد للہ "(۵۰)(حدیث گھڑنے والوں کی (کئی) قسمیں ہیں۔ان میں سب سے زیادہ ضرر رساں وہ لوگ ہیں جو زہد کی طرف منسوب ہیں انہوں نے اپنے خیال میں احتساب (ڈرانے) حدیثیں گھڑ لیں اور سمجھتے یہ رہے کہ اس میں ثواب ملے گا۔لوگوں نے ان کی ظاہری حالت پر اعتماد کر کے ان سے عقیدت رکھتے ہوئے ان کی موضوع روایت کو قبول کر لیا۔پھر فن حدیث کے اعلیٰ ماہرین اٹھے تا کہ اس کمزوری کا پردہ چاک کر دیں اور اس کی خرابی کو مٹا دیں اور اصل تعریف تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات کے لیے ہے)۔

پس یہ لوگوں کی اطلاع تھی جنہوں نے حدیث اور بیان قرآن کو معتبر کہہ کر بلکہ اس سے عقیدت کا اظہار کر کے عیاری اور سادگی سے جعلی حدیثیں گھڑیں اور اصلی احادیث خلط ملط کر کے شائع کیں تا کہ اصل احادیث کا اعتبار اٹھ جائے گویا اقرار کے پیرایہ میں انکار حدیث کیا۔

ب: منکرین حدیث

ایسے لوگوں کے وجود کی بھی رسول اللہ ﷺ نے خبر دی جو کھلے بندوں حدیث کا انکار کر کے اسے بے اعتبار بنانا اور مٹانا چاہیں گے چنانچہ مقداد بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:"خبردار ہو! مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے اور اس کا مثل اور بھی دیا گیا ہے (یعنی حدیث) آگاہ رہو کہ ایک پیٹ بھرا تو نگر قسم کا آدمی مسند و تکیہ پر بیٹھ کر کہے گا۔لوگو! بس قرآن کو مضبوط تھامو جو اس میں حلال ہے اسے حلال سمجھو اور جو اس میں حرام ہے اسے حرام سمجھو (حدیث کا کوئی اعتبار نہیں) حالانکہ (حدیث میں) رسول اللہ نے بہت سی چیزوں کو حرام کیا ہے۔جیسے اللہ نے حرام فرمایا ہے، دیکھو پالتو گدھے کا گوشت تمھارے لیے حلال نہیں، کاٹنے والے درندے تمھارے لیے حلال

نہیں۔ کسی معاہد کی گری پڑی چیز تمھارے لیے حلال نہیں۔ اِلّا یہ کہ تمھاری اطلاع کے بعد وہ خود ہی اس سے دست بردار ہو جائے" (۵۱)۔

اس حدیث نے فتنہ انکار حدیث کا منشا بھی بتلا دیا ہے کہ وہ منکروں کی شکم سیری اور پیٹ بھرے ہوئے کا کرشمہ ہوگا۔ دنیا کی طرف سے بے فکری ہوگی تو دین پر ہاتھ صاف کرنے کی سوجھے گی۔ ارشاد ربانی ہے: کلّا ان الانسان لیطغی ان رآہ استغنی (۵۲)۔ (ہرگز نہیں آدمی سرکش ہو جاتا ہے جب کہ اپنے آپ کو مال اور دولت کے اعتبار سے غنی دیکھتا ہے)۔

پس غور کیا جائے تو وضاعین حدیث روافض کے نقش قدم پر ہیں جنہوں نے قرآن کا نام لے کر احادیث کو بے اعتبار ٹھہرایا۔

ج: محرفین حدیث

یہ تو وہ طبقات تھے جنہوں نے برملا انکار حدیث یا تحریف الفاظ حدیث کا فتنہ امت میں پھیلایا ایسے طبقوں کی خبر بھی دی گئی ہے جو الفاظ حدیث کو مان کر اس کی معنویت میں تحریف کے مرتکب ہونے والے تھے۔ چنانچہ احادیث میں ان تحریف معنوی کرنے والوں کی اطلاع بھی موجود ہے جو قرآن و حدیث کو ثابت مان کر بھی پھر اس سے آزاد بلکہ اپنی عقل کو حکمران سمجھیں گے اور معانی قرآن و حدیث میں عقل محض اور رائے مجرد سے معنوی تحریف کر کے ان کا نقشہ بدل دینے کی کوشش کریں گے جس سے امت میں مستقل گروہ بندی کی خو پیدا ہو جائے گی، فرمایا گیا یہود اکہتر فرقوں میں بٹ گئے اور نصاریٰ بہتر فرقوں میں بٹ گئے، میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، سوائے ایک فرقے کے سب جہنمی ہوں گے (۵۳)۔

یہ گروہ بندی قرآن و حدیث کے انکار کے نام پر نہیں بلکہ اقرار کے نام پر ہوئی اور امت میں اصولاً تہتر فرقے بن گئے، یہ وہی معنوی تحریف ہے جو یہود و نصاریٰ کا وطیرہ تھا اور رفتہ رفتہ توراۃ و انجیل کا اصل علم گم ہو گیا۔

"یحرفون الکلم عن مواضعہ ونسوا حظا مما ذکروا بہ" (۵۴)

(کلمات (دین) کو اپنی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں اور نصیحتوں سے جو یاد کرایا گیا تھا اسے بھلا بیٹھے ہیں)۔

فتنہ انکار حدیث کے اسباب

قطع و برید نصوص

حدیث کے انکار کا ایک سبب یہ ہے کہ منکرین حدیث جن ماخذ پر انحصار کرتے ہیں وہ لوگ قرآن یا حدیث کا صرف ایک مخصوص حصہ کاٹ کر الگ کر کے لکھتے ہیں۔ جس سے انکے مخصوص ذہن کی ترجمانی ہو جاتی ہے۔ مگر حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ جس کے نتیجے میں انکار حدیث کے جراثیم نشو ونما پاتے ہیں۔ مثلاً کتابت حدیث کے متعلق دلیل میں حدیث پیش کرتے ہیں ''لا تکتبوا عنی غیر القرآن ''(مجھ سے قرآن کے علاوہ اور کچھ نہ لکھو) صرف اتنے ہی ٹکڑے پر اکتفا کرتے ہیں اگر پوری حدیث لکھ کر اس کا ترجمہ کریں تو کتابت حدیث کی ممانعت اس حدیث سے ہرگز ثابت نہیں ہوتی (۵۵)۔

سطحی تعلیم اور ناقص مطالعہ

اکثر منکرین حدیث کی رسائی اصل ماخذ تک نہیں ہوتی کیونکہ اصل ماخذ تو عربی میں ہیں اور پھر عربی بھی قدیم، اس کا مطالعہ اور مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ لوگ اپنے آپ کو مشقت میں ڈالے بغیر تحقیق بھی کرنا چاہتے ہیں یوں ان کا مطالعہ مکمل نہیں ہو پاتا۔ یہ ناقص مطالعہ ''نیم حکیم خطرہ جان......'' کے مصداق نیم مطالعہ خطرہ ایمان کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ انہوں نے ناقص مطالعہ کی بنا پر جو نظریات قائم کیے ان کے لیے تو گھاٹے کا سودا تھا ہی ساتھ ہی ان کے لیے بھی باعث نقصان ثابت ہوئے جنہوں نے بعد میں ان کا مسلک اپنایا۔ ناقص مطالعہ کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان لوگوں نے حدیث کا مطالعہ باقاعدہ کسی عالم دین اور مستند ادارے سے نہیں کیا اس لیے بھی ان میں وہ علمی گہرائی اور دقت نظر پیدا نہ ہو سکی۔ یوں انکار حدیث کی راہ پر چل نکلنے (۵۶)۔

اصول حدیث سے بے خبری

چونکہ ان لوگوں نے اسلام کا مطالعہ سطحی کیا ہوتا ہے اس لیے وہ اسلامی علوم کے اصولوں سے

بے خبر ہوتے ہیں۔ ان کو اقسام حدیث کا بھی صحیح علم نہیں ہوتا۔ بعض اوقات موضوع احادیث کو ہی اساس بنا کر چل پڑتے ہیں جس سے احادیث کی قانونی اور فقہی حیثیت مشکوک ٹھہرتی ہے۔ نیز وہ اس بات سے بھی قطعاً ناواقف ہوتے ہیں کہ کسی خاص حدیث سے جو حکم ثابت ہوتا ہے وہ فرض ہے سنت ہے جائز ہے یا صرف مباح ہے(۵۷)۔

ذہنی مرعوبیت

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مفتوح قوم فاتح قوم سے گفتگو کے میدان میں بھی مار کھا جاتی ہے اور آخر کار ذہنی شکست خوردگی کا شکار ہو جاتی ہے اور غالب و فاتح قوم کے نظریات و افکار کو عین عقل اور الہامی تسلیم کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ منکرین حدیث بھی ذہنی اور فکری میدان میں یورپ سے مرعوب ہیں اس لیے ان لوگوں نے یورپ سے درآمد شدہ اسلام کو ہی عین اسلام سمجھا اور اس اسلام کے آڑے صرف اور صرف حدیث آتی تھی اس لیے اس کا انکار کر کے شکوک و شبہات کی فضا قائم کر لیتے ہیں(۵۸)۔

نفسانی خواہشات

آج تہذیب و تمدن کی ترقی کے نام پر جو نفسانی خواہشات کی پراگندگی پھیل رہی ہے۔ انسانیت کی اعلیٰ اقدار جس طرح پامال ہو رہی ہیں۔ انسانیت حیوانیت کی پستیوں کی اتھاہ گہرائی میں گرتی جا رہی ہے۔ یہ غیر اسلامی معاشرے کی منظر کشی ہے۔ کچھ مخصوص مرئی اور غیر مرئی قوتیں بھی اپنی خواہشات کے افادہ عام کے لیے اسلامی معاشرے میں وہی حیا باختہ مظاہر بدتہذیبی پھیلانا چاہتے ہیں۔ سنت اس راہ میں رکاوٹ ہے تو ان لوگوں نے اس رکاوٹ کو توڑنے کے لیے سنت کا سرے سے ہی انکار کر دیا تا کہ "نہ رہے بانس نہ بجے بانسری"۔ یعنی نہ سنت ہوگی اور نہ ہی ہمیں اپنے کسی فعل پر ندامت ہوگی اور قرآن کا انکار اس لیے نہیں کرتے کیونکہ قرآن مجید میں اجمال ہے۔ تفصیل نہیں ہے اور سنت کی عدم موجودگی میں اس کے معانی و مطالب کو اپنے نظریات کے مطابق ڈھال کر پیش کرنا آسان ہے اور اس طرح یہ لوگ بزعم خود مسلمان بھی ہیں کیونکہ کلمہ گو ہیں۔ اور ارکانِ اسلام پہ عمل پیرا نہ ہو کر بھی مسلمان۔ ان کے کیونکہ ان کے خیال میں ذخیرہ احادیث مشکوک ہے۔ وہ اس آڑ میں اپنی خواہشات کی

تکمیل کرتے ہیں کیونکہ ان کے ہاں حدیث حجت کی حامل نہیں ہے (۵۹)۔

مادی لالچ

مادی منفعت اور لالچ انسان کی طبیعت میں ہے اور مادی لالچ تو انسانیت کے لیے زہر قاتل ہے۔ سیم وزر ہی سے انسان اپنی ہوائے نفسانی کی تکمیل کرتا ہے۔ معاندین اسلام نے جب ہر طرح کے حربے آزمائے اور اہل اسلام ٹس سے مس نہ ہوئے تو ان لوگوں نے بعض کمزور ایمان مسلمانوں کو لالچ دیا۔ جس کے دام میں یہ لوگ آ گئے۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ ملت اسلامیہ کے حفاظتی حصار بیرونی حملہ آوروں سے نہیں بلکہ اندرونی فتنہ انگیزیوں کی وجہ سے منہدم ہوئے۔ بالکل اس طریق پر یورپ نے جو سرمایہ وقوت واقتدار میں آج کل بلند تر ہے۔ مسلمانوں کو لالچ دیا۔ انہیں اپنے ادارہ جات میں داخلے اور ڈگریاں دیں۔ مزید انہیں ملازمتیں اور مالی امداد کی یقین دھانیاں کرائیں۔ یہ سب کچھ کیا اور معاندین اسلام کے یہ نا خلف اسلامی تلامذہ ان کے جھانسے میں آ گئے اور وہی زبان بولنے لگے جو وہ بولتے تھے۔ قادیانیت کے پھیلنے کا بھی یہی سبب ہے کیونکہ مادی لالچ میں پھنس کر ان لوگوں نے حدیث رسول ﷺ کا انکار کر دیا تا کہ مادی وسائل سے بھرپور استفادہ کیا جا سکے (۶۰)۔

نفسیاتی بیماری

بعض لوگ دنیا میں بلند مقام حاصل کرنے کی مطلوبہ ہمت نہیں رکھتے لیکن انہیں بڑا بننے کا شوق ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ درحقیقت یہ ذہنی مریض ہوتے ہیں۔ نت نئے شوشے، افکار علمی، تحقیق جدید کے نام پہ چھوڑتے رہتے ہیں۔ منکرین حدیث کی تمام تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ان لوگوں نے علم و ادب اور عقل و منطق کے کسی بھی معیار پر پورا نہ اترنے والی تاویلات کیں۔ ایسی نئی موشگافیوں سے انہیں ذہنی تسکین تو حاصل ہو گئی اس ذہنی تسکین کا سامان ان لوگوں کو حجیت حدیث کے انکار سے ہی حاصل ہوا (۶۱)۔

حریت فکر کا شاخسانہ

بعض منکرین حدیث، سنت وحدیث کو آزادی فکر وعمل کے منافی قرار دیتے ہیں۔ انسان اگر

کسی جنگل کا جانور نہیں بلکہ انسانی معاشرے کا فرد ہے تو پھر اسے معاشرتی طور واطوار کی پابندی کرنا ہوگی ورنہ نام نہاد جدید تعلیم یافتہ معاشرے اور جنگل میں کوئی فرق نہیں رہ جائے گا۔

اسلامی تہذیبی اقدار کے نام پر اخلاق کے بگاڑ کی بجائے ایسی معاشرتی پابندیوں کو سنت کی پابندی کی شکل میں پیش کرتا ہے لیکن کسی ادنیٰ سے اشارے سے بھی انسانی فکر کی پرواز پر پابندی عائد نہیں کرتا بلکہ اسلام تو مسلمان کو ادراک باری تعالیٰ ایسا بلند ترین منصب عطا کرتا ہے کہ ساری عمر عقل کے گھوڑے پر سوار ہوا کے دوش اڑتا رہے لیکن پھر بھی عاجز رہے (۶۲)۔

پست ہمتی

ہر نیا دن نئے مسائل کے ساتھ طلوع ہوتا ہے۔ قرآن دانی، ذخیرہ احادیث پر مکمل عبور، احادیث پر جرح وتعدیل کی بحثوں کے مکمل احاطہ، خارجی وداخلی نقد، حدیث کی مہارت اور ملکہ، جدید و قدیم اسلامی علوم سے واقفیت عامہ، استنباط مسائل کی قوت اور استخراج ادلہ کی مہارت نیز اخلاص وتقویٰ ان سب پر مستزاد ہو تو یہ مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ مگر منکرین حدیث ان تمام اوصاف حمیدہ سے عاری، ان علوم وفنون سے بے بہرہ اور عقل کے اندھے، نفسیاتی مریض، خواہشات نفسانی کے اسیر، اس کار مرداں کے کیسے متحمل ہو سکتے تھے؟ لہذا ذخیرہ احادیث کو نا قابل اعتماد کہہ کر اپنی جان چھڑا گئے۔ حالانکہ قصور اپنا تھا الزام سنت پر سونپ دیا۔ پر لطف بات یہ کہ ذخیرہ احادیث مجموعی طور پر نا قابل اعتماد ٹھہرانے والے اپنی نماز بھی مکمل نہ کر پائے اور نہ ہی ادائیگی نماز پر اتفاق ہو سکا۔ بلکہ ان کی نماز کی رکعات واوقات میں صرف دوسری پشت میں اتنا بعد پیدا ہو گیا کہ استاد وشاگرد کی تمیز ہی نہ رہی (۶۳)۔

موضوع احادیث

اسلام کے نادان دوستوں اور عیار دشمنوں کی مشترکہ کوششوں سے بے شمار موضوع احادیث گھڑی گئیں اور یہ ایک حقیقت ہے۔ لیکن اسلام کے خیر اندیش اور بہی خواہ محدثین (ہر فرعون را موسیٰ کے مصداق) نے ایک۔ ایک راوی اور اس کی ایک ایک مروی حدیث کی ایسی باریک بینی سے جانچ پڑتال کی کہ انسانی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

قابل اعتماد اور نا قابل اعتماد احادیث کو روز روشن کی طرح عیاں کر دیا۔ منکرین کے نزدیک اب بھی اگر تمام ذخیرہ احادیث نا قابل اعتماد ہے تو ذرا اس کی بنا پر دیگر علوم اور زندگی کے دوسرے معاملات کو بھی پرکھتے ہیں۔ یا اصل و نقل کی پہچان اور فرق کے باوجود اصل کو نقل سے الگ کر کے سنبھال رکھتے ہیں حالانکہ ان کے اصول کے مطابق تو اصل و نقل تمام نا قابل اعتماد اور پھینکنے کے لائق ہیں۔ مگر عام دنیاوی معاملات میں کھرے اور اصل مال کو لینا مباح اور نقل کو پھینکنا ان کی فطرت ہے۔ تو بقیہ دین اسلام کے معاملے میں بھی انہیں یہی راہ اختیار کرنی چاہیے جو وہ دنیاوی معاملات میں کرتے ہیں۔ اگر کریں تو ٹھیک ورنہ یہ ان کی منافقانہ روش ہے (۶۴)۔

منصب رسالت سے بے اعتنائی

قرآن عزیز میں پیغمبر انسانیت کو تا قیامت اسوۂ حسنہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ خالق انسانیت کے اپنی مخلوق کے لیے پیش کردہ ماڈل کی حقیقت و عظمت اور معرفت و یقین نہ ہونے کی بنا پر بعض لوگ انکار کی روش اپناتے ہیں۔ یا ادھر ادھر جھانکتے ہیں اور اگر یہ احساس ہو جائے کہ میرا دامن ''محمدی ماڈل'' رکھتا ہے جو کہ ہر دور میں کامل و افضل اور اپنی جامعیت کی بنا پر صرف اور صرف وہی لائق اتباع ہے۔ تو پھر سنت سے انکار کی بجائے عقیدت و اطاعت کے لیے وہ بے مثال محبت ابھرتی ہے کہ اس کی نظروں میں کوئی دوسرا ماڈل ذرہ برابر وقعت و اہمیت نہیں رکھتا۔ اور نہ ہی وہ کسی کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہے۔

یورپ اپنے دامن میں تحریف و تبدل سے محفوظ کوئی ذخیرہ ہدایت اور راہنمائی کے لیے مکمل نمونہ نہیں رکھتا جو کہ انسانی ضرورت ہے۔ اس لیے نت نئے نئے افکار سے دوچار ہے۔ لیکن ذہنی آسودگی نہیں پا رہا اور عملی بے چینی و بے قراری کا اندازہ تو ان کی بے مقصد آوارگی سے خوب ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ ان کے ذہنی کرب و اذیت اور فکری درماندگی کا آئینہ دار ہے (۶۵)۔

ایرانی تصور تصوف

کچھ محققین کے مطابق ابتداء میں انکار حدیث کا سبب غالبًا ایرانی تصور تصوف تھا (۶۶)۔ یہ ایرانی تصور تصوف اصولاً تو سنت پر غالب نہ آسکا مگر اس کی فعالیت اور ایک حد تک افادیت کی نفی کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سنت بعض لوگوں کے ہاں ایک خیالی رسم بن گئی اور اس کو بے جان و بے معنی ڈھانچہ سمجھا جانے لگا (۶۷)۔

معجزات کو عقل انسانی پر پرکھنا

انسانی عقل محدود ہے اور کائنات لامحدود اور خالق کائنات کی قدرت کاملہ اور اس کے تصرفات کا احاطہ عقل انسانی کے ادراک سے ہی ماوڑی ہے۔ لیکن انسان نے جب سے اپنی عقل کو کل علوم وفنون کا منبع تصور کر رکھا ہے۔ تب سے یہ تصورات وافکار پیدا ہو رہے ہیں۔ انبیاء کے خرق عادت واقعات وتمثیلات ہیں۔ حالانکہ یہ صرف ان لوگوں کی فریب عقلی کے سوا کچھ نہیں۔ اور یہ ان لوگوں کے علم کی حد سے بالاتر ہیں۔ اور انسانی عقل خام کی رسائی وہاں تک ناممکن ہے۔

اپنے اس عقلی تفوق کو معیار بنا کر معجزات کا انکار کیا اور چونکہ معجزات انبیاء کی تصدیق عام علمی حد سے ناممکن ہوتی ہے اور ان کی تائید ونصرت میں صرف احادیث ہی ہیں تو ان لوگوں نے اپنے آپ کو برحق ثابت کرنے کے لیے سنت وحدیث کا انکار کر دیا۔ تاکہ اپنے خود ساختہ مفروضات کے لیے کوئی دلیل مہیا ہو سکے (۶۸)۔

اسلام اور جدید علوم

آج کا انسان علمی وعقلی لحاظ سے ترقی کے افق پر چھایا ہوا ہے۔ اس کی علمی وعقلی قوتوں کے سامنے کائنات کی وسعتیں اور دوریاں سمٹ رہی ہیں۔ انسان نے اسی مادی ترقی کے حصول کا لمبا اور کٹھن سفر بڑی صعوبتوں اور مصیبتوں سے طے کیا ہے۔ مزید سفر ابھی جاری ہے اور یہ تمام سفر یعنی ترقی کا سفر جدید علوم کی بدولت ہی ممکن ہوا۔ ان علوم جدیدہ کا انسانی زندگی وتہذیب پر اس قدر گہرا اثر ہے کہ ہر نے والا کل گذشتہ کل سے کئی قدم آگے کے حقائق کو حقیقت کے روپ میں دکھلا رہا ہے اور کچھ مرعوب

ذہن اور صحیح اسلامی علوم وفنون سے عاری لوگ جب یورپ کی اس علمی جولانگاہ پر نظر دوڑاتے ہیں۔تو بجائے کچھ کرنے کے انہوں نے یہی سمجھا کہ کیوں نہ سنت کا انکار کر دیا جائے۔کیونکہ سنت پر عمل پیرا ہونے سے ہی مسلمان روبہ تنزل ہیں اور سنت ہی اسلامی اقوام کی ترقی میں رکاوٹ ہے۔

اس لیے ان لوگوں نے سنت کے انکار کی راہ کو اپنایا۔اگر وہ لوگ اسلام سے واقعتاً مخلص ہوتے تو سنت کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے اسلاف کی روایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ترقی و برتری میں بھی نام پیدا کر سکتے تھے لیکن کاش وہ ایسا تو نہ کر سکے اور ایک ایسی راہ کا انتخاب کیا جو صرف انہی کے لیے ہی نہیں تمام ملت اسلامیہ کے لیے تباہی و بربادی کی راہ ہے(۶۹)۔

شہرت وناموری

انسان طبعی طور پر شہرت وناموری کا خواہاں ہے۔کچھ لوگ باہمت اور صاحب کردار ہوتے ہیں دنیا خوب بخود اپنی جبین عقیدت ان کے حضور جھکا دیتی ہے اور شہرت وناموری ان کا مقدر ہوتی ہے اور تاریخ کے اوراق ان کے لیے اپنے دامن کو پھیلا لیتے ہیں اور آئندہ آنے والی نسلیں بھی ان کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرنا فرض اولین جانتی ہیں۔ان کی عزت و وقار اور اعتراف عظمت کے انمٹ نقوش جب خود غرض، دنیادار قسم کے لوگ دیکھتے ہیں تو یہ بھی کچھ ایسے شوشے چھوڑتے ہیں۔جن کے اذہان میں بزعم خود دانشور اور مفکر بن جانے کا سودا سمایا ہوتا ہے۔اور کسی دانا کے بقول :کبرنی موت الکبراء (بڑے لوگوں کی موت نے مجھے بڑا بنادیا)۔

چونکہ اہل علم وفن تو نہ تھے۔اہل اللہ واہل التقوی بھی نہ تھے مگر شہرت وناموری کے حصول کی آسان راہ یہی نکالی کہ جمہور کو ملعون قرار دے کر خود کو حق پر جاننا اور اپنی انفرادیت قائم رکھنے کے لیے طرح طرح کے نظریات پیش کیے۔ان میں ایک نظریہ انکار حدیث بھی ہے(۷۰)۔

تقوی کا فقدان

اہل ایمان کی یہ خصوصی صفت ہے۔تمام ارکان اسلام کا پرتو تقوی ہی ہے۔تقوی کے بغیر اسلامی معاشرہ ایک بے روح معاشرہ ہے۔تقوی اسلامی معاشرے اور اسلامی علوم وفنون کی روح ہے۔

قرآن کتاب ہدایت ہے تو صرف اہل تقوٰی کے لیے ہے۔ تقوٰی وہ کسوٹی اور معیار ہے جس سے اوصاف حمیدہ کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ تقوٰی کے بغیر انسانی زندگی کالا حاصل ہے۔ منکرین حدیث و سنت عموماً تقوٰی یعنی خوف خدا سے خالی ہوتے ہیں۔ ان کے دل میں تقویٰ اور للٰہیت کی بجائے خود غرضی اور خواہشات کا غلبہ ہوتا ہے۔

برصغیر کے منکرین حدیث

ا۔ مولوی غلام العلی قصوری (م ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء)

غلام العلی بن داؤد بن مخدوم حافظ غلام مرتضیٰ بن حاجی عبدالمالک ہے۔

قصوری صاحب ۴۲-۱۲۴۱ھ/ ۱۸۲۶ء کے لگ بھگ قصور ضلع لاہور میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور دیگر قصوری فضلاء سے بھی کسب فیض کیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد ضلع فیروز پور میں فوجیوں کے امام مقرر ہوئے۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ملازمت چھوڑ دی اور آپ لاہور تشریف لے آئے۔ آپ نے مولانا غلام محی الدین بھگوی اور مولانا احمد دین بھگوی کے زیر سایہ دینی تعلیم مکمل کی اور امرتسر تشریف لے گئے اور سرکاری مدرسہ میں نائب مدرس دینیات مقرر ہوئے۔ اپنے بڑے بھائی مولانا غلام رسول کی وفات کے بعد ۷۸-۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۱ء میں شہر کے قاضی مقرر ہوئے اسی سال کے وسط میں انہوں نے سرکاری ملازمت کو چھوڑ دیا کیونکہ آپ بزعم خود غیر شرعی امور کے خلاف جہاد کرنا چاہتے تھے۔ یاد رہے کہ ان کا طبعی رجحان طریقت وتصوف کے برعکس تھا۔

قصوری صاحب نے ۳۰ ذی الحجہ ۱۲۸۲ھ/ ۲۶ مئی ۱۸۶۵ء میں اپنی قصور کی جائیداد فروخت کر کے کڑہ سفید میں ایک قطعہ زمین بیس روپے میں خریدا اس پر مسجد اور رہائشی مکان تعمیر کیا اور مسجد میں مدرسہ تائید الاسلام جاری کیا۔ جس کا انتظام ایک مجلس کے سپرد تھا۔

مولوی غلام العلی قصوری نے کسی قابل ذکر علمی شخصیت سے علم حدیث حاصل نہیں کیا مزید وہ نہ صرف انگریزوں سے روابط رکھتے تھے بلکہ ان کے ملازم بھی تھے۔ اس کے علاوہ ان کا تعلق صاجزدگان کی گدی سے تھا جو قصور میں واقع ہے تو معلوم ہوا کہ انکار حدیث کی بنیاد رکھنے میں یہی عوامل کارفرما تھے۔

آپ کی تصانیف اردو، عربی اور فارسی میں ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

- تفسیر قرآن مجید (سورۃ کہف تک، یہ مسودہ ان کے نبیرہ کے پاس ہے)۔
- حدیث قرطاس (فارسی)۔
- تحریق قرآن۔
- تعامل الکفار (فارسی) اس کا اردو ترجمہ بنام کفار کی نوکری شائع ہوا۔

وہ ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء میں قصور میں فوت ہوئے (۷۱)۔

۲۔ مولوی چراغ علی (م ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء)

چراغ علی ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء میں بمقام میرٹھ پیدا ہوئے۔ والد محمد بخش سہارنپور کی ایک انگریزی عدالت میں ملازم تھے۔ جو ان کی پیدائش سے قبل ہی فوت ہو چکے تھے۔ مولوی چراغ علی نے روایتی تعلیم بھی حاصل کی اور علمی انہماک کی بدولت یونانی اور لاطینی وغیرہ قدیم زبانیں بھی سیکھیں۔

چراغ علی، سر سید احمد خاں کے معین و مددگار تھے اور رسالہ "تہذیب الاخلاق" کے خاص مقالہ نگار تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے اسلام کی عقلی وکالت میں کئی علمی رسائل و مقالات لکھے۔ ان کی مشہور تصانیف درج ذیل ہیں:

۱۔ تحقیق الجہاد   ۲۔ اعظم الکلام

یہ کتب انگریزی سے اردو ترجمہ ہو کر مقبول عام ہوئیں۔ نیز رسائل چراغ علی بھی ایک اہم تصنیف ہے۔ موصوف ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء کو بمبئی میں فوت ہوئے (۷۲)۔

۳۔ سر سید احمد خاں (م ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۸ء)

۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء دہلی میں پیدا ہوئے ان کے والد کا نام سید محمد متقی خان تھا۔ بہادر شاہ ظفر نے انہیں "جواد الدولہ، عارف جنگ" کا خطاب دیا۔ حکومت انگلستان نے انہیں "سر" کا خطاب دیا۔ ان کی تعلیم و تربیت ننہال میں ہوئی۔ فارسی درسیات، تھوڑی سی عربی، قدیم ہیئت، ریاضی اور طب پڑھی۔ طب آپ نے حکیم غلام حیدر خاں دہلوی سے پڑھی اور عربی قواعد اور عربی کی دوسری کتابیں

اپنے خالو زین العابدین سے پڑھیں۔ فقہ میں آپ کے استاد نوازش دہلوی تھے۔ عربی ادب میں آپ کے استاد فیض الحسن سہارنپوری تھے۔ حدیث (مشکوٰۃ اور جامع ترمذی) کا درس مولانا مخصوص اللہ ابن رفیع الدین الدہلوی سے لیا۔ ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۶ء تا ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء انگریز کمپنی میں ملازمت کی۔

سرسید ۱۸۹۸ء میں فوت ہوئے۔

تصانیف

۱۔ آثار الصنادید ۲۔ تاریخ ضلع بجنور

۳۔ سیرت رسول اللہ (خطبات احمدیہ) یہ آپ نے ولیم میور کے جواب میں اردو میں لکھے تھے۔ انگریزی میں ترجمہ کروا کر شائع کروائے، کیونکہ سرسید احمد خاں انگریزی نہیں جانتے تھے۔

۴۔ قرآن مجید کی نصف تک تفسیر بھی لکھی تھی۔ اس تفسیر نے فتنہ انکار حدیث کو شہہ دی۔ ان کے حدیث پر اعتراضات کے جوابات مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اپنی "تفسیر ثنائی" میں دیئے ہیں جو سرسید کو ان کی زندگی ہی میں بھجوائی گئی۔ ان کے اکثر اجتہادات مذہبی حلقوں میں نامقبول ہوئے۔

انہوں نے باقاعدہ کسی ادارے سے اور کسی بھی معروف عالم دین سے تعلیم حاصل نہیں کی۔ حالانکہ اس دور میں بڑی بڑی نابغہ روزگار شخصیات برصغیر میں موجود تھیں اور توحید و سنت کے تابش و نور سے جہالت کی تاریکی دور فرما رہی تھیں۔ بقول شخصے سید احمد کو سرسید احمد خاں بنایا ہی اس بات نے ہے کہ اس نے مکمل علم دین نہیں پڑھا اگر وہ مکمل دین پڑھ لیتے تو ایک مولوی ہوتے سرسید احمد خاں نہ ہوتے (۷۳)۔

۴۔ مولوی عبداللہ چکڑالوی (م ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۵ء)

پہلا شخص جس نے ہندوستان میں کھلم کھلا حدیث کا انکار کیا قاضی غلام نبی تھا یہ شخص چکڑالہ ضلع میانوالی کا رہنے والا تھا اور قاضی نور عالم کا بیٹا تھا۔ اس کو حدیث نبوی ﷺ سے یہاں تک نفرت تھی کہ اپنا نام غلام نبی بدل کر عبداللہ رکھ لیا اسی شخصیت کو عبداللہ چکڑالوی کہتے ہیں

موصوف کی پیدائش انیسویں صدی عیسوی کے تیسرے عشرے میں ہوئی (۷۴)۔ ان کا

خاندانی پس منظر پردہ اخفا میں ہے۔ علمی گھرانہ نہ تھا بلکہ علاقائی رواج کے مطابق کچھ زمینیں تھیں۔ آبائی قصبہ کی نسبت سے چکڑالوی کہلائے۔ والد کا نام بھی معروف نہیں۔ صاحب نزھۃ الخواطر نے ان کا نام عبداللہ بن عبداللہ بیان کیا ہے (۷۵)۔

ان کے اخلاف آج بھی قاضی کہلاتے ہیں۔ مولوی غلام نبی سے مولوی عبداللہ کے نام کی تبدیلی کب ہوئی تاریخ اس بارے میں خاموش ہے۔ ان کے اخلاف بھی اس بارے میں کوئی واضح خبر نہیں رکھتے۔ قرینِ قیاس یہی ہے کہ انہوں نے جب اپنے خیالات وعقائد میں تبدیلی کی تو اپنا نام بھی بدل دیا کیونکہ ان کے خیال میں نام میں نسبت نبی اکرم ﷺ کی طرف تھی اور یہ غیر اللہ کی طرف نسبت ان کے ہاں شرک تھی۔ چکڑالوی کے والد خواجہ اللہ بخش تونسوی کے مرید تھے (۷۶)۔

ان کے ابتدائی حالات، رحلات، ابتدائی تعلیم اور دینی تعلیم کہاں سے حاصل کی، آپ کے اساتذہ وشیوخ کون کون سے ہیں؟ سب نامعلوم ہیں۔ البتہ یہ معلوم ہوا کہ ۱۲۸۲ھ میں علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ عربی زبان میں کافی وسیع مطالعہ کے حامل تھے۔ موصوف جدید علوم بالخصوص انگریزی سے ناآشنا تھے۔ مولانا محمد علی قصوری لکھتے ہیں: ”چکڑالوی چونکہ انگریزی بالکل نہ جانتے تھے اس لیے ان تمام خطوط کو ہمارے ایک دوست سے پڑھواتے (جو عیسائی، پادری وغیرہ انہیں لکھتے) (۷۷)۔

موصوف، خواجہ احمد دین امرتسری (معروف منکرِ حدیث) سے متاثر تھے۔ ۱۸۹۹ء میں خواجہ صاحب لاہور تشریف لائے تو چکڑالوی صاحب اور ان کے مقتدی میاں چٹو اور شیخ محکم الدین خواجہ صاحب کے ہم خیال ہو گئے اور احادیث کو وحی الٰہی اور مثلہ معہ سمجھنے کے بجائے کتاب اللہ کے قائل ہو گئے (۷۸)۔ چکڑالوی صاحب نے خواجہ صاحب کے نظریات قبول کرتے ہوئے انکار حدیث کی طرح ڈالنے اور عیسائی پادریوں وغیرہ کے ساتھ روابط کی بنا پر اس میں شدت پیدا ہوئی اور اس نظریہ کو تحریکی بنیادوں پر پھیلایا۔

انکار حدیث کا کھلم کھلا اظہار کرنے پر مسجد چینیاں (جس میں وہ امامت کرواتے تھے) کی انتظامیہ نے انہیں مسجد سے نکال دیا تو انہوں نے سریاں بازار میں ایک نئی مسجد کی بنیاد رکھی اور ایک انجمن قائم کی۔

چکڑالوی کے نظریات و افکار سے متاثرہ افراد نے گوجرانوالہ، گجرات اور امرتسر میں مراکز قائم کیے۔ اپنے نظریات کی اشاعت کے لیے ایک رسالہ ''اشاعت القرآن'' جاری کیا۔ یہ لوگ اپنے آپ کو اہل القرآن کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ عبداللہ چکڑالوی فالج کی حالت میں ۱۹۱۵ء میں فوت ہو گئے اور انہیں چکڑالہ ہی میں دفن کیا گیا(۷۹)۔

مولوی عبداللہ چکڑالوی نے ''ترجمۃ القرآن بآیات القرآن'' کے نام سے ایک تفسیر بھی لکھی جس کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

''کتاب اللہ کے مقابلے میں انبیاء اور رسولوں کے اقوال و افعال یعنی احادیث قولی، فعلی، تقریری پیش کرنے کا مرض ایک قدیم مرض ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے مخاطب بھی قطعی اور یقینی طور پر یہی لوگ تھے''(۸۰)۔

''کسی جگہ سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ قرآن کریم کے ساتھ کوئی اور شے رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی تھی اگر کوئی شخص کسی مسئلہ میں قرآن کریم کے سوا کسی اور چیز سے دین اسلام میں حکم کرے گا تو وہ مطابق آیات مذکورہ بالا کافر، ظالم اور فاسق ہو جائے گا''(۸۱)۔

موصوف کے نزدیک نماز میں (احادیث سے ثابت شدہ) غیر قرآنی دعائیں مانگی جائیں تو وہ سب شرک ہیں۔ ''رسول اللہ کی زبان مبارک سے دین کے متعلق یا قرآن شریف نکلتا تھا اور سہواً اپنے خیالات و قیاسات جن میں القاء شیطانی موجود ہوتا تھا جن کو خدا تعالیٰ نے منسوخ و مذکور فی القرآن کر کے آپ کی ان سے بریت کر دی''(۸۲)۔

مولوی عبداللہ چکڑالوی کی ان تصریحات میں ان کا اعتقادی چہرہ بہت کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ اطاعت رسول کو زیر بحث لانے سے قبل تمام ذخیرہ احادیث کی حیثیت کو ناقابل اعتبار اور مشکوک بنا دیتے ہیں تاکہ حدیث رسول کو بے اعتبار ٹھہرایا جا سکے۔ حدیث کے موجود لٹریچر کو جعلی جعلی اور وضعی بتلاتے ہوئے لکھتے ہیں: ''حدیث کی تشریح و تفصیل کتاب اللہ المجید کے سراسر مخالف ہے۔۔۔ اس وجہ سے مجھے اس بارے میں شک ہوا کہ حدیث محمد رسول اللہ ﷺ کا قول و فعل اور تقریر نہیں ہے۔۔۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ ایک نہایت ہی کریہہ المنظر، بدصورت، اور بدشکل مصنوعی چیز ہے۔ اس کو رسول اللہ

سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ کی وفات سے سینکڑوں برس پیچھے بعض خودغرض لوگوں نے ازخود ہزلیات گھڑ لیں اور کمال سیاہ ولی سے ان کو ناحق محمد رسول اللہ کے ذمے لگا دیا ہے یہ کام زیادہ تر بعض یہود و نصاریٰ دشمنانِ اسلام کا معلوم ہوتا ہے جنہوں نے اسلام کی بیخ کنی کی یہ بہترین راہ سوچی کہ وہ مسلمانوں کے لباس میں لوگوں کو قرآن حکیم کی طرف سے ہٹا کر اور طرف لگا دیں" (۸۳)۔

ایک دوسری جگہ لکھا ہے: "فی الحقیقت حدیث میں اس قدر لغویات، ہزلیات اور دوراز کار اور بے سروپا باتیں مندرج ہیں کہ وہ اس کی شکل کو نہایت ہی بدنما بناتی ہیں لیکن واضعین حدیث نے یہ بڑی کاری گری کی کہ اس کو خاتم النبیین ﷺ کی طرف منسوب کر دیا اور اس طرح اس کے بدشکل چہرہ پر سفید (پاؤڈر) مل دیا" (۸۴)۔

ان اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ چکڑالوی صاحب کا حملہ پہلے براہِ راست اطاعتِ رسول کے لازم ہونے اور حدیث کی حجیت پر نہ تھا وہ صرف موجودہ ذخیرۂ حدیث کو ناقابل اعتماد سمجھتے تھے اور ان کے پاس جب حضور کی صحیح تعلیمات تک پہنچنے کے لیے اور کوئی راہ بھی تو نہ تھی۔ مجبوراً انہوں نے یہ راہ اختیار کی کہ قرآن مجید کو ہر طرح سے ہر بات میں کافی اور وافی کہیں تاکہ اور کسی طرف انہیں دھیان نہ کرنا پڑے۔

ذخیرۂ احادیث کے متعلق چکڑالوی صاحب کے موقف کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"حدیث کا کوئی وجود حضور ﷺ کے زمانے میں نہ تھا حضورؐ نے قرآن کے سوا کبھی کوئی بات نہ کی تھی۔ صحابہ نے حضورؐ کے کسی قول یا عمل کو بھی کسی کے سامنے نقل کیا تھا نہ ان میں حضور کی وفات کے بعد حضور کی کسی بات کو آگے نقل کرنے کا داعیہ پیدا ہوا اور نہ ہی اگلوں نے پچھلوں سے حضور ﷺ یا صحابہ کے زمانے کی کوئی بات پوچھی۔ انہی حالات پر اسلام کی دو تین صدیاں بہتر ہوئیں اور اس کے بعد یہود و نصاریٰ کے کہنے سے حدیث کی کتابیں یکایک لکھ دی گئیں اور مسلمان یکایک ان کی باتوں میں آ کر ان ہزلیات کو دین سمجھنے لگے۔ پہلی تین صدیوں میں جو قرآنی نماز قائم کی تھی وہ یکایک ترک ہو گئی اور نماز کا موجودہ نقشہ جو سراسر قرآن کے خلاف تھا۔ مسلمانوں میں قائم ہو گیا۔ اسلامی دنیا جہاں تک وسیع ہوتی گئی۔ یہی عجمی نماز ہر جگہ پہنچی اور کسی عربی دان کو قرآن کے مطالعہ سے قرآن میں یہ نقشہ نماز نظر نہ آیا جو

مولوی عبداللہ چکڑالوی نے برہان القرآن علی صلوٰۃ القرآن میں درج فرمایا ہے۔ پھر مسلمانوں میں ان قرون اولیٰ اور قرون وسطیٰ میں جتنے بھی قانون دان اور ماہرین فقہ گزرے ان میں سے کسی کو پتہ نہ چل سکا کہ یہ معتبر راویوں کے نقل کیے ذخائر حدیث ہرگز ماخذ علم نہیں بلکہ یہ سب ہزلیات کا ایک ذخیرہ ہے جو دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں کی بیخ کنی کے لیے تیار کیا ہے(۸۵)۔

چکڑالوی صاحب کا یہ تبصرہ صرف اس امت پر ہی نہیں وہ پہلی امتوں کو بھی اس عقیدہ (حجیت حدیث) میں برابر کا مجرم قرار دیتے ہیں اور مولوی صاحب کا کہنا ہے کہ اتباع حدیث کی تجویز پہلے اودار میں بھی تھی۔ موصوف آخری عمر میں مرض فالج کا شکار ہوئے اور اسی حالت میں ۱۹۱۵ء میں فوت ہوئے اور چکڑالہ میں دفن ہوئے۔(۸۶)

۵۔ خواجہ احمد دین امرتسری (م ۱۹۱۷ء/۱۹۳۶ء)

خواجہ احمد دین ۱۸۶۱ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ والدِ گرامی کا نام میاں محمد تھا(۸۷)۔ پانچ سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ مکمل کیا۔ بعد ازاں چکندوزی کا کام سیکھا یہ ان کا خاندانی ہنر تھا۔ لیکن آپ کے ایک تایا زاد فیض محمد کے سکول داخل ہونے پر آپ نے بھی سکول داخل ہونے کی ضد کی۔ والد صاحب کی رضامندی سے مشن ہائی سکول امرتسر میں داخل ہو گئے(۸۸)۔

مشن سکول امرتسر میں دنیاوی تعلیم کے ساتھ بائبل بھی پڑھائی جاتی تھی۔ آپ بائبل میں بالخصوص اور بقیہ مضمون میں ہمیشہ اوّل رہے اور انعام حاصل کیا۔ ناظرہ قرآن مجید کی تعلیم حافظ امام الدین سے حاصل کی جب کہ دینی تعلیم مولانا غلام علی سے حاصل کی۔ بچپن ہی سے آپ کو مطالعہ کا بہت شوق تھا اور آدھی آدھی رات تک کتاب لیے بیٹھے رہتے۔ کھیل کود سے آپ کو بے حد نفرت تھی۔ دیر تک مطالعہ کی عادت اور کھیل کود و ریاضت سے عدم دلچسپی کی وجہ سے بچپن ہی میں آپ کی آنکھیں خراب ہو گئیں اور آخری وقت تک ضعف بصارت میں مبتلا رہے لیکن اس پر بھی آپ نے مطالعہ ترک نہ کیا بلکہ بڑھاپے تک جاری رکھا۔

کثرت مطالعہ و مختلف فرق سے مباحثے وغیرہ کرنے کی بنا پر اور تقابل ادیان میں دلچسپی کی

وجہ سے مذہب کے بارے میں کافی معلومات تھیں۔ فتنہ انکار حدیث کا شکار ہو گئے اور اس گمراہی کو آگے پھیلانے میں بڑی تندہی سے کام کیا۔ خواجہ امرتسری سے متاثرہ افراد میں مولانا عبداللہ چکڑالوی، علامہ اسلم جیراجپوری، علامہ مشرقی خاکسار قابلِ ذکر ہیں۔ خواجہ صاحب نے تمام زندگی، قلم، کتاب اور علم سے ناطہ جوڑے رکھا۔ حتیٰ کہ بسترِ مرگ پر بھی تحقیق و تخریج مسائل کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ آخری ایام میں آپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی اور اسی حالت میں جون ۱۹۳۶ء کو راہی عدم ہوئے (۸۹)۔

چونکہ تعلیم نظریہ ضرورت کے تحت مولوی غلام علی سے حاصل کی اور استاد بھی کامل نہ تھے اس لیے شاگرد بھی علم دین خصوصاً علم حدیث پر اعتراضات کرتے ہی رہے۔ نماز وغیرہ اور تواتر اعمال میں سے انکار نہ کر سکے بقیہ تمام احادیث کے منکر ہو گئے۔ ان کے نزدیک احادیث ایک عظیم الشان کوشش ہے جو اسلامی قانون سازی میں بطور نظائر کے ہی کام آسکتی ہے (۹۰) یعنی موصوف کے نزدیک عام علماء وفقہا کے اقوال اور احادیث نبویہ کا ایک ہی مقام ہے۔

آپ کی تصانیف میں خیر کثیر در اثبات وجودِ رب قدیر، معجزہ قرآن، برہان القرآن، اصل مطاع، ریحان القرآن اور تفسیر بیان الناس زیادہ اہم ہیں۔ آخر الذکر تفسیر دوست ایسوسی ایٹس، اردو بازار لاہور نے ۱۹۹۹ء میں شائع کی۔

۶۔ حافظ اسلم جیراج پوری (م ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء)

علامہ اسلم جیراجپوری ۱۸۸۱ء میں جیراج پور ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے (۹۱)۔ ابتدائی تعلیم ننہال میں رہ کر حاصل کی۔ سب سے پہلے قرآن پاک حفظ کیا کیونکہ والدین کے اکلوتے بیٹے تھے اس لیے ان کی تعلیم و تربیت کے لیے بہترین اساتذہ کا بندوبست کیا گیا۔ فارسی، ریاضی، صرف ونحو، فقہ، منطق، فلسفہ، عربی ادب، حدیث اور تفسیر میں متداول اور غیر متداول کتب سبقاً سبقاً اور مطالعۃً پڑھیں۔

۱۹۰۶ء میں علی گڑھ کالج میں عربی و فارسی کے مدرس مقرر ہوئے۔ آپ نے ایک مؤرخ کی حیثیت سے زیادہ شہرت حاصل کی اور چھ جلدوں میں ''تاریخ امت'' تحریر کی۔ تقسیم ہند پر کراچی تشریف لائے لیکن بقول پرویز: ''اس خطہ زمین کو اہل علم حضرات کی ضرورت نہیں تھی۔ اسی لیے وہ انہیں قبول نہ کر سکی اور اس طرح عصر حاضر کا یہ جوہر گراں مایہ مراجعت فرمائے ہندوستان ہو گیا'' (۹۲)۔

موصوف دسمبر ۱۹۵۵ء میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ اسلام جیراج پوری کے والد ریاست بھوپال محکمہ تعلیم کے ذمہ دار آفیسر تھے اور انہوں نے اپنے اکلوتے بیٹے کی تعلیم کے لیے عالم اساتذہ کا گھر پر ہی اہتمام کیا۔ موصوف نے علم کے حصول میں کوئی سفری تکلیف نہ اٹھائی اور نہ ہی دہلی اور بھوپال کے مراکز حدیث سے استفادہ کر سکے۔ یاد رہے کہ یہ ریاست انگریزوں کے حلیف تھی اور ان کا ریاست میں کافی عمل دخل تھا۔ جیراج پوری صاحب نے انگیریزی تہذیب کے مرتبہ اثرات کے زیر اثر پرورش پائی تو فکری طور پر اس سے متاثر ہو گئے۔ علاوہ ازیں علی گڑھ میں بھی ایسے متاثرہ افراد کے ہم سفر رہے کہ لامحالہ انکار حدیث کرتے ہی بنے۔ ان کے نظریہ حدیث کے حوالے سے ایک بات قابل ذکر ہے کہ وہ احادیث کو دین کی تاریخی حیثیت دیتے ہیں (۹۳)۔

ان کی درج ذیل تصانیف زیادہ معروف ہیں:

تاریخ الامت (چھ جلد)، تاریخ اسلام کا جائزہ (قرآن کی روشنی میں)، تعلیمات قرآن، تاریخ القرآن، مقام حدیث، مقالات، نوادرات۔ حدیث اور حجیت حدیث کے حوالے سے ان کے عقائد ملاحظہ ہوں: "نہ حدیث پر ہمارا ایمان ہے اور نہ اس پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ نہ حدیث کے راوی پر ہمارا ایمان ہے نہ اس پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ نہ حدیث کی سند میں جو رجال ہیں ان پر ہمارا ایمان ہے نہ ان پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ پھر یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ ایسی غیر ایمانی اور غیر یقینی چیز کو ہم قرآن کی طرح حجت مانیں" (۹۴)۔

"قرآن میں جہاں جہاں اللہ و رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد امام وقت یعنی مرکز ملت کی اطاعت ہے جب تک رسول اللہ ﷺ امت میں موجود تھے۔ ان کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت تھی اور آپ کے زندہ جانشینوں کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت ہو گی اور اطاعت عربی میں کہتے ہیں زندہ کی فرمانبرداری کو" (۹۵)۔

جیراجپوری کا یہ استدلال درست نہیں کہ اطاعت زندہ کی ہی ہو سکتی ہے فوت شدہ کی نہیں۔ فوت شدہ کی پیروی کے لیے بھی لفظ اطاعت حدیث میں موجود ہے۔ اسلم صاحب کا یہ نظریہ منکرین حدیث سے ماخوذ ہے۔

حافظ اسلم خاندانی طور پر مذہبی پس منظر رکھنے کے باوجود انکار حدیث کے نئے کاروان میں شریک سفر ہو گئے۔ آپ حدیث کے اصولاً تو خلاف تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسوۂ رسول کو اصولاً حجت تسلیم کرتے تھے۔ لیکن اسوۂ رسول کے بارے میں ایسی ایسی قیود لگائیں کہ انجام انکار حدیث ہی کے قریب رہا۔

علامہ وحید الزمان کی تحریر سے ہمیں موصوف کی علمی سطح کا کچھ اندازہ ہو جائے گا: ''مولانا اسلم جیراجپوری کو یہاں عجیب شبہ گزرا ہے وہ لکھتے ہیں کہ ما اتکم کی آیت مالِ غنیمت کی تقسیم کے بارے میں ہے۔ حدیث سے اس کا دور کا واسطہ نہیں ہے۔ یہاں 'اتـا'' کے لفظ کو جو ''نھی'' کے بالمقابل واقع ہے لوگوں نے غلط فہمی سے امر یا قال کے معنی میں سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ یہ لفظ قرآن میں سینکڑوں جگہ آیا ہے اور کہیں ان معنوں میں مستعمل نہیں ہوا بلکہ ہر جگہ اس کے معنی دینے ہی کے ہیں۔ لہذا یہ استدلال بھی صحیح نہیں کیونکہ حدیثیں اقوال ہیں ان کے لیے لینے دینے کا لفظ نہیں کہا جا سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے جو چیز دی ہے وہ قرآن ہے۔ انتہی'' (۹۶)۔

مولانا بدر عالم میرٹھی لکھتے ہیں: ''مولانا جیراجپوری کو چونکہ قرآن کی جامعیت کا علم ہی نہیں اس لیے یہاں بھی انہوں نے آیتِ بالا کو صرف مال غنیمت سے خاص کر ڈالا۔ قائلین حدیث کے نزدیک آیتِ بالا اپنی شان جامعیت کی وجہ سے صرف مال کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ان ساری ہدایات کو بھی شامل ہیں جو آپ نے اپنی امت کو دی ہیں'' (۹۷)۔

علامہ وحید الزمان موصوف کی قرآن فہمی کا جائزہ لیتے ہوئے ان کی علمی قابلیت کا پردہ چاک کرتے ہیں: ''مولانا (اسلم جیراج پوری) کی قرآن دانی کی یہ انتہا ہے کہ انہیں سینکڑوں جگہ میں ایسی کوئی آیت نظر نہیں آئی جہاں یہ لفظ ایسے معنی میں مستعمل ہو جو حدیث پر بھی بولے جا سکیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: یرفع اللّٰہ الّذین آمنوا منکم والّذین اوتوا العلم درجات (المجادلہ:۱۱) (اللہ تعالیٰ درجے بلند کرتا ہے مومنین کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا ہے) اگر علم کے لیے یہ لفظ مستعمل ہو سکتا ہے تو کیا حدیث ایک علم ہی نہیں۔ دوسری جگہ فرمایا: واتیناہ الحکم (مریم:۱۲) وعلمناہ من لدنا علما (الکہف:۶۹) ولقد اتینا لقمن الحکمۃ (لقمان:۱۲) اتانی الکتاب وجعلنی

نبیا(مریم:۳۰) واتاکم مالم یؤت احدًا من العلمین (المائدۃ:۲۰) اتیناہ الحکمۃ وفصل الخطاب)(ص:۲۰)۔

ان آیات میں ''اتــا'' کا لفظ کتاب کے لیے،علم کے لیے،حکمت کے لیے،حکم اور نبوت کے لیے فضائل وکمالات کے لیے اور آخری آیت میں ''فصل الخطاب'' یعنی اقوال کے لیے بھی مستعمل ہوا ہے۔اس لیے مولانا کا دعوی بالکل بے دلیل ہے۔یہ چند سطور ہی مولانا کے دعوی کی تردید کے لیے کافی ہیں(۹۸)۔

۷۔ علامہ عنایت اللہ خاں المشرقی (م۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء)

عنایت اللہ خاں مشرقی،عطا محمد خاں امرتسری کے ہاں محرم ۱۳۰۷ھ/ ۲۸ اگست ۱۸۸۸ء کو پیدا ہوئے۔ان کے والد امرتسر کے مشہور رئیس اور سرسید وغالب کے ساتھی تھے۔انٹرمیڈیٹ کا امتحان امرتسر ہی سے اعلیٰ اعزاز کے ساتھ پاس کیا اور وظیفہ حاصل کیا۔مزید تعلیم کے لیے لاہور تشریف لائے اور فارمن کرسچین کالج سے B.A کیا۔اس امتحان میں بھی وظیفہ حاصل کیا۔

18 سال کی عمر میں ایم اے ریاضی کے امتحان میں صوبہ بھر میں اوّل پوزیشن حاصل کی اور یونیورسٹی کے سابقہ تمام ریکارڈ توڑ ڈالے۔المشرقی کے والد نے اپنے خرچ پر انہیں انگلستان بھیجا۔ ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء میں موصوف نے کیمبرج یونیورسٹی کے کرائسٹ کالج سے ریاضی کے مقابلے کے امتحان میں شرکت کی ستر پونڈ وظیفہ اور فاؤنڈیشن سکالر کا لقب ملا۔۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء میں انجینئرنگ کے سب سے بڑے امتحان مکینیکل سائنس،ٹرائپس میں شامل ہوئے اور صرف ایک سال میں بی۔ای آنرز کی ڈگری حاصل کی(۹۹)۔

علامہ مشرقی کا اصل میدان تو یورپ سے حاصل کردہ ریاضی اور انجینئرنگ کی تعلیم تھا۔چلتے چلتے ایک امتحان عربی کا بھی دے دیا اور علامہ معروف ہو گئے۔موصوف جدید علوم سے بہرہ ور ہونے کے ساتھ ساتھ قلم میں بلا کی روانی اور تحریر وتقریر میں جوش وولولہ کی خوبی سے بھی مالا مال تھے چنانچہ لوگوں کا ان سے متاثر ہونا یقینی تھا۔اپنے سیاسی افکار کو مذہبی رنگ دیتے دیتے اسلام کی اساس ثانی (حدیث) کے درپے آزار ہو گئے اور حدیث پر اعتراض کرنے بیٹھ گئے۔ان کی تصانیف تذکرہ اور ملا کے مذہب

میں ہمیں ان کے شخصی افکار کی جھلک نظر آتی ہے۔

۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء میں لاہور میں فوت ہوئے اور اچھرہ میں دفن کیے گئے۔(۱۰۰)

۸۔ نیاز فتح پوری (م ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء)

اصل نام نیاز محمد خاں جبکہ تاریخی نام لیاقت علی خاں تھا۔ ۱۸۸۴ء میں فتح پور ہسوہ کے پولیس آفیسر امیر خاں کے ہاں ولادت پائی۔ نو سال کی عمر میں مدرسہ اسلامیہ فتح پور میں داخلہ لیا اور ۱۸۹۹ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ عملی زندگی کا آغاز ۱۹۰۱ء میں صحافت کے میدان سے شروع کیا۔ ۱۹۱۱ء میں ہفت روزہ اخبار "توحید" کے معاون مدیر ہوئے۔ ۱۹۱۹ء میں اخبار "رعیت میرٹھ" کے چیف ایڈیٹر ہو گئے۔ فروری ۱۹۲۲ء سے اپنا رسالہ "نگار" شائع کیا جو کہ ان کے انتقال ۲۴ مئی ۱۹۶۶ء ہر ماہ باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔

نیاز فتح پوری بھی انکار حدیث میں نمایاں شخصیت تھے۔ "من ویزداں" انہی کی تصنیف ہے۔ وہ انکار حدیث میں یہاں تک آگے نکلے کہ مسلمانوں کی تمام خرابیوں کا ذمہ دار حدیث کو ٹھہراتے ہیں۔ خود لکھتے ہیں: "اگر مولویوں کی جماعت واقعی مسلمان ہے تو میں یقیناً کافر ہوں اور اگر میں مسلمان ہوں تو یہ سب نامسلمان ہیں کیونکہ ان کے نزدیک اسلام نام ہے صرف کورانہ تقلید کا اور تقلید بھی رسول و احکام رسول کی نہیں بلکہ بخاری و مسلم و مالک وغیرہ کی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ حقیقی کیفیت یقین کی اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہو سکتی جب تک ہر شخص اپنی جگہ غور کر کے کسی نتیجہ پر نہ پہنچے۔ قصہ مختصر یہ کہ اولیں بیزاری اسلامی لٹریچر کی طرف سے مجھ میں احادیث نے پیدا کی"(۱۰۱)۔

اس میں نیاز فتح پوری نے علماء کو امام بخاری و امام مسلم، امام مالکؒ وغیرہ محدثین کا مقلد قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ بات قطعی طور پر غلط ہے اور مسلمانوں کے متعلق معلومات کی کمی ہے۔ مسلمان محدثین کی تقلید نہیں کرتے انہوں نے جو صحیح سندوں کے ساتھ احادیث نبویہ بیان کی ہیں صرف ان کو مانتے ہیں۔

نیاز فتح پوری لکھتے ہیں: "اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کے متعلق قرآن کے بتائے ہوئے تصورات دوزخ و جنت، حشر و نشر وغیرہ عقائد ان سب کا مفہوم میرے لیے کچھ سے کچھ ہو گیا ہے کیونکہ اب مجھے نہ

صرف عقائد بلکہ خود مذاہب کا وجود بچوں کا کھیل نظر آنے لگا" (۱۰۲)۔

فتح پوری حدیث نبوی ہی نہیں بلکہ قرآن حکیم پر بھی ایمان میں مخلص نہیں۔ حدیث رسول میں شک سے کانٹے نکالنے والے نیاز صاحب قرآن مجید کے ساتھ کہاں تک وفادار ہیں۔ ملاحظہ ہو: "میں کلام مجید کو نہ کلام خداوندی سمجھتا ہوں اور نہ الہام ربانی بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں" (۱۰۳)۔

قرآن مجید کے متعلق یہ ہرزہ سرائی انکار حدیث سے پیدا ہوئی؟ انکار حدیث کا اصل سبب رسول اللہ کی باتوں کو چھوڑ کر غیروں کی باتوں پر ایمان لانا ہے۔ معجزات کے بارے میں نیاز فتح پوری کا عقیدہ ہے کہ: "معجزے کبھی ظاہر ہی نہیں ہوئے بلکہ یہ سب داستانیں ہیں جو صدیوں بعد گھڑی گئیں" (۱۰۴)۔

۹۔ تمنا عمادی پھلواری (م۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء)

اصل نام محی الدین تخلص تمنا جبکہ تمنا عمادی کے نام سے شہرت حاصل کی۔ وطن مالوف کی نسبت سے پھلواری کہلائے۔ تمنا عمادی صوبہ بہار کے ایک صوفی گھرانے میں ۱۹۱۸ء میں پیدا ہوئے (۱۰۵) یہ مردم خیز علاقہ کئی ایک اہل علم و صاحب قلم علما کی جائے پیدائش ہے۔

آپ کے بچپن کے حالات پردہ اخفا میں ہیں۔ ابتدائی تعلیم والدِ گرامی مولانا شاہ نذیر الحق اور خاندانی بزرگوں مولانا علی نعمت اور منظور احمد سے حاصل کی۔ درس نظامی کی تکمیل کے بعد مولانا نے تدریس شروع فرمائی اور پندرہ برس تک تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد مشرقی پاکستان ڈھاکہ میں قیام پذیر ہوئے۔ نومبر ۱۹۷۲ء میں عمر کی ستاسی بہاریں گزار کر کراچی میں مسافرانہ بے کسی میں فوت ہوئے اور یہیں دفن ہوئے (۱۰۶)۔

مولانا تمنا عمادی کی مطبوعہ اور عام دستیاب کتب میں جمع القرآن، اعجاز القرآن و اختلاف قرأت، حدیث کے مدوّن اوّل زہری اور تفسیر کے مدوّن اوّل طبری، سبیل المؤمنین، انتظار مہدی و مسیح کی حقیقت زیادہ معروف ہیں۔

ان کا نظریہ حدیث حسب ذیل ہے: "وہی ایک حدیث صحیح ہے جو قرآن سے قریب تر ہو اور باقی سب غلط ۔۔۔ چاہے ان باقی کے راوی کیسے ہی ثقہ کیوں نہ ہوں اور وہ صحاح ستہ کی متفق علیہ

حدیثیں ہی کیوں نہ ہوں اور وہ ایک حدیث جو کہ قرآن سے قریب تر ہے۔ اس کا راوی کیسا ہی مجروح کیوں نہ ہو اور وہ صحاح ستہ سے باہر ہی کی حدیث کیوں نہ ہو بلکہ شیعوں کی اصول کافی وغیرہ ہی کی حدیث کیوں نہ ہو(۱۰۷)۔

وہ مزید لکھتے ہیں: ''بعض صحابہ نے عہد نبوی میں حدیثوں کا لکھنا شروع کر دیا تھا اور جو کچھ رسول اللہﷺ سے سنتے تھے یا آپ کو کرتے ہوئے دیکھتے تھے اس کو لکھ لکھ کر جمع کرنے لگے تھے تو یہ آیتیں اتریں: ''یایھا الناس قد جاء تکم موعظة من ربکم وشفاء لما فی الصدور وھدی ورحمة للمؤمنین قل بفضل اللہ وبرحمته فبذلك فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون''(یونس:۵۷-۵۸)۔

اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہﷺ نے صحابہ کو حدیثیں لکھنے سے منع کر دیا''(۱۰۸)۔

جمہور محدثین کے ہاں کتابت حدیث کی ممانعت اس ابتدائی دور میں تھی جب صحابہ کرام قرآن مجید اور احادیث کو ایک ہی جگہ لکھ لیتے تھے۔اس کے باوجود بعض صحابہ کو لکھنے کی اجازت مل گئی جیسے عبداللہ بن عمرو اور بعض کو بعد میں ملی۔مگر تمنا عمادی نے ہی انکار حدیث کی راہ تلاش کرنے کے لیے اپنی مرضی سے یہ شرح بیان کر دی۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:''یہ سب من گھڑت افسانے ہیں دراصل کسی صحابی نے حدیثوں کا کوئی مجموعہ مرتب نہیں کیا تھا۔اگر دو چار حدیثیں بھی کوئی صحابی کسی ورق پر لکھ لیتے وہ ورق تبرک کے طور سے ضرور محفوظ رکھا جاتا''(۱۰۹)۔

ماہنامہ طلوع اسلام ستمبر 1950 کی اشاعت میں ان کا ایک مضمون شائع ہوا جو حدیث کے بارے میں ان کے نظریات کی پوری وضاحت کرتا ہے۔تمنا صاحب لکھتے ہیں:''منافقین عجم نے اپنے مقاصد کے ماتحت جمع احادیث کا کام شروع کرنا چاہا تو انہیں منافقین عجم کے آمادہ کرنے سے اس وقت خود ابن شہاب کو خیال ہوا کہ ہم حدیثیں جمع کرنا شروع کر دیں تو یہ مدینہ پہنچے اور کوفہ بھی اور احادیث مختلف مقامات سے حاصل کیں اور بیسیوں راویوں کے ساتھ رہے''(۱۱۰)۔

اہل علم سے مخفی نہیں کہ ابن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ) نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے

حدیث لکھنی شروع کی تھی۔ صالح بن کیسان آپ کے ساتھ تھے مگر تمنا صاحب کا شوق تحقیق دیکھیے کس وضاحت سے اسے عجمی سازش کا نام دیا ہے۔

حدیث کو عجمی سازش قرار دینا "طلوع اسلام" کے حل وعقد کا حصہ ہے۔ اس کے متعلق مولانا محمد اسماعیل سلفی کا نہایت وقیع مقالہ ان کی کتاب "حجیت حدیث" میں موجود ہے۔ جس کا کچھ حصہ راقم الحروف کی کتاب "التحدیث فی علوم الحدیث" کے مقدمہ میں بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۰۔ چوہدری غلام احمد پرویز (م ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء)

غلام احمد پرویز بٹالہ ضلع گورداس پور کے چوہدری فضل دین کے گھرانے میں ۱۹۰۳ء میں پیدا ہوئے۔ یہ گھرانہ بقولہ شریعت وطریقت کا بڑا لطیف آمیزہ تھا۔ ان کے دادا حضور بخش حنفی المسلک ایک جید عالم دین، چشتیہ نظامیہ سلسلے کے ممتاز بزرگ اور حاذق طبیب تھے (۱۱۱)۔

۱۹۲۱ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا گریجویشن کے بعد سول سروس میں چلے آئے اور ساری زندگی ایک ہی ملازمت پر اکتفا کیا۔ ابتدائی استاد ان کے دادا چوہدری رحیم بخش تھے جنہوں نے آپ کو سلوک کی منازل بھی طے کرائیں اور انہیں کے حکم پر سلسلہ چشتیہ صابریہ میں بیعت ہوئے (۱۱۲)

موصوف نے گیتا کا درس ودوان (گیتا اچاریہ) سے لیا اور ان کے کہنے پر شملہ کے نزدیک باؤلی کے کنارے ایک سادھی پر مشقیں اور مشقتیں کیں اور سادھی کے گرو کے جانشین بنے (۱۱۳)۔ موصوف ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ میں ان کا قابل فخر چیلا تھا۔ عربی ادب دہلی میں قیام کے دوران علامہ اسلم جیراج پوری سے پڑھا۔ فروری ۱۹۸۵ء کو لاہور میں وفات پائی (۱۱۴)۔

ان کی تصنیفات میں مفہوم القرآن، لغات القرآن، مطالب الفرقان، تبویب القرآن، ابلیس وآدم، اسلام کیا ہے؟ شاہکار رسالت، انسان نے کیا سوچا؟ سلیم کے نام خطوط، طاہرہ کے نام خطوط، مقام حدیث، بہار نو خصوصاً قابل ذکر ہیں۔

ان کے حالات زندگی سے ایک بات واضح ہوتی ہے کہ موصوف نے بھی تمام زندگی سول سروس میں گزاری تھی اور اس میں ان کا میل ملاپ انگریزوں سے بھی رہا۔ نتیجۃً موصوف نے بھی اپنی بزم طلوع اسلام کی اٹھان حدیث واصول حدیث پر تشکیک وغیرہ کے افکار پر رکھ کر انکار حدیث کے اس فتنہ کو

ایک قوت فراہم کی۔ مزید پرویز صاحب حنفی المسلک اور طریقت وتصوف کے سلاسل ومشارب کے متعلقین میں سے تھے۔ بلکہ ان کا تعلق تو ہندو جوگیوں اور سادھوؤں سے بھی رہا ہے۔ ان حالات کے تناظر میں ان میں انکار حدیث کے نظریات پروان چڑھے ہیں اور انہوں نے اس فتنہ کو بڑی تقویت فراہم کی۔

غلام احمد پرویز کا عقیدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس کوئی طے شدہ شریعت نہیں ہے جسے ابدیت حاصل ہو اور اس میں ہیشگی ہو۔ ان کا موقف یہ ہے کہ جزئیات مختلف حالات کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔ ان کے ہاں ان بدلتی جزئیات کو ہی شریعت کہتے ہیں جو وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ بدلنی چاہیئے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے کی شریعت صرف اس دور کے لیے تھی اس دور کے لیے نہیں۔ ہمارے زمانے کی شریعت مرکز ملت (وفاقی اسمبلی) طے کرے گی انہیں حدیث سے طے کرنا درست نہیں (۱۱۵)۔

غلام احمد پرویز کے دور میں فتنہ انکار حدیث پورے عروج کو پہنچا ہے۔ اس کا انداز تصنیف بزعم خود باسلیقہ لیکن الجھا ہوا ہے جس میں جھانک کر اصل فتنے کی نشاندہی کرنا ایک بڑا مشکل کام ہے۔ آپ نے تفسیر مفہوم القرآن کئی جلدوں میں تحریر کی ہے جو اردو عبارت اور حسن طباعت میں نفیس کتاب ہے۔ اس میں کس طرح اسلام کے قطعی نظریات سے کھیلا گیا ہے، وہ ہمیں مطالعہ سے ہی پتہ چلتا ہے۔ نیز یہ کہ انکار حدیث کا نظریہ پرویز صاحب کو کہاں تک اسلام سے دور لے گیا ہے۔ ان کی یہ تحریر ملاحظہ ہو: ''اب آیئے قرآن کریم کی طرف۔۔۔ اس میں یہ بالتصریح کہیں نہیں لکھا کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی تھی'' (۱۱۶)۔

کیا یہ وہی عقیدہ نہیں جو قادیانیوں کا ہے؟ کیا قرآن حضرت عیسیٰ کو بار بار مسیح بن مریم نہیں کہتا؟ کیا پارہ ۳ سورہ آل عمران رکوع ۵ میں اور پارہ ۱۶ سورہ مریم رکوع ۲ میں اس پر مفصل بحث نہیں ملتی؟ اس وقت ہم اس موضوع پر بحث نہیں کر رہے بتلانا یہ مقصود ہے کہ دیکھو انکار حدیث کس طرح پرویز صاحب کو قادیانیوں کے قریب لے گیا ہے۔ مزید دیکھیے: ''حضرت عیسیٰ کے اب تک زندہ ہونے کی تائید قرآن کریم سے نہیں ملتی۔ قرآن پاک آپ کے وفات پا جانے کا بصراحت ذکر کرتا ہے'' (۱۱۷)۔

ہمیں تو اب تک قرآن پاک میں کہیں وہ آیت نہیں ملی جس میں خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات صراحت سے مذکور ہو رہی ہو الفاظ کی کھینچا تانی اور دوراز کار تاویلات سے قادیانیوں کا لٹریچر بھی بھرا ہوا ہے۔

پرویز صاحب لکھتے ہیں: ''کوئی روایت جو حضرت عیسیٰ کی آمد کی خبر دیتی ہے وضعی اور جھوٹی ہے جو ہمارے لیے سند نہیں ہو سکتی'' (۱۱۸)۔

آپ کے ہاں کل ذخیرہ حدیث ہی جعلی اور وضعی ہے تو یہاں حدیث مسیح کی تخصیص کس لیے ہے؟ پرویز صاحب نے جس طرح قرآن پر یہ بہتان باندھا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کی وفات کا بصراحت ذکر کرتا ہے اسی طرح قرآن پاک پر ان کا دوسرا بہتان بھی ملاحظہ کیجئے: ''قرآن کریم نے کس شدت اور تکرار سے اس کی صراحت فرما دی ہے کہ نبی اکرم کو کوئی حسی معجزہ نہیں دیا گیا اور حضور کا معجزہ صرف قرآن ہی ہے'' (۱۱۹)۔

پرویز صاحب تو اس باب میں شدت اور تکرار کے مدعی ہیں لیکن ہمیں تو ایک آیت بھی ایسی نہیں ملی جس میں بصراحت کہا گیا ہو کہ حضور اکرمؐ کو کوئی حسی معجزہ نہیں دیا گیا۔ معتزلہ نے اسی پہلو سے معجزات کا انکار کیا تھا۔ فتنۂ انکار حدیث اپنی لپیٹ میں اسلام کے ہر بنیادی عقیدہ کو کھینچ رہا ہے اور اس دور میں مسٹر غلام احمد پرویز اسلام کے لیے دوسرے غلام احمد (قادیانی) کا کردار ادا کر رہے ہیں۔

ہندوستان میں انکار حدیث کی باقاعدہ تحریک مولوی عبداللہ چکڑالوی سے چلی تھی۔ پاکستان بننے پر مسٹر پرویز اس کشتی کو کھینچتے رہے۔ پرویز نے اپنے خیالات کی اشاعت میں اپنی سرکاری پوزیشن بھی استعمال کی اور افسران کے ایک حلقے کو جو پہلے سے علماء سے بغض رکھتا تھا متاثر کیا اور جدید تعلیم یافتہ لوگ کسی درجے میں اس کے گرد جمع ہو گئے۔ پرویز نے اپنے اس موقف پر خاص لٹریچر مہیا کیا ہے۔ پہلے اس خیال کے لوگوں کو چکڑالوی کہا جاتا تھا اب انہیں پرویزی کہتے ہیں۔ یہ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ سب سے پہلے پرویز کسریٰ ایران نے حضور کے نامہ مبارکہ کو پارہ کیا تھا۔ حدیث کا یہ پہلا انکار تھا۔

پرویز صاحب کے ہاں اللہ اور رسول کی اطاعت سے کیا مراد ہے؟ ملاحظہ ہو:

''چونکہ نظام دین میں اللہ کے احکام مرکز سے نافذ ہوتے تھے اور یہ مرکزی قوت نافذہ رسول

کی مخصوص شخصیت میں تھی اس لئے ان مرکزی احکام کی اطاعت کو اللہ اور رسول کی اطاعت قرار دیا گیا ہے۔لہذا اللہ اور رسول سے مراد وہ مرکزی نظام دین ہے جہاں سے احکام قرآنی نافذ ہوں" (۱۲۰)۔

"ان تصریحات سے واضح ہے کہ نظام قرآنی میں اطاعت مرکز ملت کی ہے اور چونکہ یہ مرکز قوانین خداوندی کی تنفیذ کرتا ہے اور پہلا مرکز رسول اکرمؐ کی ذات گرامی تھی اس لیے قرآن کریم میں مرکز ملت کو اللہ اور رسول کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے" (۱۲۱)۔

۱۱۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق (م ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء)

یہ سرکاری ملازم تھے، ان کی تحریر میں چاشنی تھی۔اس کی کتابوں میں دو قرآن، دو اسلام، جہان نو اور حروف محرمانہ، اللہ کی عادت وغیرہ بسلسلہ انکار حدیث دیکھنے کے لائق ہیں۔ایک جگہ مرزا غلام احمد کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "مرزا صاحب درست فرماتے ہیں کہ تمام حدیثیں تحریف معنوی ولفظی سے آلودہ یا سرے سے موضوع ہیں" (۱۲۲)۔

رسولوں کی اطاعت درکنار رہی برق صاحب کے ہاں خود رسولوں پر بھی ایمان لانا ضروری نہیں تھا۔خدا تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان ہو تو نیک اعمال شرف قبولیت پا لیتے ہیں لیکن اس کے ہاں رسولوں پر ایمان لانا ضروری نہیں۔چنانچہ لکھتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے امنوا باللہ والیوم الآخر کو قبول اعمال کی بنیادی شرط قرار دیا ہے۔اس میں ایمان بالرسل شامل نہیں" (۱۲۳)۔ایک جگہ علماء کو خطاب کرتے ہوئے لکھا ہے: "آپ کے ہاں اسلام چند عقائد کا نام ہے اور قرآن کے نزدیک صرف نیکی کا۔اس لیے خدا اور رسول کا صحیح پیرو وہ ہے جو ان اعمال پر عمل کر رہا ہو خواہ اس پر عیسائیت کا لیبل لگا ہوا ہو یا یہودیت کا، نہ وہ جو خدا اور رسول کا صرف زبانی قائل ہو اور عملاً کافر" (۱۲۴)۔

ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے۔ڈاکٹر غلام جیلانی برق جو انکار حدیث میں اس قدر آگے نکلے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کی دستگیری کی اور وہ انکار حدیث سے یکسر تائب ہو گئے۔ان کی آخری تصنیف تاریخ حدیث ہے۔جس میں انہوں نے حدیث کو قبول کرنے کا غیر مشروط اقرار کرتے ہوئے اپنے انکار حدیث کے نظریات سے یکسر تائب ہونے کا اظہار کیا ہے۔

۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء میں فوت ہوئے اور اپنے آبائی گاؤں میں دفن ہوئے (۱۲۵)۔

منکرین حدیث کے مراکز

۱۔ امرتسر

۱۔ امرتسر پنجاب کا ایک اہم علمی و تجارتی مرکز تھا۔ نیز یہاں آریہ، مسلم اور عیسائیت کے فروغ کی تنظیمیں اپنے اپنے مذہبی افکار کو باقاعدہ تحریکی صورت میں پھیلا رہی تھیں۔

۲۔ جب امرتسری مسلم علماء نے مخالف فریقین کے دلائل میں ذہنی اور فکری پسپائی اختیار کی تو سابقہ گمراہ فرق (معتزلہ اور خوارج وغیرہ) کے پیش کردہ نظریہ کفایت قرآن کو بنیاد بنا کر انکار حدیث کا دروازہ کھول دیا۔

۳۔ امرتسر میں مولوی غلام علی قصوری بسلسلہ ملازمت تشریف لائے اور یہیں کے ہو رہے۔ ان کی اسلامی تعلیم نامکمل تھی۔ حدیث و اصول حدیث سے کماحقہ آگاہ نہیں تھے۔

۴۔ موصوف نے مدِ مقابل کے اعتراضات سے بچنے کے لیے حدیث کی صحت اور حجت کا انکار کیا۔ اس مرکز سے وابستہ لوگ عمل تواتر کے قائل رہے۔ امرتسر میں اس فتنہ کی بنیاد موصوف مولوی صاحب نے رکھی اور اس تحریک کو پروان ان کے شاگرد خاص منشی احمد دین نے چڑھایا۔

۵۔ بیسویں صدی میں بھی امرتسر کی مرکزی حیثیت قائم رہی۔ یہاں منکرین حدیث کی قیادت خواجہ احمد دین کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے ۱۹۲۴ء میں امرتسر میں ایک مجلس ''امت مسلمہ'' قائم کی (۱۲۶)۔

انکار حدیث کی ابتداء تو امرتسر سے ہی ہوئی لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس گروہ کی انتہائی کوشش کے باوجود امرتسر میں اس کو فروغ حاصل نہ ہو سکا اور عام مسلمان اس بادِ سموم سے محفوظ رہے۔

۲۔ دہلی

بیسویں صدی عیسوی میں انکار حدیث کے جراثیم دہلی بھی پہنچ گئے۔ یہاں اس فتنہ کے سرپرست و مربی اسلم جیراجپوری تھے۔ جو کہ جامعہ ملیہ دہلی میں استاد تھے اور غلام احمد پرویز کے بھی مرشد

مربی واستاد تھے۔انہوں نے اپنے افکار ونظریات کو پھیلانے کے لیے کوئی انجمن یاادارہ قائم نہ کیاان کی کچھ کتب جامعہ ملیہ دہلی نے شائع کیں اور باقی کی اشاعت ''بلاغ امرتسر'' اور طلوع اسلام دہلی، کراچی اورلاہورنے کی کیونکہ موصوف کے اکثر مضامین انہیں رسائل میں چھپا کرتے تھے۔

۳۔ علی گڑھ

انگریزوں کے لائے ہوئے ملحدانہ نظریات اور فلسفہ کے دور میں انکار حدیث کی پہلی آواز وابستگانِ علی گڑھ کی جانب سے بلند ہوئی (۱۲۷)۔علی گڑھ سرسید احمد خاں اوران کے رفقا جوترقی پسند کہلاتے تھے،ان کا مرکز تھا۔ یہ لوگ چونکہ انگریزی تہذیب وتمدن اوران کے فلسفہ ونظریات سے متاثر تھے۔ان کی زیادہ تر زندگی انگریز ہی کی ملازمت میں گزری اور یہ لوگ اسلامی علوم وفنون اوران کے علم اصول سے ناآشنا تھے۔نتیجہ یہ لوگ مستشرقین کے افکار ونظریات سے متاثر ہوئے اوران لوگوں نے انکارحدیث اورتشکیک فی القرآن کے نظریات کو عامۃ الناس میں پھیلایا۔تاہم علی گڑھ میں شبلی جیسی نابغہ روزگار شخصیات بھی موجود تھیں جواس سے مستثنیٰ ہیں۔

۴۔ کراچی

کراچی بھی منکرین حدیث کاایک اہم مرکز رہا ہے اور ہے قیام پاکستان کے فوراً بعد پرویز نے کراچی ہی کو اپنا مرکز بنا کر طلوع اسلام اوراپنی دوسری تالیفات شائع کیں۔ بعدازاں مولوی حبیب الرحمان کاندھلوی اور تمنا عمادی جیسی شخصیات نے بھی انکار حدیث کے نظریات کے فروغ کے لیے کراچی ہی کو مرکز بنایا۔''رحمان پبلشنگ'' ان کے مذموم عقائد کوفروغ دے رہا ہے۔نگار نیاز فتح پوری کا رسالہ بھی کراچی ہی میں انکارحدیث کی تحریک کی زہر پاشی میں مصروف رہا ہے۔

۵۔ لاہور

انیسویں صدی میں انکار حدیث کے معروف مراکز دو تھے۔لیکن جونہی بیسویں صدی کا آغاز ہوا۔فتنہ انکارحدیث کی وبا نے لاہور جیسے علمی اور تحریکی مرکز کواپنی لپیٹ میں لے لیا۔گزشتہ صدی میں امرتسر،علی گڑھ ہی ان کے مراکز تھے لیکن اب لاہوران کا تیسرا اور سب سے اہم مرکز بنا۔

بیسویں صدی کے اوائل میں مولوی عبداللہ چکڑالوی نے لاہور میں ایک انجمن ''اہل الذکر والقرآن'' قائم کی جس کے تحت اپنے نظریات وافکار کا پرچار شروع کیا۔ اور اپنے نظریات کی اشاعت کے لیے رسالہ ''اشاعۃ القرآن'' بھی جاری کیا۔ اس کی وفات کے بعد اس انجمن کو ان کے جانشین اسے چلاتے رہے۔ بالآخر یہ مجلس اور رسالہ اپنی موت آپ مر گیا۔

پرویز نے اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد لاہور ہی کو اپنا مرکز قرار دے کر ''ماہنامہ طلوع اسلام'' جاری کیا جو تا حال جاری ہے۔ قبل ازیں یہ رسالہ کراچی سے شائع ہوتا تھا۔ اس نے اپنے نظریات کے فروغ کے لیے بزم طلوع اسلام قائم کی۔ ہفتہ وار درس قرآن شروع کیا جو کہ آج کل بھی بذریعہ ویڈیو کیسٹ ہر اتوار صبح نو بجے ہوتا ہے۔ تعلیم یافتہ طبقے بالخصوص ماڈرن خواتین میں یہ درس اور رسالہ کافی مقبول ہے۔

اس بزم و رسالے کا ہیڈ آفس پرویز کی رہائش گاہ ہے۔ جسے ان لوگوں نے ایک ٹرسٹ کی حیثیت دے رکھی ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ طلوع اسلام نے اپنے اور ماقبل دور کے تمام اہم ارکان اور ان کے نظریات جو کہ انکار حدیث کے متعلق تھے ان تمام کو اپنے اندر سمویا ہے۔ اس کی موجودہ حیثیت انکار حدیث کے ایک دائرہ معارف کی سی ہے۔

نظریاتی و اساسی طور پر پرویز، سید احمد خاں کے نظریات وافکار کا ترجمان ہے۔ بلکہ پرویز کے ایک معتقد کے نزدیک تو سرسید احمد خاں کا پرویز کی شکل میں دوسرا جنم ہے (۱۲۸)۔ ادارہ طلوع اسلام نے پرویز کی تمام کتب شائع کی ہیں۔

لاہور کو خاکسار تحریک نے مرکز بنایا۔ علامہ عنایت اللہ المشرقی کی زیر قیادت انکار حدیث کے افکار کو فروغ دیا۔

۴۔ اسی شہر میں متعدد ادارے اور رسائل معرض وجود میں آئے۔ جنہوں نے بیسویں صدی عیسوی میں انکار حدیث کے پھیلانے میں اپنا تن من دھن اور ایمان سب کچھ غارت کیا۔ ان میں معروف ''ماہنامہ بلاغ القرآن لاہور''، ''دوست ایسوسی ایٹس لاہور'' قابل ذکر ہیں۔

۵۔ مولوی عبداللہ چکڑالوی کے مربی منشی احمد دین نے بھی لاہور میں ایک مجلس قائم کی۔ جس کا

نام ''امت مسلمہ'' رکھا جس کے زیر انتظام موصوف کی کتب کی اشاعت بھی ہوئی۔ جب تک وہ زندہ رہے اسی کے تحت لکشمی چوک کے نزدیک ایک ہال میں درس قرآن دیتے رہے جو کہ اسی انجمن کے تحت ہے اور یہ ہال روڈ پر واقع ہے (۱۲۹)۔

فتنہ انکارِ حدیث کے رد میں لکھی جانے والی کتب

۱۔ آئینہ پرویزیت، عبدالرحمان کیلانی۔

۲۔ اتباع سنت، سید بدیع الدین شاہ راشدی۔

۳۔ اثبات الخبر فی رد منکری الحدیث والاثر، عبدالستار حسن عمرپوری۔

۴۔ احادیث صحیح بخاری و مسلم کو مذہبی داستانیں بنانے کی ناکام کوشش، مولانا ارشاد الحق اثری۔

۵۔ اسلام میں سنت کا مقام، عبدالغفار حسن۔

۶۔ اسلام میں سنت وحدیث کا مقام، مصطفیٰ حسن السباعی/ احمد حسن۔

۷۔ اسلامی معاشرہ میں سنت کی اہمیت، علامہ محمد اسد/ محمد معین خان۔

۸۔ اقبال اور منکرین حدیث، محمد فرمان۔

۹۔ انتخابِ حدیث، عبدالغفار حسن عمرپوری۔

۱۰۔ انکارِ حدیث ایک فتنہ ایک سازش، محمد فرمان۔

۱۱۔ انکارِ حدیث حق یا باطل، صفی الرحمٰن الاعظمی۔

۱۲۔ انکارِ حدیث کے نتائج، محمد سرفراز صفدر۔

۱۳۔ انکارِ حدیث یا انکارِ رسالت، سید معین الدین۔

۱۴۔ اہتمام المحدثین بنقد الحدیث سنداً و متناً، محمد لقمان السلفی۔

۱۵۔ برق اسلام بجواب رسالہ طلوع اسلام، محمد شرف الدین۔

۱۶۔ پرویز اور قرآن، مفتی مدار اللہ مدار۔

۱۷۔ پرویز کا اسلام، منشی عبدالرحمان خان۔

۱۸۔ پرویز نے کیا سوچا؟ ڈاکٹر سبطین لکھنوی۔

۱۹۔ تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی۔
۲۰۔ جمع القرآن والاحادیث، ابوالقاسم بنارسی تحقیق ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر، نگہت ہاشمی۔
۲۱۔ حجیت حدیث، محمد اسماعیل سلفی۔
۲۲۔ حجیت حدیث، ناصر الدین البانی۔
۲۳۔ حجیت حدیث، محمد تقی عثمانی۔
۲۴۔ حجیت حدیث اور اتباع رسول، ثناء اللہ امرتسری۔
۲۵۔ حجیت حدیث (وجوب العمل بسنۃ الرسول وکفر من انکرھا)، عبدالعزیز بن باز۔
۲۶۔ حجیت حدیث بجواب حقیقت حدیث۔
۲۷۔ حجیت حدیث پر برصغیر کے ادب کا تنقیدی جائزہ۔
۲۸۔ حجیت سنت، مترجم خالد گھرجاکھی۔
۲۹۔ حجیت سنت، عبدالغنی عبدالخالق۔
۳۰۔ حجیت السنۃ، دکتور محمد لقمان سلفی۔
۳۱۔ حدیث اور قرآن، ابوالاعلیٰ مودودی۔
۳۲۔ حدیث کی اہمیت، محمد رفیق۔
۳۳۔ حدیث کی تدوین عہد صحابہ اور تابعین میں، حکیم عبدالشکور۔
۳۴۔ حمایت حدیث، محمد عبداللہ حنیف۔
۳۵۔ خود انصاف کیجیے بجواب خود فیصلہ کیجیے، مسعود احمد۔
۳۶۔ دراسات فی الحدیث النبوی وتاریخ تدوینہ، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی۔
۳۷۔ دفاع حدیث، عبدالرحمان کیلانی۔
۳۸۔ دلیل الفرقان بجواب اہل القرآن، ثناء اللہ امرتسری۔
۳۹۔ زوابع فی وجہ السنۃ قدیما وحدیثا، صلاح الدین مقبول احمد۔
۴۰۔ عظمت حدیث، مولانا عبدالغفار حسن۔

۴۱۔ السنۃ حجیتھا مکانتھا فی الاسلام والرد علی منکریھا، محمد لقمان سلفی۔

۴۲۔ فتنہ انکار حدیث، حافظ محمد ایوب دھلوی۔

۴۳۔ فتنہ انکار حدیث، رشید احمد مفتی۔

۴۴۔ فتنہ انکار حدیث، مفتی ولی حسن خاں ٹونکی۔

۴۵۔ فتنہ انکار حدیث اور اس کا پس منظر، محمد عاشق الٰہی مفتی۔

۴۶۔ فتنہ انکار حدیث اور اسلام، عبدالعزیز بن باز/عبدالستار حماد۔

۴۷۔ فتنہ انکار حدیث کا منظر و پس منظر، افتخار احمد بلخی۔

۴۸۔ قرآنی تعزیرات بجواب پرویزی خرافات، منور حسین سیف الاسلام دھلوی۔

۴۹۔ قضیۃ الحدیث فی حجیۃ الحدیث، ابوالقاسم بنارسی۔

۵۰۔ کتابت حدیث، منت اللہ رحمانی۔

۵۱۔ کتابت حدیث عہد تابعین، محمد خالد سیف۔

۵۲۔ کتابت حدیث عہد نبوی میں، ابوبکر غزنوی۔

۵۳۔ مکتوب لطیف فی حجیت حدیث، محمد سرفراز خاں چوہدری۔

۵۴۔ منکرین حدیث کا جنازہ مؤاخذہ، سید محمد احسن۔

۵۵۔ یہودی سازش اور فتنہ انکار حدیث، انعام اللہ جان (۱۳۰)۔

موجودہ صورت حال

موجودہ دور میں یہ فتنہ اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔ اس گروہ کی طرف سے اپنے آپ کو حالات کے دھارے میں ڈھالتے ہوئے جدید ذہن کو مسموم کرنے کی پوری کوشش کی جاتی ہے۔ اس کا ہدف خصوصاً وہ پڑھا لکھا طبقہ ہے جو عربی اور علوم اسلامیہ سے پوری طرح واقفیت نہیں رکھتا۔ سطحی مطالعہ اور دینی تربیت کا فقدان انہیں بڑی آسانی سے اس فکر کی راہ پر گامزن کر دیتا ہے۔

منکرین حدیث کا ایک گروہ ''حزب المسلمین'' کے نام سے لاہور میں سرگرم عمل ہے۔ اس کے زیر انتظام ایک ہفت روزہ رسالہ ''قرآنی معاشرہ'' شائع کیا جا رہا ہے۔ جس کے مدیر محمد قاسم نوری

ہیں۔ان کے افکار ملاحظہ ہوں: ''حزب المسلمین قرآن کے سوا کسی چیز کو تسلیم نہیں کرتی۔ان الـــذی فـرض عـلیك الـقرآن [الـقـصص (۱۳۱) فرض صرف قرآن ہے۔لہذا جو کچھ قرآن میں ہے وہی ایمان ہوسکتا ہے۔اور جو بات قرآن میں نہیں اسے اپنا ایمان بنالینا کفر ہے، شرک ہے اور جرم ہے۔

قرآن کریم کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔ نہ کسی حدیث کا نہ تفسیر کا نہ تشریح کا اور نہ کسی فقہی موشگافیوں کا'' (۱۳۲)۔ایک اور ادارہ ''صوت القرآن'' کے نام سے لاہور میں کام کر رہا ہے۔ ملک احسان الحق کی تصنیف ''سبیل المؤمنین'' ادارہ مذکور نے شائع کی ہے۔جس میں صراحتاً دعویٰ کیا گیا ہے کہ دین اسلام کا واحد حقیقی ماخذ قرآن مجید ہے (۱۳۳)۔علاوہ ازیں کچھ لوگ انفرادی طور پر بھی اس فکر کو پروان چڑھا رہے ہیں۔ لاہور کے بشیر صاحب نے ''صحیح بخاری کی چند احادیث اوران پر تبصرہ'' کے عنوان سے ایک پمفلٹ شائع کیا ہے۔اس میں رقمطراز ہیں: ''جس طرح پارسل کا صحیح حالت میں ملنا اس کا ثبوت ہے کہ چیز محفوظ حالت میں مل گئی۔اس لحاظ سے دیکھا جائے تو قرآن مجید بالکل محفوظ حالت میں ہم تک پہنچا ہے اور مجموعہ حدیث پر یہ مثال صادق نہیں آتی اس لیے کہ اس میں ضعیف روایات شامل ہوگئی ہیں'' (۱۳۴)۔

اسی طرح رحمت اللہ طارق ، صاحب ''منسوخ القرآن''، ''برھان القرآن''، ''میزان القرآن'' ہیں۔ جو علم حدیث کو ایک مشکوک علم گردانتے ہوئے اس بات کے علمبردار ہیں کہ دین میں احادیث حجت نہیں، حجت صرف اسوۂ رسول ہے۔ اسوہ کا تعلق مشاہدہ سے ہے روایات سے نہیں (۱۳۵)۔

خوارج

تاریخی پس منظر، عقائد اور روایت حدیث

ادیان سماویہ میں سے اسلام، واحد دین ہے جس کی جملہ تعلیمات حرف بحرف محفوظ ہوئیں اور تحریف وتغیر سے بالاتر رہ کر تسلسل کے ساتھ نسل در نسل امت مسلمہ تک پہنچ رہی ہیں اور یقیناً پہنچتی رہیں گی۔ اس منفرد دین کے دو بنیادی ماخذ ''قرآن وحدیث'' میں سے قرآن مجید کی لفظی صیانت وحفاظت کا ذمہ خود اس کے نازل کرنے والے نے اپنے ذمے لیا(۱۳۶)۔ جو اقوام عالم کے مختلف ناکام تحریفی حربوں کے باوجود اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ محفوظ ہے۔

دین اسلام کے دوسرے بنیادی ماخذ کو بھی جس حسن وخوبی اور کمال احتیاط کے ساتھ محفوظ کیا اس کی مثال پیش کرنا بھی ممکن نہیں۔

محدثین نے تمام تر تعصبات سے بالاتر ہو کر قبول حدیث کے لیے اتنے کڑے معیار قائم کیے کہ ادیان عالم میں سے اس کی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی۔ محدثین عظام حدیث رسول اللہ ﷺ کے معاملہ میں کسی کی رعایت نہ کرتے تھے، بلکہ اس معاملے میں اگر کوئی خاص عزیز یا رشتہ دار ہوتو اس کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔ چنانچہ امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری کے استاد علی بن المدینی نے اپنے والد پر تنقید کی (۱۳۷)۔ اسی طرح اور محدثین کے متعلق بھی روایات ملتی ہیں (۱۳۸)۔ اس معاملے میں محدثین بہت زیادہ محتاط تھے۔ ہر چند کہ جرح وتعدیل بہت نازک اور حساس کام ہے مگر محدثین نے صحت حدیث کے لیے بلاخوف لومتہ لائم یہ فریضہ سرانجام دیا۔ امام ابن دقیق العید فرماتے ہیں: '' أعراض المسلمین حفرۃ من حفر النار، وقف علی شفیرھا طائفتان من الناس: المحدثون والحکام ''(۱۳۹)(مسلمانوں کی عزتیں جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے، جس کے کنارے لوگوں کے دو گروہ محدثین اور حکمران کھڑے ہیں)۔

امام بخاریؒ کا منہج تحدیث ذکر کرتے ہوئے جمال الدین قاسمی فرماتے ہیں، فخرج عن کل عالم صدوق ثبت عن أیّ فرقۃ کان (۱۴۰)(انہوں نے ہر سچے اور ثقہ عالم سے احادیث

بیان کیں خواہ وہ کسی فرقہ سے ہو)۔علمائے امت نے بخاری اور مسلم کا کسی راوی سے روایت کرنا اس کے ثقہ ہونے کا ثبوت قرار دیا ہے۔چنانچہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں ”تعرف ثقة الراوي بالتنقيص عليه من رواه او ذكره في تاريخ الثقات أو تخريج أحد الشيخين له في الصحيح وإن تكلم في بعض من خرج له فلا يلتفت اليه “(۱۴۱)(راوی کی ثقاہت کا علم نص قطعی سے ہوتا ہے یا اس کا تاریخ ثقات میں ذکر آنے سے ہوتا ہے، یا شیخین (بخاری و مسلم) کے صحیح میں روایت لانے سے ہوتا ہے۔جس کی روایت کو ان کی صحاح میں لایا گیا۔اس پر کلام بھی کیا گیا ہو تو وہ نا قابل التفات ہوگا)۔نیز امام ابوالحسن المقدسی کا قول نقل کیا گیا ہے کہ ایسا شخص جس سے بخاری و مسلم کی صحیحین میں روایت آ گئی ”هذا جاوز القنطرة “(یہ پل گزر گیا)۔اس کے بعد لکھتے ہیں: ”يعني بذلك أنه لا يلتفت إلى ما قيل فيه “(۱۴۲)(اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے متعلق جو کچھ کہا جائے گا، اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی جائے گی)۔

روایت حدیث کے سلسلہ میں جہاں محدثین نے اہل سنت کو مختلف طبقات میں تقسیم کر کے معیار صحت پر پورا اترنے والے اشخاص کی کاٹ چھانٹ کی وہاں مبتدعہ (اہل سنت کے علاوہ تمام فرقے بشمول اہل تشیع، روافض، خوارج وغیرہ) میں سے میدان تحدیث کیلئے زندگی وقف کرنے والے لوگوں میں سے باصلاحیت اور قابل اعتماد افراد کو آٹے میں سے بال کی طرح نکال کر ان کی روایات کو اپنے دواوین میں فرعی حیثیت سے جگہ دی۔انہی میں سے ایک گروہ ”خوارج“ ہے۔محدثین نے دوران تدوین حدیث ان افراد کی وساطت سے پہنچنے والی احادیث کو جس معیار تحقیق پر پرکھا، ذیلی سطور میں ہم اس کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔بالخصوص رجال صحیح بخاری میں خوارج رواۃ کو زیر بحث لایا جائے گا۔

لغوی واصطلاحی تعریف

خوارج کی تعریف اور وجہ تسمیہ کے متعلق متعدد اقوال منقول ہیں۔جن میں سے اہم درج ذیل ہیں:

القاموس المحیط میں ہے: ”الخوارج من اهل الاهواء لهم مقالة على حدة سموا به لخروجهم على الناس “(۱۴۳)(خوارج اہل بدعت میں سے ہیں۔ان کے اپنے علیحدہ

نظریات ہیں۔ان کا یہ نام اس وجہ سے پڑا کہ انہوں نے عام مسلمانوں کے خلاف بغاوت کی)۔تاج العروس میں اس کے ساتھ یہ اضافہ بھی ہے کہ خارجی کے علاوہ ان کا نام حروریہ بھی ہے اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ لوگ دین حق یا حضرت علی سے صفین کے بعد علیحدہ ہوگئے تھے (۱۴۴)،المنجد میں ہے "الخارجی من خالف السلطان والجماعة ومن اعتقد بمذهب الخوارج "(۱۴۵)(وہ آدمی جو حکمران اور جماعت کا مخالف ہو اور خوارج کے مذہب کا عقیدہ رکھے خارجی کہلاتا ہے)۔ عبدالقاھر بغدادی نے صفین کے بعد حروراء مقام پر جمع ہونے کی وجہ سے "حروریہ" اور "لا حکم الا للہ" کا نعرہ لگانے کی وجہ سے ان کا نام "محکمہ" بھی لکھا ہے (۱۴۶)۔

بغدادی نے "الفرق بین الفرق" میں محکمۃ کے ساتھ "شراۃ" کے نام سے بھی انہیں موسوم کیا ہے (۱۴۷)۔لغت اور عقیدہ کی دیگر کتب میں بھی ان کی تعریف اسی طرح سے کی گئی ہے اور یہی نام لکھے گئے ہیں (۱۴۸)۔احمد امین مصری نے خوارج کے لفظ کی وجہ تسمیہ حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت قرار دی اور کہا ہے کہ وہ اپنے نام کو خروج فی سبیل اللہ سے مشتق سمجھتے تھے اور اس ارشاد ربانی سے استناد کرتے تھے۔"ومن یخرج من بیته مهاجرا الی اللّٰه ورسوله ثم یدرکه الموت فقد وقع اجره علی اللّٰه "(۱۴۹)(جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے اپنے گھر سے نکلے پھر اس کو موت آجائے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر لازم ہو جاتا ہے)۔احمد امین کہتے ہیں ان کا نام شراۃ بھی تھا۔یعنی وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے ہاتھ میں فروخت کر دیا ہو ان کے ہاں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے"ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضاة اللّٰه "(۱۵۰)(بعض لوگ اپنے آپ کو اللہ کی رضامندی کی خاطر فروخت کر دیتے ہیں)۔اس لغوی اور اصطلاحی تعریف سے معلوم ہوا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو حکومت وقت سے الگ ہوگئے اور انہوں نے سمع وطاعت سے انکار کیا۔اس وجہ سے ان کو خارجی یا باغی کہا جاتا ہے۔

ابتدائی تاریخ

امت محمدیہ میں پہلے امام حق خود حضرت محمد ﷺ ہیں۔حضرت محمد ﷺ پوری کائنات میں امانت،دیانت،شرافت،حیاء،عبادت،ریاضت،شجاعت،لیاقت اور حسن وجمال میں سب سے بڑھ کر

تھے۔اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی زندگی کو لوگوں کے لیے بہترین نمونہ قرار دیا(۱۵۱)۔لیکن اس کے باوجود ایک بد بخت نے آنحضرت ﷺ پر اعتراض کیا۔قرآن مجید میں ہے: ومنهم من يلمزك في الصدقت (۱۵۲)(ان میں سے بعض لوگ آپ ﷺ کے صدقہ تقسیم کرنے پر آپ ﷺ پر الزام لگاتے ہیں)۔امام بغوی نے اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق لکھا ہے۔یہ آیت ذوالخویصرۃ کے بارے میں اتری جس کا نام حرقوص بن زھیر تھا جو اصل الخوارج (خوارج کا بانی) تھا(۱۵۳)۔ معالم التنزیل میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ مال غنیمت تقسیم فرما رہے ہیں کہ بنو تمیم کا ایک آدمی ذوالخویصرۃ نامی آیا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول ﷺ: انصاف کیجیے۔آپؐ نے فرمایا ''تمہارا برا ہو اگر میں انصاف نہیں کرتا تو پھر کون انصاف کرے گا''۔ ناانصافی کی صورت میں (کیا) نقصان اور خسارے میں نہیں ہوں گا۔حضرت عمرؓ نے فرمایا اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے اجازت دیجیے میں اس کا سر قلم کر دوں۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اسے چھوڑ دو اس کے ساتھی ایسے لوگ ہوں گے کہ تم میں سے بعض ان کی نماز دیکھ کر اپنی نماز کو حقیر سمجھیں گے اور ان کے روزوں کو دیکھ کر اپنے روزوں کو حقیر سمجھیں گے۔وہ قرآن مجید پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا۔دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر نشانہ سے نکل جاتا ہے(۱۵۴)۔

یہ پورا واقعہ مزید تفصیل سے صحیح بخاری میں موجود ہے۔اس میں یہ اضافہ ہے کہ ان کی نشانی یہ ہوگی کہ جب یہ لوگ رونما ہوں گے تو ان میں ایک شخص ہوگا جس کا ایک ہاتھ عورت کی چھاتی کی طرح یا حرکت کرتے ہوئے گوشت کے لوتھڑے کی طرح ہوگا۔یہ لوگ اس وقت ظاہر ہوں گے جب مسلمانوں میں پھوٹ پڑی ہوگی۔ حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے حدیث آنحضرت ﷺ سے سنی اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علیؓ نے (آوان میں) ان کو قتل کیا۔میں بھی آپؓ کے ساتھ تھا۔اس شخص کو تلاش کر کے لایا گیا،اس کی شکل وہی تھی جو آنحضرت ﷺ نے فرمائی تھی(۱۵۵)۔علامہ شہرستانی نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے''وذلك خروج صريح على النبي ﷺ''(۱۵۶)(یہ آنحضرت ﷺ کے خلاف واضح بغاوت تھی)۔

آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں ان کی خاص

کارروائی نظر نہیں آتی۔ عبداللہ بن سبا حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں اسلام لایا لیکن وہ ان کے رعب اور دبدبہ کی وجہ سے کوئی جرأت نہ کر سکا۔ لیکن بعد ازاں یہی لوگ حضرت عثمانؓ کی شہادت کا سبب بنے (۱۵۷)۔ باقاعدہ طور پر ان کا ظہور حضرت علیؓ کی فوج میں ہوا۔ جنگ صفین میں حضرت علی تحکیم پر راضی نہ تھے لیکن ان لوگوں نے حضرت علیؓ کو مجبور کیا۔ جب حضرت علیؓ اس معاہدہ پر متفق ہوئے تو یہ لوگ الگ ہو گئے (۱۵۸)۔

علامہ شہرستانی نے اس کے متعلق لکھا ہے حضرت علیؓ جنگ بند نہیں کرنا چاہتے تھے مگر اس گروہ کے سرغنہ اشعث بن قیس الکندی، مسعود بن فدکی التمیمی اور زید بن حصین الطائی آ کر حضرت علی سے کہنے لگے "القوم یدعوننا الی کتاب اللہ وانت تدعونا الی السیف" (۱۵۹) (یہ لوگ ہمیں کتاب اللہ کی دعوت دیتے ہیں لیکن آپ ہمیں تلوار کی طرف بلاتے ہیں)۔ جب حضرت علیؓ نے ان کی بات مان لی تو یہی لوگ آپؓ سے الگ ہو گئے۔ اور اپنی نادانی کی بنا پر اسی پر اعتراض شروع کر دیے۔ حضرت علیؓ پر ان کو تین اعتراض تھے۔ حضرت معاویہؓ سے صلح کرتے ہوئے انہوں نے اپنے نام سے امیر المؤمنین کا لفظ کیوں کٹوایا، تحکیم کو کیوں پسند کیا اور حضرت عائشہ کے ساتھیوں کو جنگ جمل کی فتح کے بعد غلام کیوں نہیں بنایا (۱۶۰)۔ ابن عبدالبر نے لکھا ہے حضرت ابن عباسؓ نے حضرت علیؓ کی اجازت سے ان کو سمجھایا۔ وہ (ابن عباس) ان پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ لوگ دینی معاملات میں بہت متشدد تھے۔ ان کے چہرے مسلسل بیداری سے زرد اور پیشانیوں پر سجدوں کے نشانات تھے۔ یہ لوگ حضرت ابن عباسؓ کو دیکھ کر خوش ہوئے کہ ابن عم الرسول آئے ہیں۔ ابن عباسؓ نے ان سے علیحدگی کے اسباب پوچھے تو انہوں نے مذکورہ تینوں اعتراضات بیان کیے۔ فرمایا جہاں تک آدمیوں کو منصف بنانے کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: "یایھا الذین امنوا لا تقتلوا الصید وانتم حرم ومن قتلہ منکم متعمدًا فجزاء مثل ما قتل من النعم یحکم بہ ذوا عدل منکم" (۱۶۱) (اے اہل ایمان! احرام کی حالت میں شکار نہ کرو جو تم میں سے عمداً ایسا کرے گا تو اس کا فدیہ اس قسم کا جانور دینا ہے۔ تم میں دو صاحب عدل اس کا فیصلہ کریں گے)۔ بیوی اور اس کے خاوند کے متعلق ارشاد ہے: "وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکمًا من اھلہ وحکمًا من اھلھا" (۱۶۲) (اگر ان

کے متعلق مخالفت کا ذکر ہو تو خاوند اور بیوی کے اہل میں سے ایک ایک منصف مقرر کرو)۔ فرمایا احرام اور عورت کا معاملہ زیادہ اہم ہے یا مسلمانوں کی آپس میں صلح کرانی بہتر ہے۔ سب نے کہا مسلمانوں کا معاملہ اہم ہے۔ فرمایا میں نے آپ کی اس بات کا جواب دے دیا۔ سب نے کہا ہاں، پھر فرمایا جہاں تک امیر المؤمنین کے لفظ کو مٹانے کا تعلق ہے۔ آنحضرت ﷺ جب ابوسفیان اور سہیل بن عمرو سے حدیبیہ کا معاہدہ طے کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے کہا علی لکھو "هذا ما صالح عليه محمد رسول الله" تو انہوں نے اس کو نہ مانا۔ آنحضرت ﷺ نے رسول کا لفظ صلح کرانے کے لیے کٹوا دیا۔ وہ اس بات کو بھی مان گئے۔ پھر فرمایا جہاں تک قیدی بنانے کا تعلق ہے کیا آپ اپنی ماں کو قیدی بنانا چاہتے ہیں۔ اگر ایسا کرتے ہو تو تم مسلمان نہیں ہو۔ اگر کہتے ہو تو تمہاری ماں نہیں ہے پھر بھی تم مسلمان نہیں ہو۔ انہوں نے اس بات کو مان لیا۔ اس طرح سے دو ہزار آدمی ان میں سے الگ ہو کر حضرت علیؓ کی طرف لوٹ گئے باقی اپنے مقام پر قائم رہے (۱۶۳)۔ ان لوگوں سے حضرت علیؓ نے نہروان کے مقام پر جنگ کی جس میں ان کی کافی تعداد قتل ہوگئی (۱۶۴)۔ یہ اپنی ریشہ دوانیوں میں مصروف رہے آخر انہوں نے حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص کو شہید کرنے کا پروگرام بنایا۔ حضرت علیؓ کو شہید کر دیا گیا۔ حضرت معاویہؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص بچ گئے (۱۶۵)۔

حضرت معاویہؓ کے دور میں خوارج سر اٹھاتے رہے لیکن ۴۳ھ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ نے کافی حد تک ان کا قلع قمع کر دیا (۱۶۶)۔ بعد ازاں حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے بڑی حکمت کے ساتھ ان کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ان کو خطوط لکھے، اپنے پاس بلایا۔ ان میں سے کافی لوگ تائب ہو گئے اور باقی ان کی سیرت سے متاثر ہونے کے سبب خاموش رہے (۱۶۷)۔ بعد ازاں یہ لوگ بنو امیہ اور بنو عباس کی خلافت کے مختلف ادوار میں ظہور پذیر ہوتے رہے (۱۶۸) اور خلفاء کے لیے مشکلات کا باعث بنتے رہے۔ اب ان کے ہم خیال عمان میں موجود ہیں جو اباضیہ کے نام سے معروف ہیں۔ یہ لوگ عام خوارج سے معتدل ہیں۔

خوارج کے مشہور فرقے

خوارج کے بہت سے فرقے ہیں، ان میں سے درج ذیل زیادہ مشہور ہیں:

۱۔ ازارقہ: نافع بن ازرق کے پیروکار ہیں۔

۲۔ نجدیہ: نجدہ بن عامر حنفی کے متبع ہیں (نجدات)۔

۳۔ بھیسیہ: ابوبیہس بن جابر کے اصحاب ہیں۔

۴۔ اباضیہ: عبداللہ بن اباض التمیمی کے متبع ہیں۔

۵۔ صفریہ: زیاد بن اصفر کے متبعین ہیں (۱۶۹)۔

خصوصی اوصاف

یہ لوگ تمام نقائص کے باوجود بعض اوصاف کے حامل تھے۔ چند اوصاف درج ذیل ہیں:

۱۔ فصاحت و بلاغت طلاقت لسانی اور خوش الحانی ان کا خصوصی وصف تھا اسی وجہ سے لوگ ان سے متاثر ہو جاتے تھے (۱۷۰)۔

۲۔ جدل ومناظرہ، شعروشاعری اور ادبیانہ اقوال وآثار ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ مہلب بن ابی صفرہ اور قطری بن فجاۃ کے مابین جنگ ہوئی جنگ بند کر کے امن اور سکون سے باہم دینی مسائل پر بحث وتمحیص کرتے رہے (۱۷۱)۔

۳۔ کتاب وسنت پر تمسک کرنے پر زور دیتے تھے۔ اس کے معنی کی گہرائی تک نہ جاتے تھے (۱۷۲)

۴۔ عابدوزاہد تھے۔ عبادت بہت انہماک سے کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے جب ان سے ملاقات کی تو واپس آکر ان کی عبادت کی تعریف کی تھی (۱۷۳)۔

۵۔ عقیدہ کے دفاع کے لیے مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے تھے اور عقیدہ کے لیے مخلص تھے (۱۷۴)۔

مخصوص اعتقادات

۱۔ خلیفہ کا آزادانہ اور منصفانہ انتخاب ہو۔ جب عدل سے انحراف کرے تو اس کو معزول کر کے قتل کر دیا جائے۔

۲۔ خلافت کسی عرب یا قریشی سے مخصوص نہیں ہے۔

۳۔ عجمی خلیفہ بہتر ہے اس لیے کہ انحراف کی صورت میں اسے قتل کرنا آسان ہے۔

۴۔ ہر گناہ گار کو کافر سمجھتے تھے خواہ گناہ ارادۃً ہو، غلط فہمی سے ہو یا اجتہادی خطا سے۔ اسی وجہ سے یہ لوگ حضرت علیؓ کو تحکیم کے معاملہ میں کافر کہتے ہیں (۱۷۵)

اہل سنت سے ان کے اختلافات

۱۔ باہمی اختلاف کے باوجود خوارج کے تمام فرقے حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہؓ کی تکفیر کرتے تھے (۱۷۶)۔

۲۔ نجدات کے علاوہ ان کے تمام فرقے کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کافر سمجھتے ہیں (۱۷۷) جب کہ اہل سنت کے ہاں مرتکب کبیرہ کافر نہیں ہے۔

۳۔ حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کو حکم مقرر ہونے کی وجہ سے کافر سمجھتے ہیں (۱۷۸)۔

۴۔ عذاب قبر کے قائل نہیں ہیں (۱۷۹)۔

۵۔ سلطان جابر کے خلاف بغاوت کو واجب سمجھتے ہیں (۱۸۰)۔

۶۔ خلیفہ کا غیر قریشی ہونا بہتر سمجھتے ہیں۔ اس بنا پر انہوں نے عبداللہ بن وھب الراسبی کو اپنا امیر مقرر کیا جو کہ قریشی نہ تھا (۱۸۱)۔

۷۔ خلیفہ آزاد مسلمانوں کے اختیار سے ہوگا۔ منتخب ہو جانے کے بعد اسے معزول کرنا جائز نہیں (۱۸۲)۔

اسلام میں کبائر کا تصور اور خوارج

اسلام نے ارادۃً کیے جانے والے جرائم کو دو اقسام میں منقسم کیا ہے۔ صغائر اور کبائر۔ کبائر میں وہ جرائم داخل ہیں جن کا کبیرہ ہونا منصوص ہو یا جن کے مرتکب کو حد، جہنم، لعنت یا غضب الٰہی کی وعید سنائی گئی ہو (۱۸۳)۔ ان کے علاوہ تمام جرائم کو صغائر میں شمار کیا گیا ہے (۱۸۴)۔ کبائر کے بارے میں اہل سنت والجماعت (جملہ فرق) کا نظریہ یہ ہے کہ ان کے ارتکاب سے کوئی شخص دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ البتہ توبہ کے بغیر یہ گناہ معاف نہیں ہو سکتے۔ بلا توبہ فوت ہونے والا مسلمان جہنم میں

سزا پانے کے بعد جنت میں داخل ہو سکے گا(۱۸۵)۔

اس کے برعکس خوارج کا نقطہ نظر یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ دائرہ اسلام سے خارج اور ابدی جہنمی ہے۔ چنانچہ علامہ شہرستانی ان کی کئی چیزوں کا ذکر کر کے لکھتے ہیں "ویکفّرون أصحاب الکبائر "(۱۸۶)(کبیرہ کے ارتکاب کرنے والے کو کافر سمجھتے ہیں)۔ ان کے ایک فرقے ازارقہ کے متعلق فرماتے ہیں: "اجتمعت الأزارقة علی أن من ارتکب کبیرة من الکبائر کفر کفر ملة خرج به عن الاسلام جملةً ویکون مخلدا في النارمع سائر الکفار "(۱۸۷) (ازارقہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا وہ ایسے کفر کا مرتکب ہوا جس سے آدمی مکمل طور پر اسلام سے خارج ہو جائے اور تمام کفار کے ساتھ ہمیشہ جہنم میں رہے گا)۔

عجاردہ کے متعلق لکھتے ہیں: ویکفرون بالکبائر (۱۸۸)(اصحاب کبائر کو کافر سمجھتے ہیں)۔ ان میں سے یزیدیہ اور بھی متشدد ہیں وہ مستوجب حدود کو خواہ وہ خوارج میں سے ہو یا عام مسلمان کافر اور مشرک سمجھتے ہیں۔ اسی طرح صغیرہ اور کبیرہ گناہ کا مرتکب بھی ان کے ہاں مشرک ہے(۱۸۹)۔

امام ابن حزم ان کے ایک فرقہ بکرمیہ کے متعلق یوں رقم طراز ہیں: "من اتی کبیرة فقد جهل الله تعالی فهو کافر لیس من أجل الکبیرة کفر لکن لأنه جهل الله عز وجل فهو کافر بجهله بالله تعالی "(۱۹۰)(جس نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا یہ اللہ سے جاہل ہو گیا۔ وہ کافر ہے لیکن کبیرہ کے ارتکاب کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے جاہل ہونے کی وجہ سے لہذا وہ اللہ تعالیٰ سے لاعلم ہونے کے باعث کافر ہے)۔

کذب بیانی سے متعلق خوارج کا موقف

کذب بیانی کا کبیرہ ہونا نصاً ثابت ہے چنانچہ حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے کبائر کا ذکر فرمایا: "الشرك بالله وعقوق الوالدین وقتل النفس وقول الزور "(۱۹۱) (اللہ کے ساتھ شریک کرنا۔ والدین کی نافرمانی قتل نفس اور جھوٹ)۔ لیکن مذکورہ بالا اختلاف کے باعث خوارج نے اس کے متعلق متشددانہ موقف اختیار کیا ہے۔ چنانچہ نجدات کے قائد نجدہ بن عامر الحنفی کا قول ہے: "من کذب کذبة صغیرة أو کبیرة أو أصر علیها فهو

مشرك "(۱۹۲)(جس نے چھوٹا یا بڑا جھوٹ بولا یا اس پر اصرار کیا وہ مشرک ہے)۔

امام ابن حزم نے ان کے ایک فرقے نجدات کے متعلق لکھا ہے: "من كذب كذبة صغيرة أو عمل عملاً صغيرا فأصر على ذلك فهو كافر مشرك "(۱۹۳)(جس نے چھوٹا جھوٹ بولا یا چھوٹا (برا) عمل کیا اور اس پر اصرار کیا وہ کافر و مشرک ہے)۔

المبرد نے لکھا ہے: "الخوارج في جميع أصنافها تبرىء من الكاذب ومن ذي المعصية "(۱۹۴)(خوارج کے تمام فرقے جھوٹے اور معصیت کرنے والے سے براءت کا اظہار کرتے ہیں)۔

اسلام نے کذب بیانی کو کبیرہ گناہ میں سے شمار کیا ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے لیکن روایت حدیث کے معاملہ میں اس کی سنگینی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "من كذب على متعمدا فليتبوا مقعده من النار "(۱۹۵)(جس نے عمداً میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تیار کر لے)۔

ملا علی القاری نے حافظ سیوطی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اس حدیث کو ایک سو سے زیادہ صحابہ نے بیان فرمایا ہے، اس کے بعد مفصل طور سے تمام طرق کو ذکر کیا ہے(۱۹۶) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: "ان أفرى الفرى من قوّلني مالم أقل ومن أرى عينيه مالم ترى ومن ادعى إلى غير أبيه "(۱۹۷)(سب سے بڑا بہتان یہ ہے کہ کوئی آدمی میری طرف ایسی بات منسوب کرے جو میں نے نہ کہی ہو یا اپنی آنکھوں کو ایسی چیز دکھانے کا دعوٰی کرے جو انہوں نے نہ دیکھی ہو (جھوٹا خواب بیان کرنا) یا کسی غیر باپ کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے)۔ ملا علی القاری نے سیوطی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اہل سنت کے نزدیک کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کفر نہیں ہے مگر رسول اللہ ﷺ کی ذات پر جھوٹ کفر ہے(۱۹۸)۔

مندرجہ بالا حدیث کے پیش نظر جب ہم خوارج کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ عام جھوٹ کو ناجائز سمجھتے ہیں اور اس کے مرتکب کو کافر و مشرک قرار دیتے ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی ذات سے متعلق کیسے جھوٹ بول سکتے ہیں۔

روایت حدیث اور خوارج

محدثین نے اصول روایت حدیث وضع کرتے ہوئے کسی راوی کی ثقاہت کے لیے صدق مقال کو اس قدر اہمیت دی کہ وہ عام باتوں میں کذب بیانی سے کام لینے والے شخص سے بھی اخذ روایت میں اجتناب کرتے۔ چنانچہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں: ''حدثنا أحمد بن سنان قال: كان عبدالرحمن بن مهدي لا يترك حديث رجل إلا متهم بالكذب أو رجلاً الغالب عليه الغلط ''(۱۹۹) (احمد بن سنان نے بیان کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن مہدی کسی آدمی کی حدیث چھوڑتے تو اس کا سبب یہ ہوتا کہ وہ آدمی متہم بالکذب ہوتا یا زیادہ اغلاط کا مرتکب ہوتا)۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: ''لا ينبغي لأحد أن يحدث عنه إلا عمن يثق بخبره ويرضى دينه وأمانته لأنها ديانة ''(۲۰۰) (آنحضرت ﷺ کی حدیث صرف ایسے شخص سے لی جائے جس کے ثقہ ہونے کا یقین ہو اور اس کا دین وامانت پسندیدہ ہو کیونکہ یہ دین کا معاملہ ہے)۔

امام شافعیؒ ہی حدیث نبویؐ: ''حدثوا عن بني إسرائيل ولا حرج وحدثوا عني ولا تكذبوا عليّ ''(۲۰۱) (بنی اسرائیل کی روایات بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں میری احادیث بھی بیان کرو، لیکن میری ذات پر جھوٹ نہ باندھو) کے تحت ارشاد فرماتے ہیں: ''لا نتقبل حديثاً إلا من ثقة ونعرف صدق من حمل الحديث من حين ابتد إلى أن يبلغ به منتهاه ''(۲۰۲) (ہم صرف ایسے آدمی سے حدیث اخذ کرتے ہیں جو ثقہ (با اعتماد) ہو۔ اس کی نقل روایت کی صداقت ابتدا سے انتہا تک معروف ہو)۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ محدثین سخت ترین مرتبہ ''اكذب الناس ''(سب لوگوں سے جھوٹا) کو دیتے ہیں اور اس سے کم دجال، وضاع اور کذاب کو شمار کرتے ہیں، اور ان کی روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔ اس پر مستزاد ہے کہ متہم بالکذب راوی سے بیان کردہ روایت کو بھی نا قابل اعتماد قرار دے کر ''متروک'' کا نام دیتے ہیں (۲۰۳)۔

محدثین نے اپنی اس شرط میں اہل سنت والجماعت کے علاوہ فرق کی وساطت سے پہنچنے والی روایات کے لیے اور بھی سختی پیدا کر دی ہے تا کہ حدیث رسول ﷺ کے اس صاف وشفاف چشمے کو کسی

صورت بھی مکدر نہ ہونے دیا جائے چنانچہ محمود زعبی لکھتے ہیں: ''وأجمعوا على عدم قبول رواية المبتدع الذي يستحل الكذب في نصرة مذهبه أو لأهل مذهبه''(۲۰۴)(محدثین کا ایسے بدعتی کی عدم قبول روایت پر اجماع ہے جو اپنے مذہب یا مذہب والوں کی نصرت کے لیے جھوٹ کو جائز سمجھتا ہو)۔

خوارج کے متعلق ذکر ہو چکا ہے کہ وہ کذب بیانی کو کبیرہ گناہ قرار دیتے ہیں اور کبیرہ کا مرتکب ان کے ہاں دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ محدثین نے ان کی اس انتہا پسندی کے باعث ان کی وساطت سے پہنچنے والی روایت کو بنظر استحسان دیکھا ہے۔ چنانچہ خطیب بغدادی، امام ابوداؤد کا یہ قول نقل فرماتے ہیں: ''ليس في أصحاب أهل الأهواء أصح حديثا من الخوارج ثم ذكر عمران بن حطان وأبا حسان الأعرج ''(۲۰۵)(اہل ھواء (بدعت) میں سے خوارج سے بڑھ کر صحیح احادیث بیان کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ پھر انھوں نے عمران بن حطان اور ابو حسان الاعرج کا ذکر کیا)۔

خطیب بغدادی ہی خوارج کی روایات قبول کرنے کے متعلق لکھتے ہیں: ''والذي يعتمد عليه في تجويز الاحتجاج بأخبارهم اشتهر من قبول الصحابة أخبار الخوارج وشهاداتهم ومن جرى مجراهم من الفساق بالتاويل ثم استمرار عمل التابعين والخالفين بعدهم على ذلك لما رأوا من تحريهم الصدق وتعظيم الكذب وحفظهم أنفسهم عن المحظورات من الأفعال وانكارهم على أهل الريب والطرائق المذمومة وروايات‍هم الأحاديث التي تخالف آراء هم ويتعلق بها مخالفوهم في الاحتجاج عليهم فاحتجوا رواية عمران بن حطان وهو من الخوارج ''(۲۰۶) (صحابہ کرام کے خوارج اور اس قسم کے دیگر فاسق لوگوں کی روایات وشہادات کو جائز سمجھنے اور بعد از اں تابعین اور تبع تابعین کے اس پر عمل کرنے کا سبب یہ تھا کہ یہ لوگ سچائی کے متلاشی تھے۔ جھوٹ کو برا سمجھتے تھے اور ان چیزوں کا ارتکاب نہ کرتے تھے جن سے بچنا چاہیئے۔ نیز شکوک وشبہات پیدا کرنے والے اور مذموم نظریات اپنانے والے لوگوں کی تردید کرتے تھے یہ لوگ (خوارج) ایسی احادیث بیان

کرتے تھے جو ان کے نظریات کے خلاف ہوں بلکہ ان کے مخالف دلیل کے طور پر ان کی مخالفت میں پیش کرتے مثلاً انہوں (محدثین) نے عمران بن حطان کی روایت اس کے خارجی ہونے کے باوجود قبول کی)۔

امام ابن الصلاح فرماتے ہیں: ''اعتمدهم بعض أئمة الحديث كالبخاري فقد احتج بعمران بن حطان وهو من الخوارج لا سيّما إذا علمت أن الخوارج يحكمون بكفر من يكذب لان مرتكب الكبيرة كافر في نظرهم والكذب من الكبائر ''(۲۰۷) (بعض ائمہ حدیث نے ان کی روایت پر اعتماد کیا ہے مثلاً امام بخاریؒ نے عمران بن حطان سے روایت کیا ہے حالانکہ وہ خارجی تھے خاص کر اس وجہ سے جب کہ یہ معلوم ہو گیا کہ خوارج جھوٹ بولنے والے پر کفر کا حکم لگاتے ہیں کیونکہ مرتکب کبیرہ گناہ ان کے خیال میں کافر ہے اور جھوٹ کبیرہ گناہ ہے)۔

امام ابن تیمیہؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں: ''ليسوا ممن يعتمد الكذب بل هو معروفون بالصدق حتى يقال: إن حديثهم من اصح الحديث لكنهم جهلوا وضلوا فى بدعتهم ولم تكن بدعتهم عن زندقة والحاد بل عن جهل وضلال في معرفة معاني الكتاب ''(۲۰۸) (یہ لوگ عمداً جھوٹ نہ بولتے تھے بلکہ سچائی میں معروف تھے، اس بناء پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ ان کی احادیث زیادہ صحیح ہیں لیکن وہ لوگ جاہل تھے اور بدعت میں بھٹک گئے تھے، لیکن ان کی بدعت زندقہ اور الحاد کی وجہ سے نہ تھی بلکہ کتاب اللہ کے معنی کے فہم میں جہالت اور ضلالت کی وجہ سے تھی)۔

محمد ابوزہو ''خوارج اور وضع حدیث'' کے عنوان کے تحت ان کی صداقت، بہادری اور عدم تقیہ جیسے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ''یہ تمام عوامل خوارج کے لیے حدیث میں جھوٹ کی قلت کا ثبوت ہیں۔ جبکہ دیگر فرق میں ایسا نہ تھا،، (۲۰۹)۔

محمود زعبی نے محدثین کے ہاں ان کی روایت کے قبول کرنے کے دو سبب بیان کیے ہیں:

۱۔ خوارج کی بدعت کتاب وسنت سے جہالت اور تاویل کا نتیجہ تھا۔

۲۔ خوارج عام گفتگو میں سچے تھے اور جھوٹ کو حرام سمجھتے تھے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا معاملہ تو سب سے بڑھ کر ہے(۲۱۰)۔

کتب موضوعات میں زنادقہ اور روافض کی وضع کردہ روایات تو ملتی ہیں لیکن خوارج کی روایات نہیں ملتیں۔ صرف دو روایات ایسی ہیں جن کی نسبت خوارج کی طرف کی گئی ہے اور وہ دونوں محل نظر ہیں۔

پہلی روایت

''عن ابن لهيعة قال سمعت شيخا من الخوارج وهو يقول: إن هذه الأحاديث دين فانظروا عمن تاخذونه دينكم أنّا كنا إذا هوينا أمرا صيرناه حديثا ''(۲۱۱)(ابن لھیعہ سے روایت ہے کہ میں نے خوارج کے ایک شیخ سے سنا کہ یہ احادیث دین ہیں آپ دیکھ لیا کریں کہ اپنا دین کن سے لیتے ہیں۔ ہم جب کسی کام کو پسند کرتے تو اس کے متعلق حدیث گھڑ لیتے)۔

اس حدیث کے متعلق محدث شام ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی فرماتے ہیں۔ قدیم وجدید مؤلفین اسی طرح لکھتے رہے ہیں لیکن تلاش بسیار کے باوجود مجھے ایک حدیث بھی ایسی نہ ملی جو کسی خارجی نے وضع کی ہو۔ میں نے موضوعات کی کتب میں بہت تلاش کیا۔ مجھے ایک خارجی بھی نہ ملا جسے کذاب یا وضاع شمار کیا گیا ہو۔ گذشتہ روایت جس میں ایک خارجی شیخ کا ذکر کیا گیا ہے مجھے معلوم نہیں وہ کون تھا۔ حماد بن سلمہ نے ایک ایسی روایت ایک رافضی شیخ سے نقل کی ہے جو گزر چکی ہے(۲۱۲) اس لیے اس روایت کی نسبت غلط ہی کیوں نہ سمجھی جائے بالخصوص اس صورت میں کہ ہمیں خوارج کی وضع کردہ ایک حدیث بھی نہیں ملی(۲۱۳)۔

دوسری روایت

عبدالرحمن بن مھدی سے منقول ہے کہ زنادقہ اور خوارج نے یہ حدیث وضع کی ہے۔'' إذا أتاكم عني حديث فأعرضوه على كتاب الله فإن وافق كتاب الله فأنا قلته ''(۲۱۴) (جب تمہارے پاس کوئی حدیث آئے تو اسے کتاب اللہ پر پیش کرو۔ اگر کتاب اللہ کے موافق ہو تو میں

نے کہی ہوگی)۔

ڈاکٹر سباعی فرماتے ہیں ''عبدالرحمٰن بن مھدی'' کا قول ہے کہ ''یہ حدیث خوارج اور زنادقہ کی وضع کردہ ہے'' میں نہیں سمجھتا کہ اس قول کی نسبت موصوف کی طرف درست ہو کیونکہ اس کی کوئی سند نہیں ہے۔ اس میں پتہ نہیں چلتا کہ اس کا واضع کون ہے؟ کب وضع کیا گیا ہے؟ علاوہ ازیں اس امر سے ہمارے شک میں اور بھی اضافہ ہوتا ہے کہ ایک حدیث کو وضع کرنے کی نسبت خوارج اور زنادقہ دونوں کی طرف ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ دونوں (خوارج اور زنادقہ) اس کے وضع کرنے پر کیسے متفق ہوئے؟ نیز یہ کہ دونوں فرقوں نے ایک ہی وقت میں وضع کیا یا ایک نے پہلے اور دوسرے نے بعد میں۔ عبدالرحمٰن بن مھدی کے علاوہ دیگر علماء نے اسے صرف زنادقہ کی طرف منسوب کیا ہے (۲۱۵)۔

آخر میں نتیجہ بحث ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: ''لقد حاولت أن أعثر علی دلیل علمي یؤید نسبة الوضع إلی الخوارج ولکنی رأیت الأدلة العلمیة علی العکس '' (۲۱۶) (میں نے بہت کوشش کی کہ وضع کی نسبت خوارج کی طرف کرنے کی کوئی دلیل مل جائے، لیکن علمی دلائل اس کے برعکس ہیں)۔

محدث ہند شمس الحق ڈیانوی ''عون المعبود شرح سنن ابی داؤد'' میں اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں: ''فانہ حدیث باطل لا أصل له وقد حکی زکریا الساجی عن یحیی بن معین أنه قال ھذا حدیث وضعته الزنادقة'' (۲۱۷) (یہ حدیث باطل ہے اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ زکریا ساجی نے یحییٰ بن معین سے بیان کیا ہے کہ اس کو زنادقہ نے وضع کیا ہے)۔

علامہ طاہر پٹنی نے علامہ خطابی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ یہ روایت زنادقہ کی وضع کردہ ہے (۲۱۸)۔

صحیح بخاری میں خارجی رواۃ

امت مسلمہ کے تمام محدثین وفقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ صحیح بخاری کے تمام راوی عادل اور ثقہ ہیں۔ ان میں دو خارجی راوی ہیں۔ سطور ذیل میں ہم ان دونوں کی حیثیت اور امام بخاری کے ان سے روایت لینے پر مفصل تبصرہ کرتے ہیں تاکہ یہ بات کھل کر سامنے آسکے کہ انہوں نے خوارج کو کس

سیاق میں اپنی کتاب میں جگہ دی اور کیوں؟۔

پہلا راوی عمران بن حطان

امام ابن القیسرانی ان کا تعارف کراتے ہوئے فرماتے ہیں: ”عمران بن حطان السدوسي سمع عائشة وابن عمرو ابن عباس روی عنه یحیی بن أبی کثیر فی اللباس عند البخاری “(۲۱۹) (اس نے حضرت عائشہؓ حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباسؓ سے سماع کیا ہے، اس سے یحییٰ بن ابی کثیر نے روایت کیا۔ بخاری کی کتاب اللباس میں حدیث ہے)۔ ابو الولید الباجی نے بھی تقریباً اس قسم کے الفاظ لکھ کر حدیث بیان کی ہے (۲۲۰)۔ امام بخاری کے اس سے روایت لینے کے بارہ میں ہم مندرجہ ذیل نکات قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

اولاً: ایک رائے کے مطابق امام موصوف نے اس سے خارجی نظریات اپنانے سے پہلے روایت کی ہے۔ جیسا کہ دیگر مختلط وغیر موثوق رواۃ کے بارے میں امام بخاری کا طرۂ امتیاز ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ”رایت بعض الائمه یزعم أن البخاري إنما أخرج له ما حمل عنه قبل أن یری رای الخوارج “(۲۲۱) (امام بخاری نے ان سے خوارج کا نظریہ اپنانے سے قبل بیان کی گئی حدیث بیان کی ہے)۔

ثانیاً: اس کے متعلق حافظ ابن حجر نے دوسری رائے امام ابوزکریا الموصلی سے اس طرح نقل کی ہے: ”ذکر أبو زکریا الموصلي في تاریخ الموصل عن محمد بن بشیر العبدي الموصلی قال: لم یمت عمران بن حطان حتی رجع عن رأی الخوارج “(ابوزکریا الموصلی نے تاریخ موصل میں لکھا ہے کہ محمد بن بشیر العبدی الموصلی نے کہا: عمران بن حطان نے وفات سے قبل خوارج کے عقیدہ سے رجوع کر لیا تھا)۔ اس رائے کو پسندیدہ قرار دیتے ہوئے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ”هذا أحسن ما یعتذر به عن تخریج البخاري له “(۲۲۲) (یہ اس لحاظ سے امام بخاری کے اس سے حدیث روایت کرنے کیلئے بہترین عذر ہے)۔

حافظ ابن حجرؒ مزید فرماتے ہیں: ”کان من المعروفین في مذهب الخوارج وکان قبل ذلك مشهورا في طلب العلم الحدیث ثم ابتلی “(۲۲۳) (خوارج کے مذہب میں

معروف آدمی تھا۔ اس عقیدہ سے قبل طلب علم اور طلب علم حدیث میں مشہور تھا پھر آزمائش میں مبتلا ہوگیا)۔

ثالثاً: اگر ہم مذکورہ بالا دونوں آراء سے صرف نظر کرتے ہوئے اسے خارجی تسلیم کر بھی لیں تو امام بخاری کے سامنے تمام روایت کے بارے میں ان کی صدق وثقاہت ملحوظ ہوتی ہے جیسا کہ ابن الصلاح کے قول میں لکھا جاچکا ہے۔

رابعاً: مزید براں ہمیں اس راوی کے خارجی نظریات اپنانے کا ایک ایسا سبب معلوم ہوا ہے جو اس کی خارجی نظریات میں متزلزل ہونے پر دلیل ہے: ”عن ابن سيرين قال تزوّج عمران امراة من الخوارج ليردها عن مذهبها فذهبت به“(۲۲۴)(امام ابن سیرین سے روایت ہے کہ عمران نے ایک خارجی عورت سے شادی کی تاکہ اس کے عقیدہ کو بدلے لیکن وہ اس کو اپنے ساتھ ملا لے گئی)۔

چنانچہ مختلف ائمہ کی رائے ملاحظہ ہو:

۱۔ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: ”عمران بن حطان السدوسي عن عمرو أبي موسى وجمع وعنه قتادہ ومحارب بن دثار وعدة وثق وكان خارجيًا“(۲۲۵)(عمران نے عمر، ابو موسیٰ اور ایک جماعت سے حدیث روایت کی۔ اس سے قتادہ، محارب بن دثار اور کئی لوگوں نے روایت کی ہے یہ ثقہ راوی تھا لیکن خارجی تھا)۔

۲۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ”رُمي برأي القعدية من الخوارج “(۲۲۶)(اس پر خوارج کے فرقہ قعدیہ سے تعلق رکھنے کا الزام ہے) قعدیہ فرقہ کے متعلق لکھتے ہیں: ”كانوا يقولون بقولهم ولا يرون الخروج بل يزينونه “(۲۲۷)(یہ لوگ انہی (خوارج) کا سا عقیدہ رکھتے تھے لیکن بغاوت کے قائل نہ تھے بلکہ صرف اس کو جائز سمجھتے تھے)۔

۳۔ حافظ ابن حجرؒ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ”قد وثقه العجلي وقال قتادة: لا يتهم في الحديث، وقال أبو داؤد: ليس في أهل الأهواء أصح حديثا من الخوارج ثم ذكر عمران بن حطان هذا وغيره “(۲۲۸)(عجلی نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں

حدیث کے بارے میں اس پر کوئی الزام نہیں۔ابوداؤد نے کہا ہے اہل بدعت میں خوارج سے بڑھ کر صحیح حدیث بیان کرنے والا کوئی نہیں ہے۔اس کے بعد انہوں نے عمران بن حطان اور دیگر لوگوں کا ذکر کیا)۔

۴۔ امام عجلی کے اپنے الفاظ یہ ہیں: ”عمران بن حطان بصري تابعي ثقة“(۲۲۹) (عمران بن حطان بصری ثقہ تابعی تھا)اب امام بخاریؒ کے ہاں اس کی روایت بالتفصیل ملاحظہ ہو۔

”حدثني محمد بن بشار قال حدثنا عثمان بن عمر قال حدثنا علي بن المبارك عن يحيى بن ابى كثير عن عمران بن حطان قال سئالت عائشة عن الحرير فقالت: ائت ابن عباس فسئالته فقال سل ابن عمر فسئالت ابن عمر فقال: أخبرني أبو حفص يعني عمر بن الخطاب أن رسول الله ﷺ قال: إنما يلبس الحرير في الدنيا من لاخلاق له فى الآخرة فقلت: صدق وما كذب أبو حفص على رسول الله ﷺ وقال عبدالله بن رجاء حدثنا حرب عن يحيى قال حدثني عمران وقص الحديث “(۲۳۰)(عمران بن حطان روایت کرتے ہیں کہ میں نے عائشہؓ سے ریشم کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا ابن عباسؓ سے پوچھو۔ان سے جا کر پوچھا تو انہوں نے فرمایا ابن عمرؓ سے پوچھو۔میں نے ابن عمرؓ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا ابوحفص یعنی عمرؓ بن الخطاب نے مجھے بتایا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔دنیا میں ریشم وہ شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو۔میں نے کہا اس نے سچ کہا۔ابوحفص نے رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ نہ باندھا۔عبداللہ بن رجاءؒ نے بیان کیا۔حرب نے یحیٰی سے روایت کیا اس نے کہا مجھے عمران نے حدیث بیان کی اور پوری حدیث بیان کردی)۔

اس روایت کو بیان کرنے سے قبل امام بخاری نے اس کے ہم معنی پانچ روایات بیان کی ہیں۔اس لحاظ سے یہ روایت متابعات میں سے ہے۔اس طرح دیگر محدثین نے بھی اس کی ہم معنی روایات دیگر رواۃ سے بیان کی ہیں(۲۳۱)۔اس وجہ سے حافظ ابن حجر اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں: قلت: لم يخرج له البخاري سوى حديث واحد(۲۳۲)(امام بخاری نے اس سے صرف

ایک روایت بیان کی ہے)۔

پھر اس روایت کو بیان کر کے فرماتے ہیں: ''وھذا الحدیث انما أخرجه البخاري في المتابعات فللحدیث عنده طرق غیر ھذا من روایة عمر وغیره وقد رواه مسلم من طرق أخری عن ابن عمر وغیره وقد رواه مسلم من طرق أخری نحوه'' (۲۳۳) (امام بخاری نے اس حدیث کو متابعات میں بیان کیا ہے۔ان کے ہاں اس حدیث کی اور بھی سندیں حضرت عمرؓ وغیرہ سے ہیں۔اس حدیث کو امام مسلم نے اور سند سے ابن عمر وغیرہ نے روایت کیا ہے۔امام مسلم نے اور سند سے ایک اور روایت اسی طرح کی لکھی ہے)۔

امام ذہبیؒ عمران کے متعلق فرماتے ہیں: ''فکان عمران صدوق فی نفسه'' (۲۳۴) (عمران فی نفسہ سچا آدمی ہے) ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں۔

۱۔ عمران بن حطان نے خارجی عقیدہ سے رجوع کر لیا تھا۔حافظ ابن حجرؒ نے امام بخاریؒ کے اس سے روایت لینے کا بہت بڑا جواز قرار دیا ہے۔

۲۔ ابن حبان اور عجلی جیسے نقاد نے اس کو ثقہ شمار کیا ہے۔

۳۔ ایک رائے کے مطابق امام بخاری نے اس سے خوارج کا عقیدہ اپنانے سے قبل روایت کیا ہے۔

۴۔ امام عالی مقام نے اس کی روایت کو مستقل حیثیت نہیں دی بلکہ متابعات میں بیان کیا ہے۔

۵۔ محدثین کی شرائط کا خیال رکھتے ہوئے ایسی روایت بیان کی ہے جس کا اس کے نظریہ اور عقیدہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

۶۔ ایسی روایت ہے جس کے ہم معنی اور تائید میں تقریباً تمام کتب احادیث میں روایات موجود ہیں۔

۷۔ اس کا تعلق جتنا بھی رہا یا تھا وہ خوارج کے ایک معتدل فرقہ سے تھا۔

۸۔ حدیث کے معاملہ میں متہم نہ تھا۔

۹۔ خارجی عورت سے شادی کرنے کے لئے خوارج کی طرف رجحان کیا تا کہ اس کا عقیدہ بدل سکے۔

دوسرا راوی ولید بن کثیر

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: الولید بن کثیر بن یحیی المدنی رمی برای الاباضیته من الخوارج (۲۳۵)(اس پر خوارج کے فرقے اباضیہ میں سے ہونے کا الزام ہے) دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:" الولید بن کثیر المخزومی ابو محمد المدنی نزیل کوفة و ثقه إبراهیم بن سعد وابن معین وقال ابن سعد لیس بذاك وقال الساجي: قد كان ثقة ثبتا يحتج بحديثه ولم يضعفه احد انما عابوا عليه الرأى وقال الأجري عن ابي داؤد ثقة إلا أنه أباضي قلت: الإباضية، فرقة من الخوارج ليست مقالتهم شديدة الفحش ولم يكن الوليد داعية والله اعلم "(۲۳۶)(ولید بن کثیر کوفہ کا رہنے والا تھا۔ ابراہیم بن سعد اور ابن معین نے اس کو ثقہ کہا۔ ابن سعد نے کہا ہے کوئی اتنا بڑا آدمی نہ تھا۔ ساجی نے کہا ہے وہ ثقہ اور قابل اعتماد آدمی تھا۔ اس کی حدیث قابل حجت ہے۔ کسی نے اس کو ضعیف نہیں کہا۔ اس کی خامی صرف یہ بیان کی گئی ہے کہ اہل رائے میں سے تھا۔ آجری نے کہا ہے کہ ابوداؤد کہتے ہیں وہ ثقہ آدمی ہے البتہ اباضی ہے۔ میں (حافظ ابن حجر) کہتا ہوں۔ اباضیہ خوارج کا ایسا فرقہ ہے ان کے نظریات سخت نہیں تھے جہاں تک ولید کا معاملہ ہے وہ اپنے مذہب کا داعی بھی نہ تھا)۔

امام عبدالرحمٰن الرازی فرماتے ہیں:" روی عن محمد بن کعب روی عنه عیسی بن یونس وإبراهیم بن سعد وأبو اسامه سمعت أبي يقول ذلك "(۲۳۷)(میں نے اپنے والد کو کہتے ہوئے سنا تھا کہ اس نے محمد بن کعب سے روایت کیا، عیسیٰ بن یونس اور ابراہیم بن سعد اور ابو اسامہ اس کے شاگردوں میں سے ہیں)۔ الحافظ الذہبی کے ہاں ابن حجر کے قول کے ساتھ یہ اضافہ بھی ہے" ثقة صدوق حديثه في الصحاح سمع سعيد بن أبي هند والكبار "(۲۳۸)(ثقہ اور نہایت سچا آدمی تھا، اس کی احادیث صحاح میں ہیں۔ اس نے سعید بن ابی ہند اور بڑے علماء سے سماع کیا)۔

ولید بن کثیر ثقہ تھا علم غزوات کا متلاشی اوراس کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں حریص تھا(۲۳۹)۔

امام الباجی ان کے متعلق فرماتے ہیں:''الولید بن كثير أبو محمد المخزومي المدني أخرج البخاري في الأطعمة والخمس والشرب وغير موضع عن ابن عيينه وإبراهيم بن سعد عنه عن بشير بن يسار ووهب بن كيسان ومحمد بن عمرو بن حلحلة. مات بالكوفة سنة إحدى وخمسين ومائة ''(۲۴۰)(امام بخاری نے اس سے اطعمۃ، خمس اور دیگر ابواب میں روایت کی ہے۔ابن عیینہ اور ابراہیم بن سعد اس سے روایت کرتے ہیں جبکہ وہ بشیر بن یسار، وھب بن کیسان اور محمد بن عمرو بن حلحلہ سے روایت کرتا ہے۔کوفہ میں ۱۵۱ھ میں فوت ہوا)۔

حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب میں ان کے سترہ اساتذہ اور پانچ شاگردوں کے نام لکھے ہیں۔مزید یہ کہ عیسیٰ ابن یونس نے اسے ثقہ کہا ہے۔ابراہیم بن سعد نے بھی ثقہ کہا ہے۔

ابن عیینہ نے صدوق (بہت سچا) کہا۔ابن معین نے ثقہ کہا۔ابوداؤد نے کہا ہے ثقہ ہے مگر اباضی ہے۔ابن سعد نے کہا ہے سیرۃ اور مغازی کا علم رکھتا ہے اس نے احادیث روایت کی ہیں۔اتنا کوئی بڑا آدمی نہ تھا، (ليس بذاك) عیسیٰ بن یونس نے کہا:''كان متقنا في الحديث''(حدیث میں مستحکم تھا) ساجی نے کہا ہے:'' صدوق ثبت يحتج به ''(ثقہ اور سچا ہے اس سے حدیث میں حجت لی جاتی ہے)۔

ابن معین نے اسے ثقہ (قابل اعتماد) کہا اور لا باس به (مناسب) قرار دیا۔ساجی نے مزید کہا:''كان اباضيا ولكنه كان صدوقا ''(۲۴۱) یہ اباضی تھا لیکن انتہائی سچا شخص تھا) ابن القیسرانی نے لکھا ہے اس سے بشیر بن یسار، وھب بن کیسان، محمد بن عمرو بن حلحلۃ کے حوالے سے بخاری و مسلم میں روایت ہے۔محمد بن کعب، سعید بن ابی ہند، محمد بن عمرو بن عطا، سعید المقبری، ابراہیم بن عبداللہ بن حسین، عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر، نافع اور معبد بن کعب کے حوالے سے مسلم میں روایات ہیں۔اس سے سفیان بن عیینہ ابواسامہ اور ابراہیم بن سعد کے حوالے سے صحیحین (بخاری و

مسلم) میں روایت ہے۔عیسٰی بن یونس سے صرف مسلم میں ہے(۲۴۲)۔امام ذہبیؒ الکاشف میں فرماتے ہیں:"قال أبو حاتم يكتب حديثه "(۲۴۳)(اس کی حدیث لکھی جائے)ابن حبان نے کتاب الثقات میں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے اس سے ایک حدیث بھی بیان کی ہے(۲۴۴)صحیح البخاری میں اس کی ایک حدیث کتاب الجهاد باب ما جاء في بيوت ازواج النبي ﷺ الخ میں ہے جو کہ درج ذیل ہے:"حدثنا سعيد بن محمد الجرمي حدثنا يعقوب بن ابراهيم حدثنا أبي أن الوليد بن كثير حدثه عن محمدبن عمرو بن حلحلة الدولي حدثه أن ابن شهاب حدثه أن على بن حسين حدثه أنهم حين قدموا المدينة من عند يزيد بن معاوية مقتل حسين بن على لقيه المسور بن مخرمة فقال له: هل لك إلىّ من حاجة تأمرني بها فقلت له: لا قال له: فهل أنت معطى سيف رسول الله ﷺ فاني أخاف أن يغلبك القوم عليه، وأيم الله لئن أعطيتنيه لا يخلص إليه أحد حتى تبلغ نفسي. أن على ابن ابى طالب خطب ابنة أبي جهل على فاطمه فسمعت رسول الله ﷺ يخطب الناس في ذلك على منبره هذا وانا يومئذ محتلم فقال: إن فاطمه منى وأنا أتخوف أن تفتن في دينها ثم ذكر صهرًا له من بنى عبد شمس فأثنى عليه مصاهرته إياه قال حدثني فصدقني ووعدني فوفى لي واني لست أحرم حلالا ولا أحل حراما ولكن والله لا تجتمع بنت رسول الله ﷺ وبنت عدو الله أبدا (۲۴۵)(علی بن حسین نے بیان کیا کہ جب میں یزید بن معاویہؓ کے ہاں سے حسینؓ بن علیؓ کے شہید ہونے کے بعد مدینہ آیا مسور بن مخرمہ نے مجھ سے کہا کہ آپ کو کوئی مجھ سے حاجت (کام) ہے تو کہہ دو تو میں نے کہا نہیں اس نے کہا آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کی تلوار عنایت کردیں مجھے خوف ہے کہ وہ لوگ آپ پر غالب آ جائیں گے۔اللہ کی قسم!"اگر آپ نے مجھے تلوار دے دی تو اس کو جب تک میں زندہ ہوں کوئی نہ لے سکے گا۔علیؓ بن ابی طالب نے حضرت فاطمہؓ کی موجودگی میں ابوجہل کی بیٹی سے منگنی کرنا چاہی۔میں نے حضور ﷺ کو منبر پر لوگوں کو خطبہ دیتے سنا جب کہ میں بالغ تھا اور انہوں نے کہا "فاطمہ مجھ سے ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ وہ اپنے دین کے معاملے میں کسی فتنہ میں نہ پڑ جائیں پھر

انہوں نے بنی عبد شمس سے اپنے داماد کا ذکر کیا۔اس کی تعریف کی۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اس نے مجھ سے بات کی تو اس کو سچ کر دکھایا اس نے مجھ سے وعدہ کیا تو اسے پورا کیا میں کسی حلال کو حرام نہیں کرتا اور نہ حرام کو حلال کرتا ہوں لیکن رسول اللہ ﷺ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں)۔

یہی حدیث انہیں الفاظ میں معمولی تغیر کے ساتھ صحیح مسلم میں بھی موجود ہے۔تمام سند وہی ہے تاہم امام بخاری کے استاد سعید بن محمد الجرمی ہیں جبکہ امام مسلم کے استاد امام احمد بن حنبل ہیں (۲۴۶)۔اس حدیث کو دو مزید طرق سے امام مسلم نے مکرر روایت کیا ہے(۲۴۷)۔یہ روایت دیگر رواۃ سے ابن ماجہ میں بھی مروی ہے لیکن سنن ابی داؤد میں تمام رواۃ صحیح مسلم کے ہیں (۲۴۸)۔صحیح بخاری میں اس سے دوسری روایت کتاب الاطعمہ میں ان الفاظ سے ہے:" حدثنا علي بن عبدالله قال حدثنا سفيان قال الوليد بن كثير اخبرني انه سمع وهب بن كيسان يقول انه سمع عمر بن أبي سلمة يقول كنت غلامًا في حجر رسول الله وكانت يدي تطيش في الصحفة فقال لي رسول الله ﷺ: يا غلام سم الله وكل بيمينك و كل مما يليك فما زالت تلك طعمتي بعد "(۲۴۹)(عمر بن ابی سلمہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کی پرورش میں تھا۔میرا ہاتھ پلیٹ (کھانے کی) میں گھوم رہا تھا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔اے لڑکے اللہ کا نام لے اور دائیں ہاتھ سے کھا اور اپنے آگے سے کھا۔اس کے بعد میں ہمیشہ اسی طرح کھاتا رہا)۔یہی روایت امام مسلم نے ولید بن کثیر سے روایت کی ہے اس میں امام مسلم کے استاد ابو بکر بن ابی شیبہ اور ابن عمر ہیں۔سفیان بن عیینہ سے قبل سفیان اور ابو بکر کا واسطہ ہے باقی سند وہی ہے(۲۵۰)۔اسی روایت کے ہم معنی روایت دیگر رواۃ سے اس سے اگلے باب الاکل مما یلیہ میں امام بخاری نے روایت کی ہے(۲۵۱)۔اس روایت سے ملتی جلتی روایات امام مسلم نے اس روایت سے پہلے اور بعد میں بیان کی ہیں (۲۵۲)۔ولید بن کثیر کی صحیح بخاری والی روایت آخری جملہ کے علاوہ سنن ابن ماجہ میں بھی موجود ہے(۲۵۳)۔یہی روایت دیگر رواۃ سے سنن الترمذی میں بھی ہے(۲۵۴)۔یہی روایت دیگر رواۃ سے سنن ابی داؤد میں بھی ہے(۲۵۵)۔

مذکورہ بالا امور کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں:

۱۔ ولید بن کثیر ثقہ راوی ہے۔اس کی حدیث قابل حجت ہے۔

۲۔ کسی نے اس کو ضعیف نہیں لکھا۔

۳۔ اس کا تعلق خوارج کے اباضی سے ہے جو کہ میانہ روی اختیار کرنے والا ہے۔

۴۔ یہ اپنے مذہب کا داعی نہیں تھا۔

۵۔ یہ انتہائی سچا آدمی ہے۔

۶۔ علم کا متلاشی تھا۔

۷۔ اس کے اساتذہ اور تلامذہ میں کبائر محدثین کی ایک جماعت شامل ہے۔

۸۔ اس کی بیان کردہ احادیث کا تعلق اس کے عقیدہ سے نہیں ہے۔

۹۔ صحیح بخاری میں روایت کردہ احادیث اور راوی سے دیگر کتب حدیث میں بھی ہیں۔

۱۰۔ صحاح میں اس راوی کی اور احادیث بھی ہیں۔

۱۱۔ بخاری میں بیان کردہ احادیث کی تائید دیگر کتب احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

۱۲۔ بڑے بڑے نقاد محدثین نے اس سے روایت لینے کا لکھا ہے۔

اہل تشیع اور ان کا نظریہ حدیث

شیعہ کی تعریف

شیعہ: (مادہ شیع)، شایع، یشایع، مشایعۃ، متابعت کرنا، کسی کے پیچھے چلنا (۲۵۶)۔

شیعہ اسم بمعنی دوست، پیروکار، گروہ، جماعت، رفقاء، مددگار، ایک جیسی رائے رکھنے والا، کسی کے پیچھے چلنے والے (۲۵۷)۔ عموماً شیعہ واحد و جمع اور مذکر و مؤنث کے لیے یکساں استعمال ہوتا ہے۔ اس کی جمع شیع و اشیاع ہے (۲۵۸)۔

ابن منظور نے لکھا ہے: "وأصل الشيّعة الفرقة من النّاس ويقع على الواحد والاثنين والجمع والمذكر والمؤنث بلفظ واحد ومعنى واحد، وقد غلب هذا الاسم على من يتولى عليّا وأهل بيته رضوان الله عليهم أجمعين، حتى صار لهم اسمًا خاصًا، فإذا قيل: فلان من الشيّعة، عرف أنّه منهم، وفي مذهب الشيّعة كذا: أي عندهم. وأصل ذلك من المشايعة: وهي المتابعة والمطاوعة "(۲۵۹) (شیعہ کا اصل لوگوں کا ایک فرقہ ہے۔ یہ لفظ واحد تثنیہ، جمع، مذکر اور مؤنث سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کا معنی ایک ہی ہے۔ یہ اسم عام طور پر ان لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو حضرت علیؓ اور ان کے اہل بیت سے تعلق رکھتے ہوں۔ پھر یہ نام ان کے لیے ہی مخصوص ہو گیا۔ جب کہا جائے فلان شیعہ سے ہے تو اس کا مطلب یہ ہے وہ ان میں سے ہے۔ وفی مذهب الشیعه کذا کا مطلب ہے ان کے ہاں، اور اس لفظ کا اصل مشایعت سے ہے۔ جس کے معنی متابعت اور مطاوعت ہیں)۔

الفیومی نے لکھا ہے: الشيعة: الأتباع والأنصار، وكل قوم اجتمعوا على أمرٍ فهم شيعة، ثم صارت الشيعة اسمًا لجماعةٍ مخصوصة، والجمع شِيَعٌ (۲۶۰) (شیعہ پیروکار اور مددگار کو کہتے ہیں۔ ہر قوم جو کسی ایک معاملے پر اکٹھے ہو جائیں وہ شیعہ ہیں۔ پھر شیعہ کا نام ایک مخصوص جماعت کیلئے استعمال ہونے لگا۔ اس کی جمع شیع ہے)۔

ابن الاثیر نے لکھا ہے شیعہ اولیاء اور انصار کو کہتے ہیں۔ شیعہ کا اصل "الفرقة من الناس"

(لوگوں کا ایک فرقہ ہے)۔" وقد غلب هذا الاسم على كل من يزعم أنه يتولى علياً وأهل بيته حتى صار لهم اسماً خاصّا. فإذا قيل فلان من الشيعة عرف انّه منهم وفي مذهب الشيعه كذا: أي عندهم وتجمع الشيعة على شيعٌ واصلها من المشايعة وهي المتابعة والمطاوعة" (۲۶۱) (یہ نام ہر اس شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جو خیال کرتا ہے کہ وہ حضرت علیؓ اور ان کے اہل بیت سے محبت کرتا ہے۔ پھر یہ نام ان کے لیے مخصوص ہو گیا جب کہا جائے کہ فلاں آدمی شیعہ سے ہے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ ان میں سے ہے اور فی مذهب شيعه كذا کا مطلب یہ ہے۔ کہ ان کے ہاں یہ ہے اور شیعہ کی جمع شیعٌ ہے اور اس کا اصل مشایعت، متابعت اور مطاوعت سے ہے)۔

المعجم الوسیط میں ہے: شايع مشايعة تبعه و صحبه وايّده وصحبه مودّع (اتباع کرنا، ساتھی ہونا، مدد کرنا، الوداع کرتے ہوئے ساتھ ہونا)۔ شيّع. انتحل مذهب الشيعه، نشر (مذہب شیعہ اختیار کرنا، پھیلانا)۔ الشيعة: الفرقة والجماعة (فرقہ اور جماعت)۔ الشيعة فرقة كبيرة من المسلمين اجتمعوا على حبّ عليّ وآله وأحقهم بالإمامة (ج) شيعٌ وأشياع، والأشياع: الأمثال والأشباه (۲۶۲) (مسلمانوں کا بڑا فرقہ جو حضرت علیؓ اور ان کی آل کی محبت پر اکٹھے ہوئے اور انہی کو امامت کا حق دار سمجھتے ہیں۔ شیعہ کی جمع شیعٌ اور أشياعٌ ہے اس کے معنی اتباع کرنے والے اور ان جیسے ہیں)۔

ابن خلدون کہتے ہیں: "اعلم أن الشيعة لغة: هم الصحبُ والأتباع ويطلق في عرف الفقهاء والمتكلمين من السلف والخلف على أتباع عليّ وبنيه رضي الله عنهم" (۲۶۳) (لغوی لحاظ سے شیعہ ساتھی اور پیروکار کو کہتے ہیں لیکن فقہا اور متکلمین پہلے اور موجودہ سبھی اس لفظ کا استعمال حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کے پیروکاروں پر کرتے ہیں)۔

مصباح اللغات میں ہے: شاع يشيع شيعاً (خبر کو پھیلانا) شاع شياعًا (پیچھے جانا، ہمراہ جانا)۔ شیعہ (رخصت کرنے یا مکان تک پہنچانے کے لیے ہمراہ جانا)۔ شَيَّع الرجل (کسی آدمی کا شیعہ ہونے کا دعوی کرنا)۔ تشيع الغضب (دل میں غصہ بھڑکنا)۔ تشايعا (مختلف گروہ

بنا)۔ شیعة الرجل (پیروکار، مددگار)۔شیعہ فرقہ اس لفظ کا غالب استعمال ان لوگوں کے لیے ہے جو حضرت علیؓ کے طرف دار ہوں۔ اس کا واحد شیعی ہے (۲۶۴)۔

فیروز اللغات میں ہے۔شیعہ: گروہ، مسلمانوں کا وہ فرقہ جو حضرت علیؓ کو پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد خلافت کا حق دار سمجھتا ہے، امامیہ مذہب کا پیروکار، شیعی: شیعہ فرقہ سے منسوب (۲۶۵)۔

قرآن مجید میں لفظ شیعہ کا استعمال

قرآن مجید میں یہ لفظ پیروکار کے معنی میں اس طرح سے استعمال ہوا ہے:

۱۔ ''وانّ من شیعته لابراهیم إذ جاء ربّه بقلب سلیم ''(۲۶۶)(بے شک ابراہیمؑ ان (نوحؑ) کے پیروکاروں میں سے تھے جب وہ اپنے رب کے پاس قلب سلیم لے کر آیا)۔

۲۔ قرآن مجید میں گروہ کے معنی میں اس کلمہ کا استعمال یوں ہوا ہے:''ثمّ لننزعنّ من کل شیعة ایّهم أشد علی الرّحمن عتیا''(۲۶۷)(پھر ہم ہر گروہ سے ان کو جدا کر دیں گے جو رحمٰن سے سرکشی میں زیادہ ہوگا)۔

۳۔ قرآن مجید میں لفظ شیعہ قوم، گروہ، ٹکڑا، ہم مشرب اور مثل کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے''فوجد فیها رجلین یقتتلان هذا من شیعته وهذا من عدوّه فاستغاثه الّذي من شیعته علی الّذي من عدوّه''(۲۶۸)(وہاں اس نے دیکھا کہ دو آدمی لڑ رہے ہیں۔ ایک اُس کی اپنی قوم کا اور دوسرا اُس کی دشمن قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کی قوم کے آدمی نے دشمن قوم والے کے خلاف اُسے مدد کے لیے پکارا)۔

۴۔ ''ولقد أرسلنا من قبلك في شیع الأوّلین ''(۲۶۹)(ہم تم سے پہلے بہت سی گزری ہوئی قوموں میں رسول بھیج چکے ہیں)۔

۵۔ ''قل هو القادر علی أن یبعث علیکم عذابًا من فوقکم أو من تحت أرجلکم أو یلبسکم شیعًا ویذیق بعضکم بأس بعض ''(۲۷۰)(کہو وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب اوپر سے نازل کر دے یا تمہارے قدموں کے نیچے سے برپا کر

دے یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا مزہ چکھوا دے)۔

۶۔ "إنّ الّذين فرّقوا دينهم وكانوا شيعًا لستَ منهم في شيء" (۲۷۱)(بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے۔ ان سے تمہارا کچھ واسطہ نہیں)۔

۷۔ "إنّ فرعون علا في الأرض وجعل أهلها شيعًا" (۲۷۲)(حقیقت یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا)۔

۸۔ "واقيموا الصلوة ولا تكونوا من المشركين من الّذين فرّقوا دينهم وكانوا شيعًا" (۲۷۳)(اور نماز قائم کرو اور نہ ہو جاؤ اُن مشرکوں میں جنھوں نے اپنا دین الگ بنا لیا اور گروہوں میں بٹ گئے)۔

۹۔ "وحيلَ بينهم وبين ما يشتهون كما فُعل بأشياعهم من قبل" (۲۷۴)(اس وقت جس چیز کی یہ تمنا کر رہے ہوں گے۔ اس سے محروم کر دیے جائیں گے جس طرح ان کے پیش رو ہم مشرب ہو چکے ہوں گے)۔

۱۰۔ "ولقد أهلكنا أشياعكم فهل من مدّكر" (۲۷۵)(تم جیسے بہت سوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں پھر ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا)۔

حدیث نبوی ﷺ میں لفظ شیعہ کا استعمال

حدیث نبوی میں بھی لفظ شیعہ استعمال ہوا ہے: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ينزل الدجال في هذه السبخة بمر قناة، فيكون أكثر من يخرج إليه النساء حتى أن الرجل ليرجع الى حميمه وإلى أمه وابنته وأخته وعمته فيوثقها رباطا، مخافة أن تخرج إليه. ثم يسلط الله المسلمين عليه فيقتلونه ويقتلون شيعته حتى إن اليهودي ليختبيء تحت الشجرة أو الحجر فيقول الحجر أو الشجرة للمسلم، هذا يهودي تحتي فاقتله" (۲۷۶) (دجال مرّ قنات کے مقام پر اس جگہ

نکلے گا زیادہ لوگ جو اس کی طرف نکلیں گے وہ عورتیں ہوں گی یہاں تک کہ آدمی اپنے دوست، اپنی والدہ، بیٹی، بہن اور پھوپھی کی طرف لوٹے گا تو اسے اچھی طرح باندھ دے گا۔ اس بات سے خوف کھاتے ہوئے کہ وہ اس کی طرف نہ نکل جائیں۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں کو اس پر غلبہ دے دیں گے اور وہ اس کو قتل کر دیں گے اور اس کے ساتھیوں کو بھی قتل کر دیں گے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی یہودی کسی درخت کے پیچھے یا پتھر کے پیچھے چھپے گا تو وہ پتھر یا درخت مسلمان کو کہے گا یہ یہودی میرے پیچھے ہے اس کو قتل کر دو)۔

ابتدا میں کسی کے حامی، ساتھی اور رفیق کو اس کا شیعہ کہا جاتا تھا۔ جیسے حامیان معاویہؓ، شیعان معاویہؓ اور حامیان علیؓ، شیعان علیؓ کہلاتے۔ مگر جنگ جمل اور جنگ صفین نے حضرت علیؓ کے طرف داروں کو خصوصی طور پر اس نام سے نمایاں کر دیا (۲۷۷) پھر عام طور پر یہ لفظ حضرت علیؓ کے حامیان کے لیے استعمال ہونے لگا۔ بعد ازاں اس نام سے ایک فرقہ مشہور ہو گیا۔

شیعہ مسلمانوں کے سیاسی فرقوں میں سے قدیم ترین فرقہ ہے جو اہل سنت سے الگ ہوا۔ شیعہ کا ظہور حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت کے آخری دور میں ہوا اور حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں پھلا پھولا۔ حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی تھے اور رسول اللہ ﷺ کے داماد تھے۔ اہل تشیع نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں میں آپؓ کے فضائل ومناقب بیان کرنے شروع کر دیے۔

شیعہ کے مشہور فرقے

مذہب شیعہ بنیادی طور پر چار فرقوں میں منقسم ہے:

۱۔ غلاۃ ۲۔ کیسانیہ ۳۔ زیدیہ ۴۔ امامیہ

غلاۃ کے چوبیس (۲۴) فرقے، کیسانیہ کے چھ (۶) فرقے، زیدیہ کے نو (۹) فرقے اور امامیہ کے سینتیس (۳۷) فرقے ہیں (۲۷۸)۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنی کتاب "تحفۂ اثنا عشریہ میں فرقوں کی جو تفصیل بتائی ہے۔ اس میں صرف امامیہ کے فرقوں کی تعداد ۳۹ لکھی ہے (۲۷۹)۔ جن میں سے اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ زیادہ معروف ہیں۔ اثنا عشریہ کے مندرجہ ذیل بارہ امام ہیں:

۱۔ حضرت علیؓ (۲۳قبل الہجرۃ والشہید بعد السنۃ ۴۰ ہجریۃ)۔

۲۔ حضرت حسنؓ بن علیؓ (۲-۵۰ھ)۔

۳۔ حضرت حسینؓ بن علیؓ (۳-۶۱ھ)۔

۴۔ امام علی (زین العابدین) بن حسینؓ۔

۵۔ امام ابوجعفر محمد الباقر بن علی (۵۷-۱۱۴ھ)۔

۶۔ امام جعفر الصادق بن محمد الباقر (۸۳-۱۴۸ھ)۔

۷۔ امام موسیٰ کاظم بن جعفر صادق (۱۲۸-۱۸۳ھ)۔

۸۔ امام علی الرضا بن موسیٰ کاظم (۱۴۸-۲۰۳ھ)۔

۹۔ امام محمد تقی الجواد بن علی الرضا (مدت امامت ۱۸ سال) (۱۹۵-۲۲۰ھ)۔

۱۰۔ امام علی نقی الهادی بن محمد تقی الجواد (مدت امام ۳۲ سال) (۲۱۲-۲۵۴ھ)۔

۱۱۔ امام حسن عسکری بن علی نقی الهادی (۲۳۲-۲۶۰ھ)۔

۱۲۔ امام محمد المهدی بن حسن عسکری (پیدائش ۲۵۶ھ)۔

آخری بارھویں امام کے متعلق شیعہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بچپن میں ایک غار میں چھپ گئے تھے، اور پھر وہ آج تک اس کے غار سے نکلنے کا انتظار کر رہے ہیں (۲۸۰)۔

۲ اسماعیلیہ

یہ فرقہ اسماعیل بن جعفر کی طرف منسوب ہے یہ آئمہ کے بارے میں جعفر صادق تک اثنا عشریہ کے ساتھ متفق ہیں۔ امام جعفر صادق کے بعد ان دونوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اثنا عشریہ کے نزدیک امام جعفر صادق کے بعد ان کے بیٹے موسیٰ کاظم امامت کے منصب پر فائز ہوئے اس کے برعکس اسماعیلیہ امام جعفر صادق کے بیٹے اسماعیل کو امام قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک امام جعفر صادق کے بعد ان کے فرزند اسماعیل اپنے والد کی نص کی بنا پر امام ہوئے۔ اسماعیل اپنے والد سے قبل فوت ہو گئے۔ مگر نص کا یہ فائدہ ہوا کہ امامت ان کے اخلاف میں موجود رہی۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ اقوال امام، امامیہ کے یہاں شرعی نصوص کی طرح واجب التعمیل ہیں۔ اسماعیل سے منتقل ہو کر

امامت محمد المکتوم کو ملی، پھر ان کے بیٹے جعفر مصدق، پھر ان کے بیٹے محمد حبیب کو۔ ان کے بعد عبداللہ مہدی کو ملی جس کو ملک المغرب کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد ان کی اولاد مصر کی بادشاہ ہوئی اور یہی فاطمی کہلائے (۲۸۱)۔ اسماعیلیہ میں سے آغا خانی فرقہ زیادہ مشہور ہے۔

اہل تشیع کی کتب حدیث: ایک تعارف

اہل تشیع رسول کریم ﷺ کے ساتھ ساتھ آئمہ معصومین کے ارشادات اور تعامل کو بھی حدیث کا نام دیتے ہیں (۲۸۲) ان کے ہاں حدیث نبوی کے ساتھ قول امام کی اہمیت یوں بیان کی گئی ہے۔ ''قول و فعل امام حجت ہے۔ قرآن حکیم میں حدیث امام کا مرتبہ یوں بیان ہوا ہے: ''یایها الذین امنوا اطیعوا الله واطیعوا الرسول واولی الامر منکم'' (۲۸۳) آگے اس کی مزید وضاحت بھی کر دی کہ رسول ﷺ و اولی الامر ایک ہی نوعیت کے عہدیدار ہیں (۲۸۴)۔

علم حدیث میں شیعہ علماء علمائے اہل سنت کے ساتھ متفق نہیں۔ ان کا علم حدیث ایک الگ متوازی سلسلہ ہے جو چوتھی صدی سے شروع ہوا۔ پہلا مرکزی محدث ملا محمد بن یعقوب الکلینی (م ۳۲۸ھ) ہے۔ کلینی نے لکھا ہے شیعہ امام نے اپنے پہلے ظہور میں ان کی کتاب ''الکافی'' کی تصدیق کی ہے۔ اس کا نام حضرت امام کی تصدیق ''هذا کاف لشیعتنا'' سے ماخوذ ہے۔ اس سے ان کے ہاں اس کی عظمت اور بڑھ جاتی ہے اور اس کا ہر لفظ اہل تشیع کے لیے سند سمجھا جاتا ہے (۲۸۵)۔

اہل تشیع کے ہاں اصول رواۃ

اہل تشیع کا رواۃ کے متعلق اصول یہ ہے کہ تمام راوی ثقہ ہوں اور عقیدہ امامت رکھتے ہوں۔ ان کی حدیث صحیح شمار ہوگی۔ راوی امامی ہوں مگر ثقہ نہ ہوں۔ ہاں ممدوح ہوں تو ان کی روایت حدیث حسن رہے گی۔ ہاں راوی سب کے سب ثقہ ہوں مگر عقیدہ امامت نہ رکھتے ہوں تو ان کی حدیث قوی شمار ہوگی۔ بعض راوی امامی ہوں اور بعض غیر امامی، مگر ہوں سب کے سب ثقہ تو بھی حدیث قوی سمجھی جائے گی۔ کسی حدیث کے بعض راوی ممدوح ہوں اور امامی ہوں اور بعض دوسرے راوی ثقہ ہوں مگر غیر امامی ہوں تو بھی حدیث قوی ٹھہرے گی۔ ضعیف راویوں کی روایت اہل سنت کے ہاں ناقابل اعتبار ہے۔ کسی راوی کے بارے میں یہ پتہ چلے کہ وہ عملاً غلط بیانی کرتا ہے تو اس کی روایت قابل اعتماد نہیں رہتی۔ لیکن

شیعہ کے ہاں اس سے روایت مسترد نہیں ہوتی کیونکہ ممکن ہے وہ تقیہ کے تحت ایسا کر رہا ہو اور تقیہ ان کے ہاں ہر بات میں ہو سکتا ہے۔ اس صورت حال میں ان کے علماء زیادہ تر گروہی اعتماد پر فیصلے کرتے ہیں۔ آئمہ اہل تشیع کے ہاں اٹھنے بیٹھنے والے سب کے سب امامی نہ تھے۔

اہل تشیع کی کتب حدیث میں وہ رواۃ بے شمار ہیں جو امامی نہ تھے۔ آئمہ کا عام طریقہ بھی یہی رہا کہ قبول روایت کے لیے راویوں میں امامی ہونے کی شرط نہ رکھی جائے آج اہل تشیع علماء جن کتابوں پر اعتماد رکھتے ہیں وہ سب ملے جلے راویوں کا مجموعہ ہیں۔ اصول کافی تو اس لیے ہر جرح سے نکل گئی کہ اسے امام منتظر محمد بن حسن امام مہدی نے پسند فرمایا اور باقی تین کتابیں اس لیے اصول ٹھہریں کہ ان پر اثنا عشری اور اہل سنت علماء نے اظہار اعتماد کیا۔

اہل تشیع کی کتب صحاح اربعہ اور ان کی شروح

قدماء شیعہ کے پاس بہت سے ابتدائی مسودے موجود تھے جو لوگوں نے علماء شیعہ کی مجالس سے مرتب کئے تھے جن سے یہ اصول اربعہ مرتب ہوئے۔ جن پر آج شیعہ علم حدیث کا مدار ہے۔ مندرجہ ذیل چار کتب صحاح اربعہ کے نام سے مشہور ہیں:

ا۔ الصحیح الکافی

تعارف مؤلف: الکافی ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق کلینی رازی، بغدادی (۲۵۰ھ/۸٦۴ء-۳۲۸ھ/۹۴۱ء) کی تالیف ہے۔ کلین کے رہنے والے تھے، کلین بغداد کے ایک محلہ کا نام ہے۔ بعض نے کہا ہے کلین رَے کا ایک قصبہ ہے، جو رے کے قریب شاہراہ قم سے مشرق کی سمت پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے(۲۸٦)۔

ابو جعفر الکلینی کا خانوادہ شیعہ فقہ و حدیث میں خاص امتیاز رکھتا تھا، ان کے والد یعقوب بن اسحٰق عالم تھے اور ان کے ماموں ابوالحسن علی بن محمد بن ابراھیم بن ابان علان کلینی بھی عالم تھے۔

"ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کرنے کے بعد انہوں نے رَے، قم اور نیشاپور کے نامور اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ الکافی کی ترتیب و تبویب سے اندازہ ہوتا ہے کہ مؤلف کو علم عقائد و کلام، معقولات و فقہ میں مہارت تھی۔ نیز تاریخ و رجال، درایت و روایت، تفسیر و ادب سے واقفیت تھی، الکافی

کا مقدمہ مؤلف کی وسعت نظر، قدرت تحریر، قدرت اسلوب اور کمال فہم و بصیرت کا آئینہ دار ہے۔ ان کے علمی مرتبے اور جلالت قدر کے بارے میں شیعہ علماء اور الطوسی نے لکھا ہے کہ کلینی اپنے عہد میں رَے کے شیخ الاصحاب اور باوجاہت عالم اور فاضل حدیث تھے (۲۸۷)۔

کتب رجال سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابو جعفر محمد کلینی کا بیشتر وقت وطن میں گزرا۔ کچھ عرصہ کے لئے وہ رَے کو چھوڑ کر بغداد چلے گئے۔ مقتدر باللہ کے دور خلافت میں کلینی فقہائے امامیہ کے زعیم تھے (۲۸۸)۔ اس کا اعتراف بڑے بڑے علماء نے کیا ہے (۲۸۹)۔

کلینی نے ۳۲۸ھ/۹۴۱ء میں وفات پائی۔ نماز جنازہ ابو قیراط محمد بن جعفر حسنی نے پڑھائی۔ کلینی کی کتابیں درج ذیل ہیں:

۱۔ کتاب تفسیر یا تعبیر رؤیا۔ ۲۔ کتاب الرجال

۳۔ کتاب الرد علی القرامطہ ۴۔ کتاب الرسائل

۵۔ کتاب ما قیل فی الائمۃ من الشعر (۲۹۰)۔ ۶۔ کتاب الکافی

کتاب الصحیح الکافی

اہل تشیع کے اصول اربعہ میں پہلی کتاب ہے جو بعض کے قول کے مطابق کلینی کی تیس سالہ کوششوں کا نتیجہ ہے۔ کتاب کافی کلینی کے نام سے موسوم ہے۔ پہلی دو جلدیں کافی کلینی کے نام سے مشہور ہیں۔ اگلی پانچ جلدیں فروع کافی اور آٹھویں جلد روضہ کافی کے نام سے موسوم ہے۔ امامیہ کافی کو ترجیح دیتے ہیں (۲۹۱)۔ اہل تشیع کے مطابق کلینی نے امام منتظر محمد المھدی کا زمانہ پایا۔ اس امام نے اس کتاب کی تصدیق کی۔ اس کا نام کافی امام مھدی کے قول: الکافي کاف لشیعتنا سے ماخوذ ہے۔ اس سے اس کی عظمت شیعہ کے ہاں اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور اس کا ایک ایک لفظ شیعہ کے لیے سند کی حیثیت رکھتا ہے (۲۹۲)۔

شیخ مفید (م ۴۱۳ھ) نے اس کتاب کافی کے متعلق کہا: "هو من أجل كتب الشيعة وأكثرها فائدة" (۲۹۳) (یہ شیعہ کتب میں سب سے بڑی ہے اور زیادہ فائدہ مند ہے)۔ مُلا فیض کاشانی نے لکھا ہے: "أشرفها وأوثقها وأتمها وأجمعها لاشتماله على الأصول من

بینها وخلوا من الفضول وشینها"(۲۹۴)(سب کتب سے بہتر، معتبر، اکمل اور زیادہ محفوظ ہے۔ سب اصولوں پر مشتمل ہے اور ہر زائد اور عیب سے پاک ہے)۔

یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے۔ اور اس میں پینتیس کتب ہیں ایک روایت کے مطابق احادیث کی تعداد ۱۶۹۹۰ ہے۔ احادیث کی تعداد صاحب لؤلؤۃ البحرین کے خیال میں ۱۶۱۹۹ یا ۱۵۹۷۷ ہے(۲۹۵)۔ اس کے تین حصوں کی تفصیل یہ ہے:

الف: الاصول: کتاب العقل سے کتاب العشرہ تک ہے۔

ب: الفروع: کتاب الطہارت سے کتاب الایمان والنذور والکفارات تک ہے۔

ج: الروضہ: یہ حصہ "متفرق احادیث" اور خطوط وخطبات رسالت مآب ﷺ وائمہ اہل بیت پر مشتمل ہے۔ اس کی درج ذیل علماء نے شروح لکھی ہیں:

۱۔ محمد باقر داماد (م ۱۰۴۰ھ)۔

۲۔ ملا صدر الدین شیرازی (م ۱۰۵۰ھ)۔

۳۔ فارسی میں ملا خلیل قزوینی (م ۱۰۸۹ھ) نے لکھی ہے۔

۴۔ "مرءۃ العقول فی شرح أخبار الرسول" ملا باقر مجلسی (م ۱۱۱۰ھ) یہ اس کتاب کی مفصل شرح ہے(۲۹۶)۔

ارباب فہارس نے کم وبیش اٹھارہ (۱۸) شروح اور اکیس (۲۱) حواشی کا تذکرہ کیا ہے۔ اس میں برصغیر میں لکھے گئے ترجموں اور خلاصوں کا تذکرہ نہیں ہے۔ ہاشم معروف الحسینی نے "دراسات في الكافي للكليني والصحيح للبخاري" کے نام سے ایک تقابلی مقالہ شائع کیا ہے جس میں شیعہ نقطہ نظر کی نمائندگی کی گئی ہے(۲۹۷)۔

کلینی نے اس کتاب میں بعض ضعفاء راویوں سے بھی بیان کیا ہے۔ مثال کے طور پر حسین بن احمد المنقری، کتاب "فضل القرآن" باب فضل القرآن، حدیث نمبر ۱۸ میں یہ راوی ہے۔ اس کی روایت کردہ حدیث ہے: "من استكفى بآية من القرآن من الشرق إلى الغرب كفى، إذا كان بيقين"(۲۹۸)۔ اسی طرح کتاب الایمان والکفر میں باب التعطیل میں بھی اس راوی سے

روایت ہے(۲۹۹)۔اس کے متعلق الحلی نے لکھا ہے کہ یہ ابو عبداللہ سے شاذ روایت بیان کرتا ہے جو درست نہیں اور وہ ضعیف ہے(۳۰۰)۔

ابن داؤد الحلی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے(۳۰۱)۔اس کتاب میں بعض مجہول راوی بھی ہیں۔جیسے کتاب التوحید میں باب الجبر والقدر، حدیث نمبر ۸ ملاحظہ ہو: محمد بن یحیٰی، عن احمد بن محمد بن حسن زعلان، عن ابی طالب القمی، عن رجل، عن ابی عبداللہ۔۔۔(۳۰۲)۔

۲۔ من لایحضرہ الفقیہ

ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ القمی المعروف شیخ صدوق(۳۰۸ھ/۹۲۰ء-۳۸۱ھ/۹۹۱ء) کی تالیف ہے۔انہوں نے قم میں پرورش پائی۔ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔پھر مزید تعلیم کے لیے خراسان، نیشاپور، بغداد اور کوفہ گئے۔ساٹھ سال تک یہ پڑھنے اور پڑھانے میں لگے رہے۔ان کا بھی مشغلہ تجارت تھا۔

اس کے متعلق لکھا ہے صاحب التصانیف السائرۃ بین الرافضہ(۳۰۳)(رافضہ میں اس کی تصانیف کافی چلتی ہیں)۔اس کی کتب میں دعائم الاسلام، کتاب الخواتیم، کتاب الملاحی، کتاب دین الامامیہ اور کتاب التوحید وغیرہ شامل ہیں(۳۰۴)۔

من لایحضرہ الفقیہ دو ضخیم جلدوں میں ہے۔اس کتاب میں فقہی استدلال کے اصولوں پر احادیث کا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے جن پر ان کے فتاویٰ کا مدار تھا۔اس میں ۵۹۶۳ احادیث ہیں اس کتاب میں اسناد نہیں ہیں(۳۰۵)۔ اس کی مشہور ترین فارسی شرح ملا محمد تقی مجلسی(م ۱۰۷۰ھ) نے لکھی ہے۔ جو شرح الفقیہ کے نام سے موسوم ہے۔اسے لوامع صاحب قرانی بھی کہتے ہیں(۳۰۶)۔ اس کتاب میں ثقہ، ضعفا اور مجہول ہر قسم کے راویوں سے روایات لی گئی ہیں مثلاً موسیٰ بن سعد۔اس کے ضعیف ہونے میں کسی کو شک نہیں ہے(۳۰۷)۔

۳۔ تہذیب الاحکام

تعارف مصنف: ابو جعفر محمد بن الحسن بن علی الطوسی، ماہ رمضان ۳۸۵ھ/۹۹۲ء میں طوس میں پیدا ہوا۔

ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں پانے کے بعد وہ ۴۰۸ھ/ ۱۰۱۷ء میں بغداد آ گیا اور شیخ المفید محمد بن محمد النعمان البغدادی (م ۴۱۳ھ/۱۰۲۲ء) سے تعلیم حاصل کرنے لگا۔ اُن کی وفات پر الطوسی، السید المرتضیٰ (ابوالقاسم علی بن الحسین (م ۴۳۶ھ/۱۰۴۴ء) کے حلقہ درس میں شامل ہو گیا اور ۲۳ برس تک اُن کا شاگرد و مصاحب رہا۔ جب وہ بھی وفات پا گئے تو بارہ برس تک بغداد میں مقیم رہا اور شیعہ مذہب کی تبلیغ و اشاعت میں اپنی انتہائی کوشش صَرف کرتا رہا۔ وہ اہل تشیع کا عظیم مجتہد ہے اور شیخ الطائفہ یا صرف "الشیخ" کے لقب سے مشہور ہے۔ متعدد سوانح نویسوں کے قول کے مطابق اُس کا انتقال ۴۶۰ھ/ ۱۰۶۷ء میں نجف میں ہوا۔ بعض لکھتے ہیں کہ اُس نے ۴۵۸ھ/ ۱۰۶۵ء میں وفات پائی۔ اس کی دو کتابیں تہذیب الاحکام اور الاستبصار ان چار کتابوں (الکتب الاربعہ) میں سے ہیں جنہیں شیعہ بے حد قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے ہیں (۳۰۸)۔ وہ متعدد کتابوں کا مصنف ہے۔ اُس کی تصانیف میں اہم حسب ذیل ہیں:

۱۔ کتاب تہذیب الاحکام۔

۲۔ کتاب الاستبصار فیما اختلف فیہ من الاخبار۔

۳۔ النھایہ فی الفقہ۔

۴۔ فہرست کتب الشیعہ: مطبوعہ ۱۸۴۸ء۔

۵۔ دعاء الجوشن الکبیر: دعاؤں کی کتاب جو حضرت امام زین العابدینؒ (م ۹۴ھ) سے منسوب ہے۔

۶۔ دعاء الجوشن الصغیر: وظائف یا دعاؤں کی ایک اور کتاب جو حضرت امام موسیٰ کاظمؒ (م ۱۸۳ھ) سے منسوب ہے۔

۷۔ کتاب الفصول فی الاصول: شیعہ مذہب کے اساسی عقائد و اصول پر ایک رسالہ ہے۔

۸۔ مصباح المتھجد الکبیر: یہ کتاب اعمال صالحہ اور دعاؤں سے متعلق ہے مؤلف نے مختصر کر کے نام مصباح المتھجد الصغیر رکھا۔

۹۔ کتاب الحل والعقد: مذہبی فرائض بالخصوص نماز کی کتاب۔

۱۰۔ کتاب التبیان فی تفسیر القرآن: قرآن کی مفصل و مکمل تفسیر ۲۰ جلدوں میں مطبوعہ تہران۔

۱۱۔ عدۃ الاصول: اصول فقہ کے متعلق ہے، مطبوعہ تہران۔

۱۲۔ الامالی فی الاحادیث: احادیث و روایات حدیث، مطبوعہ تہران۔

۱۳۔ کتاب ''المبسوط'' شیعہ مذہب کے مطابق شرعی احکام کی تلخیص تہران سے ۱۲۷۱ھ میں شائع ہوئی۔

۱۴۔ کتاب الابواب المعروف بکتاب الرجال۔

۱۵۔ کتاب اختیار: ابو عمرو الکشی (۳۰۹)۔

کتاب تہذیب الاحکام

یہ دو ضخیم جلدوں میں ہے۔اس میں احادیث احکام کا بڑا شیعی ذخیرہ ہے۔تہذیب کی سند سے علمائے شیعہ نے کئی جگہ کافی کی سند کی بھی تصحیح کی ہے۔اس سے اس کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے اس کی احادیث ساڑھے تیرہ ہزار کے قریب ہیں (۳۱۰)۔قاضی نور اللہ شوستری (م ۱۰۱۹ھ) نے اس کی تذہیب الاحکام کے نام سے شرح لکھی ہے۔علامہ تقی مجلسی (م ۱۰۷۰ھ) نے احیاء الاحادیث کے نام سے اور ملا باقر مجلسی (م ۱۱۱۰ھ) نے ''ملاذ الاخبار'' کے نام سے شروح لکھی ہیں (۳۱۱)۔

۴۔ الاستبصار فیما اختلف من الاخبار

یہ بھی ابو جعفر محمد بن حسن طوسی کی تالیف ہے مؤلف نے روایات متعارفہ کو جمع کیا ہے اور ان میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے یہ تین جلدوں میں ہے پہلی دو جلدیں عبادات پر ہیں۔تیسری جلد میں دیگر معاملات اور احکام ہیں (۳۱۲)۔پہلی تصنیف تہذیب الاحکام بہت مفصل ہے اور اس میں ہر قسم کی احادیث ہیں لیکن اس دوسری کتاب میں وہی احادیث ہیں جو مختلف فیہ ہیں۔

شیخ طوسی نے تہذیب الاحکام کی ترتیب اور اس میں جمع احادیث کا جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ نہ صرف اچھوتا بلکہ ایک لحاظ سے مفید بھی تھا لیکن اس طریقہ کار کی بنا پر قاری وفقیہہ دونوں کو چند مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جن کا احساس خود مؤلف کو بھی تھا۔اس لیے اس نے ان مشکلات کا ازالہ کرنے کے لیے یہ کتاب مرتب کی جو اس سے زیادہ وقیع اور ضخیم ہے۔اس لحاظ سے یہ کتاب تہذیب الاحکام ہی کا تتمہ

ہے۔اس میں مؤلف نے ہر باب میں ان احادیث کو مقدم رکھا ہے جن پر خود ان کے فتوے کا دارومدار ہے۔اس کے بعد اس کی مخالف احادیث لکھیں اور ساتھ ہی ان کی تشریح فرما کر ان اختلافات کی نوعیت اور ان میں تطابق کے امکانات پر گفتگو کی ہے۔

اس کتاب میں کل "۹۸٦" ابواب ہیں۔بعض علماء کے مطابق ابواب کی تعداد ۹۲۵ اور ایک روایت میں ۹۱۵ ہے اور شیخ نے خود ابواب شمار کیے ہیں ان کے مطابق کل تعداد یہی ہے۔اس کتاب میں کل احادیث مؤلف کے شمار کے مطابق ۵۵۱۱ یا ۵۵۱۲ ہیں۔چند شارحین اور معلقین درج ذیل ہیں:

محمد امین بن محمد شریف الاسترابادی (م ۱۰۴۱ھ)۔میر محمد باقر بن شمس الدین الحسینی، (م ۱۰۷۱ھ)۔میر محمد صالح عبدالواسع الخواتون آبادی (م ۱۱۱٦ھ)۔عبداللہ بن حسین تستری (م ۱۰۲۱ھ)۔عبداللہ بن نور دین جزائری (م ۱۱۷۳ھ)۔میر شرف الدین علی (م ۱۰٦۰ھ) شیخ زین الدین علی بن سلیمان (م ۱۰٦۴ھ)۔

محسن بن حسن اعرجی کاظمی، (م ۱۲۲۷ھ)۔میرزا محمد بن علی بن حسین موسوی (م ۱۰۰۹ھ) یوسف خراسانی (۳۱۳)۔

اہل تشیع کی کتب رجال

شیعہ کی رجال سے متعلق درج ذیل کتب مشہور ہیں:

۱۔ رجال البرقی
۲۔ رجال الکشی
۳۔ رجال الشیخ طوسی
۴۔ فہرست الشیخ طوسی
۵۔ رجال النجاشی

۱۔ رجال برقی

اس کا مؤلف ابو جعفر احمد بن محمد بن خالد بن عبدالرحمن برقی کوفی ہے جو کہ ۲۷۴ھ یا ۲۸۰ھ میں فوت ہوا۔اس کے متعلق نجاشی کہتا ہے وہ خود ثقہ ہے لیکن ضعیف راویوں سے روایت کرتا ہے اور مراسیل پر اعتماد کرتا ہے (۳۱۴)۔ابن الغضائری اس کے متعلق لکھتا ہے وہ اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ روایت کس سے لیتا ہے (۳۱۵)۔

طباطبائی اس کے متعلق لکھتا ہے: اس کی روایت میں طعن کیا گیا ہے لیکن اس کی ذات میں طعن نہیں کیا گیا (۳۱۶) رجال برقی کا علم نہیں کہ وہ چھپی ہے یا نہیں۔

۲۔ رجال کشی

مؤلف کتاب ابو عمر بن محمد بن عمر الکشی کی وفات ۳۷۸ھ کے قریب ہوئی۔ لیکن اس کی ولادت اور تاریخ وفات کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کی جاسکتی (۳۱۷)۔ یہ شیعہ کی بڑی معروف کتاب ہے اور اس کے بارے میں شیعہ کے کئی محدثین اور مؤرخین نقل کرتے ہیں۔ وہ راویوں کے حالات لکھتا ہے اور ان کے بارے میں رائے بھی دیتا ہے مثلاً فہرست میں شیخ طوسی نے فضل بن شاذان کے متعلق کشی کا قول لکھا ہے (۳۱۸)۔

اس کتاب میں پانچ سو بیس راویوں کے تراجم ہیں۔ اس کے متعلق علمائے امامیہ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف راویوں سے روایت کرتا ہے اور اس کتاب میں بہت سی غلطیاں ہیں۔ اور وہ کبھی ایک راوی کو دو جگہ ذکر کر دیتا ہے لیکن اس کے باوجود علمائے شیعہ اس سے بہت روایت کرتے ہیں (۳۱۹)۔

۳۔ رجال طوسی

اس کتاب کا مؤلف ابو جعفر طوسی (م ۴۶۰ھ) ہے۔ اس نے یہ کتاب اپنے شاگرد قاضی عبد العزیز (م ۴۸۱ھ) کے کہنے پر لکھی۔ اس کے متعلق خود مؤلف کہتا ہے کہ اس سے قبل ایسی جامع کتاب شیعہ کے ہاں نہیں لکھی گئی جس میں نبی ﷺ، آئمہ اور زمن قائم تک تمام راوی لکھے گئے ہوں (۳۲۰)۔ اس کتاب کے اندر ۸۹۰۰ راویوں کے حالات لکھے گئے ہیں۔ زیادہ تر وہ راوی کا نسب طبقہ اور بعض اوقات روایات کا ذکر کرتا ہے۔ وہ راویوں کی توثیق اور تجریح کے متعلق کم ہی ذکر کرتا ہے اور اور جب کرے تو عام طور پر اس قسم کے لفظ ذکر کرتا ہے۔ ثقة ثقة ثقة، صحیح، ثقة مامون، من اصحابنا، متکلم، مستقیم المذهب، مشکورٌ روی عنهم، من غلمان العیاشی، ضعیف، عامی فیه نظر، ردی الاصل، مخلط، مدلس، مجهول، ملعون، خبیث۔ اسی طرح سے درج ذیل الفاظ ذکر کرتا ہے: غالی، غالی ملعون، یرمی بالغلب، جارودیٌ (۳۲۱)۔

۴۔ الفہرست

یہ بھی طوسی کی کتاب ہے۔اس میں اصحاب الکتب اور اصول اوران کی اسانید کا ذکر ہے۔ اس میں ۹۰۰ مصنفین کا ذکر ہے۔طوسی اس کے مقدمہ میں ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ میں ہر ایک مصنف کے حالات لکھتا ہوں اور ساتھ ساتھ اس کی تعدیل اور تجریح کا بھی خیال کرتا ہوں (۳۲۲)۔اس کتاب میں راوی کا ترجمہ،اس کا نسب،کنیت،شہر کی نسبت،بعض اوقات قبیلہ کی نسبت کا ذکر بھی کرتا ہےاور جرح وتعدیل کا بھی ذکر اس میں ہے۔

ابو زھرۃ نے طوسی کے متعلق کہا ہے۔طوسی نے مذہب جعفری کی صرف تالیفات لکھ کر ہی خدمت نہیں کی بلکہ ان لوگوں کا بھی ذکر کیا ہے جن پر مذہب جعفری کا اعتماد ہے۔مذہب جعفری کے تمام رواۃ کا ذکر کیا ہے(۳۲۳)۔

۵۔ رجال النجاشی

احمد بن عباس النجاشی الاسدی (۳۷۲-۴۵۰ھ)۔اس مؤلف کی کتب میں رجال نجاشی کے علاوہ کتاب الجمعہ،کتاب الکوفہ،کتاب انساب بنی نصر،کتاب مختصر الانواء مواضع النجوم (۳۲۴)۔نجاشی اپنی کتاب میں مصنف کا نسب،شہر،مذہب،وفات،تعدیل و تجریح اور بعض اوقات روایات کا ذکر بھی کرتا ہے۔اگر نجاشی اور طوسی کے قول میں تعارض ہو تو نجاشی کو ترجیح دیتے ہیں (۳۲۵)۔اس کتاب کے متعلق شیعہ اس طرح سے اظہار کرتے ہیں:

۱۔ کثرت تکرار۔ایک ہی راوی کو ایک امام کے رواۃ میں لکھتا ہے پھر خود اسی کے متعلق لکھتا ہے۔اس نے کسی امام سے روایت نہیں کیا۔

۲۔ کتاب میں تضاد ہے(۳۲۶)۔

معتزلہ

(تاریخی پس منظر، عقائد، فرقے، اقتدار و زوال، مشہور کتب، نظریہ حدیث)

معتزلہ کی تعریف

معتزلہ ایک فرقہ کا نام ہے۔ معتزلہ کے لفظ کا مادہ ''عزل'' ہے۔ اس کے معنی علیحدگی کے ہیں۔ یہ باب اعتزل یعتزل سے ہے۔ اس کے معنی جدا ہونے والا اور الگ ہونے والا کے ہیں۔ یہ ایک ایسا عجمی مکتب فکر تھا جنہوں نے اپنے خیال میں روایت سے زیدہ درایت کو، نقل سے زیادہ عقل کو اور تقلید سے زیادہ اجتہاد کو اہمیت دی اور یوں اس نے ایک مستقل مکتب فکر کی شکل اختیار کر لی۔

معتزلہ کا تاریخی تسلسل و پس منظر

معتزلہ کے تاریخی پس منظر و تسلسل کو جاننے کے لیے ہمیں تمام اسلامی ادوار کا مختصر جائزہ لینا ہوگا۔ بنیادی طور پر اسلام سادہ اور واضح اصولوں پر مشتمل دین ہے۔ اس کا غالب اصرار عقائد کی درستی اور اعمال کی پاکیزگی پر ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ میں اور صحابہ کرامؓ کے عہد زریں میں اسلامی تعلیمات کی باریکیوں اور ان کے پسِ پردہ پائی جانے والی حکمتوں کی جانب اشارے تو ملتے ہیں لیکن ان کا مقصود محض تربیت نفس تھا۔ عربوں کا مزاج بھی حقیقت پسندانہ تھا۔ ان کے ہاں جزوی اختلافات آنے کی جھلکیاں تو موجود تھیں لیکن عقائد کے مفہوم و مطالب میں ان کا نقطہ نظر تقریبا یکساں تھا۔ اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور اپنے فکر و عمل کی اصلاح میں وہ کچھ اس انداز سے منہمک تھے کہ انہیں مجرد اور فلسفیانہ مباحث کی طرف توجہ مبذول کرنے کی مہلت ہی نہ ملتی تھی۔

یہ صورت حال زیادہ عرصے تک برقرار نہ رہ سکی۔ مختلف عمرانی، نفسیاتی اور جغرافیائی عوامل کے زیرِ اثر مسلمانوں میں فلسفیانہ رجحانات فروغ پانے لگے۔ یوں جداگانہ مکاتیب فکر کا آغاز ہوا۔ حدود سلطنت کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ نئے مسائل کا ابھرنا اور ان کا مختلف طریقوں سے سامنا کرنا بھی لازمی اور قدرتی امر تھا۔ سیاسی وجوہات کی بنا پر بھی فرقہ بندی ہوئی جو بتدریج دینی اختلافات کی شکل میں تبدیل ہوگئی۔

علامہ شہرستانی نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "الملل والنحل" میں ان چار مابہ النزاع مسئلوں کا ذکر کیا ہے جو ابتدائی طور پر مسلمانوں کے نظریاتی اختلافات کا باعث بنے۔ ان کے خیال کے مطابق یہ مسئلے حسب ذیل تھے:

۱۔ ذات وصفات الٰہی ۲۔ جبر وقدر

۳۔ ایمان اور عمل ۴۔ عقل اور نقل

جو اختلافات ابتداء میں بالکل معمولی تھے وقت کے ساتھ ساتھ پھیلتے چلے گئے اور یوں اَن گنت مکتبہ ہائے فکر وجود میں آ گئے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ سب مکتبہ ہائے خیال نے اپنے اپنے نقطہ نظر کی حمایت میں قرآن وحدیث سے جواز ڈھونڈنے کی روش اختیار کی اور اس طرح تفسیری نکات، احادیث کی صحت وعدم صحت اور فقہی مسائل پر بحث مباحثے کو فروغ حاصل ہوا۔

تاریخی اعتبار سے اختلاف رائے کی خلیج اس وقت وسیع ہوتی دکھائی دیتی ہے جب شہادت حضرت عثمانؓ کے بعد مسلمانوں میں سیاسی افراتفری پیدا ہوگئی۔ خلافت کا تنازعہ مختلف گروہوں کے ابھرنے کا باعث بنا۔ حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت میں خانہ جنگی کی کیفیت زور پکڑ گئی، غلط فہمیوں اور منافقین کی مکارانہ چالوں اور سازشوں کی وجہ سے صحابہ کرام میں باقاعدہ جنگیں ہوئیں۔ جنگِ جمل، جنگِ صفین اور جنگِ نہروان میں بعض جید اور سرکردہ صحابہ بھی ایک دوسرے کے مخالف گروہوں کے ساتھ شریک ہوئے۔ حتٰی کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ بھی حضرت علیؓ کے خلاف صف آرا ہوئیں۔ اس افسوسناک صورت حال میں قدرتی طور پر ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوا ہوگا کہ حق پر کون ہے؟ اور کیوں کر ہے؟ غلطی کس کی ہے؟ اور کیسے ہے؟ یہ وہ موڑ ہے جہاں سے سیاسی اختلاف نے ایک فتنے کی سی صورت اختیار کر لی اور مختلف فرقے رونما ہونے لگے۔ ذیل میں مختلف فرقوں کے ظہور پذیر ہونے کی ترتیب اجمالاً درجہ بدرجہ کچھ اس طرح ہے:

۱۔ شیعہ

حضرت علیؓ کے حامیوں کا گروہ ابتدا میں شیعان علیؓ کہلاتا تھا۔ بعد میں انہیں صرف شیعہ کہا جانے لگا۔ ان کا بنیادی عقیدہ یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد خلافت کا حق حضرت علیؓ کو پہنچتا تھا کیونکہ وہ

اپنے ذاتی اوصاف اور فضائل کے اعتبار سے اس لائق تھے کہ اس منصب جلیلہ پر فائز ہوتے علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ سے قرابت داری کی وجہ سے بھی وہ صحیح حق دار تھے لیکن انہیں موقع نہ دیا گیا۔ پہلے تینوں خلفاء نے شیعہ کے نقطہ نظر کے مطابق حضرت علیؓ کے حق کو غصب کیا۔ رفتہ رفتہ انہوں (شیعہ) نے ایک منظم مکتب فکر اور مذہب کی صورت اختیار کر لی۔ ان کے عقائد اور فرقوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے جداگانہ فقہ کی تدوین کی۔

۲۔ خوارج

خوارج کا گروہ جنگ صفین کے دوران اس وقت پیدا ہوا جب حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے مابین حکم مقرر کرنے کا معاہدہ طے پایا۔ اس وقت تک یہ لوگ حضرت علیؓ کے حامیوں میں سے تھے مگر تحکیم پر اچانک بگڑ گئے۔ وہ اس معاہدے پر مطمئن نہ تھے۔ انہوں نے ''ان الحکم الا للہ'' کا نعرہ بلند کیا۔ یعنی فیصلہ کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ ان کے نزدیک انسانوں کو حکم تسلیم کرنا ناجائز تھا۔ یہ لوگ حضرت علیؓ کے لشکر سے کٹ کر علیحدہ ہو گئے۔ بلکہ کھلم کھلا مخالفت پر اتر آئے۔ وہ اپنے آپ کو سچا اور پکا مسلمان کہتے تھے اور دوسروں کو کافر کہنے کے عقیدے کا فروغ ہوا اور ان کے نزدیک غیر عادل حکومت کے خلاف خروج کرنا جزو ایمان تھا۔ وہ ایک طویل عرصے تک کشت و خون میں مصروف رہے۔ انہوں نے اپنا مطمح نظر یہی بنالیا کہ وہ زمین پر حکومت الٰہیہ قائم کر کے دم لیں گے۔

۳۔ جبریہ

جبریہ کا عقیدہ یہ تھا کہ کائنات کی باقی تمام اشیاء کی مانند انسان بھی تقدیر الٰہی کا پابند ہے۔ اسے اپنے فکر اور عمل پر قدرت حاصل نہیں ہے۔ جو کچھ بھی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی رضا سے ہوتا ہے۔ وہ انسان کو مجبور محض قرار دیتے تھے۔ جبریہ کا سب سے بڑا داعی جہم بن صفوان تھا۔

۴۔ قدریہ

قدریہ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ کیونکہ اسے متبادل راستوں میں سے کسی ایک راستے کے انتخاب کا موقع میسر ہوتا ہے۔ یہ آزادی انسان کو ذمہ دار بنادیتی ہے۔ قدریہ کا

سب سے بڑا ترجمان معبد الجہنی تھا۔ بنو امیہ کے دورِ حکومت میں ان مکتبِ فکر پر بہت پابندیاں عائد کی گئیں لیکن اس کی طاقت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس عہد میں تقدیر کے مسئلہ کی اہمیت بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ جبریہ اور قدریہ کی یہ بحثیں مسلمانوں میں غور و فکر اور استدلال کی روش کا باعث ہوئیں۔ نقلی دلائل کے علاوہ عقلی دلائل کا رواج بھی عام ہوا۔ تعبیر و توجیہ کے اختلاف کی نئی نئی صورتیں رونما ہونے لگیں۔

۵۔ مرجئہ

اس فرقہ کے خیال کے مطابق ایمان کا تعلق توحید و رسالت کے اقرار سے ہے۔ اگر ان بنیادی عقائد کو تسلیم کر لیا جائے تو عملی لغزشوں، کوتاہیوں اور گناہوں کے باوصف انسان مومن رہتا ہے۔ کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ظاہری اعمال کی بنا پر کسی کے جنتی یا جہنمی ہونے کا فیصلہ کرے۔ ان کا کہنا تھا کہ اعمال، ایمان کا جزو نہیں، اگر انسان گناہ کبیرہ کرے تو پھر بھی اس کا ایمان برقرار رہتا ہے۔ یہ فرقہ خوارج کے متشددانہ عقائد کے خلاف ردِ عمل کے طور پر ابھرا لیکن دوسری انتہا تک جا پہنچا۔

۶۔ وعیدیہ

یہ فرقہ خوارج کا حامی تھا اور مرجئہ کے عقائد کے برعکس تھا۔ اس فرقے نے خیال پیش کیا کہ ایمان کا تعلق محض اقرار باللسان ہی سے نہیں بلکہ تصدیق بالقلب اور اعمال حشر و نشر سے بھی ہے۔ ان کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے اور جہنم کے عذاب میں مبتلا ہو گا۔

درج بالا بحث کس قدر اہمیت اختیار کر گئی تھی اس کا اندازہ اس معروف واقعہ سے کیا جا سکتا ہے جو ایک روز حضرت حسن بصری کی مجلس میں رونما ہوا۔ حسن بصریؒ کے شاگردوں میں سے کسی نے استفسار کیا: کیا کبیرہ گناہ کے مرتکب کو مومن کہنا درست ہے؟ سائل کو معلوم تھا کہ حسن بصری مرجئہ کے حامی ہیں۔ ابھی وہ جواب دے نہ پائے تھے کہ ان کے ایک شاگرد واصل بن عطا نے جواب دیا: ایسا شخص نہ کافر ہو گا نہ مومن بلکہ دونوں کے درمیان کی منزل میں ہو گا۔ واصل بن عطا کا یہ جواب مرجئہ کے انتہا پسند نظریات کے مابین مصالحت اور اعتدال کی روش اختیار کرنے کا ایک انداز تھا۔ اس نے اپنے عہد کے مسائل کا تجزیہ کرنے کے بعد عقل پرستی کو فروغ دیا۔ جس سے ایک نیا فرقہ وجود میں آیا جسے

معتزلہ کا نام دیا گیا۔ معتزلہ کے مختلف نام ہیں۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ معتزلہ ۲۔ اہلِ عدل و توحید ۳۔ اہلِ حق

۱۔ معتزلہ سب سے زیادہ عام اور مشہور نام ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ بغدادی کا قول ہے: "یہ نام اہلِ سنت کا دیا ہوا ہے۔ اس لیے کہ مرتکب گناہ کبیرہ کے معاملہ میں یہ عام مسلمانوں کے ہم خیال نہ تھے بلکہ ان سے الگ تھے۔ ان کا عقیدہ مرتکب گناہ کبیرہ کے بارے میں یہ تھا کہ نہ وہ کافر ہے نہ مومن بلکہ کفر و ایمان کے درمیان ہے" (۳۲۷)۔ یعنی اجماع سے الگ ہونے کی وجہ سے یہ نام دیا گیا۔

علامہ شہرستانی اس تسمیہ کا دوسرا سبب قرار دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس مکتبہ فکر کے بانی واصل بن عطا نے جب مرتکب گناہ کبیرہ کے بارے میں حسن بصریؒ سے اختلاف کیا اور ان کی مجلس سے اُٹھ گئے تو اس کے ساتھ وہ چند لوگ بھی اُٹھ گئے جو اس کے ہم خیال تھے۔ واصل ان لوگوں کو لے کر مسجد کے ایک ستون کے پاس بیٹھ گیا اور اپنے خیال کی تشریح کرنے لگا اس موقع پر حسن بصریؒ نے فرمایا: "اعتزل عنا واصل" (واصل ہم سے الگ ہو گیا) (۳۲۸)۔ اس کے الگ ہونے کی وجہ سے اس فرقہ کو یہ نام دیا گیا۔ ان کے اس نام کے متعلق معروف مستشرق گولڈزیہر کا خیال ہے: یہ لوگ ان کے شیوخ اولین واصل بن عطاء، عمرو بن عبید مردار، جعفر بن جعفر بن مبشر، جعفر بن حرب دنیا اور اہلِ دنیا سے الگ تھلگ رہتے اور زہد و تقشف کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس لیے معتزلہ کہلائے (۳۲۹)۔

معتزلہ بغدادی کے اس الزام کو تسلیم نہیں کرتے کہ اجماع امت سے الگ ہونے کی وجہ سے ان کو یہ نام دیا گیا۔ وہ کہتے ہیں ہم اجماع کے دائرے سے پورے طور پر وابستہ ہیں۔ امام ابن المرتضیٰ الزیدی الیمنی نے اپنی کتاب "المعیۃ والامل" میں بغدادی کے اس الزام کا بڑی سختی سے رد کیا ہے اور احتجاج کرتے ہوئے فرمایا ہے: معتزلہ غیروں کا دیا ہوا نہیں خود معتزلہ کا اپنا اختیار کیا ہوا نام ہے۔ وہ اپنے آپ کو دنیا سے الگ کہتے تھے اس وجہ سے یہ نام مشہور ہوا گویا انہوں نے خود اختیار کیا (۳۳۰)۔

۲۔ اہلِ عدل و توحید

مقبلی کی روایت ہے کہ معتزلہ نے اپنا نام "اہلِ عدل و توحید" رکھا تھا (۳۳۱)۔ امام ابن

المرتضیٰ کا بیان ہے: "معتزلہ اپنے آپ کو عدلیہ اور موحدہ جماعت کہا کرتے تھے" (۳۳۲)۔

۳۔ اہل حق

معتزلہ اپنے آپ کو اہل حق بھی کہتے تھے اور فرقہ ناجیہ کا لفظ بھی اپنے لیے استعمال کرتے تھے۔اس کے برعکس معتزلہ کے مخالف انہیں طرح طرح کے ناموں سے یاد کرتے تھے (۳۳۳) جو درج ذیل ہیں۔اس کے علاوہ ان کے اور بھی نام ہیں:

۱۔ مجبرہ: یہ جبر کے قائل ہیں۔

۲۔ قدریہ: یہ قدر پر اعتبار رکھتے ہیں یعنی انسان اپنے اعمال پر خود قادر ہے (۳۳۴)۔

۳۔ مجوزۃ:

۴۔ مشبہ: یہ خدا کے لیے وہ صفات تسلیم کرتے ہیں جو ثابت نہیں۔

۵۔ حشویہ:

۶۔ وعیدیہ: درحقیقت وعیدیہ نام معتزلہ کا عقیدہ "وعدووعید" کی بنا پر چل نکلا ہے۔اس عقیدے پر اعتزال کی بنیاد قائم ہے (۳۳۵)۔

ظہور معتزلہ

تاریخ سے اس امر کا سراغ نہیں ملتا کہ معتزلہ کی جماعت کس سن میں ظہور پذیر ہوئی؟ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ بصرہ میں نمودار ہوئے۔حسن بصری کے حلقے میں نشست رکھتے تھے۔بعد میں ان سے جدا ہو گئے۔البتہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ حسن بصری کی وفات ۱۱۰ھ/ ۷۲۸ء میں ہوئی۔اور معتزلی مکتب فکر کے جو دو حضرات مؤسس اور بانی کہے جا سکتے ہیں یعنی واصل اور عمرو بن عبید کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی۔یہ بات کسی طرح بھی تسلیم نہیں کی جا سکتی کہ بیس سال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے ان حضرات نے ایک فکری ادارے کی بنیاد ڈالی۔اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ معتزلہ دوسری صدی ہجری کے اوائل میں ظہور پذیر ہوئے۔سال کا تعین اگر کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ ۱۰۰ھ سے ۱۱۰ھ کے مابین اس مکتبہ فکر کی داغ بیل پڑی اور ہمارا یہ خیال مقریزی کے خیال سے ہم آہنگ ہے جس نے دوسری صدی ہجری میں ان کا ظہور بیان کیا ہے (۳۳۶)۔

ظہورِ معتزلہ کے عوامل اربعہ

معتزلہ کا وجود و ظہور چار مختلف عوامل پر قائم ہے:

ا۔ مسلمانوں کے فکری اختلافات کا حل اور اجتماعی مشکلات و مسائل

فتوحات اور کشور کشائی کا دور جب رُک گیا اور مسلمانوں نے مختلف دیار و امصار میں سکونت اختیار کی تو بہت سے نازک اور سنگین قسم کے اجتماعی مشکلات و مسائل پیدا ہوئے۔ ضروری تھا کہ مسلمان ان پر غور کرتے، ان کا حل تلاش کرتے اور وہ حل ایسا ہوتا جو روح شریعت اسلامیہ سے پورے طور پر ہم آہنگ ہوتا کیونکہ اس زمانے میں نفوس انسانی پر دین کا بڑا گہرا اثر تھا۔ وہ جو کچھ بھی کہیں یا کریں وہ تعلیمات دینی کے مطابق ہو۔ ان مسائل میں ایک مسئلہ شرک کے علاوہ گناہِ کبیرہ کے ارتکاب کا تھا(۳۳۷)۔

گناہ کبیرہ کے متعلق اہل سنت والجماعت کا مسلک

کبائر میں قتل اور زنا دوسرے کبائر کے مقابلہ میں زیادہ بُرے ہیں کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے۔ ہاں مگر حق پر، اور وہ زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسے کام کرے گا اسے سزا سے سابقہ پڑے گا(۳۳۸)۔ اہلِ سنت والجماعت شرک کے سوا مرتکب گناہ کبیرہ کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ جو ملتِ اسلامیہ میں شامل ہے مومن ہے۔ اس کی یہ معصیتِ کبیرہ اسے نہ ایمان سے خارج کرتی ہے نہ ہی اسے کفر کے حلقے میں داخل کرتی ہے کیونکہ وہ حقیقتِ ایمان کی تصدیق کرتا ہے۔ لہذا اسے سزا ضرور ملے گی لیکن وہ کافر نہیں ہوتا(۳۳۹)۔

اہلِ سنت سے خوارج کا اختلاف

خوارج نے کہا کہ مرتکب گناہ کبیرہ ہو یا صغیرہ کافر ہے اور ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ اس لیے ان کے نزدیک بغیر عمل کے ایمان مکمل نہیں ہوتا(۳۴۰)۔ رفتہ رفتہ اس مسئلہ (مرتکب گناہ کبیرہ) نے بہت زیادہ نزاعی صورت اختیار کر لی۔ چنانچہ بصرہ اور دوسرے مقامات کی مساجد میں مناظروں کے حلقے

قائم ہونے لگے۔ سب سے مشہور حلقہ حسن بصری کا تھا۔ انہوں نے اس مسئلہ کو حل کرنے کی بہت کوشش کی چنانچہ حضرت حسن بصریؒ اس نتیجہ پر پہنچے کہ مرتکب گناہِ کبیرہ منافق ہے (۳۴۱)۔ لیکن بغدادی نے اس قول کو مہمل قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ منافق تو اس کافر سے بدرجہا بدتر ہے جو اپنے کفر کا اعلانیہ اظہار کرتا ہے (۳۴۲)۔ یہ تھی وہ فضا جس میں معتزلہ کا ظہور ہوا ہے۔

اس مرحلہ پر حضرت حسن بصری کے شاگرد واصل نے سوچا کہ وہ ایسا حل دریافت کر سکتے ہیں جو سابقہ احکام کے مقابلے میں کہیں زیادہ بہتر اور قابلِ قبول ہو سکتا ہے۔ واصل اس حقیقت کے رمز شناس تھے کہ عمل ایمان کا جزو ہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ کتاب و سنت میں جو احکام مومنین، کافرین اور منافقین کے لیے وارد ہوئے ہیں وہ مرتکب گناہِ کبیرہ پر عائد نہیں ہوتے۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ مرتکب گناہ کبیرہ مومن ہے نہ کافر بلکہ کفر و ایمان کی منازل کے درمیان ہے۔ اس نے حکم لگایا کہ مرتکب گناہ کبیرہ مومن ہے نہ کافر بلکہ کفر و ایمان کی منازل کے بیچ میں "المنزلة بين المنزلتين" ہے اور فاسق ہے (۳۴۳)۔

۲۔ دوسرے مذاہب کا معتزلہ پر اثر

ظہورِ معتزلہ میں یہود کی کارفرمائی بھی شامل ہے۔ خلقِ قرآن کا مسئلہ بھی انہی کا پیدا کیا ہوا تھا۔ خطیب بغدادی نے ذکر کیا ہے کہ بشر المریسی (م ۲۱۸ھ) جو مرجئہ تھا اور معتزلی بھی۔ خلقِ قرآن کا سب سے بڑا داعی تھا (۳۴۴)۔ ابن قتیبہ کی ایک روایت ہے کہ خلقِ قرآن کی بات جس منہ سے سب سے پہلے نکلی وہ مغیرہ بن سعید العجلی تھا یہ عبداللہ بن سبا کے اتباع میں سے تھا (۳۴۵)۔

مذاہبِ غیر میں سب سے زیادہ جو مذہب اعتزال پر اثر انداز ہوا وہ مسیحیت تھا۔ خاص طور پر یحییٰ دمشقی جیسا شخص تو اثر ڈالے بغیر رہ ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ کلیسائے شرقیہ کا سب سے بڑا عالم مانا جاتا تھا اور مشرق کی مسیحی دنیا میں علمِ کلام کے ماہر کی حیثیت سے بھی یہ بہت اونچا مقام رکھتا تھا (۳۴۶)۔

اہلِ کتاب کی جانب سے اسلام کو کسی طرح کا خطرہ لاحق نہیں تھا اس کا ثبوت یہ ہے کہ قرآن نے ان کے ساتھ حسنِ معاملہ کا حکم دیا ہے اس طرح احادیث نبوی ﷺ سے ثابت ہے کہ انہیں کوئی ایذا نہ پہنچائی جائے نہ ان پر کسی طرح کی زیادتی کی جائے (۳۴۷)۔ یہود وہ قوم ہے جس نے سختی کے ساتھ

اسلام کی مخالفت کی اس کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں "تمام آدمیوں سے زیادہ مسلمانوں سے عداوت رکھنے والے آپ ﷺ یہود اور مشرکین کو پائیں گے" (۳۴۸)۔ رہے اہل فارس تو ان کا معاملہ ہی اور ہے۔ اہل فارس صدیوں تک کارِ حکومت و سلطانی انجام دے چکے تھے۔ عربوں سے یہ قومیت، زبان اور مذہب میں یکسر مختلف تھے۔ یہ اپنے آپ کو عربوں سے زیادہ مہذب اور اعلیٰ وارفع سمجھا کرتے تھے۔ عراق و یمن کے عربوں کی بہت بڑی جمعیت اسلام سے پہلے ان کے ماتحت اور باج گزار رہ چکی تھی۔ یہ مسلمانوں کے خلاف کینہ رکھتے تھے کہ انہوں نے ان کا تختِ حکومت الٹ دیا لہٰذا ان کی سرگرمیوں کا محور یہ تھا کہ مسلمانوں کی سیاسی بالادستی کا خاتمہ کیا جائے اور دینِ اسلام میں فساد اور رخنہ پیدا کیا جائے (۳۴۹)۔

۳۔ معتزلہ کی طرف سے دین کی نصرت وحمایت

دین کی نصرت اور حمایت میں معتزلہ برابر سرگرم رہے۔ مخالفین اسلام کا مقابلہ کرنے اور ان کے اقوال و دلائل کا رد کرنے والا معتزلہ کے سوا خلفاء کو دوسرا کوئی نہیں ملا۔ خلیفہ مامون الرشید ادیانِ غیر اور معتزلہ کے مابین مناظرہ بھی کرایا کرتا تھا۔ ان مناظروں میں معتزلہ مخالفین کو لاجواب کر دیتے تھے۔ انہوں نے دینِ اسلام کی تبلیغ میں جوش وخروش کا مظاہرہ کیا اور بہت سے لوگوں کو اسلام کا حلقہ بگوش بنادیا (۳۵۰)۔

ان سب باتوں سے یہ امر واضح ہے کہ معتزلہ نے اپنے آپ کو دینِ اسلام کے دفاع اور دشمنانِ دین کے رد اور مقابلے کے لیے وقف کر دیا۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ معتزلہ کے اعمال تبشیر، تبلیغ و دفاع دین کے بارے میں آدمی جو کچھ پڑھتا ہے وہ شافی نہیں بلکہ جو معلومات حاصل ہوتی ہیں ان کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ مبتلائے شک و ریب ہو جاتا ہے (۳۵۱)۔

۴۔ معتزلہ اور علم فلسفہ (دشمن کے اسلحہ سے مقابلہ)

معتزلہ نے عقائد اسلامیہ کے دفاع اور اسلام کی تبلیغ و تبشیر کی مہم شروع کی جب انہوں نے مخالفین اسلام سے تعرض کرتے ہوئے ان سے مناظرے کا سلسلہ شروع کیا تو انہوں نے محسوس کیا کہ

حریف جدل ومناظرے پر غیر معمولی عبور رکھتا ہے۔علوم عقلیہ اور فلسفہ میں انہیں مہارت حاصل ہے۔ معتزلہ نے ایسے مدارس قائم کیے۔ جہاں فلسفہ اور دوسرے علوم کی تعلیم کا مکمل انتظام کیا(۳۵۲)۔

فلسفی اصولوں پر دینی عقائد

معتزلہ کے لیے یہ بات بآسانی ممکن ہو سکی کہ اپنے دینی عقائد کو فلسفی اصول پر مرتب کریں اور منطقی ودقیق کلام سے کام لیں اور مناظرے میں مہارت حاصل کرلیں۔معتزلہ نے اس فلسفہ پر اپنی ساری توجہ مرکوز کردی تاکہ دشمن کا مقابلہ اسی ہتھیار سے کرسکیں۔اس بات نے خلیفہ منصور کو اس امر پر آمادہ کیا کہ غیر زبانوں کی کتب کا ترجمہ عربی میں کرایا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

فلسفہ بجائے خود مقصود نہ تھا لیکن معتزلہ نے اصول فلسفہ کی طرف توجہ اس لیے مبذول نہیں کی تھی کہ انہیں فلسفے سے خود کوئی دلچسپی تھی بلکہ انہوں نے دینِ اسلام کے مخالفین کا رد کرنے کے لیے بطور خاص فلسفہ سے کام لیا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہاں سے تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا یہ دور خود معتزلہ سے متعلق تھا۔فلسفے نے ان کی زندگی کو ایک عظیم انقلاب سے دوچار کرلیا وہ رفتہ رفتہ فلسفے سے بحیثیت فلسفہ دلچسپی لینے لگے اور ان سے ان کی وابستگی بڑھتی گئی۔غیر محسوس طور پر معتزلہ اپنے اہداف دینی سے دور ہوتے چلے گئے(۳۵۳)۔

معتزلہ کے اصول خمسہ (عقائد ونظریات)

ابوالحسین خیاط اپنی کتاب ’’الانتصار‘‘ میں لکھتے ہیں کوئی شخص جب تک ان اصول خمسہ کا معتقد نہ ہو معتزلی کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا(۳۵۴)۔

ا۔ توحید

توحید فرقہ معتزلہ کا جوہر،خلاصہ اور روح ہے۔امام ابوالحسن اشعری اپنی کتاب ’’مقالات الاسلامیین‘‘ میں توحید کے بارے میں معتزلہ کا مذہب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔خدا ایک ہے۔

’’لیس کمثلہ شیء وھو السمیع البصیر ‘‘(۳۵۵)۔

ان کا عقیدہ تھا اللہ تعالیٰ نہ جسم رکھتا ہے نہ صورت،خون بھی نہیں ہے،گوشت بھی نہیں ہے،نہ

جو ہر ہے نہ عرض نہ اس کا رنگ ہے نہ ذائقہ نہ خوشبو، اسے چھوا بھی نہیں جا سکتا۔ زمانہ اس پر حاوی نہیں ہو سکتا نہ اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ لامتناہی ہے اسے ناپا بھی نہیں جا سکتا۔ وہ مختلف جہات میں سمایا ہوا ہے۔ اس پر فنا بھی طاری نہیں ہو سکتی۔ نہ اس میں کسی طرح کی کوتاہی یا کمی ہے (۳۵۶)۔ ابو الہذیل علاف نے اس عقیدے کی صراحت کرتے ہوئے کہا خدا کی صفات اس کی ذات کا جزو ہیں۔ صفات ہی ہیں جن کی وجہ سے خدا وہ ہے جو وہ ہے۔ صفات خدا کا عین ہیں۔ وہ اس کی ذات میں موجود ہیں۔ معتزلہ نے ذات وصفات کے اس مسئلے پر منطقی موشگافیوں کو کچھ اس طرح آگے بڑھایا کہ خدا کا عمومی تصور دب کر رہ گیا۔ رؤیت باری تعالیٰ کے متعلق ان کا یہ خیال ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ان آنکھوں سے آخرت میں بھی نہیں دیکھ سکیں گے۔ حالانکہ اس کے متعلق صحیح بخاری کی احادیث میں صراحتاً موجود ہے کہ ہم اللہ کو اس طرح دیکھیں گے جیسے چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہیں (بخاری الجامع الصحیح، کتاب التوحید)۔ قرآن مجید کو معتزلہ مخلوق سمجھتے تھے۔ حالانکہ مسلمانوں کا واضح عقیدہ تھا کہ قرآن غیر مخلوق ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور کلام صفتِ خداوندی ہے لیکن معتزلہ اسے مخلوق سمجھتے تھے۔

عقیدہ توحید کے نتائج

معتزلہ اسی اصول کے پیش نظر قیامت کے دن رؤیت باری تعالیٰ کو محال سمجھتے تھے کیونکہ اس سے خدا کی جسمانیت اور جہت لازم آتی ہے۔ نیز یہ کہ صفات ذات سے غیر نہیں۔ اس پر بنیاد رکھتے ہوئے وہ قرآن کو مخلوق سمجھتے تھے کیونکہ وہ صفتِ کلام کو خدا کی صفت قرار نہیں دیتے تھے۔

۲۔ عدل

مؤرخ شہیر مسعودی ''مروج الذہب'' میں عدل کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا فساد کو نہیں چاہتا نہ افعال العباد کو پیدا کرتا ہے۔ لوگ اللہ کے امر کو بجا لاتے ہیں۔ اس کے منہیات سے رک جاتے ہیں تو یہ اس قدرت کے باعث ہے جو اللہ نے انہیں ودیعت کر رکھی ہے۔ خدا وہی حکم دیتا ہے جس کا ارادہ کرتا ہے اور اسی بات سے روکتا ہے جسے برا سمجھتا ہے۔ ہر نیکی جس کا اس نے حکم دیا ہے اس کی پسندیدہ ہے ہر وہ برائی اچھی نہیں ہے جس سے اس نے روکا ہے۔ وہ ہر چیز کا مالک ہے جس سے چاہتا ہے لے لیتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو مخلوق کو اپنی اطاعت پر مجبور کر سکتا ہے۔ اگر

اس کی مرضی ہوتو لوگ کبھی کسی معصیت کے پاس نہ پھٹکتے۔ بے شک وہ اس پر قادر تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اگر ایسا کرتا تو پھر بندوں کی آزمائش نہیں ہوسکتی (۳۵۷)۔

قانون عدل سے معتزلہ دراصل جہمیہ کے اس نظریہ کی تردید کرنا چاہتے تھے کہ بندہ اپنے فعل میں مختار نہیں۔ لہذا اس کو ذمہ دار قرار دینا ظلم ہے کیونکہ اس کا کوئی مطلب نہیں کہ ایک شخص کو کسی بات کا حکم دیا جائے اور پھر آمر ہی اس کی مخالفت پر مجبور کرے ورنہ کسی فعل سے روکنے کا کچھ مطلب نہیں۔ اس بنا پر معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ بندہ خود اپنے افعال کا خالق ہے اور خدا خالق افعال نہیں۔ بلکہ انسان اپنے افعال میں آزاد ہے اور اپنے اچھے اور بُرے اعمال کا ذمہ دار ہے۔ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ جو انسان کی قدرت اور اختیار کا انکار کرتا ہے وہ دراصل خدا کی توہین کا مرتکب ہوتا ہے۔

۳۔ وعد اور وعید

معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ وعد و وعید لامحالہ وقوع پذیر ہوں گے۔ خدا نے جو ثواب کا وعدہ کیا اور سزا کی جو دھمکی دی وہ پوری ہو کر رہے گی۔ اس نے توبہ کی قبولیت کا جو وعدہ کیا ہے وہ بھی پورا ہوگا۔ جو نیک کام کرے گا جزا پائے گا۔ اس طرح بدکار کو سزا دی جائے گی۔ کبائر بلا توبہ معاف نہیں ہوتے۔ نہ نیکی کرنے والا جزا سے محروم رہتا ہے۔ اس سے ان کا مقصد فرقہ مرجیہ کی تردید کرنا تھا جن کا نظریہ ہے کہ ایمان کی موجودگی میں معصیت سے کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ جس طرح کفر کے ہوتے ہوئے طاعت اور عبادت کا کوئی فائدہ نہیں۔ اگر مرجیہ کی یہ بات صحیح ہوتی تو خدا کی وعید بے اثر ہو جاتی۔

۴۔ المنزلۃ بین المنزلتین (کفر و اسلام میں درمیانہ درجہ)

معتزلہ کے اس نظریہ کی توجیہ کرتے ہوئے شہرستانی لکھتے ہیں: واصل بن عطاء کا قول کہ ایمان عبارت ہے خصال خیر سے جب یہ کسی شخص میں موجود ہو تو وہ مومن ہے اور مومن ایک توصیلی نام کا مستحق نہیں۔ پس اسے مومن بھی نہیں کہا جائے گا۔ مگر اسے کافر بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ کلمہ شہادت کا قائل ہے اور دوسرے اعمال خیر بھی اس میں موجود ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا اگر وہ دنیا سے اس طرح رخصت ہو کہ کسی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو چکا ہو اور توبہ نہ کی ہو تو وہ دوزخی ہے اور ہمیشہ جہنم میں رہے گا کیونکہ آخرت میں صرف دو ہی فریق ہوں گے ایک فریق تو جنت میں ہوگا دوسرا جہنم میں۔ البتہ اس

کے ساتھ یہ رعایت کی جائے گی کہ عذاب کچھ کم کر دیا جائے اور اسے کافروں سے ایک درجہ اوپر رکھا جائے گا۔ گو ان کا عقیدہ یہ ہے کہ مرتکب کبائر نہ مومن ہے نہ مسلم لیکن اس کے لیے لفظ ''مسلم'' کا اطلاق جائز خیال کرتے ہیں تا کہ اہلِ ذمہ اور بُت پرستوں سے اسے ممتاز کیا جا سکے۔ لہذا یہ لفظ مرتکب کبائر کے لیے ایسی احتیاط سے استعمال کیا جائے کہ اس سے اس کی تعظیم، ثنا اور مدح نہ سمجھی جائے (۳۵۸)۔

۵۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر

یہ معتزلہ کے اجماعی اصولوں میں سے پانچواں اصول ہے معتزلہ کے نزدیک امر بالمعروف ونہی عن المنکر سب مومنوں پر واجب ہے تا کہ اسلام کی تبلیغ واشاعت کا فریضہ انجام دیا جائے اور ان لوگوں کے حملوں کی روک وتھام کی جائے جو حق و باطل کو ملاتے اور مسلمانوں میں فساد برپا کرتے تھے۔ خلافت میں الحاد وزندقہ کا جو ایسا فساد اٹھا اور جس نے حقائق اسلامیہ کی بنیادوں کو متزلزل کر کے رکھ دیا۔ معتزلہ محدثین وفقہاء کے خلاف بھی اٹھ کھڑے ہوئے کیونکہ اپنے مخالفین کے بارے میں یہ یقین رکھتے تھے کہ انہوں نے فعل منکر کا ارتکاب کیا ہے۔ ان کا یہ اعتقاد تھا کہ اپنے عقائد ونظریات کو طاقت کے ساتھ تسلیم کروانا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ نہایت ضروری ہے۔ انہوں نے اسی بنا پر ریاست کے اقتدار کو استعمال کیا اور مخالفین پر ہر قسم کی سختیاں کیں اور اپنے مخالفین جن میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ جیسے محدث وفقیہ تھے پر عرصہ حیات تنگ کرنے کی کوشش کی۔

کسی نے ان کے پانچوں اصولوں کو دو شعروں میں بیان کیا ہے:

اصولهم فی العدل والتوحید — والامر بالمعروف والوعید

ومنزل لصـــاحب الـــبیره — معلق والخلد فی الاخیره (۳۵۹)

معتزلہ کے فرقے

معتزلی لوگ دوسروں کے پیچھے چلنے اور تقلید کے قائل نہ تھے۔ خود سوچ وبچار کے عادی تھے۔ ان کو حقیقت سے کوئی غرض نہ تھی۔ ان کی روش کا محور یہ تھا کہ اصولِ دین میں اجتہاد سے کام لینے کا ہر شخص مکلف ہے اور اسی وجہ سے یہ فرقہ بہت ذیلی فرقوں میں بٹ گیا۔ عام طور پر ہر فرقہ اپنے رئیس کے نام منسوب ہوا۔

۱۔ واصلیہ

فرقہ واصلیہ واصل بن عطا الغزال (۸۰-۱۳۱ھ =/۶۹۹-۷۴۸ء) کے اتباع پر مشتمل ہے۔واصل ہی کو فقہ معتزلہ کا بانی مانا جاتا ہے۔یہی اس فرقہ کا سب سے پہلا سردار اور رئیس تھا(۳۶۰)۔ یہی حسن بصریؒ سے کبائر کے متعلق اختلاف کر کے الگ ہو گیا۔معتزلہ کے اصول خمسہ اسی کی ایجاد ہیں۔

۲۔ العمریہ

اس فرقے کے لوگ عمرو بن عبید بن باب (۸۰-۱۴۴ھ/ ۶۹۹-۷۶۱م) کے تبع تھے یہ واصل بن عطاء کا ہم عصر تھا۔واصل کی موت کے بعد وہ شیخ معتزلہ قرار پایا(۳۶۱)۔اس نے کوئی نئی رائے پیش نہ کی بلکہ یہ واصل کا ہم نوا تھا۔واصل نے اپنی بہن کا اس سے نکاح کر دیا۔احادیث کے رد کرنے کے متعلق (واصل) کا مخالف تھا۔وہ صحابہ کے متعلق خصوصا حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت طلحہؓ کے متعلق واصل کی طرح بدگمانی نہ کرتا تھا۔

۳۔ الہذیلیہ

اس فرقے کے پیر و اصحاب ابوالہذیل محمد بن الحذیل المعروف علاف (۱۳۵-۲۲۶ھ/ ۷۵۲-۸۴۰ء) ہیں۔یہ بصرہ کے معتزلہ کے شیخ مانے جاتے تھے(۳۶۲)۔اس نے فلسفہ یونان کا مطالعہ کیا تھا اور اس سے متاثر تھا۔اس کے کئی اقوال فلسفہ یونان سے لیے گئے ہیں۔

۴۔ النظامیہ

اس فرقے کے اصحاب ابو اسحاق ابراہیم بن سیار النظام (م ۲۳۱ھ/ ۸۴۵ء) کے پیرو تھے۔ نظام، ابوالہذیل علاف کا شاگرد تھا۔نظام کو بہت سے مسائل میں دوسرے معتزلہ سے انفرادیت حاصل ہے(۳۶۳)۔

۵۔ الثمامیہ

اس فرقے کے رئیس ثمامہ بن اشرس النمیری (م ۲۱۳ھ/ ۸۲۸ء) تھے۔اس کا خیال تھا کہ مسلمانوں سے جو آدمی ایک گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر کے مر گیا وہ ہمیشہ جہنم میں فرعون اور ابولہب کے

ساتھ رہے گا (۳۶۴)۔

۶۔ المعمریہ

اس فرقے کے لوگ معمر بن عباد السلمی (م۲۲۰ھ/۸۳۵ء) کے متبع تھے۔ شہرستانی نے معمر کے بارے میں کہا ہے کہ یہ شخص نفی صفات اور نفی قدر کے اعتبار سے معتزلہ میں بہت بڑا اور بلند مقام رکھتا ہے (۳۶۵)۔

۷۔ البشریہ

اس فرقے کے لوگ اصحاب بشر بن معتمر (م۲۲۶ھ/۸۴۰ء) یکے از فاضل علماء معتزلہ ہیں۔ اس کا شمار بغداد کے رؤساء میں ہوتا تھا۔

۸۔ الہشامیہ

یہ لوگ ہشام بن عمرو الفوطی (م۲۲۶ھ/۸۴۰ء) کے پیرو ہیں۔ ہشام نے بہت سے مسائل پر الگ اور منفرد رائے قائم کی (۳۶۶)۔

۹۔ المرداریہ

اس فرقے کے لوگ ابو موسیٰ المردار عیسیٰ بن صبیح الکوفی الزاہد کے پیرو ہیں۔ المردار کے اقوال الگ نظر نہیں آتے وہ اکثر و بیشتر مسائل میں اپنے استاد بشر بن معتمر کی تائید کرتے ہیں (۳۶۷)۔

۱۰۔ الجعفریہ

یہ لوگ جعفر بن مبشر الثقفی (م۲۳۴ھ/۸۴۸ء) اور جعفر بن حرب الہمدانی (م۲۳۶ھ/۸۵۰ء) کے متبع ہیں۔ یہ دونوں معتزلی بغداد کے تھے اور علماء کلام میں ان کا شمار ہوتا تھا (۳۶۸)۔

۱۱۔ الاسواریہ

یہ لوگ علی الاسواری (م۲۴۰ھ/۸۵۴ء) کے پیرو ہیں۔ علی الاسواری کے اہم اقوال میں سے ایک قول یہ ہے کہ وہ قدرت الٰہی کی تحدید کرتے ہیں (۳۶۹)۔

۱۲۔ الاسکافیہ

یہ لوگ اصحاب محمد بن عبداللہ الاس کافی (م ۲۴۰ھ/۸۵۴ء) ہیں۔ان کا شمار معتزلہ کے اہل زہد و تقویٰ میں تھا(۳۷۰)۔

۱۳۔ الحائطیہ والحدثیہ

اس فرقے کے لوگ احمد بن حائط (م ۲۳۲ھ/۸۴۶ء) اور ان کے رفیق فضل الحدثی (م ۲۵۷ھ/۸۷۰ء) کے پیرو ہیں۔ان دونوں حضرات نے ایک مستقل فرقے کی بنیاد ڈالی جو اپنے عجب اقوال (۳۷۱) میں اتنا غیر معمولی ہے کہ بغدادی نے اس کو غالی فرقوں میں شمار کیا اور تمام معتزلی فرقوں سے الگ ایک جداگانہ حیثیت دی ہے(۳۷۲)۔

۱۴۔ المویسیہ

اس فرقہ کے لوگ مویس (م ۲۴۶ھ/۸۶۰ء) کے متبع تھے(۳۷۳)۔

۱۵۔ الصالحیہ

یہ صالح قبہ (م ۲۴۶ھ/۸۶۰ء) کے اصحاب تھے اوراقِ تاریخ میں اس فرقے سے متعلق بھی کوئی قابل ذکر مواد دستیاب نہیں ہے(۳۷۴)۔

۱۶۔ الجاحظیہ

یہ لوگ عمرو بن بحر الجاحظ (م ۲۵۵ھ/ ۸۶۸ء) کے متبع ہیں۔جاحظ کے بارے میں ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ یہ شخص آخر المتکلمین تھا اور حجت اور دلیل کے لحاظ سے ان اصحاب سے بڑھا ہوا تھا(۳۷۵)۔اس نے ادب کی بعض کتابیں لکھیں، مثلاً البخلاء، کتاب الحیوان، البیان والتبیین۔

۱۷۔ الشحامیہ

شحامیہ فرقے کے لوگ ابو یعقوب الشحام (م ۲۶۷ھ/۸۸۰ء) کی تقلید اور پیروی کرتے تھے بصرے میں جو معتزلی تھے شحام ان کا رئیس تھا(۳۷۶)۔

۱۸۔ الخیاطیہ

اس فرقے کے لوگ ابوالحسین الخیاط (م ۳۰۰ھ/۹۱۲ء) کے پیرو اور متبع ہیں یہ بغداد کا رہنے والا تھا (۳۷۷)۔ اس نے کتاب "الانتصار" لکھی۔

۱۹۔ الجبائیہ

ابوعلی محمد بن عبدالوہاب الجبائی (م ۳۳۰ھ/۹۱۵ء) ابویعقوب الشحام کے تلامذہ میں سے تھا۔ یہ بصرے کے معتزلہ میں سے تھا (۳۷۸)۔

۲۰۔ الکعبیہ

یہ لوگ ابوالقاسم عبداللہ البلخی الکعبی (م ۳۱۹ھ/۹۳۱ء) کے پیروکار ہیں۔ کعبی خیاط کا شاگرد تھا (۳۷۹)۔ نفی صفات میں اس نے افراط سے کام لیا۔

۲۱۔ البہشمیۃ

اس فرقے کے لوگ ابو ہاشم عبدالسلام بن ابی علی الجبائی (م ۳۲۱ھ/۹۳۲ء) کے پیرو کار ہیں (۳۸۰)۔ اپنے باپ کے بعد بصرہ کے معتزلہ کا رئیس تھا۔

۲۲۔ الحماریہ

یہ عسکر مکرم کی ایک معتزلہ جماعت تھی۔ اس جماعت کا کوئی خاص مذہب و مسلک نہیں تھا (۳۸۱)۔ عسکر مکرم ایک جگہ ہے جو خوزستان کے قریب ہے۔ یہ بصرہ اور فارس کے درمیان ہے۔ اس فرقہ کے کسی بانی کا علم نہیں ہے۔

معتزلہ کا اقتدار

شروع شروع کے قدریہ بیچارے بدقسمت تھے جنہوں نے امتِ اسلامیہ کی برہمی اور ناراضگی مول لی اور مختلف اذیتوں کے شکار بنے۔ جب قدریہ نے معتزلہ کا روپ دھار لیا تو انہوں نے یہ کمزوری محسوس کر لی اور جان لیا کہ جب تک قوت وطاقت اور شوکت وحشمت نہ حاصل کر لیں زندہ نہیں

رہ سکتے۔ یہی ایک چیز ہے جس پر وہ بھروسا کر سکتے ہیں۔لہذا انہوں نے سوچا کہ برسر اقتدار جماعت سے ربط اور صلہ قائم کرنا چاہیئے اور وہ لوگ جو سب کچھ کر سکتے ہیں انہیں اپنی طرف مائل کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے تدابیر سوچتے رہے اور بالآخر کامیاب بھی ہوئے (۳۸۲)۔

معتزلہ کا امیوں پر اثر

اس پروگرام کے بعد معتزلہ نے خلفاء کے گرد اپنا جال بنا شروع کیا اور انہیں اسیر کرنے کی تدبیریں کرتے رہے معتزلہ یا قدریہ، یزید بن ولید بن عبدالملک کے ارد گرد رہنے لگے (۳۸۳)۔ طبری کا بیان ہے "یزید قدری تھا" (۳۸۴)۔ "مروج الذہب" میں ہے "یزید نے معتزلہ کے اصول خمسہ تسلیم کر لیے تھے" (۳۸۵)۔

معتزلہ یزید بن ولید کو ریاست وصدارت میں عمر بن عبدالعزیز پر ترجیح دیا کرتے تھے۔ یزید معتزلہ سے اس درجہ متاثر ہو چکا تھا کہ بہت جلد انہوں نے اس کے مزاج پر قابو حاصل کر لیا۔ پھر سیاست میں داخل ہو گئے اور یہ دخل صرف فکری نہیں بلکہ عملی تھا۔ اور جب یزید بیمار پڑا تو معتزلہ نے اسے ترغیب دی کہ اپنے بھائی ابراہیم کے لیے ولی عہدی کی بیعت اور ابراہیم کے بعد عبدالعزیز بن حجاج ابن عبدالملک کی ولی عہدی کی بیعت لے۔ معتزلہ برابر اسے اس بات پر اکساتے رہے اور اسے یہ کہتے رہے اس کے لیے مناسب نہیں کہ تخت غیر طے شدہ چھوڑ جائے۔ چنانچہ اس نے ان دونوں کی ولی عہدی پر بیعت لے لی (۳۸۶)۔

قدریہ نے مروان بن محمد کو اعتماد میں لینے کی پوری کوشش کی جو بنی امیہ کا آخری فرمانروا تھا (۳۸۷)۔ مروان تختِ حکومت پر پہنچنے کے کچھ عرصے بعد فتنہ وفساد کی آماجگاہ بن گیا۔ اس کے خلاف خروج اور بغاوت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ شیعان بنی عباس نے بغاوت کی اور بالآخر بہت عبرت انگیز طور پر ان کے ہاتھوں قتل ہوا (۳۸۸)۔

معتزلہ اور عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور

امویوں کا دور جب ختم ہو گیا اور عباسی برسر اقتدار آئے تو معتزلہ ان کی طرف جھک گئے اور ابوجعفر منصور کی نیازمندی کو اپنا شعار بنا لیا۔ عمرو بن عبید، منصور کا اس وقت سے دوست تھا جب ابھی وہ

خلیفہ نہیں بنا تھا۔ منصور اس کا بہت احترام کرتا تھا۔ ایک مرتبہ عمرو، منصور کے پاس آیا اسے وعظ و نصیحت کی، ایسی باتیں کیں کہ اسے رُلا دیا اسی زمانے ہی سے معتزلہ نے ابھرنا شروع کر دیا (۳۸۹)۔

مہدی اور معتزلہ

خلیفہ مہدی بن منصور کے زمانے میں معتزلہ کی آواز کچھ دبی رہی کیونکہ مہدی زنادقہ اور مخالفین کے لیے نہایت سخت گیر اور متشدد واقع ہوا تھا۔ ۱۶۷ھ میں اس نے ایسے لوگوں کی تلاش و جستجو شروع کی اور ایسے لوگوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر پکڑا اور بعضوں کو موت کے گھاٹ اتارا (۳۹۰)۔

ہارون اور معتزلہ

خلیفہ ہارون الرشید (۱۷۰ھ-۱۹۳ھ) کا دور شروع ہوا تو معتزلہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ پھر سے یہ لوگ نمودار ہونا شروع ہو گئے اور حصولِ اقتدار کے لیے کوشش میں لگ گئے۔ کہا جاتا ہے ابن سماک نے ایک مرتبہ ہارون الرشید کو ایسی نصیحت کی کہ اسے دہشت زدہ کر دیا (۳۹۱) اور جب ثمامہ بن اشرس بغداد آیا تو اسے بھی ہارون کا قرب حاصل ہو گیا۔ اس سے قبل یحییٰ، مہدی کے ماموں یزید بن منصور کے لڑکوں کا اتالیق رہ چکا تھا۔ خاص طور پر ہارون رشید کو اتنا زیادہ متاثر کر دیا کہ اس نے اسے اپنے بیٹے کا اتالیق بنا دیا (۳۹۲)۔ لیکن ابھی ان میں اتنی قوت نہ تھی کہ اپنے خیالات کی علی الاعلان تبلیغ کر سکتے تھے اور اپنی آراء کا اظہار کرتے۔ اس لیے کہ ہارون امورِ دین میں محتاط اور سخت واقع ہوا تھا۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ اس کے سامنے ذکر کیا گیا کہ بشر بن المریسی خلق قرآن کا قائل ہے تو اس نے کہا ''خدا کی قسم اگر وہ میرے ہاتھ آیا تو اس طرح قتل کروں گا کہ آج تک میں نے کسی کو اس طرح قتل نہیں کیا ہو گا''۔ پھر بھی عہد رشید میں معتزلہ نے اہمیت حاصل کر لی تھی اور ان کا مستقبل تابناک نظر آنے لگا (۳۹۳)۔

امین الرشید اور معتزلہ

امین جداگانہ طبیعت رکھتا تھا۔ امین میں مذہبیت کا جذبہ زیادہ تھا۔ ایک دفعہ پھر معتزلہ بارگاہ خلافت سے محروم ہو گئے اس لیے کہ وہ مسائل دین میں اپنے باپ سے زیادہ سخت اور بے لچک واقع ہوا

تھا۔اس نے زندیقوں کو جیل میں ٹھونس دیا اور شرابیوں کو عبرت انگیز سزائیں دیں (۳۹۴)۔

مامون اور معتزلہ

خلیفہ مامون الرشید نے معتزلہ کی بالادستی قبول کر لی۔ بعض کبار معتزلہ کا وہ غیر معمولی احترام کرتا تھا مثلاً ثمامہ بن اشرس۔ آخر کار نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ وہ معتزلہ کا مکمل ہمنوا بن گیا۔ان کے افکار و آراء سے اس درجہ متاثر ہوا کہ ان کے اصول اس نے اپنائے (۳۹۵)۔ایک قول یہ ہے کہ وہ ثمامہ بن اشرس تھا جس نے مامون کو گمراہ کیا اور اعتزال کے راستے پر ڈالا (۳۹۶)۔

مامون علم و فلسفہ کا رسیا تھا ادب سے اسے بھی بہت زیادہ دل چسپی تھی۔ مناظرے کی مجلسیں اسے بہت مرغوب تھیں۔اس کے زمانے میں معتزلہ ہی کی وہ جماعت تھی جو علم اور فلسفے کی شائق تھی۔رفتہ رفتہ ان کے اصول اس کا ایمان بن گئے ان کا مذہب اس کا مذہب بن گیا۔

مامون جو علماء کی طرف میلان رکھتا تھا وہ ثمامہ اور ابوالہذیل دونوں سے بہت متاثر تھا۔ معتزلہ کو حصول اقتدار کا خداداد موقع مل گیا۔انہوں نے اپنے اصول مامون کو تلقین کیے اور اسے باور کرا دیا کہ یہ حق مبین ہیں۔ قاضی احمد بن ابی داؤد کا مامون سے ربط ۲۰۴ھ میں قائم ہوا۔انہیں یحییٰ بن اکثم نے ایک جماعت علماء کے ساتھ مامون کے پاس اس لیے بھیجا تا کہ اس کی مجلس میں حاضر رہا کریں۔ مامون قاضی احمد بن ابی داؤد کو پا کر بہت خوش ہوا (۳۹۷)۔

ابن ابی داؤد نے اپنی چرب زبانی اور علم سے مامون کو ایسا گرویدہ بنالیا کہ رفتہ رفتہ وہ اس پر چھا گیا اور اسے خلق قرآن کا قائل کر لیا۔اور اسے اس بات پر آمادہ کر لیا کہ اس مسئلے کے سلسلے میں لوگوں کو قائل کرے۔تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ تنہا ابن ابی داؤد ہی اس مصیبت کا ذمہ دار ہے جو اس سلسلہ میں لوگوں پر نازل ہوئی۔خطیب بغدادی اور سبکی کی بھی یہی رائے ہے (۳۹۸)۔

عقیدہ خلق قرآن کا اظہار

مامون نے خلق قرآن کے عقیدے کا اظہار ۲۱۲ھ میں کیا۔لیکن لوگوں پر اس کو مسلط کرنے کی کوشش ۲۱۸ھ تک نہیں کی۔اسی سال وہ دمشق پہنچا اور وہاں کے لوگوں کو عدل و توحید کے سلسلہ میں مبتلائے امتحان رکھا۔پھر وہ رقہ پہنچا اور یہاں سے ایک فرمان اسحاق بن ابراہیم بغداد کے کوتوال شہر کے

نام بھیجا کہ وہ اس سلسلے میں قاضیوں، گواہوں اور محدثین کا امتحان لے(۳۹۹)۔

علماء حق کا امتحان

اسحاق بن ابراہیم نے ایک فقہاء کی جماعت کو طلب کیا۔ جس میں اپنے وقت کے محدثین میں سے احمد بن حنبل بھی تھے۔ انہیں دو مرتبہ مامون کا فرمان سنایا پھر ایک ایک کر کے سب کو جانچا۔ ان میں سے ہر ایک نے جواب دیا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور خاموشی اختیار کر لی اس سے آگے کچھ نہ کیا۔ البتہ ابن البکاء الاکبر نے کہا ''اور قرآن مجعول ہے''۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''انا جعلنا قرآن عربیا'' نیز قرآن محدث بھی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''ما یاتیھم من ذکر من ربھم محدث ''(۴۰۰)(الانبیاء-۲)۔ اسحاق نے پوچھا ''کیا مجعول کا مطلب مخلوق ہے''۔ ابن البکاء نے کہا ''ہاں بے شک''۔ اسحاق نے دریافت کیا ''تو پھر قرآن مخلوق ہے''۔ ابن البکاء نے جواب دیا میں مخلوق نہیں کہہ سکتا۔ مجعول کہتا ہوں(۴۰۱)۔

اسحاق نے ان سب سے پوچھ گچھ کرنے کے بعد ہر ایک کا قول مامون کو لکھ بھیجا۔ نو دن بعد مامون کا جواب آیا۔ اس نے لکھا کہ قرآن کو قدیم جاننا کفر صریح اور شرک محض ہے۔ پھر اس نے لکھا ان سے پوچھنے کے بعد جو توبہ کر لے اس سے درگزر کر لیا جائے۔ جو لوگ اپنے شرک پر ڈٹے رہیں انہیں رسیوں میں جکڑ کر رقہ بھیج دیا جائے تاکہ امیر المؤمنین ایک مرتبہ بہ نفسِ نفیس ان سے حجت تمام کر لیں۔ اس کے بعد بھی اگر یہ لوگ اپنے قول پر قائم رہے اور توبہ نہ کی تو سب کی گردنیں اڑا دی جائیں(۴۰۲)۔

اسحاق نے ان فقہاء کو ایک بار پھر طلب کیا۔ انہیں خلیفہ کا مکتوب سنایا۔ اس مرتبہ سب نے اقرار کر لیا کہ قرآن مخلوق ہے۔ صرف چار آدمی ایسے تھے جو اپنے قول پر برقرار رہے۔ امام احمد بن حنبلؒ، محمد بن نوح، القواریری اور سجادہ، اسحاق نے انہیں بیڑیوں میں جکڑ کر قید کر لیا۔ دوسرے دن پھر بیڑیوں میں گھسیٹتے ہوئے حاضر کیا گیا۔ اس مرتبہ قواریری نے اقرار کر لیا کہ قرآن مخلوق ہے۔ چنانچہ انہیں آزاد کر دیا گیا۔ باقی تینوں اصحاب اپنے قول پر قائم رہے۔ اس کے بعد سجادہ نے بھی قرآن کو مخلوق تسلیم کر لیا۔ اب دو نفوس باقی رہ گئے یہ اپنے قول پر قائم تھے۔ ان دونوں کو طرسوس روانہ کر دیا گیا۔ لیکن یہ لوگ وہاں اس وقت پہنچے جب مامون کی وفات ہو چکی تھی۔ اسی حالت میں یہ لوگ رقہ لائے گئے وہاں سے ایک کشتی

میں روانہ کر دیئے گئے۔ محمد بن نوح کا راستے میں انتقال ہو گیا۔ امام احمد بن حنبلؒ بغداد پہنچے اور حوالہ زنداں کر دیے گئے (۴۰۳)۔

عہد معتصم میں معتزلہ

مامون کے بعد اس کا بھائی معتصم تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے مرحوم بھائی مامون کی وصیت کا پورا پورا پاس رکھا اور خلقِ قرآن کے سلسلے میں لوگوں کو جتلائے آزمائش کرتا رہا اور معتزلہ کو مقرب بارگاہ بناتا رہا کیونکہ مامون نے جب اسے ولی عہد خلافت بنایا تھا اس سے عہد لے لیا تھا کہ لوگوں کو خلقِ قرآن کے مسلک پر لانے کے لیے پوری کوشش کرے گا (۴۰۴) اور احمد بن ابی داؤد پر تمام امور میں بھروسا کرے گا۔ اس کی وصیت کے الفاظ یہ ہیں: ''ابوعبداللہ احمد بن ابی داؤد سے کبھی مفارقت نہ کرنا اپنے تمام امور اور معاملات میں ان سے مشورہ کرتے رہنا کہ وہ اس کے مستحق ہیں'' (۴۰۵)۔

معتصم کے عہد میں بھی علمائے محدثین کی ایک بڑی جماعت کو دورِ ابتلاء سے گزرنا پڑا۔ مثلاً نعیم بن حماد جو اس مقصد کے لیے مصر سے لائے گئے تھے۔ ان سے بھی خلقِ قرآن کے بارے میں سوال کیا گیا۔ انہوں نے یہ عقیدہ ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ انہیں سامرا میں قید کر دیا اور اس وقت تک قید میں رہے جب تک وفات نہیں پائی (۴۰۶)۔

امام احمد بن حنبلؒ کی سرگزشت

ابتلاء اور آزمائش کے جس دور سے امام احمد بن حنبلؒ کو گزرنا پڑا وہ بے انتہا لرزہ خیز اور اپنی مثال آپ ہے۔ رقہ سے امام احمد بن حنبلؒ واپس بغداد لائے گئے اور جیل میں پابند سلاسل رہتے ہوئے زندگی گزار رہے تھے۔ معتصم نے اپنی بارگاہ میں طلب کیا۔ یہ واقعہ ماہ رمضان کا ہے چنانچہ یہ جیل سے اسحاق بن ابراہیم کے گھر لائے گئے یہاں ہر روز خلیفہ کی طرف سے دو آدمی آتے اور احمد بن حنبلؒ سے مناظرہ کرتے۔ یہ مناظرہ جب ناکام ہو جاتا تو اس پر سختیاں اور بڑھ جاتیں یہاں تک کہ ان کے پاؤں میں چار بیڑیاں ڈال دی گئیں۔ پھر چوتھی رات اسحاق، امام احمد کے پاس گیا اور کہنے لگا ''اے احمد، خدا کی قسم وہ معتصم آپ کو تلوار سے قتل نہیں کرے گا۔ اس نے قسم کھائی ہے۔ اگر آپ نے خلقِ قرآن کا اقرار نہ کیا تو مسلسل آپ کو کوڑے لگائے گا اور ایسی جگہ آپ کو پھینک دے گا کہ جہاں آپ سورج کی

روشنی نہ دیکھ سکیں گے"۔ اس کے بعد امام صاحب کو رتی میں جکڑ کر سواری پر بٹھایا گیا۔ حالت یہ تھی کہ زنجیروں کے بوجھ سے منہ کے بَل گر پڑے۔ یہاں تک انہیں لے کر نگہبان معتصم کے گھر پہنچے۔ انہیں ایک حجرے میں بند کر دیا اور باہر تالا لگا دیا گیا(۴۰۷)۔

دوسرے دن انہیں خلیفہ کے روبرو پیش کیا گیا جہاں ایک مجلسِ مناظرہ ہوئی جس میں احمد بن ابی داؤد، عبدالرحمٰن بن اسحاق اور ایک خلقِ کثیر موجود تھی۔ پھر ان کی آنکھوں کے سامنے دو آدمیوں کی گردنیں اڑائی گئیں۔ امام احمد کو دہشت زدہ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی پھر معتصم نے مناظرے کا حکم دیا۔ معتزلی علماء ان سے مناظرہ کرتے رہے اور امام احمدؒ ان کی ہر دلیل رد کرتے رہے۔ معتصم نے کہا: "خدا کی قسم اگر اس (احمد بن حنبلؒ) نے میری حسبِ خواہش جواب دیا تو میں اس سے ہاتھ کھینچ لوں گا"۔ پھر وہ امام صاحب کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا: "اے احمد میں تم پر اتنا ہی مہربان ہوں جتنا اپنے لڑکے ہارون پر شفیق اور مہربان ہوں"۔ پھر امام صاحب سے پوچھا گیا کہ "تم صالح رشیدی کو جانتے ہو"۔ امام صاحب نے جواب دیا: "میں نے اس کا نام سنا ہے"۔ معتصم نے امام صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "وہ میرا اتالیق تھا میں نے اس سے قرآن کے بارے میں سوال کیا۔ اس نے یہ عقیدہ ماننے سے انکار کر دیا چنانچہ وہ میرے حکم سے روند ڈالا گیا"۔

امام صاحب نے اس عقیدے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا: اس عقیدے کا اقرار اس صورت میں کر سکتا ہوں کہ اپنا دعویٰ کتاب اللہ یا سنتِ رسول سے ثابت کر"۔ بحث بڑھتی چلی گئی۔ معتصم کے چہرے پر تکدر کے آثار پیدا ہوئے۔ اس نے امام صاحب کو پھر قید خانے میں بھیج دیا۔ پھر ہر روز مناظرہ کرتا رہا لیکن امام صاحبؒ اپنے قول پر قائم رہے۔ آخر معتزلہ علماء نے کہا اے امیر المؤمنین! اس شخص کو قتل کر دیں اس کا خون ہم اپنی گردن پر لیتے ہیں۔

معتصم نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور امام صاحب کے چہرے پر کئی ضربیں لگانا شروع کر دیں۔ یہاں تک کہ وہ بیہوش ہو گئے۔ یہ رنگ دیکھ کر سب کے رنگ فق ہو گئے۔ ان میں امام کے چچا بھی تھے۔ معتصم ڈرا کہ کہیں لوگ اس پر حملہ نہ کر دیں۔ اس نے پانی منگوایا اور امام صاحب کے چہرے پر چھڑکا۔ امام صاحب غشی سے ہوش میں آئے تو سر اٹھا کر اپنے چچا کی طرف دیکھا اور کہا "عمِ محترم یہ پانی جو میرے

چہرے پر چھڑکا ہے شاید یہ بھی غصب کردہ ہو"۔

معتصم نے کہا" کم بختو! تم نے دیکھا یہ شخص مجھ پر حملہ کر رہا ہے۔ قسم قرابت رسولؐ کی، جب تک یہ خلق قرآن کا اقرار نہیں کرے گا۔ اسے برابر کوڑوں سے پٹوا تا رہوں گا"۔

معتصم نے خوب کوڑے لگوائے۔ یہاں تک کہ ۲۸ کوڑے ان کے ناتواں جسم پر لگ چکے تھے۔ پھر معتصم نے حکم دیا کہ انہیں جیل میں واپس بھیج دیا جائے جہاں وہ اٹھارہ مہینے محبوس رہے۔ کوڑے اس شدت اور بے رحمی سے لگائے کہ ان کی پیٹھ پر تا زندگی ان کے نشان قائم رہے (۴۰۸)۔

عہد واثق میں معتزلہ کا اقتدار

معتصم کی وفات کے بعد واثق اس کا جانشین ہوا یہ وہ زمانہ تھا کہ معتزلہ قوت و شوکت کی انتہا کو پہنچ چکے تھے۔ نشہ کامرانی نے انہیں مدہوش کر دیا تھا (۴۰۹)۔ چنانچہ معتزلہ نے اس نئے خلیفہ کو بھی کامیابی کے ساتھ اس ڈگر پر چلایا جس پر مامون اور معتصم کو چلاتے رہے یہ خلیفہ بھی ان کا ہم نوا بن گیا۔ واثق بڑا کٹر معتزلی تھا۔ اس کے عہد میں دور ابتلاء اور زیادہ شدید ہو گیا۔ احمد بن ابی داؤد وہ شخص تھا جس نے اسے غالی معتزلی بنا دیا تھا (۴۱۰)۔ چنانچہ اس نے تمام شہروں کے رفقاء کے نام فرمان بھیجا کہ قرآن کے معاملے میں وہ لوگوں کی جانچ کریں اور صرف انہی لوگوں کی گواہی قبول کریں جو اہل توحید معتزلی ہوں چنانچہ اس سلسلہ میں بہت سے لوگ حوالہ زنداں کر دیئے گئے (۴۱۱)۔

واثق تعصب اور غلو اعتزال میں اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ اس نے حکم دیا کہ مسلمان جنگی قیدیوں کا فدیہ اس وقت تک نہ ادا کیا جائے جب تک مسئلہ خلق قرآن کا انکار کرنے والوں سے پوچھ گچھ کی نہ جائے۔ جو اقرار کرتا اس کا فدیہ ادا کر کے اس کو رہا کرا لیا جاتا تھا جو انکار کرتا اسے رومیوں کی قید میں چھوڑ دیا جاتا تھا۔ فدیہ دینے کی رسم انجام پانے لگی۔ واثق نے ایک دستہ سیاہ طرطوس کے قریب بھیجا۔ دو آدمی نہر کے پل پر کھڑے ہو گئے۔ مہمان قیدیوں میں سے کوئی اس طرف سے گزرتا تو پہلے پوچھ گچھ ہوتی جو خلق قرآن کا اقرار کرتا اور رویت باری تعالیٰ کا انکار کرتا اس کا فدیہ ادا کر دیا جاتا اور اسے ایک دینار بھی دیا جاتا (۴۱۲)۔

معتزلہ کا زوال

واثق کے بعد خلیفہ متوکل کی تخت نشینی ہوئی تو معتزلہ کا دور ضعف و سقوط شروع ہوتا ہے۔ ۲۳۲ھ سے ان کے زوال کا آغاز ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ بالکل ختم ہو گئے۔ جہاں اہل سنت کا غلبہ اور اکثریت تھی وہاں تو ختم ہو گئے لیکن جن شہروں میں شیعوں کی اکثریت تھی وہاں اعتزال برابر قائم رہا(۴۱۳)۔

متوکل اور معتزلہ

واثق کے بعد متوکل نے جو روش اختیار کی وہ حیرت انگیز تو نہیں لیکن تدریجی تغیر تھا۔ متوکل معاملات دین میں بہت شدید تھا اس نے نہ صرف معتزلہ کو مردود قرار دیا بلکہ اہل ذمہ کے ساتھ بھی سختی کے ساتھ پیش آیا(۴۱۴)۔ یہ حقیقت ہے کہ معتزلہ کے خلاف متوکل نے کوئی قدم دفعتہً نہیں اٹھایا۔ بلکہ رفتہ رفتہ اس نے اپنی پالیسی متعین کی اور اس پر عمل درآمد کیا۔

متوکل تخت نشین ہوا تو اس سال اس نے ایک فرمان صادر کیا اور لوگوں کو جدل فی القرآن وغیرہ سے روکا۔ اور اپنے اس فرمان کو آفاق میں سختی کے ساتھ نافذ کر دیا۔ چنانچہ اس فرمان کے بعد لوگ جدل و مناظرہ سے باز آ گئے۔

واثق کے زمانے میں جو لوگ عقیدہ خلق قرآن کی مخالفت کے باعث جیل کی چار دیواری میں مقید کر دیے گئے اور ظلم و ستم سہتے۔ ہ متوکل نے انہیں رہائی بخشی(۴۱۵)۔ متوکل نے ایک اور انتہائی قدم اٹھایا جسے ضربت کبریٰ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ۲۳۷ھ میں اس نے علی الاعلان معتزلہ کے خلاف برہمی اور غضب کا اظہار کیا اور ابوالولید کو منصب مظالم عسکر سے معزول کر دیا۔ اس کے بعد قاضی القضاۃ کے منصب سے بھی برطرف کر دیا۔ صرف اس پر اکتفا نہ کیا اسے اور اس کے بھائیوں کو نذر زندان کر دیا۔ اس دوران ابوالولید کا انتقال ہو گیا۔ ابوالولید کے تیس دن بعد اس کا باپ احمد بن ابی داؤد بھی اس دنیا سے چل بسا۔ اس سال متوکل نے احمد بن نصر کی لاش سولی سے اتارنے کا حکم دیا۔ وہ اتار دی گئی اور کٹا ہوا سر اس میں شامل کیا گیا۔ پھر ورثاء کے حوالے کر دی گئی۔ یہ واقعہ عیدالفطر کے دن پیش آیا اور اسی روز اسے دفن کر دیا گیا۔ پھر متوکل نے امام احمد بن حنبلؒ کو طلب کیا اور ان کے ساتھ اعزاز و کرام کا برتاؤ

کیا(۴۱۶)۔

معتزلہ کی اس نکبت نے علماء فقہاء اور عوام الناس کے نفوس پر بڑا گہرا اثر کیا۔ جنہوں نے ان کے ہاتھوں بڑے بڑے مصائب برداشت کیے۔ خاص طور پر اصحاب احمد بن حنبلؒ، کون سا ظلم تھا جو ان پر نہیں اٹھتا رہا تھا۔ لوگ یہ سفاکی دیکھ کر معتزلہ سے بیزار اور متنفر ہو گئے۔ ان کے دلوں میں جو معتزلہ کے خلاف غیظ و غضب کا طوفان اٹھ رہا تھا وہ انہیں کچل دینا چاہتے تھے۔ لیکن بے بس و مجبور تھے۔ وہ ڈرتے تھے کیونکہ ان کے ساتھ خلفاء تھے کہ اگر انہوں نے اپنی نفرت کا برملا اظہار کیا تو کچل دیئے جائیں گے اور ان کے ظلم سے محفوظ نہیں رہیں گے(۴۱۷)۔

دولت عباسیہ پر ترکی النسل ممالیک کا نفوذ

زمانہ نے پھر کروٹ بدلی۔ صورت حال اس طرح سے بدل گئی کہ ممالیک اتراک نے دولت عباسیہ پر مکمل طور پر اقتدار و تسلط حاصل کر لیا۔ ان ممالیک کو خلیفہ معتصم اپنا نگہبان بنا کر لایا تھا۔ ان کے لیے ایک پورا شہر سامرا بسا دیا تا کہ عوام اور ان سے چپقلش کی کوئی صورت پیدا نہ ہو۔ انہوں نے متوکل کو قتل کر دیا۔ اس کی جگہ اس کے بیٹے مستنصر کو تخت نشین کر دیا۔ متوکل کے بعد خلیفہ ان کا کھلونا بن گیا۔ یہ لوگ ادب، تہذیب ان چیزوں سے یکسر ناواقف تھے۔ ان کو مذہب و فلسفہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی(۴۱۸)۔

داخلی خلفشار کا نتیجہ

معتزلہ پر آخری ضرب شدید جس نے انہیں ہلا کر رکھ دیا وہ ضرب داخلی خلفشار کا نتیجہ تھی جو معتزلہ کے باہمی اختلاف کی پیدا کردہ تھی۔ معتزلہ نے اپنے سقوط کا سروسامان خود بہم پہنچایا اور خود ہی تباہی و بربادی کے راستے پر آئے۔ یہ ضرب شدید اس وقت انتہا کو پہنچی جب ابوالحسن اشعری نے معتزلہ کے انہدام و سقوط پر اپنی توجہ ابن الراوندی کی طرح مبذول کر دی۔ یہ ابوالحسن بھی معتزلہ میں سے تھے۔ جو اب بغاوت کر کے ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کے قتال و غارت کے لیے کوشاں تھے(۴۱۹)۔

معتزلہ کی ناکامی کے اسباب

معتزلہ کی تحریک کی ناکامی کے کئی اسباب ہیں۔ جن میں چند درج ذیل ہیں:

۱۔ ان کا مسلک عقلی تھا جسے انہوں نے بزور شمشیر منانا چاہا اور انہوں نے اپنے مخالفین جن میں بڑے بڑے محدث شامل تھے انہیں سخت سزائیں دلوائیں۔

۲۔ یہ اختلاف محض تعبیر اور تشریح تک تھا لیکن انہوں نے اسے توحید و شرک اور کفر و اسلام کا اختلاف بنا دیا۔

۳۔ استدلالِ مسائل میں عقلیت یا معروضات عقلی کو قرآن و حدیث کی نصوص کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت دی۔

۴۔ ان کے مسائل پر صرف خواص ہی غور کرنے کے مجاز تھے۔ لیکن انہوں نے انہیں عوامی حلقوں میں پہنچانے کی ناکام کوشش کی۔

۵۔ انہوں نے نہ صرف محدثین کا بُرے طریقے سے مذاق اڑایا بلکہ حدیث کی حجیت کا بھی انکار کیا۔

۶۔ انہوں نے رویت باری تعالیٰ، جنت و دوزخ اور ملائکہ کے بارے میں ایسے خیالات کا اظہار کیا جو کہ نہ صرف صحیح راہ سے ہٹے ہوئے تھے بلکہ اہلِ سنت کے مسلمہ عقائد کے خلاف تھے۔

۷۔ ان کے مدِّ مقابل محدثین کردار و عمل میں ان سے بہت بلند تھے اور ان کا اثر بھی بہت وسیع تھا جبکہ معتزلہ صرف ایوانِ اقتدار میں قدر و منزلت رکھتے تھے لیکن محدثین کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے تھے۔

۸۔ اہلِ سنت والجماعت میں سے دو جماعتیں: اشاعرہ (ابوالحسن اشعری سے متاثر) اور ماتریدیہ اپنے مسلک کے دفاع کے لیے یونانی علوم و فنون سے مسلح ہو کر نکل آئیں اور ان میں غزالی اور رازی جیسے لوگ پیدا ہوئے اور پھر خالص محدثانہ اور دینی ذہن کے لوگ مثلاً امام ابن تیمیہؒ نے ان پر ایسی تند و تیز تنقید کی جس سے ان کا مسلک رفتہ رفتہ

ختم ہو گیا(۴۲۰)۔

معتزلہ کی کتب

۱۔ درۃ التنزیل وغرۃ التاویل، ابو عبداللہ الاسکافی (م ۲۴۰ھ)، مطبع السعادۃ مصر ۱۲۳۶ھ

۲۔ الانتصار والرد علی ابن الراوندی الملحد، ابو حسین عبدالرحیم الخیاط (م ۳۰۰ھ)، قاہرۃ ۱۳۴۳ھ

۳۔ تفسیر الکشاف، محمود جاراللہ زمخشری (م ۵۳۸ھ)، القاہرۃ ۱۳۰۷ھ

۴۔ المنیۃ والأمل، احمد بن یحیٰی بن مرتضٰی (م ۸۴۰ھ)، مطبوع حیدرآباد (۱۳۱۴ھ/۱۹۰۲ء)۔

۵۔ العلم الشامخ فی إیثار الحق علی الآباء والمشائخ، شیخ صالح المقبلی (م ۱۱۰۸ھ)، القاہرۃ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء(۴۲۱)۔

۶۔ البیان والتبیین، الجاحظ۔

معتزلہ کے رد میں کتب اہل سنت

۱۔ امام بخاری، الجامع الصحیح (خصوصاً کتاب التوحید)

۲۔ مسلم، الجامع الصحیح۔

۳۔ امام طحاوی، عقیدہ طحاویہ۔

۴۔ امام ابن تیمیہ کی کتب۔

۵۔ امام ابن قیم کی کتب۔

۶۔ عبدالقاہر بغدادی (م ۴۲۹ھ)، اصول الدین۔

۷۔ ایضاً، الفرق بین الفرق۔

۸۔ ابوالحسن اشعری (م ۳۳۰ھ) الابانۃ فی اصول الدیانۃ (حیدرآباد، الطبعۃ الاولی)۔

۹۔ ایضاً، مقالات الاسلامیین (حیدرآباد، ۱۹۲۹ء)۔

۱۰۔ ابن حزم (ت ۴۵۶ھ) الفصل فی الملل والاھواء والنحل۔

۱۱۔ ابو حامد الغزالی (م ۵۰۵ھ)، المستصفی من علم الاصول (القاہرۃ، ۱۹۰۴ھ)۔

۱۲۔ ایضاً، المنقذ من الضلال (دمشق ۱۹۳۴ء)۔

۱۳۔ عمر النسفی (م ۵۳۷ھ)، العقائد النسفیہ (قاہرہ ۱۹۰۱ء)۔

۱۴۔ محمد بن عبدالکریم شہرستانی (م ۵۴۸ھ) الملل والنحل۔

۱۵۔ ابن قتیبہ (م ۲۷۶ھ)، المعارف۔

۱۶۔ بخاری، خلق افعال العباد (مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۹۹۰ء)۔

۱۷۔ ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن احمد بن حنبل، کتاب السنہ (دار ابن قیم الدمام، ۱۹۸۶ء)۔

۱۸۔ ابن مندۃ، کتاب الایمان۔

۱۹۔ العمید عبدالرزاق محمد اسود، موسوعۃ الادیان والمذاہب (الدار العربیہ للموسوعات)۔

۲۰۔ محمد ابوزہرہ، المذاہب الاسلامیہ (مکتبہ رحمانیہ، لاہور)۔

۲۱۔ محمد حنیف ندوی، عقلیات ابن تیمیہ (ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور)۔

۲۲۔ ایضاً، افکار غزالی۔ (ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور)۔

معتزلہ اور حدیثِ نبوی

معتزلہ حدیث نبویؐ کے بارے کیا نظریہ رکھتے ہیں اس ضمن میں درج ذیل تین مختلف اقوال منقول ہیں:

۱۔ معتزلہ، جمہور علماء کی طرح حدیث متواتر اور خبرِ واحد دونوں کو حجت قرار دیتے ہیں۔

۲۔ وہ مذکورہ دونوں قسموں کو حجت تصور نہیں کرتے۔

۳۔ معتزلہ حدیث متواتر کو حجت سمجھتے ہیں مگر خبر واحد کو نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ معتزلہ سے اس ضمن میں تین مختلف متضاد اقوال منقول ہیں۔ چنانچہ امام آمدیؒ، ابو الحسن بصری معتزلی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ خبرِ واحد کو عقلاً حجت قرار دیتا ہے (۴۲۲)۔ اسی طرح امام آمدی، مشہور معتزلی جبائی اور متکلمین کی ایک جماعت کے بارے میں نقل کرتے ہیں: وہ عقلاً خبر واحد کو حجت تسلیم نہیں کرتے (۴۲۳)۔ امام جلال الدین سیوطی، ابوعلی جبائی کے بارے میں فرماتے ہیں: وہ عادل راوی کی روایت کو اس وقت تسلیم کرتا ہے جب اس قسم کا دوسرا راوی اس کی تائید کرتا ہو یا ظواہر کتاب وسنت سے اس کی توثیق ہوتی ہو یا صحابہ کے مابین عام طور سے معروف یا

معمول بہ ہو۔ ابوالحسن بصری نے بھی ''المعتمد'' میں جبائی سے یہی قول نقل کیا ہے۔ ابونصر تمیمی نے جبائی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ خبر واحد کو اس وقت تسلیم کرتا ہے جب کم از کم چار راویوں نے روایت کیا ہو(۴۲۴)۔

معتزلہ کے نظریہ حدیث سے متعلق ابن حزم کا زاویہ نگاہ

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں اہلِ اسلام کے تمام فرقے مثلاً اہلِ سنت، خوارج، شیعہ اور قدریہ ایک راوی کی روایت کو جب کہ وہ ثقہ ہو بالاتفاق قبول کرلیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ پہلی صدی ہجری کے اختتام پر معتزلہ کا ظہور وشیوع ہوا اور انہوں نے اجماع کی خلاف ورزی کی۔ مشہور معتزلی عمرو بن عبید، حضرت حسن بصری سے منقول روایات پر اعتماد کرتا اور ان کی روشنی میں فتویٰ دیا کرتا تھا(۴۲۵)۔

امام ابن حزم ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ معتزلہ علی العموم خبرِ واحد کی حجیت کے منکر ہیں وہ فرماتے ہیں ''جمیع معتزلہ وخوارج کا قول ہے کہ خبر واحد یقینی علم کی موجب نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ جس بات میں جھوٹ یا غلط ہونے کا احتمال ہو خدا کے دین میں نہ اس کے مطابق فیصلہ صادر کیا جاسکتا ہے اور نہ اسے خدا اور رسول کی جانب منسوب کیا جاسکتا ہے''(۴۲۶)۔

ابن قیم فرماتے ہیں: معتزلہ گناہ گار مومنین کی شفاعت کے سلسلہ میں وارد شدہ نصوص صریحہ کو ایک ایسی آیت کے پیش نظر رد کردیتے ہیں جو متشابہات میں شمار ہوتی ہے فرمایا: ''فما تنفعهم شفاعة الشافعين'' (سفارش کرنے والوں کی سفارش ان کو فائدہ نہ دے گی'' (۴۲۷)۔

حدیث نبوی اور صحابہ کرام کے متعلق بعض اکابرین معتزلہ کی رائے

امام ابو منصور بغدادی نے اپنی کتاب ''الفرق بين الفرق'' میں معتزلہ کے فرقوں اور صحابہ وحدیث نبویؐ سے متعلق ان کے مؤقف کے بارے میں جو کچھ تحریر کیا ہے۔ ان میں سب سے پہلے فرقہ واصلیہ کے بارے میں ذکر کرتے ہیں۔

واصل بن عطاء

معتزلہ کا فرقہ واصلیہ، واصل بن عطاء کا معتقد تھا۔ واصل نے سلف کی راہ سے ہٹ کر ایک

تیسری راہ ہموار کی۔ واصل کے معاصرین حضرت علیؓ اور انکے رفقاء نیز حضرت طلحہؓ و زبیرؓ و عائشہؓ و دیگر اصحابِ جملؓ کے بارے میں مختلف الرائے تھے۔

''خوارج یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ و عائشہؓ اور ان کے اتباع حضرت علیؓ کے خلاف صف آرا ہونے کی بناپر اسلام کے دائرے سے نکل گئے۔ حضرت علیؓ، اصحابِ جمل اور حضرت معاویہؓ کے خلاف نبرد آزما ہونے میں حق بجانب تھے۔ جب انہوں نے تحکیم کو منظور کر لیا تو کافر ٹھہرے۔ اس ضمن میں اہل السنّت کا عقیدہ یہ ہے کہ جنگ جمل میں لڑنے والے دونوں فریق مسلمان ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور اصحاب جمل جادہ حق پر گامزن تھے۔ غلط فہمی کی بناپر یہ جنگ ہوئی۔ بلکہ سازش کے تحت کرائی گئی۔ دونوں فریق قصوروار نہ تھے۔ اہلِ سنت جنگ جمل میں لڑنے والے فریقین کی شہادت کو قبول کرتے ہیں اور اس کے مطابق فیصلہ صادر کرنے کے قائل ہیں۔

واصل خوارج اور اہلِ سنت دونوں کے خلاف رائے رکھتا تھا۔ اس کا کہنا یہ تھا کہ فریقین میں سے ایک ضرور فاسق ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ کون؟ وہ کہا کرتا تھا کہ حضرت علیؓ اور ان کے اتباع مثلاً حضرات حسنؓ و حسینؓ اور ابن عباسؓ، عمار بن یاسر اور ابوایوب انصاریؓ فاسق ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ فریق ثانی میں سے حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ وحضرت عائشہؓ و دیگر اصحاب جمل فاسق ہوں (العیاذ باللہ)۔

واصل اپنے نظریہ کے اثبات میں کہا کرتا تھا کہ اگر حضرت علیؓ وطلحہؓ یا علیؓ و زبیرؓ یا اصحاب علیؓ میں سے ایک شخص اور اصحاب جمل میں دوسرا شخص مل کر میرے پاس کسی اور اوباش آوارہ مزاج آدمی کے خلاف شہادت دیں تو میں ان کی شہادت قبول کروں گا۔ اس لیے کہ میرے نزدیک دونوں میں ایک بلاتعین فاسق ضرور ہے۔ جس طرح کہ دولعان کرنے والوں کی شہادت میرے یہاں اس لیے مقبول نہیں کہ دونوں میں سے ایک بلاتعین فاسق ہے۔ البتہ کسی ایک فریق کے خلاف دو آدمی شہادت دیں تو ان کی شہادت قبول کروں گا'' (۴۲۸)۔

عمرو بن عبید

امام ابومنصور بغدادی معتزلہ کے فرقہ عمریہ کے بارے میں لکھتے ہیں: عمرو بن عبید نے واصل

بن عطاء کی مذکورہ صدر بدعت میں اور بھی اضافہ کیا۔ چنانچہ اس نے کہا کہ جنگِ جمل میں لڑنے والے دونوں فریق فاسق ہیں۔ اس لیے دونوں میں کسی ایک فریق کی بھی شہادت مقبول نہیں۔

واصل بن عطاء اور عمرو کے بعد معتزلہ کے فرقہ قدریہ کے یہاں اس مسئلہ میں اختلاف رونما ہو گیا تھا۔ چنانچہ معتزلی علماء میں سے نظام اور جاحظ جنگ جمل میں لڑنے والے فریقین کے بارے میں واصل کی رائے سے متفق تھے۔ اس کے علاوہ حوشب و ہاشم یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ جنگِ جمل کے قائدین نجات یافتہ ہیں اور ان کے اتباع برباد ہو گئے" (۴۲۹)۔

ابو الہذیل

امام ابو منصور بغدادی فرماتے ہیں کہ معتزلہ کا فرقہ ھذیلیہ ابو الہذیل کا عقیدت مند تھا۔ امتِ مسلمہ کے تمام فرقے بالاتفاق اس کے کفر کے قائل ہیں حتیٰ کہ معتزلہ بھی اس کو کافر قرار دیتے ہیں۔

امام ابو منصور بغدادی نے ابو الہذیل کے رسوائے عالم افکار و آراء کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے "انبیاء کے معجزات اور دیگر غیر محسوس امور کے بارے میں احادیث و اخبار سے حجت اس وقت قائم ہوتی ہے جب راویوں کی تعداد بیس سے کم نہ ہو اور ان میں کم از کم ایک شخص جنتی ہو۔ کافر و فاسق لوگ تعداد میں کتنے بھی ہوں ان کی مرویات سے حجت قائم نہیں ہوتی خواہ وہ متواتر کی حد تک پہنچ جائیں۔ جن کا جھوٹ پر جمع ہونا ممکن نہیں۔ جب تک ان میں کم از کم ایک راوی جنتی نہ ہو"۔

ابو الہذیل کا قول ہے کہ چار سے کم اشخاص کی روایت کی بنیاد پر فیصلہ صادر نہیں کیا جا سکتا۔ جب راوی چار سے زائد ہوں اور ان کی تعداد بیس تک پہنچ جائے تو بعض اوقات ان کی روایت سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے اور گاہے حاصل نہیں ہوتا۔ جب بیس رواۃ و رجال میں سے ایک بھی شخص جنتی ہو تو ان کی روایت سے لامحالہ یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔ بیس راویوں کی روایت کے حجت ہونے پر اس نے آیت کریمہ "ان یکن منکم عشرون صابرون "اگر تم میں بیس آدمی صابر ہوں" سے استدلال کیا ہے اس کا کہنا کہ بیس مجاہدین کو جہاد کی اجازت اسی لیے دی گئی ہے کہ ان کا قول حجت ہے۔

امام بغدادی فرماتے ہیں: "ابو الہذیل نے احادیث کی قبولیت کے بارے میں جو شرط لگائی ہے کہ بیس راوی ہوں اور ان میں ایک راوی جنتی ہو اس سے اس کا بڑا مقصد شرعی احکام کے ضمن میں

واردشدہ روایات کا ٹھکرانا ہے۔ جنتی ہونے سے اس کی مراد یہ ہے کہ وہ راوی معتزلہ اور قدریہ میں سے ہو کیونکہ جو شخص اس کا ہم خیال نہ ہو وہ اس کے زعم میں نہ مومن ہو سکتا ہے نہ جنتی (۴۳۰)۔

نظام معتزلی

امام ابو منصور بغدادی، ابو اسحاق بن سیار المعروف نظام کے اتباع فرقہ نظامیہ کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ زنادقہ وفلاسفہ کے ساتھ اختلاط و امتزاج کی وجہ سے نظام کے عقائد بگڑ گئے تھے۔

نظام کے عقائدِ فاسدہ کی جھلک

۱۔ نظام سرورِ کائنات ﷺ کے معجزات کا منکر ہے چنانچہ وہ حضور ﷺ کے اس معجزہ کو تسلیم نہیں کرتا کہ چاند آپ کے لیے پھٹ گیا تھا۔ پانی آپ کی انگلیوں میں سے پھوٹنے لگا تھا۔ معجزات سے انکار کا اصل مقصد آپ کی رسالت کو تسلیم نہ کرنا ہے۔

۲۔ نظام ان احادیث واخبار کو حجت قرار نہیں دیتا جن سے یقینی علم حاصل نہیں ہوتا۔

۳۔ نظام جلیل القدر صحابہؓ اور محدثین وفقہاء کے فتاوٰی کو تسلیم نہیں کرتا اور ان پر اعتراض کرتا ہے نظام کا غلط عقیدہ یہ بھی ہے کہ خبر متواتر کے رواۃ وناقلین اگرچہ عدد اور حصہ سے باہر ہوتے ہیں اور ان کے دواعی ومحرکات بھی یکساں نوعیت کے نہیں ہوتے تاہم ہو سکتا ہے کہ وہ جھوٹی ہو۔ دوسری جانب اس کا کہنا ہے کہ بعض اخبار آحاد سے بھی یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔ اس غلط عقیدے کی اساس پر ہمارے اصحاب اور نظام کے ہم خیال معتزلہ نے بھی متفقہ اس کی تکفیر کی ہے۔

بقول امام بغدادی اس عقیدہ فاسدہ کا نتیجہ یہ ہے کہ اجماعی مسائل اور احکام سے بالکل اعتماد اٹھ جائے اس لیے کہ نظام کے نزدیک ان کا غلط اور بعید از صواب ہونا ممکن ہے۔ بعض شرعی احکام و مسائل احادیث متواترہ سے ماخوذ ہیں، بعض اخبار آحاد سے اور بعض قیاس واجتہاد سے جبکہ نظام خبر متواتر، اجماع اور قیاس میں سے کسی کو بھی حجت نہیں سمجھتا۔ اس کے ساتھ ساتھ اخبار آحاد میں جب مفید علم یقینی نہ ہوں تو ان کو بھی تسلیم نہیں کرتا۔ ظاہر ہے کہ شریعت کے فروعی احکام انہی طرق وذرائع سے ثابت ہوتے ہیں نظام ان ذرائع کا ابطال کر کے گویا شریعت کے فروعی احکام کو جھٹلاتا اور انکا

انکار کرتا ہے۔

مذکورہ صدر عقائد فاسدہ کے علاوہ نظام صحابہ کے مبنی بر اجتہاد فتاویٰ کی وجہ سے صحابہ وتابعین کی روایات پر معترض ہوتا ہے، چنانچہ جاحظ اپنی تصنیفات میں بیان کرتا ہے کہ نظام خود محدثین پر نقد و جرح کرتا ہے کہ وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایات نقل کرتے ہیں حالانکہ بہت جھوٹا نظام خود حضرت فاروقؓ پر طعن کیا کرتا تھا کہ وہ صلح حدیبیہ کے دن اپنے دین کے بارے میں شک کرنے لگے تھے۔ اسی طرح حضورﷺ کی وفات کے دن بھی وہ مبتلائے شک ہو گئے تھے۔ نظام کہتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہؓ کو زدوکوب بھی کیا تھا۔ بقول نظام حضرت عمرؓ نے نصر بن حجاج کو مدینہ سے بصرہ کی طرف نکال دیا تھا۔ نماز تراویح کی بدعت بھی حضرت عمرؓ نے ایجاد کی۔ آپؓ نے حج تمتع سے روکا اور یہ حکم صادر کیا کہ کوئی عجمی، عربی عورت سے نکاح نہیں کر سکتا۔ نظام نے حضرت عثمانؓ کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا ہے کہ انہوں نے حکم بن العاص کو مدینہ میں ٹھہرایا اور ولید بن عقبہ کو کوفہ کا گورنر بنایا۔ اس کے خیال کے مطابق ولید کا یہ عالم تھا کہ شراب کے نشہ میں سرشار لوگوں کو نماز پڑھاتا تھا۔ سعید بن العاص کی شادی کے موقع پر اس کو چالیس ہزار درہم کا عطیہ دیا۔ بلاوجہ ایک چراگاہ اپنے لیے مخصوص کر لی۔ حضرت علیؓ کے خلاف یہ بہتان تراشا کہ ایک دفعہ آپؓ سے دریافت کیا گیا کہ اگر کوئی گدھے یا گائے کو ہلاک کر دے تو آپؓ نے کہا تو اس کے بارے میں اس ضمن میں اپنی رائے سے فتویٰ دوں گا۔ نظام کہتا ہے کہ ''حضرت علیؓ اپنی رائے سے فتویٰ دینے والے کون ہوتے ہیں''؟ یہ تمام محض الزامات ہیں۔

معتزلہ کا ایک گروہ ظہور فتنہ کے زمانہ سے لے کر صحابہ کی عدالت میں شک وشبہ کا اظہار کرتا ہے۔ جیسے واصل معتزلہ میں سے عمرو بن عبید اور اس کے ہم خیال لوگ صحابہؓ اور تابعین کا فر قرار دیتے ہیں۔

نظام اور اس کے رفقاء جلیل القدر صحابہؓ پر دروغ گوئی اور جہل ونفاق کا بہتان لگاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ معتزلہ صحابہ کرامؓ سے مروی ومنقول روایات کو تسلیم نہیں کرتے۔ واصل بن عطاء، عمرو بن عبید اور ان کے ہم فکر معتزلہ یہی رائے رکھتے ہیں۔ ابو ہذیل کے نزدیک خبر واحد سے کوئی شرعی حکم اس صورت میں ثابت ہوتا ہے جب اس کی نقل وروایت کرنے والے کم از کم بیس اشخاص ہوں اور ان میں سے ایک

معتزلی ہو۔ نظام اجماع وقیاس کو حجت تصور نہیں کرتا اور خبر متواتر کی قطعیت کا منکر ہے۔

سابقہ بیانات سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ جمہور اہلِ اسلام کے خلاف معتزلہ نے حدیث نبویؐ کے متعلق جو عجیب وغریب مؤقف اختیار کیا تھا اس نے علمائے حدیث اور رؤسا معتزلہ کے درمیان ایک خلیج حائل کر دی۔ محدثین کا یہ کہنا تھا کہ معتزلہ فاسق وفاجر اور بدعتی ہیں۔ وہ دین کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہیں جن کی سرے سے کوئی دلیل ہی نہیں۔

بقول امام ابن قتیبہ نظام معتزلی آوارہ مزاج تھا اور ہر وقت نشہ میں چُور رہتا تھا۔ مشہور معتزلی ثمامہ بن اشرس نے مامون کے عہد خلافت میں فتنہ خلق قرآن کی قیادت کی تھی۔ ثمامہ نے دیکھا کہ جمعہ کے دن لوگ بھاگ کر جامع مسجد کی جانب جا رہے تھے کہ کہیں نماز جمعہ نہ جاتی رہے۔ ثمامہ یہ دیکھ کر اپنے ایک ساتھی سے کہنے لگا "یہ دیکھو لوگ کس طرح گدھوں اور بیلوں کی طرح بھاگے جا رہے ہیں" پھر بولا اس عربی (حضورﷺ) نے لوگوں کی کیا گت بنا دی ہے (نعوذ باللہ) (۴۳۱)۔

بہر کیف یہ تھے وہ حالات جن کے پیشِ نظر محدثین ومعتزلہ کے مابین نزاع وجدال کی خلیج وسیع تر ہوتی گئی یہاں تک کہ ۲۱۸ھ میں خلیفہ مامون نے فتنہ خلقِ قرآن کا بیڑا اٹھایا۔ جس کے زیرِ اثر لوگوں کو اس عقیدہ کو قبول کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ محدثین کرام نے اس عظیم فتنہ کے دوران طرح طرح کی مشکلات برداشت کیں۔ امام احمد بن حنبل نے اس ضمن میں تیرہ سال قید وبند اور مار پیٹ کے مصائب برداشت کیے۔ یہاں تک کہ متوکل باللہ مسند خلافت پر تخت نشین ہوا۔ یہ اہلِ سنت کا ہم خیال تھا اس نے لوگوں کو اس عظیم فتنہ سے نجات دلائی اور محدثین کی عزت افزائی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معتزلہ ہمیشہ کے لیے دب گئے اور پھر کبھی سر نہ اٹھا سکے۔ حدیث کے سلسلہ میں اس سے تین بڑے اہم نتائج برآمد ہوئے۔

پہلا نتیجہ

رؤسائے معتزلہ نے صحابہؓ کی قدر ومنزلت میں جو رخنہ پیدا کر دیا تھا اس سے گستاخ مستشرقین کو یہ موقع ملا کہ حمایت ونصرت دین کا فریضہ ادا کرنے والے صحابہ کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کریں۔ حیرت یہ ہے کہ بعض مصنفین مثلاً احمد امین مصری (مصنف فجر الاسلام، ضحیٰ الاسلام، اور

ظہر الاسلام) وغیرہ بھی مستشرقین کی ہموار کردہ راہ پر گامزن ہوئے۔

دوسرا نتیجہ

جب محدثین و معتزلہ کے مابین نزاع و جدال کا آغاز ہوا تو محدثین نے قائلین خلق قرآن کو تنقید کا نشانہ بنایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض محدثین نے قول بالرائے کی اساس پر اکثر آئمہ کو مجروح قرار دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس معرکہ کے نتیجہ میں کئی مسلم آئمہ بھی اس میں ملوث ہو گئے۔

تیسرا نتیجہ

سب سے اہم بات حجیت حدیث کا انکار ہے۔ ابتدائی طور پر انہی لوگوں نے فتنہ انکار حدیث کی بنا رکھی۔ جدید منکرین حدیث کے لیے انہی کے اگلے ہوئے نوالے فکری غذا ثابت ہو رہی ہے۔ نیز خبر واحد کو شک کی بنا پر رد کر کے احکامات دین کے بہت بڑے حصے سے عملی فرار کی راہ اختیار کی۔ نیز خبر واحد کا انکار کرنے والے لاشعوری طور پر انہی کے راستے پر گامزن ہیں۔

حدیث نبوی ﷺ اور مستشرقین

استشراق کے معنی مشرقی علوم میں مہارت حاصل کرنا اور مستشرق کے معنی مشرقی علوم کا ماہر اور مشرقی آداب سے آگاہ ہونا ہیں(۴۳۲)۔ مستشرق در حقیقت ایسے غیر مشرقی سکالر کو کہتے ہیں جو مشرقی علوم، معاشرت اور ادب وغیرہ میں دلچسپی رکھتا ہو۔ معن زلفو مدینہ نے مغرب کے ان سکالروں کو مستشرق کہا ہے جو اسلام، اسلامی تہذیب، اسلامی معاشرت اور اسلامی زبانوں میں دلچسپی رکھتے ہوں(۴۳۳)۔ ڈاکٹر عمر فروخ کے مطابق مستشرق علوم اسلامیہ کا وہ مغربی (یورپین یا امریکی) سکالر ہوتا ہے جو غیر مسلم ہو(۴۳۴)۔

تحریک استشراق کا آغاز وارتقاء

تحریک استشراق کا آغاز اسلام کے ابتداء دور ہی میں ہو گیا تھا لیکن یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے اعتقادات میں رخنہ اندازی میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اسلام کے خلاف سب سے پہلے تحریک چلانے والا ساتویں صدی عیسوی کا جان آف دمشق تھا۔ بارہویں صدی عیسوی کے اختتام تک صرف دو مستشرقین ایسے ملتے ہیں جنہوں نے محمد ﷺ کی زندگی اور اسلامی تہذیب کا مطالعہ معروضی انداز میں کرنے کی کوشش کی۔ ان میں ایک پیٹر الفانسی (Peter Alfansi) جو ہسپانوی یہودی ہے اور دوسرا ولیم آف مالمسبری (William of Malmosbury) ہے(۴۳۵)۔

تحریک استشراق کا باقاعدہ اور منظم آغاز صلیبی جنگوں (۱۱ تا ۱۳ صدی عیسوی) کے بعد ایک دینی تحریک کے طور پر ہوا۔ اس تحریک کو سلطنت روما اور پاپائیت کی سرپرستی حاصل تھی۔ سترھویں صدی میں لندن، پیرس، کیمبرج، آکسفورڈ، گلاسگو، ایڈنبرا اور سینٹ اینڈ ریوز کی جامعات میں علوم شرقیہ کی تدریس کے لیے شعبہ جات نے کام شروع کر دیا(۴۳۶)۔ اسی صدی میں بڈویل (Bedwell) (م ۱۶۳۲ء) نے اپنی مشہور زمانہ کتاب (Muhammad the Imposture) [محمد الکاذب (نعوذ باللہ)] لکھی۔ نجیب العقیقی نے متعدد کتب کے عربی سے لاطینی زبان میں تراجم کیے جانے

کا ذکر کیا ہے(۴۳۷)۔

استشراق کے تیسرے اور موجودہ دور کا آغاز اٹھارھویں صدی سے ہوا اور یہ اب تک جاری ہے۔ فرانس کے سلوسٹر وی ساسی (۱۷۵۸ء-۱۸۳۸ء) اور برطانیہ کے ایڈورڈ ولیم لین (۱۸۰۱ء-۱۸۷۶ء) کو دور جدید کے استشراق کا بانی قرار دیا جا سکتا ہے(۴۳۸)۔ مستشرقین کی پہلی کانفرنس ۱۸۷۳ء میں پیرس میں ہوئی اور کانفرنسوں کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ ۱۹۷۳ء تک ان میں ہر ایک کو شرکت کی اجازت تھی(۴۳۹) اب صرف اہل مغرب ہی کو شرکت کی اجازت ہے۔

بیسویں صدی کے اواخر میں صورت حال یہ ہے کہ اب مستشرقین، مستشرق کہلوانا پسند نہیں کرتے دوسری عالمگیر جنگ کے بعد وہ "ایڈوائزر" یا ایریا سٹڈی سپیشلسٹ/ایکسپرٹ کہلوانا پسند کرتے ہیں(۴۴۰)۔

مشہور مستشرقین

مستشرقین کی ایک بڑی تعداد نے اسلام اور نبی اکرم ﷺ کی ذات پر خامہ فرسائی کی ہے۔ اس پر ڈاکٹر عبدالرحمٰن بدوی نے "موسوعہ المستشرقین" تحریر کیا ہے۔ جس میں ڈیڑھ سو سے زیادہ مستشرقین کے بارے میں اہم معلومات موجود ہیں۔ چند معروف مستشرقین کے نام درج ذیل ہیں:

آربری (Arbury)، بروکلمان، گب (H.A.R.Gibb)، سپرنگر (Springer)، گولڈزیہر (Goldziher)، ڈوزی (Dozi)، ولیم میور، شاخت (J. Schacht)، مارگولیتھ (Margoliouth)، فانملر (Pfannmueller)، ہوروٹس (J.Horowitz)، حورست (H.Horst)، وان کریمر (A.Von. Kremer)، کیتانی (L.Caetani)، نکلسن (A.R.Nicholoson)، آرتھر جیفری (Arthor Jeffery)، منٹگمری واٹ (Montgumary Watt)، ول ڈیوران (Will Durant)، گلیوم (A.Gullaume)، رابسن (Robson)، ژوان بال (G.H.A Juyaboll)(۴۴۱)۔

قرآن حکیم کے بارے میں تقریباً سبھی مستشرقین نے قلم اٹھایا ہے۔ قرآن کے بعد مستشرقین

کا دوسرا بڑا ہدف ہمیشہ سے آپ ﷺ کی ذات رہی ہے۔

مستشرقین کے مقاصد

۱۔ اسلام کے بارے میں بدگمانی پیدا کرنا۔

۲۔ مسلم علماء سے بدظن کرنا۔

۳۔ ابتدائی مسلم معاشرے کی غلط تصویر کشی کر کے مسلمانوں کی تاریخ کو مسخ کرنا۔

۴۔ اسلامی تہذیب کی تحقیر و تذلیل کرنا۔

۵۔ کتاب و سنت میں تحریف کرنا، عبادتوں کو غلط مفہوم میں پیش کرنا اور حسب خواہش قبول کرنا یا رد کرنا (۴۴۲)۔

مستشرقین کی تحقیقی کاوشوں کا سب سے بڑا مقصد اسلام کو نقصان پہنچانا اور اسے کمزور کرنا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے جھوٹ، فریب، دھوکا اور بہتان تراشی کے کسی حیلے کو بھی کراہت کی نظر سے نہ دیکھا۔ انہیں معلوم تھا کہ اسلام کی قوت کا پہلا منبع قرآن حکیم ہے۔ انہوں نے اس منبع پر تابڑ توڑ حملے کیے۔ لیکن سینکڑوں سالوں کی تخریبی کاوشوں کے باوجود مستشرقین اسلام کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔

قرآن مجید کے خلاف مستشرقین کی سازشیں اب بھی جاری ہیں مگر ان میں مسلسل شکستوں نے انہیں اسلام کے خلاف نئے محاذ کھولنے پر مجبور کر دیا ہے کیونکہ قرآن کی مخالفت کرتے ہوئے انہیں مشکلات کا سامنا تھا کہ آنحضورﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو قرآن حکیم کی مکمل تشریح اپنے قول و فعل سے کر کے بتائی تھی اور چونکہ مسلمانوں میں لکھنے کا رواج تھا اس لیے بعض صحابہ کے پاس تو وہ تحریری طور پر بھی موجود تھا۔

مستشرقین نے جب قرآن مجید کو اپنے من پسند معانی پہنانے کی کوشش کی تو امت مسلمہ کے علماء نے احادیث طیبہ کی مدد سے ان کو جواب دیئے اور قرآن مجید کی معنوی تحریف کی تمام کوششیں احادیث طیبہ کی مضبوط چٹان کے ساتھ ٹکرا کر پاش پاش ہو گئیں۔

اس ناکامی کے بعد مستشرقین نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا ایک اور راستہ نکالا اب

انہوں نے قرآن کے ساتھ ساتھ آنحضورﷺ کی احادیث مبارکہ کے خلاف محاذ شروع کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ احادیث مبارکہ کو نقصان پہنچائے بغیر اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ وہ حضورﷺ کے اس ارشاد سے بھی آگاہ تھے "ترکت فیکم امرین لن تضلوّا ما تمسکتم بهما کتاب الله وسنة نبیه" (۴۴۳) (میں تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ جب تک تم ان کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک کتاب اللہ اور دوسری اس کے نبی کی سنت)۔ اسی وجہ سے مستشرقین نے مسلمانوں کے دونوں بنیادی مصادر کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ مستشرقین نے انیسویں صدی میں حدیث کے بارے میں بڑی بڑی بنیادیں بحثیں کیں۔ مشہور جرمن مستشرق سپرنگر نے ۱۸۵۱ء میں حضورﷺ کی سیرت پر تین جلدوں میں کتاب لکھی۔ اس میں حدیث کی روایت اور اس کی حیثیت پر بحث کی۔ ولیم میور نے ۱۸۶۱ء میں حضور اکرمﷺ کی سیرت پر کتاب لکھی اور اس میں حدیث کے متعلق سپرنگر کے اٹھائے جانے والے نکات کو آگے بڑھایا۔ حدیث کے بارے میں سب سے تفصیلی بحث مشہور جرمن مستشرق گولڈ زیہر (Gold Ziher) نے کی۔ اس کی تحقیق کو پروفیسر شاخت (J.Schacht) نے آگے بڑھایا۔ ان مستشرقین نے حدیث نبویﷺ کی حیثیت کو مشکوک بنانے کی کوشش کی اور اسے بطور دینی ماخذ کے ناقابل اعتبار قرار دیا۔

حدیث نبوی کے بارے میں مستشرقین کے خصوصی اہداف

ڈاکٹر لقمان سلفی نے اپنی کتاب "السنہ" میں مستشرقین کے حدیث کے بارے میں سات خصوصی اہداف کا ذکر کیا ہے جو درج ذیل ہیں:

۱۔ حدیث نبویﷺ کو ناقابل اعتبار ٹھہرانا مستشرقین کا خصوصی ہدف رہا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ حدیث نبویﷺ قرآن حکیم کی تفسیر اور وضاحت ہے۔ جب قرآن حکیم کو وضاحت نبوی سے الگ کر دیا جائے تو مسلمان اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں گے اور اس طرح وہ مسلمانوں کو ان کے اصل دین سے دور کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔

۲۔ نبیﷺ کی رسالت میں اس طرح تشکیک پیدا کرنا کہ آپﷺ صرف قرآن کے مبلغ ہیں اور ان کا کام قرآن کے مکمل نزول کے ساتھ ختم ہو گیا ہے۔

۳۔ سادہ لوح مسلمانوں کو اس بات پر مطمئن کرنے کی کوشش کرنا کہ شریعت اسلامی یہودیت سے اخذ کردہ ہے جیسا کہ گولڈزیہر اور شاخت کا دعوی ہے۔

۴۔ فقہ اسلامی کی قدر و قیمت میں تشکیک پیدا کرنا۔

۵۔ اسلامی تہذیب و تمدن کے بارے میں مسلمانوں کے اندر شکوک پیدا کرنا۔

۶۔ مسلمانوں میں اپنے علمی ورثے کے بارے میں یقین کو متزلزل کرنا اور ان کے صحیح عقائد میں شک پیدا کرنا۔

۷۔ حدیث نبوی ﷺ سے مسلمانوں کا رابطہ ختم کر کے اسلامی اخوت کا دائرہ اپنے اپنے ملکوں تک محدود کرنا (۴۴۴)۔

مستشرقین کی تحقیق کے اہم نکات

ڈاکٹر خالد علوی نے اپنی کتاب "حفاظت حدیث" میں مستشرقین کی تحقیق کے درج ذیل اہم نکات بیان کیے ہیں:

۱۔ حدیث لٹریچر زیادہ تر زبانی روایت پر مبنی ہے جو ایک صدی سے زیادہ عرصہ اسی زبانی روایت سے منتقل ہوتا رہا۔

۲۔ اسلامی قانون کے ابتدائی مجموعوں میں حدیثوں کی تعداد کم ہے جبکہ بعد کے ادوار میں احادیث کی تعداد بڑھ گئی اور متاخر مجموعوں میں اتنی بڑی تعداد جمع کی گئی جو ابتدائی دور میں ناقابل تصور تھی۔

۳۔ کم عمر صحابہ کی مرویات بڑی عمر کے صحابہ کی مرویات سے کہیں زیادہ ہے۔ اس لیے ان کے ساتھ جو سند ملحق کی گئی ہے وہ قابل اعتماد نہیں۔

۴۔ اسناد کا طریق پہلی صدی ہجری کے آخر میں استعمال کیا گیا لہذا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جس حدیث کو ان اسناد سے بیان کیا گیا ہے وہ صحیح معنوں میں حدیث ہے۔

۵۔ بہت سی احادیث ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔

۶۔ ایسے یقینی ثبوت موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر اسناد اور متن حدیث موضوع ہیں

۷۔ مسلم نقادوں نے اپنے تنقیدی اصولوں کو سند تک محدود رکھا ہے اور متن حدیث پر کبھی تنقیدی نظر نہیں ڈالی (۴۴۵)۔

مستشرقین کا طریقہ کار

۱۔ حقائق کو بدلنا۔ ۲۔ علمی مواد کی نصوص کو بدلنا۔

۳۔ علمی مواد کو اپنے فہم کے مطابق ڈھلنا (اگر چہ عربی ذوق سے ناواقف ہوں)۔

۴۔ تہذیب اسلامی کو ایک خوانخوار معاشرے اور تہذیب کی صورت میں پیش کرنا۔

۵۔ ایسے مصادر سے نقل کرنا جو اسلامی فکر کی نمائندگی نہیں کرتے اور ان کے لکھنے والوں کو اہل اسلام اپنے لئے قابل حجت نہیں سمجھتے (۴۴۶)۔

مندرجہ بالا منہج کے ساتھ مستشرقین نے اسلام اور سنت نبوی کے بارے میں کلام کیا ہے۔

مستشرقین کے حدیث نبوی ﷺ پر اعتراضات اور ان کے جوابات

مستشرقین نے حدیث اور محدثین پر درج ذیل الزامات عائد کئے ہیں:

۱۔ احادیث قدیم اسلامی معاشرے میں سیاسی اور معاشرتی ارتقاء کا نتیجہ ہیں۔

۲۔ احادیث محض متاخرین ہی نے وضع نہیں کیں بلکہ صحابہ اور تابعین نے بھی وضع کی ہیں۔

۳۔ اسلام میں مختلف فرقوں کے افراد نے اپنے فرقوں کی تائید میں احادیث وضع کر کے ان کو نبی ﷺ اور صحابہؓ کی طرف منسوب کر دیا۔

۴۔ محدثین کے ہاں تنقید کا دائرہ سمٹ کر سند تک محدود ہو گیا ہے۔ اس لئے بہت سی غیر صحیح احادیث نقد اسلامی کے لحاظ سے صحیح ہیں۔

۵۔ علمائے اسلام نے ایسی احادیث وضع کیں جن سے حکام کی مخالفت ہوتی تھی۔

۶۔ مسلمان حکمرانوں نے اپنے سیاسی افکار کی تائید اور متقی افراد کو خاموش کرنے کیلئے احادیث وضع کیں۔

۷۔ حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو ایسی احادیث ضائع کرنے کا حکم دیا جو حضرت علیؓ کی تائید کرتی تھیں اور ان احادیث کو پھیلانے کا حکم دیا جو ان کی حکومت کی تائید

میں تھیں۔

۸۔ عبدالملک بن مروان نے قبہ صخرہ کے گرد طواف کرنے کا حکم دیا۔

۹۔ امام زہریؒ نے یہ حدیث وضع کی ”لا تشدّ الرحال الا الی ثلثة مساجد “(تین مساجد کے علاوہ کسی طرف سفر کا قصد نہ کریں)۔

۱۰۔ امام زہریؒ اموی حکمرانوں کی خواہش کے مطابق احادیث وضع کرتے تھے(۴۴۷)۔

ان اعتراضات کا جواب درج ذیل ہے

اعتراض نمبر۱: احادیث قدیم اسلامی معاشرے میں سیاسی اور معاشرتی ارتقا کا نتیجہ ہیں:

قرآن حکیم اور احادیث نبویہ ﷺ صحیحہ سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ حدیث نبوی ﷺ شریعت اسلامی کا دوسرا ماخذ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دین کے کامل ہونے پر اپنی نعمت کی تکمیل اور اسلام کے دین ہونے کو پسند کرنے کے متعلق خبر دی ہے ”الیوم اکملت لکم دینکم “(آج کے دن میں نے آپ کے لئے آپ کے دین کو مکمل کر دیا ہے)(۴۴۸)۔

یہ بات نا قابلِ فہم ہے کہ حدیث نبوی رسول ﷺ کی زندگی میں نامکمل تھی اور اس کو بعد میں مکمل کیا گیا۔ مسلمانوں کے ہاں یہ بات محقق ہے کہ پیغمبر ﷺ اپنے صحابہ کو ہمیشہ احادیث کو یاد رکھنے کی ترغیب دیتے تھے۔ ان میں سے ایک یہ حدیث ہے ”نضّر الله امرءًا سمع منّا شيئًا فبلّغه كما سمع “(اللہ اس شخص کو سرسبز و شاداب رکھے جس نے ہم سے کچھ سنا اور پھر اُس کو اسی طرح آگے پہنچا دیا جس طرح سنا تھا)(۴۴۹)۔

یہ بات بھی قطعی طور پر ثا... ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں تکمیل حدیث ہوئی۔ صحابہ کرامؓ مشرق و مغرب کے مختلف علاقوں میں گئے، اور وہاں جا کر انہوں نے اسلام کی دعوت دی۔ اور وہاں انہوں نے فرائض، سنن اور اخلاق و آداب بھی سکھلائے۔ اور جو چیزیں انہوں نے مختلف علاقوں میں سکھائیں ان میں اور مغرب میں صحابہ سے سیکھنے والے لوگوں کا مشرق میں سیکھنے والوں سے کوئی فرق نہیں تھا۔ اگر احادیث سیاسی اور معاشرتی ارتقا کا نتیجہ ہوتیں تو ایک جگہ کے مسلمانوں کا طریقہ کار دوسری جگہ کے مسلمانوں سے مختلف ہوتا۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ قرآن مجید کے اندر قواعد ہیں اور احادیث میں بھی قواعد ہیں جن کو سامنے رکھ کر مسلمان بعد میں آنے والے زمانوں میں قیامت تک کیلئے استنباط کرتے رہیں گے۔ مسلمان قرآن و سنت میں موجود قواعد کو سامنے رکھ کر اپنے دینی، سیاسی اور معاشرتی معاملات کیلئے استنباط کرتے ہیں۔

گولڈ زیہر اور اس کے مکتبہ فکر کے لوگ مسلمانوں میں وہم پیدا کرنے کیلئے ایسی بات کہتے ہیں جس کا انہیں علم نہیں کہ وہ احادیث ہیں جو مسلمانوں نے وضع کی ہیں اور ان کو نبی ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے یہ کذب وافترا ہے اور حقائق کو غلط رنگ میں پیش کرنا ہے۔ اگر اس یہودی مستشرق کا مقصد یہ ہے کہ زندیق، بے دین اور بعض راویوں نے جو کہ اسلام کی طرف منسوب ہیں احادیث وضع کی ہیں تو وہ خود اور اس کے ساتھی یہ بات جانتے ہیں کہ محدثین نے صحیح احادیث کو جھوٹی احادیث سے الگ کر دیا اور دنیا میں ایسی کوئی حدیث نہیں پائی جاتی جس کی محدثین نے ہر طرح سے چھان پھٹک نہ کی ہو اور اس کی حقیقت کو نہ جانا ہو۔ انہوں نے موضوعات اور ضعیف حدیثوں کو الگ خاص کتابوں میں لکھ دیا ہے۔

مسلمانوں کو اس بات سے باخبر ہونا چاہیے کہ اعدائے اسلام مستشرقین کو یہ بات گراں گذرتی ہے کہ یہ بابرکت دولت مسلمانوں کے اندر مقبول رہے۔ اس لئے وہ ہمیشہ باطل، جھوٹی اور موضوع روایات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرتے ہیں جن کا محدثین قطعی طور پر اقرار نہیں کرتے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ حق کو اپنی شیطانی سازشوں میں چھپا دیں لیکن الحمدللہ یہ ان کا زعم باطل ہی رہے گا۔

اعتراض نمبر۲: احادیث محض متاخرین ہی نے وضع نہیں کیں بلکہ صحابہ اور تابعین نے بھی وضع کیں۔

ان کے اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں ہے اور امت مسلمہ میں سے کوئی بھی اس کی تائید نقلی طور پر نہیں کرتا۔ صحابہ کی عدالت پر جمہور اہل سنت کا اتفاق ہے۔ ان کے ہاں تمام اصحاب عادل ہیں خواہ وہ آپس کی جنگوں میں شامل ہوئے یا نہ ہوئے۔

حافظ ابن حزمؒ فرماتے ہیں ہم پہلے مہاجرین کی فضیلت کے قائل ہیں پھر اس کے بعد اہل

عقبہ، اہل بدر، پھر باقی جنگوں میں شامل ہونے والے تمام ایمان وہدایت پر تھے اور اہل جنت میں سے تھے(۴۵۰)۔

قرآن کی بہت سی آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ صحابہ کرامؓ ایمان کے اعلیٰ درجے پر تھے۔ اسی طرح سے بہت سی احادیث بھی انکی عدالت، ان کے ایمان کے اعلیٰ درجے اور فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔ تمام احادیث صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں۔ صحابہ کرامؓ میں ہر قسم کی خوبی پائی جاتی تھی۔ انہیں سے ہی احادیث مر ی ہیں اور یہ تمام صدق، دیانت، امانت اور شرافت میں اعلیٰ درجے پر تھے۔ منافقین اور جھوٹے لوگوں کے متعلق کسی قسم کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ وہ احادیث کے راوی تھے ان کے بارے میں نبی ﷺ اور صحابہ کرامؓ سب کو علم تھا۔

کتب احادیث میں ایسی ایک بھی حدیث نہیں ملے گی جس میں صحابہ کرام کے زمانے میں کسی مشکوک آدمی کی روایت ہو بلکہ اکابر صحابہ سے ہی روایات ہیں پھر یہ دعویٰ کیسے کر دیا گیا کہ صحابہ کرام یہ احادیث وضع کرتے تھے؟

صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین کی حیثیت بعض اوقات ضعیف بھی ہے لیکن ایسے آدمی محدثین کے ہاں احادیث میں متروک ہیں اور وہ ان کی خود وضاحت کر دیتے ہیں۔ امام الشعبی (ت ۱۰۴ھ)، سعید بن میتب، سعید بن القطان اور امام زہریؒ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے زمانے کے تابعین کی خوب چھان پھٹک کی۔ یہ تمام چیزیں مسلمانوں کی معروف کتابوں کے اندر موجود ہیں۔ وہ تابعین جو ہمارے لئے احادیث بیان کرتے ہیں ان کا دین، ایمان، دیانت اور صداقت مسلم ہے۔ جس آدمی کا ضمیر زندہ ہو، وہ اگرچہ یہودی ہی ہو اس قسم کا الزام نہیں لگا سکتا لیکن گولڈ زیہر جیسے متعصب آدمی سے ہر چیز کی توقع ہے۔

اعتراض نمبر۳: اسلام میں مختلف فرقوں کے افراد نے اپنے فرقوں کی تائید میں احادیث وضع کر کے ان کو رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کی طرف منسوب کر دیا۔

یہ الزام کہ لوگوں نے اپنے مذاہب کی تائید کیلئے احادیث گھڑیں، ایسا کلام ہے جس میں چشم پوشی، حقائق کو چھپانا اور تجاہل عارفانہ سے کام لیا گیا ہے کیونکہ محدثین نے ان تمام چیزوں کو خود سامنے

رکھا ہے۔اس کے لئے چند باتیں ملاحظہ ہوں:

الف: مسلمان اس بات کے معترف ہیں کہ بعض کمزور ایمان اور متعصب لوگوں نے اپنے فرقے کی تائید کیلئے حدیثیں وضع کیں۔لیکن ان تمام احادیث اور وضع کرنیوالوں کو محدثین نے خود عریاں کردیا اور یہ تمام باتیں کتب جرح وتعدیل اور موضوعات کی کتب میں موجود ہیں۔جیسے نصب الرایہ۔

ب: کتب فقہ، حدیث کی کتابیں نہیں ہیں۔حدیث کی کتابیں تو مشہور ہیں۔اگر کوئی حدیث کو تلاش کرنا چاہے تو اس کو کتب حدیث دیکھنی چاہیئے جو کہ ان کے اصلی مصدر ہیں۔محدثین نے ان تمام احادیث کی حیثیت کو واضح کردیا جو کہ فقہاء کی کتب کے اندر موجود ہیں۔جیسے نصب الرایہ۔

ج: اگر کوئی ضعیف یا موضوع حدیث سے دلیل پکڑے تو اس کو رد کردیا جائے۔

د: محدثین اور فقہاء میں اختلافات خواہشات نفس کی بنا پر نہیں تھے کہ وہ احادیث وضع کرتے بلکہ اس کے اسباب میں یہ بات شامل تھی کہ پیغمبر ﷺ نے وہ فعل مختلف طریقوں سے انجام دیا۔جس نے جس طریقے سے دیکھ لیا اس نے ویسے ہی بیان کردیا۔بعض اوقات نبی ﷺ نے کسی کام کو دو طریقوں سے کیا تا کہ دونوں طرح سے اس کی جواز کی صورت ہو۔بعض اوقات پہلا حکم منسوخ ہوتا ہے اور بعد میں آنے والا حکم ناسخ ہوتا ہے۔

یہ اختلاف عقائد، امور دین اور ارکان اسلام میں نہیں بلکہ صرف فروعات میں تھے۔خلاصہ یہ ہے کہ بعض حدیثوں میں موجود اختلافات اس بات پر دلالت نہیں کرتے کہ وہ گھڑی ہوئی ہیں اور انہیں اصحاب مذاہب نے گھڑا ہے بلکہ اس کے علمی اسباب ہیں جن کو تمام اہل علم امام جانتے ہیں۔

اعتراض نمبر۴: محدثین کے ہاں تنقید کا دائرہ سمٹ کر سند تک محدود ہو گیا ہے۔اس لئے بہت سی غیر صحیح احادیث ان کے نقد کے بعد بھی صحیح قرار پاگئی ہیں۔

یہ اتہام کہ محدثین اپنی تنقید کو صرف سند تک محدود رکھتے ہیں۔بطور مثال غاستون ویت لکھتا ہے کہ محدثین سنت کے علم کو سند تک محدود رکھتے ہیں یعنی راویوں کی پہچان، ان کی ملاقات اور بعض کا بعض سے سماع وغیرہ، پھر وہ کہتا ہے کہ بعض راویوں نے زبانی احادیث نقل کیں اور حفاظ نے ان کی جمع و تدوین کردی۔اور انہوں نے متن کی چھان پھٹک نہ کی لہذا ہمیں یقین نہیں کہ جو حدیث ہم تک پہنچی ہے

وہ پیغمبرﷺ سے مروی ہے یا اس میں راویوں میں سے کسی نے اپنی حسن نیت سے اضافہ کر دیا ہے(۴۵۱)۔

جب ایک منصف مزاج انسان ان مباحث کو دیکھتا ہے جو کہ محدثین نے اصطلاح حدیث کے بارے میں لکھے ہیں تو اسے معلوم ہوگا کہ سند حدیث کے ساتھ ساتھ متن حدیث کی بھی بہت چھان پھٹک کی گئی ہے اور اس پر بہت غور وخوض کر کے لکھا گیا۔ بلکہ یہ ایک الگ علم ہے جس پر محدثین نے گفتگو کی ہے۔ محدثین، سند اور متن دونوں کو دیکھ کر ہی احادیث کا فیصلہ کرتے تھے۔ اگر کوئی آدمی صحیح حدیث کی تاریخ پڑھے تو اس میں شاذ اور علت کا لفظ موجود ہے جو کہ نقد متن بھی ہے اور نقد سند بھی۔ اسی طرح سے کوئی حدیث حسن لذاتہ سے صحیح لغیرہ کے درجہ پر جاتی ہے تو اس میں متن کو بھی سند کے ساتھ زیر غور لایا جاتا ہے۔ اس لئے علماء حدیث نے حسن اسناد یا صحیح الاسناد اور حدیث حسن صحیح میں فرق کیا ہے کیونکہ کبھی حسن الاسناد متن کے بغیر ہوتی ہے۔ اسی طرح سے مقلوب کی بھی دو قسمیں ہیں۔ مقلوب متن اور مقلوب سند۔ اسی طرح سے موضوع حدیث کو جاننے کے لیے متن کو بھی سامنے رکھنا ہوتا ہے۔ اس کا بہت سی کتب حدیث میں ذکر موجود ہے(۴۵۲)۔

محدثین کے ہاں مراسیل صحابہ مقبول ہیں اگر چہ ان میں علم انقطاع سند ہوتا ہے۔ یہ اس لیے کہ جس متن کو صحابی بیان کرے وہ خود ساختہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ علیہم اجمعین عادل ہیں(۴۵۳)۔

ان حقائق کو سامنے رکھ کر یہ الزام کیسے لگایا جا سکتا ہے کہ محدثین نے نقد سند کے ساتھ نقد متن کا اہتمام نہیں کیا۔

اعتراض نمبر ۵: علمائے اسلام نے ایسی احادیث وضع کیں جن سے حکام کی مخالفت ہوتی تھی۔

یہ دعویٰ کہ علمائے اسلام نے وہ حدیثیں وضع کی ہیں جن سے اموی حکمرانوں کی مخالفت محسوس ہوتی تھی حقائق سے قطعی چشم پوشی ہے۔ کیونکہ جن علماء نے حدیث نبوی کی خدمت کی ہے اور انہیں کتب میں جمع کیا ان میں اور اموی حکمرانوں میں کوئی مخالفت نہیں تھی۔ اموی حکمران اس بات سے مستغنی تھے کہ وہ علماء کو اپنے خلاف کریں جس طرح کہ حدیث کے مشہور علماء کو بھی اس بات کی ضرورت

نہیں تھی کہ وہ اموی حکمرانوں کی مخالفت کرتے اور اگر کوئی ایسی چیز پیدا ہوئی بھی جیسے سعید بن میسب اور عبدالملک کے درمیان یا حجاج بن یوسف کا بنوامیہ کے مخالفین پر ظلم ایسی چیزیں نہیں تھیں جو احادیث کو وضع کرنے پر مجبور کرتیں۔

اموی حکمرانوں، امامت علی کے معتقدین اور خوارج کے درمیان دشمنی کے اسباب تاریخ میں محفوظ ہیں۔ کیا کوئی مستشرق یہ ثابت کرسکتا ہے کہ جن لوگوں نے جمع وتدوین حدیث کا کام کیا وہ خوارج یا علوی تھے۔ جبکہ تدوین حدیث کا کام کرنے والوں کے احوال زندگی محفوظ ہیں۔

امام زہری، عطاء بن ابی رباح، مجاہد، حسن بصری اور لیث بن سعد وغیرہ بہت سے لوگ کوفہ، شام، یمن اور بغداد میں تھے۔ کیا کوئی مستشرق یہ ثابت کرسکتا ہے کہ ان کی اموی حکمرانوں سے کوئی مخالفت تھی اور ان محدثین کی جماعت سے کسی جھوٹ کا ظہور ہوسکتا تھا؟ یا ان کا مقصد درہم و دینار کا حصول تھا؟ اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ ان کی مخالفت تھی تو کیا وضع حدیث کے علاوہ دشمنی کیلئے کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بہتان کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

اعتراض نمبر۶: مسلمان حکمرانوں نے اپنے سیاسی افکار کی تائید اور متقی افراد کو خاموش کرنے کیلئے احادیث وضع کیں۔

یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ کتب احادیث میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں جو کہ عبدالملک یا یزید یا ولید بن عبدالملک یا کسی اور اموی حکمران کے واسطے سے روایت کی گئی ہو بلکہ ان کے راوی دیگر محدثین ہیں۔ ان کے اور ان راویوں کے احوال زندگی کتب رجال میں محفوظ ہیں اور محدثین ایسے کسی شخص سے روایت قبول نہیں کرتے تھے جس کا رجحان گناہ کی طرف ہو یا جس کی عدالت میں نقص ہو۔ اسی طرح گولڈزیہر نے بعض اموی خلفاء پر ایسے الزامات لگائے ہیں جن سے احادیث کی مخالفت کا پہلو نکلتا ہے وہ بھی محض الزامات ہیں (۴۵۴)۔

کتب حدیث میں ایسی کسی روایت کی نشاندہی نہیں ہوتی جو حکمرانوں نے متقی لوگوں کو خاموش کرنے کے لیے وضع کی ہوں اور زیر بحث دور کا ایسا کوئی متقی شخص جاہل نہیں تھا جس کو موضوع حدیث کا پتہ ہی نہ چل سکا ہو۔

اعتراض نمبر ۷: حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو ایسی احادیث ضائع کرنے کا حکم دیا جو حضرت علیؓ کی تائید کرتی تھیں اور ان احادیث کو پھیلانے کا حکم دیا جو ان کی حکومت کی تائید میں تھیں۔

یہ اتہام بھی غلط ہے اور اس کو غلط طریقے سے پیش کیا گیا ہے کہ وضع حدیث میں حضرت معاویہؓ نے حصہ لیا۔ گولڈ زیہر اس کے لئے دلیل پیش کرتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ سے کہا "علیؓ کو گالیاں دینے میں سستی سے کام نہ لو۔ حضرت عثمان کیلئے خدا کی رحمت طلب کرو اور اصحاب علیؓ کو برا بھلا کہو۔ ان کی احادیث کا مقابلہ کرو۔ اس کے برخلاف حضرت عثمانؓ اور آل عثمانؓ کی مدح کرو۔ ان کا قرب حاصل کرو اور ان کی باتیں سنو۔ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی لکھتے ہیں کہ گولڈ زیہر کی دلیل پر غور کریں۔ حضرت معاویہؓ کا اپنے عامل سے یہ کہنا کہ اصحاب علیؓ کو مرعوب کریں اور آل عثمانؓ کو مقرب بنائیں اس میں وضع حدیث کی کون سی دلیل نکلتی ہے (۴۵۵)۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت مغیرہؓ سے یہ نہیں کہا تھا کہ حضرت علیؓ کے خلاف اور حضرت عثمانؓ کے حق میں احادیث وضع کریں۔ ایسی کوئی حدیث نہیں ملتی جو حضرت مغیرہؓ نے حضرت معاویہؓ کی حکومت کی تائید میں روایت کی ہو اور کتب رجال میں ان کے احوال زندگی میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی کہ انہوں نے حضرت علیؓ کی تائید والی حدیثوں سے روکا ہو۔

اعتراض نمبر ۸: عبدالملک بن مروان نے قبۃ الصخرہ کے گرد طواف کرنے کا حکم دیا (۴۵۶)۔

یہ الزام بھی درست نہیں ہے اور یہ گولڈ زیہر نے یعقوبی سے نقل کیا ہے (۴۵۷)۔ یعقوبی شیعہ مؤرخ ہے اس نے دیگر شیعہ حضرات کی طرح حقائق کو مسخ کرنے کیلئے ایسی روایات لکھی ہیں۔ اس کے علاوہ کسی مؤرخ نے اس بات کو نہیں لکھا بلکہ ابن الاثیر اور ابن کثیر نے یہ لکھا ہے کہ قبۃ الصخرہ کو عبدالملک کے بعد اس کے بیٹے ولید بن عبدالملک نے بنایا اس سے اس قصہ کا باطل ہونا ظاہر ہو گیا (۴۵۸)۔ امام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے صحابہ اور تابعین میں سے کوئی بھی قبۃ الصخرہ کی تعظیم نہیں کرتا تھا وہ منسوخ قبلہ ہے (۴۵۹)۔ اگر اس قسم کا کوئی واقعہ ہوتا تو محدثین اور علماء اس پر خاموش نہ رہتے۔

اعتراض نمبر ۹: امام زہری نے یہ حدیث وضع کی "لا تشد الرحال الا الی ثلثة مساجد" (تین مساجد کے علاوہ کسی طرف سفر کا قصد نہ کیا جائے)۔

یہ دعویٰ کہ امام زہری نے حدیث ''لا تشد الرّحال الاّ الی ثلاثة مساجد'' (۴۶۰)۔ عبدالملک کے کہنے پر وضع کی، محض اتہام ہے۔ مستشرق پروفیسر ہورووٹس (Horovitz) نے اس بات پر تنقید کی ہے اور لکھا ہے کہ امام زہری وضع وافترا سے بہت بلند تھے۔ بلکہ وہ خلیفہ عبدالملک کے مخالف رہتے تھے اور ان میں بعض اوقات تلخ کلامی بھی ہو جاتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ حدیث ''لا تشد الرحال '' اس نے وضع نہیں کی بلکہ ایمان کامل اور مکمل حافظے کے ساتھ روایت کی (۴۶۱)۔

یہ قول اس لئے نقل کیا گیا ہے تا کہ مستشرقین کے کلام کو اس (ہورووٹس) کے ذریعے سے رد کیا جائے وگرنہ مسلمان اس حدیث کی صحت پر یقین رکھتے ہیں اور وہ امام زہری کے دامن کو تو وضع حدیث سے یہودی مستشرق کی پیدائش سے قبل بھی مبرا سمجھتے تھے اس لئے کہ یہ حدیث متعدد سندوں سے کئی صحابہ سے مروی ہے۔ اور پھر ان صحابہ سے مختلف راویوں نے روایت کیا ہے اور ان میں سے ایک راوی امام زہری بھی ہیں۔

صحابہ میں سے یہ حدیث حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے۔ اسی طرح ان سے آگے کئی راوی ہیں (۴۶۲)۔ امام ابن تیمیہؒ نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ اہل علم کا اس حدیث کی صحت پر اجماع ہے (۴۶۳)۔

اعتراض نمبر۱۰: امام زہریؒ اموی حکمرانوں کی خواہش کے مطابق احادیث وضع کرتے تھے۔

یہ الزام کہ امام زہری امویوں کی رغبت کے مطابق حدیثیں گھڑ لیتے تھے، محض بہتان ہے۔ جو کوئی بھی امام زہریؒ کی سیرت وجرات کردار کے بارے میں جانتا ہے اس کی تصدیق نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے کہ امام زہریؒ کی سیرت کا حدیث کی کتابوں میں مطالعہ کیا جا سکتا ہے (۴۶۴)۔

استشراقی فکر پر گولڈ زیہر کے اثرات

حدیث پاک کے متعلق جس مستشرق نے زیادہ شہرت حاصل کی ہے وہ مشہور یہودی مستشرق گولڈ زیہر (Goldziher) ہے۔ مستشرقین کی اسلامی تحقیقات پر جتنا اثر انداز گولڈ زیہر کا ہوا کسی دوسرے مستشرق کا نہیں ہوا۔

گولڈزیہر کے تدوین حدیث نبوی ﷺ پر اعتراضات اور ان کے جوابات

۱۔ حدیث نبوی ﷺ کا ظہور مسلمانوں کے دینی، سیاسی اور اجتماعی تنازعات کے نتیجے میں ہوا جو پہلی اور دوسری صدی میں رونما ہوئے۔

۲۔ وضع حدیث کا سبب وہ بغض اور عداوت ہے جو اموی خلفاء اور علمائے دین کے مابین پائی جاتی تھی۔ علمائے مدینہ نے بنو امیہ سے انتقام لینے کے لئے حدیثیں وضع کرنے کی طرح ڈالی۔

۳۔ علماء نے دھریت، الحاد اور دینی احکام سے نفرت و بعد کا مقابلہ کرنے کیلئے حدیثیں وضع کیں

۴۔ علمائے مدینہ نے فضائل اہل بیت میں حدیثیں وضع کیں۔

۵۔ اموی خلفاء کو جب کسی بات کو پھیلانا ہوتا تو ایسی احادیث کا سہارا لیتے جو ان کے نظریات سے ہم آہنگ ہوتیں۔ ان احادیث کو یا تو خود وضع کرتے یا وضع کرانے کی دعوت دیتے

۶۔ اختلافی مسائل کے سلسلے میں اصحاب مذاہب نے حدیثیں وضع کی ہیں۔

۷۔ اموی خلفاء نے امام زہری کو حدیثیں گھڑنے کا حکم دیا تھا (۴۶۵)۔

گولڈزیہر کا پہلا اعتراض: حدیث نبوی ﷺ کا ظہور اور اشاعت مسلمانوں کے دینی، سیاسی اور اجتماعی تنازعات کے نتیجہ میں ہوا جو پہلی اور دوسری صدی ہجری میں رونما ہوئے۔

گولڈزیہر کے خیال میں آپ ﷺ کے عالمِ آخرت تشریف لے جانے کے وقت اسلام نا پختہ، نامکمل اور نا تمام تھا۔ اسلامی فتوحات کے نتیجے میں مسلمانوں کو ایسے مسائل کا سامنا کرنا پڑا جن کی تفصیلات قرآن و سنت میں نہیں تھیں۔ مسلمانوں نے قیاس اور استنباط کی مدد سے احکام وضع کئے۔

اس اعتراض کے جواب کے لئے تین دلائل پیش کرنا چاہتے ہیں:

۱۔ قرآن حکیم کی آخری آیت ہے "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" (۴۶۶)۔

۲۔ اسلام عصرِ اوّل میں کتنا پختہ تھا اس کے لئے مصطفیٰ سباعی کی یہ دلیل بہت مضبوط ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے تہذیب و کمال کی بلندیوں پر فائز اپنے وقت کی دو عظیم مملکتوں قیصر و کسریٰ کا نظم و

نسق سنبھالا تو ان کو ایسا امن نصیب ہوا جو قیصر و کسریٰ کے عہد میں نہ تھا (۴۶۷)۔

۳۔ اہلِ اسلام زمین کے دور افتادہ گوشوں تک پہنچے ان کی عبادت کا رنگ ڈھنگ، عقائد، عبادات اور معاملات میں مکمل ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ اگر احادیث نبوی ﷺ ابتدائی دو صدیوں کے انتشار کا نتیجہ ہوتیں تو افریقی مسلمانوں کی عبادت چینیوں سے مختلف ہوتی اور پھر قانون اور آداب و اطوار میں یکساں ہونے کا سوال ہی نہ پیدا ہو سکتا (۴۶۸)۔

اعتراض نمبر ۲: وضع حدیث کا سبب وہ بغض اور عداوت ہے جو اموی خلفاء اور علمائے دین کے مابین پائی جاتی تھی۔ علمائے مدینہ نے بنو امیہ سے انتقام لینے کے لئے حدیثیں وضع کرنے کی طرح ڈالی

یہ بات درست ہے کہ اموی خلفاء خوارج اور علویہ کے سخت دشمن تھے۔ ان کے درمیان عداوت پائی جاتی تھی مگر خوارج اور علویہ نے حدیث نبوی ﷺ کی جمع و تدوین اور اس کی تنقید اور نقل کے ضمن میں کوئی خدمت انجام نہیں دی۔ حدیث نبوی کی خدمت کا سہرا درج ذیل علماء کے سر ہے: سعید بن مسیب، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، عبید اللہ بن عتبہؒ، سالمؒ بن عبداللہ بن عمرؓ، نافع مولیٰ ابن عمرؓ، سلیمان بن یسارؒ، قاسمؒ بن محمد بن ابی بکر، امام زہری، عطاءؒ، شعبیؒ، علقمہؒ، حسن بصریؒ اور دیگر ائمہ حدیث۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نہ تو کبھی بنو امیہ کے خلاف رہے نہ انہیں ان سے بغض و عداوت تھی (۴۶۹)۔

سعید بن مسیب اور عبدالملک کے تعلقات اس وقت متاثر ہوئے جب اس نے اپنے بیٹے ولید اور اس کے بعد سلیمان کی بیعت خلافت کا تقاضا کیا جو انہوں نے تسلیم نہ کیا اور فرمایا نبی ﷺ نے بیک وقت دو شخصوں کی بیعت سے منع فرمایا تھا۔ اسی طرح حجاج بن یوسف اور بعض علما کے تعلقات کی خرابی کی وجہ حجاج کی بنو امیہ کے دشمنوں پر سختی تھی۔ اس لئے نہیں کہ حجاج فاسق اور گمراہ تھا۔ حجاج نے ہی قرآن حکیم پر نقطے اور اعراب لگوائے۔ یہ وصف اسی شخص کا ہو سکتا ہے جو نہایت دیندار ہو المختصر گولڈزیہر کی علما سے مراد خوارج اور علوی علما ہیں تو انہوں نے حدیث کی جمع و تدوین میں حصہ ہی نہیں لیا۔

گولڈزیہر نے اپنی تصانیف ''دراساتِ اسلامیہ'' اور ''العقیدہ والشریعہ'' میں علمائے مدینہ پر الزام عائد کیا ہے کہ وہ وضاعِ حدیث تھے۔ مصطفیٰ سباعی اس کا جواب دیتے ہوئے یہ سوالات اٹھاتے ہیں:

۱۔ علمائے مدینہ نے وضع حدیث کا آغاز کیا تھا تو کیا اس وقت کچھ اور علماء مکہ، کوفہ، دمشق اور بصرہ میں موجود نہ تھے؟

۲۔ کیا تمام علاقوں کے علماء وضع حدیث میں شامل تھے؟

۳۔ کس مجلس میں جمع ہوکرانہوں نے وضع حدیث کی سازش تیار کی؟

۴۔ اہلِ مدینہ کی روایت کردہ احادیث ان سے کیونکر اخذ کی گئیں؟

۵۔ کیا علمائے اہلِ مدینہ کو علمائے وقت نے معتوب ٹھہرایا؟

حقیقت یہ ہے کہ تمام علماء، اہلِ حجاز کی روایات کو زیادہ صحیح تصور کرتے تھے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ گولڈزیہر نے ابن مسیّب کی عبدالملک کے ساتھ دشمنی کو تو وضع حدیث کا سبب قرار دیا ہے لیکن وہ ابن مسیّب کی ایک روایت بھی اپنے دعوے کے ثبوت کے طور پر پیش نہ کر سکا۔ لہٰذا اس کا دعوٰی بے بنیاد ہے (۴۷۰)۔

اعتراض نمبر۳: علماء نے دھریت الحاد اور دینی احکام سے نفرت و بُعد کا مقابلہ کرنے کے لئے حدیثیں وضع کیں۔

گولڈزیہر ہمارے علماء کے لئے وضع حدیث کا جواز پیش کرتا ہے لیکن ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کے مطابق: ''ایسی بات کہنے والا شخص ہمارے علماء کے اخلاق جلیلہ کی بلندی تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور نہ وہ کذب و افتراء سے اس حد تک پاک ہوسکتا ہے جس حد تک ہمارے علماء حتی کہ نجی زندگی میں بھی جھوٹ سے پاک تھے۔ ہمارے علماء نبی ﷺ پر افتراء پردازی کو جس نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اس کا شمہ بھی اس شخص میں موجود نہیں۔ بعض علماء نے تو یہاں تک کہا ہے کہ آپ ﷺ پر جھوٹ باندھنے والا کافر اور واجب القتل ہے اور اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی (۴۷۱)۔

کیسے ممکن ہے کہ سعید بن مسیب جیسا شخص مار کھانے اور ذلت و رسوائی کے لئے تو تیار ہو مگر بیک وقت دو شخصوں کی بیعت اس لئے نہ کرے کہ یہ خلاف سنت ہے۔ پھر اس کے بعد سنت رسول ﷺ کے دفاع کے لئے دروغ گوئی کو جائز قرار دے۔

اعتراض نمبر۴: علمائے مدینہ نے فضائل اہل بیت میں حدیثیں وضع کیں:

پہلی دلیل اس ضمن میں یہ ہے کہ اہلِ بیت کی مدح و ستائش میں حدیثیں وضع کرنے کی بجائے علماء نے حدیثیں گھڑنے والوں کا مقابلہ کیا اور وضع حدیث کی تحریک کے سامنے سینہ سپر ہو گئے۔
دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر علمائے مدینہ نے حدیثیں گھڑی تھیں تو انہیں شیعہ کے خلاف برسرِ پیکار ہونے کی بجائے ان کے ساتھ مل جانا چاہیے تھا لیکن انہوں نے ایسا کیوں نہیں کیا (۴۷۲)۔

اعتراض نمبر ۵: اموی خلفاء نے وضع حدیث میں حصہ لیا:

پہلی دلیل: اگر اموی خلفاء نے حدیثیں وضع کیں تو ان کی وضع کردہ احادیث کہاں گئیں، علمائے حدیث، حدیث کے ساتھ سند بھی بیان کرتے ہیں۔ احادیث صحیحہ کی اسانید کتب حدیث میں محفوظ ہیں۔
کسی حدیث کی سند میں عبدالملک یا یزید یا ولید یا ان کے کسی عامل اور حاکم کا نام کیوں نہیں ملتا؟

دوسری دلیل: اگر حدیثیں وضع نہیں کی تھیں اس کی دعوت دی تھی تو اس کی دلیل کیا ہے؟ (۴۷۳)

اعتراض نمبر ۶: اختلافی مسائل کے سلسلے میں اصحاب مذاہب نے حدیثیں وضع کیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ احادیث میں اختلافات موجود ہیں۔ ان اختلافات کے اسباب وہ ہیں جو علمائے حدیث نے بتائے ہیں مثلاً:

۱۔ آپ ﷺ نے ایک کام کو مختلف طریقوں سے انجام دیا۔ صحابہ کرامؓ نے اپنا اپنا مشاہدہ ذکر کر دیا۔ مثلاً وتر کی تعداد میں اختلاف ہے۔

۲۔ آپ ﷺ کا حال دیکھ کر صحابہ کرامؓ جو سمجھتے وہ بیان کر دیتے مثلاً آپ ﷺ کے حج کے بارے میں صحابہ کا اختلاف۔ ہر صحابی نے اپنی سمجھ کے مطابق ذکر کیا جب کہ حج میں افراد یا قران یا تمتع کا پتہ تو نیت سے چلتا ہے جو پوشیدہ چیز ہے۔

۳۔ ایک حکم کا دوسرے حکم کے لیے ناسخ ہونا اور صحابی کو ناسخ کا پتہ نہ چلے اور وہ روایت کر دے جس طرح سے سنے۔ اختلاف کے اگرچہ اور بھی اسباب ہیں۔ محدثین نے حدیث میں پیدا ہونے والے اختلاف اور ان کے اسباب کے ساتھ ساتھ اگر اختلاف کا موجب ومحرک وضع حدیث تھا تو وہ بیان کر دیا اور جہاں کوئی اور بات تھی وہ بھی ذکر کر دی۔ اس موضوع پر علماء کی قابل قدر کتب موجود ہیں۔
لہذا ان اختلافات کی بنیاد پر حدیث کو موضوع قرار دینا غلط اور بے بنیاد ہے (۴۷۴)۔

اعتراض نمبر ۷: اموی خلفاء نے امام زہری کو حدیثیں گھڑنے کا حکم دیا تھا۔

گولڈزیہر کہتا ہے کہ بنوامیہ نے وضع حدیث کے سلسلے میں امام زہری جیسے لوگوں سے کام لیا تھا۔ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی نے امام زہریؒ پر الزام کے حوالے سے تین سوالات اٹھا کر ان کا جواب دیا ہے۔

۱۔ امام زہریؒ کو اموی خلفاء کی خواہشات کی پیروی کی ضرورت کیا تھی؟ کیا وہ مال کے طلبگار تھے۔ گولڈزیہر اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ زہری ایسے آدمی نہ تھے جن کو مال سے خریدا جا سکے۔

۲۔ کیا زہری جاہ و منصب کے خواہاں تھے؟

گولڈزیہر اس امر میں اتفاق کرتا ہے کہ پوری ملت اسلام زہری کو عزت و وقار کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ پھر اس کے بعد آخر انہیں اور کون سے منصب کی تلاش تھی۔ زہری شرع کے پابند اور جری انسان تھے۔ تو پھر وہ اتنے کم عقل کیسے ہو سکتے تھے کہ اپنا دین بنوامیہ کے پاس فروخت کر دیتے اور مسلمانوں میں جو عزت انہیں حاصل تھی اسے فروخت کر دیتے۔

۳۔ جرح و تعدیل کے علماء ان کے بارے میں کیوں خاموش رہے۔ جب کہ ان میں احمد بن حنبل، یحییٰ ابن معین، بخاری، مسلم اور ابن ابی حاتم جیسے محدثین شامل تھے جو کسی ملامت کی پرواہ نہ کرتے۔ پھر وہ ایسے شخص کو کیسے معاف کر سکتے تھے جو اموی دور کے سرکردہ اور مشہور لوگوں میں سے تھے۔ اموی خلفاء سے تعلق رکھنے کے باوجود عباسی خلافت کے علمائے جرح و تعدیل کے زہری کی توثیق و تائید کرنے میں اس بات کی زبردست دلیل موجود ہے کہ زہری شک و شبہ سے بالاتر اور کذب اور وضع کی جانب میلان و رجحان رکھنے سے پاک تھے (۴۷۵)۔

مستشرقین کے اثرات

مستشرقین کے اثرات یوں تو دنیا بھر کے مسلمانوں پر مرتب ہوئے لیکن خاص طور پر مصر اور ہندوستان کے مسلمانوں پر ان کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں سرسید احمد خان ان افکار سے متاثر ہونے والے پہلے شخص ہیں۔ ان کے بعد علامہ مشرقی، حافظ اسلم جیراجپوری اور غلام احمد پرویز اس مسلک کو لے کر آگے چلے۔

مصر میں گولڈزیہر کی کتاب کا "العقیدہ والشریعۃ فی الاسلام" کے نام سے عربی میں ترجمہ

ہوا۔اسے عبدالعزیز،عبدالحق،ڈاکٹرعلی حسن،عبدالقادر اور محمد یوسف موسیٰ نے عربی میں منتقل کیا اور یوں گولڈزیہر کے خیالات کے اثرات عربی حلقوں میں نظرآنے لگے۔احمد امین نے ''فجر الاسلام'' اور ابوریہ نے ''الاضواء علی السنة المحمدیه'' میں ان اثرات کو زیادہ مرتب انداز میں پیش کیا ہے جو کہ مستشرقین کی خوشہ چینی ہے۔

مستشرقین استعماری مقاصد کی تکمیل کے لئے جو کام کرتے رہے اور اس کے لئے جہاں نام نہاد مسلمان دانشور اپنی فکری کج روی اور مرعوبیت کے باعث مسلمانوں کی فکری بنیادیں متزلزل کرنے میں مصروف عمل رہے ہیں۔وہیں ان کی تحریروں کے جواب میں لٹریچر بھی تیار ہوا ہے۔گولڈزیہر اور اس کے متاثرین کے سلسلے میں ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی کی کتاب ''السنة ومکانتها فی التشریع الاسلامی'' حجت ہے۔ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ میں گولڈزیہر اور شاخت کے نظریات کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ان کا مقالہ (Early studies in hadith literature) کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔اس کا عربی میں ترجمہ ''دراسات فی الحدیث النبوی وتاریخ تدوینہ'' کے نام سے بھی ہو چکا ہے۔ڈاکٹر اعظمی نے ان محققین کے مغالطوں کا جائزہ لیا ہے۔ انہوں نے شاخت کی کتاب (origins of Muhammad Jurisprudance) کے جواب میں تنقیدی جائزہ لیا اور کتاب لکھی جس کا نام On schachts origins of Muhammad Jurisprudance ہے۔ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی نے اس موضوع پر اس سے قبل Hadith literature لکھی ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی کا نظریہ حدیث

برصغیر پاک و ہند کے معروف دینی سکالر مولانا امین احسن اصلاحی بعمر ۹۴ سال ۱۵ دسمبر ۱۹۹۷ء کو لاہور میں انتقال فرما گئے۔

آپ نے مولانا حمید الدین فراہی، مولانا عبدالرحمٰن نگرامی اور مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری شارح ترمذی (تحفۃ الاحوذی) جیسے ماہر اساتذہ سے مختلف علوم وفنون میں درک حاصل کیا۔ مولانا ابو الحسن ندوی، مولانا منظور احمد نعمانی جیسے نامور لوگوں کے ساتھ سید مودودی کی رفاقت اختیار کی۔ طویل عرصہ تک ان کے دست راست اور نائب امیر کے طور پر کام کیا۔ جماعت اسلامی سے جنوری ۱۹۵۸ء میں حتمی طور پر علیحدہ ہو گئے (۴۷۶)۔ بعد ازاں آپ نے اپنے استاد گرامی کی فکر کو آگے بڑھانا زندگی کا مشن قرار دیا اور باقی ماندہ عمر فکر فراہی کی نشر واشاعت میں گزاری۔ اس کے لیے تدبر قرآن کی صورت میں نو ضخیم جلدوں پر مشتمل اردو تفسیر عرصہ ۲۱ سال میں مکمل کی (۴۷۷)۔ ''مبادی تدبر قرآن'' اور ''مبادی تدبر حدیث'' جیسی اصولی، حقیقت دین جیسی نظریاتی اور ''تزکیہ نفس'' جیسی اصلاحی، ''دعوت دین اور اس کا طریق کار'' جیسی تبلیغی ودعوتی، ''اسلامی ریاست اور اسلامی قانون کی تدوین'' جیسی فقہی، ''اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام'' اور ''قرآن میں پردے کے احکام'' جیسی معاشرتی امور سے متعلقہ کتب بطور یادگار چھوڑیں۔

آپ کا علمی مقام بلند اور عمر طویل تھی اس لیے مختلف اسلامی موضوعات پر آپ کے کاموں کا سلسلہ بھی وسیع تھا۔ اس وقت آپ کے جملہ علمی کاموں کا جائزہ لینا مقصود نہیں بلکہ صرف مولانا کے نظریہ حدیث کے حوالے سے چند امور کی نشان دہی مطلوب ہے۔

قرآن مجید سے خصوصی شغف رکھنے اور مولانا فراہی صاحب سے علوم قرآنی میں خوب استفادہ کے بعد صاحب ''تحفۃ الاحوذی شرح سنن للترمذی'' مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری سے خصوصی استدعا کے ساتھ اصول حدیث میں شرح نخبۃ الفکر اور متن حدیث میں ترمذی شریف پڑھی (۴۷۸)۔ ان کے اپنے الفاظ میں ''تاکہ حدیث سمجھنے کا سلیقہ سیکھوں'' اور اس کے لیے روزانہ گھنٹوں کی پڑھائی کے علاوہ

پیدل ۴ میل آنے جانے کا سفر بھی طے کرتے تھے (۴۷۹)۔

تدبر قرآن سے فراغت پانے پر تدریس حدیث کا سلسلہ سال ہا سال تک جاری رکھا۔ اس میں مؤطا امام مالک اور ''مسلم شریف'' مکمل پڑھائیں۔ جب کہ صحیح بخاری مکمل نہ کر سکے۔

حدیث سے متعلق مولانا کا عام رویہ

مولانا امین احسن اصلاحی حدیث نبوی کے حوالے سے اصول حدیث اور محدثین کی کوششوں کو آنکھیں بند کر کے تسلیم کرنے والے نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی اصول حدیث و اخبار آحاد کی تعریف و توصیف کرتے نظر آتے ہیں اور کبھی مشہور احادیث کا انکار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اپنی کتاب ''اسلامی قانون کی تدوین'' میں لکھتے ہیں: ''نمازوں کے اوقات کیا کیا ہیں؟ نمازیں کتنی بار پڑھی جائیں اور کس طرح پڑھی جائیں؟ مختلف چیزوں پر زکاۃ کی مقدار کیا ہو؟ روزوں کی عملی شکل و صورت کیا ہے؟ حج کے مناسک کیا ہیں؟ وہ کس طرح ادا کیے جائیں؟ مسلمانوں کے لیے ظاہری شکل و صورت میں کیا چیزیں امتیاز اور شعار کی حیثیت رکھتی ہیں؟ اسلامی معاشرے میں کیا چیزیں امتیازی خصوصیات کی حیثیت رکھتی ہیں؟ اسلامی نظام کی عملی شکل کیا ہوتی ہے؟ اور اس طرح کے جتنے مسائل بھی ہیں ان میں سے کون سی چیز ہے جو امت کے عملی تواتر نے ہم تک منتقل نہیں کی ہے؟۔ یہ ساری چیزیں ہم نے صرف حدیث کی کتابوں ہی سے نہیں جانی ہیں بلکہ جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا ہے مختلف طریقوں سے اور اتنے مختلف طریقوں سے جانی ہیں کہ ان کا انکار کرنا یا ان کو مشتبہ اور مشکوک ٹھہرانا بالکل بداہت کا انکار کرنا اور ایک ثابت اور قطعی حقیقت کو جھٹلانا ہے۔ کتب حدیث کا احسان یہ ہے کہ ان کے ذریعے یہ چیزیں تحریر میں بھی آ گئیں اور اس طرح تحریر میں آ گئیں کہ انسانی ہاتھوں سے انجام پاتے ہوئے کسی کام میں زیادہ سے زیادہ جو احتیاط ممکن تھی وہ ان کے ضبط و تدوین کے معاملے میں ملحوظ رکھی گئی ہے'' (۴۸۰)۔

انکار کرنے پر آتے ہیں تو مشہور و متواتر روایات کا بھی انکار کر جاتے ہیں۔ مثلاً احادیث رجم جو کہ ۳۴ صحابہ کرام سے مروی ہیں اور انہیں کثرت طرق و صحت مضمون کی بنیاد پر حافظ ابن حجرؒ، امام شوکانیؒ، مولانا ثناء اللہ پانی پتیؒ، امام رازیؒ، امام نوویؒ، حافظ ابن کثیرؒ وغیرہ میں سے بعض اقرار صحت اور بعض متواتر کا حکم لگاتے ہیں'' (۴۸۱)۔

مولانا اصلاحی صاحب کا سنت کا نیا مفہوم متعین کرنا اور اس کی مناسبت سے احادیث سے بُعد کی راہ دکھلانا

مولانا کے خیال میں سنت سے مراد نبی ﷺ سے صرف ثابت شدہ اور معلوم طریقہ ہے۔ جس پر آپ ﷺ نے بار بار عمل کیا جس کی آپ ﷺ نے پابندی فرمائی ہو جس کے حضور ﷺ عام طور پر پابند رہے ہوں۔ جبکہ حدیث ہر وہ قول وفعل یا تقریر ہے جس کی روایت نبی ﷺ کی نسبت کے ساتھ کی جائے (۴۸۲)۔

جبکہ محدثین اور فقہا کے ہاں سنت اور حدیث باہم مترادف ہیں۔ چنانچہ الجزائری لکھتے ہیں "اما السنة فتطلق على الاكثر على ما اضيف الى النبى ﷺ من قول او فعل او تقرير فهى مرادفة للحديث عند علماء الاصول" (۴۸۳) (سنت کا اطلاق زیادہ تر اس چیز پر ہوتا ہے جس کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف ہو، قول ہو یا فعل یا تقریر، علمائے اصول کے ہاں یہ حدیث کے مترادف ہے)۔

صاحب مسلم الثبوت کے نزدیک "السنة لغة العادة وههنا ما صدر عن رسول الله ﷺ غير القرآن من قول او فعل او تقرير كذا فى شرح المختصر" (۴۸۴) (لغت میں سنت کے معنی عادت کے ہیں لیکن یہاں (یعنی فن حدیث کی اصطلاح میں) وہ چیز جو آنحضرت ﷺ سے قرآن کے علاوہ قول، فعل یا تقریر کی صورت میں مروی ہو)۔

امام شاطبی نے سنت کو نقل سے مخصوص کیا ہے۔ "يطلق لفظ السنة على ما جاء منقولا عن النبى ﷺ على الخصوص مما لا نص عليه فى الكتاب العزيز" (۴۸۵) (سنت کے لفظ کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جو آنحضرت ﷺ سے منقول ہو خاص طور پر وہ چیز جس پر کتاب عزیز کی نص نہ ہو)۔

اسی طرح صاحب نورالانوار لکھتے ہیں "السنة تطلق على قول الرسول وفعله وسكوته وعلى اقوال الصحابة وافعالهم" (۴۸۶) (سنت کا اطلاق قول رسول، فعل اور آپ ﷺ کی خاموشی پر ہوتا ہے اور صحابہؓ کے اقوال اور افعال پر ہوتا ہے)۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں: "فاما معناها شرعا فی اصطلاح اهل الشرع فهی قول النبی وفعله وتقریره" (۴۸۷) (اہل شرع کی اصطلاح میں سنت کا شرعی معنی نبی ﷺ کا قول، فعل اور تقریر ہے)۔

نواب صدیق حسن خاں فرماتے ہیں: "فهی قول النبی وفعله وتقریره" (۴۸۸) (سنت کا اطلاق نبی ﷺ کے قول، فعل اور تقریر پر ہوتا ہے)۔

مولانا عبدالحی لکھنوی ابن ملک کی کتاب "شرح منار الاصول" کے حوالے سے فرماتے ہیں: "ان السنة تطلق علی قول رسول الله وفعله وتقریره" (۴۸۹) (سنت کا اطلاق رسول اللہ ﷺ کے قول، فعل اور تقریر پر ہوتا ہے)۔

مذکورہ بالا تعریفوں کے علاوہ دیگر آئمہ حدیث وفقہا کی کتب میں سنت کو حدیث کے مترادف ہی بیان کیا گیا ہے اور سنت کو آپ کے مواظبت کے ساتھ اختیار کردہ اعمال کے دائرے میں سکیڑا نہیں گیا۔ کیونکہ اس سے سنت کا دائرہ بالکل محدود ہو کر رہ جائے گا اور احادیث کا عظیم ذخیرہ اس شرط کی وجہ سے قابل اعتبار نہیں ٹھہرے گا۔ علاوہ ازیں سنت کو حدیث کے مترادف مفہوم میں لیتے ہوئے ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی نے اپنی کتاب "السنة ومکانتها فی التشریع الاسلامی" میں حدیث ہی کا دفاع کیا ہے۔ اسی طرح پیر کرم شاہ صاحب الازہری نے "سنت خیر الانام" میں بھی حدیث کا ہی دفاع کر کے سنت اور حدیث کو باہم مترادف گردانا ہے۔

مولانا اصلاحی صاحب "مبادی تدبر حدیث" میں لکھتے ہیں: "سنت کی بنیاد احادیث پر نہیں ہے جن میں صدق وکذب دونوں کا احتمال ہوتا ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا بلکہ امت کے عملی تواتر پر ہے۔ جس طرح قرآن قولی تواتر سے ثابت ہے اسی طرح سنت امت کے عملی تواتر سے ثابت ہے۔ مثلاً ہم نے نماز اور حج وغیرہ کی تفصیلات اس وجہ سے نہیں اختیار کیں کہ ان کو چند راویوں نے بیان کیا بلکہ یہ چیزیں نبی ﷺ نے اختیار فرمائیں۔ آپ ﷺ سے صحابہ کرام نے ان سے تابعین پھر تبع تابعین نے سیکھا اسی طرح بعد والے اپنے اگلوں سے سیکھتے چلے آئے۔ اگر روایات کے ریکارڈ میں ان کی تائید موجود ہے تو یہ اس کی مزید شہادت ہے۔ اگر وہ عملی تواتر کے مطابق ہے تو فبہا اور اگر دونوں میں فرق

ہے تو ترجیح بہرحال امت کے عملی تواتر کو حاصل ہوگی۔ اگر کسی معاملے میں اخبار آحاد ایسی ہیں کہ عملی تواتر کے ساتھ ان کی مطابقت نہیں ہو رہی ہے تو ان کی توجیہ تلاش کی جائے گی اگر توجیہ نہیں ہو سکے گی تو انہیں مجبوراً چھوڑا جائے گا اس لئے کہ وہ ظنی ہیں اور سنت ان کے مقابل قطعی ہے(۴۹۰)۔

مولانا اصلاحی صاحب کی سنت کی جمہور سے ہٹ کر اپنی وضع کردہ تعریف سے قطع نظر سنت و حدیث کا باہم بیان کردہ فرق نا قابل فہم ہے۔ کیونکہ سنت کو قطعی یقینی بلکہ ثبوت کے اعتبار سے قرآن کی طرح یقینی مانتے ہیں اور احادیث کو ظنی کہہ کر رد بھی کر جاتے ہیں حالانکہ سنت یا حدیث اپنے صدور کے اعتبار سے دونوں ہی حجت ہیں۔ دونوں ہی قطعی ہیں ہم تک پہنچنے کے ذرائع کی صحت کی بناء پر ایک کی حجیت میں اضافہ نہیں ہو سکتا اور ذرائع کے ضعف کی وجہ سے دوسری کی حجیت ختم نہیں ہو سکتی کیونکہ دونوں کا صدور اس ہستی سے ہو رہا ہے جس کا دین کے بارے میں ہر قول وحی اور ہر فعل امت کے لئے اسوہ حسنہ ہے۔ ذرائع میں تواتر کی بناء پر دونوں میں ظنیت و قطعیت کے اعتبار سے فرق کا پہاڑ کھڑا نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا کے ہاں اصول تفسیر میں سنت متواترہ اور احادیث کا مقام

''مبادی تدبر قرآن'' میں مولانا نے تفسیر کے چار قطعی اصول بیان فرمائے ہیں:

۱۔ ادب جاہلی ۲۔ نظم قرآن

۳۔ تفسیر القرآن بالقرآن ۴۔ سنت متواترہ(۴۹۱)۔

اور اس کے بعد بطور ظنی ماخذ احادیث کو قبول کرتے ہیں(۴۹۲)۔

مولانا کے ہاں عربیت اور ادب جاہلی کے مقابلے میں نہ صرف احادیث بلکہ سنت متواترہ بھی کمتر ہے اور ان کی قائم کردہ ترتیب میں سنت چوتھے نمبر پر ہے۔ نہ جانے قرآن فہمی کے چالیس سال کی طویل مدت میں مولانا آیت ''وانزلنا اليك الذكر لتبين للناس ما نزل اليهم ''(۴۹۳) کا مفہوم کیا سمجھے ہیں؟

''مؤطا امام مالک''، ''صحیح بخاری'' اور ''صحیح مسلم'' کو مولانا نے ''مبادی تدبر حدیث'' میں امہات فن میں شمار کیا ہے(۴۹۴)۔ رجم کے متعلق ان میں یہ روایت پائی جاتی ہے ''عن ابن عباس

قال قال عمر اذا زنیا فارجموهما البتة" (۴۹۵)(حضرت عمرؓ نے فرمایا جب وہ دونوں (شادی شدہ) زنا کریں تو ان دونوں کو رجم کردو)۔صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ایک روایت زیادہ واضح ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا"ان اللہ بعث محمدًا بالحق وانزل علیه الکتاب فکان بما انزل آیة الرجم فقرانا ھا وعقلناھا ووعیناھا رجم رسول اللہ ﷺ ورجمنا بعده"(۴۹۶)(اللہ تعالٰی نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اوران پر کتاب نازل کی۔جو اُتارا گیا اس میں آیت رجم تھی۔ہم نے اسے پڑھا،سمجھا اور یاد کیا۔رسول اللہ نے رجم کیا اور بعد میں ہم نے بھی رجم کیا)۔

جبکہ مولانا امین احسن اصلاحی کے اس روایت کے بارے میں تاثرات دل پر جبر کے ساتھ نقل کیے دیتا ہوں اور آپ بھی دل کے جبر کے ساتھ سنتے جائیں۔فرماتے ہیں:"اس روایت پر غور کیجئے تو ہر پہلو سے یہ کسی منافق کی گھڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے"۔آگے چل کر مزید لکھتے ہیں:"بہرحال یہ روایت بالکل بے ہودہ روایت ہے"(۴۹۷)۔حضرت ماعزؓ کے رجم کے حوالے سے من گھڑت روایتوں اور بلا دلیل فیصلوں سے انہیں ایک نہایت بدخصلت غنڈہ،شریف بہو بیٹیوں کا تعاقب کرنے والا بکرا یا سانڈ قرار دیا ہے(۴۹۸)۔حالانکہ صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ ان کی توبہ کے بارے میں فرماتے ہیں"ما توبة افضل من توبة ماعز انه لینغمس فی انهار الجنة"(ماعز کی توبہ سے بڑھ کر کوئی توبہ نہیں ہے وہ جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے)۔اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:"لقد تاب توبة لو قسمت بین امة لو سعتهم"(اس نے ایسی توبہ کی ہے اگر قوم پر تقسیم کی جائے تو ان کے لئے کافی ہو جائے)(۴۹۹)۔احادیث رسول ﷺ تو حسن خاتمہ کی گواہی دے رہی ہیں اور مولانا بدخصلت غنڈہ قرار دیتے ہیں۔اب اعتبار کس کا کریں؟۔

نسخ قرآن بذریعہ احادیث میں مولانا اصلاحی کا نقطہ نظر

جمہور محدثین وفقہا کے ہاں حدیث ناسخ قرآن ہو سکتی ہے لیکن مولانا کے خیال میں"قرآن کے کسی حکم کو قرآن کے سوا کوئی دوسری چیز منسوخ نہیں کر سکتی۔بعض فقہا نے حدیث کو بھی قرآن کے لیے ناسخ مانا ہے۔لیکن ہمارے نزدیک یہ مسلک صحیح نہیں"(۵۰۰)۔جبکہ نواب صدیق حسن نے"حصول

المامول من علم الاصول ''میں لکھا ہے کہ''یجوز نسخ القرآن فالسنة المتواترة عند الجمهور وهو مذهب ابی حنیفة وعامة المتكلمین ''(۵۰۱)(جمہور کے نزدیک قرآن کا نسخ سنت متواتر سے جائز ہے۔ یہ ابوحنیفہ اور عام متکلمین کا مذہب ہے)۔

اسی طرح الشیخ الزرقانی نے "مناهل العرفان" میں طویل کلام کے بعد فیصلہ دیا''هذا العرض یلحض لنا ان نسخ القرآن بالسنة لا مانع یمنعه عقلا وشرعا''(۵۰۲) (اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سنت سے قرآن کے نسخ کے لیے کوئی شرعی یا عقلی ممانعت نہیں ہے)۔ لیکن مولانا کی رائے جمہور کے خلاف ہے کہ وہ حدیث وسنت سے قرآن مجید کا نسخ جائز نہیں سمجھتے حالانکہ قرآن کی طرح حدیث وسنت بھی منزل من اللہ اور وحی ہونے کی بنا پر ایک دوسرے کے ناسخ ہو سکتے ہیں۔ لیکن مولانا اصلاحی نے کھلے لفظوں میں کہیں حدیث وسنت کا منزل من اللہ ہونا بیان نہیں فرمایا اور قرآن کی سنت سے منسوخی کے مسئلہ میں جمہور سے ہٹ کر مسلک اختیار کرتے ہیں۔ جس سے ظاہری طور پر محسوس ہوتا ہے کہ ان کے ہاں سنت منزل من اللہ نہیں ہے اسی لیے ناسخ قرآن نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ حدیث و سنت کا منزل من اللہ ہونا قرآن سے واضح ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:''وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحی یوحی ''(۵۰۳)۔ (وہ خواہش سے کلام نہیں کرتا وہ تو وحی ہے جو کی جاتی ہے)۔ منکرین حدیث کے الزامات سے مرعوب اور تجدد زدہ اذہان کی پریشانی تو بجا ہے لیکن مولانا جیسے نامور عالم دین کا جمہور کی روش سے ہٹ کر مسلک اختیار کرنا بڑا حیران کن ہے۔ حالانکہ مولانا کے ہاں پائی جانے والے تواتر عملی کی توضیح اور جمہور کی روش تقریباً مترادف بھی ہے۔ اس سے انکار چہ معنی وارد؟۔

مولانا اصلاحی اور احادیث کی تشریح

مولانا احادیث کی تشریح بھی اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔ حدیث''امرت ان اقاتل الناس حتّی یقولوا لا اله الا الله ''میں''الناس''سے مراد''صرف بنی اسماعیل''لیتے ہیں(۵۰۴)۔ کتاب الایمان میں امام بخاریؒ نے باب''فان تابوا واقاموا الصلوة واتوا الزكلة فخلوا سبيلهم ''لکھ کر بعد ازاں یہ حدیث لکھی ہے''عن ابن عمرؓ ان رسول الله ﷺ قال امرت ان اقاتل الناس حتی یشهدوا ان لا اله الا الله وان محمدًا

رسول الله ويقيموا الصلاة ويؤتوا الزكاة فاذا فعلوا ذلك عصموا منى دماء هم وحسابهم على الله "(۵۰۵)(حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں، اور زکوۃ دیں جب وہ یہ کریں گے تو وہ مجھ سے اپنے خون اور مال بچا لیں گے سوائے اسلام کے حق کے اور ان کا حساب اللہ پر ہوگا)۔

اس حدیث کی شرح میں شارحین حدیث میں سے کسی نے ایسی تشریح نہیں کی جو مولانا اصلاحی صاحب کے مؤقف کی تائید کرے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس سے مراد مشرکین لیا ہے(۵۰۶)۔امام نوویؒ نے شرح مسلم، کتاب الایمان میں "باب الامر بقتال الناس حتى يقولوا لا اله الا الله محمد رسول الله ﷺ ويقيموا الصلاة ويؤتوا الزكاة ويؤمنوا بجميع ما جاء به النبى ﷺ و من فعل ذلك عصم نفسه وماله الا بحقها ووكلت سريرته الى الله، وقتال من منع الزكاة او غيرها من حقوق الاسلام والاهتمام بشعائر الاسلام "(۵۰۷) باندھ کر اس میں اس حدیث کے ساتھ اس جیسی چار اور حدیثیں مختلف سندوں سے بیان کی ہیں پھر اس کی شرح میں لکھا ہے "قال الخطابى: ان المراد بهذا اهل الاوثان دون اهل الكتاب لانهم يقولون لا اله الا الله"(۵۰۸)(خطابی نے کہا اس سے مراد بتوں کے پجاری ہیں اہل کتاب نہیں ہیں کیونکہ وہ لا اله الاّ الله کہتے ہیں)۔

تفسیر قرآن میں مولانا اصلاحی کی حدیث سے بے اعتنائی

سورۃ بقرہ کی آیت "فان طلقها فلا تحل له حتى تنكح زوجا غيره "(۵۰۹) (اگر وہ طلاق دے دے تو اس کے لئے حلال نہیں یہاں تک کہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے)۔

مولانا اصلاحی یہاں صرف عقد نکاح مراد لیتے ہیں۔فرماتے ہیں: "حتى تنكح زوجا غيره" میں نکاح کا لفظ ہمارے نزدیک عقد نکاح ہی ہے۔جن لوگوں نے اس کو وطی کے معنی میں لیا ہے

انہوں نے ایک غیر ضروری تکلف کیا ہے(۵۱۰)۔جبکہ حضرت رفاعہ القرظی کی حدیث میں بخاری شریف میں صاف لفظ ہیں: "لا حتی تذوقی عسلته ویذوق عسیلتك" (۵۱۱)(نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ تو اس کا مزہ چکھے اور وہ تمہارا مزہ چکھے)۔جمہور کے نزدیک عسیلہ سے مراد جماع ہے "قال الجمهور العسیله کنایه عن المجامعة "(۵۱۲)(جمہور کہتے ہیں عسیلہ مجامعت سے کنایہ ہے)۔

اسی طرح سورہ کہف میں ہے"فوجدا عبدًا من عبادنا "(۵۱۳)(انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا)۔مولانا اصلاحی فرماتے ہیں یہاں عبد سے مراد حضرت خضر ہیں اور جن حدیثوں میں ان کا نام خضر آیا ہے چونکہ ان حدیثوں کے انکار کی کوئی وجہ ہمارے پاس نہیں اس وجہ سے ہم بھی نام اختیار کرتے ہیں (۵۱۴)۔

اس واقعہ سے قبل خود فرماتے ہیں اس سفر میں تربیتی سفر کی داستان بیان کی گئی ہے۔ہمارے نزدیک حضرت موسیٰؑ کے اس سفر کا یہی مقصد تھا۔لیکن بعض مفسرین نے معلوم نہیں کہاں سے یہ فضول سی بات لکھ دی کہ نعوذ باللہ حضرت موسیٰؑ ترنگ میں آکر کسی دن یہ کہہ بیٹھے کہ اس وقت مجھ سے بڑا عالم کوئی نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے بطور تادیب وتنبیہ ان کو اپنے ایک بندے کے پاس بھیجا کہ وہ دیکھ لیں کہ ان سے بھی بڑا ایک عالم موجود ہے(۵۱۵)۔میرے خیال میں مندرجہ بالا بات خود مولانا صاحب نے ترنگ میں آکر فرمائی ہے۔مفسرین نے یہ بات صحیح احادیث سے لکھی ہے جس کا ذکر خود انہوں نے فرمایا:"کہ حضرت خضرؑ کا نام احادیث میں آیا ہے۔چنانچہ مولانا نے"مبادی تدبر حدیث"میں امہات فن کی کتب میں صحیح بخاری کا نام بھی شامل کیا ہے۔اسی بخاری شریف کی روایت ملاحظہ ہو:"حدثنا الحمیدی قال حدثنا سفیان قال دحدثنا عمرو بن دینار قال اخبرنی سعید بن جبیر قال قلت لابن عباس: انّ نوفا البکالی یزعم أن موسی صاحب الخضر لیس هوموسی صاحب بنی اسرائیل فقال ابن عباس کذب عدوّ الله حدثنی أبی بن کعب أنه سمع رسول اللهﷺ یقول ان موسی قام خطیبا فی بني اسرائیل فسئل أیّ الناس أعلم؟ فقال: أنا فعتب الله علیه اذا لم یردّ العلم الیه فاوحی الله الیه انّ لی

عبداً بمجمع البحرين هو اعلم منك۔ قال موسى: يا رب فكيف لي به قال تاخذ معك حوتاً فتجعله في مكتل فحيثما فقدت الحوت فهو ثم، فاخذ حوتا فجعله في مكتل ثم انطلق وانطلق معه بفتاه يوشع ابن نون حتى اذا اتيا الصخرة وضعارؤسهما فناماً واضطرب الحوت في المكتل فخرج منه فسقط في البحر "فاتخذ سبيله في البحر سرباً" وامسك الله عن الحوت جرية الماء فصار عليه مثل الطاق "(۵۱۶)(سعید بن جبیرؓ نے مجھے بتایا کہ میں نے ابن عباسؓ سے کہا نوف بکالی کا خیال ہے کہ حضرت موسیٰ صاحب خضرؑ، بنی اسرائیل کے موسیٰ نہیں ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا اللہ کے دشمن نے جھوٹ کہا۔ مجھے ابی بن کعبؓ نے بیان کیا اس نے رسول اللہ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے۔ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل میں خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے تو ان سے سوال کیا گیا کہ کون سب سے بڑا عالم ہے؟ تو انہوں نے فرمایا میں، اللہ تعالیٰ نے ان کو عتاب فرمایا، جب انہوں نے علم کو اللہ کی طرف منسوب نہ کیا ان کی طرف وحی کی گئی کہ میرا ایک بندہ مجمع البحرین کے مقام پر ہے وہ آپ سے بڑا عالم ہے۔ موسیٰ نے عرض کیا: اے اللہ! میں ان سے کیسے ملوں، فرمایا: آپ ٹوکری میں ایک مچھلی ساتھ لے کر جائیں جہاں مچھلی گم ہو جائے وہاں وہ ہوگا۔ انہوں (موسیٰ) نے مچھلی لی اور اس کو ٹوکری میں رکھا اور چلے گئے اور ان کے ساتھ ان کے نوجوان یوشع بن نون تھے۔ جب دونوں چٹان کے پاس آ گئے تو دونوں نے اپنے سر رکھے اور سو گئے۔ مچھلی ٹوکری سے نکلی تڑپی اور سمندر میں گر گئی۔ اس نے سمندر میں سرنگ کی طرح اپنا راستہ بنالیا۔ مچھلی جہاں گری تھی اللہ تعالیٰ نے وہاں پانی کی روانی کو روک دیا اور پانی ایک طاق کی طرح اس پر بن گیا)۔

آنحضرت ﷺ کے متعلق ارشاد ربانی ہے: "هو الذي بعث في الاميين رسولاً منهم يتلوا عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة "(۵۱۷)(وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا اور ان کو سنوارتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے)۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کا نتیجہ تھا: "ربنا وابعث فيهم رسولاً منهم يتلوا عليهم آياتك ويعلمهم الكتاب والحكمة ويزكيهم "(۵۱۸)(اے ہمارے

رب ان میں ایک رسول انہیں میں سے بھیج جو ان پر تیری آیات پڑھے اور ان کو کتاب وحکمت سکھائے اور ان کو پاک کرے)۔

مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں: ''تیسری چیز تعلیم حکمت ہے۔ حکمت کے متعلق ایک نہایت ہی اہم سوال یہ ہے کہ حکمت قرآن ہی کا ایک جزو ہے یا اس سے علیحدہ کوئی چیز ہے؟۔ ہمارا خیال ہے کہ کتاب الٰہی جس طرح آیات اللہ اور احکام پر مشتمل ہے۔ اس طرح حکمت پر بھی مشتمل ہیں لیکن ہمارا یہ دعویٰ ان لوگوں کے خلاف پڑے گا جو حکمت سے حدیث یا بعض دوسرے علوم مراد لیتے ہیں(۵۱۹)۔ پھر مزید لکھتے ہیں: لیکن یہ بات صحیح نہیں کہ اس آیت میں حکمت سے مراد حدیث ہے(۵۲۰)۔ بعد ازاں مولانا اپنے دعویٰ کی دلیل کے لئے قرآن مجید کی متعدد آیات سے استدلال فرماتے ہیں(۵۲۱)۔ جبکہ امت کے اکثر علما و محدثین اس سے مراد حدیث لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر امام شافعیؒ قرآن مجید میں کتاب کے ساتھ جہاں حکمت کا لفظ آیا ہے۔ ان سات آیات کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''فذکر اللہ الکتاب وھو القرآن وذکر الحکمۃ وسمعت من ارضی اھل العلم بالقرآن یقول: الحکمۃ سنہ رسول اللہ (۵۲۲)(اللہ نے کتاب کا ذکر فرمایا وہ قرآن ہے میں نے پسندیدہ اہل علم بالقرآن سے سنا وہ کہتے تھے حکمت، سنت رسول اللہ ہی ہے)(۵۲۳)۔ اسی طرح ابن عبدالبر بھی قتادہؒ اور حضرت حسن بصریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ یہاں حکمت سے مراد حدیث نبوی ہے(۵۲۴)۔

مندرجہ بالا حقائق سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں جہاں عام محدثین، مفسرین، فقہا اور علما حکمت سے مراد ''حدیث'' لیتے ہیں مولانا اصلاحی کا نقطہ نظر الگ ہے۔

''مبادی تدبر قرآن'' میں تفسیر کے چار قطعی ماخذ لکھ کر بعد ازاں فرماتے ہیں: ''اب میں آپ کے سامنے تفسیر کے ظنی ماخذوں کی بابت عرض کروں گا۔ ظنی سے میری مراد یہ ہے کہ ان کے اوپر ہر حال میں پورا اطمینان نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان کے اندر چونکہ ظن اور شبہ کو دخل ہے اس لیے ان کو قرآن کی تفسیر میں وہیں تک دخیل بنایا جائے گا جہاں تک وہ قرآن سے موافقت کریں۔ تفسیر کے ظنی ماخذوں میں سب سے اشرف اور سب سے زیادہ پاکیزہ چیز احادیث اور آثار صحابہ ہیں اگر ان کی صحت کی طرف

سے پورا اطمینان ہوتا تو تفسیر میں ان کو بھی اہمیت حاصل ہو جاتی جو اہمیت سنت متواترہ کی بیان ہوتی ہے لیکن چونکہ ان کی صحت پر پورا پورا اطمینان نہیں کیا جا سکتا اس لئے ان سے تفسیر میں اسی حد تک فائدہ اٹھایا جائے گا جہاں تک یہ ان قطعی اصولوں کی موافقت کریں جو اوپر بیان ہوئے ہیں" (۵۲۵)۔

مولانا نے اپنے ماخذ تفسیر میں حدیث کو ظنی حیثیت دی ہے مولانا کے ہاں ظن کی حیثیت یقین کی نہیں حالانکہ جیسا کہ قرآن میں کئی جگہ لفظ ظن یقین کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اور اہل لغت نے بھی یقین کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ بلکہ ان کے خیال میں وہم اور شک کے معنوں میں ہے چنانچہ فرماتے ہیں: "احادیث کو ظنی بھی کہتے ہیں" (۵۲۶)۔

میں مولانا کی تفسیر کے ۶ جلدوں کی تفصیل بیان کرتا ہوں کہ ان میں مولانا نے کل کتنی احادیث نقل فرمائی ہیں۔ پوری تفسیر میں کتب حدیث میں سے صرف بخاری، مسلم اور ترمذی شریف کا نام گنتی کے چند مقامات پر پایا جاتا ہے۔ جلد اوّل کے ۸۳۶ صفحات ہیں جبکہ اس میں سترہ احادیث لکھی ہیں ان میں صرف ایک جگہ صحیحین (۵۲۷) ایک جگہ مسلم (۵۲۸) اور صرف ایک مقام پر ترمذی شریف کا نام ہے (۵۲۹)۔

جلد دوم میں ۸۰۸ صفحات ہیں اس میں دس احادیث ہیں اور ۹ احادیث کتاب کے نام کے بغیر درج کی ہیں۔ صرف ایک جگہ صحیح بخاری کا نام ہے (۵۳۰)۔ جلد سوم ۸۰۸ صفحات پر مشتمل ہے چھ احادیث بغیر حوالہ کے درج ہیں۔ دو حدیثیں مکرر لکھی گئی ہیں گویا کل ۱۴ احادیث جلد سوم میں ہیں (۵۳۱)۔

جلد چہارم کے ۸۶۶ صفحات میں صرف ایک حدیث نقل کی گئی ہے (۵۳۲)۔ جلد پنجم کے ۶۲۷ صفحات میں صرف سات احادیث نقل کی ہیں۔ صرف صحیح بخاری کا نام دو جگہ پر ہے اور کسی حدیث کی کتاب کا نام نہیں ہے (۵۳۳)۔ جلد ششم کے ۶۴۶ صفحات ہیں جن میں کل ۶ احادیث لکھی ہیں (۵۳۴)۔ جلد ہفتم کے ۶۴۴ صفحات ہیں۔ گویا چار ہزار آٹھ سو ستر صفحات پر پھیلی ہوئی کتاب میں گنتی کی کل ۴۰ احادیث ہیں۔ لیکن دیگر مصادر کی بھرمار ہے۔ جاہلی ادب سے کافی استفادہ کیا گیا ہے۔ اہل لغت کی طرف بھی کافی رجحان ہے لیکن مولانا کی حدیث نبوی ﷺ سے اتنی بے اعتنائی سمجھ سے

بالا ہے۔

ان تمام باتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا قطعی طور پر حدیث کا انکار نہیں کرتے بلکہ بعض اوقات فتنہ انکار حدیث کا رد کرتے بھی نظر آتے ہیں۔لیکن ان کے نظریہ سے انکار حدیث کے فتنہ کو تقویت ملتی ہے اور بعض مقامات پر ان سے حدیث کے معاملہ میں استخفاف کا پہلو نکلتا ہے۔رجم کی متواتر احادیث کے متعلق ان کے بیانات محدثین کے نقطہ نظر سے بالکل مختلف ہیں۔ اپنی تفسیر میں مولانا نے احادیث سے بڑھ کر ادب جاہلی اور لغت پر اعتماد کیا ہے۔اس بات کا کوئی مسلم سکالر انکار نہیں کرسکتا کہ قرآن کی تشریح جو آنحضرت ﷺ نے کی ہے وہ باقی سب لوگوں سے بہتر ہے۔احادیث کی کتب التفسیر میں آنحضرت ﷺ کی یہ تشریح موجود ہیں لیکن مولانا نے ان احادیث کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی۔

حوالہ جات

۱۔ سورۃ الحجر (۱۵) ۹۔

۲۔ النحل (۱۶) ۴۴۔

۳۔ قدوائی، ڈاکٹر آصف، مقالات سیرت (مجلس نشریات اسلام، کراچی) ص ۲۱۷۔

۴۔ مقالات سیرت، ص ۲۱۹ بحوالہ گبن، اڈورڈ، دی لائف آف محمد، ص ۱۰۴۔

۵۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۷۳۳۲۔

۶۔ خالد محمود، آثار الحدیث، ۲/ ۳۹۹۔

۷۔ روزنامہ تسنیم لاہور، ۸ فروری ۱۹۵۵ء، ص ۱، کالم ۴۔

۸۔ احمد بن حنبل، المسند (دار الفکر، قاہرہ) ۴/ ۱۳۱۔

۹۔ عبدالغفار حسن، عظمت حدیث، ص ۲۸۔

۱۰۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۷۳۳۲.

۱۱۔ البقرۃ (۲) ۷۵۔

۱۲۔ جان، انعام اللہ، یہودی سازشیں اور فتنہ انکار حدیث، (پشاور) ص ۲۵ تا ۲۷۔

۱۳۔ النساء (۴) ۱۴۵۔

۱۴۔ یہودی سازشیں اور فتنہ انکار حدیث، ص ۲۸۔

۱۵۔ البقرۃ (۲) ۱۰۹۔

۱۶۔ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ۱/ ۱۳۹۔

۱۷۔ یہودی سازشیں اور فتنہ انکار حدیث، ص ۲۹ — ۳۰۔

۱۸۔ البقرہ (۲) ۱۲۰۔

۱۹۔ آل عمران (۳) ۱۹۔

۲۰۔ المائدہ (۵) ۵۱۔

۲۱۔ یہودی سازشیں اور فتنہ انکار حدیث، ص ۳۱۔

۲۲۔ ایضاً، ص ۳۲ - ۳۳۔

۲۳۔ ابن حجر، لسان المیزان، ۳/ ۲۸۹۔

۲۴۔ البقرہ (۲) ۲۷۔

۲۵۔ یہودی سازشیں اور فتنہ انکار حدیث، ص ۳۵۔

۲۶۔ ابن حجر، لسان المیزان، ۳/۲۹۰۔

۲۷۔ یہودی سازشیں اور فتنہ انکار حدیث، ۴۳ تا ۴۴۔

۲۸۔ میرٹھی، بدر عالم، ترجمان السنہ (ایچ ایم سعید کمپنی کراچی) ۱/۹۳۔

۲۹۔ میرٹھی، بدر عالم ترجمان السنہ ص ۱/۹۲ بحوالہ ابن حزم، الاحکام، ۱/۱۴۔

۳۰۔ التحدیث فی علوم الحدیث، ص ۳۲۔۳۳۔

۳۱۔ آثار الحدیث، ۲/۴۰۲-۴۰۳۔

۳۲۔ مولوی عبدالحق، چند ہمعصر، (انجمن ترقی اردو کراچی، ۱۹۵۰ء) ص ۴۷۔

۳۳۔ آثار الحدیث، ۲/۴۰۳-۴۰۴۔

۳۴۔ ایضاً، ۲/۴۰۵-۴۰۶۔

۳۵۔ یہودی سازشیں اور فتنہ انکار حدیث، ص ۴۵-۴۶۔

۳۶۔ یہودی سازشیں اور فتنہ انکار حدیث، ص ۴۵-۴۶ بحوالہ ہنٹر ڈبلیو، ہمارے ہندوستانی مسلمان، ص ۳۱۴۔

۳۷۔ یہودی سازشیں اور فتنہ انکار حدیث، ص ۴۶۔

۳۸۔ ایضاً، ص ۴۷۔

۳۹۔ ترمذی، السنن، حدیث نمبر ۲۶۵۸۔

۴۰۔ البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۱۱۰۔

۴۱۔ یہودی سازشیں اور فتنہ انکار حدیث، ص ۴۹- ۵۰۔

۴۲۔ ایضاً، ص ۵۳۔

۴۳۔ ایضاً، ص ۵۴۔

۴۴۔ ایضاً، ص ۶۳۲۔

۴۵۔ ایضاً، ص ۵۶ -۵۷۔

۴۶۔ بدر عالم میرٹھی، ترجمان السنہ، ۱/۹۴۔

۴۷۔ پرویز، غلام احمد، معارف القرآن (ادارہ طلوع اسلام، لاہور) ۴/۶۳۲۔

۴۸۔ یہودی سازشیں اور فتنہ انکار حدیث، ص ۶۰۔

۴۹۔ مسلم، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۱۶۔

۵۰۔ مقدمہ ابن الصلاح (ملتان) ص ۴۷۔

۵۱۔ احمد بن حنبل، مسند، ۴/۱۳۱۔

۵۲۔ العلق (۹۶) ۶۔۷۔

۵۳۔ الحاکم، المستدرک، ۱/۱۸۸۔

۵۴۔ المائدہ (۵) ۱۳۔

۵۵۔ صدیقی، علم حدیث اور پاکستان میں اس کی خدمات، ص ۴۷۔

۵۶۔ حافظ عطاء الرحمان، بیسویں صدی میں برصغیر کے معروف منکرین حدیث کے افکار کا جائزہ (مقالہ برائے ایم۔فل شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، سیشن ۱۹۹۹-۲۰۰۱ء، غیر مطبوع) ص ۵۷۔

۵۷۔ الازہری، پیر کرم شاہ، سنت خیر الانام، (بھیرہ، پنجاب، طبع اولیٰ، ۱۹۵۵ء) ص ۱۶۷۔

۵۸۔ ہفت روزہ ''اہل حدیث'' لاہور (خدمات اہل حدیث نمبر) جلد ۲۸، شمارہ ۳۹، اکتوبر ۱۹۹۷ء (پروفیسر خالد ظفر اللہ، اہل حدیث کی خدمات حدیث اور ردّ منکرین حدیث) ص ۶۶۔

۵۹۔ ایضاً، ص ۲۱۴۔

۶۰۔ بیسویں صدی میں برصغیر کے معروف منکرین حدیث کے افکار کا جائزہ، ص ۵۹۔

۶۱۔ ایضاً، ص ۶۰۔

۶۲۔ ہفت روزہ اہل حدیث لاہور (خدمات اہل حدیث نمبر) ص ۲۱۵۔

۶۳۔ ایضاً، ص ۲۱۵۔

۶۴۔ بیسویں صدی میں برصغیر کے معروف منکرین حدیث کے افکار کا جائزہ، ص ۶۱۔

۶۵۔ عبد الرشید، انکار حدیث کے اسباب (مقالہ برائے ایم اے، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور، سیشن ۱۹۶۵-۱۹۶۶ء) ص ۳۵۔

۶۶۔ محمد اکرم انیلم، حجیۃ الحدیث (مقالہ برائے ایم اے شعبہ علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، T-26) ص ۴۱۔

۶۷۔ عبد الرشید، انکار حدیث کے اسباب، ص ۳۵۔

۶۸۔ بیسویں صدی میں برصغیر کے معروف منکرین حدیث کے افکار کا جائزہ، ص ۶۳۔

۶۹۔ ایضاً، ص ۶۴۔

۷۰۔ ایضاً، ص ۶۵۔

۷۱۔ سہ ماہی ''بصائر'' کراچی (جلد ۲، شمارہ ۱، ۱۹۶۳ء) ص ۴۵-۴۹۔

۷۲۔ امرتسری، احمد دین، خواجہ تسہیل برہان القرآن (دوست ایسوسی ایٹس، لاہور) ص ۴۴۔

۷۳۔ بیسویں صدی میں برصغیر کے معروف منکرین حدیث کے افکار کا جائزہ، ص ۹۷۔

۷۴۔ عبدالغفار حسن، عظمتِ حدیث، ص ۲۹۔

۷۵۔ ندوی، ابوالحسن علی، نزہۃ الخواطر، ۸/۲۹۱۔

۷۶۔ تسہیل برھان القرآن، ص ۴۵۔

۷۷۔ ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (شمارہ حدیث نمبر)، ۱۵ فروری ۱۹۵۶ء (محمد علی قصوری، فتنہ انکار حدیث کا عقلی اور تاریخی جائزہ) ص ۲۶۔

۷۸۔ تسہیل برہان القرآن، ص ۴۶۔

۷۹۔ نزہۃ الخواطر، ۸/۲۹۱۔

۸۰۔ چکڑالوی، مولوی عبداللہ، ترجمہ القرآن بآیات القرآن (طبع اول ۱۳۲۰ھ) ص ۹۷۔

۸۱۔ ایضا، ص ۴۵۔

۸۲۔ تسہیل برحان القرآن، ص ۴۵۔

۸۳۔ ایضا ص ۴۴۔

۸۴۔ آثار الحدیث، ۲/۴۰۹۔

۸۵۔ ایضاً۔

۸۶۔ نزہۃ الخواطر، ۸/۲۹۱۔

۸۷۔ آثار الحدیث، ص ۴۱۱۔

۸۸۔ ماہنامہ ''بلاغ'' امرتسر، ستمبر ۱۹۳۶ء، جلد ۱۳، شمارہ ۹، ص ۵۔

۸۹۔ ایضاً، ص ۷۔

۹۰۔ تسہیل برہان القرآن، ص ۱۶۔

۹۱۔ مولوی چراغ علی کے حالات زندگی کے لیے ملاحظہ ہو: اردو جامع انسائیکلوپیڈیا (شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، طبع اوّل، ۱۹۸۷ء) ۱/۱۴-۵۱۳۔

۹۲۔ جیراج پوری، حافظ اسلم، نوادرات (طلوع اسلام کراچی) ص ۳۴۳۔

۹۳۔ ماہنامہ ''طلوع اسلام'' جنوری ۱۹۵۶ء، اسلم جیراج پوری کی خودنوشت سوانح حیات، ص ۱۸۔

۹۴۔ ہفت روزہ، الاعتصام، لاہور شمارہ حدیث نمبر، ص ۲۔

۹۵۔ مقام حدیث (ادارہ طلوع اسلام، لاہور ۱۹۶۵ء) ص ۱۴۹۔

۹۶۔ آثار الحدیث، ص ۴۱۴۔

۹۷۔ ایضاً، ص۴۱۶۔

۹۸۔ ایضاً۔

۹۹۔ ابن المشرقی، حمید الدین، حضرت علامہ عنایت اللہ خاں المشرقی (باب الاشاعت خاکسار تحریک لاہور) ص۳۔

۱۰۰۔ شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ص۱۱۰۵۔

۱۰۱۔ نیاز فتح پوری، من و یزداں (ڈان بکس، لاہور، ۲۰۰۰ء) ص۵۷۴ (ٹائٹل بیک پر یہ حالات شائع ہوئے ہیں)۔

۱۰۲۔ ایضاً، ص۵۳۹۔

۱۰۳۔ ایضاً، ص۴۰۵۔

۱۰۴۔ ایضاً، ص۴۰۷۔

۱۰۵۔ تمنا عمادی، محی الدین، ایضاح السخن بتوضیح اصلاح سخن (ڈھاکہ، ۱۹۶۱ء) ص (مقدمہ: ب)۔

۱۰۶۔ ماہنامہ "طلوع اسلام" لاہور، فروری ۱۹۷۳ء (اطلاع وفات بر تمنا عمادی۔ ادارہ) ص۴۸۔

۱۰۷۔ تمنا عمادی، اعجاز القرآن واختلاف قرأت (رحمان پبلشنگ ناظم آباد، کراچی، ۱۹۹۴ء) ص۵۴۔

۱۰۸۔ ایضاً، ص۴۳۔

۱۰۹۔ ایضاً۔

۱۱۰۔ ماہنامہ "طلوع اسلام" ستمبر ۱۹۵۰ء، ص۴۸۔

۱۱۱۔ پرویز، غلام احمد، تصوف کی حقیقت (طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور، دسمبر ۱۹۹۶ء) ص (مقدمہ، ع)۔

۱۱۲۔ ایضاً، ص مقدمہ، ع۔غ۔

۱۱۳۔ ایضاً، ص مقدمہ، ک۔گ۔

۱۱۴۔ محمد عمر دراز، دولت پرویز (النور پرنٹرز لاہور، ۱۹۹۲ء) ص۱-۲۔

۱۱۵۔ پرویز، معارف القرآن (ادارہ طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور) ۳/۵۴۷۔

۱۱۶۔ ایضاً، ۳/۵۳۲۔

۱۱۷۔ ایضاً۔

۱۱۸۔ ایضاً، ۳/۵۷۵۔

۱۱۹۔ ایضاً، ۴/۷۲۹۔

۱۲۰۔ پرویز، معراج انسانیت (طلوع اسلام ٹرسٹ، لاہور) ص۳۱۸۔

۱۲۱۔ ایضاً، ص۳۲۳۔

۱۲۲۔ برق، غلام جیلانی، حرف محرمانہ (شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور) ص۷۵۔

۱۲۳۔ برق، دو اسلام (شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور) ص۴۸۔

۱۲۴۔ ایضاً، ص۱۹۳۔

۱۲۵۔ اردو جامع انسائکلو پیڈیا (شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور) لاہور، ۱۹۸۷ء، ص۲۵۔

۱۲۶۔ ہفت روزہ الاعتصام لاہور، ۱۷ فروری ۱۹۵۶ء (یوسف سلیم چشتی، ہندوستان میں انکار حدیث کی تاریخ) ص۳۸۔

۱۲۷۔ بلخی، افتخار احمد، انکار حدیث کا منظر و پس منظر (مکتبہ چراغ راہ، کراچی) ۱/۶۳۔

۱۲۸۔ ماہنامہ "طلوع اسلام" لاہور، نومبر ۱۹۷۲ء، (عطاء اللہ چوہدری، روح سرسید پیکر پرویز میں) ص۱۵۔

۱۲۹۔ بیسویں صدی میں برصغیر کے معروف منکرین حدیث کے افکار کا جائزہ، ص۷۵۔

۱۳۰۔ ایضاً ص۲۱-۲۸۔

۱۳۱۔ القصص: (۲۸)۸۵۔

۱۳۲۔ سہ ماہی "قرآنی معاشرہ" لاہور، اپریل جون ۱۹۸۹ء، جلد۳ شمارہ۲-۳ (محمد قاسم نوری، حزب المسلمین کا دوٹوک مؤقف) ص۶۔

۱۳۳۔ احسان الحق، سبیل المسلمین (ادارہ صوت القرآن، لاہور) ص۲۰۔

۱۳۴۔ محمد بشیر، بخاری کی چند احادیث اور ان پر تبصرہ (توحید جیولرز اچھرہ بازار لاہور) ص۔ پیش لفظ

۱۳۵۔ بیسویں صدی میں برصغیر کے معروف منکرین حدیث کے افکار کا جائزہ، ص۸۴۔

۱۳۶۔ الحجر (۱۵) ۹، انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون۔

۱۳۷۔ السخاوی، عبدالرحمن، الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ (دار الکتاب العربی بیروت ۱۹۸۳ء) ۶۶ــ فقد قال ابن المدینی لمن سئله عن أبیه: سلوا عنه غیری فاعادوا المسئلة ثم رفع رأسه فقال هوالدین؟ انه ضعیف۔

۱۳۸۔ ایضاً: وکان وکیع بن الجراح لکون والده کان علی بیت المال یقرن معه آخر اذا روی عنه۔ وقال ابو داؤد صاحب السنن: ابنی عبدالله کذاب مع تاویلنا له فی بذل الجهود، ونحوه قول الذهبی فی ولده ابی هریره انه حفظ القرآن ثم تشاغل عنه حتی نسیه۔

۱۳۹۔ (۱) ابن دقیق العید تقی الدین، الاقتراح فی بیان الاصطلاح، ص۶۱۔

(ii) جمال الدین القاسمی، الجرح والتعدیل، ص ۶۔

۱۴۰۔ القاسمی، الجرح والتعدیل، ص ۵۔

۱۴۱۔ ایضاً، ص ۷۔

۱۴۲۔ الاقتراح، ص ۵۵۔

۱۴۳۔ القاموس المحیط، ۱/۱۸۵۔

۱۴۴۔ تاج العروس من جواھر القاموس، ۲/۳۰۔

....سموا به لخروجهم عن الناس او عن الدين او عن الحق او عن على كرم الله وجهه بعد صفين.

۱۴۵۔ المنجد فی اللغۃ والاعلام، ص ۱۷۲۔

۱۴۶۔ بغدادی، عبدالقاھر، کتاب الملل والنحل، ۵۹-۶۰۔

۱۴۷۔ بغدادی، عبدالقاھر، الفرق بین الفرق، ۷۴-۷۵۔

يقال للخوارج محكمته وشراة....ان الخوارج بعد رجوع على من صفين الى كوفة الجاؤا الى الحروراء وهم يومئذ اثنا عشر الفا ولذلك سميت الخوارج حرورية.

۱۴۸۔ مثلاً (i) بلیاوی، عبدالحفیظ، ابوالفضل، مصباح اللغات ۱۹۶، خوارج باغی لوگ، جماعت سے نکلے ہوئے لوگ۔

(ii) لسان العرب، ۲/۲۵۱۔

والخوارج والحروريته والخارجيته طائفته منهم لزمهم هذا الاسم لخروجهم عن الناس والخوارج قوم من أهل الأهواء لهم مقالة عليحدة.

(iii) محمود الزعبى، البينات فى الرد على اباطيل المرجعات(ص۲۰۸:

الخوارج جمع خارج وهو الذى خلع طاعة امام الحق واعلن عصيانه والب عليه وهو الباغى عند علماء الشريعة والخوارج طائفته من الشيعة خرجت على الامام على رضى الله تعالى عنه بعد ان قبل بالتحكيم كما هو معروف فى كتب التاريخ.

(iv) E.W. Lane, Arabic English Lexicon, (2, 720.

Al.khawarij is the appelation of a party of those following erroneous opinions, they are the Harooriyah and the Kharjiyah

are a sect of them; and they, consist of seven sects. They are so called because they went forth or against the rest of the people; or from the religion or from the truth, or from Ali after the battle of Siffin.

۱۴۹۔ النساء(۴)۱۰۰۔

۱۵۰۔ البقرہ(۲)۲۰۷؛احمد امین، فجر الاسلام،ص ۲۵۷۔

۱۵۱۔ الاحزاب(۳۳)۲۱، لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوہ حسنۃ۔

۱۵۲۔ التوبۃ(۹)۵۸۔

۱۵۳۔ البغوی، حسین بن مسعود، ابو محمد، معالم التنزیل، (ج ۲، جز نمبر ۳، ۱۰۷، جلالین، ۱/۱۶۱ کے حاشیہ میں ہے ھو اصل الخوارج۔

۱۵۴۔ معالم التنزیل، ج ۲، جز نمبر ۳/ ۱۰۷-۱۰۸۔

۱۵۵۔ (۱) ایضاً

(۲) البخاری، الجامع الصحیح (نور محمد اصح المطابع کراچی) ۲/۱۰۲۴، کتاب استتابۃ المعاندین۔

(۳) وحید الزمان، مولانا (مترجم) صحیح بخاری (مکتبہ رحمانیہ لاہور) ۶/ ۳۹۸۔ میں فرماتے ہیں۔ یہ اس سونے کی تقسیم تھی جو ۹ ھ میں حضرت علیؓ نے یمن سے بھیجا تھا۔

(۴) صحیح بخاری میں مزید اس کی تفصیل ہے۔ ۲/ ۱۱۰۵۔ وہاں بھی اس حدیث کے راوی حضرت ابو سعید خدری ہی ہیں۔ حضرت علیؓ نے یمن سے سونے کی ڈلی بھیجی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے تالیف قلب کیلئے اقرع بن حابس الحنظلی، عیینہ بن حصن بن بدر فزاری، علقمہ بن علاثہ العامری اور زید الخیل طائی میں تقسیم کر دیا تو اس بدبخت نے ان الفاظ میں اعتراض کیا تھا۔ یا محمد ﷺ، اتق اللہ۔ اس مقام پر آنحضرت ﷺ کی تہدید کا بھی ذکر ہے۔ امام مسلم نے مختلف سندوں سے اس حدیث کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

(۵) مسلم، الجامع الصحیح، ۱/ ۳۶۰-۳۶۱۔ حضرت عمرؓ کے اس شخص کی اجازت قتل طلب کرنے پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: معاذ اللہ ان یتحدث الناس انی اقتل اصحابی (اللہ کی پناہ کہ لوگ باتیں کریں کہ میں اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہوں

(۶) المبرد نے بھی اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے۔ الکامل، ۳/ ۱۰۴۔

۱۵۶۔ شہرستانی، الملل والنحل، ۱/ ۲۱۔

۱۵۷۔ قاضی ابو بکر بن العربی، العواصم من القواصم فی تحقیق مواقف الصحابۃ بعد وفاۃ النبی ﷺ، ص۸۵-۱۰۶: اس کتاب میں حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً قال شیخ الاسلام ابن تیمیہ فی منہاج السنہ،۳/۱۸۸ کل ذی علم بحال عثمان یعلم انه لم یکن ممن یامر بقتل محمد بن ابی بکر ولا امثاله ولا عرف منه قط انه قتل احدا من هذا الضرب وقد سعوا فی قتله (ای فی قتل امیر المؤمنین عثمانؓ)۔

۱۵۸۔ محمد محمد ابوزھو، الحدیث والمحدثون،۸۳۔

۱۵۹۔ شہرستانی، الملل والنحل،۱/۱۱۴۔

۱۶۰۔ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضلہ، ۲/۱۲۷۔

۱۶۱۔ النساء(۴)۳۵۔

۱۶۲۔ المائدہ(۵)۹۵۔

۱۶۳۔ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم، ص۱۲۷، ۱۲۸(مکمل تفصیل)۔

۱۶۴۔ ندوی، معین الدین، تاریخ اسلام،۱/۳۶۱-۳۶۷۔

۱۶۵۔ ندوی، تاریخ اسلام، ۱/۳۷۷۔ ابن قتیبہ الدینوری، ابو محمد عبداللہ بن مسلم الامامہ والسیاسیہ، ۱/ ۱۵۹: عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت علیؓ کو شہید کرنے کی حامی بھری۔ حجاج بن عبداللہ الصیمی نے حضرت معاویہؓ کو شہید کرنے کی ذمہ داری قبول کی۔ ذادویہ جس کا نام عمرو بن بکر تھا نے حضرت عمرو بن العاص کو شہید کرنے کا کام اپنے ذمہ لیا۔

۱۶۶۔ تاریخ اسلام،۲/۲۵۔۲۷(مکمل تفصیل)۔

۱۶۷۔ (۱) ابن عبدالحکم، عبداللہ، ابو محمد، سیرۃ عمر بن عبدالعزیز، ص۱۳۷-۱۴۲(اس کتاب میں ان کے خوارج سے مناظرات اور خط و کتابت کی تفصیل ملاحظہ کی جاسکتی ہے)۔

(۲) سید الاھل، عبدالعزیز، الخلیفۃ الزاھد عمر بن عبدالعزیز، ص۱۸۰۔

فلم یزل عمر یرفق بهم حتی اخذ علیهم ورضوا منه ان یرزقهم ویکسوهم ما بقی فخرجوا علی ذلك۔

(۳) ابن قتیبہ، الامامہ والسیاسیہ، ۲/۱۱۸-۱۲۰(تفصیل سے)۔

۱۶۸۔ بطور مثال تفصیل ملاحظہ ہو، ندوی، تاریخ اسلام، ۲/۹۹، ۲۹۰، ۳۷۰؛ ۳/۲۷۹۔۲۸۹۔

۱۶۹۔ (۱) بغدادی، عبدالقاھر، کتاب الملل والنحل، ص۵۷-۸۲۔

(۲) بغدادی، عبدالقاھر، الفرق بین الفرق، ص۷۲-۱۱۳۔

(۳) ابونصر عمر، تاریخ خوارج، ص ۱۹۶-۲۲۸ (تینوں کتب میں تمام فرقوں کا تفصیل سے ذکر ہے)

۱۷۰۔ مبرد، الکامل، ۲/۱۰۱۔

۱۷۱۔ غلام احمد حریری، تاریخ تفسیر و مفسرین، ص ۵۱۱۔

۱۷۲۔ ایضاً۔

۱۷۳۔ مصری، احمد امین، فجر الاسلام، ص ۲۶۲ ابن عباس نے جو دیکھا اس کی تصویر یہ ہے۔ رای عنهم جباها قرحة لطول السجود وايد يا كثفنات الابل عليهم قمص مرحفة وهم مشمرون۔ اس کتاب میں مزید تفصیل بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

۱۷۴۔ فجر الاسلام ۲۶۳-۲۶۴ میں اس سلسلے میں تفصیلی واقعات موجود ہیں۔

۱۷۵۔ حریری، تاریخ تفسیر و مفسرین، ص ۵۰۵-۵۰۶ (اختصار کے ساتھ کتاب میں ۴ نکات کی تفصیل ہے)۔

۱۷۶۔ (۱) الاشعری، ابوالحسن، مقالات الاشعریین (ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور) (ترجمہ اردو محمد حنیف ندوی بنام مسلمانوں کے عقائد و افکار) ص ۹۱۔

(۲) بغدادی، ابو منصور عبد القاھر، اصول الدین، ص ۳۳۲۔

(۳) بغدادی، کتاب الملل والنحل، ص ۵۸۔

۱۷۷۔ (۱) مقالات الاشعریین، ص ۹۱ (اردو ترجمہ)۔

(۲) بغدادی، کتاب الملل والنحل، ص ۵۸۔۔۔وتكفير كل من ارتكب كبيرة.

۱۷۸۔ مقالات الاشعریین (مسلمانوں کے عقائد و افکار) ص ۹۲۔

۱۷۹۔ ایضاً ص ۱۳۷۔

۱۸۰۔ (۱) احمد امین، ضحیٰ الاسلام، ۳/۳۳۰۔

(۲) بغدادی، کتاب الملل والنحل، ص ۵۸۔

۱۸۱۔ احمد امین، فجر الاسلام، ص ۲۵۸-۲۵۹۔

اھل سنت حدیث الائمۃ من قریش کی وجہ سے قریش کو بہتر سمجھتے ہیں۔

۱۸۲۔ فجر الاسلام، ص ۲۵۸۔

۱۸۳۔ شرح العقیدہ الطحاویۃ، ص ۳۷۰۔

۱۸۴۔ ارشاد ربانی ہے ان تجتنبوا كبائر ما تنهون عنه نكفر عنكم سياتكم وندخلكم مدخلا كريما۔ النساء (۴) ۳۱ (تم بڑے گناہوں سے بچو جن سے تم کو منع کیا گیا ہے۔ تو ہم تمہاری چھوٹی برائیاں تم سے دور کر دیں گے اور تمہیں مقام عزت (جنت) میں داخل کریں گے)

کبیرہ گناہوں کی تفصیل کے لئے:

(۱) طبری، محمد بن جریر، ابو جعفر، تہذیب الآثار، ۴/۱۸۴-۱۹۵۔

(۲) شرح العقیدۃ الطحاویہ، ص ۳۷۰-۳۷۳۔

(۳) عبدالقادر عارف حصاروی، نبوی جواھر در ذکر کبائر (فاروقی کتب خانہ ملتان ۲۰۰۴، تحقیق راقم السطور) ملاحظہ کریں۔

۱۸۵۔ شرح عقیدہ طحاویہ، ص ۳۷۰۔

۱۸۶۔ عبدالکریم شہرستانی۔ الملل والنحل، ۱/۱۱۵۔

۱۸۷۔ ایضاً، ص ۱۲۲۔

۱۸۸۔ ایضاً، ص ۱۲۸۔

۱۸۹۔ ایضاً، ص ۱۳۶۔

۱۹۰۔ ابن حزم، ابو محمد، کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل، ۴/۱۹۱۔

۱۹۱۔ الطبری، تہذیب الآثار، ۴/۱۸۴۔

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری (مع فتح الباری، ۵/ ۲۱۶) میں قول الزور کی بجائے شھادہ الزور کے الفاظ ذکر فرمائے ہیں۔ صحیح بخاری میں اسی جگہ ایک اور روایت حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ سے ہے۔ جس میں آنحضرت ﷺ نے کبیرہ گناہوں اشراک باللہ، والدین کی نافرمانی کا ذکر فرمایا جبکہ آپ تکیہ زن تھے۔ پھر آپ بیٹھ گئے اور فرمایا الا وقول الزور (خبردار جھوٹی بات) حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں۔ آپ بار بار ذکر فرماتے رہے یہاں تک کہ ہماری خواہش تھی آپ خاموش ہو جائیں۔

یہ حدیث درج ذیل کتب میں بھی ہے۔

(i) مسلم، الجامع الصحیح (نور محمد اصح المطابع کراچی)، ۱/۸۴۔

(ii) احمد بن حنبل، المسند ۳/۱۳۱-۱۳۴۔

(iii) ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائینی، المسند، ۱/۵۴۔

(iv) النسائی، عبدالرحمٰن بن شعیب، السنن ۲/۲۴۹۔

۱۹۲۔ شہرستانی، الملل والنحل، ۱/۱۴۴۔

۱۹۳۔ ابن حزم الاندلسی، ابو محمد علی (م ۴۵۶) کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل، ۴/۱۹۰۔

مزید قطراز ہیں وكذلك ايضاً في الكبائر وان من عمل من الكبائر غير مصرّا عليها فهو مسلم وقالوا جائز أن يعذب الله المؤمنين بذنوبهم لكن في غير النار وأما في

النـار وقـالوا أصحاب الكبائر منهم ليسوا الكفار اصحاب الكبائر من غيرهم كفار۔

۱۹۴۔ المبرد، الکامل، ۸۶/۳۔

محمود الزعبی، البینات ۲۰۸ "یـقـول ابـن تـیـمیـه لیس فی اهل الاهواء اصدق ولا اعدل من الخوارج ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی نے السنتہ ومکانتهافی التشریع الاسلامی، ۸۱، ۸۲، میں یہ لکھا ہے وقـد ذکـر الـعلماء هنا بان اقل الفرق الاسلامیته کذباهی فرقته الخوارج الذین خرجوا علی علیّ بعد قبوله التحکیم ویرجع قلته کذبهم الی انهم یرون کفر مرتکب الـکبیـره عـلـی مـاهو المشهور عنهم او مرتکبی الذنوب مطلقا کما حکاه الکعبی فما کانوا یستحلون الکذب ولا الفسق۔

۱۹۵۔ ابن عبدالبر، التـمهیـد لما فی الموطامن المعانی والاسانید ۴۳/۱۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں مـن قـال عـلـی مالم اقل فلیتبوا مقعده من النار۔ ملاحظہ ہو ملا علی قاری، نور الدین علی بن محمد بن سلطان، الاسرار لمرفوعة فی الاخبار الموضوعة، ص ۶۷۔

۱۹۶۔ ملا علی قاری، الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ، ص ۳۹-۴۲۔

۱۹۷۔ الشافعی، الرسالۃ، ص ۳۹۵۔

۱۹۸۔ الاسرار المرفوعہ، ص ۶۸، قال شیخ مشائخنا الحافظ جلال الدین السیوطی: لا أعلم شیئا من الکبائر قال احد من اهل السنته بتکفیر مرتکبه إلا الکذب علی رسول اللهﷺ۔

۱۹۹۔ الخطیب البغدادی، الکفایۃ فی علم الروایۃ، ص ۱۴۳۔

۲۰۰۔ ابن عبدالبر، التمہید، ۴۳/۱۔

۲۰۱۔ الشافعی، الرسالۃ، ص ۳۹۷-۳۹۸۔

۲۰۲۔ ایضاً، ص ۳۹۸۔

۲۰۳۔ ابن حجر، نزھۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر (فاروقی کتب خانہ ملتان) ص ۱۳۲-۱۳۳، نزھۃ ص ۴۳، ما یکون بسبب تھمۃ الراوی بالکذب ھو المتروک مزید ملاحظہ ہو۔ قاسمی، قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث ص ۱۳۱۔

۲۰۴۔ محمود زعبی، البینات، ص ۱۹۳۔

۲۰۵۔ الخطیب البغدادی، الکفایۃ، ص ۱۳۰۔ یہ روایت مزید دیکھیں۔ العراقی، التقیید والایضاح شرح مقدمۃ ابن الصلاح، ص ۱۵۰۔

۲۰۶۔ الکفایۃ، ص ۱۲۵۔

۲۰۷۔ محمد محمد ابوزھو، الحدیث والمحدثون، ص ۸۸۔

۲۰۸۔ ابن تیمیہ ابوالعباس احمد، منھاج السنتہ النبویہ فی نقض کلام الشیعتہ والقدریہ (مکتبہ سلفیہ لاہور) ۱/۱۵۔ اس کے ساتھ ہی مزید تفصیل اس طرح ہے واما الرافضتہ، فاصل بدعتھم عن زندقتہ والحاد وتعمد الکذب فیھم کثیروھم یقرون ذلك حیث یقولون دیننا التقیتہ وھو ان یقول احدھم بلسانہ خلاف ما فی قلبہ وھذا ھو الکذب والنفاق۔ عبدالغفار حسن، عظمت حدیث، ۳۱۵ میں امام ابن تیمیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ وہ (خوارج) قرآن کے علاوہ مفسر قرآن سنت ہی سمجھتے ہیں۔

۲۰۹۔ الحدیث والمحدثون، ص ۸۷۔

۲۱۰۔ محمود زعبی، البینات، ص ۲۰۹۔

۲۱۱۔ (i) الکفایہ، ص ۱۲۳۔

(ii) ابن الجوزی، کتاب الموضوعات، ۱/۳۹، میں یہ اضافہ ہے۔ سمعت شیخا من الخوارج تاب ورجع وھو یقول الخ۔

(iii) السخاوی، فتح المغیث، ۱/۲۵۸۔

(iv) قاسمی، قواعد التحدیث، ص ۱۳۷۔

(v) السباعی، السنتہ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی، ص ۸۲۔

۲۱۲۔ السباعی، السنتہ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی، ص ۷۹۔

۲۱۳۔ ایضاً، ص ۸۲۔

۲۱۴۔ ایضاً، ص ۸۳۔

۲۱۵۔ ایضاً، ص ۸۲۔

۲۱۶۔ ایضاً۔

۲۱۷۔ ڈیانوی، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، ۴/۳۲۹۔

۲۱۸۔ طاہر پٹنی، تذکرہ الموضوعات، ۲۸، بحوالہ السنتہ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی، ص ۸۲۔

۲۱۹۔ ابن القیسرانی، کتاب الجمع بین رجال الصحیحین، ۱/۳۸۹۔

۲۲۰۔ ابوالولید الباجی، التعدیل والتجریح، ۳/۱۰۱۱ (محقق ابولبابہ)۔

۲۲۱۔ ابن حجر، ھدی الساری، ۴۳۳ میں مطلق بیان کیا ہے تاہم تہذیب التہذیب میں اسے محل نظر قرار دیا ہے۔

۲۲۲۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب، ۸/۱۱۳۔ میں یہ لفظ ہیں واما قول من قال انہ خرج ما حمل

عنه قبل ان یری ما رای ففیه نظر۔

۲۲۳۔ ایضاً۔

۲۲۴۔ ایضاً۔

۲۲۵۔ الذھبی، الکاشف فی معرفة من له روایة فی الکتب الستة، ۲/۳۰۰۔ اس کے ترجمہ کے لئے مزید دیکھیں۔ الحاکم، تسمیة من اخرجھم البخاری ومسلم وما انفرد کل واحد منھما (دار الجنان، بیروت، الطبعه الاولی، ۱۹۸۷ء)، ص ۱۹۹۔

۲۲۶۔ ابن حجر، ھدی الساری، ص ۴۶۰۔

۲۲۷۔ ایضاً، ص ۴۳۲۔

۲۲۸۔ ایضاً، ص ۴۳۲-۴۳۳۔

۲۲۹۔ العجلی، احمد بن عبداللہ بن صالح، ابوالحسن، معرفة الثقات، ۲/۱۸۹۔

۲۳۰۔ بخاری، الجامع الصحیح، ۲/۸۶۷۔

۲۳۱۔ بطور نمونہ (i) مسلم، الجامع الصحیح، ۲/۱۹۷-۱۹۸۔
(ii) الترمذی، السنن، ۱/۲۰۵۔ (iii) النسائی، السنن، ۲/۲۹۱۔

۲۳۲۔ ھدی الساری، ص ۴۳۳۔

۲۳۳۔ ایضاً۔

۲۳۴۔ الذھبی، میزان الاعتدال، ۳/۲۳۵ یہ بھی اس میں ہے: مات سنة اربع وثمانین۔

۲۳۵۔ ھدی الساری، ص ۴۶۰۔

۲۳۶۔ ایضاً، ص ۴۵۰۔

۲۳۷۔ الرازی، ابومحمد عبدالرحمٰن، ابن ابی حاتم، کتاب الجرح والتعدیل، ۹/۱۴۔

۲۳۸۔ میزان الاعتدال، ۴/۳۵۴، مزید یہ بھی ہے: قال ابو داؤد ثقه الا انه اباضی وقال ابن سعد لیس بذلك وقال ابن معین ثقة۔

۲۳۹۔ کتاب الجرح والتعدیل، ۹/۱۴۔

۲۴۰۔ ابوالولید الباجی، التعدیل والتجریح، ۳/۱۱۸۹۔

۲۴۱۔ تہذیب التھذیب، ۱۱/۱۳۰-۱۳۱۔

۲۴۲۔ ابن القیسرانی، الجمع بین رجال الصحیحین، ۲/۵۳۶-۵۳۷۔

۲۴۳۔ الذھبی، الکاشف، ۳/۲۱۲۔

۲۴۴۔ ابن حبان، کتاب الثقات، ۷/۵۴۸۔

۲۴۵۔ البخاری، الجامع الصحیح، ۱/۴۳۸۔

۲۴۶۔ مسلم، الجامع الصحیح، ۲/۲۹۸۔

۲۴۷۔ ایضاً۔

۲۴۸۔ ابن ماجہ، السنن، ص۱۴۵۔ ابوداؤد، السنن مع شرح عون المعبود، ۲/۱۸۵۔

۲۴۹۔ بخاری، الجامع الصحیح، ۲/۸۰۹-۸۱۰۔

۲۵۰۔ مسلم، الجامع الصحیح، ۲/۱۸۰۔

۲۵۱۔ بخاری، الجامع الصحیح، ۲/۸۱۰۔

۲۵۲۔ مسلم، الجامع الصحیح، ۲/۱۸۰۔

۲۵۳۔ ابن ماجہ، السنن، ص۲۴۲۔

۲۵۴۔ الترمذی، السنن، ۲/۷۔

۲۵۵۔ ابوداؤد، السنن (مع عون المعبود)، ۳/ ۴۱۰۔

۲۵۶۔ فراھیدی، خلیل بن احمد، کتاب العین (دار الھجرۃ قم ایران) ۲/۱۹-۱۹۱۔

۲۵۷۔ ابن درید، ابوبکر محمد بن حسن، جمھرۃ اللغۃ (دار صادر بیروت) ۳/۶۳۔

۲۵۸۔ ازھری، ابومنصور محمد بن احمد، تھذیب اللغۃ (دار الکتب المصریہ) ۳/۶۱-۶۳۔

۲۵۹۔ ابن منظور، لسان العرب، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۸/ ۱۸۸-۱۸۹۔

۲۶۰۔ الفیومی، احمد بن محمد، المصباح المنیر، ص۳۲۹۔

۲۶۱۔ ابن الاثیر، النھایۃ فی غریب الحدیث والاثر، ۲/۵۱۹-۵۲۰۔

۲۶۲۔ المعجم الوسیط، ص۵۰۴-۵۰۵۔

۲۶۳۔ ابن خلدون، المقدمہ (القاھرۃ، ۱۳۲۹ھ) ص۲۱۵۔

۲۶۴۔ بلیاوی، مصباح اللغات، ص۴۳۵-۴۳۶۔

۲۶۵۔ مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات (فیروز سنز لاہور، تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۳ء) ص۸۵۵۔

۲۶۶۔ الصافات (۳۷) ۸۳۔

۲۶۷۔ مریم (۱۹) ۶۹۔

۲۶۸۔ القصص (۲۸) ۱۵۔

۲۶۹۔ الحجر (۱۵) ۱۰۔

۲۷۰۔ الانعام(۶)۶۵۔

۲۷۱۔ الانعام(۶)۱۵۹۔

۲۷۲۔ القصص(۲۸)۴۔

۲۷۳۔ الروم(۳۰)۳۱-۳۲۔

۲۷۴۔ السبا(۳۴)۵۴۔

۲۷۵۔ القمر(۵۴)۵۱۔

۲۷۶۔ احمد،المسند،۷/۱۹۰۔

۲۷۷۔ اردو دائرہ معارف الاسلامیہ(پنجاب یونیورسٹی لاہور،طبع اوّل ۱۹۷۵ء)۱۱/۸۹۸۔

۲۷۸۔ قاضی ثناء اللہ،السیف المسلول(ترجمہ محمد رفیق الاثری،فاروقی کتب خانہ ملتان ۱۹۷۹ء)ص۱۸-۳۳۔

۲۷۹۔ شاہ عبدالعزیز،تحفۂ اثناء عشریہ(اردو ترجمہ،میر محمد کتب خانہ،کراچی)ص۲۱تا۳۹۔

۲۸۰۔ صدیقی،فیض عالم،حقیقت مذہب شیعہ(۲۵۲-۲۸۶: ظہیر،احسان الٰہی،الشیعہ والسنۃ(مختصر)
(ادارہ ترجمان السنہ لاہور)ص۶۹۔

۲۸۱۔ اسلامی مذاہب،ص۹۷۔

۲۸۲۔ سید حسین مرتضیٰ،شیعہ کتب حدیث کی تاریخ تدوین(زہرا اکادمی،کراچی،طبع اول ۱۹۹۳ء)ص۹
نجرامی،محمد یوسف،ڈاکٹر،الشیعہ فی المیزان،ص۱۱۶-۱۱۷میں لکھتے ہیں:

"فالحديث عند الشيعة كما ذكرت عبارة عن قول المعصوم حيث جعلوا له وظيفة المشرع ومادام الإمام معصوما فهو لا ينطق عن الهوى وأنه يتلقى العلم من الرسول ﷺ الذى تلقاه بدوره من الله عز وجل. يروى الكلينى فى كافيه عن الإمام أبى عبدالله جعفر الصادق أنه قال: إن لله علمين: علم مكنون مخزون لا يعلمه إلا هو من ذلك يكون البداء، وعلم علمه ملائكته ورسله وأنبياءه فنحن نعلمه(أبو محمد الحسن بن موسى النوبختى، فرق الشيعة، صححه وعلق عليه السيد محمد صادق،١/١٤٧).

"يتضح من هنا أن قول الإمام يترادف الحديث عندهم فكل ماورد عن الائمة فهو صحيح، ونظرًا لهذا الخلاف الذى وقع بين أهل السنة والشيعة حول مفهوم السنة فإن الشيعة قد قاموا بوضع مصطلحات خاصة للحديث حسب صحة درجته وهى: الصحيح والحسن والموثوق والضعيف".

"النوع الأول الصحيح: وهو ما اتصل سنده إلى المعصوم بنقل العدل الإمامى عن

مثله في جميع الطبقات حيث تكون متعددة(للشيخ عبدالله المامقانى ، مقياس الهداية فى علم الدراية، ص۳۳)"۔

"النوع الثانى الحسن: وهو ما اتصل سنده إلى المعصوم عليه السلام بإمامى ممدوح مدحا معتدًا به، غير معارض بذم من غير نص على عدالته، مع تحقق ذلك فى جميع مراتب رواة طريقه أو فى بعضها"(نفس المصدر، ص۳٤).

النوع الثالث: الموثوق: وهو ما اتصل سنده إلى المعصوم بمن نص الأصحاب على توثيقه مع فساد عقيدته بأن كان من أحد الفرق المخالفة للإمامية وإن كان من الشيعة مع تحقق ذلك فى جميع رولة طريقه، أو بعضهم مع كون الباقين من رجال الصحيح(نفس المصدر السابق، ص۳٥).

النوع الرابع: الضعيف: وهو ما لم يجتمع فيه شرط أحد الأقسام السابقة بأن اشتمل طريقة على مجروح بالفسق ونحوه، أو على مجهول الحال أو مادون ذلك كالوضاع"(نفس المصدر، ص۳٥).

۲۸۳۔ النساء(۴)۵۹۔

۲۸۴۔ شیعہ کتب حدیث کی تاریخ تدوین، ص۲۳۔

۲۸۵۔ تاریخ حدیث ومحدثین، ص۹۹۔

۲۸۶۔ بارٹولڈ، ترجمہ حمزہ سردار: جغرافیہ ایران، تہران، ص۱۷۹۔

۲۸۷۔ نجاشی، کتاب الرجال (منشورات الراوری، قم) ص ۲۶۶، الطوسی، الفہرست (دارالفکر بیروت) ص۳۳۶

۲۸۸۔ زبیدی، تاج العروس (مطبعہ الخیریہ، مصر) ۳۲۲/۹۔

۲۸۹۔ روضات الجنات (مطبعہ اسماعیلیان، قم ایران) ۱۰۹/۶۔

۲۹۰۔ اردو دائرۃ معارف اسلامیہ، ۳۸۳/۱۷۔

۲۹۱۔ السیف المسلول، ۸۰-۸۱۔

۲۹۲۔ منہج المقال، ص۲۹۸؛ الصافی، ۱/۱۰۔

۲۹۳۔ تصحیح الاعتقاد، ص۲۷۔

۲۹۴۔ الوافی، ۶/۱۔

۲۹۵۔ دائرۃ المعارف الامامیہ میں احادیث کی تعداد ۱۶۰۹۹ لکھی ہے: ص۷۰؛ السید حسن صدر، تاسیس الشیعہ لعلوم الاسلام (شرکۃ النشر والطباعۃ العراقیۃ المحدودۃ، العراق) ص۲۸۸۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۷/۳۸۵۔

۲۹۶۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۷/۳۸۵؛ ڈاکٹر خالد محمود، آثار الحدیث، (دار المعارف، لاہور طبع اول ۱۹۸۵ء) ۱/۳۱۶-۳۱۷۔

۲۹۷۔ اردو دائرۃ معارف اسلامیہ، ۱۷/۳۸۵۔

۲۹۸۔ کلینی، اصول الکافی (تہران ۱۳۸۱ھ) ۲/۴۳۰۔

۲۹۹۔ اصول الکافی، ۲/۲۶۶۔

۳۰۰۔ ابن المطہر، رجال الحلی (منشورات الرضی قم) ص ۲۱۶۔

۳۰۱۔ ایضاً، ص ۲۴۰۔

۳۰۲۔ کلینی، اصول الکافی، ۱/۲۲۱۔

۳۰۳۔ سیر اعلام النبلاء (مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت) ۱۶/۳۰۳۔

۳۰۴۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۶/۳۰۴؛ اس کا ترجمہ مزید دیکھیں: ابن ندیم، الفہرست، ص ۲۷۷؛ طوسی، فہرست طوسی، ص ۱۵۶-۱۵۷؛ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۳/۸۹؛ سمعانی الانساب، ۴/۲۳۰-۲۳۷؛ خوانساری، روضات الجنات، ص ۵۵۷-۵۶۰۔

۳۰۵۔ شیعہ کتب حدیث کی تاریخ تدوین، ص ۱۷۹، بحوالہ ترجمہ وجیزہ، ص ۱۱ (دائرہ معارف الامامیہ کے مطابق حدیث کی تعداد ۱۶۰۴۴ ہے، ص ۷۰)۔

۳۰۶۔ آثار الحدیث ۱/ ۳۱۷۔

۳۰۷۔ الاردبیلی، جامع الرواۃ (مطبعہ اسماعیلیان، قم): ۲/۵۳۰-۵۳۵)؛ رجال العلامہ الحلی، ص ۲۲۷۔

۳۰۸۔ ابو جعفر طوسی، فہرست کتب الشیعہ (کلکتہ ۱۲۷۱ھ) ص ۲۵۸ (مکمل فہرست)۔

۳۰۹۔ رجال النجاشی، ص ۳۸۷؛ منتہی المقال، ص ۲۹۹؛ روضات الجنات، ص ۵۸۰ تا ۵۹۰؛ قصص العلماء، ص ۳۱۲؛ شذور العقیان، ص: ورق ۱۱۶ تا ۱۲۱؛ ہدایت حسین: فہرست عربی مخطوطات (بوھار لائبریری، کلکتہ) ص: GAL :Brockelmann, p 405.

۳۱۰۔ آثار الحدیث، ۱/ ۳۱۷۔ دائرۃ المعارف الامامیہ کے مطابق تعداد احادیث ۱۳۵۹۰ ہے۔

۳۱۱۔ آثار الحدیث، ۱/ ۳۱۷۔

۳۱۲۔ آثار الحدیث، ۱/۳۱۴۔۳۱۵۔

۳۱۳۔ شیعہ کتب احادیث، مؤلف: رجال النجاشی، ص ۲۸۷؛ منتہی المقال، ص ۲۶۹؛ روضات الجنات، ص ۵۸۵ تا ۵۹۵، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۲/۵۷۳-۵۷۴؛ الطوسی، الاستبصار: جلد اوّل، ابتدائی معلومات۔

۳۱۴۔ رجال النجاشی (منشورات داوری، قم، ایران) ص ۵۵۔

۳۱۵۔ رجال ابن داؤد الحلی (منشورات الرضی، قم، ایران) ص ۲۲۹۔

۳۱۶۔ طباطبائی، الفوائد الرجالیہ (دار العلمین، نجف) ص ۳۳۹-۳۴۰۔

۳۱۷۔ رجال العلامہ حلی، ص ۱۳۶۔

۳۱۸۔ رجال کشی، ص ۱۲۔

۳۱۹۔ عبدالحمید خروب، روایۃ الحدیث عند شیعۃ الامامیہ (مقالہ برائے ایم اے، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد، ۱۹۹۶ء، غیر مطبوع) ص ۳۵۴۔

۳۲۰۔ رجال طوسی (نجف ۱۳۸۱ھ) ص ۲۔

۳۲۱۔ رجال طوسی، ص ۵۵-۵۸۔

۳۲۲۔ الفہرست (مقدمہ)۔

۳۲۳۔ ابوزہرہ، الامام جعفر الصادق (دار الفکر العربی، بیروت) ص ۴۵۸۔

۳۲۴۔ رجال النجاشی، ص ۷۹۔

۳۲۵۔ الفوائد الرجالیہ (دار العلمین، النجف) ۲/ ۸۸۔

۳۲۶۔ المامقانی، عبداللہ، تنقیح المقال فی علم الرجال (النجف ۱۳۵۲ھ) ۱/ ۵۔

۳۲۷۔ بغدادی، الفرق بین الفرق، ص ۹۴-۹۸۔

۳۲۸۔ الملل والنحل، ۱/ ۵۵؛ تھانوی، کشاف اصطلاحات الفنون (دار الکتب العلمیہ، بیروت) ۳/ ۳۰۲۔

۳۲۹۔ منقول از شرح مختصر الفرق بین الفرق، از فلپ۔

۳۳۰۔ زھدی حسن جار اللہ، تاریخ معتزلہ، ص ۳۷ بحوالہ المنیۃ والامل ص ۲۔

۳۳۱۔ العلم الشامخ ص ۳۰۰-۴۱۵؛ تھانوی، کشاف اصطلاحات الفنون، ۳/ ۳۰۲۔

۳۳۲۔ المنیۃ والامل ص ۲۔

۳۳۳۔ زھری حسن جار اللہ، تاریخ معتزلہ، ص ۴۱۔

۳۳۴۔ الفرق بین الفرق، ص ۹۴۔

۳۳۵۔ الانتصار، ص ۱۲۶۔

۳۳۶۔ الوفیات، ۱/ ۱۸۰؛ معجم الادباء، ۱۹/ ۲۴۳۔

۳۳۷۔ تاریخ معتزلہ، ص ۵۹۔

۳۳۸۔ الفرقان (۲۵) ۶۸۔

۳۳۹۔ العقائد النسفیہ، ص ۱۱۷-۱۱۸۔

۳۴۰۔ ایضاً۔

۳۴۱۔ الانتصار ۱۶۴، العقائد النسفیہ، ص ۱۱۹۔

۳۴۲۔ الفرق بین الفرق، ص ۹۷، تاریخ معتزلہ، ص ۶۴۔

۳۴۳۔ العقائد النسفیہ، ص ۱۱۹۔

۳۴۴۔ تاریخ بغداد، ۷/۶۱۔

۳۴۵۔ عیون الاخبار، ۲/ ۱۴۸-۱۴۹۔

۳۴۶۔ A History of Christian thought, p308.

۳۴۷۔ العنکبوت (۲۹) ۴۶، مسند ابن حنبل، ۲/ ۱۸۶۔

۳۴۸۔ المائدہ (۵) ۸۲۔

۳۴۹۔ تاریخ معتزلہ، ص ۹۹۔

۳۵۰۔ ابن عبدربہ، العقد الفرید، ۱/ ۲۰۸-۲۱۸۔

۳۵۱۔ تاریخ معتزلہ، ص ۱۱۳۔

۳۵۲۔ ایضاً، ص ۱۱۲۔

۳۵۳۔ ایضاً، ص ۱۱۴۔

۳۵۴۔ تاریخ معتزلہ۔

۳۵۵۔ الشعراء (۲۶) تاریخ معتزلہ، ص ۱۴۲ بحوالہ الانتصار، ص ۱۵۔

۳۵۶۔ اسلامی مذاہب (مترجم غلام احمد حریری) ص ۲۱۶۔

۳۵۷۔ مروج الذہب مسعودی، ۲/ ۱۹۰۔

۳۵۸۔ اسلامی مذاہب، ص ۲۱۷ بحوالہ شرح نہج البلاغۃ لابن ابی الحدید۔

۳۵۹۔ الحکمی، فخر الدین بن زبیر، توضیحات الاثریہ (مکتبۃ الرشد، الریاض، ۱۹۹۹م) ص ۵۷۔

۳۶۰۔ الجاحظ، البیان والتبیین، ۱/ ۸۔

۳۶۱۔ المعیۃ والامل، ص ۲۲؛ الوفیات الاعیان، ۱/ ۵۴۷۔

۳۶۲۔ الوفیات، ۱/ ۳۲۲۔

۳۶۳۔ شرح العیون، ص ۱۶۱۔

۳۶۴۔ تاریخ معتزلہ، ص ۱۲۹۔

۳۶۵۔ الملل والنحل، ۱/ ۷۶۔

۳۶۶۔ تاریخ معتزلہ، ص ۲۷۰۔

۳۶۷۔ الملل والنحل، ۱/ ۷۵-۷۶۔

۳۶۸۔ تاریخ بغداد، ۷/ ۱۶۲۔

۳۶۹۔ الانتصار، ص ۶۰۔

۳۷۰۔ مروج الذہب، ۲/ ۳۰۲۔

۳۷۱۔ الفرق بین الفرق، ص ۹۳۔

۳۷۲۔ (المویسیہ) تاریخ معتزلہ، ص ۲۸۸۔

۳۷۳۔ تاریخ معتزلہ، ص ۲۸۸۔

۳۷۴۔ ایضاً، ص ۲۸۹۔

۳۷۵۔ تاویل مختلف الحدیث۔

۳۷۶۔ الوفیات، ۱/ ۶۸۵۔

۳۷۷۔ الوفیات، ۱/ ۶۸۶؛ الملل والنحل، ۱/ ۷۳۔

۳۷۸۔ الملل والنحل، ۱/ ۸۲۔

۳۷۹۔ ایضاً۔

۳۸۰۔ تاریخ معتزلہ، ص ۳۰۴۔

۳۸۱۔ تاریخ معتزلہ، ص ۳۰۸؛ الفرق بین الفرق، ص ۲۶۱-۲۶۲؛ کشاف اصطلاحات الفنون ۳/ ۳۰۲ (اس کتاب میں فرقوں کے نام ہیں)۔ العمید عبدالرزاق محمد الاسود، موسوعۃ الادیان المذاھب (الدرر العربیۃ للموسوعات بیروت الطبعۃ الثانیہ ۲۰۰۰م) ۲/ ۲۴۱-۲۴۲۔

۳۸۲۔ تاریخ معتزلہ، ص ۳۱۶۔

۳۸۳۔ الطبری، تاریخ الامم والملوک، ۲/ ۴۶۔

۳۸۴۔ دول الاسلام، ۱/ ۶۵۔

۳۸۵۔ مروج الذہب، ۶/ ۳۲۔

۳۸۶۔ تاریخ الامم والملوک، ۹/ ۵۵۔

۳۸۷۔ ابن الاثیر، التاریخ الکامل، ۵/ ۱۷۴۔

۳۸۸۔ تاریخ معتزلہ، ص ۳۱۸۔

۳۸۹۔ ابن قتیبہ، عیون الاخبار، ۱/۲۰۹۔

۳۹۰۔ الیعقوبی، التاریخ، ۱/۱۰۹۔

۳۹۱۔ شذرات الذہب ۱/۳۰۳۔

۳۹۲۔ معجم الادباء، ۲۰/۳۰۔

۳۹۳۔ تاریخ بغداد، ۷/۶۴۔

۳۹۴۔ تاریخ الامم والملوک، ۱۰/۲۲۰۔

۳۹۵۔ الملل والنحل، ۱/۷۸۔

۳۹۶۔ الفرق بین الفرق، ص ۱۵۷۔

۳۹۷۔ الوفیات، ۱/۳۲۔

۳۹۸۔ تاریخ بغداد، ۴/۱۴۲۔

۳۹۹۔ الطبری، التاریخ، ۱۰/۷۔

۴۰۰۔ الانبیاء (۲۱) ۲۔

۴۰۱۔ الطبری، التاریخ، ۱/۲۸۷۔

۴۰۲۔ الطبری، التاریخ، ۱۰/۲۸۹-۲۹۱۔

۴۰۳۔ تاریخ معتزلہ، ص ۳۳۲ بحوالہ المناقب، ص ۴۰۰۔

۴۰۴۔ تاریخ المعتزلہ، ص ۳۳۴۔

۴۰۵۔ الوفیات، ۱/۳۳۔

۴۰۶۔ طبقات الشافعیہ، ۱/۲۰۹۔

۴۰۷۔ تاریخ المعتزلہ، ص ۳۳۹؛ المناقب، ص ۳۹۴۔

۴۰۸۔ تاریخ المعتزلہ، ص ۳۴۱؛ المناقب، ص ۳۷۴۔

۴۰۹۔ المعقول المختار، ۲/۱۳۴-۱۴۳۔

۴۰۱۔ شذرات الذہب، ۲/۷۵۔

۴۱۱۔ الیعقوبی، التاریخ، ۲/۵۸۸۔

۴۱۲۔ ابن الاثیر، التاریخ الکامل، ۷/۱۶؛ الطبری، التاریخ، ۱۱/۱۹، ۲۰۔

۴۱۳۔ تاریخ معتزلہ، ص ۳۳۵۔

۴۱۴۔ الطبری، التاریخ، ۱۱/۳۶۔

۴۱۵۔ الیعقوبی، التاریخ،۲/۵۹۲۔

۴۱۶۔ الیعقوبی، التاریخ،۲/۵۹۷؛ الطبری، التاریخ،۱۱/۳۵-۳۶۔

۴۱۷۔ تاریخ معتزلہ، ص ۳۵۷۔

۴۱۸۔ الطبری، التاریخ،۱۱/۶۲-۶۶۔

۴۱۹۔ تاریخ معتزلہ، ص ۳۷۰۔

۴۲۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی لاہور،۲۰۰۱ء)۲۱/۳۲۴۔

۴۲۱۔ تاریخ المعتزلہ، ص ۲۶۹-۲۷۰۔

۴۲۲۔ حدیث رسول کا تشریعی مقام (ترجمہ غلام احمد حریری) ص ۲۷۷ بحوالہ الاحکام،۲/۷۵۔

۴۲۳۔ الاحکام،۲/۶۸۔

۴۲۴۔ تدریب الراوی، ص ۱۷۔

۴۲۵۔ حدیث کا تشریعی مقام، ص ۲۷۸ بحوالہ الاحکام،۱/۱۱۹۔

۴۲۶۔ ابن القیم، اعلام الموقعین ۲/۲۲۱، حدیث کا تشریعی مقام، ص ۲۷۸۔

۴۲۷۔ الفرق بین الفرق، ص ۷۲۔

۴۲۸۔ ایضاً، ص ۷۷۔

۴۲۹۔ ایضاً۔

۴۳۰۔ الکفایۃ، ص ۲۲۰

۴۳۱۔ حدیث رسول کا تشریعی مقام بحوالہ تاویل مختلف الحدیث، ص ۲۱۔

۴۳۲۔ Hans Wehr, Dictionary of Modern written Arabic, (ed. J.M Cowan, New York, 1961).

۴۳۳۔ مجلہ دار العلوم دیوبند، مارچ ۱۹۸۸ء (محمد یوسف رامپوری، "تحریک استشراق") ص ۳۴-۳۵۔

۴۳۴۔ عمر فروخ، الاستشراق، مالہ۔۔۔ وما علیہ" الاستشراق والمستشرقون (عدد خاص، مجلۃ المنھل، عدد ۴۷۱ (اپریل/مئی ۱۹۸۹ء) ص:۱۵۔

۴۳۵۔ Karen Armstrong, Muhammad a Bibliography of the Prophet (New York, 1992) p.25

۴۳۶۔ تحریک استشراق، ص ۴۲-۴۳۔

۴۳۷۔ المصدر السابق، ص ۴۴۔

۴۳۸۔ Edward W. Saeed, Orientalism(New York, 1978) p.17-18

۴۳۹۔ السامرائی،نعمان عبدالرزاق،الفکر العربی والفکر الاستشراقی (الریاض ۱۹۸۹)ص:۳۰۔

۴۴۰۔ الندوی،ابوالحسن علی،الاسلامیات بین کتابات المستشرقین (مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت)ص ۱۵-۱۶۔

۴۴۱۔ بداوی،ڈاکٹر عبدالرحمن،موسوعۃ المستشرقین (دار العلم للملایین بیروت،الطبعۃ الاولی،۱۹۸۴ء)۔

۴۴۲۔ السباعی،ڈاکٹر مصطفی،حدیث رسول کا تشریعی مقام،ص:۲۶۶-۲۶۷۔

۴۴۳۔ مشکاۃ المصابیح،ص ۳۱۔

۴۴۴۔ سلفی،لقمان علی،ڈاکٹر،السنۃ حجیتھا ومکانتھا فی الاسلام والرد علی منکریھا (مکتبہ الایمان،المدینۃ المنورۃ، ۱۹۸۹ء،الطبعۃ الاولی)ص ۲۱۶-۲۱۷۔

۴۴۵۔ ڈاکٹر خالد علوی،حفاظت حدیث،ص ۱۷-۱۸۔

۴۴۶۔ شلبی،دکتور رؤف، السنۃ الاسلامیۃ بین اثبات الفاھمین ورفض الجاھلین (مطبعۃ التقدم،الکویت،الطبعۃ الرابعۃ،۱۹۸۲ء)ص:۱۱۷-۱۱۸۔

۴۴۷۔ السنۃ حجیتھا ومکانتھا فی الاسلام والرد علی منکریھا،ص ۲۳۰-۲۳۱؛ حمدی،دکتور محمد، الاستشراق والخلفیۃ الفکریۃ للصراع الحضاری"(دار المنار قاہرہ ۱۹۸۹ء)ص ۱۲۲۔

۴۴۸۔ المائدۃ (۵) ۳۔

۴۴۹۔ ترمذی،السنن،(تحقیق:احمد محمد شاکر،دار احیاء التراث العربی بیروت)۵/۳۴۔

۴۵۰۔ ابن حزم،الفصل فی الملل والنحل،۴/۲۲۴-۲۲۵۔

۴۵۱۔ السنۃ حجیتھا ومکانتھا فی الاسلام والرد علی منکریھا،ص ۲۴۰۔

۴۵۲۔ ابن القیم، المنار المنیف فی الصحیح والضعیف (مکتبہ المطبوعات الاسلامیہ حلب ۱۹۷۰ء)؛الحاکم،معرفۃ علوم الحدیث،ص ۶۲۔

۴۵۳۔ ابواسحاق ابراہیم بن علی الشیرازی،التعبر فی اصول الفقہ (دار الفکر دمشق،۱۴۲۱)ص ۳۲۹۔

۴۵۴۔ Gold Ziher, Muslim studies, (George Allen & Unmin Ltd.,London, First Editio[illegible] 967) 2/51

۴۵۵۔ حدیث رسول کا تشریعی مقام،۴۸۸۔

۴۵۶۔ Muslim studies

۴۵۷۔ تاریخ یعقوبی،(بیروت ۱۹۶۰)۳/۷-۸۔

۴۵۸۔ ابن الاثیر،الکامل،۴/۱۳۵؛ ابن کثیر،البدایہ والنھایہ،(دار الریان مصر ۱۹۸۸ء)ص ۱۶۵۔

۴۵۹۔ ابن تیمیہ، فتاوی (ادارۃ البحوث الاسلامیہ الریاض، ۱۹۸۱ء) ۱۲/۲۷۔

۴۶۰۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۱۱۸۹، ص ۱۹۰۔

۴۶۱۔ تاریخ تدوین، ص ۱۰۲-۱۰۳۔

۴۶۲۔ احمد المسند، مسلم، الجامع الصحیح؛ بخاری، الجامع الصحیح۔

۴۶۳۔ ابن تیمیہ، فتاوی، ۲۷/۵-۶۔

۴۶۴۔ حدیث رسول کا تشریعی مقام، ص ۴۱۹-۵۱۴۔

۴۶۵۔ ایضاً، ص ۴۷۶-۵۱۱؛ ڈاکٹر لقمان علی سلفی، السنۃ، ص ۲۲۷-۲۳۱۔

۴۶۶۔ المائدہ (۵) ۳۔

۴۶۷۔ حدیث رسول کا تشریعی مقام: ص ۴۷۷۔

۴۶۸۔ ایضاً، ص ۴۷۷-۴۷۸۔

۴۶۹۔ ایضاً، ص ۴۸۰۔

۴۷۰۔ ایضاً، ص ۴۸۲۔

۴۷۱۔ ایضاً، ص ۴۸۳-۴۸۴۔

۴۷۲۔ ایضاً، ص ۴۸۵-۴۸۶۔

۴۷۳۔ ایضاً، ص ۴۸۶۔

۴۷۴۔ ڈاکٹر لقمان علی سلفی، السنۃ، ص ۲۳۹۔

۴۷۵۔ حدیث رسول کا تشریعی مقام، ص ۵۱۱-۵۱۲۔

۴۷۶۔ تدبر، لاہور شمارہ ۵۹، جنوری ۱۹۹۸ء، ص ۱۱۔

۴۷۷۔ ہفت روزہ تکبیر، کراچی ج ۱۹، شمارہ نمبر ۵۲، ۱۹ تا ۲۵ دسمبر ۱۹۹۷ء، ص ۴۷۔

۴۷۸۔ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، ۲/۱ (فاران فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۷۳-۱۹۷۷ء) ۶/۱

۴۷۹۔ ایضاً، (فاران فاؤنڈیشن لاہور طبع اوّل ۱۹۸۹ء) ص ۱۴۔

۴۸۰۔ ایضاً، اسلامی قانون کی تدوین، ص ۶۸، بحوالہ حد رجم اور اس کی شرعی حیثیت، ص ۴۸-۴۹۔

۴۸۱۔ یوسف، صلاح الدین، حافظ، حدّ رجم اور اس کی شرعی حیثیت (المکتبہ السلفیہ لاہور) ص ۱۲-۴۸۔

۴۸۲۔ ترجمان القرآن، لاہور اکتوبر ۱۹۵۵ء، ص ۱۳۷۔

۴۸۳۔ الجزائری، توجیہ النظر الی اصول الاثر ص ۳۔

۴۸۴۔ محب اللہ بن عبدالشکور، مسلم الثبوت، ۲/۲۶۔

۴۸۵۔ الشاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، ابواسحاق، الموافقات فی اصول الشریعۃ (المطبعہ الرحمانیہ القاہرہ) ۳/۴۔

۴۸۶۔ احمد المعروف ملا جیون، نور الانوار مع شرح قمر الاقمار (مطبعہ علمی لاہور ۱۹۵۸ء) ص ۱۷۵۔

۴۸۷۔ الشوکانی، محمد بن علی، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول (دار الباز مکہ المکرمہ) ص ۲۹۔

۴۸۸۔ صدیق حسن، نواب السید، حصول المامول من علم الاصول (مطبع مصطفیٰ محمد القاہرہ ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء) ص ۳۸۔

۴۸۹۔ لکھنوی، ظفر الامانی، ص ۲۴-۲۵۔

۴۹۰۔ مبادی تدبر حدیث، ص ۲۸۔

۴۹۱۔ ایضاً ص ۱۹۱-۲۱۷۔

۴۹۲۔ ایضاً ص ۲۱۸۔

۴۹۳۔ النحل (۱۶) ۴۴۔

۴۹۴۔ مبادی تدبر حدیث، ص ۱۳۶۔

۴۹۵۔ ابن ماجہ، السنن (ادارہ احیاء السنۃ النبویہ سرگودھا) ص ۱۸۶۔

۴۹۶۔ بخاری، الجامع الصحیح (نور محمد، اصح المطابع کراچی) ۲/۱۰۰۹؛ مسلم، الجامع الصحیح ۲/۶۵، کتاب الحدود۔

۴۹۷۔ تدبر قرآن ۴/۵۰۲۔

۴۹۸۔ ایضاً ۴/۵۰۵۔

۴۹۹۔ مسلم، الجامع الصحیح ۲/۶۸۔

۵۰۰۔ تدبر قرآن ۱/۲۷۔

۵۰۱۔ صدیق حسن، حصول المامول من علم الاصول، ص ۱۲۷۔

۵۰۲۔ زرقانی، عبد العظیم، مناھل العرفان فی علوم القرآن (دار احیاء التراث العربی القاہرہ) ۲/۱۳۹-۱۴۰۔

۵۰۳۔ النجم (۵۳) ۳-۴۔

۵۰۴۔ مبادی تدبر حدیث، ص ۵۴۔

۵۰۵۔ البخاری، الجامع الصحیح ۱/۸۔

۵۰۶۔ ابن حجر، فتح الباری (ادارہ الدعوۃ والارشاد الریاض) ۱۰/۲۵۔

۵۰۷۔ مسلم، الجامع الصحیح مع شرح نووی ۱/۳۷۔

۵۰۸۔ ایضاً ۱/۳۹۔

۵۰۹۔ البقرۃ (۲) ۲۳۰۔

۵۱۰۔ تدبر قرآن، ۱/۴۹۳۔

۵۱۱۔ صحیح بخاری، ۲/۸۲۵۔

۵۱۲۔ کرمانی، شرح الجامع الصحیح البخاری (داراحیاء التراث العربی بیروت)، ۱۹/ ۲۲۸۔

۵۱۳۔ الکہف (۱۸) ۶۵۔

۵۱۴۔ تفسیر تدبر قرآن، ۴/۶۲۔

۵۱۵۔ تدبر قرآن، ۴/۵۶۔

۵۱۶۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۴۷۲۵، ص ۹۹۱-۹۹۲

۵۱۷۔ الجمعۃ (۶۲) ۲/۲۔

۵۱۸۔ البقرۃ (۲) ۱۲۹۔

۵۱۹۔ مبادی تدبر قرآن، ص ۱۱۰۔

۵۲۰۔ ایضاً، ص ۱۱۱۔

۵۲۱۔ ایضاً، ص ۱۱۰-۱۱۱۔

۵۲۲۔ الشافعی، الرسالہ، ص ۴۴۔۴۵۔

۵۲۳۔ الشافعی، کتاب الام، ۷/ ۲۷۰-۲۷۱۔

۵۲۴۔ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضلہ، ۱/ ۲۰-۲۱۔

۵۲۵۔ مبادی تدبر قرآن، ص ۲۱۸۔

۵۲۶۔ مبادی تدبر حدیث، ص ۲۰۔

۵۲۷۔ تفسیر تدبر قرآن، ۱/ ۲۳۔

۵۲۸۔ ایضاً، ۲۳-۲۴، ۴۵۸۔

۵۲۹۔ ایضاً، ص ۶۹۔

۵۳۰۔ ایضاً، ۲/ ۱۷۹۔

۵۳۱۔ ایضاً، ۳/ ۵۰، ۱۲۶، ۱۵۳، ۱۶۲، ۴۳۱، ۴۹۷۔

۵۳۲۔ ایضاً، ۵/ ۵۰۱۔

۵۳۳۔ ایضاً، ۵/ ۲۴۳-۲۴۴۔

۵۳۴۔ ایضاً، ۶/ ۱۴۳، ۲۷۳، ۳۶۰، ۴۶۹، ۵۱۶۔

منتخب مصادر و مراجع

۱۔ قرآن مجید

۲۔ ابن الابار، محمد بن عبداللہ بن ابی بکر القضاعی، المعجم اصحاب ابی علی الصدفی، مدرید ۱۸۸۵ء۔

۳۔ ایضاً، التکملہ لکتاب الصلۃ، مدرید ۱۸۸۶ء۔

۴۔ ابن ابی حاتم، عبدالرحمٰن بن محمد الرازی، علل الحدیث، دارالمعرفہ بیروت ۱۹۸۵ء۔

۵۔ ایضاً، کتاب الجرح والتعدیل، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد الطبعہ الاولیٰ ۱۹۶۴ء۔

۶۔ ایضاً، کتاب المراسیل، سانگلہ ہل شیخوپورہ۔

۷۔ ابن ابی الحدید، عزالدین ابوحامد المدائنی، شرح نہج البلاغہ، داراحیاء التراث العربی بیروت۔

۸۔ ابن ابی شیبہ، ابوبکر، المصنف، دارالفکر بیروت الطبعہ الاولیٰ ۱۹۸۹ء۔

۹۔ ابن ابی العز، صدرالدین علی بن علی، الاتباع، المکتبہ السلفیہ لاہور۔

۱۰۔ ایضاً، شرح عقیدہ الطحاویہ، مکتبہ سلفیہ لاہور۔

۱۱۔ ابن الاثیر، مجد الدین ابوالسعادات المبارک بن محمد، النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر تحقیق محمد الطناحی، انصار السنہ المحمدیہ لاہور۔

۱۲۔ ابن بشکوال، خلف بن عبدالملک، کتاب الصلۃ فی تاریخ آئمۃ الاندلس وعلماءھم ومحدثھم نشر الیہ عز عطارۃ القاہرۃ ۱۹۵۵ء۔

۱۳۔ ابن تیمیہ، ابوالعباس تقی الدین احمد بن عبدالحلیم، شرح عقیدہ واسطیہ، الدعوۃ والارشاد الریاض۔

۱۴۔ ایضاً، الصارم المسلول علی شاتم رسول، المکتبہ الاسلامی بیروت ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۱۵۔ ایضاً، مجموع فتاوی، ترتیب ابوعبدالرحمٰن بن محمد، الدعوۃ والارشاد الریاض ۱۳۸۱ھ۔

۱۶۔ ایضاً، منہاج السنۃ النبویہ فی نقض کلام الشیعۃ والقدریۃ، مکتبہ سلفیہ لاہور۔

۱۷۔ ابن الجوزی، عبدالرحمٰن، الموضوعات، دارالکتب العلمیۃ بیروت الطبعہ الاولیٰ ۱۹۹۵ء۔

۱۸۔ ابن حبان، محمد البستی، کتاب المجروحین من المحدثین والضعفاء والمتروکین، وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیہ المملکۃ العربیہ ۱۹۷۹ء/۱۳۹۴ھ۔

۱۹۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ (مقدمہ سپرنگر) مطبوع کلکتہ۔

۲۰۔ ایضاً، ایضاً، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۳۸۸ھ۔

۲۱۔ ایضاً، تقریب التہذیب، دارالفکر بیروت ۱۹۸۵ء۔

۲۲۔ ایضاً، ایضاً، المکتبہ التجاریہ مصطفیٰ احمد الباز مکۃ المکرمہ، الطبعہ الاولیٰ ۱۹۹۹ء۔

۲۳۔ ایضاً، الدرر الکامنہ فی اعیان المائۃ الثامنہ، دار الجیل بیروت ۱۹۹۳ء۔

۲۴۔ ایضاً، فتح الباری لشرح صحیح البخاری، دار النشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۹۸۱ء۔

۲۵۔ ایضاً، لسان المیزان، القاہرہ ۱۳۷۲ھ۔

۲۶۔ ایضاً، نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر، فاروقی کتب خانہ ملتان۔

۲۷۔ ایضاً، النکت علی مقدمہ ابن الصلاح، الجامعہ الاسلامیہ المدینہ المنورہ، الطبعہ الاولیٰ ۱۹۸۴ء۔

۲۸۔ ایضاً، ھدی الساری مقدمہ فتح الباری، ادارہ الدعوۃ والارشاد الریاض۔

۲۹۔ ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد بن سعید، الاحکام فی اصول الاحکام، مکتبہ عاطف الازھر الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۶۸ء۔

۳۰۔ ایضاً، کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل، مکتبہ الخانجی القاہرہ ۱۳۲۱ھ۔

۳۱۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن، المقدمہ، مصطفیٰ محمد القاہرۃ ۱۳۲۹ھ۔

۳۲۔ ابن خلکان، ابو العباس شمس الدین احمد، وفیات الاعیان، منشورات الشریف الرضی قم ایران۔

۳۳۔ ابن خیر اشبیلی، ابوبکر محمد، فہرسۃ، مکتبہ المثنیٰ بغداد ۱۹۶۳ء۔

۳۴۔ ابن درید، ابوبکر محمد بن حسن، کتاب الجمھرۃ فی اللغۃ، دار صادر بیروت۔

۳۵۔ ابن دقیق العید، الاقتراح فی بیان الاصطلاح، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۸۶ء۔

۳۶۔ ابن سعد محمد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت ۱۹۸۵ء۔

۳۷۔ ابن الصلاح، ابو عمر عثمان، علوم الحدیث المعروف مقدمہ ابن الصلاح، دار الفکر دمشق الطبعہ الثالثہ ۱۹۸۴ء۔

۳۸۔ ایضاً، علوم الحدیث المعروف مقدمہ ابن الصلاح مع شرح التقیید والایضاح للعراقی، المکتبہ العلمیہ المدینہ المنورہ۔

۳۹۔ ابن عبدالبر، یوسف بن عبداللہ، الاستذکار، قاہرہ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۹۴ء۔

۴۰۔ ایضاً، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (علی ھامش الاصابۃ) دار التراث العربی، بیروت۔

۴۱۔ ایضاً، التمھید لما فی الموطا من المعانی والاسانید، مکتبۃ التجاریۃ مصطفیٰ احمد الباز مکۃ المکرمۃ ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء۔

۴۲۔ ایضاً، جامع بیان العلم وفضلہ، دار الفکر بیروت۔

۴۳۔ ابن عدی، ابو احمد عبداللہ، الکامل فی الضعفاء الرجال، دار الفکر بیروت الطبعۃ الثانیہ ۱۹۸۵ء۔

۴۴۔ ابن العربی، قاضی ابوبکر، العواصم من القواصم فی تحقیق مواقف الصحابۃ بعد وفاۃ النبی ﷺ القاہرہ۔

۴۵۔ ابن عساکر علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ، تاریخ مدینۃ دمشق بیروت۔

۴۶۔ ابن عطیہ، ابومحمد عبدالحق الفہرس، المکتب الاسلامی بیروت ۱۹۸۳ء۔

۴۷۔ ابن العماد الحنبلی، شذرات الذھب، المکتبہ التجاری بیروت۔

۴۸۔ ابن فارس، احمد، معجم مقاییس اللغہ، تحقیق عبدالسلام ھارون، دار احیاء التراث الکتب العربیہ القاھرہ، ۱۳۶۶ھ۔

۴۹۔ ابن فرحون، ابراہیم بن علی، الدیباج المذہب فی معرفۃ اعیان المذہب، القاھرہ ۱۳۵۱ھ۔

۵۰۔ ابن الفرضی، ابوالولید عبداللہ بن محمد بن یونس الازدی، تاریخ علماء الاندلس، مدرید ۱۹۸۲ء۔

۵۱۔ ابن فہد مکی، تقی الدین ابوالفضل محمد بن محمد، لحظ الالحاظ ذیل طبقات الحفاظ مع تذکرۃ الحفاظ، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۸ء۔

۵۲۔ ابن القوطیہ محمد بن عمر، تاریخ فتح الاندلس، المطبعہ المحمودیہ القاھرہ۔

۵۳۔ ابن قیم الجوزیہ، شمس الدین ابوعبداللہ محمد، اعلام الموقعین، دارالکتب الحدیثہ مصر ۱۹۶۹ء۔

۵۴۔ ایضاً، المنار المنیف فی الصحیح والضعیف، تحقیق ابوغدۃ بیروت۔

۵۵۔ ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل، تفسیر القرآن العظیم، سہیل اکیڈمی لاہور ۱۹۷۳ء۔

۵۶۔ ایضاً، البدایہ والنہایہ، دارالریان مصر ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء۔

۵۷۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید، السنن، ادارہ احیاء السنۃ النبویہ سرگودھا۔

۵۸۔ ایضاً، ایضاً، دارالسلام الریاض، الطبعۃ الاولی ۱۹۹۹ء۔

۵۹۔ ابن ماکولا، ابونصر علی بن ہبۃ اللہ، الاکمال فی رفع الارتیاب عن المؤتلف والمختلف من الاسماء والکنی والانساب، دارالکتب العلمیہ بیروت الطبعۃ الاولی ۱۹۹۰ء۔

۶۰۔ ابن المطہر، رجال الحلی، منشورات الرضی قم۔

۶۱۔ ابن منظور، ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب، دارصادر بیروت۔

۶۲۔ ابن وضاح محمد، کتاب البدع والنھی عنھا، مکتبہ التوحید والسنۃ پشاور۔

۶۳۔ ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث، السنن، القاھرہ۔

۶۴۔ ایضاً، ایضاً دارالسلام الریاض، الطبعۃ الاولی ۱۹۹۹ء۔

۶۵۔ ایضاً، المراسیل، ابن تیمیہ اکادمی لاہور۔

۶۶۔ ابوزہرہ محمد، احمد ابن حنبل، مکتبہ سلفیہ لاہور۔

۶۷۔ ایضاً، اسلامی مذاہب، ترجمہ غلام احمد حریری، ملک برادرز فیصل آباد طبع دوم ۱۹۷۰ء۔

۶۸۔ ابوزھو محمد محمد، الحدیث والمحدثون، دارالکتاب العربی بیروت ۱۹۸۴ء۔

۶۹۔ ایضاً، الحدیث والمحدثون (ترجمہ تاریخ حدیث ومحدثین غلام احمد حریری) مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور۔

۷۰۔ ابوعبید قاسم بن سلام، کتاب النسب، دارالفکر بیروت الطبعہ الاولیٰ ۱۹۸۹ء۔

۷۱۔ ابوعمرو، رجال کشی، مطبوعہ مؤسسہ الاعلمی کربلا عراق۔

۷۲۔ ابوالفضل محمد یاسین بن محمد الفارانی المکی، العجالۃ فی الاحادیث المسلسلہ، مطبعۃ عطاہیریہ جکارتہ انڈونیشیا۔

۷۳۔ ابومحمد عبدالمہدی بن عبدالقادر بن عبدالھادی، طرق تخریج حدیث، دارالاعتصام القاہرہ۔

۷۴۔ اثری، ارشادالحق، پاک وہند میں علمائے اہل حدیث کی خدمات، ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد طبع دوم ۲۰۰۱ء۔

۷۵۔ اثری، عبدالجلیل، تحفۃ اہل النظر فی مصطلح اہل الاثر، یادگار لائبریری گوجرانوالہ ۱۹۹۸ء۔

۷۶۔ احسان الحق، سبیل المسلمین، ادارہ صوت القرآن لاہور۔

۷۷۔ احسان عباس، الدکتور، تاریخ الادب الاندلس، دارالثقافۃ بیروت ۱۹۷۹ء۔

۷۸۔ احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ، جامعۃ ام القریٰ مکہ المکرمہ، الطبعہ الاولیٰ ۱۹۸۳ء۔

۷۹۔ ایضاً، کتاب الاسامی والکنی (تحقیق عبداللہ بن یوسف الجدیع) مکتبہ دارالاقصیٰ الکویت ۱۹۸۵ء۔

۸۰۔ ایضاً، کتاب العلل ومعرفۃ الرجال (تحقیق الاستاذ الدکتور طلعت قوج ییکیت، الاستاذ الدکتور اسماعیل جراح اوغلی) المکتبہ الاسلامیہ استانبول ترکیا ۱۹۸۷ء۔

۸۱۔ ایضاً، المسند، دارالفکر القاہرہ۔

۸۲۔ ایضاً، ایضاً، دارالفکر بیروت۔

۸۳۔ احمد امین، ظہر الاسلام، دارالکتاب العربی بیروت ۱۹۷۹ء

۸۴۔ احمد سعید دہلوی، حدیث قدسیہ، دارالمطالعہ حاصل پور۔

۸۵۔ احمد محمد شاکر، الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث، دارالتراث القاہرہ ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء۔

۸۶۔ احمد محمد نور، ڈاکٹر، من ادب المحدثین فی التربیۃ والتعلیم، دارالبحوث للخدمات الاسلامیہ واحیاء التراث دبئ الطبعہ الثانیہ ۱۹۹۸ء۔

۸۷۔ الاردبیلی، جامع الرواۃ، مطبعہ اسماعیلیان قم۔

۸۸۔ الازدی، ابومحمد عبدالغنی بن سعید، کتاب المؤتلف والمختلف فی الاسماء نقلۃ الحدیث وکتاب مشتبہ النسبہ مطبعہ انوار احمدی الہ آباد الہند۔

۸۹۔ الازہری، ابومنصور محمد بن احمد، تہذیب اللغۃ، دارالکتب المصریہ القاہرہ۔

۹۰۔ الازہری، پیر محمد کرم شاہ، سنت خیر الانام، بھیرہ پنجاب طبع اولیٰ ۱۹۵۵ء۔

۹۱۔ اسعدی، محمد عبداللہ، علوم الحدیث، مجلس نشریات اسلام کراچی۔

۹۲۔ الاشعری، ابوالحسن علی بن اسماعیل، الابانۃ عن الاصول الدیانۃ، مکتبہ دارالبیان بیروت الطبعہ الاولیٰ ۱۹۸۱ء۔

۹۳۔ اصغر حسین، حیات شیخ الہند، ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۷۷ء۔

۹۴۔ الاصفہانی، ابوالقاسم حسین بن محمد المعروف الراغب، المفردات فی غریب القرآن، دارالمعرفۃ بیروت۔

۹۵۔ الاصفہانی، ابونعیم احمد بن عبداللہ، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء مصر ۱۳۵۱ھ۔

۹۶۔ ایضاً، ایضاً، دارالکتب العلمیہ بیروت الطبعہ الاولیٰ ۱۹۸۸۔

۹۷۔ ایضاً، معرفۃ الصحابہ، مکتبۃ الحرمین الریاض الطبعہ الاولیٰ ۱۹۸۸ء۔

۹۸۔ اصلاحی، امین احسن، اسلامی قانون کی تدوین، فاران فاؤنڈیشن لاہور، ۲۰۰۰ء۔

۹۹۔ ایضاً، تدبر القرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۷۳ء۔ ۱۹۷۷ء۔

۱۰۰۔ ایضاً، مبادی تدبر حدیث فاران فاؤنڈیشن لاہور طبع الاولیٰ ۱۹۸۹ء۔

۱۰۱۔ اصلاحی، ضیاء الدین، تذکرۃ المحدثین نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد طبع اول ۱۹۸۹ء۔

۱۰۲۔ اصلاحی، نجم الدین، ودلائل السنن والآثار، ادارہ معارف اسلامیہ منصورہ لاہور طبع اول ۱۹۸۷ء۔

۱۰۳۔ اطہر مبارک پوری، قاضی، رجال السند والہند، المطبع الحجازیہ بمبئی ۱۹۵۸ء۔

۱۰۴۔ الالبانی، محمد ناصر الدین، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، المکتب الاسلامی بیروت۔

۱۰۵۔ ایضاً، سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ، المکتبہ الاسلامی بیروت۔

۱۰۶۔ امرتسری، خواجہ احمد دین، تسہیل برہان القرآن، دوست ایسوسی ایٹس لاہور۔

۱۰۷۔ امین ابولاوی، اصول الجرح والتعدیل، دار ابن عفان المملکۃ العربیۃ السعودیۃ۔

۱۰۸۔ امینی، محمد تقی، حدیث کا درایتی معیار، قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۹۸۶ء۔

۱۰۹۔ الانصاری، حماد بن محمد، یانع الثمر فی مصطلح اہل الاثر، مکتبہ ابن قیم المدینۃ المنورہ۔

۱۱۰۔ الانصاری، زکریا بن محمد ابویحییٰ، فتح الباقی بشرح الفیۃ العراقی مجلس التحقیق الاثری جہلم ۱۴۱۳ھ۔

۱۱۱۔ انظر شاہ مسعودی، نقش دوام، مکتبہ بنوریہ کراچی۔

۱۱۲۔ انعام اللہ جان، یہودی سازشیں اور فتنہ انکار حدیث پشاور۔

۱۱۳۔ الباجی، سلیمان بن خلف، ابوالولید، التعدیل والتجریح، دار اللواء الریاض ۱۹۸۵ء

۱۱۴۔ باقلانی، محمد بن طیب، ابوبکر، اعجاز القرآن، دارالمعارف مصر القاہرہ الطبعۃ الثالثہ۔

۱۱۵۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، التاریخ الاوسط، دار الصمیعی الریاض الطبعہ الاولیٰ ۱۹۹۸ء۔

۱۱۶۔ ایضاً، التاریخ الکبیر، دارالفکر، بیروت۔

۱۱۷۔ ایضاً، الجامع الصحیح، مکتبہ دارالسلام الریاض الطبعۃ الثانیہ ۱۹۹۹ء

۱۱۸۔ ایضاً، الکنی، دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد ۱۳۶۰ھ۔

۱۱۹۔ بدوی، عبدالرحمٰن، ڈاکٹر، موسوعۃ المستشرقین، دارالعلم للملایین بیروت الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۸۴ء۔

۱۲۰۔ برق، غلام جیلانی، دو اسلام، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔

۱۲۱۔ ایضاً، حرف محرمانہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔

۱۲۲۔ برنی، آئی ایچ، مسلم سپین، کفایت اکیڈمی کراچی ۱۹۹۰۔

۱۲۳۔ البغدادی، عبدالقاہر بن طاہر، الفرق بین الفرق، دارالمعرفۃ بیروت الطبعۃ الثالثۃ ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱ء۔

۱۲۴۔ البغوی، ابومحمد حسین بن مسعود، مصابیح السنہ، دارالمعرفہ بیروت الطبعہ الاولیٰ ۱۹۸۷ء۔

۱۲۵۔ ایضاً، معالم التنزیل المعروف تفسیر بغوی (علی حاشیہ تفسیر خازن) دارالفکر بیروت۔

۱۲۶۔ ایضاً، ایضاً، مصطفی البابی، واولادہ بمصر، الطبعہ الثانیہ ۱۹۵۵ء۔

۱۲۷۔ بلخی، افتخار احمد، انکار حدیث کا منظر و پس منظر، مکتبہ چراغ راہ کراچی۔

۱۲۸۔ بلیاوی، ابوالفضل عبدالحفیظ، مصباح اللغات، سعید اینڈ کمپنی کراچی ۱۹۷۳ء۔

۱۲۹۔ بہاری، فضل حسین، الحیاۃ بعد المماۃ، مکتبہ شعیب حدیث منزل کراچی ۱۹۵۹ء۔

۱۳۰۔ البہاری، محب اللہ بن عبدالشکور، مسلم الثبوت مع شرح فواتح الرحموت المطبعۃ المنیریہ مصر ۱۳۲۲ھ۔

۱۳۱۔ بھٹی، محمد اسحاق، برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، مکتبہ قدوسیہ لاہور۔

۱۳۲۔ ایضاً، فقہائے ہند (تیرھویں صدی ہجری) ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور۔

۱۳۳۔ البیہقی، احمد بن الحسین، ابوبکر، دلائل النبوۃ، مطابع الاھرام التجاریۃ ۱۹۶۹ء۔

۱۳۴۔ ایضاً، مناقب الشافعی، دارالتراث القاہرہ۔

۱۳۵۔ پانی پتی، ثناء اللہ قاضی، السیف المسلول (ترجمہ محمد رفیق الاثری) فاروقی کتب خانہ ملتان ۱۹۷۹ء۔

۱۳۶۔ پٹنی، محمد طاہر، تذکرۃ الموضوعات، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۳۹۹ھ۔

۱۳۷۔ پرویز، غلام احمد، تصوف کی حقیقت، طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور ۱۹۹۶ء۔

۱۳۸۔ ایضاً، معارف القرآن، طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور۔

۱۳۹۔ ایضاً، معراج انسانیت، طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور۔

۱۴۰۔ التبریزی الخطیب، ابوعبداللہ محمد، مشکاۃ المصابیح، دارالفکر بیروت الطبعہ الاولیٰ ۱۹۹۱ء۔

۱۴۱۔ ایضاً، ایضاً، قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۳۶۸ھ۔

۱۴۲۔ ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، السنن، دارالسلام الریاض الطبعہ الاولیٰ ۱۹۹۹ء۔

۱۴۳۔ ایضاً، ایضاً، قرآن محل کراچی۔

۱۴۴۔ تمنا عمادی، محی الدین، اعجاز القرآن واختلاف قرأت، رحمان پبلشنگ ناظم آباد کراچی ۱۹۹۴ء۔

۱۴۵۔ العوجی، محمد ڈاکٹر، معجم الاعلام الحدیث النبوی، مرکز المخطوطات الکویت الطبعہ الاولیٰ ۱۹۹۹ء۔

۱۴۶۔ التھانوی، محمد علی بن علی بن محمد، کشاف اصطلاحات الفنون، دار الکتب العلمیہ بیروت الطبعہ الاولیٰ ۱۹۹۹ء۔

۱۴۷۔ جرجانی، السید شریف، التعریفات، مکتبہ المصطفیٰ البابی واولادہ مصر ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء۔

۱۴۸۔ الجزائری، طاہر بن صالح، توجیہ النظر الی اصول الاثر، دار المعرفۃ بیروت القاہرۃ ۱۳۲۸ھ۔

۱۴۹۔ جوہری، اسماعیل بن حماد، ابو الفداء، الصحاح (مقدمہ) القاہرہ۔

۱۵۰۔ جھنڈانگری، عبد الرؤف رحمانی، العلم والعلماء، مکتبہ قدوسیہ لاہور۔

۱۵۱۔ جیراجپوری، محمد اسلم، غلام احمد پرویز، مقام حدیث، طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور طبع پنجم ۱۹۹۲ء۔

۱۵۲۔ جیراجپوری، نوادرات، طلوع اسلام کراچی،

۱۵۳۔ چشتی، عبد الحلیم، حیات وحید الزمان، نور محمد، کارخانہ تجارت آرام باغ کراچی۔

۱۵۴۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون، دار الفکر بیروت ۱۹۹۰ء۔

۱۵۵۔ الحازمی، محمد بن موسیٰ، ابوبکر، شروط الائمہ الخمسہ، حدیث اکادمی فیصل آباد ۱۹۸۲ء۔

۱۵۶۔ الحاکم، ابو عبد اللہ محمد، المستدرک، دار الکتب العلمیہ بیروت۔

۱۵۷۔ ایضاً، معرفۃ علوم الحدیث، دار افاق الجدیدۃ بیروت الطبعۃ الرابعۃ ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۱۵۸۔ الحربی، سلیمان بن ابراہیم، غریب الحدیث، جامعہ ام القریٰ مکہ المکرمہ طبع الاولیٰ ۱۹۸۵ء۔

۱۵۹۔ حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام، مکتبہ النہضہ المحمدیہ القاہرہ۔

۱۶۰۔ حسین مرتضی، سید، شیعہ کتب حدیث کی تاریخ تدوین، زہرا اکادمی کراچی طبع اول ۱۹۹۳ء۔

۱۶۱۔ حسین مونس، شیوخ العصر فی الاندلس، المکتبہ الثقافیہ الاندلس ۱۹۶۵ء۔

۱۶۲۔ حقانی، میاں قادری، دینی مدارس نصاب ونظام تعلیم اور عصری تقاضے، فضلی سنز کراچی ۲۰۰۲ء۔

۱۶۳۔ الحمیدی، ابو عبد اللہ، جذوۃ المقتبس فی ذکر ولاۃ الاندلس، مصر ۱۳۷۲ھ۔

۱۶۴۔ خازن، علاء الدین علی بن محمد البغدادی، تفسیر الخازن المسمیٰ بہ لباب التاویل فی معانی التنزیل، دار الفکر بیروت ۱۹۷۹ء۔

۱۶۵۔ خالد علوی، ڈاکٹر، اصول الحدیث (مصطلحات وعلوم) الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور ۱۹۹۸ء۔

۱۶۶۔ ایضاً، حفاظت حدیث، الفیصل ناشران وتاجران کتب، اردو بازار لاہور ۱۹۹۹ء۔

۱۶۷۔ خالد محمود، آثار الحدیث، دار المعارف لاہور، ۱۹۸۸ء۔

۱۶۸۔ خروب، عبدالحمید، روایۃ الحدیث عند الشیعۃ الامامیہ، مقالہ برائے ایم اے، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد، ۱۹۹۶ء، غیر مطبوع۔

۱۶۹۔ خطابی، ابوسلیمان حمد بن محمد، غریب الحدیث، جامعۃ ام القریٰ مکہ المکرمہ ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء۔

۱۷۰۔ ایضاً، معالم السنن، دارالمعرفہ بیروت ۱۴۰۰ھ۔

۱۷۱۔ الخطیب البغدادی، ابوبکر احمد بن علی، تاریخ بغداد، المکتبۃ السلفیہ المدینہ المنورہ۔

۱۷۲۔ ایضاً، الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع، مکتبہ المعارف الریاض ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء

۱۷۳۔ ایضاً، الرحلۃ فی طلب الحدیث، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۹۷۵ء۔

۱۷۴۔ ایضاً، شرف اصحاب الحدیث، دارالطباعۃ الی مطبع سی انقرہ، الطبعۃ الثانیہ ۱۹۹۱ء۔

۱۷۵۔ ایضاً، الکفایۃ فی علم الروایۃ، المکتبۃ العلمیہ بیروت۔

۱۷۶۔ الخطیب، محمد عجاج، السنۃ قبل التدوین، مکتبہ وھبہ عابدین، القاہرہ ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء۔

۱۷۷۔ ایضاً، لمحات فی المکتبات والبحث والمصادر ؟

۱۷۸۔ الخولی، عبدالعزیز محمد، تاریخ فنون الحدیث، دارالقلم بیروت، الطبعہ الاولی ۱۹۸۶ء۔

۱۷۹۔ الدارمی، ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن، السنن، دارالفکر بیروت۔

۱۸۰۔ الذہبی، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان، ابوعبداللہ، تذکرۃ الحفاظ، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۸ء۔

۱۸۱۔ ایضاً، تذکرۃ الحفاظ، دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد، الطبعۃ الثالثہ ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء۔

۱۸۲۔ ایضاً، سیر اعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالہ بیروت، الطبعہ السابعہ ۱۹۹۰ء/۱۴۱۰ھ

۱۸۳۔ ایضاً، العبر فی خبر من غبر، دارالکتب العلمیہ بیروت۔

۱۸۴۔ ایضاً، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، دارالمعرفۃ بیروت ۱۳۵۲ھ/۱۹۶۲ء

۱۸۵۔ الرازی، محمد بن ابی بکر، مختار الصحاح، مکتبہ لبنان بیروت، ۱۹۸۵ء۔

۱۸۶۔ الرامہرمزی، حسن بن عبدالرحمٰن بن خلاد، ابومحمد، المحدث الفاصل بین الراوی والواعی دارالفکر بیروت ۱۹۷۱ء/۱۳۹۱ھ۔

۱۸۷۔ الربعی، محمد بن عبداللہ، ابوسلیمان، تاریخ مولد العلماء ووفیاتھم دارالعاصمہ الریاض ۱۴۱۰ھ۔

۱۸۸۔ رحمان علی، تذکرۃ علمائے ہند، نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۳۰ء۔

۱۸۹۔ رضی حیدر، محدث سورتی، سورتی اکیڈمی کراچی۔

۱۹۰۔ رؤف شبلی، الدکتور، السنۃ الاسلامیۃ بین اثبات الفاھمین ورفض الجاھلین، مطبعۃ المتقدم الکویت، الطبعۃ الرابعۃ ۱۹۸۲ء۔

۱۹۱۔ قاری روح اللہ محمد عمر المدنی علم حدیث اور اس کا ارتقاء نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن پشاور ۱۹۸۹ء۔

۱۹۲۔ زبید احمد، ڈاکٹر عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور۔

۱۹۳۔ زبیدی، سید مرتضیٰ، تاج العروس من جواہر القاموس، مکتبہ الخیریہ قاہرہ مصر ۱۳۰۳ھ۔

۱۹۴۔ زرقاء، مصطفیٰ احمد، معجم، فقہ ابن حزم، مطبعۃ جامع دمشق۔

۱۹۵۔ زرقانی، عبدالعظیم، مناھل الفرقان فی علوم القرآن، دار احیاء التراث العربی القاھرہ۔

۱۹۶۔ زرکلی، خیر الدین، الاعلام، دار العلم الملایین بیروت الطبعہ الثامنہ ۱۹۸۹ء۔

۱۹۷۔ الزمخشری، ابو القاسم جار اللہ محمود بن عمر، اساس البلاغہ، دار الکتب المصریہ، القاہرہ ۱۹۵۷ء۔

۱۹۸۔ ایضاً، الفائق فی غریب الحدیث، دار الکتب العلمیہ بیروت، الطبعہ الاولیٰ ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۶ء۔

۱۹۹۔ الزھرانی محمد بن مطر، تدوین السنۃ النبویۃ نشأتہ وتطورہ، مکتبۃ الصدیق الطائف، الطبعہ الاولیٰ ۱۴۱۲ھ۔

۲۰۰۔ زیات، احمد حسن، تاریخ ادب عربی، مترجم، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور۔

۲۰۱۔ السامرائی نعمان عبد الرزاق، الفکر العربی والفکر الاستشراقی، الریاض ۱۹۸۹ء۔

۲۰۲۔ السباعی، ڈاکٹر مصطفیٰ، السنہ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی، المطبعہ المدنی القاہرہ الطبعہ الاولیٰ ۱۹۶۱ء۔

۲۰۳۔ ایضاً، السنہ و مکانتھا فی التشریع الاسلامی (اردو: حدیث رسول کا تشریعی مقام، مترجم پروفیسر غلام احمد حریری، ملک سنز پبلشرز فیصل آباد ۱۹۹۴ء۔

۲۰۴۔ السجستانی، حبیب اللہ بن عطاء، آداب الطالب والعالم والمحدث، مکتبہ محمود سلام کراچی۔

۲۰۵۔ السخاوی، محمد بن عبد الرحمٰن، الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ، دار الکتاب العربی بیروت ۱۹۸۳ء۔

۲۰۶۔ ایضاً، الضوء اللامع لاھل القرن التاسع مکتبہ القدسی القاھرہ ۱۳۵۳ھ۔

۲۰۷۔ ایضاً، فتح المغیث شرح الفیہ الحدیث للعراقی، المکتبۃ العلمیہ بیروت ۱۹۸۳ء۔

۲۰۸۔ سعید احمد رفیق، مسلمانوں کا نظام تعلیم، اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۴۲ء۔

۲۰۹۔ سعید بن عبد اللہ، ڈاکٹر، مناہج المحدثین، دار العلم السنہ الریاض ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۵ء۔

۲۱۰۔ سلفی، عزیز الرحمٰن، جماعت اہل حدیث کی تدریسی خدمات، ادارہ البحوث الاسلامیہ والدعوۃ والافتاء الجامعہ السلفیہ بنارس الہند۔

۲۱۱۔ سلفی، لقمان علی الدکتور، السنۃ حجیتھا ومکانتھا فی الاسلام والرد علی منکریھا، مکتبہ الایمان المدینہ المنورۃ ۱۹۸۹ء۔

۲۱۲۔ ایضاً، اہتمام المحدثین بنقد الحدیث سنداً ومتناً، الریاض، الطبعہ الاولیٰ ۱۹۸۷ء۔

۲۱۳۔ سلفی، محمد اسماعیل، حجیت حدیث، فاران اکیڈمی لاہور۔

۲۱۴۔ السمعانی، عبدالکریم، ابوسعد، الانساب، دارالجنان، بیروت ۱۹۸۸ء

۲۱۵۔ سیالکوٹی، محمد ابراہیم میر، تاریخ اہل حدیث، اسلامی پبلشنگ کمپنی لاہور ۱۹۵۳ء۔

۲۱۶۔ سیالکوٹی، محمد بشیر، شاہ ولی اللہ الدہلوی حیاتہ ودعوتہ، مکتبہ دارالعلم اسلام آباد ۱۹۹۳ء۔

۲۱۷۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر، تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، داراحیاء السنہ النبویہ بیروت ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء۔

۲۱۸۔ ایضاً، ایضاً، المکتبہ العلمیہ المدینہ المنورہ۔ الطبعہ الاولیٰ ۱۹۵۹ء۔

۲۱۹۔ ایضاً، ایضاً، دارالکتب العلمیہ بیروت، الطبعۃ الثانیہ ۱۹۷۹ء۔

۲۲۰۔ ایضاً، الجامع الصغیر، المکتبہ الاسلامیہ سمندری ۱۳۹۴ھ۔

۲۲۱۔ ایضاً، الدررالمنتثرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ، المکتبہ الاسلامی، بیروت ۱۹۸۴ء۔

۲۲۲۔ ایضاً، طبقات الحفاظ، مکتبہ وھبۃ، القاھرہ۔

۲۲۳۔ الشاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، ابواسحاق، الموافقات فی اصول الشریعۃ، المطبعہ الرحمانیہ القاھرہ۔

۲۲۴۔ الشافعی، محمد بن ادریس، الرسالہ، مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ بمصر، القاہرہ، الطبعۃ الثالثۃ ۱۹۸۳ء۔

۲۲۵۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، المکتبہ السلفیہ لاہور، الطبعہ الاولیٰ۔

۲۲۶۔ شاہ عبدالعزیز، بستان المحدثین (اردو ترجمہ عبدالسمیع) ایچ ایم سعید کمپنی کراچی طبع سوم ۱۹۸۴ء۔

۲۲۷۔ الشوکانی محمد بن علی، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، دارالباز مکہ المکرمہ۔

۲۲۸۔ ایضاً، فتح القدیر، مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ بمصر، ۱۳۹۱ھ۔

۲۲۹۔ الشیرازی، ابواسحاق ابراہیم بن علی، اللمع فی اصول الفقہ، دارالفکر دمشق ۱۴۲۱ھ۔

۲۳۰۔ صبحی صالح، علوم الحدیث، (مترجم غلام احمد حریری) مکتبہ کشمیر فیصل آباد، طبع پنجم ۱۹۹۰ء۔

۲۳۱۔ صدیقی، بختیار حسین، برصغیر پاک وہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۸۲ء

۲۳۲۔ صدیقی، فیض عالم، حقیقت مذہب شیعہ، مطبع تجارت پرنٹرز لاہور، طبع الاول ۱۹۷۴ء۔

۲۳۳۔ صدیقی، محمد سعد، علم حدیث اور پاکستان میں اس کی خدمت، قائداعظم لائبریری لاہور۔

۲۳۴۔ الصنعانی، عبدالرزاق بن ہمام، ابوبکر، المصنف، داراحیاء التراث العربی الطبعہ الاولیٰ ۲۰۰۲ء۔

۲۳۵۔ الضبی، احمد بن یحییٰ، بغیۃ الملتمس فی رجال الاندلس، مدرید ۱۸۸۲ء۔

۲۳۶۔ طباطبائی، الفوائد الرجالیہ، دارالمعلمین نجف۔

۲۳۷۔ الطبرانی، سلیمان بن احمد، ابوالقاسم، المعجم الصغیر، مؤسسۃ الکتب الثقافۃ بیروت ۱۹۸۶ء۔

۲۳۸۔ طبری،محمد بن جریر، جامع البیان المعروف تفسیر طبری، المکتبۃ التجاریہ القاھرہ۔

۲۳۹۔ طوسی،محمد بن حسن، ابوجعفر، رجال طوسی، نجف ۱۳۸۱ھ۔

۲۴۰۔ ایضاً، الفہرست، دارالفکر بیروت۔

۲۴۱۔ طیالسی، سلیمان بن داؤد، ابوداؤد، المسند، دارالمعرفہ بیروت۔

۲۴۲۔ ظہیر، احسان الٰہی، علامہ، الشیعہ والتشیع، ادارہ ترجمان السنہ لاہور ۱۹۸۴ء۔

۲۴۳۔ ایضاً، الشیعہ والسنہ، ادارہ ترجمان السنہ لاہور۔

۲۴۴۔ عبدالحق، ڈاکٹر، چند ہمعصر، انجمن ترقی پاکستان، ۱۹۵۰ء۔

۲۴۵۔ عبدالرحمٰن، معجم علوم الحدیث نبوی، دار ابن حزم بیروت، ۲۰۰۰ء۔

۲۴۶۔ عبدالرزاق محمد، موسوعۃ الادیان والمذاھب، الدار العربیہ للموسوعات بیروت الطبعۃ الثانیہ ۲۰۰۰ء۔

۲۴۷۔ عبدالرؤف ظفر، ڈاکٹر، مولانا سراج الاسلام حنیف، التحدیث فی علوم الحدیث، مکتبہ قدوسیہ لاہور ۲۰۰۴ء۔

۲۴۸۔ عبدالعزیز ڈاکٹر، ضوابط الجرح والتعدیل، الجامعۃ الاسلامیہ المدینہ المنورہ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۱۲ھ

۲۴۹۔ عبدالغفار حسن، عظمت حدیث، دارالعلم آب پارہ مارکیٹ اسلام آباد۔

۲۵۰۔ عبدالغنی، ریاض التاریخ، تاج بک ڈپو اردو بازار لاہور۔

۲۵۱۔ عبدالمہدی، ڈاکٹر، طرق تخریج حدیث الرسول ﷺ، دارالاعتصام القاہرہ۔

۲۵۲۔ عبدالموجود، علم الجرح والتعدیل، جامعۃ القاہرہ۔

۲۵۳۔ عتر، نورالدین، منہج النقد فی علوم الحدیث، دارالفکر بیروت، الطبعہ الثانیہ ۱۹۸۱ء۔

۲۵۴۔ عثمانی، شبیر احمد، مقدمہ فتح الملہم شرح صحیح مسلم، کتب خانہ محمودیہ دیوبند۔

۲۵۵۔ عجلونی، کشف الخفاء ومزیل الالباس، مؤسسۃ الرسالہ بیروت، الطبعہ الثالثہ ۱۹۸۳ء۔

۲۵۶۔ عجلی، احمد بن عبداللہ، ابوالحسن، تاریخ الثقات، دارالکتب العلمیہ بیروت۔

۲۵۷۔ عراقی، عبدالرشید، کاروانِ حدیث، نور اسلام اکیڈمی لاہور۔

۲۵۸۔ عطاء الرحمٰن، حافظ، بیسویں صدی میں برصغیر کے معروف منکرین حدیث کے افکار کا جائزہ، مقالہ برائے ایم۔فل، شعبہ علوم اسلامیہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور برائے سال ۲۰۰۱ء۔ زیرنگرانی پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر۔

۲۵۹۔ عظیم آبادی، شمس الحق ڈیانوی، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، نشر السنہ ملتان۔ غایۃ المقصود فی شرح

۲۶۰۔ ایضاً، غایۃ المقصود فی شرح سنن ابی داؤد، حدیث اکادمی فیصل آباد ۱۴۱۴ھ۔

۲۶۱۔ ایضاً، الوجازۃ فی الاجازۃ، حدیث اکیڈمی فیصل آباد ۱۹۸۸ء۔

۲۶۲۔ علوانی، محمد جابر فیاض، الدکتور، الامثال فی الحدیث النبوی الشریف، المعهد العالمی للفکر الاسلامی ہرنڈن (امریکہ) الطبعہ الاولی ۱۹۹۳ء۔

۲۶۳۔ العمری، اکرم ضیاء، الدکتور، بحوث فی تاریخ السنہ المشرفہ، جامعہ بغداد ۱۹۷۵ء۔

۲۶۴۔ ایضاً، موارد الخطیب البغدادی، دمشق ۱۳۹۵ھ۔

۲۶۵۔ العینی الحنفی، بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، مطبع الخیریہ مصر۔

۲۶۶۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات حدیث، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور ۲۰۰۴ء۔

۲۶۷۔ غزنوی، ابوبکر، حضرت مولانا داؤد غزنوی، مکتبہ غزنویہ لاہور ۱۹۷۴ء۔

۲۶۸۔ الغسانی، الحسین بن محمد، ابوعلی، التنبیہ والاوھام، دار اللواء الریاض ۱۹۸۷ء۔

۲۶۹۔ الخطاء، محمد حسین، اصل الشیعہ واصولھا، مطبوعہ نجف۔

۲۷۰۔ الغماری، احمد بن محمد، حصول التفریج باصول التخریج، مکتبہ طبریۃ، الریاض الطبعہ الاولی ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۲۷۱۔ فاروقی، محمد ادریس، مقام رسالت، مسلم پبلیکیشنز لاہور طبع اول ۱۹۷۰ء۔

۲۷۲۔ الفالوذہ، محمد بن الیاس، ابوابراہیم، مدخل الی علم الطبقات، مکتبہ ندارد ۲۰۰۱ء۔

۲۷۳۔ فتح پوری، نیاز، من ویزداں، ڈان بکس لاہور ۲۰۰۰ء۔

۲۷۴۔ الفراھیدی، خلیل بن احمد، کتاب العین، دار الھجرۃ قم ایران۔

۲۷۵۔ فریج علی عمر، الشیعہ فی التصور الاسلامی، دار عمار، عمان الاردن الطبعہ الاولی ۱۹۸۵ء۔

۲۷۶۔ فریوائی، عبدالرحمٰن بن عبدالجبار، جھود الخلصہ فی خدمۃ السنۃ المطھرۃ، جامعہ سلفیہ بنارس الہند ۱۹۸۴ء۔

۲۷۷۔ الفلاح، محمد عبدہ، اشرف الحواشی، شیخ محمد اشرف تاجران کتب لاہور۔

۲۷۸۔ ایضاً، تحریک اہل حدیث کے چند اوراق، ادارہ البحوث الاسلامیہ فیصل آباد ۱۹۹۱ء۔

۲۷۹۔ ایضاً، صحاح ستہ اور ان کے مؤلفین، اہل حدیث اکادمی لاہور۔

۲۸۰۔ ایضاً، امام مالک اور ان کی مؤطا، مکتبہ ضیاء السنہ فیصل آباد۔

۲۸۱۔ فواد سزگین، تاریخ التراث العربی جامعہ امام محمد بن سعود الریاض۔

۲۸۲۔ فیروز آبادی، مجدالدین محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، دار الفکر بیروت ۱۳۹۱ھ

۲۸۳۔ فیروز الدین، مولوی، فیروز اللغات، فیروز سنز لاہور راولپنڈی کراچی تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۳ء۔

۲۸۴۔ الفیومی، احمد بن محمد، المصباح المنیر، دار الھجرۃ قم الطبعہ الاولی ۱۴۰۵ھ۔

۲۸۵۔ قادری، عبدالغنی، ریاض الحدیث، لاہور ۱۹۶۹ء۔

۲۸۶۔ القاسمی، محمد جمال الدین، قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۷۹ء۔

۲۸۷۔ القاضی عیاض بن موسیٰ الیحصبی ،الالماع الی معرفۃ اصول الروایہ وتقیید السماع ،تحقیق احمد صقر ،دارالتراث القاھرہ ۱۹۷۰ء۔

۲۸۸۔ ایضاً، ترتیب المدارک وتقریب المسالک لمعرفۃ الاعلام مذہب مالک، دارالمکتبہ الحیات، بیروت

۲۸۹۔ قدوائی ،مولانا عبدالسلام ،مولانا حیدرحسن خان ،مطبع معارف ،اعظم گڑھ ۱۹۷۵ء۔

۲۹۰۔ قزوینی ،محمد مھدی سید معزالدین ،اسماء القبائل وانسابھا دارالکتب العلمیہ بیروت ۲۰۰۰ء۔

۲۹۱۔ قطب الدین ،مولانا ،مظاہر حق شرح مشکوٰۃ المصابیح ،لاہور ۱۹۶۶ء۔

۲۹۲۔ القمی ،غرائب القرآن ورغائب الفرقان ،منشورات الرضی قم۔

۲۹۳۔ قنوجی ،صدیق حسن ،نواب السید ،ابجد العلوم ،دارابن حزم بیروت طبع اول ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء۔

۲۹۴۔ ایضاً، حصول الماموں من علم الاصول ،المکتبہ التجاریہ مصر ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء۔

۲۹۵۔ ایضاً، الحطۃ فی ذکر الصحاح الستہ ،اسلامی اکادمی ،لاہور الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۷۷ء۔

۲۹۶۔ ایضاً، المنھاج شرح صحیح مسلم ،سانگلہ ہل شیخوپورہ۔

۲۹۷۔ قیم ،اسعد سالم ،علم الطبقات المحدثین ،مکتبہ الرشد الریاض ۱۹۹۴ء۔

۲۹۸۔ کتانی ،عبدالحی ،فہرس الفھارس والاثبات ومعجم المعاجم ---، المطبعۃ الجدیدہ القاہرہ ۱۳۴۶ھ۔

۲۹۹۔ کتانی ،محمد بن جعفر ،الرسالہ المستطرفۃ ،دارالفکر دمشق ۱۹۷۹ء

۳۰۰۔ کحالہ ،عمر رضا ،معجم المؤلفین ،المکتبہ العربیہ دمشق ۱۹۰۷ء۔

۳۰۱۔ کرمانی ،شمس الدین محمد بن یوسف ،شرح صحیح البخاری ،داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۹۸۱ء۔

۳۰۲۔ الکشی ،محمد بن عمر ،ابوعمر ،رجال کشی ،مطبوعہ مؤسسہ الاعلمی کربلا عراق۔

۳۰۳۔ کلینی ،محمد بن یعقوب ،اصول الکافی ،تہران ۱۳۸۱ھ۔

۳۰۴۔ گوندلوی ،محمد حافظ ،ارشاد القاری ،ادارہ ،ادارہ صیانۃ الحدیث والمحدثین گوجرانوالہ ۱۹۹۵ء۔

۳۰۵۔ ایضاً، درس صحیح بخاری ،مرتب منیر احمد سلفی ،اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور طبع الاولیٰ ۱۹۸۲ء۔

۳۰۶۔ گیلانی ،مناظر احسن ،تدوین حدیث ،مکتبہ العلم لاہور۔

۳۰۷۔ اللخمی ،عبداللہ ،ابومحمد ،اقتباس الانوار ،دارلکتب العلمیہ بیروت الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۹۹ء۔

۳۰۸۔ لکھنوی ،عبدالشکور ،تاریخ مذہب شیعہ ،دارالاشاعت کراچی ،۱۹۷۹ء۔

۳۰۹۔ لکھنوی، عبدالحیٔ ،ظفر الامانی بشرح مختصر السید الشریف الجرجانی فی مصطلح الحدیث ،مکتبہ المطبوعات الاسلامیہ حلب۔

۳۱۰۔ لکھنوی ،عبدالحیٔ الحسنی ، نزھۃ الخواطر مجلس دائرہ معارف العثمانیہ ،حیدرآباد دکن ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء۔

۳۱۱۔ مالک بن انس، المؤطا، داراحیاء العلوم بیروت۔

۳۱۲۔ الماممقانی، عبداللہ، تنقیح المقال فی علم الرجال، النجف ۱۳۵۲ھ۔

۳۱۳۔ محدث دہلوی، عبدالحق، مدارج النبوۃ، مکتبہ اسلامیہ اردو بازار لاہور۔

۳۱۴۔ المرادی، محمد خلیل، سلک الدرر فی اعیان قرن الثانی عشر، دارالبشائرالاسلامیہ بیروت ۱۹۸۸ء۔

۳۱۵۔ المرعشلی، محمد عبدالرحمٰن، فتح المنان المعروف بمقدمہ لسان المیزان، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۹۹۵ء

۳۱۶۔ المزی، ابوالحجاج یوسف، تحفۃ الاشراف، دارالکتب العلمیہ بیروت۔

۳۱۷۔ ایضاً، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۸۳ء۔

۳۱۸۔ الحی فخر الدین بن زبیر، التوضیحات الاثریہ علی متن الرسالۃ المندمیریہ، مکتبہ الرشد، الریاض ۱۹۹۹ء۔

۳۱۹۔ محمد اسحاق، ڈاکٹر، علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۷۶ء۔

۳۲۰۔ محمد اسلم سیف، تحریک اہل حدیث، تاریخ کے آئینے میں، مکتبہ تعلیمات اسلامیہ ماموں کانجن فیصل آباد ۱۹۹۴

۳۲۱۔ محمد بن عزوز، ڈاکٹر، مدرسۃ الحدیث فی بلاد الشام، دارالبشائرالاسلامیہ بیروت الطبعۃ الاولیٰ ۲۰۰۰ء۔

۳۲۲۔ محمد طیب، مولانا، تاریخ دارالعلوم دیوبند، دارالاشاعت کراچی ۱۹۷۲ء۔

۳۲۳۔ محمد عاشق الٰہی، سوانح عمری مولانا محمد زکریا، مجمع الخلیل الاسلامی کراچی ۱۴۱۷ھ۔

۳۲۴۔ محمد علی، علوم الحدیث اور امام اعظم، دارالعلوم شہابیہ سیالکوٹ ۱۹۶۶ء۔

۳۲۵۔ محمد نواز چوہدری، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی دینی و علمی خدمات، نعت اکادمی فیصل آباد ۱۹۹۷ء۔

۳۲۶۔ محمود طحان، ڈاکٹر، اصول التخریج ودراسۃ الاسانید، دارالقرآن الکریم، بیروت الطبعہ الثالثہ ۱۹۸۱ء۔

۳۲۷۔ ایضاً تیسیر مصطلح الحدیث، نشر السنہ ملتان۔

۳۲۸۔ مخلوف محمد، شجرہ النور الزکیہ فی طبقات المالکیۃ، دارالکتاب العربی بیروت ۱۹۵۱ء۔

۳۲۹۔ ایضاً، ایضاً، نور محمد اصح المطابع کراچی۔

۳۳۰۔ مغلطائی، علاء الدین بن قلیج، اکمال تھذیب الکمال فی اسماء الرجال، مقدمہ، مکتبہ الفاروق الحدیثہ القاہرہ ۲۰۰۱ء۔

۳۳۱۔ مقبول، صلاح الدین، زوابع فی وجہ السنہ، مجمع البحوث الاسلامیہ نیو دہلی الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۹۱ء۔

۳۳۲۔ المقدسی، محمد بن طاہر، ابوالفضل، شروط الآئمۃ الستہ، حدیث اکادمی فیصل آباد۔

۳۳۳۔ المقری، احمد، نفح الطیب، دارالمامون القاہرہ ۱۳۰۲ھ۔

۳۳۴۔ ملا جیون، احمد، نورالانوار، محمد سعید اینڈ سنز کراچی۔

۳۳۵۔ ایضاً، نورالانوار مع شرح قمرالاقمار، مطبع علمی لاہور ۱۹۵۸ء۔

۳۳۶۔ المناوی، محمد عبدالرؤف، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، المکتبۃ التجاریہ مصر القاھرہ۔

۳۳۷۔ ایضاً، الیواقیت والدرر شرح شرح نخبۃ الفکر، مکتبۃ الرشد الریاض الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۹۱ء۔

۳۳۸۔ مودودی، ابوالاعلیٰ سید، سنت کی آئینی حیثیت، اسلامک پبلیکیشنز لاہور ۲۰۰۴ء۔

۳۳۹۔ میرٹھی، بدرعالم، ترجمان السنہ، مکتبہ اہل حدیث دہلی۔

۳۴۰۔ میرٹھی، محمد ادریس، سنت کا تشریعی مقام، بیت التوحید، آصف کالونی کراچی۔

۳۴۱۔ نابلسی، عبدالغنی، ذخائر المواریث فی الدلالۃ علیٰ مواضع الحدیث، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۸ء

۳۴۲۔ النباہی الاندلسی، ابوالحسن علی بن عبداللہ المالکی، تاریخ قضاۃ الاندلس، المکتبہ التجاری بیروت۔

۳۴۳۔ نجاشی، احمد بن عباس الاسدی، کتاب الرجال، منشورات الرادری قم۔

۳۴۴۔ نجرای، محمد یوسف، ڈاکٹر، الشیعہ فی المیز ان جدہ ۱۹۸۶ء

۳۴۵۔ ندوی، ابو الحسن علی، الاسلامیات بین کتابات المستشرقین والباحثین المسلمین موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۸۶ء۔

۳۴۶۔ ایضاً، ہمارے ہندوستانی مسلمان، مجلس نشریات اسلام ناظم آباد کراچی۔

۳۴۷۔ ندوی، ابوالحسنات، ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں مکتبہ خاور، لاہور ۱۹۷۹ء

۳۴۸۔ ندوی، محمد حنیف، مطالعہ حدیث، علم وعرفان پبلشرز لاہور ۲۰۰۳ء۔

۳۴۹۔ ندوی، محمد سلیمان، سید، حیات امام مالک، مجلس نشریات اسلام کراچی۔

۳۵۰۔ ندوی، معین الدین احمد، مقالات سلیمان نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد ۱۹۸۹ء۔

۳۵۱۔ النسفی، عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی، تفسیر القرآن الجلیل، لاہور۔

۳۵۲۔ نعمانی شبلی۔ سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، فیصل ناشران کتب اردو بازار لاہور ۱۹۹۱ء۔

۳۵۳۔ ایضاً، سیرۃ النبی، حذیفہ اکیڈمی لاہور ۲۰۰۰ء۔

۳۵۴۔ نوبختی، فرق الشیعہ مطبعۃ الدولۃ لجمعیۃ المستشرقین الالمانیۃ استانبول۔

۳۵۵۔ نوشہروی، امام خاں، ابویحییٰ، تراجم علمائے اہل حدیث ہند، مرکز جمعیۃ طلبہ اہل حدیث لاہور، ۱۳۹۱ھ۔

۳۵۶۔ نووی، محی الدین یحییٰ بن شرف، ابوزکریا، تہذیب الاسماء واللغات، دارالفکر، بیروت ۱۹۹۶ء۔

۳۵۷۔ ایضاً، شرح صحیح مسلم، نور محمد اصح المطابع کراچی۔

۳۵۸۔ الھروی، ابوعبید القاسم بن سلام، غریب الحدیث، دارالکتاب العربی بیروت ۱۹۷۶ء۔

۳۵۹۔ ھمام بن منبہ، الصحیفہ الصحیحہ، تحقیق ڈاکٹر حمید اللہ، ناشر رشید اللہ یعقوب کراچی ۱۹۹۸ء۔

۳۶۰۔ الہیثمی، نورالدین، مجمع الزوائد، موسسہ المعارف بیروت ۱۹۸۶ء

۳۶۱۔ وحید الزمان، لغات الحدیث، میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی۔

۳۶۲۔ الوزیر، محمد بن ابراہیم، الروض الباسم، دار البشیر عمان الطبعہ الاولی ۱۹۸۵ء۔

۳۶۳۔ ایضاً، العواصم والقواصم فی الذب عن سنۃ ابی القاسم، دار البشیر عمان الطبعہ الاولی ۱۹۸۵ء۔

۳۶۴۔ ونسنک، المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی، مکتبہ ای جے برل لیڈن ۱۹۳۶ء۔

۳۶۵۔ یاقوت الحموی، ابوعبداللہ شہاب الدین ... التراث العربی بیروت ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء۔

۳۶۶۔ یحیی بن معین، تاریخ یحیی بن معین، دار القلم بیروت

۳۶۷۔ یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب، تاریخ یعقوبی، بیروت ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء۔

۳۶۸۔ یوسف، صلاح الدین، حافظ، تفسیر احسن البیان، دار السلام الریاض۔

۳۶۹۔ ایضاً، حد رجم اور اس کی شرعی حیثیت، المکتبہ السلفیہ لاہور۔

370. Dr abdul wadood, early Hadith Qudsi ,Darul quran Alkareem Beirut ,Damascus ,Ist edition 1980.

371. Edward w.Saeed, Orientalism, New York, 1978.

372. E.W. Lane ,An Arabic English Lexicon. History of Christian thought.

373. Gold Ziher,Muslim Studies (George Allen & unwin Ltd. London,1971.

374.Gold Ziher,Muslim studies,Gorge Allen & Unmin Ltd London 1967.

375. Hans Wehr,Dictionary of Modern written Arabic, ed J.M. Cowen, NewYork,1961.

376 Hans wehr, Dictionary of Moderan written Arabic,ed.J.K Cowon ,New Yark.1961.

377 Introduction to" Alisabah "by Ibn -i-hajar (A biblographical dictionary of persons who knew Muhammad) Biship's College Press. Calcutta.1856.

378 Ibn-i-hajar,Alisabah(Introduction by Springer) Biship's College press,Calcutta 1856.

379. J.Robson. Tha Isnad in Muslim Tradition(Glasgow University, oriential society)1955.

380. Karen, Arm strong Muhammad a biblography of the Prophet Newyork 1992.

381. Karen Armstrong, A Biblography of tha Propphet, New York,1992.

382. Schachi,Origins of Muhanmmaden Jurispondence.

383. Robson James,Ibn-i-ishaq's use of isnads (Bulletin of the John Ryland Library,Manchestar, UK)(V-38)195.

مخطوطات

فہرست مخطوطات، برٹش میوزیم، لندن۔

فہرست مخطوطات برلن،

فہرست مخطوطات، بوھار لائبریری، کلکتہ۔

فہرست دار الکتب المصریہ

Encyclopaedia Britannica, London,1958.

اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

مجلات و رسائل

البلاغ کراچی، جلد شمارہ ۱۲،

مجلہ دار العلوم دیوبند، مارچ ۱۹۸۸ء۔

تدبر، لاہور، شمارہ ۵۹ جنوری ۱۹۹۸ء۔

معارف، اعظم گڑھ۔

ہفت روزہ تکبیر کراچی، ۱۹ تا ۲۱ دسمبر ۱۹۹۷ء۔

ماہنامہ الحق، مولانا عبد الحق نمبر (اکوڑہ خٹک)۔

محمد طفیل، نقوش (رسول نمبر) ادارہ فروغ اردو لاہور، شمارہ نمبر ۱۳۰، دسمبر ۱۹۸۳ء۔

الفرقان، لکھنؤ۔

ہفت روزہ اہل حدیث، لاہور (خدمات اہل حدیث نمبر) ۱۹۹۷ء۔

علوم الحدیث اسلامی ادبیات کا افتخار ہیں۔ کتابت حدیث کا عمل حیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شروع ہوا اور پھر صحابہؓ نے آپ ﷺ کے تعامل اور فرمودات کو کمال ذمہ داری کے ساتھ دوسروں کے سامنے بیان کیا۔ تیسری صدی ہجری میں ان تمام روایات کو کمال تنقیح کے ساتھ موضوعاتی ترتیب میں محفوظ کر دیا گیا۔

پانچویں صدی ہجری تک علوم الحدیث کے فنی کمالات اپنے نقطۂ عروج تک پہنچ گئے۔ ابن حجر عسقلانی اور ابن الصلاحؒ نے اس متن شریف کو وہ بنیادیں عطا کر دیں کہ جن پر زمانہ اور زمین دونوں ناز کر سکتے ہیں۔ آج حدیث کے ہر علم وفن پر عربی زبان میں ہزاروں کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور اس سے زائد ابھی مخطوطات کی صورت میں دیارِ مغرب اور دول اسلامیہ کے مراکز علمی میں موجود ہیں۔ اُردو زبان میں بھی علوم الحدیث کی بہت سی عربی کتب کے تراجم کیے گئے تو کچھ طبع زاد تالیفات بھی سامنے آئیں۔ پیش نظر کتاب ''علوم الحدیث' فنی' فکری اور تاریخی مطالعہ'' اسی سلسلۃ الذہب کی ایک ممتاز علمی اور تحقیقی کاوش ہے۔ اُردو زبان میں اگر علوم الحدیث کی پانچ بہترین کتب کا انتخاب مقصود ہو تو پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر حفظہ اللہ تعالیٰ کی یہ تالیف ان میں بآسانی شمار کی جا سکتی ہے۔ ایک بات تو اعتماد سے کہی جا سکتی ہے کہ اُردو ادبیات میں علوم الحدیث پر یہ ایک ایسی تالیف ہے اور اس میں اتنے متعدد اور متنوع موضوعات پر قلم اٹھایا گیا ہے کہ جس کے باعث یہ ایک قاموسی نوعیت کا تجربہ دکھائی دیتا ہے۔ ایک ہزار صفحات کے قریب ضخامت کی اس تحقیقی کتاب میں چار سو کتابوں' مخطوطات اور علمی جرائد سے ۳۰۷۰ مقامات پر استفادہ کیا گیا ہے۔ حدیث کی اصطلاحات' مقام حدیث' ضرورت و حجیت' روایت و درایت' مستشرقین اور حدیث اسماء الرجال' جرح و تعدیل' فن تخریج' اقسام حدیث' تاریخ حدیث' تدوین حدیث' تذکار محدثین' انتقادِ حدیث' مدارس حدیث' مراکز حدیث' نصاب حدیث' فتنۂ انکار حدیث' اسالیب تدریس حدیث' غریب الحدیث' آداب الحدیث' تراجم حدیث' فقہ الحدیث' شروح الحدیث' لغات الحدیث' علم الانساب' علم معرفۃ الاسماء و الکنی والالقاب' علم الطبقات الغرض حدیث کے بیسیوں موضوعات کو سیکڑوں عنوانات کے تحت تقسیم کر کے ہر بات مستند حوالے سے درج کی گئی ہے جس کے باعث یہ تالیف لطیف علمائے عظام' شیوخ الحدیث' جامعات' مدارس اور تعلیمی اداروں کے اساتذہ کرام' جج صاحبان' وکلا' طلبہ اور تمام علم دوست افراد کے لیے فیض رسانی کا منبع بن گئی ہے۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر

ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل دعوہ اکیڈمی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد

ڈسٹری بیوٹرز:

کتاب سرائے

پبلشرز' ڈسٹری بیوٹرز' مشیران کتب خانہ جات

فرسٹ فلور' الحمد مارکیٹ' غزنی سٹریٹ
اردو بازار' لاہور فون: 7320318

نشریات

فضلی بک سپر مارکیٹ

اُردو بازار' نزد ریڈیو پاکستان' کراچی۔
فون: 2212991-2629724